ہماری ویب ڈیجیٹل بک

میاں محمد اشرف عاصمی

MIAN MUHAMMAD ASHRAF ASMI

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Mian Muhammad Ashraf Asmi"
at Hamariweb.com

پاکستانی معاشرے میں جنسی تشدد اور متاثرہ خواتین کا پُرسانِ حال

نبی پاک ﷺ نے دنیا کو مُردار سے بھی زیادہ ذلیل ترین قرار دیا ہے مشکوۃ شریف کی ایک حدیث کی رو سے اللہ پاک فرماتا ہے کہ مومن کے لیے یہ دنیا مردار ہے تکلیف کی جگہ ہے جبکہ کافر کے لیے یہ دنیا بہشت کی مانند ہے اور مومن کو آخرت میں سکون ملے گا بہشت ملے گی اور کافر کو آخرت میں جہنم۔ جب اِس دنیا کی حقیقت مومن کے لیے انتہائی حقیر ہے تو پھر اِس دنیا کی بود و باش کے ساتھ دل لگانا اور جھوٹی انا کی خاطر دوسروں کو ذلیل کرنا اور دوسرئے لوگوں کا استحصال کرنا یہ سب کچھ اِس دنیا میں ہی عیاشی کرنے والوں کے لیے ہے۔ اِس دنیا میں رہتے ہوئے جس انداز میں نفسا نفسی لالچ جھوٹ فریب قتل و غارت کا بازار گرم ہے اِس سے ظاہر ہوتا ہے آخرت کی زندگی کن لوگوں کے لیے سہل ہوگی۔ ظاہری بات ہے ایسا اُن کے لیے ہوگا جو اِس دنیا میں اپنے رب پاک کا حکم بجا لاتے رہے ہوں گے۔ جو لوگ اس دنیا میں دل کو لگاتے ہیں اُن کا ایمان ناقص ہے مومن کی شان ہے اللہ پاک کی اطاعت۔ پاکستانی معاشرئے میں بہت سے مسائل ہیں لیکن گذشتہ ایک دہائی سے ریپ کے واقعات میں بہت اضافہ ہے ۔اس میں گینگ ریپ بھی شامل ہیں افسوس کا مقام یہ ہے عدلیہ پولیس کا کردار درست نہیں ہے دوسری طرف جس لڑکی یا خاتون سے ریپ ہوا ہوتا ہے اُس کو معاشرہ قبول نہیں کرتا ایک طرف تو ویکٹم ہوتی دوسری

طرف اُس سے سلوک اکیوزیڈ والا ہوتا ہے۔ پچھلے پانچ سالوں میں ریپ کے واقعات میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور وجہ قانون کی بالادستی کا نہ ہونا غریب کے لیے انصاف نام کی کوئی چیز نہیں اور اشرافیہ انصاف کی خریدار ہے۔ ریپ کے سالانہ جو کیس پاکستان میں رجسٹرڈ ہوتے ہیں وہ تقریباً تین ہزار کے قریب ہیں جو اصل ہونے والے واقعات سے بہت کم ہیں۔ جس خاندان کی بیٹی کے ساتھ یہ ظلم ہوتا ہے وہ اِس نام نہاد مذہبی معاشرے میں شرم محسوس کرتا ہے اول تو مظلوم خاندان انصاف کے لیے جاتا ہی نہیں کیونکہ پولیس کا کردار انتہائی مجرمانہ ہے پولیس خود ہی ظلم کا شکار خاتون کے وارثان کو کہتی ہے کہ خواہ مخواہ کوشش کروگے ہونا کچھ بھی نہیں کیونکہ ریپ میں عمومی طور پر مالدار لوگ ملوث ہوتے ہیں یہ چوہدری یہ جاگیر دار یہ زمیندار انسانوں کو اپنی رعایا سمجھتے ہیں اُن کے نزدیک کسی کی بیٹی کی عزت کی کوئی اوقات نہیں۔ اکثر ریپ کا شکار ہونے والی خواتین کو معاشرہ بالکل قبول نہیں کرتا اور ایسی مظوم لڑکیاں خود کشی کرنے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔انتہائی غربت کے عالم میں زندگی گزارنے والی عوام انصاف سے کوسوں دور ہے۔ ہمارے معاشرے میں اتنی بناوٹ اور منافقت ہے کہ گھن آتی ہے ۔ایک طرف غریب طبقے کو مذہبی طبقے نے اپنے مقاصد کے لیے بے وقوف بنا رکھا ہے کیونکہ غریب عوام کے پاس اِس کے علاوہ چارہ نہیں کہ وہ کچھ کر سکیں نہ مالی استطاعت نہ طاقت یہ سب کچھ تو وہی کہاوت ہے کہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس ، بیچاری خواتین ایک تو جنسی

تشدد کا شکار ہوتی ہیں دوسرا معاشرہ اُن کو انصاف دلانے کی بجائے نفرت کا نشان بنا دیتا ہے یہ کیسا انصاف ہے کہ مظلوم ہی پس رہا ہے۔پولیس عدلیہ میڈیا کہاں ہیں۔ سیاسی حکومتوں نے اِس حوالے سے کیا اقدامات کیے ہیں۔ سیاسی حکومتوں کے پاس تو مال اکٹھا کرنے سے ہی فرصت نہیں ہوتی سماج جائے بھاڑ میں ۔سیاسی آقا تو پیدا ہی بادشاہت کے لیے ہوئے ہیں۔ عسکری یا فوجی حکومتوں میں بھی نوازنے کا سلسلہ ہی جاری رہتا ہے۔یہ اُس معاشرے میں ہو رہا ہے جہاں عوام ایک خدا ایک رسول ﷺ اور ایک قران کو مانتے ہیں۔اللہ پاک فرماتا ہے کہ جب تم اپنے کام سے انصاف نہیں کرو گے تو تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آوں گا۔

رمضان المبارک کی ستائیویں شب کو اُبھرنی والی مسلم ریاست پاکستان

پاکستانی قوم کو جس طرح سرمایہ داروں جاگیر داروں نے یرغمال بنا رکھا ہے اُس سے عوام اتنے پس چکے ہیں کہ پاکستان کی تخلیق کا مقصد بھی خدانخواستہ اپنے معنی کھوتا جارہا ہے۔یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ 1857 سے لے کر 1947 تک کا نوئے سالہ دور مسلمانوں نے شدید ابتلاء میں گزارا۔ معاشی سماجی سیاسی عمرانی ہر لحاظ سے پستی مسلمانوں کا مقدر بن چکی تھی۔ان حالات میں خطے میں امن وسکون کے لیے بہتر یہ ہی تھا کہ مسلمانوں کی علیحدہ ریاست ہو۔اگر پاکستان کی تخلیق کے حوالے سے دیکھا جائے تو بھاری مسلامنوں کی جو حالت بھارت میں ہے وہ کوئی ڈھکی شھپی نہیں۔اِسی رمضان کے بابرکت مہینے میں موجودہ وزیراعظم مودی کی بغل بچہ تنظیم مسلمانوں کے روزئے تڑوا رہی ہے۔ یہ ہے بھارت کا سیکولر ہونا۔پھر مسلامنوں کے ساتھ جس طرح کو سلوک ہندوستان میں رکھا جاتا ہے اُس کی مثال یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں کو غدار سمجھتے ہیں۔

لفظ پاکستان اور اسلام،الفاظ نظریہ پاکستان اور نظریہ اسلام اس طرح ایک دوسرے کے ہم مترادف ہیں کہ شائد اُردو زبان اُسکی وسعتوں کا احاطہ کرنے میں اتنی ہی آسانی محسوس کرتی ہے جتنی آسانی سے محبت اور پیار کے الفاظ بولے

جانے کے لائق ہوں۔انسانی جبلت میں پیار اور محبت رچا بسا ہے۔نام نہاد دانشور اپنے غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر پاکستان کے خلاف زبان درازی کرکے اور پاکستان کی تخلیق کو انگریز کی سازش گردان کر درحقیقت ابلیس کی پیروی کا فریضہ ادا کرنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں۔حضرتِ قائدِاعظمؒ ، حضرتِ علامہ اقبالؒ ، مجدد دین وملت حضرتِ مولانا امام احمد رضاء خانؒ ، پیر جماعت علیشاہ ، حضرت مولانا فضل خیر حق آبادیؒ ، مولانا شبیر عثمانیؒ جیسے عاشقانِ توحید وسنت کے عظیم علمبرداروں کی مساعی جمیلہ سے کفرستانِ ہندوستان میں نبی پاک ﷺ کے حکم سے بننے والی یہ پاک سرزمین جو 27 رمضان المبارک کی شب کی پُرنور ساعتوں میں وجود میں آئی ہو اُسکی حفاظت تو رب پاک خود کرتا ہے ۔اسلامیہ جمہوریہ پاکستان ، ایک مخصوص نظرئے کی بنیاد پر معرض وجوڈ میں آیا تھا اور وہ نظرئہ تھا، نظرۂ پاکستان ۔۔۔برِ صغیر میں دو قومی نظرئے کی کوکھ سے اُبھرنے والا نظریہ دراصل اپنے تمام معانی، مصادر منابع کے نقطہ نظر سے نظرۂ قرآن اور نظرۂ اسلام ہے۔ کیونکہ تحریک پاکستان کے مراحل کے دوران اسلامیان ہند نے جو نظریاتی نعرہ بلند کیا تھا وہ تھا پاکستان کا مطلب کیا لاالٰہ الااللہ۔

پاکستان عالیشان کا وجود باسعود ، ایک مرد قلندر ، مرد حریت اور مرد ایمان اور مرد امتحان ، حضرت قائدِاعظمؒ ، کی محنت شاقہ کی بدولت ہوا۔ حضرت علامہ اقبالؒ کی روحانی اور ایمانی الہامی شعری کاوشوں نے اپنا رنگ دکھیا

اور انہوں نے برصغیر کی غلامی میں پھنسی ہوئی مسلمان قوم کو احساس تفاخر ور خودی کی بیداری کا پیغام دے کر انہیں آزقدی کے اوج ثریا تک پہنچانے کیلئے اپنا خون جگر عطا کیا ۔علم و عقل میں اگر تضاد اور تصادم رہے گا تو ظاہر ہے کہ اس بنی ہوع انسان میں انتشار اور تخریب کا باعث بنے گا، اور بالآخر قومی زوال کا پیش خیمہ ۔خدائے بزرگ و برتر نے اُن افراد کو یہ اعزاز عطا فرمادیا۔ جنھیں دائرہ اسلام نے اسلام میں داخل ہونے کا شرف نصیب ہوا، وہ افراد دنیائے انسانیت کے خوش قسمت ترین انسان ہیں جنہیں حضور اکرم ﷺ کے یک امتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دین اسلام نے مسلمانوں کے قلوب وارواح میں جس فلسفہ توحید کو موجزن اور مرتسم کیا ہے، اُس سے ان میں فکری وحدت ، تہذیبی ہم آہنگی ، دینی حریت ور نسانی سطح پر احساس تفاخر کی تخلیق ہوئی ۔جب قلوب واذہان میں تصور توحید جلوہ گر نہ ہو انسان کی شخصیت میں وحدت پیدا نہیں ہو سکتی، ظاہر ہے کہ مسلمان ایک باری تعالیٰ جو وحدہ لاشریک ہے اس پر پختہ ایمان وایقان رکھے گا، توجب ہی اپنے ندر بھی وحدت پیدا کرے گا۔ اس تمام فلسفہ حیات کا منبع ، ماخذ، روح، اساس ، سرچشمہ اور بنیاد قرآن الحکیم ہے۔ اس نظرئے کو قرآن کی تعلیمات اور حکام کے پیش نظر مجدد الف ثانیؒ ، حضرت داتا گنج بخشؒ اور دوسرے اولیائے کرام اور مجتہدین قابل صد احترام نے اسی نظرئے کو اپنے خون جگر سے سینچا اور روحانی کمالات سے اس عظیم عمارت کی بنیادوں کو استحکام سے ہمکنار بھی فرمایا۔ انہی بابرکت اور روحانی شخصیات

کی تعلیمات مقدسہ نے حضرت علامہ اقبالؒ اور حضرت قائداعظمؒ کے افکار ملہ اور قومی نظریات ، دینی، اسلامی ، قومی امنگوں کا رنگ بھر دیا تھا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اسلامیان ہند کو پیغام خودی دیا۔ انہیں انتشار ونکبت سے جگایا او ایک قوم کی شکل میں متشکل کر دیا۔ حضرت قائداعظمؒ نے اسلامیان ہند کو اپنی تقاریر، خطابات ، اور علمی اور قانونی نظریات وارشادات کی روشنی میں انگریزوں اور ہندوؤں کی استعمار پسندانہ اور تشدد آمیز رویوں سے آگاہ کرتے رہے اور انہیں اپنی اسلامی اقدار و روایات اور تاریخ کی روشنی میں تیار رہنے کی ہدایت کرتے رہے۔ حضرت قائداعظمؒ نے اسلامیان ہند کے قلوب واذہان میں آزادی کی جو لو لگائی وہ الاؤ بن کر سامنے آئی اور پاکستان دنیائے انسانیت کے نقشے پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا۔ قرآن حکیم نے استفسار فرمایا: خدا تعالی نے تم سب کو تخلیق فرمایا' پھر تم میں سے ایک گروہ نے بلند و بالا اور عالمگیر انسانیت سے انکا کر دیا' اور دوسرے گروہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ ((64 /2

یہی وہ انسانیت کی تفریق اور امتیاز کا میعار ہے جو قرآن حکیم انسانوں کے لیے پیش کرتا ہے۔ اسی کے مطابق دو اقوام واضح ہوتی ہیں ایک دوسری غیر مسلم ۔ ایک مومن اور دوسری کافر یہی وہ فلسفہ فکر نظر تھا کہ حضرت نوحؑ اپنے سے الگ ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے علیحدہ ہو گئے۔ کیونکہ دونوں کی

حقیقی کیفیت میں نظرۂ حیات مبنی بروحی سے ہم رنگ اور ہم آہنگ نہ تھا قرآن کے حوالے سے حضرت ابراہیمؑ کو کہنا پڑا۔ (یعنی تم میں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کے لیے کھلی عداوت اور نفرت رہے گی۔) چنانچہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اسلامی ریاست وحکومت میں شامل نہ گیا۔ حضور پاک ﷺ کی مجلس شوریٰ میں کبھی کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ علیم اجمعین کی مجلس شوریٰ اور پارلیمان میں کوئی غیر مسلم کا داخل نہ تھا۔ بلکہ کافر یا غیر مسلم، ملت اسلامیہ کا ف رد ہی نہیں تھا لہذا اسلام اور قرآن کے نزول کے ساتھ ہی بنی انسان دو مختلف نظریات اور حتمی طبقات میں تقسیم ہو گئے۔ ایک نظریہ ایمان نہ لانے والوں کا۔ چنانچہ اولاد آدم دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئ شرار بولہبی ایک جانب اور چراغ مصطفیٰ ﷺ دوسری جانب، اس نظریے نے خون اور حسب و نسب کی نفی نھی کر دی۔ برادری، قبیلے اور ذات پات کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ اس کی بہترین مثال جنگ بدر اور جنگ اُحد ہے جس میں نبی الزماں حضور اکرم ﷺ دوسرے صحابہ کرام کے قریبی رشتہ دار دشمن کے صف میں براجماں تھے، چنانچہ قرآن نے کافروں اور منافقین کے ضمن میں ملت اسلامیہ کو بڑی سختی سے متبنہ کیا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے نظرۂ پاکستان کا آغاز، تشکیل، اور تراویج برصغیر میں اس وقت ہوئی جب مسلمانوں کو انتشار و افتراق اور زوال و انحطاط کا سامنا کرنا پڑا اور ہندوں کی اصل فطرت کے شاہکاروں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مظالم کا گھناونی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

بالخصوص 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد کی بڑی دلدوز داستان ہے، جسے غربی اور شرقی مفکرین و مصنفین نے خوب بیان کیا ہے یہ اپنے طور پر ایک طویل داستان ہے۔ indian ولیم ہنٹر کی کتاب india wins freedom 5 مولانا ابولکلام آزاد کی کتاب عبدالوحید خان کی کتاب تقسیم ''ہند'' اور ان کی دوسری کتاب '' mussalmans freedom at'\ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ'' کالنز اور لاپیئر کی کتاب midnight\' اور Dimension of Movement اور پروفیسر منور مرزا کی کتاب دیوار'' برہمن'' کا مطالعہ کرلیں۔ ان شنکروں، دیالوں، بگوپالوں، مہاجروں، ساہنیوں، دھوتی پرشادوں، چٹیا گھنٹانوں، ایڈانیوں، ملکانیوں، مشراوں، بال ٹھاکروں، من موہنوں اور بڑے بڑے مہاپرشوں نے اسلام، پاکستان، نظریہ پاکستان دو قومی نظریہ اور مسلمان دشمنی میں کسر اٹھا رکھی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ ہمارے سابق مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے غدار سیاستدانوں نے ہماری تاریخ اسلام کو مسخ کرکے دیا۔ جو ایمانی اور ایقانی روح سے محروم تھے۔ جو قرآنی جرات و استقامت سے سرمایہ دارانہ تھے۔ ہمارے جسم کا ایک بازو کٹ گیا چنانچہ اندرگاندھی نے زورخطابت کے نشے میں یہ کہا'' آج ہم نے دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے، ہم نے ایک ہزار سال کا بدلہ لے لیا ہے۔ لیکن ہم نے اندراگاندھی اور ان کے مخلص چیلوں چانٹوں اور حواریوں اور ان کے حاشیہ برداروں کو اسی وقت باور کرارہے ہیں اور کراتے رہیں گے کہ جب تک ایک مسلمان بچہ بھی برصغیر پاک و

ہند میں زندہ ہے اسلام اور کفر کی جنگ جاری رہے گی، اسلام کا جھنڈا موجود رہے گا،
اس جذبہ محرکہ کو جس تصور، خیال، اصول، جابطے یا نقطہ نظر نے تخلیق کیا اسے نظرہ
کہتے ہیں۔ Iddeology of pakistan پاکستان کا نام دیا گیا۔ جسے انگریزی میں
چنانچہ حضرت قائداعظم 1944ء میں مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) میں خطاب کرتے
ہوئے فرمایا" آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے
لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی۔ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس
کی وجہ نہ ہندوں کی تنگ نظری ہے۔ نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ
ہے۔ اور یہی دراصل مطالبہ نظرہ پاکستان کی ترجمانی کرتا ہے۔ مسللہ یہ ہے کہ تکلیف
صرف اسلام سے ہے کیونکہ کسی غیر مسلم کے اسلام قبول کر لینے کے بعد جس طرح اس
کے زمین وآسمان بدل جاتیمیں وہ عجیب کیفیت ہے، اس کے خیالات و تصورات اس
کے جذبات واحساسات اور انسانیت کے جملہ تمام اطوار یکدم وحدہ لاشریک کی ذات
اقدس سے جڑ جاتے ہیں اور پھر اس کا رخ ممبئ کلکتہ اجودھیا دہلی اور بجنور سے مکہ اور
مدینہ کی طرف ہو جاتا ہے اس روحانی اور دینی تبدیلی کی مسٹر گاندھی کو بھی سمجھ نہیں
آئی تھی۔ ان سے پہلے ہو گزرے مہاپرشوں کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی، ان مہا گرووں
کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی، اور نہ ہی آسکتی تھی اور اب یہ کیفیت کا فرما ہے مسٹر گاندھی
عجیب مکاریت وفریب کاری کے انداز گفتگو میں کہا کرتے تھے کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ
ایک سیدھا سادھا سا ہندو جب

مسلمان ہو جاتا ہے تو دنگی، فسادی اور لڑاکا ہو جاتا ہے۔ دنگئی تو وہ ہو جائے گا جب اسے اپنے نظریے کی پاسبانی کرنا پڑے گی۔ دنگئی تو وہ ہو جائے گا، جب ناموس رسالت ﷺ پر خدانخواستہ حرف آئے گا۔ دنگئی تو لازمی ہو گا کہ جب وہ وحدہ لاشریک کی شان میں کوئی غیر قوم کا فرد گستاخی کا مرتکب ہوگا۔ قرآن پاک پر رکیک حملوں کا جواب تو پھر وہ پنی جان پر کھیل کر دے گا اور شہادت کے مقام اولیٰ کو مسکراتے ہوئے حاصل کرنا قاپنا دینی اور اسلامی فریضہ سمجھے گا۔ یہی وہ جذبہ اسلام ہے، یہی وہ قرآنی برکت ہے یہی وہ دو قومی نظریے کی بنیاد ہے۔ یہی دو قومی نظریہ اپنی روحانی معنویت اور اسلامی قومی نظریات و تصور کی شکل میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے نظرہ پاکستان کی شکل میں نمودار ہوا۔ پاکستان کی تخلیق میں لاکھوں اسلامیان ہند نے شہادتوں کا خون عطا کیا لاکھوں مسلمان عورتوں اور بچوں نے قربانیاں دیں، پاکستان کو انگریزوں اور ہندوں نے آسانی سے قبول نہیں کیا تھا۔ پاکستان انگریز نے طشتری میں رکھ کر پیش نہیں کیا تھا ۔ تقسیم ہند نہ انگریزی بادشاہت کو پسند نہ تھی، نہ برطانوی پارلیمنٹ، نہ برطانوی حکومت ہند، نہ وائسرائے صاحبان، نہ انڈین نیشنل کانگریس، نہ مسٹر گاندھی، نہرو پٹیل اور راجگوپال اچاریہ وغیرہ، لارڈ مونٹ بیٹن جو آخری وائسرائے ہند تھا۔ اسے تقسیم ہند سے ویسے ہی چڑ تھی۔ جمیعت العلمائے ہند کی اکثریت مخالف چند اور اسلام پسند گروہ بھی قائداعظمؒ پر رکیک حملوں سے باز نہ آرہے تھے۔ اکثر مسلمان

اکابرین جو کانگریس کے متاثرین میں سے تھے یہ تقسیم پسند نہیں فرمار ہے تھے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی خاص طور پر شامل تھے۔ یہ حضرت قائد اعظمؒ کی سیاسی صداقت اور ولولہ انگیز قیادت اور مومنانہ شان و شوکت کا اعجاز تھا کہ بڑے بڑے برج گرتے چلے گئے بڑے بڑے طوفان اپنی اپنی راہ لیتے رہے بڑے بڑے پہاڑ چکنا چور ہو جاتے رہے۔ اور وہ سرحدیں قیام پذیر ہوئیں جنھوں نے معرکہ بدر و حنین کی یاد دتازہ کردی۔ یہ سرحدیں کچے دھاگے کی سرحدیں نہیں یہ اینٹوں گارے، سیمنٹ اور ماربل کی بنائی ہوئی دیوار نہیں "لاالٰہ الااللہ محمد الرسول اللہ" کے اسلامی اور قرآنی نظریے اور ایمان پر قائم کردہ دیواریں ہیں۔ جو قیامت تک قائم رہیں گی، حضرت قائداعظمؒ نے اسی لیے قیام پاکستان کے بعد 30 اکتوبر 1947ء کو فرمایا تھا ہم نے پاکستان حاصل کر لیا کسی خونی جنگ کے بغیر امن کے ساتھ اخلاقی اور ذہنی قوت کے بل بوتے، پر یوں ہم نے ثابت کر دکھایا کہ ہم سچے اور ہمارہ مقصد بھی سچا تھا، پاکستان اب ایک قطعی اور اٹل حقیقت ہے اسے کبھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں سبق مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا ذکر بے جانہ ہوگا، جب اندرا گاندھی (وزیر اعظم بھارت) نے یہ بیان بڑے فخر و تکبر اور فتح کے نشے میں دیا کہ آج ہم نے قومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا اورآج ہم نے ہزار سال کا بدلہ لے لیا۔ اب توجہ توجہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ کدس نے کس سے یہ بدلہ لیا اور خلیج میں ڈبو دیا، سگر ہم یہ کہیں کہ اندرا گاندھ

نے کتنی غیر منطقانہ معصومیت مین بیان داغا تھا اس قابل رحم خاتون کو معلوم ہی نہیں کہ دو قومی نظریہ اور نظرۂ پاکستان کے اصل مفاہیم و مطالب اور ابدی توجیہات و تفاسیر کیا ہیں اسلام اور قرآن کی روشنی میں اگر ایک مسلمان بچہ بھی برصغیر میں زندہ ہے تو دو قومی نظریہ اپنی کامل جولانیوں کے ساتھ موجود ہے، نظرۂ پاکستان مکمل طور پر قائم ہے۔ اسلام کا جھنڈا موجود ہے۔ اگر نظرۂ پاکستان اپنی اصلی اور ازلی حقائق کے نقطہ نظر سے مقصود ہو گیا ہوتا تو بنگلہ دیش جسے آج ہم سابق مشرقی پاکستان کہتے ہیں ہندوستان کا کوئی باجگر حصہ بن چکا ہوتا، لیکن ایسا ایسا نہیں ہوا وہ پاکستانی حضرات جنہیں پاکستان نے اعلیٰ ترین مقام سیاست و قیاست پر متمکن کر رکھا اب جلوہ افوذ ہیں، ژولیدہ، نظریاتی علم سے عاری، تحرک پاکستان کے دلدوز لمحات و واقعات سے ناواقف، حضرت قائداعظمؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ سے بغض، کینہ اور نفرت رکھنے والے ایسے قابل تعظیم افراد پاکستان کی کیا خدمت کر رہے ہونگے اور جنہیں بالخصوص قیامت کے روز حضرت قائداعظمؒ کے حضور کیا جوابدہی دینا ہوگی۔ جو نظریہ پاکستان اور تخلیق پاکستان کے بارے میں مشکوک الایمان اور متزلزل عقائد کے علمبردار ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑی اور کوئی بدقسمتی نہیں ہے۔ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ پاکستان مشیت ارادی ہے، اور حضرت قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ سات سات ولیوں کی قوت ایمانی والی شخصیات تھیں۔ اگر پاکستانی دانشوران کرام، اساتذہ کرام طلبہ و طالبات کبھی ٹھنڈے

دل سے غور فرمائیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں اہم کردار ادا کرنے والوں کا کیا حشر ہوا وہ پاک و ہند کی سیاسی اور قومی تاریخ کے ابواب میں قیامت تک کھڑے عبرت نشان عبرت بن کر رہ گئے۔ اندرا گاندھی کا یہ حشر ہوا کہ اسے اپنے باڈی گارڈ نے گولیوں سے اڑا دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو اپنی ہم قوم فوج کے افسران نے گولیوں سے اڑا دیا۔ کسی متعلقہ فرد کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔

عمران خان کو قانونی نوٹس کے ممکنہ محرکات وثرات

سابق چیف جسٹس پاکستان افتخار محمد چودھری کے عمران خان کو قانونی نوٹس کے ممکنہ محرکات وثرات

سابق چیف جسٹس پاکستان افتخار محمد چودھری نے تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کیخلاف 20 ارب روپے ہرجانے کا دعوی دائر کر دیا اور اس سلسلے میں ہتک عزت کا نوٹس بھی بھجوا دیا گیا۔ سابق چیف جسٹس نے نوٹس اپنے وکلاء کے توسط سے بھجوایا۔ جمعرات کو سابق چیف جسٹس کے وکیل نصیر کیانی نے نوٹس میڈیا کے سامنے پیش کیا اور پڑھ کر سنایا جس میں کہا گیا ہے کہ عمران خان 14 دن میں معافی مانگیں اور اپنا بیان واپس لیں۔ افتخار محمد چودھری کے وکیل نے بتایا کہ سابق چیف جسٹس کی خدمات کو ملکی و بین الاقوامی سطح پر سراہا گیا، ان کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ نوٹس میں افتخار محمد چودھری نے کہا ہے کہ عمران خان نے میری ریٹائرمنٹ کے بعد کھلم کھلا الزامات لگائے، ہتک آمیز زبان استعمال کی اور ملک کی ایک پارٹی کو 2013ء کے انتخابات میں جتوانے کا الزام لگایا اس لئے میں نے اپنے دفاع کے طور پر مقدمہ دائر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وکیل نصیر کیانی کا کہنا تھا کہ عمران خان کے عمل سے دنیا بھر میں افتخار محمد چودھری کے تشخص کو نقصان پہنچا ہے۔ عمران خان نے معافی نہ مانگی تو ان کے

خلاف قانونی کارروائی کا آغاز کیا جائے گا۔ بی بی سی کے مطابق 20 ارب روپے کے نوٹس بھیج دیئے گئے ہیں جن میں 15 ارب کا ہتکِ عزت کا دعویٰ ہے اور 5 ارب روپے ذہنی اذیت پہنچانے کی وجہ سے ہیں۔ نوٹس میں عمران خان پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے انتخابات کے بعد عدلیہ کے خلاف بے بنیاد اور من گھڑت الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ نوٹس میں عمران خان کی 26 جولائی 2013 کی اخباری کانفرنس کا حوالہ دیا گیا جس میں انہوں نے ریٹرننگ افسران پر دھاندلی کے الزامات لگائے تھے۔ سابق چیف جسٹس کے وکلا کا کہنا تھا کہ ابتدا میں انہوں نے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے الزامات کو نظرانداز کیا لیکن بعد میں ظاہر ہوگیا کہ عمران خان کے الزامات بھول چوک یا جذبات کا نتیجہ نہیں بلکہ انتخابات اور عدلیہ کی ساکھ کو کھوکھلا کرنے کی سوچی سمجھی سازش کا حصہ ہیں۔ ماضی میں عمران خان پر ریٹرننگ افسران کے خلاف 'شرمناک' کا لفظ استعمال کرنے پر کارروائی ہوئی تھی لیکن عدالت نے انہیں بری کر دیا تھا۔ افتخار چودھری کے وکلا نے اس مقدمے کو یاد دلاتے ہوئے کہا کہ توہین عدالت کی 31 جولائی 2013 کی سماعت کے دوران عمران خان نے خود پیش ہو کر مستقبل میں عدلیہ کے خلاف توہین آمیز بیانات سے پرہیز کی یقین دہانی کروائی تھی۔ نوٹس میں تحریک انصاف کی عام انتخابات پر شائع ہونے والی وائٹ پیپر جیسی رپورٹوں کا حوالہ بھی دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ان رپورٹوں اور بیانات میں کہیں بھی ان کے خلاف کوئی شکایت یا الزام نہیں تھا لیکن گذشتہ برس دسمبر

میں افتخار چودھری کے چیف جسٹس کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد عمران خان نے ان کے خلاف انتہائی ہتک آمیز زبان استعمال کرنا شروع کر دی۔ کئی عام محفلوں اور ٹی وی پروگراموں میں انہوں نے آکر کھلم کھلا الزام لگایا کہ میں نے انتخابات میں ایک مخصوص جماعت کو کامیاب کرنے کی خاطر دھاندلی کروائی ہے۔ سابق چیف جسٹس کا کہنا تھا کہ ہرجانے کی رقم وہ ذاتی استعمال میں نہیں لائیں گے بلکہ کارِ خیر کے لیے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ عمران خان کی جانب سے 14 روز کے اندر معذرت یا ہرجانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں وہ عدالت میں مقدمہ دائر کریں گے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے آپ کو عمران خان کے خلاف ملک کے اندر اور باہر دیگر قانونی راستے اختیار کرنے کا مجاز قرار دیا۔ اے پی اے کے مطابق نوٹس میں سابق چیف جسٹس کی طرف سے کہا گیا ہے انہوں نے زندگی بھر ملک میں قانون اور آئین کی حکمرانی اور عدلیہ کی آزادی کی جدوجہد کی ہے، اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ان کاوشوں کو ملکی اور عالمی سطح پر بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ وکلا کی عدلیہ آزادی تحریک کی کامیابی کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مستقبل میں عدلیہ انتخابات کے انعقاد میں کوئی کردار ادا نہیں کرے گی کیونکہ اس سے عدلیہ پر دھاندلی کے الزامات لگتے ہیں جس سے ادارے کی ساکھ متاثر ہوتی ہے۔ چیف الیکشن کمشنر جسٹس (ر) فخر الدین نے کو ایک خط رجسٹرار سپریم کورٹ کو ارسال کیا، چیف جسٹسز کمیٹی نے الیکشن کمیشن سے بعض معاملات کی وضاحت کے بعد فیصلہ کیا کہ قومی مفاد کے پیش نظر

صرف اس ایک بار عدلیہ الیکشن کے انعقاد میں شرکت کرے گی۔ نوٹس میں کہا گیا ہے کہ عام انتخابات میں تحریک انصاف کو کئی انتخابی حلقوں میں کامیابی حاصل ہوئی اور جن حلقوں میں ان کے امیدواروں کو ناکامی ہوئی اور وہاں امیدواروں نے الیکشن ٹریبونلز میں شکایات بھی درج کرائیں۔ عمران خان نے جو الزامات لگائے وہ صرف ان کے خلاف نہیں بلکہ عدالت کے دیگر جج صاحبان کے خلاف بھی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اب تک ان انتہائی ہتک آمیز اور گھٹیا الزامات پر کوئی تبصرہ کرنے سے گریز کیا ہے کیونکہ تحمل اور برداشت ان کی عمر بھر کی پیشہ وارانہ تربیت کا ثمر ہے مگر 24 اور 27 جون کو عمران نے تہذیب کی حد سے تجاوز کر دیا اور بغیر کسی ثبوت کے ان پر دھاندلی کے الزامات لگائے جس سے انہیں ذاتی طور پر بہت ٹھیس پہنچی، اس لئے اب ان کے پاس قانون کی پناہ حاصل کرنے اور ہتک عزت کا دعوی دائر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ پارلیمان کے رکن اور ملک کے ایک بڑے لیڈر ہونے کے ناطے عمران خان کو ایسی زبان استعمال نہیں کرنی چاہئے تھی جس سے کسی فرد اور کسی ادارے کی توہین ہو مگر عمران خان نے ان کی شہرت کو نقصان پہنچایا ہے۔ آن لائن کے مطابق افتخار چودھری کا نوٹس میں کہنا ہے کہ میں ایک ایسا ملک چاہتا ہوں جہاں ہر شخص کی عزت محفوظ ہو اور جہاں سستی شہرت کے خواہشمند سیاسی شعبدہ باز کسی کی عزت سے کھیل کر باآسانی فرار نہ ہو۔

سابق چیف جسٹس افتخار چوہدری کی جانب سے جس طرح عمران خان کو قانونی نوٹس بھیجا گیا ہے اِس سے ایک بات تو ظاہر ہو گئی ہے کی عمران خان کے لیے یہ جنگ آسان نہیں ہو گی کیونکہ افتخار چوہدری وہ شخصیت ہیں جنھوں نے بدترین آمریت کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا تھا۔ ملکی مسائل حل نہ ہونے کے حوالے سے اِن کو موردِ الزام ٹھرانا درست نہیں ہے کیونکہ عدالتی حکم ناموں پر عمل درآمد کا کام عدلیہ کا نہیں انتظامیہ کا ہے پوری دنیا جانتی ہے کہ کس طرح پیپلز پارٹی کے لیڈران عدلیہ کو دھونس میں رکھتے رہے۔ حتیٰ کہ یوسف رضا گیلانی کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ عدالتیں میرے خلاف جو مرضی فیصلہ کر لیں۔ فیصلے پر عمل درآمد کے لیے تھانیدار تو میں نے ہی فراہم کرنا ہے۔ یہ ہے وہ سوچ جس نے عدلیہ کی آزادی کے ثمرات عوام تک نہیں پہنچنے دیے ۔آصف علی زرداری تو کبھی بھی افتخاری چوہدری کی بحالی کے حق میں نہیں تھے لیکن فوج کی مداخلت سے لانگ مارچ گوجرانوالا تک پہنچا تھا تو فیصلہ عدلیہ کی بحالی کے لیے کرنا پڑا۔ لیکن ایک بات بانگ دہل کہی جا سکتی ہے کہ افتخار چوہدری نے جس طرح اعلیٰ عدلیہ کو زبان بخشی اُس سے طاقت کے ایوانوں میں ارتعاش ضرور پیدا ہوا اور اِس حوالے سے ملک بھر کے وکلاء کا کردار فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ کراچی اور اوکاڑہ میں وکلاء نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے اِن دو شہروں میں وکلاء کو زندہ جلا دیا گیا۔ میٹھا میٹھا ہپ ہپ پیکھا پیکھا تھو تھو یہ ہے انداز ہمارے سیاستدانوں کا پہلے ہر کوئی یہ کریڈٹ لے رہا تھا کہ عدلیہ کی آزادی

اُس کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اپنی پسند کے فخر جی ابراہیم کو الیکشن کمشنر بنوایا گیا اور بعد میں جب الیکشن میں من پسند رزلٹ نہ ملے تو افتخار چوہدری کو ٹارگٹ کر لیا گیا۔ اُس کے بعد ن لیگ کو ٹارگٹ کیا گیا حالانکہ اُس وقت مرکزی حکومت پی پی پی کی تھی اور الیکشن کا انتظام و انصرام بھی اُس کا فرض ہوتا ہے۔ عمران خان صاحب شائد انتظار کے موڈ میں نہیں اِس لیے وہ ہر وقت کسی نہ کسی کو ٹارگٹ بنائے رکھتے ہیں اُس کے بعد پھر وہ اپنی راہ لیتے ہیں اور کسی نئے ٹارگٹ کی طرف چل نکلتے ہیں۔ موجودہ فرسودہ ظالمانہ نظام کو ختم ہونا چاہیے اور اِس حوالے سے کوئی دو آراء نہیں ہیں لیکن اِس کام کے لیے سنجیدہ رویہ اختیار کرنا بھی ہمارے ساستدانوں کی ذمہ داری ہے۔ موجودہ حالات میں جب پاکستانی معاشرے میں بے روزگاری، دہشت گردی بدامنی عروج پر ہے پاک فوج دہشت گردوں کے ساتھ برسرپیکار ہے۔ طاہر القادری اور عمران خان کے پاس کیونکہ سٹریٹ پاور ہے وہ حکمرانوں پر پریشر ڈال سکتے ہیں۔ لیکن راقم کی رائے میں اگر حکومت مذاکرات کے لیے تیار ہے تو ان احباب کو مذاکرات ضرور کرنے چاہیے اور عوامی فلاحی کے حوالے سے اپنے پروگرام پر عمل درآمد کراوئیں۔ لیکن جس طرح سانحہ مادل ٹاون کی مِس ہینڈلنگ حکومت کی طرف سے ہوئی ہے یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے اور بیوروکریسی کی شہباز حکومت کے خلاف سازش ہے۔ ہائی کورٹ کے یک رُکنی ٹربیونل کی کاروائی جس انداز مین ہو رہی ہے راقم کو بھی اُس میں شامل ہونے کا موقع ملا اُس سے لگتا ہے کہ ٹربیونل فیصلہ حق پر ہی

کرے گا۔ اگر طاہر القادری صاحب تعاون کرتے تو ٹربیونل کی کاروائی اور جلدی مکمل ہوسکتی ہے لیکن منہاج القران کی جانب سے ٹربیونل کے ساتھ تعاون نہیں کیا گیا حالانکہ لاہور ہائی کورٹ بار کے عہدے داران طاہر القادری صاحب کے پاس خود ملنے گئے اور اُنھوں انصاف کی سربلندی کے حوالے سے ہائی کورٹ سے تعاون کرنے کو کہا لیکن اُن کی جانب سے کوئی مثبت جواب نہیں ملا۔اِس پس منظر میں سابق چیف جسٹس کی جانب سے ہتک عزت کے حوالے سے عمران خان کو بیس عرب کا قانونی نوٹس اِس بات کی عکاسی ہے کہ عمران خان کے لیے عدالتی جنگ اتنی آسان نہیں ہوگی بہر طور سابق چیف جسٹس کا عدلیہ میں بہت اہم کردار رہا ہے اور اُس کے اثرات ابھی اتنی جلدی ختم نہیں ہوسکتے۔

خود آگاہی

نفسِ باطنی کو خالق کی عطا کے مطابق ڈھال لینا اور زیست کے ایک ایک لمحے کو خالق کے حکم پر قربان کر دینا یہ بندے کی وہ حالت ہے۔ جو اُسے ہر دُنیاوی شے سے بیگانہ کر دیتی ہے۔اُسے اپنے خالق پر یقین محکم ہوتا ہے۔اُسکی زندگی میں درپیش کسی طرح کے طوفان اُسے حق کی راہ سے نہیں ہٹا پاتے۔ گویا بندے کا اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جانا اپنے خالق سے آگاہ ہونے کا سبب بنتا ہے۔انسان جب یہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ اُس کا رب ہی اُس کا صرف رب ہے تو اُس کی زندگی میں کوئی کسک نہیں رہ جاتی۔ وہ خور کو اپنے خالق کی رضا کے تابع بنا لیتا ہے۔اُسکی نگاہیں اپنی ایک ایک ضرورت کے لئے صرف خالق کی طرف اُٹھی ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بندے کا اول اور آخر مالک صرف اُس کا خدا ہی ہے اپنے آپ کو زندگی کے سفر میں سیدھی راہ کا راہی بنا لینا اور قدرت کی خاطر خود کو خبردار رکھنا۔انسان کی فطرت میں گناہ کی طرف مائل ہونا عام سے بات ہے۔ لیکن جب بندہِ مومن کو خود آگاہی ہو جاتی ہے۔ہمارے معاشرے جو تقسیم در تقسیم کا عمل جاری ہے اور جس طرح معاشرتی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے مذہبی فرقہ ورانہ منافرت نے بھائی چارے امن دوستی کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔اِسی طرح سیاسی رواداری سے عاری ماحول بھی سوسائٹی کے لیے زہرِ قاتل بنا ہوا ہے۔ جو قوم ایک اللہ پاک کے نام ایک نبی

پاک ﷺ اور ایک قران پاک کے نام پر بھی اکھٹی نہ ہو پائے اِس سے بڑھ کر بد قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔ سرمایہ داروں نام نہاد مذہبی رہنماؤں، سیاسی آقاؤں نے قوم کو جو جس طرح سے اپنے اپنے دائرے میں یرغمال بنا رکھا ہے وہ نا قابلِ بیان ہے۔ یہ درست ہے کہ پاکستان کی جغرافیائی محلِ وقوع کی وجہ سے بہت اہمیت ہے لیکن اِسی وجہ سے خطے میں بدامنی بھی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ معاشرہ ایک ایسی آگ میں دھکیل دیا گیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ کوئی شخص محفوظ نہیں جان مال کی حُرمت پامال ہو چکی ہے۔ انسانی خون اتنا ارزاں ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ شہید ہو چکے ہیں ان میں عام لوگ بھی شامل ہیں اور افوج پاکستان کے جانباز بھی۔ بد قسمتی کا یہ عالم ہے کہ اِس ملک میں لیڈری کرنے والے قاتل اور مقتول کے درمیان فرق روا نہیں رکھے ہوئے۔ ہزاروں معصوم افراد کے قاتل دہشت گردوں کو شہید قرار دیا جا رہا ہے قوم کو شدید قسم کی کنفیوزن میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔ پاکستانی ریاست جس طرح کے خطرات سے دوچار ہے یہ ایک ایسا المیہ ہے کہ اِس کے لیے ایسی لیڈر شپ درکار ہے جو کہ اقتدار کے ایوانوں کی بجائے عوام سے دلی اُنس رکھتی ہو۔ موجودہ حالات میں اقبالؒ کی فکر کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اقبالؒ اللہ پاک کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے میں ہی مسلمانوں کی فلاح سمجھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ قلندر میلِ تقریر نہ دارد بجز ایں نکتہ اکسیر نہ دارد از اں کشتِ خرابے حاصلے نیشت کہ آب از خون شبیر ندارد (ارمغانِ حجاز) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ قلندر لمبی چوڑی تقریر کی

طرف رغبت نہیں رکھتا۔ سوائے اُس نکتے کہ جو میں تمھارے لیے کہنے والا ہوں کہ اِس ویران کھیت سے کوئی پیداوار حاصل نہیں کی جاسکتی کہ جس کی حضرت امام حسینؑ شبیرؓ) کے خون سے آبیاری نہ کی جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان جہاد فی سبیل) اللہ کے بغیریا باطل کے مقابلے میں عملاً نکلے بغیر کسی قسم کی عزت اور وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ جہاد کے حق میں اور باطل کے خلاف زبانی کلامی باتیں کرنے سے تمہاری اجڑی ہوئی دنیا آباد نہیں ہو سکتی اس کا ایک ہی طریقہ ہے جو کہتے ہو اِس پر عمل کرو۔ مگو ار مدعائے زندگانی ترا ار شیوہ ہائے اذنگہ نیست من ار ذوق سفر آنگونہ مستم کہ منزل پیش من جز سنگ رہ نیست (پیام مشرق) حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں زندگی کے مقصد کے بارے زبان مت کھول یعنی بیان کرنے کی کوشش نہ کر اِس کی اداؤں پر تیری نظر نہیں یعنی تو اِس کے انداز کو نہیں سمجھتا۔ میں سفر کی لذت سے اتنا مست ہوں کہ میرے آگے منزل راستے کا پتھر ہے اور کچھ نہیں یعنی میں منزل کو سنگِ راہ سمجھتا ہوں ۔ میں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو منزل کو منزل نہیں سمجھتا اور ایک نئی منزل کے لیے رواں دواں ہو جاتا ہوں ۔ زندگی سکون و ثبات کا نام نہیں حرکت و عمل کا نام ہے۔ فرشتہ گرچہ بروں ار طلسم افلاک است ، نگاہِ او بتماشائے ایں کف خاک است (زبورِ عجم) حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں فرشتہ اگرچہ انسانوں کی طرح آسمان کے جادو یعنی قوانینِ فطرت سے آزاد ہے ۔ اس کے باوجود اس کی نظر مٹھی بھر خاک کے پتلے (انسان) پر ہے یعنی وہ انسان کی رفعت کی طرف دیکھتا ہے جو اُسے عشق

کے سوزو گداز کی بدولت حاصل ہے۔ ہوس ہنوز تماشا گر جہانداری است و گرچہ فتنہ پس پردہ ہائے زنگاری است (زبور عجم) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہوس ابھی تک اسی فکر میں ہے کہ کس طرح دنیاوی مال و دولت اکٹھی کی جاسکتی ہے۔ ہرے رنگ کے پردوں آسمان) کے پیچھے اور کونسا فتنہ پوشیدہ ہے؟ دنیا میں جتنے بھی فتنے فساد پیدا ہوئے اُن) کا سبب ہوس ہی ہے۔ زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل، بیا کہ عشق مسلمان و عقل زناری است (زبور عجم) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عقل جو کچھ تراشتی ہے اُسے لمحہ بہ لمحہ توڑتی رہتی ہے کیونکہ وہ درست نتیجہ اخذ نہیں کرسکتی۔ اب عقل کی باتیں چھوڑ کر عشق اختیار کرلے کیونکہ عشق مسلمان ہے صحیح راستے پر ہے اور عقل برہمن کا زنار ہے یہ کفر کی راہ چلتی ہے عشق معرفتِ حق کی طرف لے جاتا ہے۔ مگو از مدعائے زندگانی، رابر شیوہ ہائے اذنگہ نیست من از ذوق سفر آنگونہ مستم کہ منزل پیش من جز سنگ رہ نیست (پیام مشرق) حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں زندگی کے مقصد کے بارے زبان مت کھول یعنی بیان کرنے کی کوشش نہ کر اِس کی اداؤں پر تیری نظر نہیں یعنی تو اِس کے انداز کو نہیں سمجھتا۔ میں سفر کی لذت سے اتنا مست ہوں کہ میرے آگے منزل راستے کا پتھر ہے اور کچھ نہیں یعنی میں منزل کو سنگِ راہ سمجھتا ہوں۔ میں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو منزل نہیں سمجھتا اور ایک نئی منزل کے لیے رواں دواں ہوجاتا ہوں۔ زندگی سکون وثبات کا نام نہیں حرکت و عمل کا نام ہے۔ جناب اقبالؒ کی سوچ کاو یہ ادراک تھا کہ مسلمانوں

کی زبوں حالی کیسے ختم کی جاسکتی ہے۔اِس مقصد کے لیے انھوں نے مردِ مومن کو یہ سبق دیا ہے کہ جس کو تو منزل سمجھ رہا ہے یہ توپڑاؤ ہے منزل نہیں ہے یہ حیات سکوت کا نام نہیں، یہ زندگی تو حرکت کا نام ہے اِسی لیے علامہؒ اپنے مقصد سے اتنی لگن رکھتے ہیں کہ وہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے کا پیغام دیتے ہیں۔ اقبالؒ کے ہاں مایوسی کا دور دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں اقبال بندہِ مومن کو عقلی تقاضوں سے بہت آگے عشق کے میدان میں لے جاتے ہین وہ کہتے ہیں کہ عشق ہی تمھاری منزل ہے۔ حتیٰ کہ جنابِ اقبالؒ یہاں تک پکار اُٹھے ہیں کہ وہ انسان کو یہ بتلاتے ہیں کہ کیونکہ تیرے اندر عشق کی وجہ سے سوز و گداز ہے اِس لیے فرشتے آسمانوں کے باسی ہونے کے باوجود انسان کی قسمت پر رشک کر رہے ہیں۔ اقبالؒ کے خیالات یہ ہیں کہ وہ عمل پر زور دیتے ہیں وہ گفتار کے غازی کی بجائے کردار کے غازی بننے کی تلقین کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی فرماتے ہین کہ اگر تم نے دُنیا میں عزت واحترام سے رہنا ہے تو پھر جنابِ حضرت امام حسینؓ کی طرح جہاد کرو اور ہمیشہ سچ کا ساتھ دو۔ بندہ جب خود کو پہچان لیتا ہے تو پھر اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اپنی حقیقت پہچان لیتا ہے۔ مقصدِ زیست کے حوالے سے پھر ابہام کا شکار نہیں ہوتا۔اُس کی آنکھوں میں اپنے خالق کے علاوہ اور پھر کوئی نہیں جچتا۔زندگی اور موت کے ہونے یا نہ ہونے کی حدود قیود سے ماورا ہوجات ہے۔ خودی تو عرفان خداوندی ہے۔جفا وفا تو بس کیفیات کے نام ہیں۔ عشق کی راہ سچی راہ ہوتی ہے۔

بندہ کو دجو پہچان جاتا ہے۔

وارث میرؒ۔ قلم کی حرمت کا پاسبان

عمر کے گھوڑے کی رفتار جب گھٹتی چلی جاتی ہے تو انسان کے خوابوں کے جزیرے ویران ہوتے چلے جاتے ہیں۔ عقلیت عملیت پسندی کا روپ دھار لیتی ہے۔ جو ہو چکا ہوتا ہے اُس کی بنیاد پر ہی سارے اندازے لگائے جاتے ہیں۔ ماضی کی ناکامیاں زندگی کو چرکے لگاتی ہیں امید کی جگہ یاسیت اور جذبوں کی روانی کی جگہ خوف لے لیتا ہے میری عمر کے لوگ یاسیت پسندی کا شکار ہونا شروع ہو جاتے ہیں لیکن ہمارا خالق تو ہے ہی امید کا نام۔ اگر ہم ناامید ہوتے ہیں تو گویا توحید کے معیار کو ماننے سے انکاری ہو جاتے ہیں۔ رب کے بندے کا کام صرف اسباب مہیا کرنا اور تگ و دو میں شامل ہو جانا ہوتا ہے۔ نتائج کی ذمہ داری اُسکی نہیں ۔ رب پاک محنتوں اور جذبوں کی صداقت کو کبھی رسوا نہیں کرتا۔ جب جناب وارث میر کا انتقال ہوا اُس وقت راقم بی کام کا طالبعلم تھا۔ لیکن اخبار کے ساتھ میرا تعلق اُس وقت سے ہے جب میں کلاس دوئم میں پڑھتا تھا۔ یوں ہر سال جب وارث میر صاحبؒ کے حوالے اُن کی برسی پر ٹی وی پر پروگرام آن ائیر ہوتا ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کہ جیسے ایک شیر کی دھاڑ والے بہادر انسان کو گیدڑوں نے اِس طرح گھیرا کہ وقتی طور پر وہ کامیاب رہے لیکن درحقیقت مورخ جب بھی اِن واقعات کو ضبط تحریر میں لائے گا تو ہمیشہ وارث میر کامیاب و

کامران گردانے جائیں گے۔ کتنا افسوس ناک امر ہے کہ جب دلیل ختم ہو جائے تو پھر گولیاں برسانی شروع کر دی جائیں ۔ وہی نام نہاد خارجیوں اور طالبان والا طریقہ کار۔ یہ ہی کچھ وارث میر کے ساتھ کیا گیا ۔ غدار غدار غدار۔ کتنا ظلم ہے کہ آپ ایک اُستاد ایک دانشور ایک صحافی پر اپنے ہی ملک میں غداری کا لیبل لگانا شروع کر دیں۔

آج جب کے اخبارات اور چینلز کی بھرمار ہے اور ہر خبر کو بریکنگ نیوز کا نام دے دیا جاتا ہے ۔ مجھے وارث میر اور حامد میر کی تحریریں پڑھنے کا متواتر موقع ملتا رہا ہے اُس کے علاوہ شہید پاکستان جناب سرفراز نعیمیؒ کے حوالے سے جناب حامد میر کے تاثرات اور نبی پاک ﷺ کی محبت کے حوالے سے لکھے گئے حامد میر کے کالموں نے مجھے وارث میرؒ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے یہ کالم لکھنے کا حوصلہ اور ہمت عطا کی ۔ ہمارے ہاں قلم کی حرمت کا پاس رکھنا تو دور کی بات ہے ایمان فروشوں کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے اِس دیس کی عزت اور وقار کو آسائشات کی خاطر بیچ ڈالا۔ ہمارا المیہ ماضی میں بھی یہ رہا ہے کہ پیٹرو اسلام کی حامل نام نہاد مذہبی سیاسی جماعتوں نے صرف اُس بات کو اسلام مانا ہے جو وہ کہہ رہی ہوں یا اُن کی امداد کرنے والے نے جسے اسلام قرار دیا ہو۔ پاکستان میں مارشل لاؤں کی تاریخ بہت لمبی ہے اور اِس کے اثرات سے قوم کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا ہے۔ میں ہمیشہ سے پاکستانی فوج کے حق میں لکھتا ہوں کیونکہ فوج کا مورال بلند کرنا ہر پاکستانی کا فرض ہے۔ ایوب خان، بھٹو، ضیاء، مشرف کے مارشل لاؤں کی

مخالفت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم فوج کی مخالفت کر رہے ہیں۔ حال ہی میں راقم نے پاک فوج سلامت تو ہم سلامت، پاک فوج وطنِ عزیز کا حصار، پاک فوج زندہ آباد کے عنوانات سے کالم لکھے ہیں حتیٰ کے لاہور ہائی کورٹ میں الطاف حسین کے خلاف اور پاک فوج کے حق میں احتجاج بھی صرف راقم کی طرف سے کیا گیا۔ پاک فوج کے خلاف زبان کھولنے پر منور حسن کو راقم نے ہی قانونی نوٹس بھیجا۔ اِس لیے کہ پاک فوج نے ہمیشہ وطن کے لیے قربانیاں دی ہیں اور حالیہ ضربِ عضب نے تو ملک کو نئے سرے سے سنبھالا دیا ہے اور وطن عزیز کے لیے فوج کی قربانیاں قوم کے اوپر احسان ہیں۔ میری دانست میں یہ سلسلہ کہ فلاں صحافی وطن دُشمن ہے ختم ہونا چاہیے۔ جناب حامد میر وارث میر کے بطل حریت ہیں اور اُن پر بنگلہ دیش اور بھارت نواز ہونے کا الزام لگانے والوں کو اپنی سوچ میں تبدیلی لانی چاہیے کہ ترقی پسندی کی لہر کے نظام کے خلاف جو بغاوت کے احساسات تھے اُس کو مفاد پرست ٹولے نے اسلام کے خلاف، ریاست پاکستان کے خلاف سرگرمیوں کا نام دے دیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ فیض احمد فیض، حمید اختر جیسے لوگ بھی غدار کہلوائے گئے۔ جناب وارث میر کے ساتھ اُس وقت کے فوج حکمران نے اپنی حلیف مذہبی سیاسی جماعت اور اُس کی بغل بچہ طلبہ تنظیم کے ذریعے پنجاب یونیورسٹی میں حملہ بھی کروایا اور اُس وقت وارث میر صحافت کے شعبے کے ہیڈ آف ڈیپارٹمینٹ تھے اُن کو نوکری سے برخواست کروایا۔ یوں وارث میر کو ذہنی تناؤ کا شکار ہونا پڑا اور اِسی تناؤ نے اُن کی جان لے لی۔ تین

دہائیوں کے بعد بھی جو وارث میر کی سوچ تھی وہی کامران ہے تشدد اور اپنی مرضی ٹھونسنے والوں نے اِس ملک کو جنگ میں ڈال دیا۔ اور یوں اسلام کا نام لے کر داتا علی ہجویریؒ کے دربار تک کو خون میں نہلایا گیا۔ وہی سوچ جو وارث میر کو غدار کہتی تھی اُسی سوچ نے پاکستان کے معصوم لوگوں کو بم دھماکوں میں شہید کیا معاشی طور پر اتنا نقصان پہنچا کہ بیان سے باہر۔ لیکن وارث میر کی سوچ زندہ ہے اور زندہ رہنے کا حوصلہ دے رہی ہے۔ میری سماعتیں جناب وارث میرؒ کی آواز سُن رہی ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ دیکھ قاتل میرے، میری ہستی کو تو مٹانا چاہتا تھا لیکن میں تو زندہ ہو نور کی طرح اور تم اپنی ہی ظلمتوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب گئے ہو۔

زندگی اتنی غنیمت تو نہیں جسکے لیے
عہدِ کم ظرف کی ہر بات گوارا کرلیں

آئین پاکستان کے تحت پولیس کی ذمہ داریاں اور کارکردگی

پولیس نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بے پناہ قربانیاں دی ہیں اور پولیس کے افسر اور نوجوان اپنی جانوں کا نذرانہ مادر وطن پر نچھاور کر رہے ہیں اس لیے پولیس کی قربانیوں کے حوالے سے کوئی دو آراء نہیں ہیں لیکن انوسٹی گیشن کے شعبے کی کارکردگی سب کے سامنے ہے کہ ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنادیا جاتا ہے اِسی طرح پولیس کی جانب سے ملزمان کے خلاف شواہد پیش نہ ہو پانے کیس کی پیروی نہ کرنا اِس سے بھی عدالتوں کو پھر شواہد اور حالات و واقعات کی روشنی میں ملزمان کو رہا کرنا پڑتا ہے الزام عدلیہ پر دھر دیا جاتا ہے کہ عدلیہ کا قصور ہے۔ چیف جسٹس جناب تصدق حسین جیلانی نے اسلام آباد میں 18 اکتوبر 2014 کو منعقدہ بین الاقوامی جوڈیشل کانفرس کے شرکاء سے خطاب کرے ہوئے درست فرمایا کہ اگر حکومتوں کے تمام ادارئے بہتر انداز میں کام نہ کر رہے ہوں تو اُس کا بوجھ بھی عدلیہ کو ہی اُٹھانا پڑتا ہے۔پولیس کے جواں شیر ایس پی چوہدری اسلم شہید نے کراچی میں دہشت گردی کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کی اِس طرح کے بہت سی مثالیں ہیں ۔ اِس آرٹیکل کا مقصد یہ نہیں کہ پولیس کو بُرا بھلا کہا جائے بات صرف اتنی ہے کہ ہر شعبے میں اچھے اور بُرئے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن پولیس کے حوالے سے شکایات زبان زدِ عام ہیں ۔ پولیس کی ذمہ د

اری کسی بھی معاشرے میں امن وامان قائم رکھنا ہے۔ معاشرے کے مجبور طبقات کی مدد کرنا۔ باثر افراد کی چیرہ دستیوں سے مظلوم اہر بے کس افراد کو بچانا۔ پولیس در حقیقت ریاست کی طرف سے ایک ایسے کام پر مامور ہے جس طرح اللہ پاک فرشتوں کو اپنی مخلوق کی مدد کے لیے بھیجتا ہے۔ لیکن ترقی پزیر ممالک اور پسماندہ ملک جن میں پاکستان، بھارت، برما، بنگلہ دیش بھی شامل ہیں میں پولیس کا کردار مہذب معاشرئے کی نفی کرتا ہے۔ جاگیردارنہ سوچ وڈیرہ شاہی سرمایہ دارانہ ذھینیت یہ سب کچھ جس معاشرے میں ہو وہاں پولیس نام کی فورس فرشتوں جیسا نہیں بلکہ ظالموں کا روپ دھار لیتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ عجیب طرح کی کشمکش سے دوچار رہتا ہے۔ سیاست دان اپنی مرضی ومنشاء سے اپنے علاقے کا تھانیدار مقرر کرواتے ہیں۔ پولیس کو مظلوم کی مدد کی بجائے بااثر امداد اپنے مخالفین کا ناطقہ بند کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

پاکستانی معاشرے میں عدم برداشت کا رویہ عام ہے۔ کہیں ذات پات رنگ ونسل کے مسائل ہیں اور کہیں فرقہ وارنہ ہم آہنگی کی کمی ہے۔ لیکن پولیس کے لیے ایک بہت بڑا ٹاسک یہ ہے کہ قبضہ گروپوں کی ہمنوائی کرنا۔ جائیداد کے جھگڑوں میں پولیس کا کردار یہ ہے کہ جس شخص نے زیادہ مال دے دیا پولیس اُسکا ساتھ دینا اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے۔ گویا قدر انسانیت کی نہیں قدر تو دولت کی ہے۔ پولیس کے رویے کے حوالے سے اخلاقیات اور انسانی اقرار جیسے الفاظ عجیب طرح کے رویے کے متقاضی ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری سوسائٹی پولیس کی غنڈہ گردی کے زیر عتاب ہے۔

محافظ کا لفظ پولیس اپنے لیے استعمال کرکے عملی طور پر جس طرح سے عوام کے ساتھ وحشیانہ اور درندوں والا سلوک کیا جاتا ہے اُسکے بعد لفظ محافظ لفظ راہزن کا مترادف بنتا ہوا دیکھائی دیتا ہے۔ معاشرے جب ارتقائی سفر میں ہوتے ہیں تو بلاشبہ بہت سے مسائل اور دُشواریاں پیش آتی ہیں لیکن جب ارتقاء کی جانب پیش رفت انتہاء تک پہنچ جانے کے بعد بھی مثبت جانب جانے کے بجائے منفی اثر دکھائے تو پھر کیا کہا جاسکتا ہے۔ مسلم سوسائٹی نے تو آج سے 1432 سال قبل اپنی ارتقاء کی منازل طے کی تھیں اور عیظم رہنما حضور اکرم ﷺ اور عیظم کوڈآف لائف قران مجید کے ثمرات سے مستفید ہوتے ہوئے انسانیت کا بول بالا کیا تھا۔ جن ممالک میں بے روزگاری بہت کم ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے اور سماجی انصاف کی حد تک عوام کی صورتحال بھی بہت بہتر ہے۔ پولیس کا محکمہ حقیقت میں خادم ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ اِس حوالے سے برطانیہ ،امریکہ یورپ کی مثالیں سامنے ہیں۔ گویا جہاں معاشی آسودگی ہے وہاں سُکھ اور چین بھی، ہے۔ اور اُن معاشروں میں پولیس بھی انسانیت کے دائرے میں رہ کر انسانوں سے انسانوں جیسا سلوک کرتی ہے۔ بے چین، معاشی ناہمواریوں سے مزین سوسائٹی میں پھر انڈر ورلڈ اپنی مثال آپ بن جاتی ہے۔ منشیات منی لانڈرنگ ، انسانی سمگلنگ سب کچھ عام ہوتا ہے۔ پولیس تو فقط ان گینگسٹرز کی حاشیہ بردار ہوتی ہے اور ان مافیاز کے لیے ٹاوٹ کا کردار ادا کرتی ہے۔ سرکار کے ساتھ ساتھ ان مافیاز سے بھی اپنی خدمات کا عوضانہ ماہانہ بنیادوں پر وصول کرتی ہے۔ پاکستان میں

کرپشن عام ہے۔ اس وطن میں اب جسم فروشی بھی انھیں قانون کے محافضوں کی سرپرستی میں با قاعدہ ایک پروفیشن بن چکی ہے۔ انصاف بکتا ہے۔ ڈگریوں کی لوٹ سیل لگی ہوئی ہے۔ انسانی اعضاء کی تجارت ہوتی ہے۔اس ملک کا حکمران طبقہ پارلیمینٹ کو ربڑ سٹیمپ سمجھتا ہے۔جس معاشرے میں بیشتر عوامی نمائیندے پارساء نیک نہ ہو بلکہ پرلے درجے کے بد کردار، عیاش لٹیرے ہوں اور آئین کے آرتیکل 6 کی دھجیاں اُڑا رہے ہیں وہاں پھر صورتحال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ رکن قومی اسمبلی جمشید دستی نے پارلیمنٹ میں شراب و دیگر خرافات کی جانب جب توجہ دلائی تو تھوڑی دیر کے لیے ارتعاش پیدا ہوا لعن طعن کی گئی بعد میں پھر خاموشی ۔ جس سوسائٹی کے سیاست دان جعلی ڈگریوں کے حامل ہوں اس سوسائٹی میں پھر پولیس فریشتوں جیسی صفات کی حامل کیسے ہو سکتی ہے۔ جیسی سوسائٹی ویسے حکمران اُسی طرح کے سماجی رویے۔ ان حالات میں پولیس نے ان مگر مچھوں کی ہی وفاداری کرنی ہے خدائی خدمت گزار نہیں بننا۔ اس پولیس کے لیے شرافت، دیانت کتابی باتیں ہیں۔ پولیس آرڈر 2002 ء میں پولیس کو جو ذمہ داریاں تفویض کی گئی ہیں اُن پر عمل پیرا ہو کر معاشرے میں امن و سکون قائم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اب ہم اصل حقیقت کی طرف آتے ہیں وہ یہ کہ پولیس کو دباو میں رکھنے کے لیے اتنے گروہ سرگرم عمل ہیں کہ پولیس چاہے بھی تو اِن ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔ موجودہ پولیس آرڈر میں پولیس کی مندرجہ ذیل ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا ہے۔ سیکشن 3 پولیس آرڈر 2002 میں عوام سے پولیس

کے رویے کے حوالے سے 4 باتوں کا ذکر ہے۔

یہ کہ عوام کے ساتھ شائستگی اور عزت سے پیش آنا۔ (a)

عوام کے ساتھ دوستانہ رشتہ قائم کرنا۔ (b)

ایسے مجبور افراد یا بچے جو کمزور ولاغر ہیں یا غریب ہیں یا معذور ہیں اُن کی مدد (c) کرنا اگر پبلک مقامات پر یا گلیوں میں جسمانی معذور یا چھوٹے بچے بے یار ومددگار ملیں تو اُن کی مدد کرنا۔

بچوں اور خواتین کو مدد بہم پہنچانا خاص طور پر جب وہ خطرے میں ہوں ۔(d)

سیکشن 4 سب سیکشن (1) پولیس آرڈر2002کے مطابق پولیس کے فرائض میں شامل ہے ۔

شہریوں کی آزادی، جائیداد اور جان کی حفاظت کرنا۔(a)

عوامی سطح پر امن وامان قائم رکھنا۔ (b)

ایسا شخص جو پولیس کی حراست میں ہو اُسکے حقوق اور سہولیات کا قانون کے مطابق (c) خیال رکھنا۔

عوامی حوالے سے e)) جرائم کو روکنا اور عوامی تکالیف کا اعادہ نہ ہونے دینا۔ d))

امن وامان کے لیے انٹیلی جنس معلومات حاصل کرنا اور ان معلومات کا تبادلہ کرنا۔

پبلک مقامات، عبادت گاہوں گلیوں بازاروں سڑکوں میں رکاوٹیں پیداا ہونے f))

گلیوں اور سڑکوں پر ٹریفک (g) سے روکنااور عام شاہراہوں پر رکاوٹیں نہ ڈالنے دینا۔

کو کنٹرول کرنااوراسکے بہاؤ کو ممکن

بنانا۔

لاوارث جائیداد واشیاء کو قبضے میں لینا اوراس کا ریکارڈ رکھنا۔(h)

اُن افراد کو گرفتار کرنا(j) مجرموں کوتلاش کرکے انصاف کے کٹہرے میں لانا۔(i)

جن کو گرفتار کرنے کا پولیس کو حق ہے۔ اور اُن کی گرفتاری قابلِ وجہ بھی ہونی

جس شخص کو گرفتار کیاگیا ہو وہ اپنی گرفتاری کی بابت کسی کو اطلاع کرنا k)) چاہیے۔

چاہتا ہے تو پولیس کا فرض ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ متعلقہ شخص تک اطلاع

پولیس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی بھی پبلک مقام، دکان وغیرہ کو (l) پہنچنی چاہیے۔

بغیر ورانٹ چیک کر سکتی ہے جس کے متعلق یہ قابلِ اعتماد اطلاعات ہوں کہ اِن

مقامات پر شراب یا منشیات ہیں یا فروخت ہوتی ہیں یا اسلحہ کا ذخیرہ غیر قانونی طور پر

تمام قانونی احکامات کو ماننا اور اُن پر عمل درآمد کروانا۔ (M) کہیں موجود ہے۔

قانون کے دائرے میں رہ کر وقتی طور پر کوئی بھی حکم دیا جائے اُس کی بجاآوری (N)

پولیس کا فرض ہے۔

قدرتی آفات سے تباہی یا تشدد وغیرہ سے پبلک پراپرٹی کو بچانے کے لیے مدد (O)

عوام کو کسی بھی ادارے یا گروپ کے استحصال و دھوکہ ہی سے (P) فراہم کرنا۔

معاشرے کے ذہنی طور پر معذور افراد کی جان و مال کی حفاظت کرنا۔ (Q) بچانا۔

پبلک مقامات پر عورتوں اور بچوں کو ہراساں ہونے سے بچانا۔ (R)

پولیس آفیسر ہنگامی صورتحال میں خواتین اور (a) سب سیکشن 2 سیکشن 4 کے مطابق
(c) سڑک پر ایکسڈینٹ کے شکار لوگوں کی مدد کرنا۔ (b) بچوں کی مدد کرے گا
حادثات میں متاثرہ افراد اور اُن کے لواحقین کو مدد فراہم کرنا اور ایسی ہر اطلاع دینا
(d) جس سے اُن کی مدد ہو سکے اور معاوضے کے کلیم کرنے میں اُن سے تعاون کرنا۔
سڑک پر حادثات سے متاثرہ افراد کو اُن کے حقوق اور سہولیات کے بارے میں آگاہی دینا۔

سیکشن 4 سب سیکشن 3 پولیس آرڈر 2002 کے مطابق پولیس آفیسر کا فرض ہے کہ اگر اُس کے علم کوئی ایسا شخص ہے جو کہ کسی جرم میں ملوث ہے تو وہ پولیس آفیسر اِس کی اطلاع مجاز عدالت کو دے گا اور قانون کے مطابق ورانٹ، سرچ وارنٹ ، سمن وغیرہ کے لیے عدالت میں درخواست گزار ہو گا۔ پولیس چادر اور چار دیواری کے تقدس کو پامال نہیں کر سکتی۔ پی ایل جے 2006 لاہور 721 کے مطابق سیکشن 4 سب سیکشن 10 کے مطابق پولیس کو بغیر وارنٹ قابلِ اعتماد اطلاعات کی بناء پر کسی بھی پبلک مقام پر داخل ہونے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اس اختیار کا مطلب یہ نھیں کہ نجی احاطے یا گھر میں پولیس داخل ہو سکتی ہے۔

سیکشن 5 سب سیکشن 1 کے مطابق حکومت سرکاری گزٹ میں اگر کوئی ہنگامی نوٹیفکیشن جاری کرکے پولیس کو خاص ٹاسک انجام دینے کا کہتی ہے۔ جو کہ معاشرے کے افراد کے لیے ضروری عمل ہو پولیس اُس حکم کو مانے گئی۔ سیکشن 5

سب سیکشن 2 کے مطابق کلاز (1) کے حکم کے مطابق ایمرجنسی حالات میں پولیس اپنے سینئر پولیس آفیسر کا حکم مانے گی۔

سیکشن چار اور سیکشن پانچ پولیس آرڈر الفاظ کی حد تک تو انتہائی پُر مغز اور امید افزاء ہیں لیکن جب اس تھیوری کو عملی حالت میں دیکھا جاتا ہے تو یہ بات محسوس ہوتی ہے یہ سب کچھ اس سوسائٹی میں قابلِ عمل نہیں ہے۔ جب پولیس نے اپنے فرائض کی ادائیگی پریشر میں کرنی ہے اور جب ہر ایم این اے اور ایم پی اے تھانیدار کو اپنی انا کے اشاروں پر نچاتا ہے تو امن و امان کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ رب پاک کو حاضر و ناضر جان کر اگر ہم خود سے یہ سوال کریں کہ کیا کسی شریف النفس انسان کا موجودہ دور میں اسمبلی کا ممبر بننا ممکن ہے تو اِسکا جواب منفی میں ہونے کے ساتھ ساتھ ہے یہ بھی ہوگا کہ شریف آدمی نہ تو الیکشن لڑ سکتا ہے اور نہ ہی جیت سکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں تھانے اور کچہری کی سیاست ہوتی ہے۔ کسی کو گرفتار کروادیا کسی کو مروادیا اور کسی کو علاقے سے ہی غائب کروادیا جنگل کا قانون تو پھر بھی کوئی معانی رکھتا ہے جہاں درندے، پرندے ہزاروں سالوں سے بس رہے ہیں۔ ہماری سوسائٹی میں طاقت کا استعمال اقرباپروری اپنی مثال آپ ہیں۔ یہاں عوامی نمائندے کیسے ہوں گے ؟ جیسا ماحول، بن چکا ہے ادھر تو شرافت، دیانت امانت سب کچھ منافقت میں ڈھل چکا ہے۔ صرف چند ہزار انسانوں نے پوری قوم کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ اِن حا

لات میں پولیس امن و امان کیسے قائم رکھے جب عوامی نمائندے وزیر، مشیر سرمایہ دار وڈیرے پولیس کو اپنی من مانی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ماضی میں سندھ اسمبلی کے ایک ضمنی الیکشن میں حکومتی پارٹی کی ایک خاتون امیدوار نے پولیس آفیسر کے سامنے خاتون پریزائیڈنگ آفیسر کو تھپڑ مارے اور ڈی ایس پی صاحب باادب ہو کر سارا تماشا دیکھتا رہے۔ یہ ہے وہ پولیس جس نے عوام کو غنڈوں کی چیرہ دستیوں اور ظلم سے بچانا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے معاشرے میں میڈیا کے فعال کردار نے کافی حد تک آگاہی دی ہے۔ لیکن حزب اقتدار ہو یا حزب مخالف، اقتدار میں رہنے کے لیے منشیات فروشوں اور قبضہ گروپوں کی سرپرستی کرتے ہیں اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کیونکہ وہ بھاری رقوم خرچ کرکے آئے ہیں اس لیے ہر طریقے سے رقم کماتے ہیں۔ باقاعدہ غنڈے پال رکھے ہوئے ہیں۔ موجودہ حالات میں وکلاء، سول سوسائٹی اور عدلیہ ہی امید کی کرن ہیں کہ شائد ہمارہ معاشرہ کبھی گدِھوں سے نجات حاصل کرسکے۔ تھانے بکتے ہیں ماہانہ بنیادوں پر رقوم اکٹھی ہوتی ہیں۔کتابوں میں لکھے اخلاقیات اور مذہب کے امن و آشتی کے اسباق کہیں دور اندھیرے میں دبکے ہوئے ہیں۔عمر ساری تو اندھیرے میں کٹ نہیں سکتی روشنی کے حصول کے لیے ابھی لمبا سفر درپیش ہے۔ تعلیم امن، صحت، روزگار سماجی انصاف معاشرے کو امنوآشتی کا گھوارہ بنا سکتے ہیں۔ نبی، پاک ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ نہیں۔ قصور پولیس کا نہیں بلکہ اِس کو

کرپٹ کرنے والوں کا ہے جو پولیس کو دباؤ میں رکھ کر اُس سے ہر ناجائز کام کرواتے ہیں جب پولیس سے حکمران ہی ناجائز کام کروائیں گے تو پھر پولیس کیسے قانون کی پابندی کرے گی۔

پاک فوج تو سلامت تو ہم سلامت

زمانہ جتنی مرضی اپنی جہتیں بدل لے آگ اور خون کے کھیل سے وطن کے چپے چپے کی حفاظت پر مامور پاک فوج کے افسر وجوان درحقیقت اُس جھنڈے کو تھامے کھڑے ہیں جو جھنڈا دین اسلام کا ہے جس جھنڈے کی حفاظت کے لیے غزوہ بدر سے لے کر ابتک مسلمانوں کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں ہے۔اِس عظیم مشن کی آبیاری میں آقا کریم ﷺ کی جدوجہد اپنی مثال آپ ہے۔ صحابہ اکرامؓ نے ہمیشہ دین مصطفےٰ کریم ﷺ کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا۔پاک فوج آج اُسی مشن کی حفاظت کے لیے خارجیت کے خلاف برسرپیکار ہے۔جہاد کے حوالے سے نبی پاک ﷺ کے غلاموں نے ہمیشہ اپنا فریضہ ادا کیا ہے۔بین الاقوامی سازشوں نے جس طرح لیبیا میں جو کچھ ہوااور جس طرح وہاں خون خرابہ کیا گیا معمر قذافی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔اِسی طرح عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی عراقی صدر صدام حسین کو عبرت کا نشان بنانے کے لیے وہ دن چُنا گیا جب مسلمانوں کی عید کا دن تھا اور دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ اور الیکٹرانک میڈیا صدام حسین کی پھانسی کا منظر براہ راست دکھا رہے تھے اور لاکھوں لوگوں عراق میں خون میں نہلا دیا گیا عراق کو تباہ برباد کرکے رکھ دیا گیا۔ وہاں کچھ بھی سلامت نہیں رہا۔بات یہاں تک ہی نہیں رہی مصر میں حالات جہاں تک پہنچے ہیں اور وہاں جس

طرح عوام کا قتل عام ہو رہا ہے اُس حوالے سے کوئی دو آرا نہیں پائی جاتی ہیں۔ مصری عوام اِس وقت یرغمال بنے ہوئے ہیں۔ عراق اور مصر میں خانہ جنگی کا ماحول ہے۔ یہ داستانیں صدیوں پرانی نہیں ہیں جب خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ نہیں پاتی تھیں یہ انٹرنیٹ، تھری فورجی فور کا دور ہے۔ آن واحد میں دنیا کے ایک کونے کی خبر لائیو دوسرے کونے میں دکھادی جاتی ہے۔

شام میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگ لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ تباہ برباد کرکے رکھ دیا گیا ہے شام کو۔ بھوک افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

کشمیر قیام پاکستان سے لے کر اب تک خون سے رنگین ہے اور قبرستانوں میں جگہیں کم پڑتی جارہی ہیں

افغانستان کی قسمت بھی کچھ ایسی ہی ہے سویت حملے سے لے کر اب تک افغانستان میں قتل و غارت عروج پر ہے امریکی سامراج جن کو پہلے دوست رکھتا تھا اب اُن کے خلاف ایک دہائی سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لڑ رہا ہے۔ لاکھوں افغان قتل کردیئے گئے ہیں۔ تباہ حال افغانستان بھوک افلاس کا عبرتناک نشان بن چکا ہے۔اِسی طرح یمن میں بھی شورش جاری ہے بحرین میں بھی لاوا پک چکا ہے اوراِس کا حال گزشتہ مہینوں میں دیکھا بھی جاچکا ہے۔ مسلم دنیا کے حوالے سے ایران اور سعودی عرب کا کردار قابل ستائش نہیں ہے۔ اپنی صدیوں سے جاری سرد

جنگ کی وجہ سے یہ دونوں ممالک مسلمان ممالک میں ہونے والی تخریبی سرگرمیوں کو آشیرباد دیتے ہیں۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ فرقہ ورانہ جنگ کے بیج بو دیئے گئے ہیں اور سعودی عرب اور ایران اس حوالے سے اپنا کردا ادا کر رہے ہیں۔ خونِ مسلمان کی ارزانی کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی سامراج مسلمانوں کو تہہ وبالا کرنے پہ تُلا ہوا ہے لیکن مسلمان ممالک کبوتر کی طرح آنکھیں موندھے ہوئے ہیں۔مُتذکرہ بالا ممالک میں خواتین بوڑھے اور بچے جس جہنم میں زندگی گزار رہے ہیں اُسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ گاجر مولیوں کی طرح بچوں بوڑھوں عورتوں کو شہید کیا جارہا ہے۔ ترکی، پاکستان، ایران اور سعودی عرب اگر یہ ممالک آپس میں مل بیٹھ جائیں تو شائد امریکی سامراج کو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے سے منت ساجت کرکے روک سکیں۔

پاکستان میں جاری دہشت گردوں کے خلاف جنگ دراصل بھارت، امریکہ کے خلاف ہے اور پاکستان میں بلوچستان اور کے پی کے میں جتنا نقصان پاک فوج اُٹھا چکی ہے اُس کے مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ عام جوان سے لے کر جرنیل تک اِس دہشت گردی کی جنگ میں شہید ہوئے ہیں۔اِسی طرح عوام بھی ہزاروں کی تعداد میں دہشت گردی کی نذر ہوچکے ہیں۔ مالی نقصان بھی کھربوں میں ہے۔ہمارےُ ملک کے سیاستدان نہ جانے کہاں بستے ہیں وہ ایک دوسرےُ کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں اُنھیں اِس بات کا ادراک ہی نہیں ہے کہ خدانخواستہ ملک کے وجود کو شدید خطرات لاحق ہیں اور اِن خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے آپس میں اتحد و اتفاق ہونا ضروری

ہے۔ پاک فوج آپریشن عضب میں دُشمن سے برسرپیکار ہے۔ ہمیں بطور قوم یہ بات طے کرلینی چاہیے کہ ہم نے پرائی جنگوں میں نہیں گھسنا اگر ہم اپنے ملک کے داخلی معاملات کو کنٹرول میں کرلیں تو باہر کا کوئی بھی دُشمن ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ میر جعفروں اور میر صادقوں کو بے نقاب کرنا ہوگا۔ دین کے نام پر خارجی عناصر کو اپنے وطن میں کام سے روکنا ہوگا۔ ہر ملک، سوچ، زبان مذہب کے پیروکاروں کو حق زندگی دینا ہوگا۔ جن عوامل نے دہشت گردی کو ہوا دی اُن میں پیٹرو اسلام کی حامل نام نہاد دینی جماعتیں بھی شامل ہیں جو اپنے نظریات کو باقی سب پر ٹھونسنا چاہتی ہیں اِس حوالے سے ہمارے برادر ممالک ایران اور سعودی عرب کی حکومتوں کو بھی یہ گزارش کرنا ہوگی کہ آپ اپنی سرد جنگ میں دوسرے ممالک کے انسانوں کو ایندھن کیوں بنا رہے ہیں۔

عید۔ سانحہ پشاور۔ راحیل شریف

پاکستانی قوم کو یہ احساس کہ وہ ایک بکھری ہوئی قوم نہیں ہے کا اندازہ حالیہ ایک سال کے دوران ہوگیا ہوگا کہ سانحہ پشاور کے بعد جو بھی معاملات آگے بڑھے اُس نے قوم کے اندر کم از کم بددلی پیدا نہیں کی۔ ریاست کے تمام اداروں کی جانب سے اپنی اپنی حدود قیود میں کام کرنا اور اپنے فرض سے کوتاہی نہ کرنا یہ وہ مینڈیٹ ہوتا ہے جو قوم اپنے ریاستی اداروں کو سونپتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک بیماری ایسی جنم لے چکی ہے کہ جو بھی ناپسندیدہ ہو اُس کے لیے فوری طور رٹا رٹایا ایک لفظ جو کہ چار حروف سے مل کر بنتا ہے غ، د، ا، اور، ر۔ غداری کا لیبل لگانے کی جو فیکٹری پاکستان میں ہے وہ بہت خود کفیل رہتی ہے بلکہ مصروف رہتی ہے اُس کے پاس اِس چار حرفی لفظ کا وافر سٹاک موجود ہے۔ امریکہ بھارت اسرائیل پاکستان میں جو خونی کھیل کھیل رہے ہیں اُس کا راستہ بند کرنے کے لیے جنرل راحیل شریف نے واقعی حیدر کرارؓ کی پیروی کرتے ہوئے دہشت گردی کے ناسور کو بحیرہ عرب میں نکال پھینکا ہے۔ سانحہ پشاور کے بعد سب کچھ بدل گیا۔ جس طرح معصوم بچوں سے پوچھ پوچھ کرکے کہ کس کے والد آرمی میں ہیں اور پھر اُن کو گاجر مولی کی طرح کاٹا گیا کہ چینگیز خان کی روح بھی کانپ اُٹھی ہو گئی۔ انسانی تاریخ میں اِس طرح کے سانحات قوموں کی زندگی میں ہلچل مچا دیتے

ہیں اور پھر اِس موقع پر قوم کے ناخداؤں کو فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ شیر کی طرح جینا ہے یا گیڈر کی طرح بھاگ کر جان بچانی ہے۔حالیہ سال میں جنرل راحیل شریف کی قیادت میں فوج نے کسی بھی پریشر کی پرواہ کیے بغیر صرف اپنے وطن کی پرواکی ہے اور دہشت گردوں کو وہ سبق سکھایا ہے کہ قوم جنرل راحیل شریف کے جذبوں کو سلام پیش کرتی ہے اور اِس جنگِ عضب میں آرمی کے جو لوگ شہید ہوئے وہ قوم کے سر کا تاج ہیں۔سانحہ پشاور نے درحقیقت پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ را کی کاروائیاں اور جناب وزیراعظم مودی کے پاکستان توڑنے کے واشگاف انداز نے ہمیں بتا دیا کہ کہ اے پاکستانی قوم دیکھ ذرا کہ ستر سال کے بعد بھی بھارت ماتا کی تقسیم کو پاپ کہنے والوں کی نفرتوں کا عروج کہ وزیراعظم ہو کر ہمسایہ ملک میں بیٹھ کر پاکستان کے توڑنے کا اعتراف۔ یہ ہے نظریہ اسلام اور نظریہ پاکستان کی حقانیت۔پاکستانی قوم کے جذبات کو گرم رکھنے کے حوالے سے پاکستانی فوج نے کمال قربانیاں دی ہیں۔ جناب راحیل شریف نے وزیراعظم کے ساتھ کچھ ایسی انڈرسٹینڈنگ پیدا کی ہے کہ چین کی پاکستان میں معاشی راہداری اور دیگر معاشی منصوبوں کے حوالے سے پیش رفت یقیناً اِس میں دونوں ریاستی اداروں کا بہت بڑا کردار ہے۔ جنرل کیانی بھی بہت پروفیشنل انسان ہیں اُنھوں نے اپنے دورِ کمان میں ضرور حالات و واقعات کے مطابق فیصلے کیے ہوں گے۔ فوج پاکستانی کی سرحدوں کی نگہبان ہے اور یہ فوج اللہ واکبر کا نعرہ لگانے والی فوج ہے۔اِس فوج سے پوری قوم محبت کرتی ہے اور فوج

کی احسان مند ہے کہ فوج کے جوانوں افسروں نے اپنا آج ہمارے کل کے لیے قربان کیا۔ بلوچستان کی شورش میں بھارتی راملوث ہے اور اُس کا بھی قلع قمع کیا جارہا ہے۔ پی ٹی آئی کی صورت میں ایک ایسی سیاسی جماعت وجود میں آچکی ہے جو کہ حکومت کے لیے پریشر گروپ ہے۔ آج جب پاکستانی قوم عید منارہی ہے تو سانحہ پشاور کے شہید بچوں کی روحیں اپنے رب کے حضور پر سکون ہوں گی کہ اُن کے خون نے وطن میں امن کی بنیاد رکھ دی۔ سانحہ پشاور کے شہداء بچوں کے والدین کی عظمتوں اور حوصلوں کو سلام کہ اُن کے فرزند وطن کی راہ میں شہید کردیئے گے پوری قوم اُن کے غم میں اُن کے ساتھ ہے اور پاک فوج نے اُن کی شہادتوں کا بدلہ چن چن کر لیا ہے۔ چند دن پہلے میجر سجاد بھٹی جو میری اُستاد محترم جناب حسین احمد بھٹی کے بیٹے ہیں اُن سے فوج کی قربانیوں کے حوالے س سے بات ہوری تھی تو وہ بہت جذباتی تھے میں نے میجر سجاد بھٹی (تمغہ امتیاز) کو سلام عقیدت کیا اور اور اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیا کہ میری فوج کے یہ عظیم سپوت کس طرح مادرِ وطن کے لیے قربانیاں دئے رہے ہیں۔ امریکی سامراج جن کو پہلے دوست رکھتا تھا اب اُن کے خلاف ایک دہائی سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لڑ رہا ہے۔ لاکھوں افغان قتل کردیئے گئے ہیں۔ تباہ حال افغانستان بھوک افلاس کا عبرتناک نشان بن چکا ہے۔اِسی طرح یمن میں بھی شورش جاری ہے بحرین میں بھی لااوا پک چکا ہے اور اِس کا حال گزشتہ مہینوں میں دیکھا بھی جاچکا ہے۔ مسلم دنیا کے حوالے سے ایران اور سعودی عرب کا کردار

قابل ستائش نہیں ہے۔ اپنی صدیوں سے جاری سرد جنگ کی وجہ سے یہ دونوں ممالک مسلمان ممالک میں ہونے والی تخریبی سرگرمیوں کو آشیرباد دیتے ہیں۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ فرقہ ورانہ جنگ کے بیج بو دیئے گئے ہیں اور سعودی عرب اور ایران اس حوالے سے اپنا کردا ادا کر رہے ہیں۔ خونِ مسلمان کی ارزانی کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی سامراج مسلمانوں کو تہہ و بالا کرنے پہ تُلا ہوا ہے لیکن مسلمان ممالک کبوتر کی طرح آنکھیں موندھے ہوئے ہیں۔ مُتذکرہ بالا ممالک میں خواتین بوڑھے اور بچے جس جہنم میں زندگی گزار رہے ہیں اُسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ گا۔ پاکستان میں جاری دہشت گردوں کے خلاف جنگ دراصل بھارت، امریکہ کے خلاف ہے اور پاکستان میں بلوچستان اور کے پی کے میں جتنا نقصان پاک فوج اُٹھا چکی ہے اُس کے مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ عام جوان سے لے کر جرنیل تک اِس دہشت گردی کی جنگ میں شہید ہوئے ہیں۔ اِسی طرح عوام بھی ہزاروں کی تعداد میں دہشت گردی کی نذر ہو چکے ہیں۔۔ ہمارئے ملک کے سیاستدان نہ جانے کہاں بستے ہیں وہ ایک دوسرئے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں اُنھیں اِس بات کا ادراک ہی نہیں ہے کہ خدانخواستہ ملک کے وجود کو شدید خطرات لاحق ہیں اور اِن خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے آپس میں اتحد و اتفاق ہونا ضروری ہے۔ پاک فوج آپریشن عضب میں دُشمن سے برسرپیکار ہے۔ ہمیں بطور قوم یہ بات طے کرلینی چاہیے کہ ہم نے پرائی جنگوں میں نہیں گھسنا اگر ہم اپنے ملک کے داخلی معاملات کو کنٹرول میں کرلیں تو باہر کا کوئی بھی

ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ میر جعفروں اور میر صادقوں کو بے نقاب کرنا ہوگا۔ دین کے نام پر خارجی عناصر کو اپنے وطن میں کام سے روکنا ہوگا۔ ہر ملک، سوچ، زبان مذہب کے پیروکاروں کو حق زندگی دینا ہوگا۔ جن عوامل نے دہشت گردی کو ہوا دی اُن میں پیٹرو اسلام کی حامل نام نہاد دینی جماعتیں بھی شامل ہیں جو اپنے نظریات کو باقی سب پر ٹھونسنا چاہتی ہیں اِس حوالے سے ہمارے برادر ممالک ایران اور سعودی عرب کی حکومتوں کو بھی یہ گزارش کرنا ہوگی کہ آپ اپنی سرد جنگ میں دوسرے ممالک کے انسانوں کو ایندھن کیوں بنا رہے ہیں۔ بہرحال وطن عزیز کو بہت سے نشیب و فراز سے گزرنا پڑ رہا ہے بھارت نے 16 جولائی 2015 کو بھی سیالکوٹ سیکٹر میں فائرنگ کرکے پانچ افراد کو شہید کردیا ہے۔ 15 جولائی کو پاکستان نے بھارت کا جاسوس ڈراون مار گرایا ہے بھارتی سازشیں عروج پر ہیں وہ مقبوضہ کشمیر کی حریت لیڈر شپ میں اختلافات ڈال رہا ہے اور اُن کو پاکستان کے خلاف کر رہا ہے۔ بھارت کا اِس طرح کھلم کھلا جنگ والا انداز ہمیں یہ بات سمجھانے کے لیے کافی ہے کہ حکمران اور عوام پاک فوج کے ساتھ شانہ بشانہ چلیں۔ الطاف حسین کے معاملات بھی واضع ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ پوری پاکستانی قوم پوری اُمت مسلمہ کو عید کی مبارکباد

احساس عبدیت

جب بندہ اہتمام کے ساتھ اپنے خالق ومالک کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے اور اپنے دُکھوں کا بوجھ خالق کے دربار میں عرض کی صورت میں رکھتا ہے تب خالق اپنے بندے کی عاجزی اور انکساری کو بہت پسند کرتا ہے اور بندے کے دکھوں کا مداوا کرتا ہے۔رب پاک اور بندے کا تعلق اسی طرح ہے جس طرح ایک بے حس وحرکت تصویر کو بنانا والا جیسے مرضی رنگ بھردے اور اِن رنگوں کی بدولت وہ تصویر ایک خوبصورت نظر آنے لگے۔اب مصور اور تصویر کا جو تعلق ہوتا ہے وہ خالق اور مخلوق والا ہے۔انسان کی پیدائش سے موت تک کے تمام تر حالات وواقعات اِس بات کے شاہد ہیں کہ انسان کی حثیت کیا ہے۔محبت کے ساتھ نفرت بھی انسان کی جبلت میں ہے۔چاہے جانے کا جذبہ انسان سے نیکیاں بھی کرواتا ہے اور انسان کو بدی کی طرف بھی لے جاتا ہے۔بندے کی ساری تگ ودو ایک ایسے ٹائم فریم کے اندر ہے جس کے متعلق کچھ بھی حتمی نہیں۔اگر ایک جہاز لاہور سے پرواز کرتا ہے اُسے ساوتھ افریقہ جانا ہے۔اب راستے میں توکچھ بھی ہوسکتا ہے۔کوئی بھی انہونی ہوسکتی ہے۔یہ ہی انہونی یا Probility کا جو فیکٹر ہے یہ ہی خالق کے وجود کی گواہی دیتا ہے اور خالق کے ہونے کی دلالت کرتا ہے۔سفر منزل کی جانب جب شروع ہو اور سفر کرنے والے کو منزل تک پہنچنے کی بے یقینی ہو تو درحقیقت

یہ بے یقینی رب پاک پر حق الیقین ہے خالق کے معبود ہونے کی پہچان ہر اُس عمل سے ہوتی ہے جو بندے کے ارادوں کے مخالف ہو۔ذرا تصور فرمایئے اگر انسان دوسرے سے عاجزی اور انکساری سے ملتا ہے اور اُس کے سامنے اپنا دکھ بیان کرتا ہے تو جس کے سامنے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے وہ بھی اپنے دل میں نرمی پیدا کرلیتا ہے۔یہ حال تو ایک دنیادار شخص ہے لیکن خالق کے سامنے جب عجز وانکساری ہو اور خالق اپنے بندئے سے بے پناہ محبت کرتا ہے وہ اپنے بندئے کو خالی نہیں لوٹاتا۔عبد کا اختیار اُسکی عبدیت پر منحصر ہے جیسے جیسے وہ اپنے رب کے رستے پر چلتا ہے ویسے ویسے وہ ایک مقبول عبد کی حثیت حاصل کرلیتاہے۔ہو۔انبیاء اکرام توگناہوں سے پاک ہیں وہ بشری لبادے میں رب پاک کے خاص عبد ہیں۔اُن پر اُس طرح کے قوانین فطرت کا اطلاق نہیں جس طرح ہم پر ہے۔

خالصتاًاپنے خالق کی رضا کو اپنا لینا بندے کو رب کا دوست بنا دیتا ہے۔خالق اُس بندے پر اپنی خاص رحمتوں کا نزول کرتا ہے۔حتی کے خالق اپنے بندے کے ناز بھی اُٹھاتا ہے ۔بندہِ مومن کی آنکھ خالق کی آنکھ قرار پاتی ہے۔بندہ مومن کی خواہش کی تکمیل خالق فرما دیتا ہے۔انسانی رویے کے حوالے سے اگر ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو یہاں معاشیات کا ایک مفروضہ جسے لائف سائیکل ہائی پوتیسیز کا نام دیا گیا ہے جس کے مطابق بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور اُس کی

حالت اِیسی نہیں ہوتی کہ وہ کچھ کماء سکے لیکن اُس کی ذات پر اخراجات کافی آتے ہیں۔ اُس کی خوراک اُس کے لیے میڈیکل کی سہولیات، کپڑے وغیرہ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُسے نگہداشت کے لیے کُل وقتی ایک عدد سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اُس کے لیے ہو رہا ہوتا ہے اب آیئے اِس نقطے پہ غور کرتے ہیں کہ ایک انسان کے بچے کی نگہداشت کا معاملہ خالق نے ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ خالق تو جانوروں پرندوں سب کی پرورش پر قادر ہے اور وہ ایسا کرتا ہے ۔اِسی لائف سائیکل مفروضے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو اُس وقت وہ اِس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ کمائی کرے اور اُس کی اپنی ذات پر اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا وہ کما رہا ہوتا ہے۔ اب اگر ہم خالق کے نظام کو دیکھیں کہ کس طرح ہر ذی روح کو اُس نے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔ اور کائنات کا نظام جاری و ساری ہے بلکل اِسی طرح جیسے اگر کمپیوٹر کا کوئی بھی سافٹ ویرء استعمال کرنا ہو۔ تو کمپیوٹر میں اُس سافٹ ویئر کے ڈرائیورز اپ لوڈ کرنا پڑتے ہیں۔ اِسی طرح رب نے انسانوں کو اِس طرح ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جزو لاینفک گردانے جاتے ہیں۔ متذکرہ بالا معاشی مفروضے کی آخری سٹیج میں اِس بات کا ذکر ملتا ہے کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو پھر سے اُس کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں ادویات خوراک وغیرہ لیکن بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے اندر کام کرنے کی سکت کم ہو جاتی ہے جس سے اُس کی معاشی استعدادِ کار کمزور ہو جاتی ہے۔ تینوں درجات کا تذکرہ اِس بات کی

دلالت کرتا ہے کہ خالق کا اپنے عبد کے لیے ہمیشہ رویہ عطا ہی عطا ہے۔

امر تسر کا جانو رام اور محمد بخش

تقسیمِ ہند کے پس منظر میں لکھی گئی کہانی

آم کے درخت پر طوطے میٹھے گیت گا رہے تھے اور ساتھ ہی کنویں سے بیلوں کی جوڑی پانی نکال کر چھوٹی کھتیوں کو سراب کر رہی تھی۔جانورام کے ساتھ اُس کی بیوی نیتو بھی کھیتوں میں آج آئی ہوئی تھی۔اُسے آج کچھ تازہ سبزیاں کھیتوں میں سے لینا تھیں۔جانو رام نے اپنے ڈیرے پہ پہنچ کر بھینسوں کا دودھ دوہنے کے لیے چارہ ڈالا۔جانو رام نے یہ تینوں بھنسیں بڑے شوق سے پالی تھیں۔ بھوری بھینس میں تو جیسے اُس کی جان تھی۔جانو رام کا باپ مرتے وقت گزارہ قابل زمین جانو رام کے نام کر گیا تھا۔ جانو کی ایک ہی بہن تھی جسے اُس کے باپ چھوٹو رام نے اپنی زندگی میں ہی چار گاؤں چھوڑ کر ایک قصبہ دولت پور کے نام کا تھا وہاں درین مانڈے کے ساتھ بیاہ دیا تھا۔ درین مانڈے ساہو کار تھا اور گندم، چاول کی خرید و فروخت کرتا ہے۔ جسے آڑھت کہا جاتا ہے۔

درین مانڈے کا بیٹا گوتم اپنے قصبے کا شیر جوان تھا۔ ایک ہی ایک بیٹا تھا درین مانڈے کا۔آج گوتم اپنے مامے سے ملنے بیلی پور آ رہا تھا اِس لیے نیتو

تازہ سبزیاں لینے خود کھیتوں میں جانو رام کے ساتھ ہی آئی ہوئی تھی۔جانو رام کو بھگوان نے ایک بیٹی اور ایک بیٹا عطا کیے تھے بیٹا دو ماہ اور چار دن کے بعد مرگیا تھا۔ بہتیرا روئی تھی نیتو۔بیٹی بیٹے کے بعد ہوئی تھی اب وہ سولہویں سال میں تھی۔نیتو کو اپنے ننھے معصوم بیٹے کی موت نے بہت عرصہ تکلیف میں رکھا۔زمانے کے مرہم نے بیٹے کی موت کے زخم کو تھوڑا بہت مندمل کر دیا تھا۔آج گوتم آرہا تھا تو نیتو کے دل کے زخم اپنے بیٹے کی یاد میں پھر ہرے ہوگئے تھے۔نیتو سوچ رہی تھی کہ اگر بھگوان اُس کے راجیش پتر کو زندہ رکھتا تو وہ اب گوتم سے دو سال ہی چھوٹا ہونا تھا۔گوتم کیساتھ اُس کی ماں بھی آرہی تھی۔دوپہر کا کھانا اِن لوگوں نے اکھٹے کھانا تھا۔جانو رام نے دو دیسی مرغوں کا گوشت تیار کروایا تھا۔دہی کے آلو اور بینگن کا بھرتھ اور دیسی گھی کی روٹیاں خاص طور پر تیار کروائی تھیں۔نیتو نے چارپائیوں پہ نئی چادریں بچھوادیں تھیں۔جانو رام نے اپنی بہن سنیتا کو کہلا بھیجا تھا کہ کافی عرصے سے درین ماںڈئے سے ملاقات نہیں ہوئی وہ کچھ وقت نکال کر آجائے۔سورج جس وقت عین سر پہ تھا کہ دولت پور سے درین اُسکی ماں سُنیتا اور گوتم اپنے ذاتی ٹانگے پر سوار ہوئے اُنکارخ بیلی پور کی طرف تھا۔گھوڑا کیا تھا پوری شاہی سواری تھی۔آدھے گھنٹے میں ہی وہ دولت پور گاؤں کے اندر داخل ہورہے تھے۔جیسے ہی وہ جانو رام کے گھر کے باہر پہنچے تو جانو رام ، نیتو اور اُن کی بیٹی اُن کا انتظار کر رہے تھے۔سُنیتا اپنے بھائی کے

قدموں کو چھونے لگ گئی۔کافی وقت گزرنے کے بعد وہ اپنے باپو کے گھر آئی تھی۔ گوتم کن اکھیوں سے اپنی ماموں زاد ریشم کو دیکھ رہا تھا۔ ریشم کا حسن اُس کے نہ صرف تن پہ تھا بلکہ ریشم تو من کی بھی بہت ہی خوبصورت تھی۔ ریشم شرم سے سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ درپن مانڈھے اور جانو رام دیس کی باتیں کرنے لگ گئے۔ درپن مانڈھے نے جب جانو رام کو بتایا کہ مسلمان ہم سے الگ وطن بنانا چاہ رہے ہیں تو جانو رام نے کہا کہ ٹھیک ہے کہ یہ اُن کا حق ہے۔ درپن مانڈھے کسی گہری سوچ میں پڑ گیا اور چند لمحوں بعد گویا ہوا دیکھو جانو رام، مسلمانوں کا الگ وطن ہم کیسے برداشت کر پائیں گے ؟ اور بھارت ماتا کی تقسیم کیسے ہونے دیں ؟۔ جانو رام نے خاموشی سادھ لی تھی۔ پھر درپن مانڈھے نے کہا کہ مسلمان تو سات سمندر پار سے آئے تھے اُن کا ہندوستان تو نہیں ہے۔ جانو رام گہری سوچ میں تھا اور آہستہ سے بولا لیکن اِنھی مسلمانوں نے اِسی ہندوستان پر ایک ہزار سال تک بھی تو حکومت کی تھی۔ درپن کو جانو رام کی جانب سے مسلمانوں کی مسلسل وکالت بہت بُری لگ رہی تھی۔ درپن نے اونچی آواز میں کہا کہ مسلمانوں نے لوٹ مار بھی تو بہت کی ہے ہمارے ہندوستان میں۔ جانورام درپن کے لہجے سے سمجھ گیا کہ درپن کو جانو رام کی باتیں بہت بُری لگی ہیں۔ جانو رام کے آباواجداد امرتسر میں ہی رہے تھے۔ امرتسر میں ہی جانو رام کی بہت جان پہچان تھی۔ اُسکی دوستی محمد بخش سے بچپن سے تھی اور وہ اُن کے ساتھ کافی محبت رکھتا تھا۔ جانورام نے کبھی بھی محمد بخش کے ساتھ

چھوت چھات والا سلوک نہیں کیا تھا جانو رام ہمیشہ کہا کرتا کہ محمد بخش ہم دوست ہیں یاری میں ایسی باتوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ محمد بخش کی بیلی پور گاؤں میں کریانے کی دکان تھی اور وہ بہت ملنسار اور خداترس تھا۔ محمد بخش کی بیوی شادی کے ڈیڑھ سال بعد ہی فوت ہو گئی تھی اُس کا ایک بیٹا دین محمد بیس سال کا ہو چلا تھا وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ دکان پہ ہی ہوتا تھا۔ دن گزر رہے تھے گرمیاں جیسے ہی آئیں پتہ چلا کہ انگریز ملک چھوڑ کر جا رہا ہے اور ہندوستان کا بٹوارا ہو رہا ہے۔ پاکستان کے نام کی گونج میں بہت شدت آچکی تھی۔ محمد علی جناح نے پاکستان کے مطالبے میں جان پیدا کر دی تھی۔ اِسی لیے جب تقسیم کی بات چلی تو پتہ چلا کہ امرتسر پاکستان کا حصہ ہے درین مانڈیے اور نیٹو نے بتیرا جانو رام کو سمجھایا کہ وہ ہندوستان میں سب مل کر رہیں گے اور امرتسر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن جانو رام کی جان تو گویا امرتسر میں تھی۔ اُس کا کہنا تھا کہ امرتسر پاکستان میں جائے یا ہندوستان اُسے امرتسر کو نہیں چھوڑنا۔ فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ ہندو مسلم قتل و غارت شروع ہو گئی تھی امرتسر میں سکھوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اسی دوران اعلان ہوگیا کہ امرتسر پاکستان میں نہیں بھارت کا حصہ رہے گا۔ محمد بخش اور اُسکا بیٹا دین محمد فسادات کی لپیٹ میں تھے۔ محمد بخش کی دکان کو لوٹ لیا گیا تھا۔ جانو رام نے محمد بخش اور اُسکے بیٹے کو اپنے گھر چھپا لیا تھا۔ جانو رام کا خیال تھا کہ جیسے ہی حالات بہتر ہوں گے وہ محمد بخش

اور اُس کے بیٹے کو پاکستان روانہ کردئے گا۔ فسادات کی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پوری ہندوستان میں پھیل گئی تھیں۔ سنیتا اپنے بھائی جانو رام کی خریت کی بابت بہت فکر مند تھی ۔ وہ لوگ دولت پور سے درپن مانڈئے، سُنیتا اور اُن کا بیٹا گوتم اپنے ٹانگے میں سوار رات کے اندھیرئے میں بیلی پور جانو رام کے گھر پہنچ گئے۔ رات گہری ہو چکی تھی جب وہ جانو رام کے گھر آئے تو نیتو نے فوراًاُن کے کھانے کا بندوبست کیا۔ سنیتا بھائی اور اُس خاندان کو سلامت دیکھ کر بھگوان کے آگے جھک گئی۔ تھوری دیر کے بعد درپن مانڈئے کو ساتھ والی کوٹھری میں سے کسی کے کھانسے کی آواز ائی تو۔ جانو رام کا ارنگ اُڑ گیا۔ درپن مانڈئے اور گوتم کہنے لگے کہ کون ہے جانو رام نے کہا کوئی بھی نہیں ہے۔ لیکن درپن مانڈئے کا شک دور نہ ہوا تھا۔اُس نے تھوری دیر بعد اُسی کوٹھری کا رخ کیا تو اُسے سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ درپن مانڈئے نے جانو رام کو آواز دی جانو رام یہ کون ہیں ۔ اتنے میں نیتو بھاگی ہوئی آ گئی اُس نے ہکلاتے ہوئے کہا کہ یہ محمد بخش اور اُس کا بیٹا ہے جان کے خوف سے چھپے ہیں جلد چلے جائیں گے۔ درپن مانڈئے کا خون کھولنے لگا اُس نے ڈنڈا پکڑااور محمد بخش اور اُسکے بیٹے دین محمد کو مارنے لگ گیا اور ساتھ ہی درپن نے جانو رام کو بھی مارنا شروع کردیا۔ جانورام کو وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ تم نے ایک مسلے کو پناہ دی ہے اچھوت کو پناہ دی ہے۔جب جانو رام پر گوتم اور درپن نے ہاتھ اُٹھایا تو جانو رام کی بیٹی ریشم چیختی ہوئی اپنے باپ کے

ساتھ آ کر لگ گئی۔ گوتم نے جانو رام کو مارنے کے لیے ریشم کو الگ کرنا چاہا لیکن ریشم الگ نہ ہوئی۔ گوتم ریشم کو اُٹھا کر ساتھ والی کوٹھری میں چھوڑنے آگیا۔ اتنے میں حالات نے پلٹا کھایا دین محمد نے اپنی حفاظت کے لیے کچھ خنجر ساتھ رکھے تھے اُس نے خنجر درین مانڈئے کے دل کی جگہ مارا درین مانڈئے تڑپنے لگا۔ گوتم ریشم بدینت ہو چکا تھا اُس نے موقع جانا کہ سب اُدھر مصروف ہیں اُس نے ریشم کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی ٹھان لی۔ ریشم کی آواز دین محمد تک بھی پہنچ چکی تھی دین محمد نے آ کر ریشم کو گوتم سے آزاد کر دیا ایک ہی خنجر کا وار گوتم کی گردن پہ لگا اور گوتم وہیں ڈھیر ہو گیا۔ جانو رام کا خون بہت بہہ چکا تھا اُس نے محمد بخش کو کہا محمد بخش تو نیتو ریشم اور میری بہن سنیتا کو لے کر بھاگ جا، پاکستان چلا جا۔ لیکن دین محمد اور محمد بخش جانو رام کو اِس حالت میں چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جانو کو اپنے یار محمد بخش کی کمزوری کا پتہ تھا اُس نے کہا محمد بخش تمھیں اپنے نبی ﷺ کا واسطہ اِن کو لے کر جان بچا لے۔ ساتھ دو گھوڑے بندھے ہوئے ہیں وہ لے جا۔ باہر کافی شور بپا تھا لوٹ مار ہو رہی تھی۔ محمد بخش اور دین محمد نے تینوں خواتین کو اپنے ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو گئے تین دن اور تین راتیں وہ چھپتے چھپاتے لاہور بارڈر پر پہنچ گئے۔ بارڈر پر پہنچتے پہنچتے محمد بخش کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ اور سنیتا سکھوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ یوں محمد بخش بارڈر سے چند کوس پہلے ہی اپنے مالک کے پاس چلا گیا اور مرتے

وقت اُس نے دین محمد سے قسم لی کہ وہ نیتو اور ریشم کا خیال رکھے گا۔ چند دن وہ واہگہ بارڈر میں مہاجرین کے کیمپ میں رہے۔ نیتو اور ریشم نے اپنی وضع قطع مسلمانوں والی بنالی۔ اِن تینوں کو بھاٹی گیٹ لاہور میں ایک مکان الاٹ کر دیا۔ نیتو نے ریشم سمیت اسلام قبول کرلیا۔ ریشم کی شادی دین محمد سے کر دی گئی۔ یوں جانو رام کا خاندان اور محمد بخش کا بیٹا ایک ہی خاندان کی صورت میں لاہور میں قیام پذیر رہے۔

گناہ گاروں کی حضوری

صحت کا کھو جانا دولت کا کھو جانا خوشیوں کا روٹھ جانا یقینی طور پر انسانی زندگی پر بہت بھاری ہوتے ہیں۔ یوں جو درد ملتا ہے وہ اُس درد کے سامنے کچھ بھی نہیں جو درد احساسِ زیاں کے کھو جانے سے ملتا ہے۔درد پھر درد نہیں رہتا،اس درد کی حدت سے عشق کو جو تمازت میسر آتی ہے وہ آشنائی سارے دُکھوں کو مرہم دیتی ہے اور یوں آہستہ آہستہ درد ہی علاج کا سبب بن جاتا ہے۔ عشق پھر ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے۔درد کی تاثیر وجد بن جاتی ہے۔پگڈنڈی کے ساتھ ساتھ بہت سی جھاڑیاں، چھوٹے چھوٹے پودے، مٹی کے ڈھیلے ہوتے ہیں لیکن راہی کو تو بس اُسی پگڈنڈی پر ہی اپنے سفر کو رواں رکھنا ہوتا ہے۔ کہیں سے پگڈنڈی ایک دم سے غائب ہو جاتی ہے لیکن پھر نمودار ہو جاتی ہے۔ راہی پگڈنڈی کے ایک دم ختم ہونے سے سفر ترک نہیں کر دیتا بلکہ وہ جھاڑیوں ، مٹی کے ڈھیلوں اور چھوٹی چھوٹی جڑی بوٹیوں کو روندتا ہوا منزل کے جانب چلتا رہتا ہے۔ پگڈنڈی ہماری زندگی کی وہ ساعتیں ہیں جو ہم لمحہ لمحہ گزارتے جارہے ہیں اور جنھوں نے لوٹ کر نہیں آنا۔جڑی بوٹیاں ہماری زندگی کے وہ نشیب وفراز ہیں جن کا نام ہی زندگی ہے ورنہ زندگی اگر سکوت کی حامل ہو جائے تو پھر موت اور زندگی کے معنی ایک ہو جائیں گے لیکن رب کی راہ پر چلنے والا صوفی زندگی اور موت کو ایک کیفیت سے زیادہ کچھ

نہیں سمجھتا۔ وہ زندگی اور موت دونوں کو رب کی عطا سمجھتا ہے اور شاکر ہو جاتا ہے ۔مادیت کا لین دین صوفی نے نہ تو اِس دنیا میں کرنا ہوتا ہے اور نہ اُس دنیا میں۔ رختِ سفر باندھا ہے یا نہیں عشق کی آگ بجھی ہے یا نہیں درد نے گھر کیا ہے کہ نہیں آہوں کی شدت، روح کی بے چینی بدل بدل کے ارادے دل کو یونہی بدنام کیا ہیخود سے خود کو پشیمان کیا ہے ہجر کے موسم کی خبر رکھی ہے ہر دم وصال کی ساعتوں کو کیوں بُھلا دیا ہے دریا میں ڈوبنے والے کو کنارے کی تمنا کی خواہش اتنی شدید ہوتی ہے کہ وہ کنارے کو پکڑنے کو اپنی زندگی کا حاصل گرداننا ہے۔ کنارے تک پہنچنا ڈوبنے والے کو آگہی ادراک فہم سے آگاہی کی کیفیات سے گزارتا ہے۔اِس ساری تگ وتاز میں ڈوبنے والے کو کہیں سے اپنی دستگیری کی امید ہوتی ہے ۔اِسی امید کا سہارا ڈوبنے والے کو مصلحتوں کا سہارا لینے کی بجائے اِس طرح خود کو بچانے کی سعی کرتا ہے کہ شاید اب باقی کچھ بھی نہیں بچا۔ دستگیری کی امید ہی خالق پر مکمل بھروسے کی راہیں کھول دیتی ہے اور پھر خالق اپنے بندے کی ان تھک خواہش اور خود پر بے پایاں بھروسے کا بھرم رکھ لیتا ہے۔ اور ڈوبنے کا عمل کنارے تک پہنچنے میں بدل جاتا ہے اور مخلوق کو خالق اپنی رحمتوں نعمتوں کا اسیر بنا لیتا ہے۔ڈوبنے والا اپنے وجود کو پھر علحیدہ تصور نہیں کرتا بلکہ کنارے تک پہنچنے کا عمل اُس کے اندر اپنے رب کی دی ہوئی استطاعت سے اُس کی من کی دنیا بدل دیتا ہے۔ غم کو رب کی جانب سے آنے والی آزمائش مان لینے سے انسان آکیلا نہیں رہتا

بلکہ جس نے اُسے آزمائش میں ڈالا ہوتا ہے وہ اُس کا مددگار ہو جاتا ہے۔جب جب راستے میں رکاوٹیں آتی ہیں تب تب خالق اپنے دامن میں اپنے بندئے کو سمولیتا ہے۔ خالق بندئے کی آنکھ بن جاتا جس سے بندہ دیکھتا ہے ۔ مخلوق کی آنکھ پھر اُس کی آنکھ نہیں بلکہ خالق کی آنکھ بن جاتی ہے۔درد کی دولت ملنا تو خالق کا اپنی مخلوق سے قریب تر اور قریب تر ہونے کا سبب ہے۔لامکاں کے مکین کے سامنے سارئے مکاں ہیچ ہیں ۔ وسیع و عریض کائنات کُن فیکون کے پردئے میں سے ظہور پذیر ہوا جو وجود میں آگیا اُس کا خالق بھی لامکاں خالق ہے۔ جتنا مخلوق کے ادراک و فہم میں سمو جاتا ہے وہ مکاں۔خالق تو لامکاں اور مکاں ہر جگہ ہر ساعت ہر لحہ موجود ہے۔افضل البشر نبی کریم ﷺ کو مکاں کے مدار سے لامکاں لے جانا اِامر کا اظہار ہے کہ نبی پاک کائنات میں رب کے بعد سے سے افضل ترین ہستی ہیں۔لامکاں والے کا مکاں کے مکیں کو جنت دوزخ کا حوال دیکھانا، تمام انباء اکرامؑ کی امامت فرمانا۔ جہاں فرشتوں کی حدِ پرواز ختم اُس سے آگے بھی مکاں کے مقیم کی کا لامکاں کی حضوری کا شرف پانا۔لُٹ گئی جس کی شام و سحر ایسے عاشق کی فریاد کون سنے ظلمتوں نے ویرانیوں کو جنم دیا ہے اُجرئے ہوئے لوگوں کو آباد اب کون کرئے ہوئے ہیں جو صیاد کے ہمنوا اُن کے جینے کی دُعا کون کرئے راہزنوں کی لوٹ مار کا کوئی بھی دکھ نہیں محافظوں کے شب خون پہ نوحہ خوانی کون کرئے۔رفتار کی بات نہیں بات تو یہ ہے کہ کس طرح کا چال چلن ہے خالق کو چھوڑ کر جب بندہ کسی چوہدری کسی وڈیرئے کا بندہ بن

جاتا ہے یا زر کی غلامی اختیار کر لیتا ہے تو پھر خالق کی توجہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ خلاق بندے کو رزق صحت تو عطا کرتا ہے لیکن حضوری نہیں مل پاتی حضوری کے لیے بندے کو اپنے رب کے محبوب نبی پاک ﷺ کا غلام بننا پڑتا ہے۔ نفرتیں، جھوٹ، کینہ، بغض، عناد، کو دیس نکالا دینا پڑتا ہے۔ جھوتی آن شان کو الوداع کہنا پڑتا ہے۔ بندے کا خالق کے ساتھ تعلق اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ خالق پھر بندے کی رضا کو اپنی رضا بنا لیتا ہے۔

اکنامک کاریڈور۔ جنرل راحیل کی مودی کو نکیل

جب سے مودی سرکار آئی ہے مودی نے اپنا ذہنی توازن کھودیا ہے۔ عید سے چند روز قبل سیالکوٹ سیکٹر میں بھارتی فوج کی جانب سے 5 معصوم پاکستانیوں کو بلا اشتعال فائرنگ کرتے ہوئے شہید کردیا گیااِس وقت پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف جنگ ہورہی ہے اور پاک فوج نے بھارتی ایجنٹوں، جاسوسوں اور دہشت گردوں کا ناطقہ بند کردیا ہے بلوچستان کی شورش کے حوالے سے بھی پاک فوج نے جارحانہ پالیسی رکھی ہے۔ خوارج کے ذریعے طالبان کے لبادئے میں ہونے والی دہشت گردی کو بھی جنرل راحیل شریف نے نکیل ڈال دی ہے ،اصل میں یہ نکیل مودی کے ناک میں ڈالی گئی ہے جس کا اظہار وہ بنگلہ دیش میں بیٹھ کر کرچکا ہے کہ میں بھی پاکستان توڑنے والوں میں شامل تھا۔ اب مقام افسوس ہے کہ ہمارے حکمران ابھی بھی مودی کے ساتھ تجارت کے لئے مرے جارہے ہیں۔ مودی سرکار کی پاکستانی دہشت گردی کودی جانے والی پشت پناہی نے پاکستانی کوداخلی سطح پر بہت نقصان پہنچایا ہے لیکن جنرل راحیل شریف نے صیح معنوں میں حیدرِ کراری تلوار ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ا ب مودی سرکار شکست خوردگی کی وجہ سے اپنے زخم چاٹ رہی ہے۔ دوسرا انٹر نیشنل سطح پر مودی سرکار کو ننگا کیا گیا ہے کہ پاکستان توڑنے کا اعتراف اور پاکستان میں دہشت گردی اوراِس کے ساتھ ساتھ بلوچستان میں شورش کے پیچھے

بھی بھارت ہی ہے نواز شریف کے ساتھ شنگھائی کانفرنس میں مودی کی ملاقات ضرور ہوئی ہے لیکن مودی کی شکل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ نروس ہے۔دُوسرا پاکستان کو جے ایف تھنڈر طیاروں کے جس طرح آرڈر ملنا شروع ہوئے ہیں اُس نے بھی مودی کی نیندیں اُڑادی ہیں تیسرا پہلو جو کہ بھارت کی اپنے وجود کے لئے بہت کی خطرناک ہے وہ یہ کہ خالصتان کی تحریک کا احیاء ہے، سکھوں کی جانب سے خالصتان کی تحریک کو دوبارہ شروع کرنے کا اعلان بھی بھارت کے لئے سوہان روح بنا ہوا ہے۔اِس لئے بھارت پاکستان کو دھمکیاں دے رہا ہے اور سیالکوٹ سیکٹر پر ہونے والی شہادتیں بھی اِسی کا شاخسانہ ہے۔

چین کی جانب سے منصوبہ جات کی شروعات پاکستان کو سماجی معاشی طور پر مستحکم کرنے کی ایک لازوال کوشش ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں پھیلی بے چینی اور نا امیدی کا خاتمہ ہوگا۔جنرل راحیل شریف کی کوششوں سے پاکستان میں عوام کو امن کا احساس ہونا شروع ہوا ہےاِس حوالے سے یہ ہی دیکھائی دیتا ہے کہ نواز حکومت اور فوج کی سوچ ایک جیسی ہے۔ ہفتہ پچیس جولائی دو ہزار پندرہ کو جنرل راحیل شریف نے پنجگور بلوچستان کا دورکیا اور واشگاف الفاظ میں اعلان کردیا کہ معاشی راہداری کا منصوبہ ہر قیمت پر پورا کریں گے اور پاک فوج اِس منصوبے کی تکمیل کی خاطر ہر قربانی دینے کے لیے ہمہ وقت تیار ہے جنرل راحیل نے جیپ پر سوار ہو کر ایف ڈبلیو او کے سڑکوں کی تعمیر کے کام کا بھی جائزہ

لیااور کہاکہ دشمن کہ ہر طرح کی مکاری اور جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔ درحقیقت مودی اور راحیل شریف کے درمیان جو یہ کشمکش جاری ہے اور مودی نے ہر محاذ پر پاکستان کو زچ کرنے کی پالیسی اپنا رکھی ہے۔ رینجرز نے عید کے روز بھارت کی جانب سے بھیجی جانے والی مٹھائی واپس کردی تھی کہ عید سے چند روز قبل بھارت نے آٹھ پاکستانیوں کو شہید کردیا تھا لیکن ہمارے وزیراعظم نے مودی کو آم بھجوادیئے ہیں۔ ٹھیک ہے یہ بھی ڈپلومیسی کا حصہ ہوسکتا ہے لیکن جس طرح پاکستان کو مودی نے نقصان پہنچایا ہے اور وہ معاشی راہ داری کو ہر حال میں روکنا چاہتا ہے اور اُس کے ساتھ ساتھ اُس نے راہ کو میں ایک خاص سیل بھی بنویا ہے جس کا کام پاکستان میں بے چینی پیدا کران اور معاشی راہدری کے منصوبے کو پامال کرنا۔ لیکن اللہ پاک کے شیر جنرل راحیل نے مسلمان سپہ سلاروں کی یاد تازہ کردی ہے طارق بن زیاد، خالد بن ولید، محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی کی مانند جذبہِ حریت سے سرشار جنرل راحیل کو اللہ پاک نے پاکستان کی مدد کے لیے مقرر فرمادیا ہے۔ مودی کے ناک میں نکیل ڈالنے والے اِس غازی کی زندگی میں پاکستان کی جو اہمیت ہے اور جس طرح جنرل صاحب نے بھارت کے ناپاک ارادوں کو خاک ملادیا ہے اِس کے پیچھے رب پاک کی رضا ہی تو ہے۔ جماعت اسلامی کے سابق امیر جناب سید منور حسن نے تو مینار پاکستان پہ کھڑے ہو کر کہہ دیا تھا کہ قتال کیا جائے۔ اور یہ بھی پاک فوج کے شہادت پانے والے فوجی شہید نہیں ہے۔ اِس طرح کی ذہنی حالت نام نہاد

رہنماؤں کی ہے۔ ان لوگوں نے پاکستان سے رواداری.برداشت بھائی چارہ چھین لیا ہے۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جن کا کام صرف رقم کمانا ہے اُس کے لیے دین دنیا سب کچھ فروخت کر دیتے ہیں ۔ حتیٰ کہ اپنے ملک کی خاطر شہید ہونے والے فوجیوں کو شہادت کا رُتبہ دینے کے لے تیار نہیں اور دہشت گرد جو مسجدوں مدرسوں بازاروں میں خود کش حملے کر رہے ہیں اُن کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں ۔ ایسے عناصر کو ایسے مائنڈ سیٹ کو ختم کرنا ہو گا۔ موجودہ آرمی چیف جنرل راحیل شریف اور وزیر اعظم دونوں کی ورکنگ ریلشنشپ بہت بہتر ثابت ہوئی ہے۔ جس طرح مودی سرکار لائن آف کنٹرول پر پاکستانیوں کو شہید کرتی رہی ہے اور حالیہ دنوں میں پاکستان توڑنے اور بنگلہ دیش بنانے کا اعتراف بھی کیا گیا ہے ۔ مودی وزیر اعظم سے زیادہ کسی سینما کا ٹکٹ بلیک میلر محسوس ہوتا ہے جسے ذرا بھر بھی احساس نہیں کہ اُس کے مُنہ سے کس قسم کے الفاظ نکل رہے ہیں ۔پاک چین معاشی تعلقات کی نئی جہت نے تو بھارت کا جینا حرام کر رکھا ہے اور مودی نے تو یہاں تک کہ دیا کہ ہم پاکستانیوں کا حال.برما کے مسلمانوں جیسا کریں گے۔ وہ لوگ جو نظریہ پاکستان کو ابھی تک نہیں مانتے جو قائداعظمؒ کو ہندوستان کو تقسیم کرنے کا گناہ گار قرار دیتے ہیں ۔وہ جاگتی آنکھوں سے دیکھ لیں اور سن بھی لیں کہ بھارت کا وزیر اعظم دوسرئے ملک میں کھڑئے ہو کر واشگاف اعلان کر رہا ہے کہ ہم نے پاکستان کو توڑا۔ اِس جنگ میں جتنا خون بہا اُس کا ذمہ دار مکمل طور پر ہندوستان ہے۔ قوم پاک فوج کو سلام عقیدت پیش

کرتی ہے سب دیکھ لیں کہ کانگریسی ملاؤں اور ٹھیکیدار اسلام کے حامل نام نہاد مذہبی رہنماؤں اور امریکی آشیرباد کے حامل نام نہاد لبرل فاشسٹ بھی دیکھ لیں کہ دو قومی نظریہ کسے کہتے ہیں۔ مودی نے اب پوری دنیا کو بتا بھی دیا ہے اور سمجھا بھی دیا۔ پاک فوج کی لازوال قربانیوں نے پاکستان کو نیا جنم دیا ہے اور رب پاک کے نام پر بننے والے اِس ملک میں انشااللہ امن قائم ہوگا۔ جس طرح جنرل راحیل شریف نے اپنے حالیہ دورہ پنجگور میں جس طرح کی باڈی لینگویج کا احساس مودی کو دلایا ہے اور للکار کر کہ دیا ہے کہ انشااللہ معاشی راہداری کا منصوبہ ضرور مکمل ہوگا۔

وزیر اعلیٰ پنجاب ۔ پرائیوٹ کالج ۔ سال اول میں داخلے کے مسائل

حکمران عوام کے لیے ماں باپ کی طرح ہوتے ہیں جناب وزیر اعظم نوز شریف نے بھی یہ بات تیسری مرتبہ اقتدار سنبھالتے ہوئے کہی تھی۔ پاکستان کی بڑھتی ہوئی آبادی اور گذشتہ کئی سالوں سے دہشت گردی کے آسیب نے وطن پاک میں غیر یقینی صورتحال نے جنم لیا یوں حکومت کی زیادہ توجہ دہشت گردی کے معالے سے نبٹنے میں مرکوز رہی۔اِن حالات میں ریاستی ادارے جن کو حکومت نے چلانا ہوتا ہے وہ کمزور ہوئے۔ عوام کے اندر بے چینی نے جنم لیا اور اِس بے چینی کے اندر مزید اضافہ معلومات کی آگاہی نے کیا اور عوام سوشل میڈیا، موبائل کے استعمال کی بدولت ترقی یافتہ ممالک کے رہن سہن کو اپنا حق سمجھنے میں مکمل طور پر حق بجانب دیکھائی دیتی ہے لیکن ہمارے حکمران تو عوام کو رعایا سے بھی کم درجہ دیتے ہیں جس کا اندازہ آپ سرکاری اداروں کی کارکردگی سے لگا سکتے ہیں۔ کوئی کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہوتا۔ سرکاری ادارے اتنا ذلیل و خوار عوام کو کرتے ہیں کہ خدا کا قہر بھی اُن کے اوپر ابھی تک نہیں پڑا اُن کے ظلم کی رسی دراز ہے۔ شہباز شریف ایک ایسے وزیر اعلیٰ ہیں جو کہ بہت فعال ہیں لیکن اُن کے علاوہ اُن کی ٹیم ایسی نہیں بن سکی جو کہ شہباز شریف کی سوچ ہر عمل کرواتی۔ اب حالت یہ ہے کہ ہر شعبہ میں لوٹ مار۔ حالیہ دور میں دہشت گردی میں کنٹرول دیکھنے میں آیا

جس کے لیے حکومت کے ہی ادارے پاک فوج نے قربانیوں کی لازوال داستانیں رقم کیں۔ پنجاب بہت بڑا صوبہ ہے اور سال اول کے داخلوں کے لیے سیٹیں بہت کم ہیں۔ کالجز کی تعداد بھی بہت کم ہونے کی وجہ سے دو شفٹوں کا نظام جاری ہے اِس حوالے سے جناب وزیراعلیٰ اگر فوری طور پر تیسری شفٹ کا اجراء کروادیں تو غریب پسی ہوئی عوام سرکاری کالجوں میں اپنے بچوں کو سال اول میں داخل کرواسکے گے اور پرائیوٹ کالجوں کی لوٹ مار سے بچ سکے گئی۔ دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ پرائیوٹ کالجوں کی کیٹگری بنا کر زیادہ سے زیادہ فیس کی حد مقرر کی جائے اور کیٹگری بناتے وقت ادارے کی جانب سے بہم پہنچائی جانے والی سہولیات کو معیار بنایا جائے۔ جس بُری طرح تعلیم کو بھی سرمایہ داروں نے کاروبار کی شکل دئے کر غریب عوام کے لیے حسرت اور یاسیت پیدا کر دی ہے اور تعلیم کو بھی فری مارکیٹ اکانومی میں بطور پراڈکٹ لیا جارہا ہے یہ ہے وہ سرمایہ دارنہ نظام کا شاخسانہ جہاں انسان کی نہیں مادیت کی قدر ہے جہاں روحانیت کا کوئی لین دین نہیں ہے۔ پاکستان جیسے مشکلات میں گھرے ہوئے ملک میں تعلیم کا جو حشر ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ پنجاب بھر کے سرکاری کالجوں میں انٹرمیڈیٹ فرسٹ ایئر کے داخلوں کے لیے تین شفٹوں کا اجراء کیا جائے۔ کیونکہ پرائیوٹ کالجز کی بہت زیادہ فیسیں عوام کی پہنچ سے باہر ہیں۔ کہ پرائیوٹ کالجز کی فیسوں کے حوالے سے کیٹگری بنائی جائے۔ تاکہ تعلیم کے نام پر لوٹ مار سے عوام کو بچایا جاسکے۔ پرائیوٹ کالجز کی جانب سے تعلیم

کو انتہائی مہنگا کرنا اور حکومت کی جانب سے تعلیمی سہولیات بہم نہ پہنچانا آئین پاکستان کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ اِس انتہائی اہم معاملے پر سو موٹو لے کر حکومت کو پابند کریں کہ نئی فرسٹ ائیر کلاسسز میں عام لوگوں کے بچے بھی داخلہ لے سکیں۔ تعلیم کو بھی سرمایہ داروں کے حوالے کرکے کاروبار بنانا اِس غریب قوم کے ساتھ ظلم ہے۔پرائیوٹ کالجوں کے نظام کو طلب و رسد کے نظام کی بجائے ریگولیٹ کیے جائے اور جس طرح فوڈ اتھارتی کی سربراہ خاتون عائشہ بی بی بلاامتیاز ہوٹلوں بیکریوں میں صفائی کے لیے جرمانے عائد کر رہی ہیں ایسی ہی کوئی خاتون بیور کریٹ اس مقصد کے لیے وزیر اعلیٰ صاحب نامزد کریں۔ قوم پر بہت بڑا احسان ہوگا۔

تقدیر۔تدبیر۔رضا

تدبیر اور تقدیر دونوں کا سفر ساتھ ساتھ چلتا ہے جب تدبیر اختیار کی جاتی ہے تو تقدیر کے کئی پہلو تدبیر کے ہمنوا بن جاتے ہیں تدبیر ایسے پھول کی مانند ہے جو تقدیر کے جلو میں ہی پنپتی ہے لیکن تقدیر کو نئے آہنگ سے آشنا کروا دیتی ہے اور تدبیر اور تقدیر کے معاملات ایسے ہو جاتے ہیں کہ خالق مخلوق کی اپنائی ہوئی تدبیر کو ہی تقدیر کا درجہ دے دیتا ہے۔خوبصورت سے خوبصورت شے جب گندگی میں گرتی ہے تو اُس کے ارد گرد گندگی لگ جاتی ہے۔بے شک وہ گندگی بعد میں اُتر جاتی ہے۔لیکن اُس گندگی کا جتنا وقت اُس شے کے ساتھ گزرا ہوتا ہے وہ اُس خوبصورت شے کو بھی کسی حد تک آلودہ کر دیتا ہے خوبصورت شے کی خوبصورتی پر بھی اُنگلیاں اُٹھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یوں خوبصورتی کا محور شے کسی طور بھی اُتنی پاکیزہ نہیں گردانی جاسکتی جتنا وہ گندگی میں گرنے سے پہلے تھی۔لیکن خالق کا اپنے بندئے سے محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ کہتا ہے جب کافر مرنے بھی لگے اور کلمہ پڑھ کر رب کی واحدنیت کا اقرار کرلے تب بھی وہ اُسے بخش دیتا ہے۔حالانکہ اُس کی ساری زندگی کفر میں گزری ہوتی ہے۔بندے اور خالق کا تعلق اتنا محبت سے بھرپور ہے کہ خالق کفر کی حالت میں کیے گئے اُس کے سارئے گناہ معاف کردیتا ہے۔بندہ خالق کا نائب جو ہے۔ایک رب کی وحدانیت کا اقرار کافر

کو وہ سفر طے کروا دیتا ہے جو کہ بڑا کٹھن ہے۔بندے کے ساتھ رب کی محبت اتنی عظیم ہے کہ بندہ رب کی رحمتوں کا شمار نہیں کر سکتا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے رب کے بندوں سے پیار کرنا سیکھ جائیں کیونکہ رب تو بندئے سے بے انتہا پیار کرتا ہے۔ وہ سب کا رازق ہے وہ بلا تخصیص رنگ و ملت و مذہب سب کو روزی عطا کرتا ہے جو اُس کو مانتے ہیں اُن کو بھی دیتا ہے اور جو نہیں مانتے اُن کو بھی دیتا ہے۔ہر انداز اور عمل کا جو بھی ردِ عمل پیدا ہوتا ہے وہ خالق کی ہی رضا بنتا چلا جاتا ہے۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ خالق اور مخلوق کے رشتے میں کتنی محبت ہے کہ خالق اپنے بندئے کی رضا کو اپنی رضا بنا لیتا ہے۔ محبت کا یہ سفر بندئے اور خالق کے درمیان اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ خالق بندے کی دعا کو رد نہیں کرتا بلکہ لوح تقدیر پہ لکھا ہوا بھی بدل دیتا ہے۔ بندئے کی رب کے ساتھ محبت کا یہ عالم کہ بندہ خود کو فراموش کر دیتا ہے اور اپنی ایک ایک خواہش کو اپنے خالق کی رضا پہ قربان کر دیتا ہے۔ بندہ پھر خاکی اور نوری کے سفر سے نکل جاتا ہے نہ ہی وہ حیات اور ممات کا محتاج رہ جاتا ہے۔خالق اُس کی روح کی حقیقتوں کو جب اُس پر آشکار کرتا ہے تو پھر اِس دنیا یا اُس دنیا میں فرق صرف ایک سفر کا ہی رہ جاتا ہے۔ تب بندئے کو صوفی کہہ لیا جائے ولی کہہ لیا جائے۔ اللہ کا دوست کہہ لیا جائے۔ ایک ہی بات ہے۔ دُکھ کو سُکھ بُھلائے اور درد کو چین بدی کا مداوا نیکی سے ہوتا ہے نفرت کو محبت مٹا دیتی ہے خالق کی محبت روح میں نیا جہاں بسا دیتی

ہے خالق کے بندوں کی محبت عبد ہونے کا احساس دلا دیتی ہے محبت امن محبت سُکھ، محبت چین محبت لازوال روح لازوال محبت کا مسکن روح روح کو موت نہیں آتی محبت کو بھی موت نہیں آتی۔ دل اپنا ہی اپنے اختیار میں نہیں اُس سے شکوہ عبث ہے پہلے خود سے تو کچھ منوالوں پھر اُس کی جانب نگاہ جائے عشق کی راہ کا سفر انوکھا ہے وہ عشق ہی عشق ہے جس میں من اور تن ایک جیسا ہو جائے۔ عشق کی جیت ہر حال میں ہی ہے وصل بھی کامیابی ٹھرا ہجر بھی کسی امتیاز سے کم نہیں عشق کی جیت تو ہر حال میں ہی ہے کتنا اعزاز بخشتا ہے یہ عشق اِس کی حقیقت ہر حال میں بقا ہی بقا، وفا ہی وفا۔ خواب ادھورے کس کام کے جب راہوں کا تعین ہی نہ ہو تب منزلِ مراد کی کیا حقیقت اِس گورکھ دھندے سے نکلنا نہ یا نکلنا بے معنی ہے خود کی پہچان ہوئے بغیر۔ قبر کا تصور اُس وقت کیا جائے جب اپنے پیاروں کے ساتھ خوشیاں منائی جا رہی ہوں۔ جب اپنے گھر میں سکون کے ساتھ محوِ خواب ہو۔ جب ساری حیاتی کا حاصل سمجھی جانے والی منزل مل جائے تو اُس وقت جب ابدی گھر پکار رہا ہو اور انسان یہ سوچے کہ بس میں نے اب قبر میں اُتر جانا ہے۔ تب زندگی کی بناوٹی خوشیاں کتنی پھیکی پڑ جائیں۔ شائد تب زندگی کے ہونے یا نہ ہونے کا مطلب بھی سمجھ میں آ جائے۔ صوفیاء کے ہاں تو زندگی کا مقصد صرف ایک سفر ہے۔ جس لمحے سورج کی کرنیں خالق کا پیغام کائنات میں بکھیرتی ہیں کوئل کی من بھاتی آواز خالق کی خدائی میں رنگ بھرتی ہے جب چاند اندھیری گھپ رات میں ٹم ٹماتا ہے جگنو بھی اِس روشنی کا ننھا مسافر

ہوتا ہے اِن لمحوں میں بندے امانگتے ہیں کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں جو اپنے لیے سب کچھ خالق سے ہی طلب کرتے ہیں۔تدبیر اور تقدیر کے سفر میں بندے اور خالق کی رضا تب ایک ہی بن جاتی جب بندہ بندگی کے پیمانے پہ پورا اُترتا ہے۔بندگی پہ پورا اُترنا اتنا مشکل نہیں ہے بس جو خالق کی رضا اُس کو بندہ اپنی رضا بنالے۔ساری گفتگو کا نچوڑ یہ ہی ہے کہ بندہ خالق کا قُرب پا سکتا ہے لیکن اُس کے لیے اتنی سے بات ہے کہ خالق کے بندوں کا قُرب حاصل ہوجائے۔ یہ ہی اللہ کے نیک بندوں کا دستور ہے۔

عورت کا مقام کس چیز کا متقاضی ہے

سمجھ نہیں آرہی کہ میں عورت کی آزادی کے حوالے سے مروجہ سوچ کو کیا کہوں۔ عورت کی آزادی کو کیا معنی پہنائے جائیں۔ عورت ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے بیوی ہے۔زمانہ جہالیت میں عورت کو خاندان کے لیے شرمندگی کا باعث تصور کیا جاتا تھا اور عورت کو خاندان کی بدنامی کا عنصر سمجھا جاتا تھا۔ عرب جو کہ زبان پہ بہت قادر تھے اور شاعری اُن کے گھر کی باندھی تھی وہ جس شخص کی کوئی بیٹی ہوتی تو وہ اُس کے ایک ایک اعضا کی نشاندہی کرتے اور لڑکی کا نام لے لے کر شاعری کرتے یوں بیٹیوں کے باپ یہ بے عزتی برداشت نہ کرپاتے وہ بچی کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے ۔ رب پاک نے عورت کو ترکہ میں سے حصے دار بنایا اوراللہ پاک نے کھول کھول کر قران مجید میں وراثت کی تقسیم کو تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ عورت کو مرد کے لیے باندھی نہیں بلکہ اگر وہ ماں ہے تو اُس کے قدموں تلے جنت کو قرار دیا۔ اگر وہ بیٹی ہے تو اچھی پرورش کرنے پر والدین کو جنت کی بشارت دی اور اگر وہ بہن ہے تو اُسکو عزت واحترام دیا اگر بیوی ہے تو اُس کو ہر قسم کی مالی مشکلات سے آزاد کروا کر مرد کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ گھر کا معاشی نظم و نسق خود چلائے اور عورت گھریلو امور کو انجام دئے بچوں کی پرورش کرئے اور

معاشرۓ کو بہترین نسل تیار کرکے دے۔ اسلام سے پہلے عورت کو انتہائی گھٹیا مخلوق کا درجہ دیا گیا۔ ہندو مذہب میں تو مرد کے مرتے ہی عورت کو بھی اُسکے خاوند کے ساتھ زندہ ہی جلا دیا جاتا جسے ستی کی رسم کہا جاتا ہے۔ عورت کو معاشرۓ میں غلام سے بھی بدتر حثیت حاصل تھی۔ گویا کہ عورت ہونا جرم بن جاتا۔ اللہ پاک کے نبی پاک ﷺ نے عورت کی عظمت کو چار چاند لگا دیۓ۔ عورت کی آزادی کے حوالے سے مختلف آراء پائی جاتی ہیں لیکن راقم کے نزدیک صرف ایک بات ہی فی زمانہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ عورت موجودہ حالات میں کمانے کے لیے گھر سے نکلتی ہے تو اُسے کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ حالات اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہیں اسلام نے تو سینکڑوں سال قبل ہی معاشی ذمہ داری مرد پر ڈال دی تاکہ عورت عزت واحترام کے ساتھ گھر کا نظم و نسق سنبھالے اور خوش وخرم پاکیزہ زندگی بسر کرۓ اور معاشی پریشانیوں سے آزاد ہوجاۓ۔ ذرا تصور فرمائیں عورت جب معاشی سرگرمیوں کے لیے ملازمت بھی کرتی ہے پھر اُس کو گھر کے معاملات بھی دیکھنا پڑتے ہیں تو اُس کو دوہری مشقت کرنا پڑتی ہے۔ راقم یہاں عورتوں کی ملازمت کے خلاف بات نہیں کر رہا ۔عورت کو کام ضرور کرنا چاہیے تاکہ معاشرۓ کے نظام میں روانی رہے لیکن عورت سے کام اتنا ہی لینا چاہیے جتنا یہ صنف نازک کر سکتی ہے۔ اُسے اذیت سے دوچار نہیں کر دینا چاہیے۔ کہ وہ گھر اور دفتر کے درمیان فٹ بال بن جاۓ۔ اِس طرح کا توازن رکھ کر اگر عورت کو کوئی ایسا کام کرنے کو مل جاتا ہے تو اسے ضرور کرنا

چاہیے ۔ عورت کو ہراساں کیا جانا معمول بن چکا ہے۔ گو خاتون محتسب کے ادارے کا قیام صوبہ پنجاب کی حد تک عمل میں آ چکا ہے لیکن خود ہی غور فرمائیں کتنے فی صد خواتین جا کر اِس محتسب کے دفتر میں یہ درخواست دیتی ہیں کہ مجھے ڈیوٹی کی جگہ فلاں شخص نے ہراساں کیا۔ عورت کی عزت و احترام کے لیے معاشرے میں روحانی انقلاب کی پھر سے ضرورت ہے وہ انقلاب جو نبی پاک ﷺ کا عطا کردہ ہے ہے تاکہ زمانے کی آنکھوں میں حیا ہو۔ قوانین تو بے شمار ہیں اور مروجہ نظام میں قوانین پر عمل درآمد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ خواتین کی آزادی کے حوالے سے دنیا بھر میں بے شمار تحریکیں چل رہی ہیں اور بہت سی تنظیمیں بھی میدان عمل میں ہیں۔ عورت کو مارکیٹینگ کے لیے بطور ماڈل نیم برہنہ پیش کرنا کونسی آزادی ہے اور اِس سے معاشرئے کی کس طرح خدمت بجا لائی جارہی ہے۔ عورت کو باپردہ ہونے کا حکم اُس کے لیے قید نہیں بلکہ اُس کی عزت و ناموس کی حفاظت اور احترام کے لیے بہت بڑی سہولت اور عزت و تکریم کا مقام ہے۔ دنیا کے کسی معاشرے میں فحاشی کے حق میں وکالت نہیں کی جا سکتی، ہر مذہب عورت کی عزت و ناموس کو اعلیٰ و ارفع مقام دیتا ہے ۔اِس لیے جو خواتین خواہ وہ ملازمت پیشہ ہیں یا گھر کے انتظام و انصرام میں مصروف رہتی ہیں پردے میں رہنے سے اُن کے احترام میں بے حد قدر و منزلت پائی جاتی ہے۔ دین نے جو حدود قیود معاشرئے کے ہر فرد کے لیے مقرر کی ہیں اُن کے پیچھے نفسیاتی طور پر جو پہلو کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ کسی طور بھی کوئی بھی فرد فطرتی

روش سے ہٹنے نہ پائے۔ اللہ پاک ہر انسان کا خالق و مالک ہے اور اپنے بندے سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اُتنی محبت ستر مائیں مل کر بھی نہیں کر سکتی وہ خدا اپنی مخلوق کی بے عزتی بے حرمتی کیسے. برداشت کر سکتا ہے۔اِس لیے فطرتی تقاضے اُسی صورت پورے ہو سکتے ہیں جب معاشرے کا ایک ایک فرد ایک دوسرے کی عزت و ناموس کو مقدم رکھے۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے بندے کے دل کو دُکھانا کعبہ کو ڈھانے سے زیادہ.بڑا گناہ ہے۔ عورت کی آزادی کی رٹ لگانے والے عورت کو جسم فروشی کی طرف لگاتے اور مالی مفاد حاصل کرتے ہیں کیا یہ آزادی ہے۔ عورت کو اپنے مالی فائدے کے لیے بطور شو پیس، پیش کرنا کیا یہ آزادی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں خواتین کو بہت زیادہ مسائل کا سامنا ہے پرائمری تعلیم سے لے کر ثانوی و اعلیٰ تعلیم تک کے مواقع بہت کم ہیں۔ ملازمتوں کی کمی ،ٹرانسپورٹ کے مسائل، معاشرتی اونچ نیچ امارت اور غربت کے درمیان خلیج کا حائل ہونا، جہیز کی لعنت وغیرہ۔ عورت کو بطور پروڈکٹ سمجھنے کے عمل کی نفی کرنے کی از حد ضرورت ہے۔

بندہِ خاکی کی فطرت

زندگی کی افایت مادیت میں نہیں روحانیت میں ہے خالق نے اپنے بندے کو فطرت پہ پیدا کیا ہے۔ جو شے فطری تقاضوں کے خلاف ہے وہ انسان کی بھلائی کے لیے نہیں ہو سکتی۔ بندئے اور رب کے درمیان تعلق خالق اور مخلوق والا ہے۔ انسان کی جبلت میں ہے کہ وہ گھاٹا کا سوداگر ہے اور ایک بات یہ بھی کہ بُرائی میں انسان کے لیے کشش ہے۔ خالق نے انسان کو پیدا کیا اور پھر اُس کی تربیت کے لیے لاتعداد انبیاء وُ رسل بھیجے ۔ مقصد واضع تھا کہ انسان کو عقلِ سلیم سے نوازا گیا ہے اور اِسی وجہ سے انسان کو حیوانوں پہ برتری حاصل ہے۔ جب بندئے نے اپنے انسان ہونے کا بھرم ہی نہیں رکھنا تو پھر اُس کا مقصدِ حیات تو کچھ بھی نہیں رہتا ہے۔ انبیاء اکرامؑ نے اپنی اپنی بساط جو کہ رب نے عطا کی ہوئی تھی اُس کے مطابق اپنا مشن جاری رکھا اور انسان کو توحید کی لگن پیدا کرنے کے لیے بہت ہی زیادہ تگ وتاز کی۔ مصیبتیں جھیلیں، زخم کھائے۔ چونکہ نبیؐ کا ایک ایک عمل رب کی عطا سے ہوتا ہے اِس لیے انسانی معاشرئے کو ارتقاء کے سفر میں رب نے گامزن رکھا۔ آدمؑ سے شروع ہونا والا انسان کا سفر صدیوں سے جاری ہے۔ بے شمار لوگ پیدا ہوئے اور وفات بھی پاء گئے۔ کئی تہذیبوں نے جنم لیا اور پھر زمانے کی گرداب تلے مٹ گئیں حضرت

ابراہیمؑ، حضرتِ اسماعیلؑ نے توحید کے پرچم کو خالق کی عطا سے تھامے رکھا۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت داوٗدؑ، حضرت عیسیٰؑ سمیت کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر معبوث کیے گئے۔ پیغمبر بنانے کے لیے رب پاک کا اپنا ہی طریقہ کار تھا جس کے لیے صرف اللہ پاک کو ہی پتہ تھا کہ کس کس کی نامزدگی ہو گی۔ اللہ پاک اپنی ربوبیت کے رنگ بندے کے ذریعے دکھاتا رہا اور یوں کہانی نبی پاک ﷺ پر آ کر ختم ہو گی۔ دعوت دین کا سلسلہ اختتام کو پہنچا۔ نبی پاک ﷺ کو تمام انبیاء اکرام کا سردار مقرر فرما دیا گیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تو نبی پاک ﷺ بھی عام نبیوںؑ جیسے تھے تو پھر نبی پاک ﷺ کو تمام انبیاء کا سردار کیوں بنایا گیا۔ اور پھر نبی پاک ﷺ کو رحمت عالم ﷺ بھی بنایا گیا۔ اِس لیے کہ نبی پاک ﷺ کی بطور آخری پیغمبر تشریف آوری اِس بات کی دلالت ہے کہ اِن جیسا نہ تو کوئی ہے اور نہ ہی کوئی آیا ہے اور نہ ہی کبھی آئے گا۔ گویا سارے زمانوں کی مخلوق میں سے آپ ﷺ کو سب سے اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمایا گیا۔ آپ ﷺ کو آخری کتاب قرانِ مجید سے نوازا گیا۔ آپ ﷺ کو معراج کا سفر نصیب ہوا آپ ﷺ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء اکرامؑ کی امامت فرمائی۔ چالیس سال کی عمر مبارک میں آپ ﷺ کو نبوت سے نوازا گیا۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ عرب کے بدو پوری دنیا کے مہذب ترین انسان بن گے۔ صدیوں تک ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے والے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ چشمِ عالم نے پھر یہ بھی دیکھا کہ بلال حبشیؓ، غلام ہونے کے باوجود کیسا رتبہ پا گیا۔ اویس کرنیؓ سلمان فارسیؓ جیسے

خدمت گزاروں کو بلند ترین مراتب سے نوازا گیا۔ یہ ساری تمھید اِس لیے باندھی گئی کہ نبوت کے سلسلے کے شروع ہونے سے لے کر نبوت کے سلسلے کے ختم ہونے تک کہیں بھی مادیت کی پذیرائی نظر نہیں آتی۔ مادیت کا حصول بُرا نہیں لیکن حد سے تجاوز کرنا احسن قدم نہیں۔ مادہ پرستی کی وجہ سے لالچ، جھوٹ، انا پرستی نے بہت نشو نماء پائی، لیکن وہ سبق جو انبیاء اکرامؑ نے دیا تھا اُس کو بھلا دیا گیا۔ نتیجتاً سچائی کو چھوٹی جگہ ملی۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ سچ کم تر ہے ایسا نہیں ہے۔ ساری گفتگو کا نچوڑ یہ ہی نکلتا ہے کہ افادیت رب کی اطاعت میں ہے۔ روحانیت میں ہے۔ روپے کے حصول کے لیے کوشش کرنی چاہیے لیکن جائز طریقے سے۔ جائز کا مطلب یہ ہے کہ جس سے کسی کو نقصان نہ ہو۔ نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات کے تریسٹھ برس اِس بات کے گواہ ہیں کہ کبھی بھی مادیت کی ترغیب نہیں فرمائی۔ ہمیشہ زور اللہ پاک کی خوشنودی پر ہی رہا اور مسلمان جانتا ہے کہ اللہ پاک کی کوشنودی کیسے حاصل ہوتی ہے۔

خوشگوار یادوں کی حامل ملاقات اور احساسات

خوشگوار یادوں کا لوٹ آنا کتنا احسان ہے، جامعہ سکول سرگودہا کے تین عظیم
سپوت۔ استا حسین احمد بھٹیؒ کے
شارجہ میں مقیم ممتاز ماہر جلد ڈاکٹر حماد احمد بھٹی، تمغہ امتیاز میجر سجاد احمد بھٹی،
سپورٹس اینالسٹ ڈان نیوز آفتاب تابی سے خوشگوار یادوں کی حامل ملاقات اور
احساسات

قدرت نے انسان کی خوشیوں کو کن کن چیزوں میں پنہاں رکھا ہے اِس کا تصور بھی ممکن نہیں ایک وہ وقت تھا کہ بچپن میں ایک دوسرے کی چاہتیں پیش نظر ہوا کرتی تھیں اور پھر ایسا وقت بھی زندگی کو دیکھنا پڑتا ہے جن سے تعلق انتہائی مضبوط ہوا کرتا تھا اُن سے جان پہچان صرف رسمی سی رہ جاتی ہے۔ جناب آفتاب تابی ایک ایسی ہے گیر شخصیت کا نام ہے جو کہ ہر دور میں سایہ گل کی مانند کردار ادا کرتا ہے۔ سپورٹس مین ہونے کے ناطے اُس کی زندگی بہت ہی ڈسپلن کے تابع ہے۔ تابی کی مرنجاں مرنج ہستی نے گزشتہ سال تقریباً تین دہائیوں کے بعد میرے سکول کے دوستوں جناب ستارہ امتیاز میجر سجاد احمد بھٹی، ممتاز ڈاکٹر حماد احمد بھٹی جو کہ میرے انتہائی محترم شفیق اُستاد

جناب حسین احمد بھٹیؒ کے فرزند ہیں سے میرا رابطہ کروایا اور ڈاکٹر حماد پچھلے سال بھی پاکستان میں تشریف لائے تو اُنھوں نے خاکسار کے چیمبر لاہور ہائی کورٹ کو رونق بخشی۔ میرے اُستاد محترم کی ہو بہو تصویر میرے سامنے جب آئی تو میری آنکھوں میں نمی تیرنے لگی اور میں نے جناب حماد بھٹی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا کہ اس سراپے کو میرے اُستادِ محترم جناب حسین احمد سے نسبت ہے۔امسال ڈاکٹر حماد جب چھٹیوں میں شارجہ سے تشریف لائے تو انھوں نے رابطہ فرمایا اور فرمایا کہ بڑے بھائی جناب میجر سجاد احمد بھٹی تمغہ امتیاز بھی مجھ ناچیز سے ملنے کا اشتیاق رکھتے ہیں اور اِسی طرح ڈاکٹر حماد صاحب کی تحریک پر جناب آفتاب تابی سے بھی تقریباً اکتیس سال کے بعد ملاقات ہوئی۔ جس محبت سے جناب میجر سجاد احمد بھٹی جناب حماد احمد بھٹی اور جناب آفتاب تابی نے خاکسار کو نوازا مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ میں تین دہائی ماضی میں لوٹ گیا ہوں اور صبح صبح تیار ہو کر بستہ پکڑے جامعہ سکول کی جانب رواں دواں ہو۔ میں سکول کے گیٹ پر پہنچ گیا ہوں اور جا کر اپنا بستہ اپنی کلاس میں رکھ دیا ہے۔ اسمبلی ہوا چاہتی ہے اور تمام بچے اسمبلی کے لیے پہنچ چکے ہیں محترم حُسین احمد بھٹیؒ انتہائی وقار کے ساتھ اسمبلی میں موجود ہیں اور اسمبلی میں ہی ہمارے کلاس انچارج ہمارے ناخن اور لباس کی صفائی چیک کر رہے ہیں۔ دعا کے بعد جناب حسین احمد بھٹی صاحبؒ اپنے مخصوص انداز میں طلباء کے لیے کچھ ہدایات فرما رہے ہیں۔ یقین جانیے ماضی کے دریچوں

میں جھانکتے ہوئے اب احساس ہوتا ہے کہ ایسا زبردست ماحول اور اتنی زیادہ تعلیمی و غیر نصابی سرگرمیاں پر رشک آتا ہے کہ ہم لوگ جناب حسین احمد بھٹیؒ کے شاگرد ہیں اور عظیم مادرِ علمی جامعہ سکول سرگودہا سے وابستگی کا نہ ٹوٹنے والا انمول رشتہ ہے جس سے ہمارا تعلق موت بھی ختم نہیں کر سکتی۔ہماری زندگی کو زندگی کا شرف بخشوانے والی اہم ہستی اُستادِ محترم جناب حُسین احمد بھٹی کی شخصیت ہے۔ پھول کی کونپلیں جب صبح سویرے شبنم کے قطروں سے وضو کرتی ہیں تو اپنے رب کی شان میں رطب للسان ہوتی ہیں۔ کوئل کی من بھاتی آواز ترنم سے فطرت کی تعریف و توصیف کرتی ہے۔ صبح صادق کے وقت ہل چلاتے بیل کے گلے کے گھنگروں کی آواز رب کی مدح کرتی ہے تو زندگی مسکرانے لگتی ہے اور رب کی اِس کائنات میں محبتوں اور خلوص کا کارواں رواں دواں رہتا ہے۔زندگی وفا کا دوسرا نام ہے۔زندگی ہی رب کی پہچان کا سبب ہے۔ زندگی میں درپیش نشیب وفراز زندہ ہونے کی علامت ہیں۔ زندگی ماں کی گود، زندگی دادی اماں کی لوری زندگی باپ کا پیار زندگی بہن کی عقیدت زندگی کائنات کی سب سے محبوب ہستی رسالتِ مابﷺ کی وساطت کا سبب۔زندگی لہلہاتے کھیتوں میں اُگنے والے اناج کا پتہ ۔زندگی پہاڑوں ، ریگستانوں، میدانوں میں رقص کرتی ہوئی وہ سہانی خوشبو جو خالقِ کائنات کی عظمتوں کا ادراک بخشتی ہے۔ زندگی فقیر کی درگاہ سے لے کر بادشاہوں کے محلوں کی غلام گردشوں میں گھومنے والی وہ صدا جو سب کی ایک جیسی ہے جس میں نہ ذات کا فرق نہ مذہب کا فرق اور نہ ہی رنگ

امارت اور غربت کا تضاد۔ کیونکہ زندگی تو رب کی شان کا ایسا اظہار ہے جس کی وجہ، سے ربِ کائنات نے خود کو ظاہر کیا۔زندگی باغ کے مالی وہ خواہش کہ ایک ایک پھل اور پھول پر جان فدا کیے ہوئے ۔زندگی مُرغ کی وہ آواز جو صبح صادق کے وقت خالق کی یاد دلا دیتی ہے ۔ زندگی خزاں رتوں کا ایسا اظہار کہ دولت شہرت وفا سب کچھ بہار پر قربان۔ زندگی انسان کی پیدائش کا یہ احساس کہ رب اپنے بندئے کی تخلیق کا عمل اپنی رحمت کے سائے تلے رواں رکھے ہوئے ہے۔ زندگی وہ آفاقیت کہ دنیا کا سب سے بڑا سچ یہ ہے کہ رب اپنے بندئے سے ہر شے سے زیادہ محبت کرتا ہے۔زندگی خوشیوں کی وہ مالا جس پر افریقہ ویورپ غرض یہ کہ ہر خطے کا انسان اپنی اپنی جبلت اپنی اپنی آرزو کی تشنگی کی خاطر خود میں خود کو سموئے ہوئے۔زندگی رب کی چاہتوں کا وہ انعام جس پر شاہ وگدا دونوں کا برابر کا حق ہے زندگی موسیٰؑ کلیم کی اپنے رب سے ملاقات، زندگی عیسیٰؑ ابن مریم کی بن باپ کے ولادت باسعادت کا انداز، زندگی حضرت ابراہیمؑ کی نمرود کی آگ میں رب سے وفا کا اعلان۔زندگی حضرتِ اسماعیلؑ قدموں کے صدقے عطا ہونے والا آب زم زم ۔زندگی رحمتِ عالم ﷺ کی بلا تفریق رنگ و نسل مذہب سب کے لیے امن کا انعام۔زندگی سمندر کی وہ لہریں جو کنارئے کے ساتھ ٹکرانے تک خود سے خود آزاد کیے ہوئے ہوتی ہیں۔زندگی ہزروں لاکھوں فُٹ گہری کھائی جس کی اتھاہ گہرائیوں میں بسنے والا کیڑا پتنگا بھی اپنے رب کی رحمتوں سے مستفید۔ زندگی شیطان کا انکار اور رب کا اقرار۔زندگی انسان کو سونپے جانے کا

خالق کا انوکھا فیصلہ۔زندگی بیوی بچوں والدین بہن بھائیوں کا وہ پیار کہ انسان زندہ رہنے کا تمنائی۔زندگی کا سب سے بڑا انعام سانسوں کو چلنا۔زندگی علم کا اٹوٹ انگ کہ جس کے سبب انسان کو شرفِ انسانیت سے ہمکنار ہونا نصیب ہوا۔زندگی دوستوں کی محفلوں کی وہ ساعتیں جو زندہ رہنے کی رمق کا جادوُ جگائے سانسوں کی ڈوری کو ٹوٹنے سے بچاتی ہیں۔زندگی دنیا کی سب سے بڑی حقیقت موت کا اعلان۔میرے دل کے نہال خانے کو اِن دوستوں کی ملاقات نے روحانیت سے سرشار کردیا۔اِس ملاقات میں آفتابی تابی کی محبتوں سے ہم نے اپنے اُستاد محترم جناب اسلم صاحب سے بھی فون پر گفتگو کی۔سکول کی یادیں، تابی ،حماد اور سجاد نے پرانی یادوں اور لمحات کو پھر سے میرے سامنے لا کھڑا کیا۔اتنی محبتوں خلوص پر مبنی اِس ملاقات میں بہت سے یادیں تازہ ہوئیں آفتاب تابی گویا اِس محفل کی جان رہے۔اتنی چاہتوں کو سمیٹ کر دوبارہ پھر ملنے کے لیے رخصت ہوئے۔اِن پیارے اور عظیم لوگوں کی عظمت کو سلام کہ میرے اِن بھائیوں نے مجھ پر عنائت اور شفقت فرمائی اور اتنی خوبصورت محفل کے انعقاد کو ممکن بنایا۔اللہ پاک سے دُعا ہے کہ ہم جامعہ سکول سرگودہا کے سپوت، اُستادِ محترم جناب حُسین احمد بھٹیؒصاحب کے شاگرد ملک و قوم کے لیے اپنا کردار ادار کرسکیں۔اللہ پاک محترم جناب حسین احمد بھٹیؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

دیوانگی۔ عشق۔ایمان

دیوانگی اگر حلال و حرام میں امتیاز ملحوظِ خاطر رکھے تو وہ عشق ہے لیکن ایسی کیفیت جو انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آئے تو وہ پھر عشق نہیں رہتا بلکہ وہ تو حیوانیت بن جاتی ہے جس کا مظاہرہ سور سمیت بہت سے جانور ہمہ وقت کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ جو کیفیت انسان سے شعور چھین لے انسان سے فہم وادراک نوچ لے انسان سے اُس کے انسان ہونے کا شرف جاتا رہے تو پھر تو نہ ایمان رہا اور نہ اِسکا کوئی پاس۔ خالق نے انسان کو جس صورتحال سے دوچار کرنا ہوتا ہے اُس کے لیے اُس کو اُس طرح کے ماحول کے لیے ہمت عطا فرما دیتا ہے لیکن یہ سب کچھ تو تب ہوتا ہے جب انسان کے اندر ایمان کی کوئی رتی باقی ہو۔ اگر انسان کے اندر ایمان نہ رہا ہو تو پھر رب سے رحمت مانگنا عجب نہیں ہوگا کہ جس خالق کو مانا ہی نہیں جا رہا ہواُس سے پھر اپنے لیے کیسی مدد مانگی جائے۔ خالق تو انتظار میں ہوتا ہے کہ کب اُس سے مانگا جائے اور وہ عطا فرمادے۔ جس طرح پھول اُس وقت تک مہکتا رہتا ہے جب تک اُسے روشنی پانی ملتی رہے ایمان بھی اُس وقت تک انسان کے اندر حلول رہتا ہے جب تک انسان خود انسان سمجھے اور انسان ہونے کے مرتبے پر فائز رہے۔جب انسان اپنے خالق کو بھلا کر خود کو حیات وممات کے تمام مسلمہ اصولوں سے بالادست سمجھ لیتا ہے تو پھر

آگہی وادراک انسان سے روٹھ جاتا ہے۔ محبت اُنس کے جذبے، نفرت اور لالچ کی گرداب میں پھنس جاتے ہیں۔اِن حالات میں فہم وفراست کا انسان کے دماغ میں سے گزر بند ہوجاتا ہے۔ ایمان انسان کو جذبہ عطا کرتا ہے ایمان انسان کو اتنا مضبوط بنادیتا ہے کہ پہاڑ اُس کی ہیبت سے رائی بن جاتا ہے۔ صحرا و دریا اُس کے سامنے نہیں ٹھرتے۔رب پر بھروسہ عشق کی ایسی سیڑھی پر انسان کو گامزن کرتا ہے کہ دنیاوی لالچ دنیاوی رکھ رکھاؤ دنیا شان و شوکت انسان کے پاؤں کی ٹھوکر پہ ہوتے ہیں۔ پھر اویس کرنیؓ، بلال حبشی، سلمان فارسیؓ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ، عبدالقادر جیلانیؒ، سائیں سُچل سرمست، بابا فریدؒ، داتا علی ہجویریؒ۔ سلطان باہوؒ، حضرت میاں میرؒ، حضرت میاں وڈا صاحبؒ، بابا بلھے شاہؒ، شاہ حسینؒ بنتے دیر نہیں لگتی۔ بس خالق کی عطا ہوتی ہے وہ جب جب چاہتا ہے تب تب عطا کرتا چلا جاتا ہے۔اِس کے لیے اُس نے کونسا کسی سے اجازت لینی ہوتی ہے۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے۔ سراپا محبت، وہی وقت ہے وہی خوشبو ہے وہی دن ہے وہی رات ہے وہ ہر ہر رنگ میں ہے۔ وہ ہر ہر لمحے میں ہے۔ اُس کی لاپروائی کی کوئی حد نہیں۔اُس کا کوئی ہم سر نہیں۔ اُس جیسا کوئی بھی تو نہیں۔ انسانی تمدن کی ہزاروں سالوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ چاند ستارے موسم دن رات سب کچھ تو ایک معین نظام کے تحت جاری وساری ہے۔ کون ہے جو اُس کی طاقت کو للکار سکے کون ہے جس کی زندگی رب کے طفیل نہ ہو ہر کوئی تو محتاج ہے سورج ہے تو محتاج، زمین ہے تو محتاج۔ چاند بھی اپنی مرضی نہیں کرسکتا۔ لیکن جب ہم

عشق و محبت اور ایمان کی کسوٹی کے حوالے سے جائزہ لیں تو ایک بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ خالق کو بھی کسی سے عشق ہے خالق بھی کسی کو محبوب رکھتا ہے حتیٰ کے خالق کا یہ فرمان کہ میں نے اے محبوب ﷺ اگر آپ ﷺ پیدا نہ کرتا تو یہ کائنات پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے رب ہونے کا اظہار نہ کرتا۔ ذرا دیکھے خالق اور مخلوق کی محبت کس رنگ میں کہ خالق اپنے محبوب کے لیے چاند کے ٹکرےُ فرما رہا ہے۔ خالق اپنے محبوب ﷺ کو کہہ رہا کہ وہ ہاتھ جس سے بیتِ رضوان لی تھی وہ ہاتھ اےُ میرےُ محبوبؐ ﷺ آپکا نہیں میرا ہاتھ تھا۔ یہ ہے وہ عشق جو خالق اپنے محبوب کی ہستی سے فرما رہا ہے اور اپنے محبوب کے ناز اُٹھا رہا ہے۔ ہے کوئی دنیا میں کوئی ایسی شخصیت جو خالق کو سب سے زیادہ محبوب ہو تو وہ صرف نبی پاک ﷺ کی ہی ہستی ہے۔ گویا عشق کا ایمان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ایمان انسان کو وحشت سے دور رکھتا ہے۔ بندےُ کا اپنے رب سے تعلق بہار کی طرح کا ہوتا ہے پھول جب تک بہار کے مزےُ لوٹ رہا ہوتا ہے وہ مہکتا رہتا ہے جیسے ہی خزاں وارد ہوتی ہے پھول کی پتیاں بکھر جاتی ہیں۔ انسان جب تک اپنے رب سے امید باندھے رکھتا ہے تب تک اُس کے من کی دنیا آباد رہتی ہے جیسے ہی وہ اپنے رب سے ناامید ہوتا ہے اور یاسیت اُس سے روحانی قوت چھین لیتی ہے جس لمحے بھی بندےُ کے دل میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ اُس کا یہ کام نہیں ہونا تو گویا وہ اپنے رب کی ربوبیت کو غیر ارادی طور پر ماننے سے انکاری ہوجاتا ہے یوں پھر امید کی کمزوری اُس کے ایمان کو اعتقاد

کو اُسکے یقین کو کھو کھلا کر دیتی ہے۔ وہ پھر رب کی رحمتوں کے ہالے سے نکل کر
وسوسوں کے جال میں پھنس جاتا ہے بلکل اِسی طرح جیسے مکڑا جال میں پھنسا ہوتا ہے۔
نہ تو امید بَر آتی ہے اور نہ وسوسے چین لینے دیتے ہیں۔ عبادت گاہوں میں خاص اہتمام
ہوتا ہے کیا رب کا صرف وہیں قیام ہوتا ہے گھر میں بازار میں دفتر میں کیا ایمان کا کام
نہیں ہوتا ہے یونہی مذہب کا نام لے لے کے عقیدتوں کا دم بھر بھر کے عبادت کی رسم
ادا ہوتی ہے۔

نبی پاک ﷺ کا اُمتی اور چودہ اگست کو اُبھرنی والی ریاست کا باسی

موجودہ دور میں مادیت نے جس طرح اپنے پنجے ہر طرف گاڑ رکھے ہیں اور رشتوں کی محبت جاتی رہی ہے۔ نظریات کی باتیں کتابوں تک محدود ہیں۔ عمل ناپید ہے وعظ کی شعلہ بیانیاں ہر سُو ہیں۔ایسے میں شاعرِ مشرق کے نظریات اور موجودہ پاکستانی عوام کے حالات کو ایک خاص تناظر میں دیکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قوم کو کچھ پتہ ہی نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ احساس زیاں جاتا رہا ہے قصور میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی وال سانحہ ہمارے سماج کے مُنہ پر زناٹے دار تھپڑ رسید ہے۔ یہ المیہ ہے کہ اشرافیہ کو ایسا معاشرہ ہی حکومت کرنے کے لیے چاہیے۔ من کی غلاضت کا اظہار اِس بات کا مظہر ہے کہ مملکت پاکستان میں کھیلے جانے والے اِس شیطانی کھیل میں وہاں کے سیاستدان شامل ہیں۔ کاش ہماری حکومت میں کچھ غیرت ہو اور وہ سماج کی اخلاقیات کی ڈوبتی ناؤ کو بچائے۔ کہاں گئے مذہبی ٹھیکیدار، نام نہاد سماجی رہنماء جو ایک چھوٹے سے شہر میں برسوں سے جاری ظلم کا ادراک نہ کر سکے۔ زمانے میں اپنا نام بنانے کے لئے سب سے اہم عامل جو کارفرما ہوتا ہے وہ ہے اپنے اللہ پاک پر مکمل بھروسہ، منزل کے حصول کے لئے سخت محنت، دیانت داری اِسی طرح والدین اور اِساتذہ کا احترام جو شخص بھی اِس کسوٹی پر پورا اُتر

تا ہے وہ معاشرے میں نام پیدا کرتا ہے اور اُسے عزت واحترام بھی میسر آتا ہے۔ صرف دولت کا حصول کامیابی نہیں ۔ اللہ پاک کے بے پاں رحم وکرم کے حصول کیلئے اچھا انسان بننا ضروری ہے ایمانداری ، باہمی عزت واحترام ، خلوص ، وفا، حیاء کسی بھی معاشرے کو ہمہ جت خصوصیات کا حامل بنا دیتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی محبت نے جناب اقبالؒ کو راست بینی عطا فرمادی تھی اور وہ سمجھتے تھے رب پاک کا عطا کردہ قانون تمام دُکھوں کا علاج ہے۔اِس لیے حضرت اقبالؒ نے مرد مومن کی شان اِس طرح بیان کی ہے کہ مرد مومن کو شاہین قرار دئے دیا۔ چونکہ شاہین نہ تو کسی کا کیا ہوا شکار کھاتا ہے اور نہ اپنا گھونسلہ بناتا ہے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں مسلمان عمل کے لحاظ سے شاہین کی مماثلت سے عاری نظر آتے ہیں کیونکہ جب علم و عمل کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو پھر رسوائی مقدر بن جاتی ہے۔ حضرتِ اقبالؒ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں کہ کیا تو لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے ؟ اگر کہتا ہے تو پھر روح میں ڈوب کر کہ تاکہ تیرے جسم سے جان (روح) کی خوشبو آئے۔ سورج اور چاند کی گردش لا الا کے سوز سے ہے میں نے یہ سوز پہاڑ اور تنکے میں ہر چھوٹی.بڑی شے میں دیکھا ہے۔لاالا کے سوز میں جینا قہاری ہے لاالا ایک ضرب ہے اور کاری ضرب ہے ۔جناب اقبالؒ فرماتے ہیں کہ آج کے مسلمان نے دین وملت کو ایک کوڑی کے بدلے بیچ ڈالا ہے اس نے اپنے گھر کا سامان اور اپنا گھر بھی جلادیا ہے۔ کبھی اس کی نماز میں پہلے توحید کا رنگ تھا اب نہیں رہا اس کی نیاز میں کبھی ناز تھا

اب نہیں رہا۔اقبال فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جس کی زندگی کا سازوسامان خدا پاک تھا اب اس کا فتنہ مال کی محبت اور موت کا خوف ہے۔اور اس میں ذوق و سرور کی وہ مستی نہیں رہی اس کا دین بس کتاب یعنی قران پاک میں ہے اور خود وہ قبر میں ہے۔اقبال فرماتے ہیں کہ جب نماز اور روزے سے روح جاتی رہی تو فرد بے لگام ہوگیا اور ملت میں کوئی تنظیم نہ رہی۔آج کے مسلمان کے سینے قران کی حرارت سے خالی ہو گئے ایسے لوگوں سے بہتری یا بھلائی کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔آج کا مسلمان خودی کو بھول گیا ہے ۔اقبال کے خیالات کے تناظر میں اگر ہم موجودہ حالات کو دیکھتے ہیں کہ اگر ہم اپنے تعلیمی اداروں کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سب کچھ اچھا نہیں ہے ڈیوڈ کیمبل کی کتاب.بزنس فار نان بزنس سٹوڈنٹس کو ایم بی اے کو پڑھانے کا راقم کو موقع ملا۔اُس کتاب میں سب سے زیادہ زور کاروباری شخص کی جس خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہے دیانت داری یعنی کاروبار کی وسعت ،کامیابی دیانت داری کی مرہون منت ہے۔انسانی تمدن میں زمانے کے ساتھ جو بھی تبدیلیاں آئیں اور انسانی معاشرے جس طرح جہالت کے اندھیروں سے کامیابیوں کی طرف گامزن ہوئے۔یہ سب کچھ نبی پاک ﷺ نے جو سبق انسانوں کو دیا اُس سے ہی انسان کی سوچ کا ارتقائی عمل مکمل ہوا۔ارتقائی عمل کے مکمل ہونے کی سب سے.بڑی وجہ یا دلیل آج سے تقریبا سوا چودہ سو سال پہلے نبی پاک ﷺ کا دینِ الٰہی کو مکمل فرما دینا اور اپنی سُنت کے ساتھ ضابطہ حیات قرآن مجید

فرقانِ مجید کا انسانوں کی راہنمائی کا ذریعہ قرار دینا ایک ایسی روشن دلیل ہے کہ نبی پا
کﷺ نے معاشرے کے تمام پسے ہوئے طبقوں کو عزت سے جینا مرنا سکھایا
اور گورے کو کالے اور عربی کو عجمی پر کسی قسم کے تفاخر سے منع فرمایا کہ تمام مسلمان
بھائی بھائی ہیں ۔اِس کی مثال مہاجرین کے ساتھ انصار کا لازوال محبت بھرا سلوک ہے
۔زندگی اچھے انداز میں بسر کرنے کے حوالے سے نبی پاکﷺ کا اُسوہ حسنہ اور نبی پا
کﷺ پر نازل کردہ قرآنِ پاک انسانیت کے لئے قیامت تک مستقل راہ ہدایت ہے
خانگی معاملات کاروباری معاملات، سیاسی معاملات ،دینی ،دُنیاوی معاملات، ریاست،
اور حکومت کے نظم ونسق کے حوالے سے مکمل رہنمائی ۔جنگ اور امن میں مسلمان کا
کردار لین دین، اُٹھنے ، بیٹھنے ، سونے ،جاگنے ،عمرانی ، نفسیاتی حوالوں سے غرض یہ کہ دُ
نیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن پاک نے راہنمائی نہ فرمائی ہو، اگر معا
شرے میں اِس وقت قتل وغارت ، بے ایمانی، لوٹ مار عروج پر ہے تو اِسکی وجہ اللہ
پاک ، نبی پاکﷺ اور قرآن مجید کے احکامات پر انفرادی اور اجتمائی طور پر عمل نہ
کرنا ہے۔ قانون ، قاعدہ ،انداز، سلیقہ ،ترتیب سب کچھ فطری تقاضے اگر پورے کر دیئے
ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا اور آخرت کے تمام معاملات احسن طریقے سے انجام نہ
پا سکیں ۔میڈیا کی تیزی موبائل فون اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال نے معاشرے کی بنیا
دیں ہلا دیں ہیں ۔ قناعت ، عزت واحترام بھائی چارہ کا جنازہ نکل چکا

بنادیا ہے۔ اب جب کہ CONSUMER ORIENTED ہے۔ میڈیا نے عوام الناس کو ہر وقت مہنگائی کا رونا بھی رویا جارہا ہے اور بازار میں پہنچنے والی ہر شے کی طلب بھی برقرار ہے اور ہر شے جو مارکیٹ میں آتی ہے وہ سے لاء آف مارکیٹ کے مطابق کہ ہے کہ مطابق فروخت ہو جاتی ہے سڑ کو suply createn it own demands ں پر رش اتنا کہ گاڑیوں کی بھرمار اور موٹر سائیکل سوار تو چینٹیوں کی مانند ہیں۔ دولت کی اتنی زیادہ ریل پیل بنکوں کی جانب سے لیز کی سہولت کریڈٹ کارڈ، پوری قوم کو سُود خود بناڈلا گیا ہے۔اِس لئے پھر اللہ پاک کا کرم بھی نہیں ہے۔افراتفری اور نفسانفسی کا عالم ہے امیر، غریب دونوں طبقات کھاتے پیتے رو رہے ہیں۔مڈل کلا س طبقہ بہت کم رہ گیا ہے دولت کی منحوس تقسیم نے اپر کلا ساور لوئر کلاس تقسیم کردی ہے مڈل کلاس سفید پوشی کا بھرم رکھتے رکھتے ذہنی، نفسیاتی جسمانی بیماریوں کا شکار ہوتی چلی جارہی ہے ٹی وی چینلز پر چلنے والے ڈراموں نے سماج کو ایک ایسی راہ پر گامزن کردیا ہے جہاں اب have اور have not کے درمیان چومکھی لڑائی ہو رہی ہے برداشت ناپید ہے۔ ازدواجی زندگی تباہ ہو رہی ہے۔ امراء کے ہاں طلاق کی شرح انتہائی کم ہے۔ جبکہ لوئر کلاس طبقہ اس حوالے سے بہت آگے ہے۔ نہ پوری ہونے والی خواہشات کی بدولت خواتین کے ہاں خُلع لینے کی شرح خطرناک حدتک بڑھ چکی ہے اس طرح باپ اور ماں کے لالچ اور بے حسی کی سزا اولاد کو بھگتنا پڑ رہی ہے۔ جو معاشرے

خوف خدا اور عشق رسول ﷺ سے عاری ہوں جہاں مادیت اتنی سرایت کر گئی ہو کہ رشتے داریاں کاغذی پھول بن کر رہ گئی ہوں۔ ایسے معاشروں میں پھر حسرت یاسیت، بے سکونی ڈیڑے ڈال دیتی ہے روحانی سکون جو کہ اسلام کا طرہ امتیاز ہے، جس کی وجہ سے اسلام پھیلا اور اسلام میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ امن وآشتی، سکون اور روحانی اقرار تھا۔ جس طرح کا روپ ایک قوم کی حثیت سے پیش کیا جا رہا ہے یہ کسی طور بھی مصطفائی معاشرہ نہیں ہے۔ دہشت گردی، مساجد، امام بارگاہوں مزاروں سکولوں میں بم دھماکے کیا اِس واسطے یہ وطن بنا تھا۔ اقبالؒ وقائدؒ کی روحیں تڑپ رہی ہوں گی۔ اِس میں قصور قائدؒ واقبالؒ کا نہیں اُن کا ہے جن کے حصے میں اِس ملک کی حکمرانی آتی رہی اور ملک دن بدن پستی کی جانب گرتا چلا گیا۔ اخلاقی گراوٹ عدم برداشت، شرم وحیا، ایمانداری سکون نام کی کوئی قدر بھی تو نہیں بچی ہمارے معاشرے میں، بلوچستان میں قتل عام، خیبر پختوں میں لگی آگ نے ملک کو ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ شراب، جواء عام ہے یہاں کا لبرل فاشٹ طبقہ یہ ہی کچھ چاہتا ہے کہ کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ اُن کے من کی مرادیں پورے معاشرے کو کھوکھلا اور برباد کر رہی ہیں۔ پس جو جو بھی اللہ پاک کے دیے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر معاشرئے کا نظام درہم برہم کر دیتا ہے جس سے اُس کے ساتھ ساتھ دیگر لوگ بھی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ زندگی کو اِس طرح گزارنا کہ جس طرح شاہین ہوتا ہے حضرت اقبالؒ کا

محبوب پرندہ شاہین ہے اِس میں مردِ مومن کی بعض خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اپنے ایک خط میں جو اقبالؒ نے پروفیسر ظفر احمد صدیقی کو لکھا تھا اِس میں اس بات کی وضاحت فرمائی تھی کہ شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں ہے اس میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں (1) خود دار اور غیرت مند ہے کہ اور کسی کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا (2) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا (3) بلند پرواز ہے) (خلوت پسند ہے اور تیز نگاہ ہے۔ کیا ہمارے معاشرے میں ان خصوصیات کے حامل 4 لوگ پائے جاتے ہیں۔ اتنی محبت خواہشات کے ساتھ کہ بد سے بدتر جانور بھی مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا۔ اقبالؒ تو شاہیں کو کہتے ہیں کہ تو ایسا بن کہ اپنا نوالا کسی کے ہاتھ سے نہ لے نیک بن اور اچھوں کی نصعیت سن۔ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اے مسلمان تو نیک اطوار بن اور پختہ تدبر والا بن۔ درحقیقت اقبالؒ کا شاہین کا جو تصور ہے وہ اپنا کر مسلمان رب پاک کے قوانین پر عمل کرسکتا ہے اور فلاح و کامیابی اُسکا مقدر بن سکتی ہے پاکستانی معاشرے میں عام انسانی رویات ناپید ہونے کی وجہ اشرافیہ ہے جو کہ اپنی مرضی سے جو چاہتی ہے وہ کرتی ہے۔۔

پاکستان میری دھرتی میرا پیارا وطن

حذیفہ اشرف عاصمی

پاکستان بننے سے پہلے ہر مسلمان سمجھتا تھا کہ اُس کے مذہب کو خطرہ ہے۔ مسلمان جانتے تھے کہ دو قومیں ایک ساتھ گزر بسر نہیں کر سکتیں۔ اور وہ قومیں مسلمان اور ہندو تھیں۔ محترم جناب علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ الہ آباد میں کچھ نکات مسلمانوں کے سامنے رکھے تھے اور وہ الفاظ کچھ اسطرح تھے۔ کہ مسلمان اور ہندو ایک ساتھ نہیں رہ سکتے اتنے سال ایک ساتھ رہنے کے باوجود بھی یہ ایک نہ ہو پائے کیونکہ ان کا رہن سہن الگ الگ ہے۔ان کا اُٹھنا بیٹھنا رسم و رواج سب کچھ تو ایک دوسرے سے مختلف ہے۔پاکستان بننے سے پہلے ہر مسلمانوں کی زبان پر پورے جوش وجذبے کے ساتھ ایک ہی نعرہ تھا کہ لے کر رہیں گے پاکستان بن کر رہے گا پاکستان۔ اور میرے پیارے پاکستان کو حاصل کرنے کے لیے جناب قائدِاعظمؒ نے اور ان کی بہن محترمہ فاطمہ جناحؒ اور قائدِاعظمؒ کی قیادت میں مسلمانوں نے لازوال قربانیاں دے کر آزادی حاصل کی اور یہ وطن میری دھرتی میری پاکستان کو آزاد کروانے کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ مقصد مسلمانوں کو ان کا حق دلوانا تھا۔اور قائدِاعظم اپنے مشن پر پورا اترے۔ کیونکہ اللہ پاک کی مرضی بھی یہی تھی کہ پاکستان بنے اور مسلمانوں کو آزادی میسر آئے اور جو خدا چاہتا ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔ اور قاعد اعظمؒ کے

ساتھ اللہ پاک کی رضا تھی جو ان کو دشمنوں کے خلاف لڑنے کی قوت بخشتی رہی ۔اور ایک دن ایسا آیا 14 گٹ 1947 کو ایک سورج اُبھور ہوا اور اس دن ہمارا پیارا وطن آزاد ہوا۔اور سب کی زبان پر ایک ہے نارا بلند تھا وہ یہ تھا کے پاکستان زندہ باد قاعداعظم زندہ باد۔ پاکستان کا نام لاالہ الااللہ کی بنیاد پر ہی رکھا گیا۔اور پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الااللہ ۔ پاکستان بننے کے بعد ہر مسلمان اور پاکستانی کی زبان پر ایک نعرہ یہ بلند تھا کہ جب تک سورج چاند رہے گا پاکستان کا نام رہے گا۔پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔اسے بنانے کے لیے بہت سی ماوئں بہنوں نے اپنی عظمتوں کی قربانیاں اور بہت سے شہیدوں نے اپنے خون کی قربانیاں دیں ہیں۔ مسلمانوں پر بہت سے ظلم ڈھائے گے مگر پھر بھی ہمارے نوجوان سچائی کی راہ سے پیچھے نہ ہٹیں اے وطن تو نے پُکارا تو لہو کھول اٹھا تیرے بیٹے تیرے غازی تیرے جانباز چلے آتے ہیں۔پاکستانیوں نے کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے دن رات محنت کی ہے اور آج ہمیں دیکھتے ہیں کہ پاکستان ایک ایٹمی ملک بن چکا ہے جس کے لیے ہمارے لیڈر قائدا عظم ،علامہ اقبال اور ان کے ساتھیوں نے ملک کر پاکستان کو جناب قائدا عظم محمد علی جناحؒ نے ایسے ہی یہ الفاظ بیان نہیں کیے کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے میں تنہا لڑوں گا اس وقت تک لڑوں گا جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ موجود ہیں۔مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر آپ کو پاکستان کے لیے جنگ لڑنی پڑے تو کسی صورت ہتھیار نہ ڈالیں اور صحراوں ، میدانوں، جنگلوں اور سمندروں میں جنگ

جاری رکھیں۔ قائدِاعظم محمد علی جناح کی اس بات پر ہم انشاءاللہ پورا اترے گے۔اور پاکستان کو ایک امن و سکون والا وطن بنانا قائدِاعظم کی خواہش تھی اور اس خواہش کو صرف آنے والی نسل ہی پورا کر سکتی ہیں۔اور یہ ہم مسلمانوں اور سب سے بڑھ کر پاکستانی ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہے کہ ہم قاعداعظم کے مشن کو پورا کریں پاکستان کو حاصل کرنے کے لیے پہلے ہی بہت قربانیاں دی ہے اور یہ قربانیاں ہمیں پل پل یاد دلاتی ہے کہ ہم پاکستانی ہیں اور ہمیں پاکستانی ہونے کا فرض ادا کرنا ہے ہندو یہ سوچتے ہیں کہ پاکستان میں ٹیلنٹ نہیں ہیں اگر پاکستانیوں میں ٹیلنٹ نہ ہوتا تو ڈاکٹر عبدلقدیر خان ایٹم بم نہ بنا پاتے اور پاکستان کے عالمی شہرت یافتہ بچے جیسے کہ ارفع کریم رندھاوا علی معین نوازش،شایان انیق،ملالہ یوسفزئی، عمار افضل ،شاہ زیب حسین ، ستارہ اکبر، اور موسٰی فیروز جیسے بچے پاکستان کا نام روشن نہ کرتے۔پاکستانی ایک قوم ہے جب تک پاکستانی ایک ساتھ ملکر رہیں گے تب تک کوئی بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔اور بے شک خدا سچائی کا ساتھ دیتا ہیں۔اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی اُن کی جمیعت کا ہے ملک و نصب پر انحصار قوتِ مذہب سے ہے جمیعت تیری دامن دی ہاتھ سے چھوٹا تو جمیعت کہاں جمیعت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی ۔پاکستانی قوم مل کر یہ کرپشن کی لعنت کو ختم کر سکتی ہیں ۔ لوڈشیڈنگ جیسی لعنت اور دہشت گردی کی لعنت کو جڑ سے اُکھاڑ کر باہر پھینک سکتے کیونکہ یہ وہ پاکستان نہیں جسے

کسی کے ٹکڑوں پر پلنے کی عادت ہے یہ میرا پاکستان ہے یہ میرے قائدؒ کا پاکستان ہے
۔انشااللہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب یہ اپنا ہاتھ اٹھائے گا تو وہ ہاتھ کچھ لینے کے لیے
نہیں اُٹھے گا بلکہ دینے کے لیے اُٹھے گا ہم وہ پاکستانی نہیں جو کسی کے ٹکڑوں پر پلتے ہے
ہم وہ پاکستانی ہیں جو اپنے بل بوتے پر جئیں گے۔ ہم اپنی محنت سے پاکستان کو بلندیوں
تک پہنچائیں گے ۔پاکستان زندہ آباد۔پاک فوج زندہ آباد۔

اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کی آزاد نظموں کے مجموعہ من کی دنیا کی جیت ای بُک

آ ئینی تجزیہ کار انسانی حقوق کے علمبردار ماہر قانون اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کی آزاد نظموں کے مجموعہ من کی دنیا کی جیت ای بُک شائع ہو گئی ہے۔ ہوسٹن امریکہ میں مقیم ممتاز شاعر جناب سید الطاف بخاری نے ای بُک کی رونمائی کی۔ سید الطاف بخاری نے پاکستانی معاشرے میں پھیلی ہوئی بے چینی اور گھٹن میں اِس کتاب کو ہوا کا ٹھنڈا جھونکا قرار دیا ہے۔ سید الطاف بخاری نے کہا کہ اشرف عاصمی ایڈووکیٹ ایک نظریاتی شخصیت ہیں اور اُنھوں نے زندگی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو عزم جذبے حوصلے سے ختم کرنے کی بات کی ہے۔ اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے اِس ای بُک کو اپنے مرحوم والد ماہر تعلیم جناب میاں عمر دراز کے نام انتساب کیا ہے اِس ای بک کا پیش لفظ جناب ملک جاوید مصطفائی اور ڈاکٹر تنویر احمد چوہدری نے لکھا ہے۔اِس منفرد ای بک کے حوالے سے عہد حاضر کے نامور دانشوروں شعراء ادیبوں نے اپنی رائے سے نوازا ہے۔ المصطفیٰ ویلفیر سوسائٹی کے چیئرمین سابق مرکزی صدر انجمن طلبہء اسلام جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری نے موجودہ ویب کے دور میں اشرف عاصمی کے کلام کی ویب پر اشاعت کو سراہا۔ خوشاب میں مقیم جواں جذبوں کے امین جناب ظہیر باقر بلوچ نے اشرف عاصمی کے کلام کو حوصلے کی کرن قرار دیا اور کہا کہ موجودہ حالات میں جب

قناعت ناپید ہو چکی ہے، خلوص محبت کھو گئے ہیں ان حالات میں خالق پر مکمل بھروسے کی بات کرنا اشرف عاصمی کی آزاد نظموں کا طرہ امتیاز ہے۔ موجودہ دور کے ممتاز شاعر جناب وصی شاہ نے بھی اشرف عاصمی کی ویب بک کی اشاعت کو سراہا۔ کوئٹہ میں مقیم ممتاز شاعر جناب اکرم خاور نے اشرف عاصمی کی نظموں کو حوصلے کا نشان قرار دیا۔ ممتاز شاعرہ ادب سرائے کی چیئرپرسن محترمہ ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ نے اشرف عاصمی کے مجموعہ من کی دنیا کی جیت کی ای بُک کو ایک خوشگوار اضافہ قرار دیا انھوں نے کہا کہ اشرف عاصمی میرے چھوٹے بھائی ہیں اور انھوں نے ہمیشہ اُن کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ممتاز شاعرہ، ادیب محترمہ ڈاکٹر صغرہ صدف نے انٹرنیٹ کے دور میں اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کی آزادہ نظموں پر مشتمل مجموعہ کو ای بُک کے طور پر شائع کرنے کو ایک سنگِ میل قرار دیا۔ ماورا پبلشر کے صدر نشین ممتاز شاعر جناب خالد شریف نے اشرف عاصمی کے الفاظ کو عوامی جذبات کا آئینہ قرار دیا۔ ممتاز دانشور ادیب جناب معین نوری نے اشرف عاصمی کے الفاظ کو موجود حالات میں حضرت اقبالؒ کے پیروکار کے الفاظ قرار دیا۔ شارجہ میں مقیم ممتاز ڈاکٹر جناب حماد احمد بھٹی نے ای بک کی اشاعت کو خوش آئین قرار دیا۔ رائٹرز تھنکرز فورم کے سربراہ ممتاز ادیب جناب ضیاالحق نقشبندی نے ویب پر ای بک کی اشاعت کو اردو زبان کے لیے انتہائی سود مند قرار دیا۔ اردو زبان کے معروف شاعر جناب میاں محمد اکرم نے انٹرنیٹ پر اردو زبان کے فروغ کے حوالے سے من کی دنیا کی جیت کو جدت کی

جانب سفر سے تشبیہ سے نوازا۔ ممتاز ماہر تعلیم ڈاکٹر اسحاق رحمانی نے اشرف عاصمی کے حساس قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کو خالق کی محبت و عشق کا ایک انداز قرار دیا۔

پاکستان میں عدم برداشت ورواداری کی وجہ خانقاہی نظام کا فعال نہ ہونا ہے

بندئے کا اپنے رب سے تعلق بہار کی طرح کا ہوتا ہے پھول جب تک بہار کے مزئے لوٹ رہا ہوتا ہے وہ مہکتا رہتا ہے جیسے ہی خزاں وارد ہوتی ہے پھول کی پتیاں بکھر جاتی ہیں۔ انسان جب تک اپنے رب سے امید باندھے رکھتا ہے تب تک اُس کے من کی دنیا آباد رہتی ہے جیسے ہی وہ اپنے رب سے ناامید ہوتا ہے اور یاسیت اُس سے روحانی قوت چھین لیتی ہے جس لمحے بھی بندئے کے دل میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ اُس کا یہ کام نہیں ہونا تو گویا وہ اپنے رب کی ربوبیت کو غیر ارادی طور پر ماننے سے انکاری ہو جاتا ہے یوں پھر امید کی کمزوری اُس کے ایمان کو اعتقاد کو اُسکے یقین کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ وہ پھر رب کی رحمتوں کے ہالے سے نکل کر وسوسوں کے جال میں پھنس جاتا ہے بلکل اِسی طرح جیسے مکڑا جال میں پھنسا ہوتا ہے۔ نہ تو امید بَر آتی ہے اور نہ وسوسے چین لینے دیتے ہیں۔ عبادت گاہوں میں خاص اہتمام ہوتا ہے کیا رب کا صرف وہیں قیام ہوتا ہے گھر میں بازار میں دفتر میں کیا ایمان کا کام نہیں ہوتا ہے یونہی مذہب کا نام لے لے کے عقیدتوں کا دم بھر بھر کے عبادت کی رسم ادا ہوتی ہے علم و عمل سے رشتہ محال ہے زر کی ہوس نے اندھا کیا ہوا۔پاکستان میں مروجہ خانقاہی نظام ملوکیت میں ڈھل چکا ہے؟ آستانے روپے پیسے کی ریل پیل

میں اور مرید بھوک کے مارے ہوئے غلام ابنِ غلام ایک رب پر ایمان کی بجائے نا سمجھی میں کم علمی کی وجہ مرید بھی استحصال شکار ہیں اور اُن کے نذرانے ایسے جگہ جاتے ہیں کہ کاروباری انداز میں چلائی جانے والی خانقاہیں پرائیوٹ لمیٹڈ کمپنیوں کا روپ دھار چکی ہیں۔ جاگیردار، سرمایہ دار، وڈیرے کے ساتھ نام نہاد پیر بھی اُس دائرے میں داخل ہو چکے ہیں جہاں پیسہ ہی ایمان، لوٹ مار استحصال کے لیے نام نہاد پیر بھی روایتی سیاست میں حصہ لے کر اپنے کاروبار چمکاتے ہیں۔ پاکستان میں خانقاہی نظام کی تباہی کی وجہ ہی یہ ہے کہ خود کو سوادِ اعظم کہنے والوں کی آواز کہیں بھی نہیں۔ اگر کسی پیر یا مذہبی رہنماء نے رویتی سیاست کا ہی حصہ بننا ہے تو پھر سات دہائیوں سے جو چلا آ رہا ہے ایسے ہی چلتا رہے گا۔ آستانے محبت والفت کے گہوارے ہوا کرتے تھے لوگ بلا تخصیص اپنے دکھ درد کے حل کے لیے خانقاہ میں بیٹھے اللہ کے نیک بندے سے رہنمائی لیتے تھے۔ اِن خانقاہوں میں ہر آنے جانے والے کو روٹی ملتی اور روحانیت کی منازل بھی طے ہوتیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ داتا علی ہجویریؒ کو لاہور میں دفن ہوئے ایک ہزار سال ہونے کو ہے۔ لیکن اللہ پاک کا فضل ہر ساعت اُن کے دربار پہ جاری و ساری ہے اور اللہ پاک کی خاص رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ لیکن وہ خانقاہیں جہاں باقاعدہ پیری مریدی کا نظام چل رہا ہے وہاں بالکل صورتحال عجیب ہو چکی ہے۔ دین سے محبت رواج و روایات کی نذر ہو چکی ہے۔ عظیم صوفی بزرگوں کی درگاہوں پہ ایسی ایسی خرافات ہو رہی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اللہ کا

نیک بندہ جہاں دفن ہوتا ہے وہاں اللہ پاک کی رحمتوں کا نزول بہت زیاد ہوتا ہے لیکن ہندوانہ رسم رواج عجیب و غریب انداز میں جاری ہے۔دین کی روح کو خانقاہی نظام نے ہی ترویج دی اور برصغیر میں لاکھوں لوگوں کو مسلمان کیا اور پاکستان کو تو اولیا کا ہی فیضان کہا جاتا ہے لیکن اِن اولیاء اکرام کی خانقاہوں کو جس انداز میں کاروبار بنا دیا گیا ہے یہ سلسلہ بہت تکلیف دہ ہے جن درگاہوں سے رسمِ شبیری ادا ہونا تھی وہاں گدیوں کی لڑائیاں جاری ہیں۔اِن حالات میں کہ اُمت کو جہاں اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے اور پوری امت مسلمہ ہمہ گیر زوال و انحطاط کا شکار ہے اِن خانقاہوں سے تو علم وہدائت کے سرچشمے پھوٹنے چاہیے ں کیلئ عملی طور پر ایسا نہیں پارہا۔ جس کی وجہ سے پیٹرو اسلام کی حامل جماعتیں عوام الناس میں فلاحی کاموں کے ذریعے یا دیگر انداز میں نفوس پذیری حاصل کر گئی ہیں۔ گویا پاکستان میں نام نہاد طالبان کی جانب سے دہشت گردی بھی درحقیقت ہمارے خانقاہی نظام کے فعال نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔رُشد و ہدایت کا منبع و مرکز جب اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کریں تو پھر لازمی طور پر خلاء پیدا ہوگا اوراِس خلاء نے ہی ہمارے معاشرئے کو نفرتوں کی آگ میں جھونک دیا ہے۔فرقہ واریت، مذہب ،زبان، علاقہ کی بنیاد پر گردنیں کاٹنے کا سلسلہ چلا نکلا۔

من کی اُجڑی بستی

من کے اُجڑنے کی وجہ بہت سے ایسی بیماریاں ہیں جو ظاہری طور پر تو چھوٹی چھوٹی خواہشات سے جنم لیتی ہیں لیکن یہ ہی خواہشات من کے اندر ایسے مچلتی ہیں کہ کہ اُسکا اثر پھر تن پہ بھی دیکھائی دیتا ہے۔اِس لیے زندگی زندگی کو سوہاں روح بنانے میں یہ ہی چھوتی خواہشیں اندھا بن جاتی ہیں جہاں پھر نیکی کا ٹھرنا ممکن نہیں رہتا۔ زمانے کے انداز کو دپر ھاوی کر لینے سے معاملات بگڑتے ہیں سنبھلتے نہیں۔ لالچ ایک ایسا سراب ہے کہ انسان کو اپنی طرف اِس طرح کھینچتا ہے کہ انسان کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔لالچ کا سلسلہ یوں ہی رُکتا نہیں بلکہ لالچ نئے لالچ کو جنم دیتا ہے۔ یہ لالچ ایسے کنویں کی حثیت اختیار کر جاتا ہے کہ اِس گڑھے سے باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ اِس سے قطع تعلق ہونا انسان کے لیے اتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اِنسان انسانیت کے دائرے سے بھی نکل جاتا ہے۔ یہ ہی لالچ پھر المیوں کو جنم دیتا ہے۔ایک کے بعد ایک المیہ۔زندگی کا مقصد صرف ہوس بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ ہی ہوس چھوتی بیماری کی طرح دیگر ہم عصروں کو بھی اپنا شکار کر لیتی ہے بالکل اِسی طرح جیسے راہزن راہبر بن جائے۔انسان ہونے کے مقام سے لالچ انسان کو ہٹا دیتا ہے۔ درندگی کا حامل بنا دیتا ہے۔ محبت خلوص کے راستے کو ویران کر دیتا ہے۔وفا نام کی کوئی شے بھی

لالچ کے قریب نہیں پھٹکتی۔انسانی وقار کو نہ صرف شدید دھچکا لگتا ہے بلکہ پیشانی ہمیشہ کے لیے زمین بوس ہو جاتا ہے۔صوفی چونکہ اپنے خالق کی طرف امید لگائے ہوتا ہے اور اُسے یہ ادراک ہو جاتا ہے۔ کہ لالچ تو خود کو مردہ کرنے کے نام ہے چونکہ لالچ دنیاوی عارضی شے سے ہوتا ہے اِس لیے اُس شے کے اندر دیرپائی بھی نہیں ہوتی۔

جب محرک یہ ہو کہ گوہر نایاب کو پانا ہے تو پھر اُس کی تلاش کے لیے صاحب نظر ہی تحریک پیدا کرتا ہے اور صاحب نظر کی تمام تر تحریک کا ماخذ عمل کی طرف سفر ہوتا ہے دعویٰ عشق اور پھر بعد ازاں عشق کی لاج رکھنا ہی عشق ہے۔اِس لیے صوفی کے اندر طمع نام کی کوئی شے نہیں ہوتی۔اِس کا مطلب یہ نہیں کہ صوفی کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ بات یہ ہے کہ صوفی نے اپنی ضروریات کو محدود کر لیا ہوتا ہے۔اِس کو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ تصنع بناوٹ سے منزل نہیں پائی جا سکتی تفکرات انسان سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لیتے ہیں۔اِسی وجہ سے نادانستگی میں انسان سے ظلم روا ہو جاتا ہے۔ انسان کا مقصد ہر گز نہیں ہوتا کہ وہ کسی کو گزند پہنچائے لیکن کیونکہ کہ تفکرات نے اُس کی سوچ کو جامد کیا ہوتا ہے اِس لیے اُس سے ہر وہ عمل ہو جاتا ہے جو اُسکی جبلت کے خلاف ہوتا ہے۔اِن تفکرات کی وجہ سے خالق کو فراموش کر کے انسان دُنیاوی خدا بنا لیتا ہے۔ صرف ایک خالق کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے

اُسے بہت سوں کو سجدہ کرنا پڑتا ہے۔ اگرایک خالق کے حوالے سارے دکھ درد کردیے جائیں تو بس پھر خالق جانے اور خالق کا کام۔ خواہ مخواہ چند اونس کے حامل دماغ پر اتنا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے کہ انسان کا سانس تک رُکنے کو ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ چند روزہ زندگی کی معمولی اور جلد ختم ہونے والی خواہشوں کی بجائے انسان صرف اپنے خالق کو ہی کارساز مانے اور سارے دکھ اپنی جھولی سے نکال کر خالق کے حوالے کردئے تو وہ دماغ جو چند مسائل کی وجہ سے پھٹا جارہا ہوتا ہے وہ دماغ اور دل پوری کائنات کو اپنے اندر سمو لیتے ہے۔ بس ایک کام کرنا ہے کہ خالق سے رشتہ کمزور نہ ہو پائے۔ خالق تو مخلوق کے انتظار میں ہوتا ہے کہ مخلوق کب مجھے پکارتی رب پاک امید کا نام ہے۔رب پاک محبت سے بھرپور ہستی ہے۔رب پاک سے جب ہم امید باندھ لیتے ہیں۔تو پھر ہم خود کو اپنے دُکھوں اور غموں سمیت اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے رب کے حوالے کردیتے ہیں مسافر کبھی پلیٹ فارم پہ مستقل قیام کا خواہاں نہیں ہوتا۔نہ ہی وہ پلیٹ فارم پہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ اُسے کوئی اگر کہے بھی کہ اِسی جگہ رُک جاؤ تو تب بھی وہ کسی کی نہیں مانتا بلکہ اُلٹا ایسا کہنے والے کو پاگل گردانتا ہے کہ یہ جگہ ایسی ہے کہ یہاں مستقل قیام کیا جائے یہ دُنیا تو پلیٹ فارم سے بھی عارضی ہےاِس کے لیے خود کو، دوسروں کو تکلیف میں ڈالنا ایسے ہی ہے کہ آ بیل مجھے مارفراق وصال اُسکا ساتھ ہونا بھی دل کو خوف میں رکھتا ہیکہ شاید اب کہ یہ وصال کی آخری گھڑیاں تو نہیں ہجر کی ناتمام

مسافتیں جب اپنا دامن پھیلادیتی ہیں تو تب وصال کی دُعا کے ساتھ ساتھ ہجر کا دُکھ سایہ بن کر ساتھ ساتھ رہتا ہے لیکن روح کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ہجر طمانیت دینے لگتی ہے کیونکہ ہجر کے بعد تو کسی اور ہجر کے درپیش ہونے کا دکھ تو نہیں۔ من کے اندر سکون حاصل تب ہی ہوتا ہے جب مخلوق مخلوق کا خیال رکھتی ہے۔ کسی کو دُکھ دئے کر کسی کے مال پر قبضہ کرکے کسی سے رنجش کرکے من کی بستی کو آبد کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔جب خود سے دوسروں کو اُجڑنے کا عمل ہورہا ہے تو ردعمل بھی اُجڑنے کا ہی ہوتا ہے۔ تخریب سے مزید تخریب پیدا ہوتی ہے۔

اشرف عاصمی کی کتاب من کی دنیا کی جیت سے اقتباس

ایک صحافی کے ساتھ پولیس کے ظلم کی داستان

آئی جی پنجاب صاحب سب اچھا نہیں ہے

نہایت کرب کے ساتھ آج کا کالم پیش خدمت ہے وہ یوں کہ صحافی دوست بدر چشتی جو کہ پریس کلب لاہور کے ممبر بھی ہیں میرے چیمبر لاہور ہائی کورٹ تشریف لائے۔ اور جس طرح سے انھوں نے پولیس یونیفارم میں ملبوس اپنے سگے چچا کے حوالے سے اپنی دکھی داستان سنائی تو مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ اِس طرح ہوا ہوگا۔ بدر چشتی پاکستان فلاح پارٹ پنجاب کے صدر بھی ہیں اور وہ انجمن طلبہ ء اسلام کے مرکزی رہنماء بھی رہے ہیں۔ بدر چشتی جیسے بہادر اور مرنجاں مرنج شخصیت کے حامل انسان کے ساتھ جو کچھ پولیس وردی میں ایک شخص کر رہا ہے میرے خیال میں تو پولیس کا نام ہی بدل دینا چاہیے۔ میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ بدر چشتی کے الفاظ جو کہ انھوں نے آئی جی پنجاب پولیس سکھیرا صاحب کی خدمت میں لکھے ہیں وہی پیش کر رہا ہوں۔ عزت مآب جناب مشتاق سکھیر صاحب آئی جی پنجاب۔ جناب ب عالی۔ گزارش ہے کہ میں مسمّٰی بدر ظہور جشتی لاہور پریس کلب کا کونسل ممبر عرض گزار ہوں کہ میرے حقیقی چچا عبد الروف چشتی ڈی ایس پی حال تعینات پٹرولنگ بہاولنگر اور کزن ایم پی اے صبا صادق کے

ذاتی ملازم محسن عرف محسنا نے ہم گھر والوں کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ بنیاد یہ ہے کہ میرے والد کی خرید کردہ ایک قطعہ اراضی واقع آبائی گاؤں کمال پور چشتیاں تھانہ صدر پسرور ضلع سیالکوٹ پر والد صاحب نے دو ڈیرے بغرض عارضی رہائش و مویشیاں تعمیر کئے۔ ان میں سے ایک ڈیرے پر منظور احمد، محبوب عالم، محمد یسین عرف چھینالنگہ محمد امین، محمد خالد عرف خالدی، کالا (برادران حقیقی ڈی ایس پی صاحب) اور بھتیجوں، محسن عرف محسنا، محمد عمر، ثاقب مسعود، کاشف مسعود، ہارون، محمد صابر اور تھانہ صدر کے سب انسپکٹر محمد زبیر کے ذریعے تالے تڑوا کر قبضہ کروالیا اور الٹا چوری اور قبضہ کی کوشش کا مقدمہ بھی ہم پر ہی درج کرلیا گیا جو ہم پر کسی طور نہیں بنتا تھا، پھر اس کی انکوائری اور تفتیش تبدیل دوران نہ تو ہماری کوئی شنوائی ہوئی اور نہ ہی ہماری درخواستوں پر کوئی ایف آئی آر درج ہوئی بلکہ ہمیں زبردست ذہنی تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ حضور والا ایس ایچ او تھانہ صدر رائے صفدر حسن نے ہمیں مخالفین کی مختلف درخواستوں میں انکوائری کے نام پر تھانہ بلوا کر ذلیل کرنا الگ سے شروع کر رکھا ہے جس کا کہنا ہے کہ میں ڈی ایس پی صاحب کے ماتحت رہا ہوں۔ انکی حکم عدولی نہیں کرسکتا۔ جناب ذی احتشام آئی جی صاحب: ڈی ایس پی عبدالرؤف کا برادر نسبتی حافظ جاوید سابق رجسٹرار سپریم کورٹ میں امین فاروقی کا داماد جو خود بھی کرپشن کیس کے نتیجہ میں گرفتار اور برطرف ہوئے انکے بھرتی کرائے ہوئے متعدد رشتہ دار سپریم کورٹ کے ملازم ہیں، جو عدالتوں

پر بھی کسی حد تک اثر انداز ہیں حتی کی میڈیا پر بھی لاہور اور پسرور سے کوئی خبر بھی شائع نہ ہونے دی جوایک دو اخباروں میں خبریں شائع ہوئیں انکے سب ایڈیٹرز کو بھی شوکاز نوٹس جاری کردادیئے۔ حضورِ والا ہم جب بھی کہیں درخواست پیش کرتے ہیں یہ قابضین مرحلہ وار کسی اور جگہ پر قبضہ کرلیتے ہیں جن میں ابتک دوسراڈیرہ اور وراثتی ایکڑ کا قبضہ شامل ہیں، ساتھ ساتھ اس نمبر سے 0046120025 ہمیں گالیاں اور قتل کئے جانے کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ مختلف تھانوں یاپرچوں میں ذلیل کرنے کی بابت بھی پیغامات ملتے ہیں۔جناب محترم آئی جی صاحب: محسن عرف محسنا الگ سے میرا پیچھا کرنا شروع کرر کھا ہے اور میرے قتل کے درپے ہیں جسکا اشتہاریوں سے تعلق اور انکو پناہ دینے کے حوالے سے چرچازبان زدعام ہے۔کچھ پولیس مقابلے میں مارے جانے والے اشتہاریوں کا آتشین اسلحہ اب بھی اسکے پاس موجود ہے،جس کی فائرنگ سے گاؤں میں خوف دہراس پھیلائے رکھتا ہے پولیس پر وزیر اعلی ہاؤس کا ملازم گردانتے ہوئے اس قدر رعب ڈال رکھا ہے کہ آئے دن کرسی بچھا کر تھانے بیٹھ جاتا ہے کہ ہم پر تھرڈ ڈگری استعمال کی جائے کل مورخہ 2 اگست کو محسن عرف محسنا پانچ چھ مسلح افراد کو لیکر گاؤں میں میرے چچا کی رہائش کی باہر آدھا گھنٹہ کھڑارہا اور ساتھیوں کو ہاتھوں کے اعشاروں سے کچھ سمجھاتا رہا،اسی طرح پسرور میں ہماری رہائش پر بھی چکر لگا کرگیا۔ڈی ایس پی عبد الرؤف اور محسن دہشگردی کے ایک مقدمہ میں چالان ہوئے تھے جو موجودہ ایم پی اے رانا محمد

افضل ایڈووکیٹ نے درج کروایا تھا۔جناب آئی جی صاحب ہم نے ڈی ایس پی پسرور اسد اسحاق کو سفارش بھی کروائی کہ ہماری دادرسی نہ سہی صلح ہی کروادیں اسی طرح چوہدری خالد ڈوگرایڈووکیٹ سپریم کورٹ کے ذریعے بھی انکے گھرجاکرآفرکی کہ ایک ڈیرہ لے لیں اور ہمیں معاف کردیں۔ایسا بھی نہیں ہوسکا اسکے علاوہ بھی کوشش کیں جو بارآورثابت نہ ہوسکیں۔اسی طرح ڈی ایس پی عبدالرؤف نے متذکرہ بالا پوری ٹیم کو ساتھ لیکر میرے والد اور اپنے بڑے بھائی کو گھرجاکر نہ صرف گالیاں بلکہ ہم دونوں بھائیوں کو پولیس مقابلے میں پار کرنے کی بھی دھمکیاں دیں۔جناب اعلی اب ہم میں کی درخواستوں کےA/B سکت نہیں کہ انکامقابلہ کرسکے۔نقد وسائل بھی نہ ہیں 22 ذریعے کوئی ریلیف دے کے الٹا ہم مذاق بن رہے ہیں کہ کس دور میں رہ رہے ہیں کہ آپ کی کہی سے نہ تو کوئی شنوائی ہورہی ہے اور نہ ہی قبضوں کے برخلاف کوئی کارروائی ۔اور بالاآخر ہمیں نفسیاتی مریض یا مظلوم ہونے کا ڈرامہ قراردیکر بے وقعت کردیا جائے گا۔جناب آئی جی صاحب ڈی ایس پی عبدالرؤف نے 2007 میں لاہور بار ایسوسی ایشن اور2009 میں ہائیکورٹ بار کالائسنس بھی حاصل کررکھا ہے جو پولیس اور پنجاب بار دونوں اداروں کی خلاف ورزی اور دھوکہ ہے۔جناب عالی آپ سے آخری امید کے طور پر استدعا ہے کہ اگران کا قابضین کے خلاف کوئی کاروائی /انکوائری ممکن ہے تو اپنے زیر سایہ لاہور میں رکھیں بصورت دیگر اس وقت تک جان کا تحفظ فراہم کروائیں جب تک ہم باقی ماندہ زمین اور جائیداد کو فروخت نہ

کرلیں یا پھر یہ قابضین مارکیٹ ریٹ پر ہم سے خریدلیں ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں
کہ ہم یہ شہر یہ صوبہ تو کیا یہ ملک ہی چھوڑ دیں گے۔ وسلام۔ بدر چشتی ممبر پریس کلب
لاہور۔

گھر کو آگ گھر کے چراغ سے۔ ایک مقدمہ ایک کہانی

میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کی پیشہ ورانہ زندگی کا سچا واقعہ

مجھے جیل سے ایک خط موصول ہوا جس کے مطابق ایک قتل کے قیدی نے مجھ سے قانونی امداد طلب کی تھی۔ میں ایک دن جیل پہنچ گیا اور اُس شخص جسکا نام نظام تھا سے ملا۔ وہ میرا منتظر تھا وہ بغیر رکے بولنے لگ گیا اور اُس نے اپنی روداد چند منٹوں میں ہی سُنا ڈالی۔ مجھے افسوس تھا کہ ایک بوڑھا شخص جس کے بال مکمل سفید تھے اور دیکھنے میں وہ کافی بھلا مانس لگتا تھا اُس کی کہانی بہت ہی دُکھ بھری تھی۔ اُس کا کہنا تھا کہ وہ سنگِ مرمر لگانے کا ماہر ہے اور اُس نے مکہ و مدینہ کی پاک فضاؤں میں بھی یہ کام کیا ہے اور اُس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ عرب ریاستوں میں ہی گزارا اُس کے مطابق اُس کی شادی خاندان کی ایک لڑکی سے ہوئی اور وہ شادی کے بعد بھی حصول روزگار کے لیے بیرون ملک ہی محنت مزدوری میں لگا رہا۔ دو سال بعد پاکستان آتا یوں اُس نے اپنا علیحدہ گھر بنالیا تھا اور ب اُس کے ہاں تین بیٹیاں اور ایک بیٹا پیدا ہوئے۔ وہ اپنی کہانی سنا رہا تھا کہ اچانک رُکا اور کہنے لگا وکیل صاحب کاش پاکستان کے حکمرانوں نے اِس دھرتی ماں میں ہی ہمارئے گزر بسر کے حالات پیدا کیے ہوتے اور نہ میں باہر رہتا نہ میرا گھر برباد ہوتا۔اُس

کی آنکھوں میں اب آنسو بہہ رہے تھے۔ایک انتہائی بوڑھے شخص کو بلکتے روتے ہوئے دیکھ کر میرا کلیجہ مُنہ کو آرہا تھا۔ پھر وہ گویا ہوا وکیل صاحب میری بیوی جو کہ میری عدم موجودگی میں بد چلنی کا شکار ہو گئی تھی اُس نے میری دو بیٹیوں کو بھی اِسی کام پر لگا دیا اور اب وہ باقاعدہ ایک جسم فرشی کا اڈا چلانے لگ گئی۔ میرا بیٹا بھی اپنی ماں کا ہی ہمنوا بن گیا۔میں آج سے ڈیرھ سال پہلے جب دیارِ غیر سے گھر آیا تو مجھے پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ میری بیوی اور بچیاں جسم فروشی کے مکروہ دھندے میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ میں نے جب اپنی بیوی کو کہا کہ یہ کیا ہے تو اُس نے مجھے گھر سے نکلوادیا اور علاقے کے ایم پی اے کے غنڈوں نے مجھ بوڑھے کو مارا اور میری بیوی نے عدالت سے خلہ یعنی طلاق بھی لے لی۔میں نے اُس کی منت سماجت کی کہ میری بیٹیاں مجھے واپس کردو میں یہاں سے دور چلا جاؤں گا۔ لیکن وہ نہ مانی۔ اب وکیل صاحب میں کیا کرتا۔ میری ساری زندگی کی محنتوں کا ثمر یہ تھا کہ گھر تباہ، اولاد تباہ اور میری بیوی نے جو گُل کھلائے تھے خدا کی پناہ۔ وکیل صاحب علاقے کا تھانیدار اور ایم پی اے اُس کی سرپرستی کرتے تھے۔جب مجھے اُس نے دھتکار دیا تو میرے پاس نہ تو سر چھپانے کی جگہ تھی اور نہ ہی بچے میرے ساتھ تھے۔اپنے رشتے داروں سے مدد کی درخواست کی مجھ نحیف بوڑھے کی کسی نے مدد نہ کی۔ بس وکیل صاحب میرے آنکھوں میں لہو اُتر آیا۔ میری زندگی کا بس ایک مشن بن گیا کہ میں کسی طرح اُس بے وفا اور زمین پر گناہوں کے بوجھ کو

صفحۂ ہستی سے مٹادوں۔اِس مقصد کے لیے میں نے ایک بہت تیز دھار آلہ تیار کروایا اور اپنی میں نے شکل وجہ تبدیل کی اور بھیس بدل کر اپنے ہی گھر میں جو کہ اب فحاشی کا اڈا بن چکا تھا پہنچ گیا میں نے وہاں موجود چوکیدار سے اپنی سابقہ بیوی سے ملنے کا کہا اُس نے سمجھا کہ کوئی موٹا تازہ گاہک ہے وہ مجھے اُس کے پاس لے گیا میں اُس کے پاس اُس کے کمرے میں بیٹھ گیا اور وہ مجھ سے میرا حال پوچھنے لگی اسی اثناء میں میں نے موقع پا کر اُس حرافہ کو قتل کردیا جب تک شور سن کر لوگ آتے وہ جہنم رسید ہوچکی تھی میری زندگی کا مشن مکمل ہوچکا تھا پولیس آئی مجھے گرفتار کیا میں نے اقرارِ جرم کرلیا میرا کوئی وکیل بھی نہ تھا سرکار نے مجھے وکیل فراہم کیا۔ مجھے سزائے موت کی سنا دی گئی

ہے۔ساری کہانی سُننے کے بعد میری دل بھر آیا تھا میرا اپنا جسم ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ نظام اب تم کیا چاہتے ہو؟۔ وہ کہنے لگا وکیل صاحب مجھے اب زندہ نہیں رہنا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ میرا کیس لڑیں تاکہ دنیا کے سامنے حقائق لائے جا سکیں کہ جو لوگ دیارِ غیر میں اپنے پیاروں کے لیے دھکے کھاتے ہیں اُن پیاروں کی جانب سے بے وفائی کسی صورت پھر برداشت نہیں ہوتی ۔ میرے لیے کتنا صدمہ ہے کہ میری بیٹیاں اور بیوی فحاشی کے اڈے کو چلانے لگیں اور میرا بیٹا بھی اُسی رنگ میں رنگ گیا۔ وکیل صاحب لوگوں کو بتائیں کہ اپنے ملک میں سوکھی روٹی کھالیں باہر مت جائیں۔یا پھر شادی کے بعد نہ جائیں یا اپنی فیملی کو ساتھ لے کر جائیں۔ میں

نے اُس سے وکالت نامے پر دستخط کروائے اور جیل حکام سے مل کر واپس آ گیا اور سوچ رہا تھا کہ لوگ روپے پیسے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ کر سات سمندر پار چلے جاتے ہیں اور پیچھے سے اُن کے بیوی بچے اور ڈگر پر چل نکلتے ہیں اور ایسی راہ پر چل پڑتے ہیں جہاں سے واپسی ممکن نہیں رہتی۔

بھارتی وزیر اعظم مودی پاکستان سے کیوں ڈرتا ہے؟

وزیر اعظم ہندوستان کا شیطانی ذہن مسلم دنیا کے حوالے سے بالعموم اور پاکستان کے حوالے بالخصوص جس طرح کی دُشمنی رکھتا ہے اُس کا اندازہ حسینہ واجد کے ساتھ بیٹھ کر پاکستان توڑنے کا اقرار ہے۔ جو لوگ پاکستان میں رہ کر بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں اور پاکستان کے وجود پر انگلیاں اُٹھاتے ہیں۔اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ قصور پر پاکستان کی تخلیق کا نہیں قصور اِن حکمرانوں کا ہے جو اِس ملک کو گدھ کی طرح کھا رہے ہیں۔ نظریہ پاکستان کی مخالفت کرنے والوں کے منہ پر مودی کا پاکستان توڑنے کا اعتراف ایک زناٹے دار تھپڑ ہے۔ میری ذیل کی تحریر نظریہ پاکستان کی حقانیت کے حوالے سے ہے اسلامیہ جمہوریہ پاکستان ، ایک مخصوص نظرئے کی بنیاد پر معرض وجوڈ میں آیا تھا اور وہ نظریہ تھا، نظریہ پاکستان ۔۔۔برِ صغیر میں دو قومی نظرئے کی کوکھ سے اُبھرنے والا نظریہ دراصل اپنے تمام معانی، مصادر منابع کے نقطہ نظر سے نظریہ قرآن اور نظریہ اسلام ہے۔ کیونکہ تحریک پاکستان کے مراحل کے دوران اسلامیان ہند نے جو نظریاتی نعرہ بلند کیا تھا وہ تھا پاکستان کا مطلب کیا لاالہٰ الا اللہ۔ پاکستان عالیشان کا وجود باسعود، ایک مرد قلندر، مرد حریت اور مرد ایمان اور مرد امتحان ، حضرت قائدا عظمؒ ، کی محنت شاقہ کی بدولت ہوا۔ حضرت علامہ اقبال

کی روحانی اور ایمانی الہامی شعری کاوشوں نے اپنا رنگ دکھیا اور انہوں نے برصغیر کیؒ
غلامی میں پھنسی ہوئی مسلمان قوم کو احساس تفاخر ور خودی کی بیداری کا پیغام دے کر
انہیں آزقدی کے اوج ثریا تک پہنچانے کیلئے اپنا خون جگر عطا کیا۔ علم و عقل میں اگر
تضاد اور تصادم رہے گا تو ظاہر ہے کہ اس بنی ہوع انسان میں انتشار اور تخریب کا
باعث بنے گا، اور باالآخر قومی زوال کا پیش خیمہ۔ خدائے بزرگ و برتر نے اُن افراد کو
یہ اعزاز عطا فرما دیا۔ جنھیں دائرہ اسلام نے اسلام میں داخل ہونے کا شرف نصیب
ہوا، وہ افراد دنیائے انسانیت کے خوش قسمت ترین انسان ہیں جنہیں حضور اکرم ﷺ
کے یک امتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دین اسلام نے مسلمانوں کے قلوب و ارواح
میں جس فلسفہ توحید کو موجزن اور مرتسم کیا ہے، اُس سے ان میں فکری وحدت،
تہذیبی ہم آہنگی، دینی حریت ورنسانی سطح پر احساس تفاخر کی تخلیق ہوئی۔ جب قلوب و
اذہان میں تصور توحید جلوہ گر نہ ہو انسان کی شخصیت میں وحدت پیدا نہیں ہو سکتی، ظاہر
ہے کہ مسلمان ایک باری تعالیٰ جو وحدہ لاشریک ہے اس پر پختہ ایمان و ایقان رکھے گا،
تو جب ہی اپنے ندر بھی وحدت پیدا کرے گا۔ اس تمام فلسفہ حیات کا منبع، ماخذ، روح،
اساس، سرچشمہ اور بنیاد قرآن الحکیم ہے۔ اس نظریے کو قرآن کی تعلیمات اور حکام
کے پیش نظر مجدد الف ثانیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ اور دوسرے اولیائے کرام اور
مجتہدین قابل صد احترام نے اسی نظریے کو اپنے خون جگر سے سینچا اور روحانی کمالات
سے اس عظیم عمارت کی

بنیادوں کو استحکام سے ہمکنار بھی فرمایا۔ انہی بابرکت اور روحانی شخصیات کی تعلیمات مقدسہ نے حضرت علامہ اقبالؒ اور حضرت قائدِ اعظمؒ کے افکار ملہ اور قومی نظریات، دینی، اسلامی، قومی امنگوں کا رنگ بھر دیا تھا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اسلامیان ہند کو پیغام خودی دیا۔ انہیں انتشار ونکبت سے جگایا اوایک قوم کی شکل میں متشکل کر دیا۔ حضرت قائدِ اعظمؒ نے اسلامیان ہند کو اپنی تقاریر، خطابات، اور علمی اور قانونی نظریات وارشادات کی روشنی میں انگریزوں اور ہندوؤں کی استعمار پسندانہ اور تشدد آمیز رویوں سے آگاہ کرتے رہے اور انہیں اپنی اسلامی اقدار وروایات اور تاریخ کی روشنی میں تیار رہنے کی ہدایت کرتے رہے۔ حضرت قائدِ اعظمؒ نے اسلامیان ہند کے قلوب واذہان میں آزادی کی جو لو لگائی وہ الاؤ بن کر سامنے آئی اور پاکستان دنیائے انسانیت کے نقشے پر بڑی شان وشوکت کے ساتھ ظہورپزیر ہوا۔ قرآن حکیم نے استفسار فرمایا: خدا تعالیٰ نے تم سب کو تخلیق فرمایا' پھر تم میں سے ایک گروہ نے بلند وبالا اور عالمگیر انسانیت سے انکا کردیا' اور دوسرے گروہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ (2/64) یہی وہ انسانیت کی تفریق اور امتیاز کا میعار ہے جو قرآن حکیم انسانوں کے لیے پیش کرتا ہے۔ اسی کے مطابق دواقوام واضح ہوتی ہیں ایک دوسری غیر مسلم۔ ایک مومن اور دوسری کافر یہی وہ فلسفہ فکر نظر تھا کہ حضرت نوحؑ اپنے سے الگ ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے علیحدہ ہو گئے۔ کیونکہ دونوں کی حقیقی کیفیت

میں نظریہ حیات مبنی بروحی سے ہم رنگ اور ہم آہنگ نہ تھا قرآن کے حوالے سے حضرت ابراہیمؑ کو کہنا پڑا۔ (یعنی تم میں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کے لیے کھلی عداوت اور نفرت رہے گی۔) چنانچہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اسلامی ریاست وحکومت میں شامل نہ گیا۔ حضور پاک ﷺ کی مجلس شوریٰ میں کبھی کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ علیم اجمعین کی مجلس شوریٰ اور پارلیمان میں کوئی غیر مسلم کا داخل نہ تھا۔ بلکہ کافر یا غیر مسلم، ملت اسلامیہ کا فرد ہی نہیں تھا لہٰذا اسلام اور قرآن کے نزول کے ساتھ ہی بنی انسان دو مختلف نظریات اور حتمی طبقات میں تقسیم ہو گئے۔ ایک نظریہ ایمان نہ لانے والوں کا۔ چنانچہ اولاد آدم دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی شرار بولہبی ایک جانب اور چراغ مصطفی ﷺ دوسری جانب، اس نظریے نے خون اور حسب ونسب کی نفی نھی کردی۔۔برادری، قبیلے اور ذات پات کو ملیا میٹ کرکے رکھ دیا۔ اس کی بہترین مثال جنگ بدر اور جنگ اُحد ہے جس میں نبی الزماں حضور اکرم ﷺ دوسرے صحابہ کرام کے قریبی رشتہ دار دشمن کے صف میں براجماں تھے، چنانچہ قرآن نے کافروں اور منافقین کے ضمن میں ملت اسلامیہ کو بڑی سختی سے متبنہ کیا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے نظریہ پاکستان کا آغاز، تشکیل، اور تراویج برصغیر میں اس وقت ہوئی جب مسلمانوں کو انتشار وافتراق اور زوال وانحطاط کا سامنا کرنا پڑا اور ہندوں کی اصل فطرت کے شاہکاروں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مظالم کا گھناونی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بالخصوص 1857ء کی جنگ

آزادی کے بعد کی بڑی دلدوز داستان ہے، جسے غربی اور شرقی مفکرین و مصنفین نے خوب بیان کیا ہے یہ اپنے طور پر ایک طویل داستان ہے۔ مولانا ابولکلام آزاد کی کتاب india wins freedom ولیم ہنٹر کی کتاب indian mussalmans عبدالوحید خان کی کتاب تقسیم "ہند" اور ان کی دوسری کتاب " مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ" کالنز اور لاپیئر کی کتاب 'freedom at midnight' اور پروفیسر منور مرزا کی کتاب Dimension of Movement اور دیوار " برہمن" کا مطالعہ کرلیں۔ ان شنکروں ، دیالوں ، بگوپالوں ، مہاجروں، ساہنیوں ، دھوتی پرشادوں ، چٹیا گھنٹانوں، ایڈانیوں ، ملکانیوں، مشراوں، بال ٹھاکروں، من موہنوں اور بڑے بڑے مہاپرشوں نے اسلام ، پاکستان ، نظریہ پاکستان دو قومی نظریہ اور مسلمان دشمنی میں کسر اٹھا رکھی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ ہمارے سابق مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے غدار سیاستدانوں نے ہماری تاریخ اسلام کو مسخ کرکے دیا۔ جو ایمانی اور ایقانی روح سے محروم تھے۔ جو قرآنی جرات و استقامت سے سرمایہ دارانہ تھے۔ ہمارے جسم کا ایک بازو کٹ گیا چنانچہ اندرا گاندھی نے زور خطابت کے نشے میں یہ کہا " آج ہم نے دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے، ہم نے ایک ہزار سال کا بدلہ لے لیا ہے۔ لیکن ہم نے اندرا گاندھی اور ان کے مخلص چیلوں چانٹوں اور حواریوں اور ان کے حاشیہ برداروں کو اسی وقت باور کرا رہے ہیں اور کراتے رہیں گے کہ جب تک ایک مسلمان بچہ بھی برصغیر پاک و ہند میں زندہ ہے اسلام اور کفر کی جنگ

جاری رہے گی، اسلام کا جھنڈا موجود رہے گا، اس جذبہ محرکہ کو جس تصور ، خیال ، اصول ، جابطے یا نقطہ نظر نے تخلیق کیا اسے نظریہ پاکستان کا نام دیا گیا۔ جسے انگریزی کہتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت قائد اعظم 1944ء میں Iddeology of pakistan میں مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا "آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی۔ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی ۔ اس کی وجہ نہ ہندوں کی تنگ نظری ہے۔ نہ انگریزوں کی چال ، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔ اور یہی دراصل مطالبہ نظریہ پاکستان کی ترجمانی کرتا ہے۔ مس للہ یہ ہے کہ تکلیف صرف اسلام سے ہے کیونکہ کسی غیر مسلم کے اسلام قبول کر لینے کے بعد جس طرح اس کے زمین و آسمان بدل جاتیہیں وہ عجیب کیفیت ہے، اس کے خیالات و تصورات اس کے جذبات واحساسات اور انسانیت کے جملہ تمام اطوار یکدم وحدہ لاشریک کی ذات اقدس سے جڑ جاتے ہیں اور پھر اس کا رخ ممبیٔ کلکتہ اجودھیا دہلی اور بجنور سے مکہ اور مدینہ کی طرف ہو جاتا ہے اس ۴ روحانی اور دینی تبدیلی کی مسٹر گاندھی کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔ ان سے پہلے ہو گزرے مہاپرشوں کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی، ان مہا گروؤں کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی ، اور نہ ہی آسکتی تھی اور اب یہ کیفیت کافرما ہے مسٹر گاندھی عجیب مکاریت وفریب کاری کے انداز گفتگو میں کہا کرتے تھے کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ایک سیدھا سادھا سا ہندوجب مسلمان ہو جاتا ہے تو دنگی ،

فسادی اور لڑاکا ہو جاتا ہے۔ دنگئی تو وہ ہو جائے گا جب اسے اپنے نظریے کی پاسبانی کرنا پڑے گی۔ دنگئی تو وہ ہو جائے گا، جب ناموس رسالت ﷺ پر خدانخواستہ حرف آئے گا۔ دنگئی تو لازمی ہو گا کہ جب وہ وحدہ لاشریک کی شان میں کوئی غیر قوم کا فرد گستاخی کا مرتکب ہوگا۔ قرآن پاک پر رکیک حملوں کا جواب تو پھر وہ پنی جان پر کھیل کر دے گا اور شہادت کے مقام اولیٰ کو مسکراتے ہوئے حاصل کرنا قاپنا دینی اور اسلامی فریضہ سمجھے گا۔ یہی وہ جذبہ اسلام ہے، یہی وہ قرآنی برکت ہے یہی وہ دو قومی نظریے کی بنیاد ہے۔ یہی دو قومی نظریہ اپنی روحانی معنویت اور اسلامی قومی نظریات و تصور کی شکل میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے نظریۂ پاکستان کی شکل میں نمودار ہوا۔ پاکستان کی تخلیق میں لاکھوں اسلامیان ہند نے شہادتوں کا خون عطا کیا لاکھوں مسلمان عورتوں اور بچوں نے قربانیاں دیں، پاکستان کو انگریزوں اور ہندوں نے آسانی سے قبول نہیں کیا تھا۔ پاکستان انگریز نے طشتری میں رکھ کر پیش نہیں کیا تھا۔ تقسیم ہند نہ انگریزی بادشاہت کو پسند نہ تھی، نہ برطانوی پارلیمنٹ، نہ برطانوی حکومت ہند، نہ وائسرائے صاحبان، نہ انڈین نیشنل کانگریس، نہ مسٹر گاندھی، نہرو پٹیل اور راجگوپال اچاریہ وغیرہ، لارڈ مونٹ بیٹن جو آخری وائسرائے ہند تھا۔ اسے تقسیم ہند سے ویسے ہی چڑ تھی۔ جمیعت العلمائے ہند کی اکثریت مخالف چند اور اسلام پسند گروہ بھی قائداعظمؒ پر رکیک حملوں سے باز نہ آرہے تھے۔ اکثر مسلمان اکابرین جو کانگریس کے

متاثرین میں سے تھے یہ تقسیم پسند نہیں فرمارہے تھے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی خاص طور پر شامل تھے۔ یہ حضرت قائد اعظمؒ کی سیاسی صداقت اور ولولہ انگیز قیادت اور مومنانہ شان و شوکت کا اعجاز تھا کہ بڑے بڑے برج گرتے چلے گئے بڑے بڑے طوفان اپنی اپنی راہ لیتے رہے بڑے بڑے پہاڑ چکنا چور ہو جاتے رہے۔ اور وہ سرحدیں قیام پزیر ہوئیں جنھوں نے معرکہ بدر و حنین کی یاد دتازہ کردی ۔ یہ سرحدیں کچے دھاگے کی سرحدیں نہیں یہ اینٹوں گارے، سیمنٹ اور ماربل کی بنائی ہوئی دیوار نہیں '' لاالہٰ الااللہ محمد الرسول اللہ'' کے اسلامی اور قرآنی نظریے اور ایمان پر قائم کردہ دیواریں ہیں ۔ جو قیامت تک قائم رہیں گی، حضرت قائد اعظمؒ نے اسی لیے قیام پاکستان کے بعد 30 اکتوبر 1947ء کو فرمایا تھا ہم نے پاکستان حاصل کر لیا کسی خونی جنگ کے بغیر امن کے ساتھ اخلاقی اور ذہنی قوت کے بل بوتے، پر یوں ہم نے ثابت کر دکھایا کہ ہم سچے اور ہمارہ مقصد بھی سچا تھا، پاکستان اب ایک قطعی اور اٹل حقیقت ہے اسے کبھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں سبق مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا ذکر بے جانہ ہوگا، جب اندرا گاندھی (وزیر اعظم بھارت) نے یہ بیان بڑے فخر و تکبر اور فتح کے نشے میں دیا کہ آج ہم نے قومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا اور آج ہم نے ہزار سال کا بدلہ لے لیا۔ اب توجہ توجہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ کدس نے کس سے یہ بدلہ لیا اور خلیج میں ڈبو دیا، سگر ہم یہ کہیں کہ اندرا گاندھ نے کتنی غیر منظقانہ معصومیت مین

بیان داغا تھا اس قابل رحم خاتون کو معلوم ہی نہیں کہ دو قومی نظریہ اور نظریۂ پاکستان کے اصل مفاہیم و مطالب اور ابدی توجیہات و تفاسیر کیا ہیں اسلام اور قرآن کی روشنی میں اگر ایک مسلمان بچہ بھی برصغیر میں زندہ ہے تو دو قومی نظریہ اپنی کامل جولانیوں کے ساتھ موجود ہے، نظریۂ پاکستان مکمل طور پر قائم ہے۔ اسلام کا جھنڈا موجود ہے۔ اگر نظریۂ پاکستان اپنی اصلی اور ازلی حقائق کے نقطہ نظر سے مقصود ہو گیا ہوتا تو بنگلہ دیش جسے آج ہم سابق مشرقی پاکستان کہتے ہیں ہندوستان کا کوئی باجگر حصہ بن چکا ہوتا لیکن ایسا ایسا نہیں ہوا وہ پاکستانی حضرات جنہیں پاکستان نے اعلیٰ ترین مقام سیاست و، قیاست پر متمکن کر رکھا اب جلوہ افوز ہیں، ژولیدہ، نظریاتی علم سے عاری، تحرک پاکستان کے دلدوز لمحات و واقعات سے ناواقف، حضرت قائدا عظمؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ سے بغض، کینہ اور نفرت رکھنے والے ایسے قابل تعظیم افراد پاکستان کی کیا خدمت کر رہے ہونگے اور جنہیں بالخصوص قیامت کے روز حضرت قائدا عظمؒ کے حضور کیا جوابدہی دینا ہو گی۔ جو نظریہ پاکستان اور تخلیق پاکستان کے بارے میں مشکوک الایمان اور متزلزل عقائد کے علمبر دار ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑی اور کوئی بد قسمتی نہیں ہے۔ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ پاکستان مشیت ازادی ہے، اور حضرت قائدا عظمؒ اور علامہ اقبالؒ سات سات ولیوں کی قوت ایمانی والی شخصیات تھیں۔ اگر پاکستانی دانشور ان کرام، اساتذہ کرام طلبہ و طالبات کبھی ٹھنڈے دل سے غور

فرمائیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں اہم کردار ادا کرنے والوں کا کیا حشر ہوا وہ پاک و ہند کی سیاسی اور قومی تاریخ کے ابواب میں قیامت تک کھڑے عبرت نشان عبرت بن کر رہ گئے۔ اندرا گاندھی کا یہ حشر ہوا کہ اسے اپنے باڈی گارڈ نے گولیوں سے اڑا دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو اپنی ہم قوم فوج کے افسران نے گولیوں سے اڑا دیا۔

واجد شمس الحسن کی قادیانی نوازی اور 7 ستمبر 1974 ختم نبوت کا قانون

حیرت ہوئی کہ پاکستان کے برطانیہ میں سابق ہائی کمشنر واجد شمس الحسن نے کس طرح قادیانیت نوازی کی حد کر دی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ بھٹو دور میں جو قانون ختم نبوت کے حوالے سے منظور ہوا تھا وہ غلط تھا۔ حالیہ دنوں میں واجد شمس کیے بیان کے حوالے سے پنجاب اسمبلی میں بھی ایک قرارداد منظور کی گئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ واجد شمس الحسن کے خلاف کریمنل ایف آئی آر درج کی جائے۔ راقم نے واجد شمس کو قانونی نوٹس بھی بھیجا ہے کہ وہ اپنے موقف کی وضاحت فرمائیں۔ ذیل میں اِس قانون کے مندرجات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

انسانی کے عقلی تقاضے جتنا سفر کر سکتے ہیں وہ کرتے رہے ہیں ایسا پیدائش آدمؑ سے جاری ہے۔ رب پاک نے اپنے وجود کا ادراک بخشنے کے لیے کائنات میں پیغمبرؑ اور رسولؑ بھیجے۔ یہ بات کسی طرح بھی جھٹلائی نہیں جا سکتی کہ رب پاک کے یکتا ہونے کے حوالے سے تمام انبیاء اکرام نے اپنے اپنے دور میں کوششیں جاری رکھیں۔ لیکن ختم نبوت کا تاج آقا کریم ﷺ کے سر پر سجایا گیا۔ ایسا کوئی حادثاتی طور نہیں ہوا تھا بلکہ نبی پاک ﷺ کو آدمیت کی تخلیق سے

پہلے ہی اِس رُتبے پر فائز کر دیا گیا تھا۔اسلام کی تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی شان اقدس میں جب بھی کبھی کوئی گستاخی کی ناپاک کوشش کی گئی تب تب نبی پاک ﷺ کے عاشق اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے کے لیے میدانِ عمل میں کودتے رہے۔جب بھی کبھی یہ پکارا گیا کہ نبی پاک ﷺ کی عزت مقام کی خاطر آو۔ تو پھر اسلامی تاریخ نے اویس کرنیؓ، بلال حبشیؓ، نورادین زنگیؒ، غازی علم دین شہیدؒ کو اپنا پنا کردار ادار کرتے دیکھا ہے سات ستمبر انیسو چوہتر کو قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا ایک اہم سنگ میل ہے اور اِس اثرات بھی نمایاں ہیں کیونکہ ختم نبوت ہمارا ایمان کا جزو لاینفک ہے ۔ اسلام دُشمن ہمیشہ مسلمانوں کے نبی پاک ﷺ کی شانِ مبارک پر حملہ کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی روح کو وہ زخمی کر سکیں اور اندازہ لگاتے ہیں کہ مسلمانوں میں کتنا دم خم ہے۔ کبھی خاکے چھاپے جاتے ہیں کبھی آزادی رائے کے نام پر پیغبر اسلام ﷺ کی ناموس پر رکیک حملے کیے جاتے ہیں درحقیقت نبی پاک ﷺ نے چونکہ تمام بنی نوح انسان کو شرف انسانیت سے ہمکنار کیا اور بتوں کی پرستش کی بجائے صرف ایک اللہ پاک کے آگے جھکنے کا درس دیا۔اس لیے کفارو مشرکین نبی پاک ﷺ کی اس سعی کو اپنی دکان داری پر شدید حملہ تصور کرتے ہیں اسی لیے حیلے بہانوں سے نبی پاک ﷺ کی نبوت کے حوالے سے مختلف قسم کی شرپسندی کر تے ہیں مسلیمہ بن کذاب کی شرپسندی سے شروع ہونے والا فتنہ برصغیر پاک وہند میں مرزا قاریانی کے روپ میں انگریز کی سرپرستی میں اُبھرا۔ جنگ

یمامہ جواِسی حوالے سے لڑی گئی اُس میں بارہ سو صحابہ اکرامؓ شہید ہوئے۔ پوری اسلامی تاریخ اِس بات کی شاہد ہے کہ جب کبھی کسی بد بخت نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا امت نہ صرف یہ کہ اس کا مقابلہ کیا بلکہ جب تک اُس کا قلع قمع نہیں کر دیا چین اور سکون کا سانس نہیں لیا۔اسلامی تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں پیش کیا جاسکتا ہے کہ جب کسی نے نبوت کا دعوی کیا ہو اور اُمت نے اُسے خاموشی سے.برداشت کرلیا ہو۔ اسی عمل کا تسلسل ہے کہ جب متحدہ ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعوی کیا اور اپنے پیروکاروں کی ایک جماعت بنالی تو اسوہ نبوی اور صحابہ کرامؓ کے عمل کی پیروی کرتے ہوئے علمائے حق اس جھوٹی نبوت کے خاتمے کے لیے میدان عمل میں نکل آئے اور اس کا ہر سطح پر مقابلہ کیا اس وقت کی حکومت.برطانیہ کی چونکہ مکمل سرپرستی مرزا غلام احمد کو حاصل تھی اس لیے اس فتنے کا خاتمہ اس طرح تو نہیں کیا جاسکا جس طرح دور نبوی اور دور صحابہ میں ہوا مگر اس فتنے کے مقابلہ اور اور اسے ختم کرنے کے لیے کوئی سستی اور غفلت نہیں.برتی گئی بلکہ تحریری، مناظرہ، مباہلہ غرض یہ کہ ہر سطح پر اس کا مقابلہ کیا ان تمام فتنوں میں جو امت کی تاریخ میں رونما ہوئے فتنہ قادیانیت سر فہرست ہے۔ اس حولے سے پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کا انقلابی کردار تاریخ کے سنہری حروف میں جگمگا رہا ہے۔ مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا محمود اپنی تقریر میں کہتا ہے کہ ان کا یعنی مسلمانوں کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور ، ان کا خدا اور ہے اور

ہمارا خدا اور ان کا حج اور ہے اور ہمارا اور ہے ہمارا ان کے ساتھ ایک ایک چیز پر اختلاف ہے۔ اسلامیان برصغیر پاک وہند نے ختم نبوت کے حوالے سے بھرپور قربانیاں دیں اور بھرپور مزاحمت کی۔1953 میں تحریک ختم نبوت میں گولیاں چلیں لیکن رسالت کے پروانوں کے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔اس تحریک میں دس ہزار کے قریب مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا اور بلال حبشیؓ ، اویس قرنیؒ اور غازی علم دین شہید کے راستے کا انتخاب کیا۔ مجاہد ملت عبدالستار خان نیازیؒ کو اسی تحریک کی پاداش میں پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔برف کی سلوں پر لٹا کر اُن پر تشدد کیا گیا۔ نبی پاک ﷺ کے بعد کسی اور رسول یا پیغمبر کا سلسلہ ختم ہونے کا مطلب ، رب پاک کا پیغام مکمل ، شریعت مکمل ، رب پاک کا کلام قرآن مجید مکمل ، قیامت تک نبی پاک ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ہی حتمی قرار پائی ہے۔ شر پسند عناصر نے ہمیشہ شیطان کی ہمنوائی کا دم بھرتے ہوئے دین اسلام کو نشانے پر رکھا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تو نبوت کا سلسلہ بند نہ کیا ہوتا تو پھر آخری کتاب بھی نامکمل شریعت محمدی بھی نامکمل قرار پاتی ۔ خالق کائنات کو کیسے منظور تھا۔ جب رب پاک ایک ہے تو آخری کتاب ایک اور رب پاک کے رسول ﷺ سب رسولوں کے سردار بھی وہی ہیں جو صاحب قرآن ہیں اس لیے ختم نبوت کے حوالے سے قومی اسمبلی میں مولانا شاہ احمد نورانی صدیقیؒ کے دلائل کئی دنوں تک متواتر ہوئے جس کے نتیجے میں قومی اسمبلی نے یہ قانون پاس کر دیا کہ نبی پاک ﷺ کے بعد کسی بھی شخص کو نبی

مانناکفر ہے اور اسی نتیجے میں قادیانی لاہوری گروپ غیر مسلم قرار پائے۔
یہ پاکستان پیپلز پارٹی کا دور حکومت تھاذوالفقار علی بھٹواُس وقت وزیر اعظم تھے۔ آئین
میں جو ترمیم کی گئی وہ درج ذیل ہے۔

CONSTITUTION (SECOND AMENDMENT) ACT, 1974

An Act to amend the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan [Gazette of Pakistan, Extraordinary, Part I, 21st September, 1974]The following Act of Parliament received the assent of the President on 17th September,1974, and is hereby published for general information:-Whereas it is expedient further to amend the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan for the purposes hereinafter appearing ;It is hereby enacted as follows:-

1- Short title and commencement.

(1) This Act may be called the CONSTITUTION (SECOND AMENDMENT) ACT, 1974

(2) It shall come into force at once.

2- Amendment of Article 106 of the Constitution.

In the Constitution of Islamic Republic of Pakistan, hereinafter referred to as the Constitution in Article 106, in clause (3) after the

words "communities" the words and brackets "and persons of Quadiani group or the Lahori group (who call themselves 'Ahmadis')" shall be inserted.

3- Amendment of Article 260 of the Constitution.

In the Constitution, in Article 260, after clause (2) the following new clause shall be added, namely--

(3) A person who does not believe in the absolute and unqualified finality of The Prophethood of MUHAMMAD (Peace be upon him), the last of the Prophets or claims to be a Prophet, in any sense of the word or of any description whatsoever, after MUHAMMAD (Peace be upon him), or recognizes such a claimant as a Prophet or religious reformer, is not a Muslim for the purposes of the Constitution or law."

اِس کا مطلب یہ نہیں کہ قومی اسمبلی کے قانون منظور کیے جانے سے پہلے جھوٹی نبوت کے دعوے داروں کو مُرتد نہیں کہا جاتا تھا ایسی بات نہیں یہ تو فیصلہ چودہ سو سال پہلے ہی نبی پاک ﷺ کے دور میں کر دیا گیا کہ نبی پاک ﷺ ہی آخری نبی ہیں اُن کے کے بعد کوئی نبی نہیں ۔ اللہ پاک نے تو کائنات کی تخلیق کے ساتھ ہی جب نورِ محمد ﷺ تخلیق کیا گیا تو اُسی وقت فیصلہ فرما دیا تھا کہ

میرا محبوب نبی ﷺ ہی آخری نبی ہیں۔اِسی حوالے سے نبی پاک ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی آب وگل میں تھے۔نبی پاک کے ذریعے سے اپنا دین مکمل کرنے کے بعد پھر کسی اور رسول یا نبی کی آمد کا مطلب یہ کہ دین مکمل نہیں۔اِس لیے جتنا اہم کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا اقرار کرنا ہے اُتنا ہی لازم نبی پاک ﷺ کو قطعی طور پر آخری نبی ماننا ہے۔اِس عقیدے کے حوالے سے چونکہ چنانچے کا مطلب ایمان کا خاتمہ ہونا اور مرتد ہونا ہے۔آقا کریم ﷺ کے بعد کسی بھی بدبخت کا نبوت کا دعوی کرنا ایسے ہی جیسے ایک رب کے ہوتے ہوئے کسی اور کو رب مان لیا جائے یا صاحب قران حضرت محمد ﷺ کی بجائے کسی اور کو صاحب قران کے درجے پر معاذاللہ مان لیا جائے۔ایسا کرنے والا ایسی سوچ رکھنے والا ایسی سوچ رکھنے والوں کے لیے نرم گوشہ رکھنے والا مسلمان نہیں ہوسکتا موجودہ پاکستانی قانون کے تحت قادیانی مرزائی ولاہوری گروپ کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اِس طرح سے اِن شرپسندوں کو کھل کر اپنے عقائد کی تبلیغ کا موقعہ مل گیا ہے اور ٹی وی چینلز کے ذریعے مسلمانوں میں بدگمانیاں پیدا کرہے ہیں اور دنیا میں خود کو مظلوم بنا کر پیش کررہے ہیں کہ جناب دیکھیں پاکستانی کتنے ظالم ہیں ہمارے خلاف قانون بنا لیا ہے اور یہ نام نہاد پروپیگنڈا بھی کرتے ہیں کہ پاکستان میں قادیانیوں پر عرصہ حیات تنگ ہے اِس لیے جرمنی، کینیڈا وغیرہ نے دھڑادھڑ قادیانیوں کو شہریت دی ہے اور یوں اسلام مخالف قوتوں نے

پاکستانی ریاست اور عوام کے خلاف آزادی رائے کے حوالے سے مہم جوئی شروع کر رکھی ہے۔ اسلام کوزِک پہنچانے کے لیے نام نہاد لبرل فاشسٹ بھی کسی سے پیچھے نہیں اور وہ اِسی ملک میں رہتے ہوئے اِسی ملک کے خلاف بولتے ہیں اور فوج اور اسلام کو بدنام کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں سات ستمبر انیسو چوہتر ہماری تاریخ کا ایک تابناک دن تھا اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اس دن الگ الگ اجلاسوں میں آئین میں ترمیم کا ایک تاریخی بل اتفاق رائے سے منظور کرلیا جس کے تحت پاکستان میں قادیانیوں کے دونوں گروپوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ قادیانیت اپنی ظاہری اور پس پردہ سرگرمیوں کی وجہ سے ابھی تک ملت اسلامیہ کے لیے ایک فتنہ بنا ہوا ہے کیونکہ کوئی فتنہ صرف آئین میں ترامیم سے ختم نہیں ہوسکتا ۔آئین کے تمام قانونی وذیلی تقاضے پورے کیے بغیر قادیانیت مسلمانوں کے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی ہے کہ اُسے آئینی تحفظ اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق کے پردہ میں ملت اسلامیہ کے خلاف اپنی تمام حسرتیں نکالنے کا موقع مل سکتا ہے ۔

زندگی بے یقین موت پُر یقین

زندگی سفر اور موت

زندگی

پھول کی کونپلیں جب صبح سویرے شبنم کے قطروں سے وضو کرتی ہیں تو اپنے رب کی شان شان میں رطب للسان ہوتی ہیں۔ کوئل کی من بھاتی آواز ترنم سے فطرت کی تعریف و توصیف کرتی ہے۔ صبح صادق کے وقت ہل چلاتے بیل کے گلے کے گھنگروں کی آواز رب کی مدح کرتی ہے تو زندگی مسکرانے لگتی ہے اور رب کی اِس کائنات میں محبتوں اور خلوص کا کارواں رواں دواں رہتا ہے۔زندگی وفا کا دوسرا نام ہے ۔زندگی ہی رب کی پہچان کا سبب ہے۔ زندگی میں درپیش نشیب وفراز زندہ ہونے کی علامت ہیں۔ زندگی ماں کی گود، زندگی دادی اماں کی لوری زندگی باپ کا پیار زندگی بہن کی عقیدت زندگی کائنات کی سب سے محبوب ہستی رسالتِ ماب ﷺ کی وساطت کا سبب۔زندگی لہلہاتے کھیتوں میں اُگنے والے اناج کا پتہ دیتی ہے زندگی پہاڑوں ، ریگستانوں، میدانوں میں رقص کرتی ہوئی وہ سہانی خوشبو ہے جو خالقِ کائنات کی عظمتوں کا ادراک بخشتی ہے۔ زندگی فقیر کی درگاہ سے لے کر بادشاہوں کے محلوں کی غلام گردشوں میں گھومنے والی وہ صدا جو سب کی ایک جیسی ہے جس میں نہ ذات کا فرق نہ مذہب کا فرق اور نہ ہی رنگ ،امارت اور

غربت کا تضاد۔ کیونکہ زندگی تو رب کی شان کا ایسا اظہار ہے جس کی وجہ سے ربِ کائنات نے خود کو ظاہر کیا۔

☆☆☆ سفر

روح پہ لگے کاری زخم ایسا گداز عطا کرتے ہیں کہ وہ زخم زندگی کے معنی تبدیل کر دیتے ہیں۔ انسان کی جبلت میں خواہشات کا جو سمندر طوفان اُٹھائے ہوتا ہے اُس کے آگے بند باندھنے کے لیے وہی درد گدازیت کا سبب بنتا ہے جس درد نے انتہاء کی تکلیف میں مبتلا کر رکھ چھوڑا ہوتا ہے۔ جو لمحات درد کا سبب بنتے ہیں وہ ساعتیں زندگی کا حاصل قرار پاتی ہیں گویا گوہر نایاب کا وجود میں آنا بہت کچھ لُٹ جانے کے بعد ممکن ہو پاتا ہے لیکن فقیر کی صدا تو درحقیقت اللہ پاک کی حضوری کے لیے ہوتی ہے۔ اِس میں مادیت کا عنصر نہیں ہوتا۔ فقیر تو بھٹکتی ہوئی راہوں پہ چلتا ہوا اپنا مقصد پالیتا ہے کیونکہ اُس کے اندر فطرت رچی بسی ہوتی ہے۔ فقیر کو ریاضیتیں نہیں بلکہ عشق کی تمازت منزلیں طے کرواتی ہے۔ دکھ میں تکلیف اور خوشی میں طمانیت کا احساس رب کے وجود کے اظہار کی سیڑھی ہے۔ جہاں مثبت اور منفی کھوٹا اور کھرا ایک وجود میں ڈھل جاتا ہے اور قلب میں موجود حدت اُسے بے نیازی کے سفر پہ ڈال دیتی ہے۔ جہاں خیر اور شر کے فرق کی بات نہیں صرف اور صرف محبوب کی رضا ہی سب بڑا سنگ میل ہوتا ہے۔ جس طرح بہار کی نوید خوشیوں کا پیامبر ہوتی ہے اُسی طرح محبوب کی

جدائی بھی وصال کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ وصال کے لیے جدائی کے لحات روح کو آہوں کی سُولی پہ لٹکائے رکھتے ہیں جو کہ روح کے سفر کو عشق کی مے کے ساتھ ہر لحہ مدہوش رکھتے ہیں پھر وصال اور جدائی میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوتا ہے۔ پھر میں اور تو کی تمیز ہوا ہو جاتی ہے۔ جو من تن جاری جور و ستم کو باعث نعمت سمجھتا ہے اُس من کو ملنا نہ ملنا، جدائی ، حجاب کی کیفیات سرشاری سے محروم نہیں کرتیں۔ ☆☆☆

زندگی بے یقین موت پُر یقین

موت کی آمد کے حوالے سے انسانی مزاج اِس طرح کا بنا ہوا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ اُس کے دماغ میں یہ تاثر فروغ پاجاتا ہے کہ اُس کا باپ دادا تو اتنا عرصہ زندہ رہے۔ اِس لیے ابھی وہ زندہ رہے گا۔ اُس کی سوچ میں ایک زینہ یہ بھی ہوتا ہے کہ فلاں شخص اتنا بیمار ہے اتنے عرصے سے لیکن وہ ابھی زندہ ہے۔ گویا وہ تو صحت مند ہے اِس لیے ابھی کافی وقت پڑا ہوا ہے۔ اِس سوچ سے موت کا ڈر تو برقرار رہتا ہے لیکن موت کے ڈر کی بدولت انسان ہموار راستے کی بجائے غلط راستوں کا راہی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے رب کی اطاعت کو چھوڑ کر لالچ زدہ ہو جاتا ہے ایک رب کو منانے کی بجائے کئی رب تخلیق کر لیتا ہے کہیں رب اُسکا روپیہ پیسہ بن جاتا ہے اور کہیں رب اُس کی جھوٹی آن بان شان، کہیں اُس کی عظمت کوٹھی کار بنگلے میں اٹک جاتی ہے اور کبھی ہوس

زدہ بن کر مخلوق اور رب دونوں کا نافرمان بن جاتا ہے۔ یہ سوچ کہ ابھی میرے مرنے میں وقت ہے اُسے اپنے حقیقی خالق سے دور کر دیتی ہے۔ اُسے حقیقی خالق کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی۔ وہ تو نوٹ اکھٹے کر رہا ہوتا ہے۔ اولاد کی تربیت تو کجا اُس کی تو اپنی تربیت کسی بھی کھاتے میں نہیں ہوئی تھی۔ بوڑھے والدین تو اُس کی اور اُسکی بیوی کی آنکھ میں کانٹے بن کر چبھتے ہیں۔ بڑا گھر بیوی بچوں کے لیے الگ الگ کاریں۔ شاپنگ دبئ میں۔ خواب کی طرح گزر جانے والی زندگی آخر ایک روز اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ بیوی بچے باپ کی میت پر آنسو بہانے کے ساتھ مرئے ہوئے کی جائیداد بنک اکاونٹس کی چھینا چھپٹی شروع کر دیتے ہے۔ باپ کی میت قبرستان ابھی پہنچی نہیں ہوتی اولاد جائیداد کے حصے بخرئے کرنے کے لیے آپس میں دست و گریبان ہو چکی ہوتی ہے۔ بیٹوں کی بیویاں بھی اپنے میکے والوں کو بھی اپنی اِس کشمکش میں بطور کمک شامل کر لیتی ہیں۔ یوں جس گھر کی خاطر مرنے والے نے بہت سے گھروں کو ڈسٹرب کیا ہوتا ہے وہ گھر اُس کے مرنے کے ساتھ ہی اور دفن ہونے سے پہلے ماچس کی تلیوں کی مانند بکھر جاتا ہے۔ جس موت سے آنکھوں چُرائی ہوئی ہوتی ہیں وہ موت کے اٹل حقیقت بن کر لمحوں میں اپنے اثرات دیکھا دیتی ہے اور قبرستان کے مکینوں میں ایک نیا اضافہ ہو جاتا ہے۔ یوں زندگی بے یقین اور موت یقین کے پردئے میں چھپی ہوئی ہے۔ اگر ہم خالق اور اُس کے بندئے کے تعلق کا سرسری سا بھی جائزہ لیں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ بندئے کے جسم پہ موجود ایک ایک بال اُسکے

رب کی رحمتوں اور نعمتوں کا احسان ہے۔ انسان کی زندگی میں پیش آنے والے نشیب وفراز قدرت کی جانب سے اپنے بندے کی زندگی میں ایک ارتعاش کے حامل ہیں۔ رب کی جانب سے ملی ہوئی سانسیں رب کی اس کائنات میں وقت پورا کرکے عالمِ برزخ کے راستے پہ رواں کر دیتی ہیں۔ انسان کو جو ملا ہوتا ہے وہ رب کی ہی تو ہوتا ہے۔ رب اِس جہان میں گزاری ہوئی زندگی کو بے مقصدیت کا شکار نہیں ہونے دیتا۔ اِس جہاں کے ایک ایک لمحے کو رب اپنے انداز میں جانچتا ہے اور اپنی ہی بنائی ہوئی مخلوق کو جزا و سزا کے عمل سے گزارتا ہے تاکہ زندگی کی گزری ہوئی ساعتیں بے ثمر قرار نہ پائیں۔ کیونکہ ہر عمل کا ردِ عمل ہے رب نے یہ زندگی کا نظام یونہی کھیل تماشے کے لیے ترتیب نہیں دیے دیا۔ سچائی اور جھوٹ کی قوتیں اپنے اپنے ہونے کی دلالت کرتی ہیں۔ دکھ مصیبتیں جھوٹ کا پلڑا دنیاوی لحاظ سے بھاری سمجھا جاتا ہے کیونکہ دنیا میں وقت گزارنے والا انسان زندگی کے لیے اپنا معیار بنالیتا ہے۔ حالانکہ جو اِس زندگی جو خالق ہے اُس کے معیار کے مطابق زندگی بسر ہونی چاہیے۔

من کی دنیا کا احساس عبدیت

جب بندہ اہتمام کے ساتھ اپنے خالق ومالک کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے اور اپنے دُکھوں کا بوجھ خالق کے دربار میں عرض کی صورت میں رکھتا ہے تب خالق اپنے بندے کی عاجزی اور انکساری کو بہت پسند کرتا ہے اور بندے کے دکھوں کا مداوا کرتا ہے۔رب پاک اور بندے کا تعلق اسی طرح ہے جس طرح ایک بے حس وحرکت تصویر کو بنانا والا جیسے مرضی رنگ بھر دے اور اِن رنگوں کی بدولت وہ تصویر ایک خوبصورت نظر آنے لگے۔اب مصور اور تصویر کا جو تعلق ہوتا ہے وہ خالق اور مخلوق والا ہے۔انسان کی پیدائش سے موت تک کے تمام تر حالات وواقعات اِس بات کے شاہد ہیں کہ انسان کی حثیت کیا ہے۔محبت کے ساتھ نفرت بھی انسان کی جبلت میں ہے۔چاہے جانے کا جذبہ انسان سے نیکیاں بھی کرواتا ہے اور انسان کو بدی کی طرف بھی لے جاتا ہے۔بندے کی ساری تگ و دو ایک ایسے ٹائم فریم کے اندر ہے جس کے متعلق کچھ بھی حتمی نہیں۔اگر ایک جہاز لاہور سے پرواز کرتا ہے اُسے ساوتھ افریقہ جانا ہے۔اب راستے میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔کوئی بھی انہونی ہو سکتی ہے۔یہ ہی انہونی یا Probility کا جو فیکٹر ہے یہ ہی خالق کے وجود کی گواہی دیتا ہے اور خالق کے ہونے کی دلالت کرتا ہے۔سفر منزل کی جانب جب شروع ہو اور سفر کرنے والے کو منزل تک پہنچنے کی بے یقینی ہو تو در حقیقت

یہ بے یقینی رب پاک پر حق الیقین ہے خالق کے معبود ہونے کی پہچان ہر اُس عمل سے ہوتی ہے جو بندے کے ارادوں کے مخالف ہو۔ ذرا تصور فرمایئے اگر انسان دوسرے سے عاجزی اور انکساری سے ملتا ہے اور اُس کے سامنے اپنا دکھ بیان کرتا ہے تو جس کے سامنے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے وہ بھی اپنے دل میں نرمی پیدا کرلیتا ہے۔ یہ حال تو ایک دنیا دار شخص ہے لیکن خالق کے سامنے جب عجز و انکساری ہو اور خالق اپنے بندئے سے بے پناہ محبت کرتا ہے وہ اپنے بندئے کو خالی نہیں لوٹاتا۔ عبد کا اختیار اُسکی عبدیت پر منحصر ہے جیسے جیسے وہ اپنے رب کے رستے پر چلتا ہے ویسے ویسے وہ ایک مقبول عبد کی حثیت حاصل کرلیتا ہے۔ ہو۔ انبیاء اکرام تو گناہوں سے پاک ہیں وہ بشری لبادے میں رب پاک کے خاص عبد ہیں۔ اُن پر اُس طرح کے قوانین فطرت کا اطلاق نہیں جس طرح ہم پر ہے۔ خالصتاً اپنے خالق کی رضا کو اپنا لینا بندے کو رب کا دوست بنا دیتا ہے۔ خالق اُس بندے پر اپنی خاص رحمتوں کا نزول کرتا ہے۔ حتی کے خالق اپنے بندے کے ناز بھی اُٹھاتا ہے۔ بندۂ مومن کی آنکھ خالق کی آنکھ قرار پاتی ہے۔ بندہ مومن کی خواہش کی تکمیل خالق فرما دیتا ہے۔ انسانی رویے کے حوالے سے اگر ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو یہاں معاشیات کا ایک مفروضہ جسے لائف سائیکل ہائی پوتھیسز کا نام دیا گیا ہے جس کے مطابق بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور اُس کی حالت اِیسی نہیں ہوتی کہ وہ کچھ کماء سکے لیکن اُس کی ذات پر اخراجات کافی آتے ہیں۔ اُس کی خوراک اُس کے لیے میڈیکل کی سہولیات، کپڑے

وغیرہ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُسے نگہداشت کے لیے کُل وقتی ایک عدد سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اُس کے لیے ہو رہا ہوتا ہے اب آیئے اِس نقطے پہ غور کرتے ہیں کہ ایک انسان کے بچے کی نگہداشت کا معاملہ خالق نے ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ خالق تو جانوروں پرندوں سب کی پرورش پر قادر ہے اور وہ ایسا کرتا ہے۔اِسی لائف سائیکل مفروضے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو اُس وقت وہ اِس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ کمائی کرے اور اُس کی اپنی ذات پر اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا وہ کما رہا ہوتا ہے۔ اب اگر ہم خالق کے نظام کو دیکھیں کہ کس طرح ہر ذی روح کو اُس نے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔ اور کائنات کا نظام جاری و ساری ہے بلکل اِسی طرح جیسے اگر کمپیوٹر کا کوئی بھی سافٹ ویرہ استعمال کرنا ہو۔ تو کمپیوٹر میں اُس سافٹ ویئر کے ڈرائیورز اپ لوڈ کرنا پڑتے ہیں۔اِسی طرح رب نے انسانوں کواِس طرح ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جزولاینفک گردانے جاتے ہیں۔ متذکرہ بالا معاشی مفروضے کی آخری سٹیج میں اِس بات کا ذکر ملتا ہے کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو پھر سے اُس کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں ادویات خوراک وغیرہ لیکن بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے اندر کام کرنے کی سکت کم ہو جاتی ہے جس سے اُس کی معاشی استعدادِکار کمزور ہو جاتی ہے۔ تینوں درجات کا تذکرہ اِس بات کی دلالت کرتا ہے کہ خالق کا اپنے عبد کے لیے ہمیشہ رویہ عطا ہی عطا ہے۔

خالق کی عطا کے شُکر کی حقیقت

خالق اور بندۓ کا تعلق اِس طرح کا ہے کہ خالق سراپا عطا ہے۔خالق کی اپنی مخلوق کے ساتھ محبت کا ادراک انسانی عقل و دانش کے لیے ممکن نہیں ہے۔ انسان کے اِس دنیا میں قدم رکھنے سے لے کر رخصت ہونے تک ۔ہر ہر لمحہ ہر ہر گھڑی خالق کی جانب سے احسان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مخلوق کو جب جب کوئی کامیابی ملتی ہے تو وہ اُسے کبھی تو اپنی محنت کا شاخسانہ سمجھتی ہے اور کبھی اِس کامیابی کو اپنے چالاک ہونے یا ہوشیار ہونے کا صلہ سمجھتی ہے۔حالانکہ خالق کے ہاں تو اپنی مخلوق کے لیے عطا ہی عطا کے دراز سلسلے ہیں جو ختم نہیں ہوتے۔آدمیت کی تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ جن اقوام نے خالق کو حقیقی معنوں میں خالق تسلیم کیا تو خالق نے اُن پر نعمتوں کی بارش کردی۔ حضرت امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت میں فصیل کے ساتھ شکر کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت امام غزالی کے ہاں۔دین کے تین مدارج ہیں علم، حال اور عمل۔ لیکن ان تینوں کی اصل علم ہے۔اور اِس سے حال اور حال سے عمل پیدا ہوتا ہے ۔ پس شکر کا علم یہ ہے کہ بندہ جانے اور پہچانے کہ جو نعمت اِس کو ملی ہے خالق کی جانب سے ملی ہے ۔حال نام ہے دل کی اس خوشی کا جو نعمت پا کر حاصل ہو اور عمل یہ ہے کہ اس نعمت کو اس کام میں صرف کرۓ جس میں اِس کے خالق کی مرضی ہو۔ ویسے بھی یہ عمل

زبان اور جسم سے تعلق رکھتا ہے۔ پس جب تک یہ تمام احوال ظاہر نہیں ہوں گے شکر کی حقیقت معلوم نہیں ہوگی اور علم یہ ہے کہ تم اس بات کو پہچانو کہ جو نعمت تم کو ملی ہے وہ خداوند تعالی کی عطا کردہ ہے کسی غیر کا اِس میں دخل نہیں ہے جب تک تمھاری نظر وسیلہ اور اسباب پر پڑتی رہے گی اور تم اس کو دیکھتے رہوگے تو یہ معرفت اور ایسا شکر ناقص ہے کیونکہ اگر کوئی بادشاہ تم کو تحفہ عطا فرمائے اور تم یہ سمجھو کہ مجھے یہ تحفہ وزیر کی مہربانی سے ملا ہے تو اس طرح بادشاہ کا شکر تم نے پورا ادا نہیں کیا بلکہ تم نے اس کا کچھ وزیر کو بھی دے دیا اور اس طرح تم پورے طور پر بادشاہ سے شادمان نہیں ہوئے اور اگر تم یہ سمجھو کہ تحفہ بادشاہ کے حکم سے ملا ہے اور حکم قلم اور کاغذ کے وسیلے سے ہوا ہے تو اس طرح سمجھنے سے اس شکر کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ تم جانتے ہو کہ قلم اور کاغذ ایک دوسرے کے مسخر ہیں اور بذات خود کچھ نہیں کر سکتے بلکہ یہاں تک کہ اگر تم یہ بھی سمجھ لو (کہ حکم جاری ہونے کے بعد) تحفہ خزانچی نے دیا ہے تو اس میں بھی قباحت نہیں کرسکتا کیونکہ تحفہ عطا کرنے میں خزینہ دار کا کچھ اختیار نہیں تھا، وہ غیر کا محکوم ہے اس کو جب حکم دیا جائے گا وہ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، اگر مالک کا اس کو حکم نہ ہو تو وہ کبھی تحفہ نہیں دے گا اس کا حال بھی بالکل قلم کی طرح ہے۔ اسی طرح اگر تم تمام روئے زمین کی نعمت (غلہ پھل اور دوسری غذاؤں) کا سبب بارش کو اور بارش کا سبب ابر کو سمجھو کشتی کا ساحل پر رک

جانا بادِ مراد کا نتیجہ سمجھے گا تو اس طرح بھی پورا شکر (منعم کا) ادا نہیں ہوگا۔ ہاں جب تم غور کروگے کہ ابر اور باران، ہوا اور سورج، چاند اور ستارے وغیرہ سب کے سب خداوند تعالی کے دست قدرت میں اس طرح مسخر ہیں جس طرح قلم کاتب کے ہاتھ میں ہے کہ قلم کا کچھ حکم نہیں ہے کاتب جس طرح چاہیے اس سے لکھوائے تو اس طرح سوچنا شکر کے نقصان کا موجب نہیں ہو سکتا اگر ایک نعمت کسی شخص کے واسطے سے تم کو ملی ہے او، تم کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اس دینے والے شخص نے تجھ کو جو کچھ دیا وہ اس وجہ سے دیا کہ حق تعالی نے اس پر ایک موکل کو نازل کیا تاکہ اس کو دینے پر مجبور کرے اگر وہ شخص اسکے خلاف کرنا چاہتا تو خلاف کرنا ممکن نہ ہوتا اگر ممکن ہوتا تو وہ ایک چھدام بھی تم کو نہ دیتا۔ یہ ہم نے جس موکل کا ذکر کیا اس سے مراد وہ خواہش ہے جو اللہ تعالی نے اس دینے والے کے دل میں پیدا کی (کہ وہ تم کو کچھ دے) اور اس کو یہ بات سمجھائی کہ دونوں جہان کی خوبی اس میں ہے کہ یہ نعمت تو دوسرے شخص نے دی۔ بس اس دینے والے نے تم کو جو کچھ دیا وہ یہ سمجھ کر دیا کہ دین کی بھلائی اس میں ہے۔ حضرت امام غزالیؒ مزید بیان فرماتے ہیں۔ اسطرح اس نے جو کچھ تم کو دیا وہ حقیقت میں اپنی ذات کو دیا کیونکہ اس دینے کو اس نے اپنی ذات کا وسیلہ بنایا۔ حق تعالی نے تم کو مال ونعمت عطافرمائی کیونکہ اس پر ایک ایسا موکل بھیج دیا۔ پس جب تم کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی کہ تمام بنی آدم مالک حقیقی کے خزانچی کی طرح ہیں اور خزانچی درمیان میں اسباب اور

واسطوں کے اعتبار سے قلم کی مانند ہیں، ان میں سے کسی کا بھی کسی چیز پر اختیار نہیں بلکہ ہر اس صورت میں تم خدا ہی شکر ادا کروگے بلکہ اس حقیقت کا جان لینا بھی شکر گذاری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ یا الٰہی، آدم علیہ السلام) کو تونے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور ان کو طرح طرح کی نعمتیں) عطا فرمائیں تو انہوں نے تیرا شکر کس طرح ادا کیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کی آدم نے یہ سمجھا کہ وہ تمام نعمیتں صرف میری طرف سے ہیں اور اس طرح سمجھنا عین شکر ہے ۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ایمان کی معرفت کے بہت سے ابواب ہیں ان میں سے اول تقد لیس ہے یعنی تم اس بات کو سمجھو کہ خداوند عالم تمام مخلوقات کی صفت سے اور ہر اس بات سے جو اس سلسلہ میں وہم وخیال میں آئے پاک ہے۔ سبحان اللہ کے یہی معنی ہیں ۔ دوسری توحید یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ دونوں جہان میں جو کچھ ہے وہ اس کا مال ہے اسی کی نعمت ہے الحمداللہ کے یہی معنی ہیں۔ یہ معرفت پہلی بیان کردہ دونوں باتوں سے زیادہ اہم ہے کیونکہ وہ دونوں اسی کے تحت میں ہیں ۔ اس بنا پر سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سبحان اللہ میں اس کی حسنات ہیں اور لا الہ الا اللہ میں بیس اور الحمد اللہ میں تیس نیکیاں ہیں ۔ یہ حسنات وہ کلمات نہیں ہیں جو زبان سے کہے جائیںؒ بلکہ ان سے مراد وہ معرفتیں ہیں جو ان کلمات میں موجود ہیں اور ان سے نکلتی ہیں امام غزالی نے آگے جاکر مزید اِس بات پر بحث کی ہے کہ شکر کے علم کے معنی یہی ہیں۔ لیکن شکر کا حال وہ فرحت اور آسودگی ہے

جو دل میں پیدا ہو۔ اس معرفت اور آگاہی سے جب کوئی شخص کسی غیر سے نعمت حاصل کرے تو اس کے تصور سے خوش ہو اس خوشی اور مسرت کے اسباب تین ہیں ایک یہ کہ اس وجہ سے خوش ہو کہ اس کو اس نعمت کی حاجت اور ضرورت تھی اور وہ اسکو ملی گئی تو اس کی شادمانی کو شکر نہیں کہا جائے گا۔ اس کو اس مثال سے سمجھو کہ کسی بادشاہ سے سفر کا ارادہ کیا اس نے اپنے ایک غلام کو ایک گھوڑا دیا۔ اب اگر گھوڑا پا کر اس لئے خوش ہے کہ اس کو اس کی حاجت تھی تو اس طرح بادشاہ کا شکر کس طرح ادا ہوا کیونکہ یہ فرحت وشادمانی تو اس کو اس وقت بھی حاصل ہوتی اگر اس گھوڑے کو جنگل میں پاتا، دوسرا سبب یا وجہ یہ ہے کہ وہ بادشاہ کی اس عنائیت کو جو اس کے باب میں ہوئی ہے پہچان کر خوش ہو کہ بادشاہ اس کے حال پر کسی قدر مہربان ہے اور دوسری نعمتوں کی امید بھی دل میں پیدا ہوئی، اگر وہ گھوڑا کسی صحرا یا جنگل میں پاتا تو اسے ایسی خوشی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ یہ مسرت اس کے دل میں منعم کے انعام سے پیدا ہوئی ہے لیکن منعم نہیں۔ یہ بات اگرچہ شکر میں داخل ہے لیکن نقصان سے خالی نہیں ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کے حضور میں جا رہا ہے تاکہ اس کا دیدار کرے اور سلطان کی ملاقات کے سوا اس کا کچھ اور مطلب نہیں ہے تو چونکہ یہ خوشی بادشاہ کے باعث پیدا ہوئی اس لئے یہاں شکر پورا ہوا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالی نے کسی کو نعمت عطا کی اور وہ اس نعمت سے خوش ہو نعمت دینے والے سے نہیں تو اس کو شکر نہیں کہا جائے گا اور اگر منعم کے

سبب سے خوش ہوا کہ اس کو یہ نعمت اس کے دین کی خاطر جمعی کا باعث بنی تاکہ علم و عبادت میں مشغول ہو کر بارگاہ الٰہی کا تقرب حاصل کرے تو اس شکر کا کمال ہے اور اس کمال شکر کی علامت یہ ہے کہ دنیاوی علائق سے اس کو جو چیز حاصل ہو وہ اس سے ملول ہو اور اس کو نعمت نہ سمجھے بلکہ اس کے زوال کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے اور اس کا شکرادا کرے ۔ایسی چیز جو اُسے دین کے راستے کو طے کرنے میں اس کی مددگار نہ ہو اس سے خوش نہ ہو۔ شیخ شبلی قدس سرہ نے کہا ہے کہ کمال شکر یہ ہے کہ نعمت نہ دیکھے بلکہ نعمت عطا کرنے والے کو دیکھے ۔ موجودہ ادوار میں انسان کی زندگی کو ایک ایسی ہوس نے آن گھیرا ہے جس کا سلسلہ ختم ہونے کو ہی نہیں آرہا۔ اِسی ہوس نے وحشت کی شکل اختیار کرلی ہے کہ انسان سے سکون چھن گیا ہے۔ ظلم و ستم روا رکھ کر کمائی جانے والی دولت کو بندہ اپنا حق سمجھتا ہے۔ ایسا ہونے کے لیے انسان کو روحانیت کا گلا کاٹنا پڑ رہا ہے جس کی وجہ سے جتنی عیش و عشرت اُسے میسر ہوتی ہے اُتنی ہی بے چینی اُسکا مقدر بن جاتی ہے۔

بلاول بھٹو زرداری اور بھٹو سیاست

بلاول کو سیاست میں زبردستی گھسانے کے بعد جس طرح سے بھٹو سیاست کے مختلو پہلوؤں کو کاری ضرب لگی ہے اُس کا اندازہ پیپلز پارٹی کی مقبولیت سے لگایا جاسکتا ہے۔ انسانی جبلت کے تقاضے پاکستانی سیاست میں اُسی طرح نفوذپزیر ہیں جس طرح دیگر معاملات میں پاکستانی اپنی جبلت اور رسومات میں بندھے ہوئے ہیں۔ پاکستانی سیاست کے انداز کچھ اِس طرح کہ ہیں کہ خاندانی پس منظر کا پاکستان میں بہت ہی زیادہ عمل دخل ہے۔ جب بھی کبھی پیپلز پارٹی کے ایسے کارکنوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے جن کے دل بھٹو کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں تو مجھے اُن کے اِس جذبے پر رشک آتا ہے کہ بہار ہو یا خزاں، مارشل لاء کا دور ہو یا جمہوریت کے ایام۔ پیپلز پارٹی کے جیالے ہر دور میں بھٹو سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ انسانی آزادیوں کے حوالے سے بھٹو نے جو جذبہِ شوق پاکستان کے طول و عرض میں رہنے والوں کے دل میں پیدا کیا اُس کی مثال حضرت قائدِ اعظمؒ کے بعد دی جا سکتی ہے۔ ہم بھٹو صاحب کی سیاست سے اختلافات کر سکتے ہیں میری دانست میں ذوالفقار علی بھٹو کی طلسماتی شخصیت نے پاکستانی سیاست کو ہنوز اپنی گرفت میں رکھا ہوا ہے۔ نواز شریف نے مسلم لیگ کو پھر عوامی جماعت بنایا اور پیپلز پارٹی کے مخالف کیمپ کو پنی سیاست کا محور بنایا جس کی وجہ سے گذشتہ

تین دہائیوں سے نواز شریف کی سیاست کا طوطی بول رہا ہے لیکن جس طرح سے گزشتہ دو دہائیوں سے عمران خان نے محنت کی اور سیاست میں نواز شریف کے حلقہ اثر کو کو اپنی طرف ترغیب دی۔ بھٹو سیاست کا کرشمہ سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ بھٹو کو اپنی سیاست کے انداز کو جلا بخشنے کا موقع ایوب کے دور میں ملاجب بھٹو نے غریب کے لیے آواز بلند کی۔ عام آدمی کو قوتِ گویائی بخشی بھٹو سیاست نے پاکستان میں دھوم مچادی۔ بھٹو نے ایک لاکھ کے قریب پاکستانی قیدیوں کو ہندوستان سے رہائی دلوائی اور اسلامی سوشلزم کو غریب کی منزل قرار دئے دیا۔بنگلہ دیش کے قیام کے بعد قوم کی روح چھلنی تھی بھٹو نے اسلامی سربراہی کانفرس لاہور میں منعقد کرکے مسلم دُنیاکے اتحاد کی داغ بیل ڈالی۔ نجی اداروں کی بدترین کارکردگی کی بناء پر نیشنلائزیشن کی پالیسی شروع کی جس سے وقتی طور پر تو عوام نے بہت جوش کا مظاہرہ کیا لیکن بعد ازاں حکومتی اداروں کی بدترین کارکردگی نے یہ ہی قومیائے گئے ادارے عوام کے لیے سوہانِ روح بن گئے۔ بھٹو کی مقبولیت نے جنوبی اشیاء میں دور رس اثرات چھوڑئے کیونکہ قومی اسمبلی اور عوامی اجتماعات میں بھٹو کی تقاریر نے سماجی طور پر آمریت کی پسی ہوئی قوم کو ایک نئی زبان بخشی۔ 1973ء کا متفقہ آئین بھٹو کا بہت بڑاکارنامہ ہے۔اِس آئین کو بنانے والی اسمبلی میں ہر طبقہِ فکر کی نمائندگی تھی اوراِس متفقہ آئین نے پاکستانی فیڈریشن کو ایک قومی دھارئے میں رکھنے کا کردار ادا کیا۔ دوسری طرف بھٹو نے ختمِ نبوت کا قانون

اسمبلی سے منظور کرواکر پوری دُنیا کے مسلمانوں کے دل جیت لیے۔ بھٹو کی معاشی طور پر مضبوطی کے خواب نے کہ اپنی قوم کو امریکہ کی بجائے سوشلزم بلاک کی طرف رغبت دلائی۔ اسی لیے امریکہ بہادر کو پاکستان کے خلاف اقدامات کرنے پر مجبور کردیا یوں علاقے کا تھانے دار بننے کے زُعم میں بھٹو کی حکومت کو بر طرف کرکے آمریت مسلط کردی اوراِس ضیاء کی آمریت نے روس کے خلاف امریکہ کی بھرپور معاونت کی اور روس پارہ پارہ ہوگیا۔ لیکن جیسے ہی امریکی مقاصد پورے ہوئے تو امریکہ نے افغانستان کو بھی اکیلا چھوڑ دیا اور پاکستان کو بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے مفادات کے تحفظ پر مامور جنرل ضیاء کو ایک حادثے میں مروادیا۔ یوں پاکستان کی سرزمین امریکی مفادات کی آمجگاہ بنی رہی بھٹو نے بہت کوشش کی کہ پاکستان کو آزاد معاشی نظام یعنی سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت سے بچانے کی بھرپور کوشش کی اور ایران اور عرب دُنیا سے تعلقات کو بہتر بنانے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ ضیاء جس نے بھٹو کو پھانسی دلوائی اور بھٹو خاندان کو بعد ازاں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بھٹو خاندان کی موت غیر طبعی ہوئی ماسوائے نصرت بھٹو جس نے بہت عرصہ خود فراموشی میں گزارا اور کومے کی حالت میں ہی اگلے جہان سدھار گئی۔ شاہ نواز کی موت شام میں ہوئی،
مرتضی کی موت اپنے بہن کے اقتدار کے دنوں میں ہوئی اور بے نظیر بھی لیاقت باغ میں گولیوں سے چھلنی کردی گئی۔ بے نظیر اپنے باپ کی پھانسی کے بعد جس طرح ایک آہنی خاتون کے طور پر پاکستانی سیاست

میں نمودار ہوئیں اور جس طرح ضیاء کی موت کے بعد پاکستانی سیاست میں بھونچال بپا کر گئی اُس نے بھٹو کی سیاست کو پھر سے زندہ کردیا اور بے نظیر وزیراعظم کے طور پر منتخب ہوگئیں۔ بے نظیر نے اپنے باپ کی مانند پاکستان کو ایٹمی پاکستان بنانے کے سفر کو جاری رکھا۔ اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر کوئی کمپرومائز نہ کیا۔ نواز شریف کی سیاست کا مرکز و محور آغاز میں بطور ضیاء کے جانشین کے طور پر تھا لیکن بعد ازاں پاکستان میں دائیں بازو کے حلقے کا نمائندہ بن گئے اور بے نظیر لیفٹ ونگ کی سربراہ۔ بے نظیر نے دو ادوار بطور وزیر اعظم گزارائے اور بے نظیر کی حکومت کا انداز اینٹی اسٹیبلیشمنٹ رہا یوں سول وملٹری بیوروکریسی کے ساتھ بے نظیر حکومت کے تعلقات پنپ نہ سکے اور بے نظیر کے ادوار میں ملک کو معاشی طور پر بھی سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ نواز شریف اور بے نظیر کے ادوار پاکستان میں بہت زیادہ الزامات کے سیاست کے زیرِ اثر رہے اور اِسی اثناء میں نواز شریف نے موٹر وے بنوائی اور ایٹمی دھماکے بھی کر ڈالے ۔ یوں نواز شریف جو کہ ہمیشہ سول ملٹری اسٹیبلیشمنٹ کی انکھوں کا تارا رہے اُن کی حکومت کو 12 اکتوبر 1999 کو جنرل مشرف نے ختم کر ڈالا۔ نواز شریف کی حکومت کے خاتمے سے پہلے ہی بے نظیر کو سیاسی طور پر ہراساں کرنے کے لیے مختلف قسم کے مقدمات میں پھنسادیا گیا یوں بے نظیر کو مجبوراً جلا وطنی اختیار کرنا پڑی۔ مشرف حکومت گجرات کے چوہدریوں اور راولپنڈی کے شیخ رشیدوں کی مرہونِ منت رہی اور

ملک میں نائن الیون کی بناء پر دہشت گردی کا بدترین تحفہ دیۓ گئے۔ بے نظیر کی پاکستان آمد مشرف کے ساتھ ایک این آر او کے تحت ہوئی اور بے نظیر کے ساتھ نواز شریف کے ہونے والے لندن میں معاہدۂ میثاقِ جمہوریت کی بدولت نواز شریف کو پاکستان میں لانے کے لیے بے نظیر نے مشرف کو مجبور کر دیا۔ مشرف کی خواہش تھی کہ بے نظیر اور نواز شریف پاکستان نہ آتے تاکہ مشرف کی حکومت چلتی رہتی لیکن بے نظیر نے قائدانہ صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا اور مشرف کو مجبور کر دیا کہ وہ نواز شریف کو آنے سے نہ روکے۔ یوں مشرف کی حکومت کے خاتمے کی داغ بیل رکھ دی گئی اور بے نظیر باوجود دھمکیوں کے، پاکستان پہنچ گئی لیکن بے نظیر کے دشمنوں نے بے نظیر کو لیاقت باغ میں شہادت کے رُتبے پر سرفراز کر دیا۔ یوں وفاق کی علامت بھٹو کی نشانی بے نظیر شہید ہو کر امر ہو گئی لیکن پاکستان کی وحدانیت پر آنچ نہ آنے دی۔ نواز شریف نے بے نظیر کی شہادت پر بے نظیر کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور محترمہ کو اپنی بہن قرار دیا۔ یوں ساٹھ کی دہائی میں ذوالفقار علی بھٹو کی کرشماتی شخصیت نے پاکستانی سیاست کو ایک نئے انداز سے ہم آہنگ کیا تھا اور بے نظیر نے خود کو اپنے باپ کی سیاسی وارث ثابت کر دیا۔ لیکن بلاول کو جس انداز میں سیاست کا کاغذی شیر بنایا گیا ہے اُس سے پیپلز پارٹی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور منظور وٹو جیس مسلم لیگی کے پاس پیپلز پارٹی پنجاب کی قیادت نے بھی جیالوں کو اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت بھٹو کے نام کے

گرد ہی گھومتی ہے۔۔برصغیر پاک وہند میں موروثی سیاست کی جڑیں بہت مضبوط ہیں اِس لیے پاکستان میں بھٹو خاندان اور بھارت میں اندراگاندھی کے خاندان بنگلہ دیش کی خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد موروثی سیاست کی مثالیں ہیں۔پاکستان میں جس طرح سے پیپلز پارٹی نے سیاست کی اور جس انداز میں بھٹو کی کرشماتی شخصیت نے حکمرانی کی ہے اِس بات کا اعادہ کرنا ضروری ہے کہ پاکستان میں پی پی پی کی سیاست میں فعالیت کا دارومدار بھٹو نام پر ہے۔جو بھی پیپلز پارٹی کی سیاست میں بھٹو نام کے علاوہ پی پی پی کے نام پر سیاست کرنے کی کوشش کرتے رہے وہ زیرو ہوتے چلے گئے۔۔ بلاول بھٹو زردار کی جانب سے اکثر غیر متوازن بیانات سامنے آتے ہیں ظاہر ہے اُس کے مشیران اکرام جو اُسے مشورہ دیتے ہیں وہ ایسا ہی کرتا ہوگا۔لیکن اِس سے بلاول کی بحثیت بے نظیر کے بیٹا ہونے کے کریڈیبلٹی متاثر ہوئی ہے اور بطور زرداری صاحب کی اولاد ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔

سرزمین اٹک تو شاد رہے۔ کرنل شجاع شہید اور اب کیپٹن اسفند شہید

نوجوان اسفند شہید کی تڑپ وطن کے لیے لازوال تاریخ رقم کر گئی۔ اٹک جو کہ صوبہ پنجاب کا آخری ضلع ہے اور یہ خیبر پختون خواہ کے ساتھ ہے۔اِس سرزمین نے یکے بعد دیگرے اپنے سپوتوں کو وطن کی آن کے لیے قربان کر دیا۔ وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے اور جو لوگ اللہ پاک کی راہ میں شہید ہوتے ہیں وہ امر ہو جاتے ہیں وہ مرتے نہیں ہیں وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔انسانی عقل اِس زندگی کا شعور نہیں رکھتی۔رب پاک تو یہاں تک ارشاد فرماتا ہے کہ وہ رزق پہ کھاتے ہیں۔ اٹک نے چند ہفتے پہلے کرنل شجاع خانزادہ اور اب کیپٹن اسفند کی شہادت کی صورت میں پوری قوم پر احسان کیا ہے۔ کرنل شجاع ستر سال کی عمر میں بھی بہادری کی وہ مثال کہ سبحان اللہ اور کیپٹن اسفند چھوٹی عمر سے ہی ولولہ انگیز شخصیت کے مالک۔ احباب نے یہ خبر بھی دی ہے کہ کیپٹن اسفند کا تعلق انجمن طلبہ اسلام سے بھی رہا اور وہ اِس کے کارکن تھے۔ گویا جناب اسفند یار نے غلامی رسول ﷺ میں موت بھی قبول ہے کا انجمن طلبہ اسلام کا بیج سینے پہ سجایا ہوگا اور نعرہ مستانہ غلامی رسول ﷺ میں موت بھی قبول ہے لگایا ہوگا۔شائد اُنہی ساعتوں میں عزیزم اسفند شہید کی دعا قبولیت کے سارے مرحلے طے کر گئی ہوگی اور اللہ پاک نے اُس کو جام شہادت

کے عظیم مرتبے پر سرفراز فرمادیا۔ جس مرتبے پر فائز ہونے کے لیے نبی پاک ﷺ کے صحابہ اکرامؓ شدید خواہش رکھتے تھے۔ اور انہی صحابہ اکرامؓ کی سنت پر پیرا کیپٹن اسفند پوری قوم کے نوجوانوں بچوں کے لیے ایک مثال قائم کرگیا۔ کہ اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں اِس سے نہیں ڈرنا چاہیے کہ موت ہم پر آپڑے یا ہم موت پر جاپڑیں۔ جناب کرنل شجاع خانزادہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے چند ہفتے قبل برادرم ضیاالحق نقشبندی نے ایک کانفرنس کا انعقاد فرمایا تھا اور راقم کو بھی شرکت کا موقع ملا تھا۔اِس کانفرنس میں کرنل شجاع خانزاداہ کوزبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا تھا۔ اٹک کی سر زمین نے اپنے ایک اور سپوت کی قربانی دی ہے۔افغانستان میں بھارتی ایجنسی راہ نے پاکستان کے لیے نام نہاد دہشت گردوں کو تیار کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ اور بے گناہ اور نہتے شہریوں کو قتل کرکے پاکستان میں بے چینی پیدا کران ہی بھارت کا مطمع نظر ہے۔اِن حالات میں پاک فوج کی شجاعت کو سلام۔ گزشتہ ایک سال سے جاری جنگ عضب نے پاکستان میں دہشت گردی کی کمر توڑ دی ہے اور پاکستان پر دہشت گردی کے سائے چھٹنے لگے ہیں اِسی لیے تو مودی سرکار کے پیٹ میں درد ہو رہی ہے اور مودی پاکستان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہا ہے اور اپنی ملک میں گرتی ہوئی سیاسی ساکھ کو بچانے کے لیے پاکستان سے جنگ کرکے اپنی جنتا کی توجہ ہٹانا چاہتا ہے۔ یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے جنہیں تونے بخشا ہے ذوقِ خدائی۔پاکستان کو جنگ میں جھونکنے والے بہت سے عناصر جن میں ہمارا دُشمن

نمبر ایک بھارت سب سے آگے ہے اور دوسری طرف پیٹرو اسلام کی حامل جماعتیں جو کہ ڈالرز اور پونڈز کے طفیل پاکستانیوں کی زندگیوں کے چراغ گُل کر رہی ہیں۔ پاک فوج نے جس طرح قربانیاں دی ہیں اور جنگ عضب کو واقعی بہت ہی کھٹن جنگ قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ جنگ اپنے ہی علاقے میں لڑی جارہی ہے۔ بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ جوان سے لے کر جرنیل تک نے اِس جنگ میں جام شہادت نوش کیا ہے۔ مسلم دنیا کے حوالے سے ایران اور سعودی عرب کا کردار قابل ستائش نہیں ہے۔ اپنی صدیوں سے جاری سرد جنگ کی وجہ سے یہ دونوں ممالک مسلمان ممالک میں ہونے والی تخریبی سرگرمیوں کو آشیرباد دیتے ہیں۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ فرقہ ورانہ جنگ کے بیج بو دیئے گئے ہیں اور سعودی عرب اور ایران اس حوالے سے اپنا کردا ادا کرہے ہیں۔ خونِ مسلمان کی ارزانی کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی سامراج مسلمانوں کو تہہ وبالا کرنے پہ تُلا ہوا ہے لیکن مسلمان ممالک کبوتر کی طرح آنکھیں موندھے ہوئے ہیں۔ جنگ والے ممالک میں خواتین بوڑھے اور بچے جس جہنم میں زندگی گزار رہے ہیں اُسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ گاجر مولیوں کی طرح بچوں بوڑھوں عورتوں کو شہید کیا جارہا ہے۔ ترکی، پاکستان، ایران اور سعودی عرب اگر یہ ممالک آپس میں مل بیٹھ جائیں تو شائد امریکی سامراج کو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے سے منت سماجت کرکے روک سکیں۔ پاکستان میں جاری دہشت گردوں کے خلاف جنگ دراصل بھارت، امریکہ کے خلاف ہے اور پاکستان میں بلوچستان اور کے پی کے میں جتنا

نقصان پاک فوج اُٹھا چکی ہے اُس کے مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ عام جوان سے لے کر جرنیل تک اِس دہشت گردی کی جنگ میں شہید ہوئے ہیں۔اِسی طرح عوام بھی ہزاروں کی تعداد میں دہشت گردی کی نذر ہو چکے ہیں۔ مالی نقصان بھی کھربوں میں ہے۔ہمارے ملک کے سیاستدان نہ جانے کہاں بستے ہیں وہ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں اُنھیں اِس بات کا ادراک ہی نہیں ہے کہ خدانخواستہ ملک کے وجود کو شدید خطرات لاحق ہیں اور اِن خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے آپس میں اتحاو اتفاق ہونا ضروری ہے۔پاک فوج آپریشن عضب میں دُشمن سے برسرپیکار ہے۔ ہمیں بطور قوم یہ بات طے کرلینی چاہیے کہ ہم نے پرائی جنگوں میں نہیں گھسنا اگر ہم اپنے ملک کے داخلی معاملات کو کنڑول میں کرلیں تو باہر کا کوئی بھی دشمن ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ میر جعفروں اور میر صادقوں کو بے نقاب کرنا ہوگا۔دین کے نام پر خارجی عناصر کو اپنے وطن میں کام سے روکنا ہوگا۔ ہر سوچ، زبان مذہب کے پیروکاروں کو حق زندگی دینا ہوگا۔جن عوامل نے دہشت گردی کو ہوا دی اُن میں پیٹرو اسلام کی حامل نام نہاد دینی جماعتیں بھی شامل ہیں جو اپنے نظریات کو باقی سب پر ٹھونسنا چاہتی ہیں اِس حوالے سے ہمارے برادر ممالک ایران اور سعودی عرب کی حکومتوں کو بھی یہ گزارش ہے کہ آپ اپنی سرد جنگ میں دوسرے ممالک کے انسانوں کو ایندھن کیوں بنا رہے ہیں۔جماعت اسلامی کے سابق امیر جناب سید منور حسن نے تو مینار پاکستان پہ کھڑے ہو کر کہہ دیا تھا کہ قتال کیا جائے۔ اور یہ بھی

پاک فوج کے شہادت پانے والے فوجی شہید نہیں ہے۔اِس طرح کی ذہنی حالت نام نہادنام نہاد رہنماؤں کی ہے۔ ان لوگوں نے پاکستان سے رواداری.برداشت بھائی چارہ چھین لیا ہے۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جن کا کام صرف رقم کمانا ہے اُس کے لیے دین دنیا سب کچھ فروخت کر دیتے ہیں ۔ حتیٰ کہ اپنے ملک کی خاطر شہید ہونے والے فوجیوں کو شہادت کا رُتبہ دینے کے لے تیار نہیں اور دہشت گرد جو مسجدوں مدرسوں بازاروں میں خود کش حملے کر رہے ہیں اُن کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں ۔ ایسے عناصر کو ایسے مائنڈ سیٹ کو ختم کرنا ہوگا۔ یہ جنگ جو ایک سال سے زائد عرصہ سے جاری ہے۔اِس میں موجودہ آرمی چیف جنرل راحیل شریف اور وزیراعظم دونوں کی ورکنگ ریلشنشپ بہت بہتر ثابت ہوئی ہے۔ جس طرح مودی سرکار لائن آف کنٹرول پر پاکستانیوں کو شہید کرتی رہی ہے اور حالیہ دنوں میں پاکستان توڑنے اور بنگلہ دیش بنانے کا اعتراف بھی کیا گیا ہے ۔پاک چین معاشی تعلقات کی نئی جہت نے تو بھارت کا جینا حرام کر رکھا ہے اور مودی نے تو یہاں تک کہ دیا کہ ہم پاکستانیوں کا حال برما کے مسلمانوں جیسا کریں گے۔ وہ لوگ جو نظریہ پاکستان کو ابھی تک نہیں مانتے جو قائداعظمؒ کو ہندوستان کو تقسیم کرنے کا گناہ گار قرار دیتے ہیں ۔وہ جاگتی آنکھوں سے دیکھ لیں اور سن بھی لیں کہ بھارت کا وزیراعظم دوسرئے ملک میں کھڑئے ہو کر واشگاف اعلان کر رہا ہے کہ ہم نے پاکستان کو توڑا۔اِس جنگ میں جتنا خون بہا اُس کا ذمہ دار مکمل طور پر ہندوستان ہے۔ قوم پاک فوج کو سلام عقیدت پیش

کرتی ہے سب دیکھ لیں کہ کانگریسی ملاؤں اور پیٹرو اسلام کے حامل نام نہاد مذہبی رہنماؤں اور امریکی آشیرباد کے حامل نام نہاد لبرل فاشسٹ بھی دیکھ لیں کہ دو قومی نظریہ کسے کہتے ہیں۔ مودی نے اب پوری دنیا کو بتا بھی دیا ہے اور سمجھا بھی دیا۔ پاک فوج کی لازوال قربانیوں نے پاکستان کو نیا جنم دیا ہے اور رب پاک کے نام پر بننے والے اِس ملک میں انشاءاللہ امن قائم ہوگا۔ پاک فوج زندہ آباد پاکستان پائندہ آباد ۔اِس قوم کے پاس کرنل شجاع خانزادہ اور کیپٹن اسفند شہیدوں کا ایک ایسا غول ہے کہ وہ نریندر مودی کی آنکھوں کو پھوڑ دے گا اگر اُس نے میلی آنکھ سے پاکستان کو دیکھنا بند نہ کیا۔ پاکستانی قوم گواہ رہنا کہ ہماری پاک فوج نے جرنیل راحیل راحیل شریف کی قیادت میں مادر وطن کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

بنیادِ دوستی۔ عشق نبی ﷺ

زندگی کی نصف سنچری مکمل ہونے کو ہے۔ بے شمار لوگوں سے فیض کے لیے حاضری دینے کی خاطر استفادہ کیا۔تدریسی عمل بھی گزشتہ تین دہائیوں سے سے جاری ہے۔ دینی وسماجی حوالے سے عشقِ مصطفے ﷺ کی سرخیل تنظیم انجمن طلبہ ء اسلام کے ساتھ وابستگی پر فخر ہے۔وکالت کا شعبہ ہی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہے۔زندگی کی سب سے بڑی حقیقت جس طرح موت ہے اِسی طرح ایمان کی صداقت کا سب سے بڑا معیار نبی پاک ﷺ کی عزت و توقیر اور آپ ﷺ سے عشق ہے۔اقبال اور، حضرت امام احمد رضا خانؒ نے نبی پاک ﷺ کی محبت کے حوالے سے جو پیغام جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کو دیا او پھر اِسی پیغام نے عالمگیریت حاصل کی۔دنیاکے تمام خطوں میں رہنے والے مسلمانوں کے درمیان کلمہ توحید کے ساتھ جو وابستگی ہے اُس وابستگی کو قائم رکھنے کا جو معیار ہے وہ صرف اور صرف عشق رسول ﷺ ہے۔چند سال پیشتر میرے ایک بچپن کے دوست مجھ سے ناراض ہوگئے تو پھر جب اُن سے بات ہوئی تو اُنھوں نے جو بات کہی اُس نے قلب میں آگ لگا دی اُنھوں نے فرمایا کہ میرا اور آپ کا جو تعلق ہے اُسکی وجہ نبی ﷺ کی محبت کا مشن ہے جس کے لیے ہم نے اب تک تگ وتاز کی ہے۔ اللہ پاک میرے اُس محترم دوست کو شاد رکھے کہ کس طرح اُنھوں نے اپنی عقیدت کا اظہار

نبی پاک ﷺ کی ہستی کے متعلق کیا۔ راقم کی زندگی کا عہد طفولیت سے لے کر جوانی تک کا دور یعنی تقریباً پچیس سال اپنے ماموں جان قبلہ حکیم محمد عنائت خان نوشاہیؒ کے ہاں گزرے وہاں سے جو ملا وہ یہ ہی تھا کہ بس پاکستان سے محبت۔ نبی پاک ﷺ سے محبت۔ اور پھر کیا رہ جاتا ہے۔ جب نبی پاک ﷺ کی محبت حاصل ہو جائے تو دنیا بھر کی چاہتیں اُس کے سامنے کیا اہمیت رکھتی ہیں۔ اِسی طرح راقم نے اپنی زندگی میں ڈاکٹر ظفر اقبال نوری جو کہ سابق مرکزی صدر انجمن طلبہ ء اسلام ہیں۔ جب وہ راولپنڈی میڈیکل کالج کے طالب علم تھے اُس وقت سے اُن کے ساتھ تعلق کی وجہ عشق مصطفےٰ کریم ﷺ ہے۔ اِسی طرح برادر غلام مرتضیٰ سعیدی سابق مرکزی صدر انجمن طلبہ ء اسلام و مصطفائی تحریک جب گورنمنٹ کالج سرگودھا میں گریجویشن کے طالب علم تھے اُن سے عقیدت محبت خلوص اور دوستی کے تعلق کی وجہ اُس کی بنیاد بھی عشق رسول ﷺ ہے۔ میرے بچپن کے دوست اور کلاس ہفتم میں میرے کلاس فیلو جناب ملک جاوید اعوان ڈایریکٹر الزہرا کالج سرگودھا سے بھی دوستی کا تعلق صرف اور صرف یاد نبی ﷺ عشق نبی ﷺ ہے۔ مجھے جاوید اقبال اعوان پر ہمیشہ فخر ہے کہ اِس درویش منش نے کبھی بھی مادیت کو معیار دوستی نہیں سمجھا۔ جاوید ملک اور راقم دونوں ہی محبتِ رسول ﷺ کے داعی ہیں۔ سرگودھا کی سرزمین نے ایک اور نامور سپوت جسے دنیا ڈاکٹر تنویر احمد کے نام سے جانتی ہے اُن کی زندگی میں بھی عشق رسول ﷺ نے انقلاب بپا کیا اور راقم کو جناب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ وابستگی پر فخر ہے ڈاکٹر تنویر چوہدری اور

راقم کا تعلق 1983 ہے۔ راقم کی تربیت میں جہاں قبلہ حکیم عنایت قادری نوشاہیؒ کا ہاتھ ہے وہیں جناب ڈاکٹر تنویر احمد چوہدری نے بھی راقم کی ہر قدم پر راہنمائی فرمائی ہے۔ دور حاضر کے ممتاز شاعر دانشور ہوسٹن امریکہ میں مقیم جناب الطاف بخاری کے ساتھ عقیدت کے تعلق کی بنیاد بھی شاہ جی کا سرکار نبی کریم ﷺ سے بے انتہا عشق ہے۔ جب ہم شان رسالت کی بات کرتے ہیں تو اقبالؒ کا نام نہ لینا بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ اقبالؒ جب بھی شان رسالت ﷺ بیان کرتے ہیں تو اُن کا کہا جانے والا ایک ایک لفظ دل کا ترجمان لگتا ہے۔ اقبالؒ نے تسخیر کائنات کے لیے حضور اکرم ﷺ کی اطاعت و پیروی کو ضروری قرار دیا۔ ایسی تسخیر جو انسان کے لیے خوشی کا باعث ہو۔ اسی لیے اقبالؒ نے خود مولائے کائنات کی زبانی اطاعت نبی ﷺ کی اِس طرح ترغیب دی ہے

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اور پھر اقبالؒ بے خودی میں فرماتے ہیں

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

یہ وہ بات ہے جو پانچویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت امام غزالیؒ نے احیأ العلوم میں تحریر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں واحضر قلبک النبی صلی اللہ علیہ

واسلم و شخصہ الکریم قل سلام علیک ایھا النبی (صلی اللہ علیہ وسلم ورحمتہ اللہ و برکاتیہ۔
ترجمہ: (التحیات پڑھتے وقت) پہلے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی صورت پاک کو دل میں حاضر کرو اور پھر کہو۔ اے نبی ﷺ محترم: آپ ﷺ پر سلام، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں. راقم کا تعلق وکالت کے پیشے سے ہے۔ ہمارے محترم ممبران لاہور ہائی کورٹ بار جناب جمیل فیضی، جناب راؤ شکیل، جناب چوہدری عبدالروف جناب نعمان یحیٰی، جناب احسان الحق رندھاوا، جناب حبیب الھی، جناب جسٹس نذیر غازی، جناب شاہد میر ایڈووکیٹس عشق رسول ﷺ کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کا مرکز و محور بنائے ہوئے ہیں

بقول اقبال:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با و نرسیدی تمام بولہبی است

قران کریم نے بار بار نبی پاک ﷺ کی سیرت مبارکہ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوت حسنہ۔

:

نواب زادہ نصر اللہ خاں۔ بابائے جمہوریت

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک تابندہ نام نوابزادہ نصر اللہ خان کا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا نام اُن کے کردار کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ ایک ایسی شخصیت کہ جنھوں نے رب کی عطا کردہ زندگی کو کسی مقصد کی خاطر بسر کیا۔ ونسٹن چرچل کو اپنے لیے رول ماڈل سمجھنے والے نوابزادہ نصر اللہ ایک ایسی شخصیت تھے کہ اُنھوں نے شائد یہ حلف اُٹھا رکھا تھا کہ ہر حال میں جمہوریت کی ہی حفاظت کرنی ہے۔ اتنی مرنجان مرنج شخصیت کہ ہر اپنے غیر کے لیے اُن کے دروازے کھلے تھے۔ بائیں بازو اور دائیں بازو کے گروہ بھی اِن کو اپنا سیاسی مُرشد مانتے تھے۔ پچاس سال تک سیاست کے ریگزاروں میں ملک وملت کی رہنمائی فرمائی تقریباً گیارہ سلا کا عرصہ پابندِ سلاسل بھی رہے۔
نوابوں کی اولاد ہونے کے باوجود ہر کسی سے خندہ پیشانی سے ملتے اور اِن کی جائیداد بڑھنے کی بجائے کم ہی ہوتی چلی گئی۔ وقت کے آمروں نے نوبزادہ نصر اللہ کو مختلف حیلے بہانوں سے خریدنے کی کوشش کی لیکن اُنھیں اِس حوالے سے سبکی کا سامنا کرنا پڑا۔ 1916 میں خان گڑھ پنجاب میں پیدا ہونے والے نواب صاحب نے ایچیسن کالج سے تعلیم حاصل کی بعدازاں اپنے خاندان کے فیصلے کے برعکس انگریزوں کی بجائے پاکستان بننے کی حمایت کی وہ روزنامہ آزاد کے ایڈیٹر بھی رہے اور سیاسی سفر کا آغاز مجلس احرارِ

اسلام سے کیا۔ وہ 1940 میں منٹو پارک میں ہونے والے جلسے میں بھی شریک تھے جس میں قراردادِ پاکستان منظور کی گئی۔ نوابزادہ نصراللہ خان مسلم لیگ میں بھی رہے۔ صوبائی وہ قومی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔ ایوب خان کی مخالفت اور محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ 1953 کی تحریک ختم نبوت میں لازوال کردار ادا کیا۔ اُن کی ساری زندگی کا نصب العین اصولوں کی پاسداری اور ملک میں حقیقی آزادی تھا۔ بہت سے لوگ اُن کی طرز سیاست سے نالاں بھی رہے لیکن جب بھی اُن میں سے کسی کو رہنمائی کی ضرورت پڑتی تو وہ پھر نوابزادہ صاحب کے دروازے پر آن کھڑا ہوتا۔ 2003 میں وفات سے پیشتر وہ مشرف کے خلاف جمہوریت کی بحالی کی تحریک کے سربراہ منتخب ہوئے تھے۔ شعر وشاعری سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ انسانی اقدار کے اعلیٰ ترجمان تھے۔ دوسروں کی بات سننا اور اپنی بات کرنا گویا اُن کے اندر تحمل برداشت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جن معاشروں میں انسانی آزادیوں کے حوالے سے گھمبیر صورتحال ہے اُن معاشروں کے لیے نوابزادہ صاحب جیسی شخصیت ایک بہت بڑی غنیمت تھے۔ چونتیس سال تک اپنا دفتر نکلسن روڈ لاہور میں بنائے رکھا۔ صبح سویرے نماز کے لیے اُٹھتے تھے۔ وہ اسلامی اقدار کے چاہنے والے تھے۔ اپوزیشن کی علامت سمجھے جانے والے جناب نوابزادہ صاحب کبھی مایوس نہیں رہے۔ 1946 میں شیور لیٹ گاڑی خریدنے والے اپنے آخری ایام میں ایک پرانی گاڑی اُن کے زیر استعمال تھی۔ حقہ اُن کی نشانی تھی۔ نوابزادہ صاحب پان بھی کھاتے تھے۔ اُن

کا کہنا تھا کہ میرے ننھیال میں لوگ کھاتے تھے اِس لیے میں نے بھی کھانا شروع کر دیا۔ ترکی ٹوپی شروع سے پہنتے تھے۔ گھر سے باہر جاتے وقت شیروانی میں ملبوس ہوتے۔ آپ کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ جائیداد بکتی چلی گئی۔ نوبزادہ صاحب کلاسیکی موسیقی کو پسند کرتے مہدی حسن، اقبال بانو، غلام علی کو پسند کرتے تھے۔ جگر کا ایک شعر ایک مرتبہ اُنھوں نے شاعروں کی پسندیدگی کے حوالے سے سنایا۔ حسن جس رنگ میں ہوتا ہے اہل دل کے لیے سرمایہ جان ہوتا ہے۔ عرصہ سے دوپہر کو قیلولہ فرماتے۔ خاندانی ملازم نذیر سال ہا سال سے اُن کا حقہ گرم کرتا رہا۔ جیل کی سزا کے حوالے سے فرمایا کرتے کہ اگر قید کسی مقصد کے لیے ہو مقصد خلوص پر مبنی ہو تو کوئی مشکل نہیں۔ ترکی ٹوپی پہننے کی وجہ یہ بھی تھی کہ اقبالؒ بھی ٹوپی پہنتے تھے۔ مسلسل جدوجہد سے گھبرانے والے نہیں تھے بلکہ فرماتے کہ اگر مقصد نیک ہو تو گھبرانا کیسا۔ ہمیشہ اپنی سیاسی زندگی میں مختلف سیاسی مکاتب فکر سے رابطے رکھے۔ وہ دریچے بند کرنے کے قائل نہ تھے۔ اُنھوں نے اپنی سیاسی زندگی میں گیارہ اتحاد بنائے۔ اُن کے مطابق آئی جے آئی میں وہ شامل نہ تھے۔ نوبزادہ صاحب کا استدلال یہ تھا کہ میں نے اپنی پارٹی کو مضبوط بنانے کی بجائے تمام سیاسی جماعتوں میں ہم آہنگی پیدا کیے رکھنے کو اپنا مشن بنائے رکھا۔ مقصد ملک کی بہتری سامنے رہی پارٹی کی نہیں۔ اللہ پاک اُن کی مغفرت فرمائے۔ آمین

منیٰ میں حاجیوں کی شہادت

ہر مسلمان کی شدید ترین خواہش ہوتی ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کی فضاؤں سے اپنی روح کو معطر کرلے۔ حج کرنا فرض بھی ہے اور حج کرنے کا پورا ایک طریقہ بھی محنت طلب ہے۔ فی زمانہ چونکہ وسائل بہت زیادہ ہوچکے ہیں۔ گو کہ آبادی بھی بہت بڑھ چکی ہے۔ مسلم دنیا اِس وقت 1.6 بلین ہے۔ ہر مسلمان حج کی خواہش رکھتا ہے خواہ اُس کا تعلق افریقہ سے ہو یا یورپ سے، یا وہ جنوبی ایشیا کا رہنے والا ہو۔ حجاج اکرام کو ہر دور میں سعودی عرب کی حکومتوں نے بہترین سہولتیں بہم پہنچائی ہیں۔ ماضی بعید میں حج پیدل کیے جاتے تھے لوگ پوری دنیا سے پیدل سفر کرکے حج کے لیے سرزمین حجاز پہنچتے ۔کشتیوں اور بحری جہازوں کے ذرائع بھی بہت عرصہ استعمال ہوئے۔ سفر کی سختیوں اور ذرائع آمدورفت کی وجہ سے حجاج اکرام کی تعداد مقابلتاً کم ہوتی ۔ پھر جب سے جدید نظام متعارف ہوا۔ ہوائی جہاز نے حج کے سفر کو آسان بنادیا اور آبادی میں بھی بے تحاشہ اضافہ ہوتا چلاگیا۔یوں حجاج اکرام کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ پچھلے دس سالوں کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ حجاج اکرام کی تعداد میں کس شرح سے اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔

Here are the Statistics of last year 2014.Saudi Arabia hosted 24.8

million pilgrims from all over the world over the past 10 years.Over the past decade the largest number of pilgrims was witnessed in 2012 when 3.16 million of them performed hajj and the lowest in 2013 with only 1.98 million pilgrims, Al-Eqtisadiah daily reported.Last year the number of pilgrims dropped due to the government's decision to cut the number of foreign pilgrims by 20 percent and domestic pilgrims by 50 percent because of the ongoing expansion projects in Makkah and Madinah.This year about 2.1 million people performed hajj, consisting of 1,297,000 men and 843,000 women.Indonesia sent the largest number of pilgrims this year. With 293,200 pilgrims, Indonesians accounted for about 21 percent of the total number of foreign pilgrims -1.39 million.Pakistan with 189,500 pilgrims and India with 151,500 occupied second and third places respectively.Egypt, with 126,600 pilgrims, came fourth and Bangladesh fifth with 102,900 pilgrims.Around 67,000 Egyptians accounted for 10 percent of the 696,200 domestic pilgrims while 41,900 Pakistanis accounted for about 6 percent.Indians accounted for about 2 percent of domestic pilgrims while Indonesians and Yemenis each accounted for about 1 percent.The Saudi government has spent more than $100 billion (SR375

billion) to improve pilgrimage facilities.According to official data, there were 2.26 million pilgrims in 2005, increasing to 2.38 million in 2006.This number further increased by about 3 percent in 2007 to reach 2.45 million but came down by 2 percent in 2008 to stand at 2.41 million.The number of pilgrims decreased by a further 4 percent in 2009, reaching 2.31 million.In the following three years the number of the pilgrims showed steady increases, reaching 2.79 million in 2010, 2.93 million in 2011 and 3.16 million in 2012, increasing by 8 percent annually.The rise in the number of foreign pilgrims over the past 100 years was phenomenal, thanks to the advancement in transportation means and tremendous efforts by the Saudi leadership to develop infrastructure facilities in the two holy cities as well as the pilgrimage sites.According to data collected from relevant official bodies, fewer than 60,000 foreigners performed hajj in 1920.

اِسی سال کرین گرنے اور بعد ازاں منیٰ میں بھگدڑ مچ جانے سے جو جانیں ضائع ہوئی ہیں اُس پر عالم اسلام سوگوار ہے۔اگر ہم اِن حادثات کی وجوہات کا جائزہ لیں تو ایک بہت بڑا محرک یہ بھی ہے کہ ہر زبان ہر خطے سے لوگ حج کے لیے آتے ہیں اور ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا ہونے کے سبب اِس طرح کے

حادثات میں جانی نقصان زیادہ ہو جاتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حج کے حوالے سے تمام ممالک کو اپنے اپنے حجاج اکرام کی تربیت کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔تاکہ دھکم پیل سے بچا جاسکے۔بے شک اللہ کے بندۓ جو حج کے دوران شاہدت پاء گۓ ہیں اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔انڈونیشیا،پاکستان اور بھارت بالترتیب اِن تین ممالک سے حجاج اکرام زیادہ آتے ہیں اِن ممالک کی حج وزارتیں اِس امر کو یقینی بنائیں کہ حجاج اکرام ہر طرح کے نظم کی پابندی کریں تیاکہ حادثات سے بچا جاسکے۔2014 تک کے شمار کے مطابق پچھلے دس سالوں میں 42.8 ملین افراد نے حج کیا۔سعودی حکومت کو بھی چاہیے کہ حجاج اکرام کا کوٹہ ایک حد سے نہ بڑھنے دۓ تاکہ بہت زیادہ رش کی وجہ سے بد نظمی کے واقعات پیش نہ آئیں اور قیمتی جانوں کا ضیاع نہ ہو۔

قران اور صاحب قران نبی پاک ﷺ

انسانی تاریخ میں کسی بھی الہامی کتاب کو وہ پذیرائی اور مرکزیت حاصل نہیں ہے جو کہ قران پاک کو ہے۔قران پاک تقریباً چوبیس سالوں میں نبی پاک ﷺ پر نازل ہوا۔قران پاک اللہ پاک کا کلام ہے جو اللہ پاک نے مختلف ادوار میں مختلف حالات کے مطابق نازل کیا۔قرانِ مجید کو نبی پاک ﷺ تک پہنچانے کا کام اللہ پاک کے جلیل القدر فرشتے حضرت جبرئیلؑ نے انجام دیا۔گویا قران اللہ پاک کی جانب سے بندے کے لیے ایک ایسا ہدایت نامہ ہے کہ اِس کی نظیر نہیں ملتی۔اسلامی تمدن کے تمام تر محرکات اور اسلوب اِس انداز میں قران پاک میں بیان فرما دیئے گئے ہیں کہ اِس کتاب کو اللہ پاک نے ایسی کتاب قرار دیا ہے کہ جو کہ لاریب ہے۔ہم مسلمان ،یورپ امریکہ کے لوگوں کے کارنامے اور وہاں کا نظامِ حکومت دیکھ کر کمتری محسوس کرتے ہیں کہ شائد وہ ہم سے زیادہ علم کے حامل ہیں۔اصل نکتہ تو یہ ہے کہ تمام تر معاملات کا تعلق عمل سے ہے۔گفتار کے غازی اور کردار کے غازی دو مختلف انداز ہیں۔فی زمانہ جو صورتحال واضع ہے وہ یہ کہ مسلمان گفتار پر زور دے رہے ہیں۔اور کردار یعنی عمل والا پہلو اُن لوگوں نے اپنا رکھا ہے جن کو ہم کافر کہتے ہیں۔اِس جگہ میں ایک نہایت ہی اہم نکتے کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔قران اللہ کا کلام ہے اور اِس کتابِ برحق کو انسان کی ہدایت کے لیے اللہ

پاک نے نازل فرمایا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمادیا کہ یہ قران ہے اُس کو قران کا درجہ دئے دیا گیا۔ اور جس بات کو نبی پاک ﷺ نے کہا کہ یہ حدیث ہے ہم نے اُس کو حدیث کا درجہ دئے دیا۔ اِس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ صاحب کتاب نبی پاک ﷺ کی ذات کی اہمیت اور تقدس کتنا ہے۔ یعنی نبی پاک ﷺ کے کہنے سے کتاب۔ برحق کو کتاب ہونے کا درجہ ملا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نام کے مسلمان وہ صاحب قران نبی پاک ﷺ کی تقدیس کی بجائے قران کی بات کرتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا ازحد ضروری ہے کہ جو نبی ﷺ کی بات ہے وہ اللہ کی بات ہے اور جو اللہ کی بات ہے وہی قران ہے گویا ہم اللہ اور نبی ﷺ کو الگ الگ نہیں کر سکتے۔ انسانی تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ اللہ کے پیغام کو پُراثر انداز دینے کی سعادت نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے بخشی اور یوں راہ ہدایت قران کو نبی پاک ﷺ کے توسط سے نازل کیا گیا۔ کیونکہ اگر ہم خالق کی توقیر کی بات کرتے ہیں اور اگر ہم کتاب ہدایت قران کی بات کرتے ہیں تو پھر صاحب قران نبی پاک ﷺ کی ذات اِس ہدایت والے عمل میں مرکز و محور ہے کیونکہ الہامی کتابیں اور صحیفے تو پہلے بھی نازل ہوتے رہے۔ رب پاک کو ایک ماننے کا سبق تو سوا لاکھ پیغمبروں نے دیا لیکن نبی پاک ﷺ پر آکر نبوت کا سلسلہ ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک پوری کائنات کو یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ ہدایت کا سلسلہ نبی پاک ﷺ پر آکر مکمل ہو چکا ہے اور یوں سوا لاکھ نبیوں کے تبلیغی مشن کے باوجود، توریت زبور انجیل کے ہوتے ہوئے بھی اللہ پاک نے دین کو مکمل کرنے کے لیے جس ہستی کا چناؤ

کر رکھا تھا وہ نبی آخر و اعظم ﷺ ہیں۔ جن کی تعلیمات کو زوال نہیں۔ جن کا وجود سارے جہانوں کے لیے رحمت اور جو کائنات کی تخلیق کی وجہ قرار پائے۔ حتیٰ کہ جس توحید کو تمام ادیان کسی نہ کسی طرح مانتے ہیں اُس توحید کی خالص روح سے آگاہی بھی نبی پاک ﷺ کے توسط سے ہوئی۔ موجودہ دور میں جب کہ انٹرنیٹ نے دنیا کو اتنا قریب کر دیا ہے کہ اِس کا تصور چند دہائیوں پیشتر ناممکن دکھائی دیتا تھا۔ جو نبی ﷺ اُمت کے لیے شفاعت کرنے والی ہستی ہے۔ایسی برگزیدہ ہستی کہ جس کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے کہ ائے میرے پیارے حبیب ﷺ اگر میں آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو زمین وآسمان پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے رب ہونے کا بھی اظہار نہ کرتا۔اِس حدیث قدسی کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں کے قران اور صاحب قران نبی پاک ﷺ کا کیا مقام ہے۔

پاکستانی معیشت۔ غربت کا منحوس کا چکر

انسانی احتیاجات میں تیزی سے پیدا ہونے والی نمو نے پوری دنیا میں افراط زر میں بہت خطرناک حد تک اضافہ کیا ہے۔ جن ممالک میں معاشی سرگرمیاں پہلے ہی سیاسی عدم استحکام یا امن و عامہ کی صورتحال کی وجہ سے ڈھیلی ڈھالی چل رہی تھیں وہاں افراط زر کی وجہ سے مہنگائی میں ہوشربا اضافہ ہو چکا ہے۔ پاکستانی معیشت کا پہیہ جس طرح چل رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ٹیکس کلچر نہیں ہے اور نہ تجارت میں ایمانداری کا عنصر موجود ہے۔جب ریاست کے پاس اپنے انتظام و انصرام کے لیے ریونیو نہیں ہوگا تو وہ کس طرح چل پائے گی۔ حالیہ دنوں میں ہم نے دیکھا کہ پاکستانی معیشت کی بہتری کے آثار نظر آنا شروع ہوئے ہیں۔ اِس کی سب سے بڑی وجہ دہشت گردی کی جنگ میں پاکستانی فوج کا لازوال کردار ہے۔ کراچی میں امن و امان کی بحالی نے وہاں روشنیاں بکھیر دی ہیں۔ پاکستان کی معاشی حب کراچی میں امن آنے کا مطلب سیدھا سادا سا یہ ہے کہ اب کاروبار میں تیزی آئے گی۔ حکومتِ پاکستان کو محصولات میں جو کمی کا سامنا ہے اِس کی بڑی وجہ ایف بی آر کے کرپٹ افسران ہیں۔ پاکستان میں احتساب کا ادارہ صرف سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر حرکت میں آتا ہے اگر ایف بی آر کے افسران اپنی محنت کرنے کا حق ادا کریں۔ تو پھر یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں ٹیکس کلچر پروان چڑھ

سکتا ہے۔ یک جنبش قلم اگر یہ حکم صادر فرما دیا جائے کہ ایف بی آر کے افسران کے اثاثہ جات اور اُن کا موجودہ رہن سہن کا انداز اور اُن کے بچوں کی تعلیم کے اخرجات کتنے ہیں اور اُن کی تنخواہ کتنی ہے۔ افسوس جب بھی ہمارے ملک میں آمریت آئی وقتی طور پر تو اُنھیں چھوٹی موٹی کامیابیاں ملتی رہیں لیکن بعد ازاں آمریت کے سردار سیاستدانوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یوں پھر اقتدار کو طول دینے کے چکر میں پڑنے والے ہمارے فوجی سپہ سالار نے پہلے دن جو قوم کے ساتھ انقلابی وعدے کیے ہوتے ہیں اُن کو مفادات کی نظر کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ بے ڈھنگی چال سے نظام فیض یاب ہوتا رہتا ہے جس بے ڈھنگی چال کو آمر نے ٹھیک راہ پہ چلانے کے لیے سیاسی اداروں کو روندا ہوتا ہے۔ چند روز قبل ایک کالم نگار نے ایک بات کہی تھی کہ ہماری قوم کی بد قسمتی ہے کہ ہمیں جو آمر ملتا ہے وہ بھی جینون نہیں ہوتا۔ یوں وطن کے ساتھ محبت کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے کہ پاکستان کی ترقی کی راہ میں نوکر شاہی اور ملٹری اسٹیبلیشمنٹ کا گٹھ جوڑ اور کرپٹ سیاسی مہرے ایسے ہیں جو کہ گجرات کے چوہدریوں کی طرح سیاست کرتے ہیں کہ بس حکومت میں رہنا ہے خواہ مشرف ہو خواہ زرداری ہو۔ خواہ جمہوریت ہو خواہ آمریت ہو اُنھیں اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چوہدریوں کی سیاست کا تو میں نے بطور استعارہ استعال کیا ہے سیاسی قبیلے میں ہر طرف ایسا ہی ہے۔ جیسے ہی پیپلز پارٹی کی حالت کمزور ہوئی ہے تو پیپلز پارٹی کے سیاست دان تحریک انصاف کی کشتی میں دھڑا دھڑ

بیٹھ رہے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہی کہ ٹکٹ ملے گی اور اقتدار حاصل کریں گے۔
نظریات والا معاملہ صرف سیاسی جماعتوں کے منشور میں لکھے ہوئے الفاظ تک محدود ہے۔ملٹری اسٹیبلیشمنٹ جب چاہتی ہے اقتدار میں آجاتی ہے جب چاہتی ہے فوجی آپریشن کرتی ہے جب چاہتی ہے ملک میں امن وامان ہو جاتا ہے۔سب کچھ تو فوج کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح کا ہمارا ہمسایہ دشمن ہے جو کہ پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کرتا ان حالات میں پاکستان کا وجود برقرار رکھنے کے لیے سوائے فوج پر انحصار کے اور کوئی حل نہیں ۔اسی لیے تو تواِس وقت فوج عوام کے دلوں میں گھر کر چکی ہے کہ دہشت گردی کا قلع قمع کردیا ہے۔ معاشی حوالے سے ممکنہ تبدیلی نظر آرہی ہے۔ چین کی جانب سے بھر پور معاشی تعاون نے پورے خطے کی حثیت تبدیل کر دینی ہے۔دیگر الفاظ میں یہ کہنا سب سے زیادہ مناسب ہوگا کہ فوج کی کمان ہی ملک کی کمان ہے۔پاکستان کے منظر نامے میں کلیدی کردار اس وقت جنرل راحیل شریف کا ہے۔ نواز حکومت لگتا یہی ہے کہ حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر چکی ہے۔ انسانی آزادیوں کا شور مچانے والے معاشی دہشت گرد خود تو عوام سے دور رہتے ہیں۔ علحیدہ ہاوسنگ سوسائٹیاں ، علحیدہ سکول، علحیدہ شفا خانے ۔کچھ بھی تو نہیں ہے اشرافیہ کا اور عوام آپس میں کوئی تعلق۔ انگریز جس طرح اقلیت میں رہ کر حکومت کرتا تھا۔ ہماری نوکر شاہی بھی یہ ہی حال ہے۔عمران خان کی پارٹی میں سب وہی لوگ ہیں جو کہ دہائیوں سے سیاست میں ہیں جو مختلف سیاسی جماعتوں میں سے نکل کر تحریک انصاف میں آئے

ہیں وہی روایتی جاگیر دار، سرمایہ دار ہر پارٹی میں ہیں۔ تبدیلی کہاں سے آئے گی۔ ٹیکس چور تاجر نہیں ہیں۔ ٹیکس چوری نوکر شاہی کرواتی ہے۔ تاکہ رشوت چلتی رہے ملکی خزانے نے خاک بھرنا ہے جب باہر مک مکاء کرنے کا سہرا اِسی کرپٹ نوکر شاہی کے سرپر ہے۔پاکستان میں دہشت گردی کے ماحول نے ملک ی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ پاکستان سے تیزی سے سرمایہ کاری باہر منتقل ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ صنعت کار بنگلہ دیش میں جا پہنچے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے انرجی کا بحران اور امن و مان کی صورتحال کا پیدا ہونا۔امریکی مداخلت اور ساتھ بھارت کا گٹھ جوڑ۔ پاکستانی کے عمرانی اور سماجی ڈھانچے کی ہیت تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔ ہوس نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ خانگی نظام تباہی کے دہانے پر ہے۔ تعلیمی نظام تباہ و برباد۔ڈگریوں کی لوٹ سیل لگی ہوئی ہے۔ کہاں ہے احتساب کمیشن، کہاں ہے نیب کے افسران۔ سارے کام اگر فوج سے ہی ٹھیک کروانے ہیں تو ملک کے لیے ناسور بن جانے والی کرپٹ انتظامی مشینری کو جہنم رسید ہی ہو جانا چاہیے۔

حضرتِ اقبالؒ کا نور چشم جاوید اقبالؒ

اقبالؒ جنہیں دنیا اپنا مرشد مانتی ہے۔ جنھوں نے پوری دنیا کو روحانیت کو آفاقیت کے انداز میں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی وہی اقبالؒ جس نے کہا تھا کہ حیا نہیں زمانے کی آنکھ میں باقی خدا کرئے جوانی تیری رہے بے داغ اور یہ الفاظ اقبالؒ نے اپنے پیارے بیٹے جاویدؒ کے لیے کہے تھے۔ چند سال پیشتر ہمارئے دوست جناب علامہ رضا الدین صدیقی نے ایک سیمنار آواری ہوٹل لاہور میں جسٹس پیر کرم شاہؒ کی یاد منعقد کیا تھا اُس میں جناب جاوید اقبالؒ بھی شریک ہوئے تھے۔ راقم جناب جاوید اقبالؒ کو ہال کے دروازئے سے سٹیج تک احتراماً لایا اور راقم نے بے اختیار یہ تصور کرتے ہوئے جاوید اقبالؒ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا کہ ان ہاتھوں کو حضرت اقبال نے بھی چوما ہوگا۔ تصور اقبالؒ کی بابت مجھے روحانی سرشاری کے لمحات میسر آئے اور راقم نے جناب جاوید اقبالؒ سے ہاتھ ملایا تھا اور اُن کے انتہائی نرم ہاتھ کا لمس مجھے آج بھی روح میں اُترتا محسوس ہوتا ہے۔ یقیناً جاوید اقبالؒ خود بھی بہت.بڑے انسان تھے لیکن میری اُن سے عقیدت کی وجہ حضرت اقبالؒ کے بیٹے ہونے کی وجہ سے رہی۔ راقم زندگی کی سنتالیس بہاریں اور خزائیں دیکھ چکا ہوں اور یقین جانیے مجھے ہمیشہ فخر رہتا ہے کہ میں نے بھی اُس دور میں اُس شہر میں زندگی کی رمق محسوس کی جہاں

اقبالؒ کے بیٹے جناب جاوید اقبال اپنے علم و فکر سے نواز رہے تھے۔جب راقم نے جناب جاوید اقبالؒ کی تقریر تصوف کے حوالے سے سنی تو یقین کیجیے کہ واقعی مجھے یہ احساس ہوا کہ جناب جاوید اقبالؒ نے حضرت اقبالؒ کے نظریات اور فلسفے کی لاج رکھ لی ہے۔راقم کو یہ بھی افتخار حاصل ہے کہ جس لاہور بار اور لاہور ہائی کورٹ بار کے جاوید اقبالؒ رکن تھے میں بھی ہوں ۔یوں وکلاء کیمونٹی ہونے کے ناطے وہ ہماری پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے لیے بھی رول ماڈل ہیں۔ ولید اقبال ایڈووکیٹ جو کہ جناب جاوید اقبالؒ کے فرزند ہیں اُن سے بھی عقیدت کا رشتہ قائم ہے اُس کی وجہ بھی جناب اقبالؒ کی ذات ہے۔اللہ پاک نے جناب جاوید اقبالؒ کو دنیاوی طور پر بھی عزت واحترم سے نوازا۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہے سپریم کورٹ کے جج رہے۔ سینیٹر رہے۔ تمغہ امتیاز سے نواز گیا۔ اقبالؒ کافرزند ہونے کا حق جناب جاوید اقبالؒ نے ادا کر دیا۔اب جبکہ جناب جاوید اقبالؒ روشن راہوں کے مسافر بن کر اپنی خالق کے حضور پیش ہو چکے ہیں لیکن یہ تذکرہ بے جاء نہ ہوگا کہ جاوید اقبالؒ سے حسد کرنے والے نام نہاد دانشو صرف اقبالؒ دشمنی کے نام پر ان سے اختلاف کرتے رہے لیکن روحانی ہستی اقبالؒ کافرزند اپنے لوگوں کی رہنمائی کے لیے آخری سانس تک وتاز میں رہا۔ موجودہ حالات میں اقبالؒ کی فکر کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ جناب جاویدؒ بھی اقبالؒ اللہ پاک کے بتائے ہوئے رستے ہر چلنے میں ہی مسلمانوں کی فلاح سمجھتے تھے جیسا کہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ قلندر میل تقریر نہ دارد

جز ایں نکتہ اکسیر نہ دارد، ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیشت، کہ آب از خون شبیر ندارد ،
ارمغانِ حجاز) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ قلندر لمبی چوڑی تقریر کی طرف رغبت)
نہیں رکھتا۔ سوائے اُس نکتے کہ جو میں تمھارے لیے کہنے والا ہوں کہ اِس ویران کھیت
سے کوئی پیداوار حاصل نہیں کی جاسکتی کہ جس کی حضرت امام حسینؓ (شبیرؓ) کے خون
سے آبیاری نہ کی جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر یا
باطل کے مقابلے میں عملًا نکلے بغیر کسی قسم کی عزت اور وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ جہاد
کے حق میں اور باطل کے خلاف زبانی کلامی باتیں کرنے سے تمہاری اجڑی ہوئی دنیا
آباد نہیں ہو سکتی اس کا ایک ہی طریقہ ہے جو کہتے ہو اِس پر عمل کرو۔ جاویدؒ نے بھی
اپنے والد کی اسی فکر کو پنایا کہمگو از مدعائے زندگانی، ترا بر شیوہ ہائے از نگہ نیست، من
از ذوق سفر آنگونہ مستم کہ منزل پیش من جز سنگ رہ نیست (پیام مشرق) جناب
جاوید اقبالؒ اپنی والد کے اِس فلفے ہر کار بند رہے۔ کہ جیسا کہ حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں
زندگی کے مقصد کے بارے زبان مت کھول یعنی بیان کرنے کی کوشش نہ کر اِس کی
اداؤں پر تیری نظر نہیں یعنی تو اِس کے انداز کو نہیں سمجھتا۔ میں سفر کی لذت سے اتنا
مست ہوں کہ میرے آگے منزل راستے کا پتھر ہے اور کچھ نہیں یعنی میں منزل کو سنگِ
راہ سمجھتا ہوں۔ میں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو منزل نہیں سمجھتا اور ایک
نئی منزل کے لیے رواں دواں ہو جاتا ہوں۔ زندگی سکون وثبات کا نام نہیں حرکت
وعمل کا نام ہے۔ فرشتہ گرچہ

بروں از طلسم افلاک است نگاہِ او بتماشائے ایں کف خاک است (زبورِ عجم) حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں فرشتہ اگرچہ انسانوں کی طرح آسمان کے جادو یعنی قوانینِ فطرت سے آزاد ہے۔اس کے باوجود اس کی نظر مٹھی بھر خاک کے پتلے (انسان) پر ہے یعنی وہ انسان کی رفعت کی طرف دیکھتا ہے جو اُسے عشق کے سوز و گداز کی بدولت حاصل ہے۔

ہوس ہنوز تماشا گر جہانداری است ، و گرچہ فتنہ پس پردہ ہائے زنگاری است (زبور عجم) جناب جاویدؒ نے ساری زندگی حضرت اقبالؒ کے فلسفے پر کاربند رہے کہ جس میں حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہوس ابھی تک اسی فکر میں ہے کہ کس طرح دنیاوی مال و دولت اکھٹی کی جا سکتی ہے۔ ہرے رنگ کے پردوں (آسمان) کے پیچھے اور کونسا فتنہ پوشیدہ ہے؟ دنیا میں جتنے بھی فتنے فساد پیدا ہوئے اُن کا سبب ہوس ہی ہے۔ زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل، بیا کہ عشق مسلمان و عقل زناری است (زبور عجم) جاویدؒ نے اقبال کی یہ بات عملی طور پر ثابت کی کہ حضرتِ اقبال نے جیسے فرمایا تھا کہ عقل جو کچھ تراشتی ہے اُسے لحہ بہ لحہ توڑتی رہتی ہے کیونکہ وہ درست نتیجہ اخذ نہیں کر سکتی۔ اب عقل کی باتیں چھوڑ کر عشق اختیار کرلے کیونکہ عشق مسلمان ہے صحیح راستے پر ہے اور عقل برہمن کا زنار ہے یہ کفر کی راہ چلتی ہے عشق معرفتِ حق کی طرف لے جاتا ہے۔جناب جاویدؒ نے اپنی فرزند اقبالؒ ہونے کا حق ادا کیا اور اِس سوچ کو پروان چڑھایا کہ مگو از مدعائے زندگانی، ترا بر شیوہ ہائے اذنگہ نیست ، من از ذوق سفر آنگونہ مستم (کہ منزل پیش من جز سنگ رہ نیست، (پیام مشرق،

جیسا کہ جناب حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں زندگی کے مقصد کے بارے زبان مت کھول یعنی بیان کرنے کی کوشش نہ کرِاس کی اداؤں پر تیری نظر نہیں یعنی تواِس کے انداز کو نہیں سمجھتا۔ میں سفر کی لذت سے اتنا مست ہوں کہ میرے آگے منزل راستے کا پتھر ہے اور کچھ نہیں یعنی میں منزل کو سنگِ راہ سمجھتا ہوں ۔ میں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو منزل کو منزل نہیں سمجھتا اور ایک نئی منزل کے لیے رواں دواں ہو جاتا ہوں ۔ زندگی سکون و ثبات کا نام نہیں حرکت و عمل کا نام ہے۔جناب اقبالؒ کی سوچ کا و یہ ادراک تھا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کیسے ختم کی جا سکتی ہے۔اِس مقصد کے لیے انھوں نے مردِ مومن کو یہ سبق دیا ہے کہ جس کو تو منزل سمجھ رہا ہے یہ تو پڑاؤ ہے منزل نہیں ہے یہ حیات سکوت کا نام نہیں ، یہ زندگی تو حرکت کا نام ہے اِسی لیے علامہؒ اپنے مقصد سے اتنی لگن رکھتے ہیں کہ وہ ستارون سے آگے جہاں اور بھی ہے کا پیغام دیتے ہیں۔ اقبالؒ کے ہاں مایوسی کا دور دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں اقبال بندۂ مومن کو عقلی تقاضوں سے بہت آگے عشق کے میدان میں لے جاتے ہین وہ کہتے ہیں کہ عشق ہی تمھاری منزل ہے۔ حتیٰ کہ جنابِ اقبالؒ یہاں تک پکار اُٹھے ہیں کہ وہ انسان کو یہ بتلاتے ہیں کہ کیونکہ تیرے اندر عشق کی وجہ سے سوز و گداز ہےاِس لیے فرشتے آسمانوں کے باسی ہونے کے باوجود انسان کی قسمت پر رشک کر رہے ہیں۔ اقبالؒ کے خیالات یہ ہیں کہ وہ عمل پر زور دیتے ہیں وہ گفتار کے غازی کی بجائے کردار کے غازی بننے کی تلقین کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت

بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم نے دُنیا میں عزت واحترام سے رہنا ہے تو پھر جنابِ حضرت امام حسینؑ کی طرح جہاد کرو اور ہمیشہ سچ کا ساتھ دو۔ قوموں کی زندگی میں لیڈرشپ کا بہت اہم کردار ہوا کرتا ہے۔ جس قوم میں اعلیٰ قومی قیادت موجود ہو اُس قوم کو ہر طرح کے خطرات سے نبرد آزما ہونے کی ہمت مل جاتی ہے۔ گویا قومی سطح پر قیادت ہی پوری قوم کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہوتی ہے ہر کس و ناکس کی رائے کا احترام کرنا بھی درحقیت لیڈرشپ کا کمال ہوتا ہے۔ موجودہ دور کو قحط الرجال کا دور کہا جائے تو بے جاء نہ ہوگا۔ اب جب جناب جاوید اقبالؒ اِس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں وہ علم و عمل کے پیکر تھے۔ اور پاکستانی قوم کو یتیم کر گئے ہیں۔ اللہ پاک اُن کی مغفرت فرمائے اور اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور حضرت اقبالؒ کی نسبت سے میرا رب پاک اُنکی دنیاوی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ اقبالؒ تیرے شہر میں کہرا مچا ہے۔ نور چشم اقبالؒ جناب جاوید اقبالؒ ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

غازی علم دین شہیدؒ اور اب غازی ممتاز قادری

شاید تاریخ پھر سے خود کو دھرانا چاہتی ہے کہ نبی ﷺ کے عاشقوں کی شہادتوں والی فہرست میں ایک اور رسول ﷺ کے عاشق کا نام شام ہو جائے۔اِسی لیے عدالت عظمیٰ نے اپنے فیصلے میں ممتاز قادری کی سزائے موت کی سزا کو بحال رکھا۔ اور دہشت گردی کی دفعات کو بھی دوبارہ بحال کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ممتاز قادری اگر نبی پاک ﷺ کی محبت سے سرشار ہے تو پھر سزائے موت کے خلاف اُنھوں نے اپیل کیوں کی۔ یہ ہی الزام غازی علم دین شہیدؒ کے اوپر لگایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ غازی علم دینؒ کا عشق اُن کو پھر اپیل کرنے سے کیوں روک نہ سکا۔ در حقیقت بات یہ ہے کہ ممتاز قادری کے چاہنے والوں نے نبی پاک ﷺ کی محبت میں سرشار عوام نے ممتاز قادری کواپیل کے لیے بمشکل آمادہ کیا اِیسی صورتحال ہی غازی علم دین شہیدؒ کے ساتھ محبت کرنے والوں کی تھی۔ کہ قائدِ اعظمؒ جیسا عظیم قانون دان اُن کی جانب سے پیش ہوا تھا۔ ممتازی قادری کے معاملے میں ہمیں کچھ سوالات کا جواب چاہیے ہوگا۔ جب ممتاز قادری نے یہ عمل کیا کیا کہ اُس وقت تک ریاست نے اُس شخص کے خلاف کوئی کاروائی کی تھی جو کہ سرعام توہین رسالت کے قانون کا مذاق بنا رہا تھا۔اور اُس خاتون کو پاس بٹھا کر پریس کانفرنس کر رہا تھا کہ یہ کالا قانون ہے اور جرم کی مُرتکب خاتون آسیہ بی بی بے گناہ ہے۔ کیا

سلمان تاثیر عدالت لگائے بیٹھا تھا کہ وہ بطور جج اِس طرح کا فیصلہ سنا رہا تھا۔ اور پھر سلمان تاثیر نے یہاں تک کہا تھا کہ وہ زرداری سے ملاقات کرکے اِس خاتون کو ملنے والی سزا ختم کروادے گا۔ اب اگر ہم بطور مسلمان اپنے عقیدے کو دیکھیں تو ہمارا اِس بات پر راسخ ایمان ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ کائنات میں صرف ایک ہستی ایسی ہے کہ جس کی عزت وحرمت اور مقام کے حوالے سے خالقِ کائنات خود نبی پاک ﷺ کی شان کے دُشمنوں کو وعید سناتا ہے۔ اور جس وقت بھی نبی پاک ﷺ کی ذات پاک کو ایذا پہنچائی گئی رب پاک نے خود اِس حوالے سے اپنا فرمان جاری کیا۔ نبی پاک ﷺ کی عزت وحرمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور ایسا کرکے مومن مسلمان اپنے رب کی سُنت ادا کرتا ہے۔ جو رب یہ کہتا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر میں تمھیں پیدا نہ کرتا تو کچھ بھی پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے وجود کا اظہار نہ کرتا۔ نبی پاک ﷺ کی عزت وحُرمت کی حفاظت کے حوالے سے ایک مسلمہ قانون جس پر تمام مسلمان پر مکمل طور پر متفق ہیں اور وہ اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کے لیے ایک ہی سزا ہے کہ اُن کا سر تن سے جُدا کردیا جائے۔ جو رب اپنے پیارے محبوب ﷺ کی شان مبارک کے حوالے سے اِس طرح مخلوق سے مخاطب ہے کہ اپنی آوازیں تک بھی نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو، کہیں تمھارے تمام اعمال ضائع نہ کردیئے جائیں۔ جو رب اپنے محبوب ﷺ کو کہتا ہے کہ

بے شک تمھارا دُشمن بے نام ونشان رہے گا۔جس طرح کی شخصیت نبی پاک ﷺ کی ہے اُس لحاظ سے اُن ﷺ کی عزت و تکریم کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔
حضرت عمر فاروقؓ نے اُس شخص کا سر تن سے جدا کر دیا جس نے یہ کہا تھا کہ میں نے نبی پاک ﷺ سے فیصلہ کروایا ہے جو کہ مجھے پسند نہیں ہے آپؓ میرا فیصلہ فرمادیں۔
عمر فاروقؓ نے ایسے شخص کی جان لے لی جو کہ نبی پاک ﷺ کے بطور جج کیے گئے فیصلے تعزیزاتِ پاکستان کی شق کا جائزہ لیں تو یہ بات ظاہر C کو مان نہیں رہا تھا۔اگر ہم 295 ہے کہ نبی ﷺ کی ناموس کے خلاف بولنے والوں کو سزائے موت کا حکم ہے۔پاکستان میں تمام فقہ کے ماننے والے مسلمان اِس بات ہر متفق ہیں کہ سلمان تاثیر کا جو رد عمل تھا اگر تو ریاست اِس حوالے سے اپنا کردار ادا کرتی تو پھر تو بات یہاں تک نہ پہنچتی۔جس عمل کے حوالے سے حضرت اقبالؒ نے غازی علم دین شہید کے لیے بھرپور تحریک چلائی۔اُس کام کو خلاف دین خلاف قانون کیسے کہا جاسکتا ہے۔ مجلس ملی شرعی جس میں تمام مسالک کے بلند پایہ علماء شامل ہیں نے متفقہ طور پر ممتاز قادری کی حمایت کی ہے۔جو عمل 1929 کو غازی علم دین کی سزا کے حوالے سے درست تھا اُس وقت تو انگریز متحدہ ہندوستان پر براجمان تھا اب وہی موقف غلط کیسے کہ ممتاز قادری کو سزائے موت۔ انگریز جج اور پاکستانی ججوں کے اوال افعال میں اتنی یکسانیت خدا کہ پناہ جس معاشرئے میں انصاف ملنے سے پہلے مظلوم مرجاتا ہے اُس معاشرئے کے جج صاحبان کو غازی ممتاز کے معاملے میں قانون کی بالادستی کا

خیال کھائے جارہا ہے اور اِن بدبختوں کو نبی پاک ﷺ کی عزت و توقیر کی کوئی پروا نہیں۔ جو عدالتیں ریمنڈ ڈیوس جیسے سفاک قتل کو معاف کر سکتی ہیں اُن کو واقعی یہ حق ہے کہ وہ انگریز کی پیروری کرتے ہوئے غازی علم دین شہیدؒ کی طرح ممتاز قادری کو بھی پھانسی کی سزا دیں۔

اشرافیہ بمقابلہ اشرافیہ۔لاہور میں ایاز صادق اور علیم خان کا الیکشن

لاہور میں گیارہ اکتوبر 2015 کو ہونے والا ضمنی الیکشن بہت سے سوالات چھوڑ گیا۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ الیکشن کمیشن پھر سویا رہا کہ بینرز اور ٹرانسپورٹ پہ کروڑوں روپے خرچ کیے گئے۔دوسری بات یہ ہے کہ ایاز صادق نے اِس الیکشن میں جو کامیابی حاصل کی ہے وہ کوئی زیادہ خوش فہمی میں نہ رہیں۔ لاہور جسے ن لیگ اپنا گڑھ کہتی ہے وہاں صرف چند ہزار ووٹوں کی برتری سے ن لیگ کا فتح حاصل کرنا درحقیقت ن لیگ کی شکست ہی ہے۔صوبائی و وفاقی حکومت کی حمایت بھی سردرا ایاز صادق کی ووٹوں میں کمی کا باعث بنی۔جو حالات و واقعات حلقہ کے دیکھنے میں چند دنوں سے نظر آرہے تھے اور الیکشن کے دن مجھے حلقہ میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ علیم خان کے خلاف کی گئی مہم کے وہ لینڈ مافیا ہے اور عمران خان نے اپنی سیٹ اُسے دےئ کر اپنی جان چھڑائی ہے۔اِس وجہ سے بھی اور ایاز صادق کے حوالے سے بھی لوگوں کی جو رائے سننے کو ملی ۔ میری اِس رائے کو پی ٹی آئی والے اور ن لیگ والے دل کو نہ لگائیں ۔میں نے جو محسوس کیا ہے اور جو دیکھا ہے وہ بیان کردیا ہے۔ ہاں ایک بات یہ ہے کہ تبدیلی آچکی ہے اِس الیکشن میں کڑوروں روپے لگے ہیں جو کہ عام پاکستانی نہیں لگا سکتا۔ ایسا علیم خان اور ایاز صادق کے لیے ہی ممکن ہے۔

الیکشن کمیشن سویا ہوا ہے کہ الیکشن میں اتنا زیادہ پیسہ لگا ہے۔ واقعی تبدیلی آچکی ہے۔جس انداز میں پی ٹی آئی نے اپنی بھرپور الیکشن مہم چلائی وہ واقعی ہی صرف علیم خان جیسا شخص ہی چلا سکتا ہے روپے پیسے کا بے دریغ استعمال ۔الیکشن کمیشن کی جانب سے بے حسی کی انتہا ہے۔ن لیگ کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ایک تو وہ صوبائی سیٹ ہار گئے اور نواز شریف کے بہت ہی قریبی عزیز عین وسطی شہر میں شکست سے دوچار ہوئے۔ جتنی محنت اور وسائل کا استعمال دونوں حکمران جماعتوں کی طرف سے ہوا یاد رہے کہ پی ٹی آئی بھی تو ایک صوبے میں حکمران ہے۔بات وسائل کی ہو رہی تھی۔ جس طرح بے دریغ پیسہ خرچ ہوا۔ بلند و بانگ دعوے کیے گئے۔ غریب عوام کو تماشا بنایا گیا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غریب عوام کیوں تماشا بنتی ہے تو جناب اِس کا جواب یہ ہی ہے کہ اشرافیہ نے کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا عوام کے لیے اِس لیے خوب لاہور میں عوام کو تنگی کا ناچ نچایا گیا۔ سیاسی درجہ حرارت اتنا بڑھا کہ عوام آپس میں ہی دست گریبان ہوئے۔ علیم خان نے جتنا مرضی خرچ کیا ہو لیکن وہ پورا دنیا میں مشہور ہو گیا ۔اِسی طرح ایاز صادق کی جانب سے بھی وزراء کی ٹیم اور حکومتی ادارے متحرک رہے۔جہاں بھی کچھ ہٹ رہا ہوتا ہے جنابِ شیخ آف راولپنڈی وہاں پہنچ جاتے ہیں ۔لیکن جہاں جہاں جناب شیخ خطاب فرماتے ہیں پی ٹی آئی کا نقصان ہی کرتے ہیں۔پی ٹی آئی کے حامی نوجوان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے بوسیدہ نظام سیاست کے خاتمے کے لیے آواز اُٹھائی ہوئی ہے

لیکن عمران خان کی الیکشن جیتنے کی خواہش نے وہ اصول توڑ ڈالے ہیں جن کے علمبر دار
بن کر وہ اُبھرے تھے۔ پی ٹی آئی میں بھی اُس طرح کے جاگیر دار وڈیرے ق لیگی،
زرردرای لیگی سیاستدان براجمان ہوُچکے ہیں جس طرح کے لوگ ن لیگ کے پاس بھی
تھوک کے حساب سے ہیں۔اِس لیے اگر یہ کہاں جائے تو بے جاء نہ ہوگا کہ جس صبح کا
انتظار نوجوانوں کو ہے اُس کی باگ دوڑ اُنھی سیاستدانوں کے ہاتھ میں ہے جن سے وہ
چھٹکارا چاہتے ہیں۔ گو حالیہ کنٹونمنٹ اور گلگت بلتستان کے انتخابات میں ن لیگ کی
الیکشن میں کامیابی کا تناسب بہت زیادہ ہے لیکن لاہور میں چند ہزار ووٹوں سے ایاز
صادق کا جیتنا کوئی کامیابی نہیں ہے اور صوبائی سیٹ میں نواز شریف صاحب کے رشتے
دار کا ہارنا پی ٹی آئی کی بہت بڑی کامیابی ہے۔اِس الیکشن میں پی پی کے جناب بیرسٹر
عامر حسن بھی تھے جن کو شائد ووٹروں نے پہچانا نہیں۔ یوں پیپلز پارٹی کا صفایا نوشتہ
دیوار ہے۔ زرداری اور منظور وٹو صاحب کو پیپلز پارٹی کی قیادت سے کنارہ کش
ہو جانے چاہیے کیونکہ لگ یہ ہی رہا ہے کہ آئندہ الیکشن میں صرف ن لیگ اور پی ٹی آئی
ہی ہوگی۔ اللہ پاک میرے وطن کا حامی و ناصر ہو۔

نبی ﷺ کی دعا۔ عمر فاروقؓ

تاریخ اسلام ایسی شخصیات کے اذکار سے مزین ہے جنھوں نے اپنی نبی پاک ﷺ کے کہنے پر رب کے خاص بندئے ہونے کا حق ادا کر دیا۔ نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ اکرامؓ کی ایک ایسی جماعت تیار فرمائی جنھوں نے پوری دنیا کو انسانیت سکھائی۔ انسانیت سکھانے کے لیے نبی پاک ﷺ نے اپنے غلاموں کی جس طرح تربیت فرمائی اُس کا پھر نتیجہ یہ تھا کہ قیصر وکسریٰ کے ایوان لرز اُٹھے ۔اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات کا جائزہ لیں تو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کی شجاعت پہلی قسم کی ہے اور سیدنا عمر اور علی رضی اللہ عنہما کی دوسری قسم کی۔ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی اور منکرین ختم نبوت اور منکرین زکوۃ کے مقابلے میں جہاد کے معاملے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسے اعتماد کا مظاہرہ کیا جس کی تعریف حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر انسان نے کی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود پر حملہ آور ہونے والوں کے مقابلے میں انتہا درجے کے ضبط نفس کا مظاہرہ کیا۔ حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما کی شجاعت تو اتنی واضح ہے کہ وہ کسی بیان کی محتاج نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو قوت میں یہ فرق پڑا کہ وہ جو نیک کام پہلے چھپ چھپا کر کیا کرتے تھے، اب کھلے عام کرنے لگے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت غزوہ خندق میں کھل کر سامنے آئی جب انہوں نے عمرو بن عبد ود جیسے جنگجو کو قتل کیا جو اپنی جنگی مہارت کی بنا پر عرب میں ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا ہے۔ اسی طرح خیبر کے قلعے کی فتح میں آپ کا کردار شجاعت کی تابناک مثال ہے۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شجاعت کے مختلف اوصاف پائے جاتے تھے۔ ان میں سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابو عبیدہ، سیدنا خالد بن ولید، سیدنا عمرو بن عاص، سیدنا سعد بن معاذ، سیدنا اسید بن حضیر، سیدنا سعد بن عبادہ، سیدنا زید بن حارثہ، سیدنا جعفر طیار، سیدنا عبداللہ بن رواحہ، سیدنا قعقاع بن عمرو، سیدنا عکرمہ بن ابو جہل اور سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم کی شخصیات نمایاں ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بطنِ مبارک سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جنم لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن میں حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ سیدہ اُمِ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ سے ہوا، جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رسول اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔ ان کے بطن مبارک سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔

اس لیے سیدہ امِ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نواسی یا نواسی کی بیٹی نہیں ہیں۔ شرعاً اس نکاح میں کوئی روکاوٹ نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں حضرت امِ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما، سیدنا عمر فاروق کی محرم نہیں بنتیں۔1۔ مہاتما گاندھی جی نے 1935ء میں ایک تقریر کی جو اخبار "Young India" میں شائع ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ "آؤ حضرت عمرؓ کی مثالی زندگی کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ ایک وسیع و عریض سلطنت کے فرمانروا تھے لیکن ایک مفلس کی طرح زندگی گزارتے تھے" اسی طرح 27 جولائی 1937 کو بمقام پونہ (انڈیا) میں دوران تقریر انہوں نے کہا کہ "سادگی ارباب کانگرس کی اجارہ داری نہیں۔ اس حوالے سے میں رام چندر جی اور کرشن جی کا حوالہ نہیں دے سکتا۔ میں مجبور ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لوں۔ وہ عظیم انسان تھے۔ وسیع علاقہ پر حکومت کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے"۔ 2۔ ہندوستان کے ایک انقلابی مصنف ایم۔ این رائے جو کہ اشتراکیت کے بہت بڑے داعی تھے اپنی کتاب "Historical Role of Islam" کے صفحہ نمبر 6 پر لکھتے ہیں۔ "سلطنت روم کی داغ بیل اگستس نے ڈالی تھی۔ سات سو سال کی فتوحات کے بعد ایک عظیم سلطنت بنی۔ لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں چند سالوں میں قائم ہونے والی اسلامی سلطنت کے چند حصوں کے برابر بھی نہ تھی۔ ایرانی سلطنت ایک ہزار سال تک رومیوں کے سامنے ڈٹی رہی لیکن (حضرت عمرؓ کے زمانے میں) خلفائے اسلام کے سامنے انہیں اپنا سر جھکانا پڑا" آگے چل کے وہ لکھتا

ہے کہ ”اسلام کے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے بیت المقدس میں فاتحانہ داخلے کا منظر یہ تھا کہ مدینہ طیبہ سے شام تک کا سفر اپنے غلام کے ہمراہ ایک اونٹ پر کرتے ہیں۔ جس پر شاہانہ سامان کی کل کائنات اونٹ کے کھردرے بالوں کا ایک خیمہ۔ ستو، جو اور کھجوروں کا ایک تھیلہ۔ پانی کیلئے مشق اور ایک پیالہ تھا“ 3۔ ایک انگریز سکالر John Denham Parsons اپنی کتاب ”Our son god or Christanity before Christ“ ((ہمارا فرزندِ خدا یا عیسائیت قبل از مسیح، مطبوعہ لندن 1895)) کے صفحہ نمبر پچیس اور چھبیس پر لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ عظیم شخصیت کے مالک اور فیاض تھے۔انہوں نے 637ء میں بیت المقدس فتح کیا۔ اس موقع پر ان کا طرز عمل عادلانہ اور کریمانہ تھا۔ عیسائیوں نے یوروشلم کو صلیبی جنگوں کے نتیجے میں 1099ء میں فتح کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں کو بھی وحشیانہ مظالم کا نشانہ بنایا۔ چھٹی صدی کے مسلمان گیارویں صدی کے عیسائیوں سے زیادہ شائستہ اور مہذب تھے۔ ان صدیوں کے درمیانی عرصہ کے دوران جن لوگوں نے سائنس اور تہذیب و تمدن کو درخشان وتاباں رکھا وہ عیسائی نہیں بلکہ مسلمان تھے“ (یہ اور چند دیگر حوالہ جات بحوالہ ضیائے حرم فاروق اعظم نمبر صفحہ نمبر 383-385) 4۔ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کے صفحہ نمبر 563 پر اور 1907 کے ایڈیشن کے صفحہ نمبر 586 پر 1888 کے عنوان سے درج ہے کہ ”حضرت عمر دس سال تک“Muhammadanism” مسلمانوں کے خلیفہ رہے۔ امور سلطنت پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ انہوں نے اپنے نبی ﷺ کی

تابعداری کا حق ادا کیا۔ وہ خود مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر امور سلطنت چلاتے لیکن ان کے دور میں وسیع و عریض فتوحات ہوئیں۔ ان کی شخصیت سحر انگیز اور طاقت ور تھی۔ انہوں نے قانون کی حکمرانی کو رواج دیا''5۔ واشنگٹن ارون (Washington Irving) ایک امریکی مصنف ہے۔ اپنی کتاب "Lives of Successors of Muhammad PBUH" میں لکھتا ہے کہ حضرت عمر کی سیرت بتاتی ہے کہ وہ ایک عظیم انسان تھے جنہیں قدرت نے خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ عدل و انصاف کرنے والے تھے۔ وہ اسلامی فلاحی ریاست کے بانی ہیں۔ انہوں نے ایک بہت بڑی سلطنت پر قانون کی حکمرانی قائم کی''۔6۔ سر ولیم میور اپنی کتاب "The Caliphate, its rise, decline and fall" کے صفحہ 190 پر لکھتے ہیں۔ ''حضرت عمرؓ کی زندگی کے چند گوشے یہ ہیں۔ سادگی اور فرائض کی انجام دہی پر آمادگی ان کے دو راہنما اصول تھے۔ آپ کے نظم و نسق کے دو بہترین جوہر غیر جانبداری اور اخلاص تھے۔ آپ کا نظام عدل و انصاف بہت مضبوط تھا۔ سپہ سالاروں اور گورنروں کی تعیناتی میں آپ انصاف پسند تھے۔ کسی طرح کی رو رعایت سے آپ کا مزاج پاک تھا۔ آپ کا دل رقیق اور شفیق تھا جبکہ آپ کی دہشت سے مجرم کانپتے تھے۔ یہ حقیقت ان گنت شواہد پر مبنی ہے۔ بیوہ عورتوں اور یتیموں کی دستگیری کرتے۔ ان کے دکھ درد کو دور کرکے سکھ کا اہتمام کرنا آپ کا نصب العین تھا۔ ان حقائق کے ثبوت کیلئے ایک مثال کافی ہے۔ قحط کا زمانہ تھا۔ دوران گشت آپ کی نظر ایک غریب عورت اور اس کے بھوک سے روتے بچوں پر پڑی۔ کیفیت یہ تھی

کہ آگ جل رہی تھی۔ بچے ارد گرد بیٹھے تھے اور کھانے کیلئے کچھ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ تیزی سے خود چل کے قریب کی بستی میں گئے۔ کچھ کھانے پینے کا اہتمام کیا۔ واپس آ کر خود گوشت پکایا اور اپنے ہاتھوں سے بھوکے بچوں کو کھلایا۔ جب بچے کھا پی کر ہنسنے اور کھیلنے میں مصروف ہو گئے تو پھر حضرت عمر وہاں سے تشریف لے گئے"

اتنا تصور اگر ہم کر لیں کہ وہ ہستی جو وجہ تخلیق کائنات ہیں یعنی سرور کائنات نبی پاک ﷺ وہ اپنے رب سے عمر فاروقؓ کو مانگ رہی ہیں تو مطلب صاف واضح ہے کہ عمر فاروقؓ کو اللہ پاک نے اسلام کی مضبوطی کے لیے چن لیا تھا اور یوں عمر فاروقؓ نے مرادِ رسول ﷺ ہونے کا حق ادا فرما دیا۔

سابق وزیر خارجہ خورشید قصوری کی بھارت میں قائد اعظمؒ کیخلاف ہرزہ سرائی

دو قومی نظریہ مسترد، قائد اعظم قیام پاکستان کے مخالف تھے ۔گاندھی اور جناح نے ہندوستان کو متحد رکھنے، تقسیم سے بچانے کی خاطر اجتماعی جدوجہد کی تحریک انصاف کے رہنما اور سابق وزیر خارجہ خورشید قصوری نے بھارتی خوشنودی کیلئے 2 قومی نظریہ بھلا دیا بھارت میں بیٹھ کر قائد اعظم کیخلاف ہرزہ سرائی کردی بھارتی اخبار ٹائمز آف انڈیا کے مطابق پاکستان کے سابق وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری نے 2 قومی نظریہ مسترد کرتے ہوئے کہا گاندھی اور قائد اعظم کی کوششیں بارآور ثابت ہوتیں تو تقسیم برصغیر کی نوبت کبھی نہ آتی اور متحدہ ہندوستان ہی ہوتا۔ان خیالات کا اظہار انہوں نے منگل کے روز ممبئی میں مہاتما گاندھی کے مانی بھون میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔انہوں نے کہا کہ برصغیر کی تاریخ یکسر مختلف ہوتی اگر مہاتما گاندھی اور قائد اعظم کی ہندوستان کو متحد رکھنے کی کوششیں بارآور ثابت ہوتیں انہوں نے کہا گاندھی اور جناح دو عظیم رہنما تھے جنہوں نے ہندوستان کو متحد رکھنے اور تقسیم سے بچانے کی خاطر اجتماعی طور پر جدوجہد کی انہوں نے کہا دونوں رہنماؤں نے 18 دنوں تک مسلمانوں اور ہندوؤں کو متحد کرنے اور دوستانہ تصفیہ کیلئے کوششیں کیں وہ اپنی کوششوں میں ضرور کامیاب ہوجاتے لیکن قائد اعظم نے مصلحت کی خاطر

کابینہ مشن پلان 1946 کو قبول کرلیا۔جو لوگ پاکستان میں رہ کر بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں اور پاکستان کے وجود پر انگلیاں اُٹھاتے ہیں۔اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ قصور پر پاکستان کی تخلیق کا نہیں قصور اِن حکمرانوں کا ہے جو اِس ملک کو گدھ کی طرح کھا رہے ہیں۔ نظریہ پاکستان کی مخالفت کرنے والوں کے منہ پر مودی کا پاکستان توڑنے کا اعتراف ایک زناٹے دار تھپڑ ہے۔ میری ذیل کی تحریر نظریہ پاکستان کی حقانیت کے حوالے سے ہے اسلامیہ جمہوریہ پاکستان ، ایک مخصوص نظرئے کی بنیاد پر معرض وجوڈ میں آیا تھا اور وہ نظرئیہ تھا، نظرئیہ پاکستان ۔۔برِ صغیر میں دو قومی نظرئے کی کوکھ سے ابھرنے والا نظریہ دراصل اپنے تمام معانی، مصادر منابع کے نقطہ نظر سے نظرئیہ قرآن اور نظرئیہ اسلام ہے۔ کیونکہ تحریک پاکستان کے مراحل کے دوران اسلامیان ہند نے جو نظریاتی نعرہ بلند کیا تھا وہ تھا پاکستان کا مطلب کیا لاالہٰ ا لااللہ۔پاکستان عالیشان کا وجود باسعود ، ایک مرد قلندر ، مرد حریت اور مرد ایمان اور مرد امتحان ، حضرت قائدا عظمؒ ، کی محنت شاقہ کی بدولت ہوا۔ حضرت علامہ اقبالؒ کی روحانی اور ایمانی الہامی شعری کاوشوں نے اپنا رنگ دکھیا اور انہوں نے.برصغیر کی غلامی میں پھنسی ہوئی مسلمان قوم کو احساس تفاخر ور خودی کی بیداری کاپیگام دے کر انہیں آزقدی کے اوج ثریاتک پہنچانے کیلئے اپنا خون جگر عطاکیا۔ علم و عقل میں اگر تضاد اور تصادم رہے گا توظاہر ہے کہ اس بنی ہوع انسان میں انتشار اور تخریب کا ، باعث بنے گا

اور بالآخر قومی زوال کا پیش خیمہ۔ خدائے بزرگ و برتر نے اُن افراد کو یہ اعزاز عطا فرمادیا۔ جنھیں دائرہ اسلام نے اسلام میں داخل ہونے کا شرف نصیب ہوا، وہ افراد دنیائے انسانیت کے خوش قسمت ترین انسان ہیں جنھیں حضور اکرم ﷺ کے یک امتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دین اسلام نے مسلمانوں کے قلوب و ارواح میں جس فلسفہ توحید کو موجزن اور مرتسم کیا ہے، اُس سے ان میں فکری وحدت، تہذیبی ہم آہنگی، دینی حریت ور نسانی سطح پر احساس تفاخر کی تخلیق ہوئی۔ جب قلوب و اذہان میں تصور توحید جلوہ گر نہ ہو انسان کی شخصیت میں وحدت پیدا نہیں ہو سکتی، ظاہر ہے کہ مسلمان ایک باری تعالیٰ جو وحدہ لاشریک ہے اس پر پختہ ایمان و ایقان رکھے گا، تو جب ہی اپنے ندر بھی وحدت پیدا کرے گا۔ اس تمام فلسفہ حیات کا منبع، ماخذ، روح، اساس، سرچشمہ اور بنیاد قرآن الحکیم ہے۔ اس نظریۓ کو قرآن کی تعلیمات اور حکام کے پیش نظر مجدد الف ثانیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ اور دوسرے اولیائے کرام اور مجتہدین قابل صد احترام نے اسی نظریۓ کو اپنے خون جگر سے سینچا اور روحانی کمالات سے اس عظیم عمارت کی بنیادوں کو استحکام سے ہمکنار بھی فرمایا۔ انہی بابرکت اور روحانی شخصیات کی تعلیمات مقدسہ نے حضرت علامہ اقبالؒ اور حضرت قائد اعظمؒ کے افکار ملہ اور قومی نظریات، دینی، اسلامی، قومی امنگوں کا رنگ بھر دیا تھا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اسلامیان ہند کو پیغام خودی دیا۔ انہیں انتشار و نکبت سے جگایا او ایک قوم کی شکل میں متشکل کر دیا۔

حضرت قائد

اعظمؒ نے اسلامیان ہند کو اپنی تقاریر، خطابات، اور علمی اور قانونی نظریات وارشادات کی روشنی میں انگریزوں اور ہندوؤں کی استعمار پسندانہ اور تشدد آمیز رویوں سے آگاہ کرتے رہے اور انہیں اپنی اسلامی اقدار و روایات اور تاریخ کی روشنی میں تیار رہنے کی ہدایت کرتے رہے۔ حضرت قائدا عظمؒ نے اسلامیان ہند کے قلوب واذہان میں آزادی کی جو لو لگائی وہ الاؤ بن کر سامنے آئی اور پاکستان دنیائے انسانیت کے نقشے پر بڑی شان وشوکت کے ساتھ ظہورپزیر ہوا۔ قرآن حکیم نے استفسار فرمایا: خدا تعالٰی نے تم سب کو تخلیق فرمایا' پھر تم میں سے ایک گروہ نے بلند و بالا اور عالمگیر انسانیت سے انکا کر دیا' اور دوسرے گروہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ ((2/64 یہی وہ انسانیت کی تفریق اور امتیاز کا میعار ہے جو قرآن حکیم انسانوں کے لیے پیش کرتا ہے۔ اسی کے مطابق دو اقوام واضح ہوتی ہیں ایک دوسری غیر مسلم ۔ایک مومن اور دوسری کافر یہی وہ فلسفہ فکر نظر تھا کہ حضرت نوحؑ اپنے سے الگ ہو گئے ۔ حضور پاک ﷺ کی مجلس شوریٰ میں کبھی کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ علیم اجمعین کی مجلس شوریٰ اور پارلیمان میں کوئی غیر مسلم کا داخل نہ تھا۔ بلکہ کافر یا غیر مسلم، ملت اسلامیہ کا ف رد ہی نہیں تھا لہذا اسلام اور قرآن کے نزول کے ساتھ ہی بنی انسان دو مختلف نظریات اور حتمی طبقات میں تقسیم ہو گئے۔ ایک نظریہ ایمان نہ لانے والوں کا۔ چنانچہ اولاد آدم دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی شرار بولہبی ایک جانب اور چراغ مصطفٰی ﷺ

دوسری جانب ، اس نظریے نے خون اور حسب و نسب کی نفی نھی کردی ۔ برادری، قبیلے اور ذات پات کو ملیا میٹ کرکے رکھ دیا۔ اس کی بہترین مثال جنگ بدر اور جنگ اُحد ہے جس میں نبی الزماں حضور اکرم ﷺ دوسرے صحابہ کرام کے قریبی رشتہ دار دشمن کے صف میں براجماں تھے، چنانچہ قرآن نے کافروں اور منافقین کے ضمن میں ملت اسلامیہ کو بڑی سختی سے متبنہ کیا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے نظریہ پاکستان کا آغاز، تشکیل ، اور تراویح برصغیر میں اس وقت ہوئی جب مسلمانوں کو انتشار و افتراق اور زوال و انحطاط کا سامنا کرنا پڑا اور ہندوں کی اصل فطرت کے شاہکاروں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مظالم کا گھناونی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بالخصوص 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد کی بڑی دلدوز داستان ہے، جسے غربی اور شرقی مفکرین و مصنفین نے خوب بیان کیا ہے یہ اپنے طور پر ایک طویل داستان ہے۔ مولانا ابولکلام آزاد کی کتاب india wins freedom ولیم ہنٹر کی کتاب indian mussalmans عبدالوحید خان کی کتاب تقسیم "ہند" اور ان کی دوسری کتاب " مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ" کالنز اور لاپیئر کی کتاب 'freedom at midnight' اور پروفیسر منور مرزا کی کتاب Dimension of Movement اور دیوار" برہمن" کا مطالعہ کرلیں۔ ان شنکروں ، دیالوں ، بگوپالوں ، مہاجروں، ساہنیوں ، دھوتی پرشادوں ، چٹیا گھنٹانوں، ایڈانیوں ، ملکانیوں، مشراوں، بال ٹھاکروں، من موہنوں اور بڑے بڑے مہاپرشوں نے اسلام ، پاکستان ، نظریہ پاکستان دو قومی نظریہ اور مسلمان

دشمنی میں کسر اٹھا رکھی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ ہمارے سابق مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے غدار سیاستدانوں نے ہماری تاریخ اسلام کو مسخ کر کے دیا۔ جو ایمانی اور ایقانی روح سے محروم تھے۔ جو قرآنی جرات واستقامت سے سرمایہ دارانہ تھے۔ ہمارے جسم کا ایک بازو کٹ گیا چنانچہ اندرگاندھی نے زور خطابت کے نشے میں یہ کہا" آج ہم نے دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے، ہم نے ایک ہزار سال کا بدلہ لے لیا ہے۔ لیکن ہم نے اندراگاندھی اور ان کے مخلص چیلوں چانٹوں اور حواریوں اور ان کے حاشیہ برداروں کو اسی وقت باور کرا رہے ہیں اور کراتے رہیں گے کہ جب تک ایک مسلمان بچہ بھی برصغیر پاک و ہند میں زندہ ہے اسلام اور کفر کی جنگ جاری رہے گی، اسلام کا جھنڈا موجود رہے گا، اس جذبہ محرکہ کو جس تصور، خیال، اصول، جابطے یا نقطہ نظر نے تخلیق کیا اسے نظریہ پاکستان کا نام دیا گیا۔ جسے انگریزی کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت قائداعظم 1944ء میں Iddeology of pakistan میں مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا" آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی۔ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کی وجہ نہ ہندوں کی تنگ نظری ہے۔ نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔ اور یہی دراصل مطالبہ نظریہ پاکستان کی ترجمانی کرتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تکلیف صرف اسلام سے ہے کیونکہ کسی غیر مسلم کے اسلام قبول کر لینے

کے بعد جس طرح اس کے زمین و آسمان بدل جاتےہیں وہ عجیب کیفیت ہے، اس کے خیالات و تصورات اس کے جذبات و احساسات اور انسانیت کے جملہ تمام اطوار یکدم وحدہ لاشریک کی ذات اقدس سے جڑ جاتے ہیں اور پھر اس کا رخ ممبئی کلکتہ اجودھیا دہلی اور بجنور سے مکہ اور مدینہ کی طرف ہو جاتا ہے اس روحانی اور دینی تبدیلی کی مسٹر گاندھی کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔ ان سے پہلے ہو گزرے مہاپرشوں کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی، ان مہا گرووں کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی، اور نہ ہی آسکتی تھی اور اب یہ کیفیت کا فرما ہے مسٹر گاندھی عجیب مکاریت و فریب کاری کے انداز گفتگو میں کہا کرتے تھے کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ایک سیدھا سادھا سا ہندو جب مسلمان ہو جاتا ہے تو دنگی، فسادی اور لڑاکا ہو جاتا ہے۔ دنگئی تو وہ ہو جائے گا جب اسے اپنے نظریے کی پاسبانی کرنا پڑے گی۔ دنگئی تو وہ ہو جائے گا، جب ناموس رسالت ﷺ پر خدانخواستہ حرف آئے گا۔ دنگئی تو لازمی ہو گا کہ جب وہ وحدہ لاشریک کی شان میں کوئی غیر قوم کا فرد گستاخی کا مرتکب ہوگا۔ قرآن پاک پر رکیک حملوں کا جواب تو پھر وہ پنی جان پر کھیل کر دے گا اور شہادت کے مقام اولیٰ کو مسکراتے ہوئے حاصل کرنا قاپنا دینی اور اسلامی فریضہ سمجھے گا۔ یہی وہ جذبہ اسلام ہے، یہی وہ قرآنی برکت ہے یہی وہ دو قومی نظریے کی بنیاد ہے۔ یہی دو قومی نظریہ اپنی روحانی معنویت اور اسلامی قومی نظریات و تصور کی شکل میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے نظریہ پاکستان کی شکل میں نمودار ہوا۔

پاکستان کی تخلیق میں لاکھوں اسلامیان ہند نے شہادتوں کا خون عطا کیا لاکھوں مسلمان عورتوں اور بچوں نے قربانیاں دیں، پاکستان کو انگریزوں اور ہندوں نے آسانی سے قبول نہیں کیا تھا۔ پاکستان انگریز نے طشتری میں رکھ کر پیش نہیں کیا تھا۔ تقسیم ہند نہ انگریزی بادشاہت کو پسند نہ تھی، نہ برطانوی پارلیمنٹ، نہ برطانوی حکومت ہند، نہ وائسرائے صاحبان، نہ انڈین نیشنل کانگریس، نہ مسٹر گاندھی، نہرو پٹیل اور راجگوپال اچاریہ وغیرہ، لارڈ مونٹ بیٹن جو آخری وائسرائے ہند تھا۔ اسے تقسیم ہند سے ویسے ہی چڑ تھی۔ جمیعت العلمائے ہند کی اکثریت مخالف چند اور اسلام پسند گروہ بھی قائداعظمؒ پر رکیک حملوں سے باز نہ آرہے تھے۔ اکثر مسلمان اکابرین جو کانگریس کے متاثرین میں سے تھے یہ تقسیم پسند نہیں فرمارہے تھے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی خاص طور پر شامل تھے۔ یہ حضرت قائداعظمؒ کی سیاسی صداقت اور ولولہ انگیز قیادت اور مومنانہ شان و شوکت کا اعجاز تھا کہ بڑے بڑے برج گرتے چلے گئے بڑے بڑے طوفان اپنی اپنی راہ لیتے رہے بڑے بڑے پہاڑ چکنا چور ہوجاتے رہے۔ اور وہ سرحدیں قیام پذیر ہوئیں جنھوں نے معرکہ بدر و حنین کی یاد دتازہ کردی ۔ یہ سرحدیں کچے دھاگے کی سرحدیں نہیں یہ اینٹوں گارے، سیمنٹ اور ماربل کی بنائی ہوئی دیوار نہیں ’’ لاالٰہ الااللہ محمد الرسول اللہ‘‘ کے اسلامی اور قرآنی نظریے اور ایمان پر قائم کردہ دیواریں ہیں ۔ جو قیامت تک قائم رہیں گی، حضرت قائداعظمؒ نے اسی

لیے قیام پاکستان کے بعد 30 اکتوبر 1947ء کو فرمایا تھا ہم نے پاکستان حاصل کر لیا کسی خونی جنگ کے بغیر امن کے ساتھ اخلاقی اور ذہنی قوت کے بل بوتے ، پر یوں ہم نے ثابت کر دکھایا کہ ہم سچے اور ہمارہ مقصد بھی سچا تھا، پاکستان اب ایک قطعی اور اٹل حقیقت ہے اسے کبھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں سبق مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا ذکر بے جانہ ہوگا، جب اندرا گاندھی (وزیر اعظم بھارت) نے یہ بیان بڑے فخر و تکبر اور فتح کے نشے میں دیا کہ آج ہم نے قومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا اور آج ہم نے ہزار سال کا بدلہ لے لیا۔ اب توجہ توجہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ کدس نے کس سے یہ بدلہ لیا اور خلیج میں ڈبو دیا، سگر ہم یہ کہیں کہ اندرا گاندھ نے کتنی غیر منطقانہ معصومیت مین بیان داغا تھا اس قابل رحم خاتون کو معلوم ہی نہیں کہ دو قومی نظریہ اور نظریۂ پاکستان کے اصل مفاہیم و مطالب اور ابدی توجیہات و تفاسیر کیا ہیں اسلام اور قرآن کی روشنی میں اگر ایک مسلمان بچہ بھی برصغیر میں زندہ ہے تو دو قومی نظریہ اپنی کامل جولانیوں کے ساتھ موجود ہے، نظریۂ پاکستان مکمل طور پر قائم ہے۔ اسلام کا جھنڈا موجود ہے۔ اگر نظریۂ پاکستان اپنی اصلی اور ازلی حقائق کے نقطہ نظر سے مقصود ہو گیا ہوتا تو بنگلہ دیش جسے آج ہم سابق مشرقی پاکستان کہتے ہیں ہندوستان کا کوئی باجگر حصہ بن چکا ہوتا لیکن ایسا ایسا نہیں ہوا وہ پاکستانی حضرات جنھیں پاکستان نے اعلیٰ ترین مقام سیاست و قیاست پر متمکن کر رکھا اب جلوہ افوذ ہیں، ژولیدہ، نظریاتی

علم سے عاری، تحرک پاکستان کے دلدوز لمحات و واقعات سے ناواقف، حضرت قائدِ اعظمؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ سے بغض، کینہ اور نفرت رکھنے والے ایسے قابل تعظیم افراد پاکستان کی کیا خدمت کر رہے ہونگے اور جنہیں بالخصوص قیامت کے روز حضرت قائدِ اعظمؒ کے حضور کیا جوابدہی دینا ہوگی۔ جو نظریہ پاکستان اور تخلیق پاکستان کے بارے میں مشکوک الایمان اور متزلزل عقائد کے علمبردار ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑی اور کوئی بد قسمتی نہیں ہے۔ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ پاکستان مشیت ارادی ہے، اور حضرت قائدِ اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ سات سات ولیوں کی قوت ایمانی والی شخصیات تھیں۔ اگر پاکستانی دانشوران کرام، اساتذہ کرام طلبہ وطالبات کبھی ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ مشرقی ہپاکستان کی علیحدگی میں اہم کردار ادا کرنے والوں کا کیا حشر ہوا وہ پاک و ہند کی سیاسی اور قومی تاریخ کے ابواب میں قیامت تک کھڑے عبرت نشان عبرت بن کر رہ گئے۔ اندرا گاندھی کا یہ حشر ہوا کہ اسے اپنے باڈی گارڈ نے گولیوں سے اڑا دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو اپنی ہم قوم فوج کے افسران نے گولیوں سے اُڑا دیا۔ جناب خورشید قصوری پاکستان میں رہ کر پاکستان کا کھا کر پاکستان میں جائیدادیں بنا کر پاکستان اور بانیِ پاکستان کے خلاف بول رہے۔ ہر شام پہ اُلو بیٹھا ہے۔

شہیدِ کربلا امام عالیٰ مقام حضرت امام حسینؓ کی شہادت دینِ اسلام کی تجدید

تاریخ انسانی بھی عجب اسلوب و انداز کی حامل ہے۔ جس وقت کوئی اندوہناک واقعہ درپیش ہوتا ہے اُس وقت یہ سمجھا جاتا ہے کہ شکست ہوئی ہے۔ ظلم ہوا ہے۔ طاقت کی فتح ہوئی ہے اور مظلوم کو شکست ہوئی ہے۔ یوں شکست کھانے والے کا نشان وقتی طور پر مٹ جاتا ہے اور شکست دینے والا غالب آ جانے کی وجہ سے اپنے وجود کو بچا لیتا ہے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد جب اُس واقعہ کے محرکات کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اُس کے نتائج و عواقب کو خالقِ کائنات کی طے کردہ کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے تو پھر شکست دینے والا تاریخ کے ہاتھوں شکست کھا جاتا ہے۔ اُسے لعن طن کی جاتی ہے ظاہری فتح کے باوجود وہ عبرتناک شکست کا شکار ہو جاتا ہے کہ پھر اُسے تاریخ کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہونا پڑتا ہے۔ یہی کیفیت اور اہمیت امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے حوالے سے تاریخ کے انوکھے باب کی ہے۔ لاکھوں پیغمبروں رسولوں کے بعد اور نبی پاک ﷺ سے دین کو مکمل کروانے کے بعد فوری طور پر دین کی تجدید کی ضرورت کیوں پڑی۔ اِس کا جواب بھی تاریخ ہی دیتی ہے کہ خالق نے جس دین کو نبی پاک ﷺ پر مکمل کیا اُس کی تجدید کی ذمہ داری بھی آپ ﷺ کے گھرانے کی قسمت میں لکھ دی گئی گو کہ آپ کے نواسے امام حسینؓ کو اِس راہ میں دیگر اہلِ خانہ کے ساتھ شہادت کے

مقام پر سرفراز ہونا پڑا لیکن نبی پاک ﷺ کے گھرانے نے قربانی سے دریغ نہیں کیا اور موت کو اِس طرح گلے لگایا کہ چند ماہ کے علی اصغرؓ نے بھی نبی پاک ﷺ کے دین کی آبیاری کے لیے اپنے خون کو پیش کیا۔ اِس طرح کی قربانی کے فلسفے کو سمجھنے کے لیے اطاعت رسول ﷺ، عشق رسول ﷺ کے سبق کو سمجھنا ہوگا۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت بھی درحقیقت اُنھی قربانیوں کا تسلسل ہے جس کا آغاز اللہ پاک کی وحدانیت کے پرچم کو بلند کرنے کے لیے ہمیشہ سے جاری و ساری ہے۔ اگر ہم عشق رسول ﷺ کے فلسفے کی اہمیت کو جان جاتے ہیں تو پھر کربلا کے میدان میں سجنے والی انوکھی مقتل گاہ کا فلسفہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے۔ دو شہزادوں کی جنگ کا بہتان لگانے والوں کی عقل پر جتنا بھی ماتم کیا جائے وہ کم ہے کہ جنگیں لڑنے کے لیے چند ماہ کے بچوں اور گھر کی خواتین کو ساتھ لے کر نہیں جایا جاتا۔ اور گھرانہ بھی وہ جن کے بابا نبی پاک ﷺ ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے گھرانے کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ جس طرح سلوک کربلا کی دھرتی پر ہوا وہ دھرتی خود شائد کبھی معاف نہ کرپائے گی لیکن دوسری جانب اِسی دھرتی پر بپا ہونے والا ظلم سچائی کے لیے مینارہ نور بن گیا۔ یقیناً کربلا کی دھرتی کے لیے یہ امر کسی اعزاز سے کم نہیں۔ اللہ پاک، نبی پاک ﷺ اور قران مجید کے پیغام کو ہمیشہ کے لیے دوام بخشنے کے لیے نبی پاک ﷺ کے گھرانے کو عظیم قربانی دینا پڑی۔ آیئے سرکار نبی پاک ﷺ کے حوالے سے ذکر خیر ہو جائے۔ انسانی تاریخ میں کسی بھی الہامی کتاب کو وہ پذیرائی اور مرکزیت حاصل نہیں ہے جو کہ قران پاک کو

ہے۔قران پاک تقریباً چوبیس سالوں میں نبی پاک ﷺ پر نازل ہوا۔قران پاک اللہ پاک کا کلام ہے جو اللہ پاک نے مختلف ادوار میں مختلف حالات کے مطابق نازل کیا ۔قرانِ مجید کو نبی پاک ﷺ تک پہنچانے کا کام اللہ پاک کے جلیل القدر فرشتے حضرت جبریلؑ نے انجام دیا۔گویا قران اللہ پاک کی جانب سے بندئے کے لیے ایک ایسا ہدایت نامہ ہے کہ اِس کی نظیر نہیں ملتی۔اسلامی تمدن کے تمام تر محرکات اور اسلوب اِس انداز میں قران پاک میں بیان فرما دیئے گئے ہیں کہ اِس کتاب کو اللہ پاک نے ایسی کتاب قرار دیا ہے کہ جو کہ لاریب ہے۔ہم مسلمان ،یورپ امریکہ کے لوگوں کے کارنامے اور وہاں کا نظامِ حکومت دیکھ کر کمتری محسوس کرتے ہیں کہ شائد وہ ہم سے زیادہ علم کے حامل ہیں۔اصل نکتہ تو یہ ہے کہ تمام تر معاملات کا تعلق عمل سے ہے۔گفتار کے غازی اور کردار کے غازی دو مختلف انداز ہیں۔فی زمانہ جو صورتحال واضع ہے وہ یہ کہ مسلمان گفتار پر زور دئے رہے ہیں۔اور کردار یعنی عمل والا پہلو اُن لوگوں نے اپنا رکھا ہے جن کو ہم کافر کہتے ہیں۔اِس جگہ میں ایک نہایت ہی اہم نکتے کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔قران اللہ کا کلام ہے اور اِس کتابِ برحق کو انسان کی ہدایت کے لیے اللہ پاک نے نازل فرمایا۔نبی پاک ﷺ نے فرمادیا کہ یہ قران ہے اُس کو قران کا درجہ دئے دیا گیا۔اور جس بات کو نبی پاک ﷺ نے کہا کہ یہ حدیث ہے ہم نے اُس کو حدیث کا درجہ دئے دیا۔اِس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ صاحب کتاب نبی پاک ﷺ کی ذات کی اہمیت اور تقدس کتنا ہے۔یعنی

نبی پاک ﷺ کے کہنے سے کتاب برحق کو کتاب ہونے کا درجہ ملا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نام کے مسلمان وہ صاحب قران نبی پاک ﷺ کی تقدیس کی بجائے قران کی بات کرتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا ازحد ضروری ہے کہ جو نبی ﷺ کی بات ہے وہ اللہ کی بات ہے اور جو اللہ کی بات ہے وہی قران ہے گویا ہم اللہ اور نبی ﷺ کو الگ الگ نہیں کر سکتے۔ انسانی تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ اللہ کے پیغام کو پُر اثر انداز دینے کی سعادت نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے بخشی اور یوں راہ ہدایت قران کو نبی پاک ﷺ کے توسط سے نازل کیا گیا۔ کیونکہ اگر ہم خالق کی توقیر کی بات کرتے ہیں اور اگر ہم کتاب ہدایت قران کی بات کرتے ہیں تو پھر صاحب قران نبی پاک ﷺ کی ذات اِس ہدایت والے عمل میں مرکز و محور ہے کیونکہ الہامی کتابیں اور صحیفے تو پہلے بھی نازل ہوتے رہے۔ رب پاک کو ایک ماننے کا سبق تو سوا لاکھ پیغمبروں نے دیا لیکن نبی پاک ﷺ پر آ کر نبوت کا سلسلہ ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک پوری کائنات کو یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ ہدایت کا سلسلہ نبی پاک ﷺ پر آ کر مکمل ہو چکا ہے اور یوں سوا لاکھ نبیوں کے تبلیغی مشن کے باوجود، توریت زبور انجیل کے ہوتے ہوئے بھی اللہ پاک نے دین کو مکمل کرنے کے لیے جس ہستی کا چناؤ کر رکھا تھا وہ نبی آخر واعظم ﷺ ہیں۔ جن کی تعلیمات کو زوال نہیں۔ جن کا وجود سارے جہانوں کے لیے رحمت اور جو کائنات کی تخلیق کی وجہ قرار پائے۔ حتیٰ کہ جس توحید کو تمام ادیان کسی نہ کسی طرح مانتے ہیں اُس توحید کی خالص روح سے آگاہی بھی نبی پاک ﷺ کے توسط سے ہوئی۔۔ جو نبی

ﷺ اُمت کے لیے شفاعت کرنے والی ہستی ہے۔ایسی برگزیدہ ہستی کہ جس کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے میرے پیارے حبیب ﷺ اگر میں آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے رب ہونے کا بھی اظہار نہ کرتا۔اِس حدیث قدسی کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں کے قران اور صاحب قران نبی پاک ﷺ کا کیا مقام ہے۔نبی پاک ﷺ کی اولاد پاک اور پیارے نواسے جناب حضرت امام حسینؓ کی شہادت در حقیت ظلم و بربریت کے منہ پر ایک ایسا طمانچہ ہے کہ مورخ اِسکا کبھی بھی ثانی ڈھونڈ نہیں پائے گا۔ چونکہ وجہ تخلیقِ کائنات جناب نبی پاک ﷺ کے پیارے نواسے کی حق کی خاطر عظیم شان قربانی ہمیشہ کے لیے سچ کے پیروکاروں کے لیے مشعل راہ بن چکی ہے۔ قیامت تک قدرت اِس عظیم قربانی پر ناز کرتی رہے گی۔ حشر کے میدان میں بھی اِسی قربانی کا چرچا ہوگا کہ جس نے بھی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا ہوگا وہ شہادت امام عالی مقام کو ہی کسوٹی قرار دے گا۔

بھارتی وزیر اعظم مودی کا پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف کو قتل کرنے کا منصوبہ بے نقاب

بھارتی خفیہ ایجنسی راء کی جانب سے وزیر اعظم اور پاکستان میں انتشار پھیلانے کی مذموم اور گھناؤنی سازش بے نقاب ہو گئی۔ وزارت داخلہ پنجاب نے مراسلے میں کہا ہے کہ بھارتی ایجنسی وزیر اعظم میاں نواز شریف کو قتل کروا کر پاکستان کو تباہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔وزارت داخلہ پنجاب کی جانب سے جاری کردہ مراسلے میں انتباہ کیا گیا ہے کہ بھارتی خفیہ ایجنسی راء پاکستان میں بڑے پیمانے انتشار پھیلانے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں راء نے منظم طور پر کارروائی کی گھناؤنی سازش تیار کی ہے۔ صوبائی وزارت داخلہ کے مراسلے میں کہا گیا ہے کہ راء نے پاکستان میں وزیر اعظم میاں نواز شریف کو قتل کرنے کیلئے اپنے ایجنٹس کو ٹاسک سونپ دیئے ہیں۔ مراسلے میں مزید کہا گیا ہے کہ آپریشن ضرب عضب میں مسلسل کامیابی کے باعث بھارتی ایجنسی نے اس قسم کی کارروائیاں کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مراسلے میں سیکیورٹی اداروں نے سیکیورٹی کے غیر ضروری اقدامات کرنے پر زور دیا ہے۔ پاک فوج اور حکومت کے درمیان ہم آہنگی کی بدولت جس طرح دہشت گردی پر قابو پانے کے لیے عظیم کامیابیاں پاکستان کو ملی ہیں اور چین کی جانب سے پاکستان کو معاشی ترقی کے لیے بے مثال تعاون نے بھارتی سورماؤں کی نیندیں اُڑا دی ہیں ۔امریکہ بہادر بھی اس وقت بھارت سے

نالاں نہ سہی مطمئن دکھائی نہیں دے رہا اور پھر نواز شریف کی جانب سے حالیہ امریکی دورہ بھی بہت اہم قرار دیا جارہا ہے۔ بھارتی وزیر اعظم کا جنگی جنون اور پاکستان سے نفرت عروج پر ہے۔ بنگلہ دیشی وزیرِاعظم کے ساتھ بیٹھ کر پاکستان کو توڑنے کا اعتراف، پاکستان کی سرحدوں پر فائرنگ اور اشتعال انگیزی، افغانستان کی سرزمین کو بھارت کی جانب سے پاکستان کے لیے استعمال کیا جانا یہ سب کچھ جو بھی ہو رہا ہے۔ سب بھارت کی پاکستان دشمنی کا عروج ہے۔ حالیہ دنوں میں بھارتی عوام کو خوش کرنے کے لیے پاکستان کے سابق وزیر خارجہ خورشید قصوری نے اپنی کتاب کی رونمائی کے لیے بھارت کو اپنے لیے بہتر مقام سمجھا اور ساتھ ہی مسٹر قصوری نے اپنے بھارتی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ہی بیان بھی داغ دیا۔ کہ قائدِاعظم محمد علی جناح پاکستان نہیں بنانا چاہتے تھے۔ اس طرح بھارت کی جانب سے جس طرح کا ماحول پیدا کیا جارہا ہے۔ وہ بھارتی چالاکی کے ساتھ ساتھ بھارت کے زِچ ہونے کی داستان سنا رہا ہے۔ بھارت سے جب کچھ بن نہیں پڑ رہا اور اُسے ہر محاذ پر ہزیمت اُٹھانا پڑ رہی ہے۔ تو پاکستان کو دلدل میں پھنسانے کے لیے ظالم بدہن نواز شریف کے قتل کا منصوبہ بنا لیا ہے۔ ان حالات میں پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کو اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے چوکنا رہنا ہوگا موجودہ حالات میں وزیرِاعظم نواز شریف کو قتل کرنے کے بھاری سیکرٹ ایجنسی راہ کے منصوبے کا مقصد پاکستان کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنا ہے۔ پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی بھارتی پالیسی

انتہائی بچگانہ ہے۔پاکستان بھارت کے لیے ایک بفر سٹیٹ ہے۔پاکستان میں ہونے والی بدامنی سے بھارت میں بھی بدامنی ہو گی پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کے لیے بے چین بھارت خود کو دھوکے میں رکھے ہوئے ہے۔بھارت میں علیحدگی کی تحریکیں اس انداز میں رواں ہیں کہ اگر پاکستان اور چین نے ان عناصر کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تو بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے دیر نہیں لگے گی۔

اکتوبر 2015 وزیراعظم نواز شریف کی امریکہ یاترہ کے نتائج و عواقب

اِن حالات مین جب کہ پاک فوج اپنے دشمنوں کے ساتھ جنگِ عضب میں .بر سرپیکار ہے۔ بھارتی کی دشمنی کا درجہ حرارت اتنا اوپر گیا ہوا ہے ایسا لگ رہا ہے کہ بھارت کے وزیراعظم مودی پھٹنے والے ہیں۔ جس طرح کے حالات شیو سینا نے وہاں پیدا کیے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ بدترین سلوک کیا جارہا ہے اور پاکستان کو آنکھیں دکھائی جارہی ہے ۔ان حالات میں جبکہ بلوچستان کی شورش میں بھارت .براہ راست ملوث ہے اور پاکستان میں طالبان کے نام پر ہونے والے دہشت گردی کے سرے بھی بھارتی خفیہ ایجنسی راہ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔اور تو اور دورہ امریکہ سے چند روز قبل راہ کی جانب سے پاکستانی وزیراعظم کو قتل کرنے کا منصوبہ بھی سامنے آگیا ۔اِن حالات میں جناب وزیراعظم کا دورہ امریکہ کافی اہمیت اختیار کرچکا تھا۔ پاک فوج اور حکومت کے درمیان ہم آہنگی کی بدولت جس طرح دہشت گردی پر قابو پانے کے لیے عظیم کامیابیاں پاکستان کو ملی ہیں اور چین کی جانب سے پاکستان کو معاشی ترقی کے لیے بے مثال تعاون نے بھارتی سورماؤں کی نیندیں اُڑادی ہیں ۔امریکہ بہادر بھی اس وقت بھارت سے نالاں نہ سہی مطمئن دیکھائی نہیں دے رہا اور پھر نواز شریف کی جانب سے حالیہ امریکی دورہ بھی بہت اہم قرار دیا جارہاہے۔ بھارتی وزیراعظم کا جنگی جنون اور پاکستان سے نفرت عروج

پر ہے۔بنگلہ دیشی وزیرِاعظم کے ساتھ بیٹھ کر پاکستان کو توڑنے کا اعتراف، پاکستان کی سرحدوں پر فائرنگ اور اشتعال انگیزی، افغانستان کی سرزمین کو بھارت کی جانب سے پاکستان کے لیے استعمال کیا جانا یہ سب کچھ جو بھی ہو رہا ہے۔سب بھارت کی پاکستان دشمنی کا عروج ہے۔حالیہ دنوں میں بھارتی عوام کو خوش کرنے کے لیے پاکستان کے سابق وزیر خارجہ خورشید قصوری نے اپنی کتاب کی رونمائی کے لیے بھارت کو اپنے لیے بہتر مقام سمجھا اور ساتھ ہی مسٹر قصوری نے اپنے بھارتی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ہی بیان بھی داغ دیا۔کہ قائدِاعظم محمد علی جناح پاکستان نہیں بنانا چاہتے تھے۔اس طرح بھارت کی جانب سے جس طرح کا ماحول پیدا کیا جارہا ہے۔وہ بھارتی چالاکی کے ساتھ ساتھ بھارت کے زِچ ہونے کی داستان سنا رہا ہے۔بھارت سے جب کچھ بن نہیں پڑرہا اور اُسے ہر محاذ پر حفت اُٹھانا پڑ رہی ہے۔تو پاکستان کو دلدل میں پھنسانے کے لیے خاکم بدہن نواز شریف کے قتل کا منصوبہ بنا لیا ہے۔اِن حالات میں پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کو اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے چوکنا رہنا ہوگا موجودہ حالات میں وزیرِاعظم نواز شریف کو قتل کرنے کے بھاری سیکرٹ ایجنسی راہ کے منصوبے کا مقصد پاکستان کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنا ہے۔پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی بھارتی پالیسی انتہائی بچگانہ ہے۔پاکستان بھارت کے لیے ایک بفر سٹیٹ ہے۔پاکستان میں ہونے والی بدامنی سے بھارت میں بھی بدامنی ہوگی پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کے لیے

ہے

چین بھارت خود کو دھوکے میں رکھے ہوئے ہے۔بھارت میں علیحدگی کی تحریکیں اس انداز میں رواں ہیں کہ اگر پاکستان اور چین نے ان عناصر کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تو بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے دیر نہیں لگے گی۔پاکستانی وزیر اعظم کے ہمراہ دورہ واشنگٹن میں موجود وفاقی وزیر دفاع خواجہ محمد آصف کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم کا دورہ اور خصوصا صدر اوباما سے ملاقات اس اعتبار سے اہم تھی کہ تمام امور پر کھل کر پاکستان کے موقف کی وضاحت کی گئی ۔خواجہ آصف کا کہنا تھا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ، خطے کی صورتحال، پاک افغان تعلقات، پاکستان اور بھارت کے موجودہ تعلقات سمیت تجارت، سائنس و ٹیکنالوجی اور دفاع سمیت تقریبا ہر شعبے میں تعاون پر مثبت بات چیت ہوئی۔ انھوں نے کہا، ''میرے خیال سے دوطرفہ تعلقات کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو، جس پر بات نہ ہوئی ہو۔ انھوں نے ہمیں سنا اور ہم نے ان کی سنی، جو بھی معاملات یا مسائل تھے ان پر تبادلہ ء خیال ہوا اور آپ نے دیکھا ہو گا کہ کشمیر سمیت تمام اہم معاملات مشترکہ اعلامیے میں موجود تھے اور میرے خیال سے یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔'' انھوں نے مزید بتایا کہ صدر اوباما اور وزیر اعظم کے درمیان ملاقات طے شدہ وقت سے زائد یعنی دو گھنٹے جاری رہی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں رہنماؤں نے اہم امور پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔بھارت کی طرز پر امریکا کے ساتھ جوہری معاہدے کی پاکستانی کوششوں کے نتائج سامنے نہ آنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں وزیر دفاع نے کہا، ''ملکوں کے درمیان تعلقات میں بعض

معاملات پر بہت سا کام ہو چکا ہوتا ہے اور کچھ کرنا باقی ہوتا ہے اور وہ کسی بھی وقت مکمل ہو جاتا ہے۔ اس معاملے میں بھی امریکا پاکستان کے موقف کو سمجھتا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ ہماری حالیہ ملاقاتوں کے بعد مزید اس بارے میں سوچیں گے۔'' دفاعی امور کے تجزیہ کار لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ طلعت مسعود کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم پاکستان کے دورہ امریکا اور صدر اوباما کے ساتھ ملاقات کو سفارتی لحاظ سے ایک اچھا دورہ کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہر طرح کے معاملات میں بہتری کی گنجائش تو موجود رہتی ہے لیکن ان کے خیال میں موجودہ حالات میں وزیراعظم اور ان کی ٹیم نے بہتر طریقے سے پاکستان کا موقف پیش کیا۔ طلعت مسعود کا کہنا تھا، ''پاکستان اور امریکا کے تعلقات میں اونچ نیچ اور اتار چڑھاؤ جاری رہتا ہے لیکن ایسے دوروں سے دونوں جانب کی قیادت کو آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کی بات سننے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے، جس سے بہت سی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اور تعلقات کو آگے بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔'' انہوں نے کہا کہ سربراہی دوروں اور دوطرفہ تعلقات کے حوالے سے کیے جانیوالے اقدامات کے فوری نتائج کم ہی ہوتے ہیں۔ اصل میں ان کے نتائج آنے میں وقت لگتا ہے۔ دوسری جانب حزب اختلاف کی جماعت پاکستان تحریک انصاف نے امریکی صدر باراک اوباما اور وزیر اعظم نواز شریف کے درمیان ملاقات کے بعد جاری کیے گئے اعلامیے کو مایوس کن قرار دیا ہے۔ پارٹی کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات نعیم الحق نے ایک بیان میں کہا کہ

وزیر اعظم اس اہم ترین دورے میں پاکستان کے لیے خاطر خواہ ثمرات سمیٹنے میں ناکام رہے۔امریکا اور ایران کے تعلقات میں بہتری کے باوجود نواز شریف پاک ایران گیس پائپ لائن سے متعلق امریکی رویہ بدلنے میں ناکام رہے۔انہوں نے کہا کہ حکومت بتائے کہ ٹیکسٹائل مصنوعات کے کوٹے میں اضافے کے دیرینہ پاکستانی مطالبے کا امریکی صدر نے کیا جواب دیا ہے؟انہوں نے کہا کہ یہ بھی بتایا جائے کہ سندھ میں کوئلے کے ذخائر کے ذریعے بجلی پیدا کرنے کے منصوبے پر امریکی تحفظات کس حد تک دور کیے جاسکے؟انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم تمام تر شواہد کے باوجود بظاہر بھارتی اشتعال انگیزیوں کے بارے میں امریکی انتظامیہ کو آگاہ کرنے میں ناکام رہے۔اس کے علاوہ وزیر اعظم امریکا کے ساتھ بھارت کی طرز کا سول جوہری معاہدہ کرنے میں بھی مکمل طور پر ناکام ہوئے۔انہوں نے کہا کہ ملاقات میں کشمیر کا ذکر بھی رسمی انداز میں کیا گیا اور تنازع کے حل میں امریکا کے فعال کردار پر بھی کوئی یقین دہانی حاصل نہیں کی گئی۔تاہم بعض تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ امریکا پاکستان کی اندرونی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے وزیر اعظم نواز شریف کے دورے سے زیادہ آئندہ ماہ پاکستانی بری فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کے دورے کا منتظر ہے۔جہاں تک پاکستان کے موجودہ حالات کا تقاضہ ہے اور بھارت کے ساتھ پاکستان کے ساتھ جو سرد مہری جاری ہے۔ان حالات میں پاکستان کا امریکہ کا دورہ کافی بہتر رہا ہے اور راقم کے خیال میں جناب وزیر اعظم نواز شریف کافی بہتر انداز میں

دورہ کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔اِس لیول پر ہونے والے دورہ جات میں ملکوں کے نقطہ نظر کو سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے اور کسی موقف پر اگر کوئی معاملہ بندگلی کا شکار ہوجاتا ہے تو اُس حوالے سے بھی برف پگھلتی ہے۔

راہِ عشق رسول ﷺ کے شہید غازی علم دینؒ کے وکیل قائدِاعظمؒ اور لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ

عشق کے تقاضے کو جو سمجھ جاتا ہے وہ خالق کے ساتھ اپنے رشتے کو بھی سمجھ جاتا ہے اُسے یہ ادراک ہو جاتا ہے کہ اُس کا تعلق جس خالق کے ساتھ ہے وہی خالق امیدِ صبح ہے۔ خالق اور بندئے کے تعلق کو بام عوج پہنچانے والی عظیم ہستی جناب سرکار دوجہاں نبی پاک ﷺ کی ہے۔نبی پاک ﷺ کی عزت شان وشان وکتکا ہر محاذ پر دفاع کرنا ہم سب کا فرض ہے اِس لیے کہ اللہ پاک خود نبی پاک ﷺ کی ہستی کی عزت وحرمت کا دفاع کرنے والا ہے۔۔برصغیر پاک وہند میں رونماء ہونے والے واقعے کی یاد کیسی بھلائی جاسکتی ہے کہ جب نبی پاک ﷺ کا عاشق پھانسی پر جھول گیا اور ہمیشہ کے لیے امر ہوگیا۔ رب کی ذات اور رب کے محبوب ﷺ کی ذات سے وابستہ ہونے والا کوئی بھی شخص کیسے مر سکتا ہے۔دیکھ لیجیے راہ عشق رسول ﷺ میں جو بھی شہید ہوا وہ ہمیشہ کے لیے امر ہوگیا۔ امر ہونا اِس لیے بھی ٹھر جاتا ہے کہ شہید نے گواہی جو دینا ہوتی ہے اپنے عشق کی ۔اپنے محبوب کی حرمت کی ۔ نبی پاک ﷺ کی ناموس پر قربان ہونے والے عظیم مجاہد جناب غازی علم دین شہید کی یاد اس طرح زخموں پر مرہم رکھتی ہے جیسے صحرا میں نخلستان۔ تاریخ عالم اُن مبارک ساعتوں کو کیسے فراموش کر سکتی ہے جو مبارک لمحات غازی علم دین نے گستاخ رسول ﷺ کو جہنم رسید کرنے کے بعد اور تختہ دار پر چڑھنے سے پہلے گزارے۔ محبت کے انداز

اور تقاضے عقل و ادراک کے محتاج نہیں ہوتے۔ عشق کبھی بھی کسی دنیاوی تقاضے کا پابند بھی نہیں ہوتا۔ عشق رسول ﷺ کی ایمان افروز روشنی مومن کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ محبت رسول ﷺ کی لذت سے مومن کی آشنائی ہر کس وناکس سے اُسے ماورا کرتی ہے۔ غازی علم دین شہید کو کہنے کو تو پھانسی دے دی گی۔ لیکن وہ پھانسی حیات جاودانی کا ایسا مشروب غازی صاحبؒ کو پلا گئی کہ پھر اُسکے بعد غازی صاحب ایسی روشن راہوں کے مسافر بن گئے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے پروانوں کے لیے ہمیشہ کے لیے امید اور آگہی کا روشن مینار بن گئے۔ جس دور میں جناب غازی علم دین شہیدؒ کو یہ مقام میسر آیا اُس وقت انگریز کا راج اور ہندووں کی مکاری عروج پر تھی مسلمان اقلیت میں ہونے کی بناء پر پسے ہوئے تھے۔ ان حالات میں علم دینؒ کو بقول اقبالؒ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب شے ہے یہ لذتِ آشنائی۔ لذت آشنائی پھر چونکہ چنانچہ کے چکروں میں نہیں آتی وہ تو اطیواللہ واطیوالرسول کی اسیر ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ جو اُس دور میں رہ رہے تھے اُن کے لیے واقعی یہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اُس دور کے دانشوروں علماء اساتذہ ہر شعبہ زندگی کے افراد نے جناب غازی علم دین شہیدؒ کی قسمت پر رشک کیا۔ میانوالی جیل میں غازی صاحبؒ کو پھانسی دے کر نبی ﷺ کے عاشقوں کو ایک نئی جلو نے اپنے حصار میں لے لیا اور عشق و مستی کا قافلہ نہایت کھٹن اور مسائل کے ہوتے ہوئے بھی غازی صاحبؒ کی شہادت پر رب پاک کے حضور سر بسجود ہوا۔ عشق تو نام ہی آقا کریم ﷺ کی ذات میں خود کو گم کرنے کا

ہے اور یوں نبی پاک ﷺ کی عزت وناموس کی خاطر خود کو امر کرنا ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ لاہور خوش قسمت ہے کہ داتا علیٰ ہجویری کی نگری میں ایک عظیم عاشقِ رسول ﷺ جسے غازی علم دین شہید کہتے ہیں نبی پاک ﷺ کی شان پر قربان ہوا اور امر ہوگیا آج جب اس عظیم شخص کو اپنے پیارے نبی پاک ﷺ پر قربان ہوئے اسی سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن غازی علم دین شہیدؒ کا نام اِس طرح لیا جاتا ہے جس طرح کسی بھی زندہ شخص کا نام لینا چاہیے ہوتا ہے جبکہ وہ ہستی بھی عاشقِ رسول ﷺ ہو۔ ایسا کیوں نہ ہو رب پاک واشگاف الفاظ میں اپنی کتاب قران پاک میں فرماتا ہے کہ جو اللہ کہ راہ میں مارا جاتا ہے وہ زندہ ہے تمھیں اِس بات کا شعور نہیں، حتیٰ کہ شہید کو اللہ پاک کے ہاں سے رزق بھی ملتا ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ شہید چونکہ زندہ ہے اِس لیے اُس کو مردہ کہنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے تاریخ عالم نے بہت سے نیک بندوں کو اپنے رب پاک کی راہ میں جان دیتے دیکھا ہے حضرت عمار ابن یاسر کے والدین سے محمد مصطفےٰ ﷺ کے غلاموں کی شہادتوں کا شروع ہونے والا سفر جاری و ساری ہے اور غازی علم دین شہید اسلام کے وہ عظیم پیروکار ہیں جن پر اُمتِ مسلمہ کو فخر ہے۔ عشق انسان کو پاگل نہیں ہونے دیتا عشق انسان کو انسانیت کے اعلیٰ وارفع مقام پر لا کھڑا کرتا ہے۔ حضرت بلالؓ حضرت اویس قرنیؒ کے راستے پر چلتے ہوئے غازی علم دین شہید نے وہ مقام حاصل کیا کہ جس کے متعلق شاعرِ مشرق حکیم الامُت حضرت علامہ اقبالؒ پکار اُٹھے کہ ترکھانوں کا لڑکا بازی لے گیا اور ہم

دیکھتے رہ گے۔ یقیناً حضرت اقبال جیسی شخصیت کی جانب سے غازی علم دین شہید کو بہت زبردست خراجِ تحسین ہے۔ لاہور ہائی کورٹ میں جب اِس کیس کی اپیل کی سماعت ہوئی تو لاہور ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے میں لکھا اس کے مطابق، علم دین بنام ایمپرر اے آئی آر 1930 لاہور 157 کریمنل اپیل نمبر 562 آف 129۔ قاتل 19 یا 20 سال کا ہے۔ اور اپنے مذہب کے بانی کے خلاف کہے جانے والے اور کیے جانے والے فعل پر ناراض ہے۔ علم دین جو کہ ایک ترکھان ہے اور سریاں والا بازار لاہور شہر کا رہائشی ہے جس نے 6 اپریل 1929 کو راج پال کو قتل کیا اور اِسکو دفعہ 302 کے تحت سزائے موت دی گئی۔ علم دین کی طرف سے اپیل کی گی اور سیکشن 374 سی آر پی سی کے تحت عدالت کے سامنے ہے۔ مرنے والا ایک ہندو تھا جو کہ کتب فروش تھا اور ہسپتال روڈ پر اُسکی دکان تھی۔ کچھ عرصہ پہلے اُس نے مسلمانوں کے مذہب کے بانی کے خلاف ایک پمفلٹ چھاپ کر مسلمانوں کو دُکھ پہنچایا تھا۔ راج پال کو دفعہ ایک سو ترپن اے جو کہ پبلی کیشن کے متعلق ہے کہ مطابق جنوری 1927 کو قصور وار ٹھرایا گیا تاہم مئی 1927 میں ہائی کورٹ نے اُس کی سزا کو معطل کر دیا۔ چھ اپریل 1929 کو راج پال پر دن دو بجے قاتلانہ حملہ کیا گیا راج پال کو آٹھ زخم آئے زخموں کی نوعیت سے لگتا ہے کہ راج پال نے خود کو بچانے کی کوشش کی، راج پال کے ہاتھ پر چار زخم لگے تھے۔ اُس کے سر کے بلکل اوپر ایک زخم لگا جس سے اُسکے سر کی ہڈی کریک ہوئی۔ جو کہ آتما رام PW-8 اُس کی چھاتی پر بھی ایک گہرا زخم آیا۔

ہے اُس سے اپیل کنندہ علم دین نے چھ اپریل کی صبح ایک چاقو خریدا علم دین راج پال کی دکان پر دن دو بجے پہنچا راج پال .برآمدہ سے باہر گدی پر بیٹھا خطوط لکھ رہا تھا کہ اس پر علم دین نے حملہ کر دیا اس واقعہ کے چشم دید گواہ نا تھ PW-2 ور بھگت رام-(pw-) .برآمدے کے اندر بیٹھا (pw-2) جو کہ راج پال کے ملازم تھے۔ان میں سے گواہ (3 گواہ.برآمدے کے باہر شیلف میں کتابوں کو ترتیب دے رہا (pw-3) تھا اور تھا۔انھوں نے الارم بجایا کتابیں علم دین پر پھینکیں۔ کر دنا تھ اور بھگت رام جن کے اور پارمانا نند مل گئے اور انھوں علم دین کا پیچھا (pw-1) ساتھ باہر سے نانک چاند کیا و دیا را تھن جو کہ علم دین کو اپنے دفتر کے دروازے سے دیکھ رہا تھا نے دوسرے لوگوں کی مدد سے علم دین شہید کو پکڑ لیا۔ علم دین بار بار اونچی آواز میں شور مچانے لگا کہ وہ نہ تو چور ہے نہ ہی ڈاکو بلکہ اس نے تو نبی پاک ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ علم دین کو مقتول کی دوکان پر لے جایا گیا اور پولیس کو بلایا گیا اور پولیس نے علم دین کو پکڑ لیا اور تفتیش کے دوران کردنا تھ نے جو بیان اس کے مطابق جب علم دین کو پکڑا گیا۔اُس نے نہ تو کوئی مزاحمت اور نہ ہی اُس نے اپنے کسی ساتھی کا نام بتایا علم دین کے بیان پر آتمارام کی دکان کو تلاش کیا گیا اور 9 اپریل کو آتمارام نے علم دین کو شناخت پریڈ میں شناخت کر لیا یہ شناخت پریڈ مجسٹریٹ کی زیر نگرانی ہوئی اور علم دین کو اُسی شخص کے طور پر پہچان لیا جس کو اُس نے چاقو فروخت کیا تھا جو کہ راجپال کی دکان سے ملا اس میں کوئی

شک نہیں کہ آتمارام نے اس طرح کے چاقو اور لوگوں کو بھی فروخت کیے ہوں گے۔
اسی طرح کے دو چاقو اُس نے بطور ثبوت عدالت پیش کیے آتمارام نے بتایا کہ اُس نے
یہ چاقو ایک میڈیکل سٹور سے نیلامی میں خریدے تھے مسٹر جناح نے پراسیکیوشن کی
کیا انھوں نے اسی بات پر زور دیا کردی ناتھ attack پر grounds کہانی پر مختلف
intrested قابل اعتماد گواہ نہیں ہے کیونکہ 1) (وہ مقتول کا ملازم تھا پس وہ اس لیے
(کہ بھگت رام اُس کے ساتھ تھا (a) تھا 2) (اُس نے ایف آئی آر میں نہیں بتایا کہ
اور علم دین نے یہ کہا کہ انھوں پیغمبر اسلام ﷺ کا بدلہ لیا۔ کیونکہ بھگت رام بھی b)
کی صف میں ہے بیانات کی صحت پر intrested راج پال کا ملازم تھا اس لیے وہ
اعتراض لگائے گئے جو کہ پولیس کو دیئے گئے تھے جس کے سبب آتمارام کا پتہ چلا اور
آتمارام کی وجہ سے علم دین کی شناخت ہوئی اور آتمارام نے چاقو کی فروخت کی بابت
بیان دیا مسٹر جناح نے اُس کو جھوٹا قرار دیا۔ جج صاحب نے شہادتوں کو ڈسکس کرنے
کے بعد یہ قرار دیا کہ جرم ثابت ہو گیا ہے علم دین کی عمر کم ہے وہ 19 یا 20 سال
کا ہے اور اُس کا یہ ایکٹ اپنے مذہب کے بانی کی وجہ سے ہے جیسا کہ عامر بنام امپیرر
کیس میں تھا اس بناء پر کہ کیونکہ قاتل کی عُمر کم ہے اور وہ 19 یا 20 سال کا ہے یہ وجہ
Reason کافی نہیں ہے کہ اُسے قانون کے مطابق سزا نہ دی جائے۔ مسٹر جناح کی یہ
کے قاتل کی عُمر تھوڑی ہے اور اُس کو کیپٹل سزا نہ دی جائے۔ اور اُسے جان بوجھ کر
کسی کو قتل کرنے کی سزا نہ دی جائے۔ میں اپیل کو ڈسمس

کرتا ہوں اور سزائے موت کی توثیق کرتا ہوں ۔یہ فیصلہ ہے جو لاہور ہائی کورٹ نے لکھا اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا غازی علم دین شہید صاحب نے یہ بات کہی کہ اُنھوں نے راج پال کو قتل نہیں کیا۔ سوال یہ بھی ہے کہ کیا غازی صاحب نے راج پال کو کسی شے کے لالچ میں قتل کیا۔ اُنھوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جب لوگوں نے اُن کو راج پال کو جہنم رسید کرنے پر پکڑا تو انھوں نے کہا کہ نہ تو میں چور ہو اور نہ ہی ڈاکو میں نے تو یہ سب اپنے نبی پاک ﷺ کی عزت کی خاطر کیا ہے ایک اور سوال یہ بھی ہے کہ اگر غازی صاحب مصلحت کا شکار ہو جاتے تو جرم سے انکار کردیۓ اور اپنی جان بخشی کروالیتے۔ یہاں یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی بھی الہامی مذہب کے پیروکاروں کو کیا صرف آزادی رائے کے اظہار کے نام پر دکھ پہنچایا جاسکتا ہے۔ دین اسلام کے مطابق تمام انبیاء اکرام کی عزت و ناموس کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ لیکن نبی پاک ﷺ کے خلاف آئے روز مغربی ممالک کے نام نہاد آزادی رائے کے پرستاروں کی جانب سے گستاخی کی جاتی ہے اور مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کا امتحان لیا جاتا ہے۔ ایسے 295 C میں پاکستان میں کا قانون اِس بات کی دلیل ہے کہ اگر کسی بھی شخص پر انبیاء اکرام کی گستاخی کا الزام لگتا ہے تو قانون کے مطابق کاروائی کی جائے اور انصاف کے تمام تر تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ نہ کہ عوام خود انصاف کریں انصاف کرنا عدالتوں کا کام ہے۔ آج تک توہین رسالت کے قانون کے تحت کسی بھی غیر مسلم کو پاکستان میں سزا نہیں دی گئی۔ آخری الہامی کتاب قران مجید

نے صاحب قرآن جناب نبی پاک ﷺ کی عزت و حرمت کے متعلق واضع احکامات دیئے ہیں۔اقبالؒ کے مطابق مسلمان کے اندر روح محمد ﷺ ہے اور جب روح محمد مومن کے اندر ہے تو پھر کوئی بھی مومن کسی بد بخت کی جانب سے نبی پاک ﷺ کی شان اقدس میں کیسے گستاخی برداشت کر سکتا ہے۔ اگر غازی علم دین شہیدؒ کے دور میں بھی توہین رسالت کا قانون ہوتا تو پھر کسی راج پال کو ایسا کرنے کی جُرات نہ ہوتی۔ جناب غازی علم دین شہید نے اپنی زندگی قربان کرکے اپنے آقا ﷺ کی شفاعت حاصل کرلی۔ حضرت قائدا عظمؒ جیسی عظیم ہستی جناب غازی صاحبؒ کی وکالت کرنے کے لیے لاہور پہنچی۔ لیکن شہادت کا جام پینے کے لیے بیقرار غازی صاحبؒ اپنے آقا کریم ﷺ کے نام پر فدا ہوگے۔اِس لیے جو نام نہاد لبرل فاشسٹ یہ شور مچاتے ہیں کہ 295C قانون کو ختم کیا جائے تواِن کو یہ نظر نہیں آتا کہ اِسی قانون کی وجہ سے تو عدالت کو انصاف کرنے کا موقع ملتا ہے ورنہ ہر مسلمان غازی علم دین شہید ہی تو ہے۔بقول جناب مولانا رومیؒ ، ملتِ عشق از ہمہ ملت جُدا است ، عاشقاں را مذہب و ملتِ خدا است، یعنی عشق والوں کا مسلک سب سے جُدا ہوتا ہے، عاشقوں کا مسلک اور مذہب صرف خُدا ہوتا ہے۔ ممتازی قادری والے معاملے میں سپریم کورٹ کے واقعہ نے بھی غازی علم دین شہیدؒ کے کیس کی یاد تازہ کر دی ہے۔

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں۔ 8.1 شدت کا زلزلہ

کیا ایسا نہیں ہوا کہ صرف ایک منٹ سب کچھ بدل گیا۔ آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ صرف ایک منٹ میں کیا ہوا۔ جن عمارتوں ، تجوریوں سے ہم محبت کرتے ہیں اُس کو چھوڑ کر ہم بھاگ نکلے اور بھاگے بھی خالی جگہ کی طرف اور بھی خالی ہاتھ۔ جب قیامت ہوگی تو ہر کوئی اپنی جان بچانے کے لیے اِسی طرح بھاگے گا۔ اے کاش ہم اِس زندگی کے مفہوم کو سمجھ پائیں ۔ سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں۔ دو بجکر نو منٹ 26 اکتوبر 2015 کا زلزلہ جس کی شدت 8.1 تھی جس نے پاکستان افغانستان بھارت لرزا اُٹھا۔ شانگلہ ،باجوڑ ا یجنسی میں تباہی بہت زیادہ ہے۔ تادم تحریر 275 افراد جان بحق ہو چکے ہیں۔ ایک لمحے میں جب زندگی بدل جاتی ہے اور بہت سے لوگ زندگی سے موت کے مُنہ میں چلے جاتے ہیں تو اِن حالات میں اپنے پیاروں کے جانے کا دکھ برداشت نہیں ہو پاتا۔ لیکن ایک بات تو طے ہے آخر ہر ذی روح نے لوٹ جانا ہے۔ زلزلہ آنے کے مادی اور روحانی دونوں محرکات ہیں زمین کی پلیٹس کی حرکت، کرہ ارض پر ہونے والی تبدیلیاں۔ آتش فشانی کا عمل۔ اِس کے ساتھ ساتھ روحانی مھرکات جو ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہے ہیں کہ حرص لالچ، زنا شراب ، ڈاکے سب کچھ تو عام ہے جب ظلم بڑھ جاتا ہے تو تقدیر اُس کے لیے بھی کچھ نتظام کر دیتی ہے۔ بس ہمیں ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ رب پاک کی

نافرمانی کے لیے بچیں ۔ ابھی بھی ہمارے پاس زندگی کی جو ساعتیں ہیں اُن کو غنیمت جانیں۔ مالاکنڈ ڈویژن میں انسانی جانوں کا نقصان بہت ہے۔ ملکی تاریخ کے اس قیامت خیز زلزلے سے 2000 سے زائد زخمی ہو گئے ہیں۔ وفاقی حکومت نے چاروں صوبوں میں ایمرجنسی نافذ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ زلزلے نے قریباً پورے جنوبی ایشیا کو لپیٹ میں لے لیا۔ محکمہ موسمیات نے اسے ملکی تاریخ کا سب سے بڑا زلزلہ قرار دیا ہے۔ محکمہ موسمیات کے مطابق دوپہر 2 بجکر 9 منٹ پر شدید زلزلے آئے جس کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہا۔ ریکٹر سکیل پر زلزلے کی شدت 1.8 ریکارڈ کی گئی جس کا مرکز کوہ ہندہ کش نارتھ ایسٹ آف افغانستان تھا جس کی گہرائی 193 کلومیٹر ریکارڈ کی گئی۔ محکمہ موسمیات کے لاہور مرکز کے مطابق 2005ء میں آنے والے زلزلے کی شدت ریکٹر سکیل پر 7.4 ریکارڈ کی گئی تھی جس کا مرکز بھی کوہ ہندوکش تھا۔ اس زلزلہ سے سب سے زیادہ اموات شانگلہ میں ہوئیں وہاں 38افراد جاں بحق ہوئے۔ باجوڑ میں بھی تباہی ہوئی۔ اسلام آباد میں جھٹکوں سے پن بجلی منصوبے محفوظ رہے وہاں دیواریں گرنے سے 11افراد زخمی ہوئے۔ کثیر المنزلہ عمارتوں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ حیدرآباد میں لوگ کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اسلام آباد میں گھبرا کر ایک شخص نے تیسری منزل سے چھلانگ لگا دی اسے ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ کراچی میں بھی جھٹکے محسوس کئے گئے۔ چارسدہ، لوئر دیر میں 7 بچے جاں بحق ہوئے ہیں۔ زلزلے سے مالاکنڈ ڈویژن کا ضلع چترال سب سے زیادہ متاثر ہوا اور اس کے تمام زمینی

راستے منقطع ہو گئے ہیں' چاروں صوبوں میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی ہے۔ میانوالی میں 2' سرگودھا 1' اوکاڑہ 3' چترال 37' سوات' شانگلہ' لوئر دیر 27' باجوڑ 25' مانسہرہ ہزارہ 7' بونیر 10' چارسدہ 6' پشاور 6' گلگت 7' صوابی 3' کوہستان 10' چلاس 7' خیبر 2' مہمند 2' مردان 2' کلرکہار 2' نوشہرہ 1' گوجرانوالہ 1' قصور 1' پنڈی میں 1 شخص جاں بحق ہوا۔ فیصل آباد میں زلزلے سے 2 افراد شدید زخمی ہو گئے۔ زلزلے سے مالاکنڈ ڈویژن کا ضلع چترال سب سے زیادہ متاثر ہوا اور اس کے تمام زمینی راستے منقطع ہو گئے ہیں' چاروں صوبوں میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی ہے۔ گلگت بلتستان میں 9 افراد جاں بحق 20 زخمی ہوئے ہیں۔ پشاور کی قدیمی اور تاریخی مسجد مہابت خان بھی شدید زلزلے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ پشاور شہر کے وسط میں واقع اس تاریخی مسجد کا بڑا مینار میں بھی دراڑ پڑ گئی جبکہ ایک چھوٹا مینار شہید ہو گیا۔ پشاور میں زلزلے کے بعد نقصانات کا جائزہ لینے کیلئے ہیلی کاپٹرز کی مدد لی گئی۔ زلزلے کے بعد سے چترال میں نجی کمپنی کے 18 ملازمین لاپتہ ہو گئے، ملازمین موبائل ٹاور پر کام کر رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آ گیا، زلزلے کے بعد سے کسی بھی شخص سے رابطہ نہ ہو سکا۔ ملک کے دوسرے حصوں کی طرح صوبہ خیبر پی کے کے طول و عرض سمیت صوبائی دارالحکومت پشاور میں بھی زلزلے کے شدید جھٹکوں نے بڑے پیانے پر تباہی مچا دی، کئی مکانوں کی چھتیں، دیواریں گر پڑیں جس کے نتیجہ میں 66 سے زائد افراد جاں بحق جبکہ 461 سے زائد شدید زخمی ہوگئے زلزلے

کے فوراً بعد پشاور کی تینوں بڑے ہسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی، ڈاکٹروں اور دیگر طبی عملے کو ہنگامی بنیادوں پر طلب کرلیاگیا۔ خیبر پی کے کے جن اضلاع میں ہلاکتیں اور مالی نقصانات ہوئی ہے ان میں ضلع پشاور میں مکانات کی چھتیں منہدم اور دیواریں گرنے کے نتیجہ میں 2 خواتین سمیت 5افراد جاں بحق اور 150زخمی ہوئے، چترال میں 16جاں بحق اور 28زخمی، سوات میں 8جاں بحق اور 80 زخمی، لوئر دیر میں 6 افراد جاں بحق اور 100سے زخمی، صوابی میں 4 جاں بحق اور 15زخمی، مردان میں 4جاں بحق اور 10زخمی، دیر بالا میں 5جاں بحق اور 11زخمی، تورغر میں جاں بحق اور 8زخمی، چارسدہ میں 2جاں بحق اور 15زخمی، مانسہرہ میں 2 جاں بحق 3 اور 4زخمی جبکہ باجوڑ میں 8جاں بحق اور 40زخمی ہوئے اب تک مذکورہ اعداد و شمار کے مطابق 66 افراد جاں بحق اور 461زخمی ہوئے جن میں خواتین اور بچوں کی تعداد زیادہ بتائی جارہی ہے۔ ہلاکتوں میں اضافے کا خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔ کوہستان میں زلزلے کے دوران پہاڑی تودہ مسافرگاڑی گرنے سے 8 افراد جاں بحق، 12 زخمی ہوگئے۔ قراقرم ہائی وے پر زلزلے کے باعث مٹی کا تودہ کار پر گرنے سے چار افراد جاں بحق اور ایک زخمی ہوا۔ پشاور میں زلزلے سے بڑی تعداد میں مکان اور دوسری عمارتوں کو نقصان پہنچا، ملبہ گرنے سے کئی گاڑیاں تباہ ہوگئیں۔ 200 سے زائد زخمی مختلف ہسپتالوں میں داخل کئے گئے ہیں۔ سوات میں 9 افراد کے جاں بحق ہونے کی تصدیق ہوئی ۔ ناران، کاغان، شانگلہ، چارسدہ، لوئر دیر کے علاوہ

گلگت بلتستان میں زلزلے سے تباہی کی اطلاعات ہیں۔ ان علاقوں میں پہاڑی تودے گرنے سے بہت سے راستے بند ہو گئے۔ ناران اور کاغان کو ملانے والی سڑک ایک بار پھر بند ہو گئی ہے جسے آرمی کی ٹیموں نے سیاحوں کو نکالنے کیلئے کھولا تھا۔ لینڈ سلائیڈنگ اور پہاڑی تودے گرنے سے شاہراہ قراقرم بھی بند ہو چکی ہے۔ چارسدہ میں چار بچے، لوئر دیر کے علاقے ثمرباغ میں تین بچے جاں بحق ہو گئے۔ یہ زلزلہ اس قدر خوفناک تھا کہ پاکستان کے علاوہ دبئی، دہلی اور افغانستان تک سب لرز گئے۔ محکمہ موسمیات کے مطابق ریکٹر سکیل پر شدت 1.8 تھی جبکہ امریکی جیالوجیکل سروے نے یہ شدت 5.7 بتائی ہے۔ زلزلے سے مختلف مقامات پر دیواریں اور چھتیں گر گئیں۔ ہسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی۔ شمالی علاقوں میں گلیشئر ٹوٹ گئے خیبر پی کے، گلگت بلتستان، آزاد کشمیر، اسلام آباد، پنجاب، سندھ اور بلوچستان سمیت افغانستان اور دبئی میں بھی زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کئے گئے۔ زلزلے کے جھٹکے اسلام آباد، لاہور، سیالکوٹ، بھکر، فیصل آباد، ملتان، اوکاڑہ، لیہ، جہلم، شیخوپورہ، وہاڑی، ننکانہ صاحب، ٹوبہ ٹیک سنگھ، سرگودھا، بہاولنگر، خانیوال، نارووال سمیت پنجاب کے دیگر شہروں میں محسوس کئے گئے۔ پشاور، سوات، مالاکنڈ، ایبٹ آباد، دیر، چترال، ایبٹ آباد، کوہاٹ، ہری پور، چارسدہ، گلگت، ناران، پارہ چنار، سانگلہ ہل، ڈیرہ اسماعیل خان، مانسہرہ، مظفرآباد سمیت آزاد کشمیر کے بھی کئی علاقے زلزلے سے لرز اٹھے۔ کوئٹہ اور کراچی میں بھی زلزلے کے جھٹکے محسوس

کئے گئے، جس سے لوگوں میں خوف وہراس پھیل گیا۔ ایک لمحے میں جب زندگی بدل جاتی ہے اور بہت سے لوگ زندگی سے موت کے مُنہ میں چلے جاتے ہیں تو اِن حالات میں اپنے پیاروں کے جانے کا دکھ برداشت نہیں ہو پاتا۔ لیکن ایک بات تو طے ہے آخر ہر ذی روح نے لوٹ جانا ہے۔ زلزلہ آنے کے مادی اور روحانی دونوں محرکات ہیں زمین کی پلیٹس کی حرکت، کرہ ارض پر ہونے والی تبدیلیاں۔ آتش فشانی کا عمل۔ اِس کے ساتھ ساتھ روحانی محرکات جو ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہے ہیں کہ حرص لالچ، زنا شراب، ڈاکے سب کچھ تو عام ہے جب ظلم بڑھ جاتا ہے تو تقدیر اُس کے لیے بھی کچھ نظام کر دیتی ہے۔ بس ہمیں ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ رب پاک کی نافرمانی سے بچیں۔ ابھی بھی ہمارے پاس زندگی کی جو ساعتیں ہیں اُن کو غنیمت جانیں۔

جناب چیف جسٹس لاہور ہائی کوٹ منظور ملک صاحب الوداع

پنجاب کے عوام آپ کے شکر گزار ہیں

لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب منظور ملک صاحب نے بہت کم عرصہ صرف سات ماہ بطور چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ گزارا۔ لیکن جناب چیف جسٹس کی جانب سے جس طرح فعالیت دیکھنے میں آئی یقیناً یہ بات عدل کے ایوانوں کے لیے انتہائی اطمینان کا باعث ہے۔جناب چیف جسٹس نے برسوں سے ایوان عدل کے باہر ٹریفک کے ہجوم کے حوالے سے لاہور بار سے اپیل کرکے وہاں سے پارکنگ ختم کروائی اور یوں دہائیوں سے قائم پارکنگ سے ایمرجنسی کی حالت سے نبٹنے کے لیے بہتر صورتحال پیدا ہوئی ہے گوکہ سائلین اور وکلاء کے لیے پارکنگ دور ہونے سے تکلیف تو ہے لیکن خدانخواستہ اگر کسی ایمبولینس کو رکاوٹ کی وجہ سے اگر کسی کی جان چلی جائے تو اُس حوالے سے یہ قدم سراسر ایک راست قدم ہے۔ویسے بھی موجودہ حالات میں دہشت گردی کے مسائل کی وجہ سے اتنا زیادہ رش وہ بھی ایک انتہائی اہم شاہراہ پر اور ایوان عدل کے سامنے جہاں ہزاروں سائلین وکلاء جمع ہوتے ہیں بہت خطرناک ہوسکتا ہے ۔ جناب چیف جسٹس اور صدر لاہور بار اِس حوالے سے خراج تحسین کے مستحق ہیں۔پارکنگ والا معاملہ کسی حکم کے ذریعے

نہیں بلکہ باہمی افہام و تفہیم کے ذریعہ سے ہی حل ہو سکتا تھا۔ جناب چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ منظور ملک کا سب سے بڑا کارنامہ لاہور کی تمام عدالتوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنا ہے۔ جناب چیف جسٹس جو ہمیشہ خود پہ فخر کرتے ہیں کہ وہ وکیل ہیں اور اُنھیں جج سے زیادہ وکیل ہونے پہ فخر ہے اُنھوں نے وکلاء اور سائلین کی بے پناہ مشکلات کا ادراک کرتے ہوئے بہت بڑا کام کیا ہے۔ لاہور جس کی آبادی ایک کروڑ سے زائد ہو چکی ہے رش بہت زیادہ ہے۔ ٹریفک کے مسائل اور عدالتیں ایک کونے سے دوسرے کونے میں پھیلی ہوئیں وکلاء کی سارا دن دوڑ لگی رہتی تھی اور اِس سے اُن کی استعدادِ کار پر بھی منفی اثر پڑتا جس کا نقصان بہرحال سائل کو ہی ہوتا۔ یوں اِس امر کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ کہ جناب منظور ملک نے کمال کر دکھایا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ ایوان عدل کے ساتھ ملحقہ کواپریٹیو کی عمارت بھی عدالتوں کے لیے لے لی گئی ہے اُس سے بھی سول کورٹ کے کام میں آسانی ہو گی۔ سول اور ایڈیشنل ججز کی تعدد میں اضافہ کے لیے بھرتی کے عمل کو تیز کیا گیا ہے۔ فیملی اور گارڈین ججز کی تعداد کو بڑھایا جانا بھی زیادہ آبادی والے شہروں کے لیے بہت اہم ہے۔ چیف صاحب نے عدالتوں کا پنجاب بھر میں اچانک معائنے کا سلسلہ شروع کیا جس کے اثرات ظاہری بات ہے بہتر ہوں گے۔ ججز عدالتوں میں بیٹھیں گے اور عملہ بھی ہوشیار باش ہو گا۔ 30 مارچ 2015 کو بطور چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ حلف لینے والے جناب منظور ملک نے صرف سات ماہ کا عرصہ ہی بطور چیف جسٹس گزاراہ

ہے۔اور انھیں سپریم کورٹ کا جج بنا دیا گیا ہے اور اب وہ اِس ذمہ داری سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔ وکلاء برادری کی جانب سے جناب چیف جسٹس منظور ملک کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ پاک اُن کی محنتوں کو قبول فرمائے اور ملک میں جس طرح کا قحط الرجال کا دور دوراں ہے ایسے میں جناب منظور ملک جیسے لوگ بہت بڑی غنیمت ہیں۔اللہ پاک اُن کو عمر خضر عطا فرمائے آمین۔ نئے نامزد چیف جسٹس جناب اعجاز الحسن صاحب انتہائی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں ۔اُن سے گزارش ہے کہ ماتحت عدلیہ میں ٹاوٹ مافیہ، جعلی وکیلوں کا خاتمہ کیا جائے اور ماتحت عدالتی عملے کی لوٹ مار سے سائلین کو بچایا جائے ۔اور قدم قدم پر ریڈروں، اہلمدوں اور کاپی برانچ والوں کی رشوت خوری کو لگام دی جائے اِس کے لیے خفیہ نگرانی کا نظام بھی متعارف کروایا جائے۔انصاف کے عمل کو تیز تر کرنے کے لیے لمبی لمبی تاریخوں کی بجائے جلد انصاف مہیا کرنے کے اقدامات کیے جائیں۔

جناب چیف جسٹس لاہور ہائی کوٹ منظور ملک صاحب الوداع پنجاب کے عوام آپ کے شکر گزار ہیں۔

بلدیاتی الیکشن کے پنجاب میں نتائج۔نوجوان تحریک انصاف سے ناراض ؟

پنجاب کے بارہ اضلاع میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات کے نتائج نے سیاسی پنڈتوں کو حیران وپریشان کر دیا ہے۔کنٹونمنٹ بورڈ کے الیکشن سے امید واثق تھی کہ ن لیگ 60%اور پی ٹی آئی 40%تک سیٹیں جیتے گی۔لیکن بلدیاتی انتحابات نے پاکستان قوم کو ایک عجیب مخمصے میں ڈال دیا ہے۔اور کپتان کی کارکردگی سوالیہ نشان بنا کر رہ گئی ہے۔ بلدیاتی انتخابات کے غیر سرکاری وغیر حتمی نتائج کے مطابق پنجاب میں مسلم لیگ ن پہلے، آزاد دوسرے، پی ٹی آئی تیسرے نمبر پر رہی۔ پنجاب کی 2696 میں سے 1671 نشتوں کے نتائج آگئے جس کے مطابق مسلم لیگ ن نے 784 نشتیں جیت کر برتری حاصل کرلی تھی جبکہ دیگر کامیاب امیدواروں میں آزاد 613، پی ٹی آئی 164، پی پی پی28، مسلم لیگ ق26 اور جماعت اسلامی اور عوامی تحریک نے دودو نشتیں حاصل کیں۔ سندھ کی 1070 میں سے 777 نشتوں کے نتائج کے مطابق پیپلز پارٹی نے 564 نشتیں حاصل کرکے برتری حاصل کرلی۔ 130 نشتیں آزاد امیدواروں نے جیتیں۔ مسلم لیگ ن، پی ٹی آئی، ایم کیو ایم، جماعت اسلامی کوئی نشست حاصل نہ کرسکیں۔ جے یو آئی ف 11، مسلم لیگ فنکشنل کو50 نشتیں ملیں۔ پاک پتن میں مسلم لیگ ن کے 43 امیدوار کامیاب ہوئے آزاد امیدواروں نے 38، تحریک انصاف نے 9، عوامی تحریک نے ایک نشست پر کامیابی حاصل کی۔ مسلم لیگ ن کے 17

امیدوار جیت گئے۔ آزاد امیدواروں نے 26 پیپلز پارٹی نے ایک نشست پر کامیابی حاصل کی، 42 نشستوں پر آزاد امیدوار کامیاب ہوئے۔ پیپلز پارٹی نے 9، پی ٹی آئی نے 8 نشستیں حاصل کیں۔ گجرات میں مسلم لیگ ن نے 46 آزاد امیدواروں نے پیپلز پارٹی نے 13، پی ٹی آئی نے 13 جب کہ دیگر امیدواروں نے 15 نشستیں 33 حاصل کیں۔ چکوال میں مسلم لیگ ن کے 8 امیدوار کامیاب ہوئے، 9 آزاد امیدواروں نے کامیابی حاصل کی ق لیگ نے 7 تحریک انصاف نے 2 نشستیں حاصل کی۔ ق لیگ نے 7 تحریک انصاف نے 2 نشستیں حاصل کیں۔ وہاڑی میں مسلم لیگ ن نے 29 نشستیں حاصل کیں، 45 آزاد امیدوار کامیاب ہوئے۔ فیصل آباد میں مسلم لیگ ن نے 73 نشستیں حاصل کیں۔ 102 سیٹوں آزاد امیدواروں نے کامیابی حاصل کی۔ تحریک انصاف کے 21 امیدوار کامیاب ہوئے۔ بہاولنگر میں مسلم لیگ ن نے 14 نشستیں حاصل کیں۔ جب کہ آزاد امیدوار 62 نشستوں پر کامیاب ہوئے۔ سابق ایم این اے یوسف کسیلہ کے 3 بھائی بھی الیکشن ہار گئے سپیکر پنجاب اسمبلی رانا محمد اقبال کے دو بھانجے شکست سے دوچار ہوگئے۔ رائے مشتاق احمد خان کھرل کی بھاری اکثریت سے جیت رائے مشتاق احمد خان کھرل چیئرمین اور فاروق ساجد وائس یو سی سلیم پور پکا سے مسلم لیگ ن کے ٹکٹ پر بھاری ووٹوں سے جیت گئے جبکہ ان کے مخالف سپیکر صوبائی اسمبلی رانا محمد اقبال کے دو بھانجے رانا تحسین اخلاق اور رانا احسان اخلاق ہار گئے جبکہ اس کا ایک بیٹا بھی ہار گیا۔ سابق گورنر سرور نے بلدیاتی انتخابات میں بھرپور محنت کی لیکن پی ٹی آئی نے

تھوک کے حساب سے پیپلز پارٹی اور ن لیگ کے افراد کو اپنی پارٹی میں شامل کیا اُس سے سنجیدہ مزاج کے افراد اور تبدیلی کی خواہاں نوجوان نسل مایوسی میں ڈوبتی جا رہی ہے۔یوں پی ٹی آئی کی الیکشن جیتنے کی سیاست نے اُس کے انداز سیاست پر کئی سوالات اُٹھا دیے ہیں ۔ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ عمران خان کے مشیران اکرام وہی ہیں جو مشرف اور زرداری کے تھے ۔نیا پاکستان بنانے کی راہ میں نکلنے والے کپتان نے اپنے گرد لینڈ مافیا قبضہ گروپ اور روایتی سیاستدان جن کا مشن ہی سیاست بطور کاروبار ہے کو اکھٹا کر لیا ہے۔اِس لیے کالجوں یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم نوجوان کپتان کی سیاست سے نالاں نظر آرہے ہیں۔جس کی وجہ سے حالیہ بلدیاتی انتخابات میں ن لیگ نے پی ٹی آئی کا دھڑن تختہ کر دیا ہے۔ عوام ن لیگ سے زیادہ خوش ہر گز نہیں ہیں لیکن عمران خان کے انداز سیاست نے عوام کو ایک مرتبہ پھر سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔کہ کپتان کی سوچ کی سوئی پرویز مشرف زرداریوں اور چوہدریوں کے حواریوں پر اٹکی ہوئی ہے ۔ پاکستانی معاشرے میں تبدیلی کا ڈھونڈورا پیٹنے کے علمبردار خود ہی کپتان سے مایوس ہیں۔ کپتان کی حد سے زیادہ احتجاجی سیاست اور میں نہ مانوں کی رٹ نے اُن کے موقف کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔اِس الیکشن میں پاکستان عوامی تحریک اور ق لیگ بھی سکون سے بیٹھی رہیں ووٹروں نے اُن کا حال تک نہ پوچھا۔اور بھٹو خاندان کی پی پی پی سندھ میں بلدیاتی الیکشن میں چھائی رہی لیکن پنجاب کے بلدیاتی الیکشن میں تو پیپلز پارٹی کے ووٹروں

کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔بلدیاتی الیکشن گلی محلے کے الیکشن ہیں اِن میں زور وشور بہت زیادہ ہوتا ہے۔اِس الیکشن میں برادریاں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔لیکن 31اکتوبر 2015 کے بلدیاتی اداروں کے ممبران کے چناؤ نے سارا وزن ن لیگ کے پلڑے میں ڈال دیا ہے۔اِس الیکشن میں گو کہ ن لیگ کو ٹکٹ دینے کے مقابلے میں کافی پریشائی ہوئی ہے ایک ٹکٹ کے لیے کئی امیدوار تھے۔دوسرا کئی ن لیگی کارکن آزاد امیدوار کے طور پر بھی قسمت آزمانے میں لگے رہے۔بہرحال ن لیگ کو آزاد امیدواروں سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔راقم کے خیال میں تحریک انصاف کو انداز سیاست میں تبدیلی لانی پڑے گی کیونکہ تحریک انصاف کے مسلسل دھاڑنے سے شاہذ ن لگے کے اندر مثبت تبدیلی تو آرہی ہے کہ اُسے بلدیاتی الیکشن میں کامیابی ملی لیکن خود تھریک انصاف میں بہتری پیدا نہیں ہورہی۔جناب عمران خان کو اپنے مخلص کارکنان جسٹس وجیہہ، عارف علوی جیسے لوگوں کی بات سننی چاہیے۔

تعلیم کا معیار کیوں نہیں رہا؟

پاکستان میں تعلیم کا جو حشر ہو رہا ہے وہ ایک ایسی گھناونی سازش ہے کہ جس کی مثال شاید انگریز دور کے متحدہ ہندوستان مین بھی نہ ملتی ہو۔ جس قوم کے راہبر حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے سب سے زیادہ خوبصورت لفظ معلم انسانیت پسند فرمایا ہو اور آج مملکت خداداد پاکستان میں تعلیم کو جس طرح امتیازی گروہوں میں تقسیم کردیا گیا ہے یہ آئین پاکستان کے بنیادی حقوق کے آرٹیکل کی خلاف ورزی ہے۔ گلی محلے میں وہ لوگ جو جو سبزی بیچتے تھے انہوں نے 3،4 مرلے کے گھر میں ڈربہ نما سکول بنا رکھے ہیں جہاں اساتذہ کی ذمہ داری آٹھویں پاس اور میٹرک فیل وہ لڑکیاں انجام دے رہی ہیں جن کا اپنا مستقبل تاریک ہے۔ اور یہ سکول محکمہ تعلیم کی ناک تلے خوب ترقی تر رہے ہیں۔ چند سو روپے فیس، کتابوں کی من مانی قیمتیں کاپیوں کی مد میں بچوں کے والدین کی جیب پر ڈاکہ ، اور بچوں کی تربیت کا یہ عالم کے بچے گھر آ کر اپنی ٹیچر اور سکول مالک کے معاشقوں کے قصے سناتے ہیں۔ اگر اعداد و شمار اکٹھے کیے جائیں تو پتہ چلے گا کہ اِس طرح کے سکول جو گلی محلے میں کھلے ہوئے ہیں اُن کے مالک جو ہیں وہ ایک سے زائد شادیاں رچائے بیٹھے ہیں ۔ تعلیم و تربیت اور مشنری جذبے سے عاری یہ سکول نسل کو تباہ و برباد کر رہے ہیں ۔ اِس سے ذرا اوپر جائیں تو دیکھتے ہیں نسبتاً

گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ خواتین و حضرات نے سکول کھول رکھے ہیں۔ اُن کی فیس ایک ہزار روپے کے لگ بھگ ہیں۔ ایسے سکول چند مرلے یا کسی مارکیٹ کے اوپر چند دکانوں میں کھلے ہوتے ہیں۔ یہ سکول زبردستی کتابیں اور کاپیاں خود دیتے ہیں اور منافع کی شرح 100% سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اِن سکولوں میں سٹاف میٹرک، ایف اے، بی اے وغیرہ ہوتا ہے اور تعلیمی میعار یہاں بھی ناقابل بیان ہے۔ انتہائی قلیل تنخواہ مثلاً بی اے 1200 روپے ماہانہ اور آٹھ آٹھ پریڈ پڑھوائے جاتے ہیں اِن حالات میں کوالٹی کا تو جنازہ ہی نکالے گا۔ اکثر میٹرک کے بچے خواتین اساتذہ کے قابو نہیں آتے اور وہ لڑائی مار کٹائی میں مصروف عمل رہتے ہیں اوپر سے موبائل نے ہر طرف تباہی مچا رکھی ہیاور جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ خصوصاً خواتین کو دو یا ڈھائی ہزار روپے کی خاطر سخت مشقت کرنا پڑتی ہے۔۔ وہ مشقت صرف نشستن اور برخاستن تک محدود ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت نام کی چیز کہیں نظر نہیں آتی۔ آئے دن فنکشن کرکے سکول کے طلبہ و طالبات کا دل بہلایا جاتا ہے اور بچوں سے فنکشن کے نام پر پیسے بٹورے جاتے ہیں۔ اِن فنکشنوں میں انگریزی اور ہندوستانی ثقافت کی پرموشن کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔ لڑکے لڑکیوں کو ہندوستانی اور انگریزی گانوں پر ڈانس کروایا جاتا ہے۔ ان سکولوں کی آؤٹ پٹ گھر بیٹھی رشتوں کے انتظار میں بے چاری غریب خاندان کی لڑکیوں کی صبح کے وقت کی مصروفیت اور پھر ان سکولوں کے بچوں میں سے ٹیوشن کے لیے بچوں کو متوجہ کرکے گھر بلوا کر ٹیوشن پڑھانا

ہے۔ اب اگر ہم بیکن ہاؤس، ٹرسٹ سکول ، سٹی سکول ، شویفات ، ایل جی ایس ، سلامت سکول سسٹم ، کی طرف آئیں تو یہاں پر ایک بچے کے ماہانہ تعلیمی اخراجات و آمد و رفت کے اخراجات وغیرہ۔ کتابیں کاپیوں کی مد میں کل ملا کر تقریباً 25000\= روپے سے بھی زائد تک بنتے ہیں ۔ اِس میں ایچی سن شامل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا سکولوں میں امیر افراد کے بچے یا سرکاری ملازم جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا حرام کی کمائی ہے اُن کے بچے پڑھتے ہیں ۔ یہ ہی بچے ہوم ٹیوشن کے لیے 15 سے 20 ہزار روپے بھی خرچ کرتے ہیں۔ اب ذرا سرکاری سکولوں کی حالت زار پر غور کیجئے ۔ سرکاری سکولوں کے اساتذہ اپنے صدر مدرس کو باقائدہ طور پر ماہانہ بنیادوں پر بھتہ دیتے ہیں تاکہ وہ اُن کے ٹیوشن پڑھانے کے کام میں رکاوٹ نہ ڈالے ۔ ہر کلاس انچارج صدر مدرس کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے اور وہ بچوں کو مار پیٹ کر یا کسی طرح بھی ترغیب دے کر ٹیوشن پڑھنے پر مجبور کرتا ہے ۔ اور یوں یہ کاروبار صدر مدرس کی حصہ داری سے زور شور سے جاری ہے اِس لیے صدر مدرس کو قطعاً پرواہ نہیں ہوتی کہ کلاس میں سکول ٹائم میں پڑھائی کا میعار کیسا ہے۔ سرکاری سکولوں میں ہیڈ ماسٹر تمام کلاسوں میں مختلف من پسند پبلشرز کی امدادی کتب لگواتے ہیں اور اِس میں بھاری کمیشن وصول کرتے ہیں ۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ سرکاری سکولوں میں اساتذہ سکول ٹائم میں بھی ٹیوشن کے حساب سے کام کرواتے ہیں ۔ اور ٹیوشن کے وقت کی پڑھائی کو compensate کر رہے ہوتے ہیں۔

سرکاری سکولوں میں انتہائی تعلیم یافتہ ایم اے، ایم ایڈ اساتذہ تعنیات ہیں اوران تنخواہوں کا اگر جائزہ لیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ عام ٹیچر جس کی سروس ۱۰ سال ہے اور وہ بی اے بی ایڈ ہے وہ 50 ہزار روپیے بھی زیادہ تنخواہ لے رہا ہے۔
صدر مدرس لاکھ روپے سے بھی زیادہ تنخواہ وصول کرتا ہے اسکے علاوہ اساتذہ سے ٹیوشن پڑھانے کا بھتہ علیحدہ اور امدادی کتب میں کمیشن بھی لاکھوں روپے تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے۔ کہ سکول میں چھٹی ہوتے ہی وہی اساتذہ۔ وہی بچے اُن کمروں میں ٹیوشن ورک میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ گویا مادہ پرستی نے معلّمی کے پیشے کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ جو سرکاری سکول مارکیٹوں کے پاس ہیں اُن کے صدر مدرس باقائدہ مارکیٹوں میں موجود دکاندار کی گاڑیاں سکولوں کے اندر پارک کرواتے ہیں اور ان سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ سرکاری سکول میں موجود ہونے والی پڑھائی اِس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ تھوڑے سے وسائل رکھنے والا شخص بھی سرکاری سکولوں کا رخ کرنے میں بے عزتی کرتا ہے۔ حالانکہ سرکاری سکولوں میں اساتذہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن افسوس اخلاق نہیں رہا، جس سے معیار تعلیم اخلاقی گراوٹ کی حد تک گر چکا ہے۔ ان ہی سرکاری سکولوں سے جہاں حکومت اربوں روپے کا بجٹ خرچ کرتی ہے بہترین

نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں ۔ لیکن اُستاد خود بھی پیسے کمانے کی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے۔ اُسے تو ہر حال میں کنگ میکر رہنا چاہئے تھا لیکن وہ اپنا فرض چھوڑ کر خود کنگ بننے کی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے۔ تعلیم اور کاروبار کو ایک پیمانے پر نہیں پرکھنا چاہیئے ۔ میں تو یہاں تک لکھ دیا گیا ہے ۔ کہ حکومت کا فرض A-آیئن پاکستان کے آٹیکل 25 ہے کہ 16 سال کی عمر تک کے بچوں کو مفت تعلیم دی جائے ۔ رونا صرف مفت تعلیم کا نے مساوات Class discrimination نہیں ۔ یہاں تو اذیت ناک امر یہ ہے کہ کے داعی اسلامی ملک میں تعلیم جیسے اہم شعبے میں افسوس ناک صورتحال اختیار کر لی ہے۔ آزادی ، رواداری مساوات امن و آشتی اچھی تعلیم وتربیت کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں ۔ یہاں سرکاری ، پرائیویٹ ادارے ۔ مدارس ، میٹرک او لیول ، کیمبرج کیا کچھ ہماری قوم کے ساتھ مذاق نہیں ہو رہا۔ ایلیٹ کلاس اور متوسط طبقے اپنے لیے اِس کی وجہ سے نچلے طبقے کے افراد کو اپنا دشمن بنا چکے ہیں ۔ یکساں نظام Discrmination تعلیم جس کا مقصد اعلیٰ تعلیم وتربیت ہو بغیر کسی مذہب ، نسل اور کلاس کے سب کی پہنچ میں ہو۔ جب راہبر ہی راہزن کا روپ دھار لیں تو منزل تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔

وغیرہ کے لیے لاکھوں روپے ہے۔ ہے۔ Ms اور Bs سرکاری یونیورسٹیوں کی فیس بھی گویا یہ ہمارے معاشرے میں یونیورسٹی اور کارخانے میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔ تعلیم تو ایک مقدس فریضہ ہے اور ہمارے دین کی اساس ہی لفظ ” اقراء ” پر ہے۔ پھر یہ تعلیم اور کاروبار دونوں کو

ہم معنی کیوں بنا دیا گیا ہے۔ خدارا تعلیم کو تعلیم ہی رہنے دیجیئے بچے خواہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ، امیر ہوں یا غریب تعلیم سب کی پہنچ میں ہونی چاہیئے اور یکساں نظام تعلیم وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ آئین پاکستان کے زندگی کے تمام شعبہ جات میں مساوات کا علم بردار ہے تو تعلیم کے معاملے میں اتنی زیادہ

سمجھ سے بالاتر ہے۔ مملکت خداداد پاکستان میں علم جیسے بنیادی Discriminatiion شعبے میں روا رکھا جانے والا یہ امتیاز مختلف سوچ اور خیال کے طبقات کو جنم دے رہا کی بناء پر معاشرتی تفاوت، نفسیاتی رویوں میں تبدیلی Differance ہے۔ اس کلاس کلاس کا غریب افراد سے رویہ کیا یہ سب کچھ مساوات ہے۔ یکساں نصاب Rulling اور یکساں تعلیمی ادارے ، یکساں مواقع یہ سب کچھ کون کرے گا۔ دانش سکولوں کا قیام بہت ، اچھی بات تعلیم کی خدمت ہے لیکن ذرا غور فرمایئے بجائے اس کے کہ خادم اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں امتیاز کو جائز جانتے ہوئے غربا و مساکین کے لیے اچیسن کے مقابلے میں دانش سکول کھولے ہیں ۔ ہمارے ملک میں سیاست دان زیادہ تر سیاسی نعروں پر زندہ رکھتے ہیں ۔ قوم کی تعلیمی حالت کو درست کرنے کے لیے ایک لانگ ٹرم منصوبہ بندی درکار ہے۔ میڈیا اور اہل رائے افراد جن کی معاشرے میں نفوذ پذیری بہت زیادہ ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اِس حوالے سے اپنا کردار ادا کریں اور پوری قوم کے لیے یکساں نظام تعلیم اور تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع سب کو میسر آنے چاہیں۔ پرائیویٹ اداروں کو چارٹر دے کر ڈگریاں تقسیم کرنے کا

اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن جتنی مہنگی تعلیم وہ دے رہے ہیں اور جو طبقہ وہاں سے وہاں سے فیض پا رہا ہے وہ یقینا 10 ہزار رہو پے روپے کمانے والے مزدر بیٹا نہیں ہے۔ Bs, وہ آسانی سے کر سکتا ہے جس کے پاس لاکھوں MBBS ،BDS ، ڈاکٹر آف فارمیسی Ms روپے ہیں۔ کیونکہ پرائیویٹ ادارے ہر شہر میں ہر طرح کی ڈگریاں دینے کے مجاز ٹھرے ہیں۔ اُن کی فیسوں کا یہ حال ہے کہ وہاں صرف ایلیٹ کلاس کے بچے ہی پڑھ سکتے ہیں۔ کیا یہ آئین پاکستان کے انسانی بنیادی حقوق کے آرٹیکل کی کھلی خلاف ورزی نہیں ہے۔ سرمایہ دراہ نظام کے ظالمانہ نظام نے ترقی پزیر م مالک میں عموماً اور ہمارے ملک میں خصوصاً ہر شعبے کو اپنا یرغمال بنا رکھا ہے۔ تعلیم کا شعبہ بھی سرمایہ دارانہ نظام کی سوچ اور فری مارکیٹ کے نام کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔ پاکستانی نظامِ تعلیم کو بچانے کے لیے ایک بھرپور تعلیمی ایمر جنسی کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی قومی تحریک جس کا سلوگن بس ایک ہی ہونا چاہیے کہ سب کے لیے تعلیم ایک جیسی۔ روحانی تربیت کا گھوارہ سمجھے جانے والے ادارے جن کو صفہ جیسے نبی پاک ﷺ کے قائم کردہ اداروں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ محض صرف مادہ پرستی سے بھرپور پیسہ کمانے والی دکانیں بن کر رہ گی ہیں۔ نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے خود براہ راست علم سے نوازا۔ اور آقا نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں معلمِ انسانیت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لفظ اقراء سے دین کی مساعی کا آغاز ہوا۔ قرانِ پاک ایک الہامی، علمی ، تحقیقی ،تاریخی ۔ سبق آموز، ہدایت کا سرچشمہ کتاب ہے۔ صاحب قران کی

فضیلت یعنی نبی ﷺ کی عظمت ملاحظہ فرمائیں کہ نبی پاک ﷺ نے کہا اے صحابہؓ یہ میں نے جو آپ کے سامنے بات کی ہے یہ قرانِ پاک ہے۔اور اگر آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ صحابہ یہ بات حدیث ہے تو صحابہ اکرامؓ نے اُس بات کو حدیث تسلیم کیا۔

جب آقا کریم ﷺ کی تصدیق سے قران پاک کو قران تسلیم کیا جارہا ہو تو پھر اس لاریب کتاب کی عظمتوں کا عالم کیا ہو گا۔اور تصدیق کرنے والی ہستی نبی پاک ﷺ کی عظمتوں ، رفعتوں کا عالم کیا ہو گا۔ہمارے معاشرے میں تعلیمی ماحول میں مشنری جذبے کی کمی ہے، علم حاصل کرنے والوں کے درمیان محبت خلوص جیسے الفاظ بے معنی بن کر رہ گئے ہیں۔ اساتذہ کا روپے پیسے کی دوڑ میں شامل ہو جانا ایسے ہی ہے کہ سانپوں کی طرح معاشرہ اپنے ہی انسانوں کو نگل رہا ہے۔ اشرافیہ نے اپنی رہائیش کے لیے علحیدہ اُونچی اور خاردار تاروں کی فصیلوں میں اعلیٰ درجے کی رہائش گاہیں بنا رکھی ہیں اسی طرح اُنھوں نے اپنے لیے علحیدہ تعلیمی نظام اور علحیدہ تعلیمی ادارے قائم کر لیے ہیں۔

یہ تو انصاف اور مساوات پر مبنی معاشرے کی حالت نہیں لگتی البتہ یہ تو چھوت چھات کے قائل اُس معاشرے کی کہانی لگتی ہے جس سے ہم نے آزادی ہی اس مقصد کے لیے حاصل کی تھی ہم مساوات، رواداری اور اپنے رب پاک کے احکامات کے مطابق معاشرہ تشکیل دیں گے جو کہ اطیواللہ واطیوالرسول کے عظیم نصب العین پر قائم ہو گا۔ جہاں لارڈ میکالے کی سوچ سرایت نہ کر سکے گی جہاں مادہ پرستی کی بجائے اُس نظام کا بول بالا ہوگا جو کہ ہمارے نبی پاک ﷺ نے ہمیں دیا۔ پاکستانی معاشرے

میں زبردست خالص علمی و فلاحی تحریک کی ضروت ہے۔اس مقصد کے لیے ہارے پاس نبی پاک ﷺ کا اسوہ حسنہ اور اُن پر نازل کردہ الہامی کتاب موجود ہے۔ صرف عمل کی ضرورت ہے۔ اس مُقصد کے لیے ایسے بیدار مغز افراد کی ضرورت ہے۔ جو روحانی اقدار کا پرچار کرنے والے بھی ہوں اور اُن کو حضرت امام غزالیؒ، داتا علی ہجویریؒ، اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی نسبتوں کا بھرم رکھنا آتا ہو۔ نبی پاک ﷺ کے سچے عاشق ہی پوری قوم کا بھرم رکھ سکتے ہیں۔

ایک ملک غریب ہے کیونکہ وہ غریب ہے۔؟

انسانی احتیاجات میں تیزی سے پیدا ہونے والی نمو نے پوری دنیا میں افراط زر میں بہت خطرناک حد تک اضافہ کیا ہے۔ جن ممالک میں معاشی سرگرمیاں پہلے ہی سیاسی عدم استحکام یا امن و عامہ کی صورتحال کی وجہ سے ڈھیلی ڈھالی چل رہی تھیں وہاں افراط زر کی وجہ سے مہنگائی میں ہوشربا اضافہ ہو چکا ہے۔پاکستانی معیشت کا پہیہ جس طرح چل رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ٹیکس کلچر نہیں ہے اور نہ تجارت میں ایمانداری کا عنصر موجود ہے۔جب ریاست کے پاس اپنے انتظام و انصرام کے لیے ریونیو نہیں ہوگا تو وہ کس طرح چل پائے گی۔حالیہ دنوں میں ہم نے دیکھا کہ پاکستانی معیشت کی بہتری کے آثار نظر آنا شروع ہوئے ہیں۔اِس کی سب سے بڑی وجہ دہشت گردی کی جنگ میں پاکستانی فوج کا لازوال کردار ہے۔ کراچی میں امن و امان کی بحالی نے وہاں روشنیاں بکھیر دی ہیں۔ پاکستان کی معاشی حب کراچی میں امن آنے کا مطلب سیدھا سادا سا یہ ہے کہ اب کاروبار میں تیزی آئے گی۔ حکومتِ پاکستان کو محصولات میں جو کمی کا سامنا ہے اِس کی بڑی وجہ ایف بی آر کے کرپٹ افسران ہیں۔ پاکستان میں احتساب کا ادارہ صرف سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر حرکت میں آتا ہے اگر ایف بی آر کے افسران اپنی محنت کرنے کا حق ادا کریں۔ تو پھر یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں ٹیکس کلچر پروان چڑھ

سکتا ہے۔ یک جنبش قلم اگر یہ حکم صادر فرما دیا جائے کہ ایف بی آر کے افسران کے اثاثہ جات اور اُن کا موجودہ رہن سہن کا انداز اور اُن کے بچوں کی تعلیم کے اخرجات کتنے ہیں اور اُن کی تنخواہ کتنی ہے۔ افسوس جب بھی ہمارے ملک میں آمریت آئی وقتی طور پر تو اُنھیں چھوٹی موٹی کامیابیاں ملتی رہیں لیکن بعد ازاں آمریت کے سردار سیاستدانوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یوں پھر اقتدار کو طول دینے کے چکر میں پڑنے والے ہمارے فوجی سپہ سالار نے پہلے دن جو قوم کے ساتھ انقلابی وعدے کیے ہوتے ہیں اُن کو مفادات کی نظر کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ بے ڈھنگی چال سے نظام فیض یاب ہوتا رہتا ہے جس بے ڈھنگی چال کو آمر نے ٹھیک راہ پہ چلانے کے لیے سیاسی اداروں کو روندا ہوتا ہے۔ چند روز قبل ایک کالم نگار نے ایک بات کہی تھی کہ ہماری قوم کی بدقسمتی ہے کہ ہمیں جو آمر ملتا ہے وہ بھی جینوئن نہیں ہوتا۔ یوں وطن کے ساتھ محبت کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے کہ پاکستان کی ترقی کی راہ میں نوکر شاہی اور ملٹری اسٹیبلیشمنٹ کا گٹھ جوڑ اور کرپٹ سیاسی مہرے ایسے ہیں جو کہ گجرات کے چوہدریوں کی طرح سیاست کرتے ہیں کہ بس حکومت میں رہنا ہے خواہ مشرف ہو خواہ زرداری ہو۔ خواہ جمہوریت ہو خواہ آمریت ہو اُنھیں اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چوہدریوں کی سیاست کا تو میں نے بطور استعارہ استعمال کیا ہے سیاسی قبیلے میں ہر طرف ایسا ہی ہے۔ جیسے ہی پیپلز پارٹی کی حالت کمزور ہوئی ہے تو پیپلز پارٹی کے سیاست دان تحریک انصاف کی کشتی میں دھڑا دھڑ

بیٹھ رہے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہی کہ ٹکٹ ملے گی اور اقتدار حاصل کریں گے۔
نظریات والا معاملہ صرف سیاسی جماعتوں کے منشور میں لکھے ہوئے الفاظ تک محدود ہے۔ملٹری اسٹیبلیشمنٹ جب چاہتی ہے اقتدار میں آ جاتی ہے جب چاہتی ہے فوجی آپریشن کرتی ہے جب چاہتی ہے ملک میں امن و امان ہو جاتا ہے۔ سب کچھ تو فوج کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح کا ہمارا ہمسایہ دشمن ہے جو کہ پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کرتا ان حالات میں پاکستان کا وجود برقرار رکھنے کے لیے سوائے فوج پر انحصار کے اور کوئی حل نہیں ۔ اسی لیے تو تواِس وقت فوج عوام کے دلوں میں گھر کر چکی ہے کہ دہشت گردی کا قلع قمع کردیا ہے۔ معاشی حوالے سے ممکنہ تبدیلی نظر آ رہی ہے۔ چین کی جانب سے بھر پور معاشی تعاون نے پورے خطے کی حثیت تبدیل کر دینی ہے۔دیگر الفاظ میں یہ کہنا سب سے زیادہ مناسب ہوگا کہ فوج کی کمان ہی ملک کی کمان ہے۔ پاکستان کے منظر نامے میں کلیدی کردار اس وقت جنرل راحیل شریف کا ہے۔ نواز حکومت لگتا یہی ہے کہ حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر چکی ہے۔ انسانی آزادیوں کا شور مچانے والے معاشی دہشت گرد خود تو عوام سے دور رہتے ہیں۔ علحیدہ ہاوسنگ سوسائٹیاں ، علحیدہ سکول، علحیدہ شفا خانے ۔کچھ بھی تو نہیں ہے اشرافیہ کا اور عوام آپس میں کوئی تعلق۔ انگریز جس طرح اقلیت میں رہ کر حکومت کرتا تھا۔ ہماری نوکر شاہی بھی یہ ہی حال ہے۔عمران خان کی پارٹی میں سب وہی لوگ ہیں جو کہ دہائیوں سے سیاست میں ہیں جو مختلف سیاسی جماعتوں میں سے نکل کر تحریک انصاف میں آ ئے

ہیں وہی روایتی جاگیر دار، سرمایہ دار ہر پارٹی میں ہیں۔ تبدیلی کہاں سے آئے گی۔ ٹیکس چور تاجر نہیں ہیں۔ ٹیکس چوری نوکر شاہی کرواتی ہے۔ تاکہ رشوت چلتی رہے ملکی خزانے نے خاک بھرنا ہے جب باہر مک مکاء کرنے کا سہرا اِسی کرپٹ نوکر شاہی کے سر پر ہے۔پاکستان میں دہشت گردی کے ماحول نے ملک ی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ پاکستان سے تیزی سے سرمایہ کاری باہر منتقل ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ صنعت کار بنگلہ دیش میں جا پہنچے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے انرجی کا بحران اور امن و مان کی صورتحال کا پیدا ہونا۔امریکی مداخلت اور ساتھ بھارت کا گٹھ جوڑ۔ پاکستانی کے عمرانی اور سماجی ڈھانچے کی ہیت تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔ ہوس نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ خانگی نظام تباہی کے دہانے پر ہے۔ تعلیمی نظام تباہ و برباد۔ڈگریوں کی لوٹ سیل لگی ہوئی ہے۔ کہاں ہے احتساب کمیشن، کہاں ہے نیب کے افسران۔ سارے کام اگر فوج سے ہی ٹھیک کروانے ہیں تو ملک کے لیے ناسور بن جانے والی کرپٹ انتظامی مشینری کو جہنم رسید ہی ہو جانا چاہیے۔

شالیمار لنک روڈ پر تجاوزات۔ڈی سی او لاہور کہاں ہیں؟

شالیمار لنک روڈ میں تجاوزات کی بھرمار نے پیدل چلنا مشکل کر دیا ہے۔اِس روڈ پر واحد ہسپتال شالیمار ہے جس سے ملحقہ شالیمار میڈیکل کالج بھی ہے۔ایمرجنسی کے لیے اِس روڈ پر سے گزرنا مشکل بنادیا گیا ہے۔ سڑکوں پر مختلف قسم کی چیزوں کے اسٹال ، فٹ پاتھ تو نظر ہی نہیں آتے۔ حالانکہ شالیمار باغ قریب ہونے کی وجہ سے اِس سڑک کی اہمیت دو چند ہوجاتی ہے اور اِس سڑک کو بھی وی وی آئی پی کا درجہ کا غذوں میں حاصل ہے۔ ٹی ایم اے کے عملے کی ملی بھگت سے بے شمار عارضی دکانیں سجی ہوئی ہیں حتی کہ سڑک پر ہونے والی ناجائز تجاوزات پہ بننے والی دکانوں نے بجلی کے میٹر لگا رکھے ہیں۔مغلپورہ نہر کے پل سے جیسے ہی شالیمار لنک روڈ پر آئیں تو انتہائی بے ہنگم قسم کا ہجوم چنگ چی رکشوں کی بھرمار،ٹریفک جائے بھاڑ میں۔چنگ چی رکشے والے حادثات کا موجب بن رہے ہیں۔ساتھ ہی ریڑھیاں لگی ہیں اور ٹائر کو پنکچر لگانے والوں نے مغلپورہ چوک سے گزرنا اذیت ناک بنا دیا ہے۔محسوس ایسا ہوتا ہے کہ ٹریفک پولیس کے وارڈن یہاں صرف استراحت فرمانے کے لیے آتے ہیں۔ مجال ہے کہ ٹریفک کو کنٹرول کریں۔ ساتھ ہی مغلپورہ تھانہ ہے۔ تھانے سے لے کر شالامار آنے تک اگر فٹ پاتھ نظر آجائے تواُس کی تصویر کشی کر لینی چاہیے۔ رام گڑھ سٹاپ،چار نمبر گلی سٹاپ پہ توتل رکھنے

کی جگی نہیں دکانداروں کی جانب سے فٹ پاتھ سے آگے تلک سڑک پر قبضہ۔ ساتھ ہی قبرستان کیساتھ سڑک پر پھول بیچنے والوں کا تاحیات مکمل قبضہ حتیٰ کے سڑک پر ہی ڈیپ فریزرز رکھے ہیں۔ جن میں اُنھوں نے قبروں پہ ڈالنے والے ہار رکھے ہیں اور چوری کی بجلی سے مردوں کو ثواب پہنچا رہے ہیں اور جو زندہ ہیں اُن کو گزرنے تک کا راستہ نہیں دے رہے۔ تو جناب قبرستان اور درس سٹاپ کی حالت بھی بہت پتلی ہے۔ درس سٹاپ سے پیدل گزرنا ناممکن ہے۔ مچھلی والے، کباب اور پھل بیچنے والوں نے درس سٹاپ سڑک کے اوپر ایسے قبضہ کیا ہوا ہے جیسے یہ سڑک اُن کا وراثتی حصہ ہے۔ خواتین اور بچوں کا تو یہاں ں سے گزرنا انتہائی مشکل بنا دیا گیا ہے۔ درس سٹاپ سے شالیمار ہسپتال تک فٹ پاتھ بمعہ سڑک تجاوزات کی نظر ہے اور یوں ہسپتال پہنچے تک انتہائی جتن کرنا پڑتے ہیں۔ ڈی سی او لاہور کو ای میل کی وساطت سے متعدد مرتبہ پیغامات دیے ہیں سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کی فیس بک پر کمپلینٹ کی ہے لیکن الیکٹرنک میڈیا پہ شہری مشکلات کا ازالے کرنے کے دعوے دار بھنگ پی کر سو رہے

ہیں۔ شالامار ہسپتال سے لے کر شالیمار باغ کا بھی یہی حال ہے۔ اگر ہر کام خادم اعلیٰ نے ہی کرنا ہے تو بند کریں پھر سارے محکمے۔ اتنی لمبی چوڑی ملازموں کی فوج کیوں رکھی ہے ۔اِس علاقے میں آبادی کے بے پناہ دباؤ کی وجہ سے شہری حکومت کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔

زندگی کے تھوڑے سے عرصے کو چھوٹی چھوٹی خواہشوں کی خاطر سوہانِ روح بنانے کی بجائے اِن لمحات کو حیوانوں کی بجائے اگر انسانی انداز میں ہی گزار لیا جائے توانسان کامیاب ہو سکتا ہے۔کامیابی کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ کس طرح اپنا وقت صرف کیا گیا۔کائنات کروڑوں سالوں سے قائم ہے اور اِن کروڑوں سالوں میں سے سو پچاس سال کی زندگی انسان کو عطا ہوتی ہے۔زندگی کو قائم ہوئے کروڑوں سال بیت گئے ہیں اور اِس زندگی کا سب سے.بڑا سبق یہ ہے کہ یہ عارضی ترین شے ہے اور اِس کا خاتمہ کسی لمحے بھی ہو سکتا ہے۔حسن کا پرستار بننا، دولت کے انبار اکھٹے کرنا، دہشت و ظلم پھیلانا لیکن نتیجہ یہ ہی ہے کہ دنیا کا کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو مال اسباب و جائیداد کو ساتھ لے کر اپنی اصلی منزل قبر میں گیا ہو۔اربوں انسانوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو یہ کہہ سکے کہ میں نے اپنا مال ساتھ لے لیا ہے۔انسانی زندگی کے ختم ہونے کے بعد ہمیشہ اُسی کی بات ہوتی ہے جس کے بود و باش اچھے رہے ہوں۔گویا انسان مر جاتا ہے لیکن اُس کا کردار زندہ رہ جاتا ہے اور جس نے مال و اسباب کی بجائے انسانوں سے محبت کی ہوتی ہے اُس نے خالق کی منشاء حاصل کر لی ہوتی ہے۔جو اپنے خالق کی رضا حاصل کر لیتا ہے۔

اُس کی زندگی کو رائیگاں نہیں کہا جاتا بلکہ یہی صدا اُس کے لیے بلند ہوتی ہے کہ کہ وہ سراغ زندگی پا گیا اُس کا کردار حیات جاوداں کا جام پی لیتا ہے اور پھر اُس کی یاد اُس کے افعال امر ہو جاتے ہیں جیسے سید داتا علی ہجویریؒ ایک ہزار سال پہلے لاہور میں دفن ہوئے لیکن اللہ پاک کی رحمتوں کا نزول اُن کی قبر اطہر پہ جاری و ساری ہے اور اُن کا فیض جاری ہے۔ سید علی ہجویریؒ اللہ کے پاکباز بندے تھے وفات پاء گئے لیکن اُن کے نام کا ڈنکا ایسے بج رہا ہے جیسے وہ زندہ ہیں۔ بندۂ مومن جب خالق کی عطا حاصل کرلیتا ہے اور اپنے فرائض ادا کرتا ہے تو اِس کے لیے سب سے بڑا انعام خالق کے لیے یہ ہی ہوتا ہے کہ خالق اُس کے نام کو بلند کر دیتا ہے۔ مصطفےٰ کریم ﷺ کی اطاعت کی زندگی مصطفائی رنگ جو چڑھا دیتی ہے بندے پر۔ وہ پھر داتا علی ہجویریؒ، خواجہ غریب نوازؒ بن جاتا ہے۔ روحانیت صرف اُس روح پر آشکار ہوتی ہے جو پاکیزہ ہو، حرص سے دور ہو، جسے دنیاوی جاہ و حشمت کی طلب نہ ہو۔ جو انانیت کے بت کی قید میں نہ ہو۔ وہی پھر خواجہ غریب نواز ہو جاتا ہے۔ زمانے کی ٹھوکریں انسان کو کندن بنادیتی ہیں اور انسان زندہ ہو یا مر جائے اُس کی قسمت کا ستارہ اُسے نایاب بنائے ہوئے ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت غالب نے کہا تھا کہ کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں۔ ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں۔ اِس لیے یہ کسوٹی قرار پاتی ہے کہ جو اچھا ہو گا دنیا اُسے برا قرار دیتی ہے اور یوں پھر اچھوں کو زہر کا پیالہ پینا پڑ جاتا ہے۔ غربت، امارت دونوں حالتیں انسان کے لیے امتحان گاہ

ہیں۔ غربت میں رب کا شکر بجا لانا اور اپنی قسمت پر شاکر رہنا اور امارت میں رب کا احسان مند رہنا اور ظالم نہ بننا۔ فی زمانہ تعصب کی انتہاء کی وجہ انسانیت کا ناپید ہو جانا اِس بات کی دلالت ہے کہ ہوس نے چاروں جانب ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

بیوہ کی فریاد۔ کہاں ہے خواتین کو وراثتی حقوق دلوانے والے حکمران۔ ایک اپیل

آج کا کالم ایک بوڑھی بیوہ کی فریاد پر مشتمل ہیں جسے اور اُس کی اولاد کو مرحوم شوہر کے ماموں کے خاندان نے وراثتی حصہ سے محروم رکھا۔ من و عن درخواست ذیل میں ہے۔ گزارش ہے کہ درس.بڑے میاں صاحب لاہور کا علاقہ موضع ساہواڑی میں واقع ہے۔ درخواست گزار کے شوہر عمر دراز مرحوم کا وراثتی حصہ جو کہ اُن کی والدہ رابعہ بی بی مرحومہ کے والد میاں محمد شفیع کی جانب سے بنتا ہے۔ ابھی تک نہیں ملا۔ میاں محمد شفیع کے دو صاحبزادے میاں محمد رفیع اور میاں محمد شریف تھے اور ایک بیٹی رابعہ بی بی تھی۔ رابعہ بی بی نے اپنی زندگی میں بارہا اپنے دونوں بھائیوں میاں محمد رفیع اور میاں محمد شریف سے التجاء کی کہ اُسے اُس کی وراشت کا حصہ دیا جائے۔ رابعہ بی بی چونکہ بیوہ ہوچکی تھی اُس کے پاس وسائل نہ تھے کہ وہ اپنا حصہ اپنے بھائیوں سے وصول کرتی۔ یوں رابعہ بی بی کو اُس کا حصہ نہ دیا گیا بلکہ بہانہ بازی کرکے معاملے کو طول دیا گیا۔ رابعہ بی بی کے دو بیٹے عمر دراز اور الطاف حسین تھے۔ جن میں سے عمر درا ز وفات پا چکے ہیں اور درخوست گزار عمر دراز کی بیوہ ہے۔ رابعہ بی بی کی چار بیٹیاں بھی تھیں۔ جنکے نام اقبال بی بی ، انور بی بی، فہمیدہ بی بی، سعیدہ بی بی تھیں۔ رشتہ دار ہونے کی وجہ سے خاموشی سے میاں شریف اور میاں رفیع کے خاندان سے وراثتی

ترکے کا تقاضا کیا جاتا رہا لیکن سب کچھ بے سود رہا۔ درخواست گزار کا شوہر تقریبا چالیس سال قبل فوت ہوگیا تھا۔ درخواست گزار نے بڑی مشکل سے اپنے بچوں کو پالا۔
جائیداد میں حصہ مانگنے پر درخواست گزار کو دھمکیاں دی گئیں درخواست گزار کی عمر اسی سال ہوچکی ہے۔ لیکن درخواست گزار کو اُس کا حق نہیں ملا۔ بارہا مرحوم شوہر کے وراثتی حصہ کے لیے میاں شریف اور میاں رفیع کی فیملی سے استدعا کی چونکہ اسلامی شریعت اور مروجہ وراثتی قوانین کے تحت میاں محمد شفیع مرحوم کے ترکہ میں سے حصہ دار ہیں۔ درخواست گزار کے علم کے مطابق میاں محمد شفیع مرحوم کے نام سے درس بڑے میاں صاحب موضع ساہواری مغلپورہ لاہور 1) (جنازگاہ درس بڑے میاں کی پشت سے لے کر دکانات، خالی پلاٹ، مکان، واپڈا ایس ڈی او آفس ورہائش گاہ میاں محمد ضیاء ولد میاں محمد شریف ولد میاں محمد شفیع تا قاری نسیم اعوان کے گھر کے ساتھ تک۔ (مکان قبضہ میاں محمد ذکاء ولد میاں محمد شریف ولد میاں محمد شفیع و مکان قبضہ میاں (2 محمد ضیاء اور (3) دکانات بمعہ مکان رہائش پذیر ہارون بقا ولد محمد بقاء ولد میاں محمد شریف ولد میاں محمد شفیع شالیمار لنک روڈ مغلپور لاہور 4) دکان بانو مارکیٹ انارکلی کے تحت کسی بھی خاتون کو وراثتی A بازار لاہور ہیں۔ تعزیزات پاکستان کی دفعہ 498 حصہ میں سے محروم کرنا قابل اندازی پولیس جرم ہے اور اُس کی سزا دس سال قید اور دس لاکھ روپے جرمانہ ہے۔

S. 498 A ---Pakistan Penal Code:--- "Prohibition of depriving woman from

inheriting property .—Whoever by deceitful or illegal means deprives any woman from inheriting any movable or immovable property at the time of opening of succession shall be punished with imprisonment for either description for a term which may extend to ten years but not be less than five years or with a fine of one million rupees or both".

مندرجہ بالا اراضی درخواست گزار کے علم میں آئی ہے کہ یہ میاں محمد شفیع کی ہے اور اِس پر میاں محمد شریف اور میاں محمد رفیع کا خاندان قابض ہے۔میاں رفیع اور میاں شریف کی فیملی سے میرے مرحوم شوہر کا حصہ مجھے اور میری اولاد کو دلوایا جائے۔

درخواست گزار

غلام فاطمہ بیوہ عمردراز پسر حقیقی رابعہ بی بی دختر محمد شفیع

مکان نمبر 16 گلی نمبر 2 درس بڑے میاں صاحب مغلپورہ لاہور 03224482940

لاہور ہائی کورٹ کے احکامات کے ساتھ نام نہاد گڈ گورنس کا سلوک۔ دور حاضر کا عظیم المیہ

صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ شریک چیئرمین ہیومن رائٹس کمیٹی لاہور ہائی کورٹ بار

لیجیے جناب وزیر اعلیٰ کے انتھک ہونے کا ایک اور ثبوت وہ یہ کہ وزیر اعلیٰ نے واقعی اورنج ٹرین کے اوپر زور شور سے کام شروع کر دیا ہے۔ معاشیات کی ایک تھیوری ہے بگ پُش تھیوری۔ یعنی بڑے دھکے کا نظریہ اُس کے مطابق ایسا بڑا پراجیکٹ لانچ کیا جائے کہ اُس کے وجہ سے دیگر شعبہ جات میں ترقی ہو۔ جیسا کہ ماضی میں موٹر وے کا منصوبہ تھا اُس کا مقصد تو یہ ہی تھا کہ اِس کے ساتھ صنعتی زون بنائیں تاکہ لوگوں کو اپنے گھروں کے نزدیک روزگار مل سکے۔ لیکن شریف برادران کی حکومت ختم ہو گئی اور یوں موٹر وے کے ثمرات اُس حد تک حاصل نہ کیے جاسکے جس حد تک اِس سے استفادہ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اُس کے باوجود موٹر وے کی وجہ سے جہاں جہاں سے موٹر وے گزرتی ہے وہاں کی آبادی کے لیے یہ کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔ عام آدمی کی زندگی میں فرق ضرور پڑا ہے۔اب موٹر وے لاہور سے کراچی تک بنائی جارہی ہے اِس حوالے سے بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ انشا اللہ پاکستانی عوام ضرور غربت سے نجات حاصل کر سکیں گے۔ اِسی طرح توانائی کے نئے منصوبے بھی پائپ لائن میں ہیں اِن کی تکمیل سے بجلی سستی بھی ہو گی اور اِس کی قلت بھی ختم ہو جائے گی۔ اب ہم تصویر کا

دوسرا رُخ دیکھتے ہیں کہ عام آدمی کے ساتھ معاشرے میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔ گڈ گورنس نام کی کوئی شے ہی نہیں۔ جب بھی کوئی سانحہ پیش آتا چند دن اُس حوالے سے شور اُٹھتا ہے پکڑلو پکڑلو بعد میں پھر خاموشی۔ سانحہ سندر میں فیکٹری کی چھت کا گرنا ابھی حالیہ واقعہ ہے۔ یہ بات واضح کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تھریڈ آف ورک قائم نہیں۔ یہ تو وہی بات ہے کہ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو ایک قطرہ لہو کا نکلا۔ پولیس بے لگام۔ ایف آئی آر کٹوانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ کیس کی انوسٹی گیشن، عدالتی معاملات تو بعد کی بات ہے۔ راقم کا تعلق قانون کے شعبے سے ہے جس طرح عوام کو آیف آر کٹوانے کے لیے ذلیل خوار ہونا پڑتا ہے سائل اِس طرح کے حالات سے گزرنے کے بعد انصاف حاصل کرنے سے تائب ہو جاتا۔ خیبر پختوان خواہ میں ایف آئی آر کو آن لائن کر دیا گیا ہے کوئی قیامت نہیں آئی۔ وزیر اعلیٰ صاحب اگر پنجاب میں بھی ایسا کر دیں گے تو عدالتوں پر مقدموں کا بوجھ کم از کم تیں فی صد کم ہو جائے گا۔ اِس طرح پولیس کو اپنی کارکردگی بہتر کرنا پڑے گی۔

عدالتیں جو آرڈر کرتی ہیں وہ حکومتی ادارے پولیس، ایل ڈی وغیرہ اُنہیں خاطر میں نہیں لاتے۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ نوکر شاہی بے لگام ہو چکی ہے اور خادم اعلیٰ صوبہ حمزہ صاحب کے حوالے کرکے خود نہ جانے کہاں مشغول ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ میں اس سال 2015 کے دس ماہ کے دوران توہین عدالت کے 4800 کیسز

دائر ہوئے ہیں مطلب یہ کہ عدالت نے جو فیصلہ جات دیئے اُن کو خاطر میں نہیں لایا گیا اور سائلین کو دوبارہ عدالت سے رجوع کرنا پڑا۔لاہور ہائی کورٹ بار کے صدر جناب پیر مسعود چشتی، پاکستان بار کونسل کے وائس چیئر مین جناب اعظم نذیر تاڑر اور لاہور بار ایسوسی ایشن کے صدر جناب اشتیاق اےئ خان نے گزشتہ روز لاہور ہائی کورٹ میں مشترکہ جنزل ہاوس اجلاس میں اِس حوالے سے نوکر شاہی کے کردار پر شدید تنقید کی اور خادم اعلیٰ سے کہا کہ جناب پولیس ایل ڈی اےئ وہ دیگر محکمہ جات تو سائلین کی بات سننے کو تیار تو تھے ہی نہیں اب ہائی کورٹ کے فیصلوں کو بھی خاطر میں نہیں لارہے۔لاہور بار کے صدر اشتیاق اےئ خان کا یہ کہنا کہ جسٹس آف پیس کی جانب سے پرچہ درج کرنے کے احکامات کو پولیس افسران ردی کی ٹوکری میں پھنک دیتے ہیں۔گورنس کے حوالے سے پاکستان کے سب سے.برےئ صوبے کے حوالے سے وکلاء .برادری کی جانب سے اتنا.بڑا ایشو اُٹھانا اِس بات کی غمازی کرتا ہے اب خادم اعلیٰ صاحب حقیقت کا دارک کرلیں۔ایک تو ایف آئی آر کا نظام آن لائن کردیں۔دوسرا نوکر شاہی کو عدالتی احکامات پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیں۔ورنہ شائد وکلاء عدلیہ کے فیصلوں کی پاسداری کے لے میدان میں ہوں گے۔فیصلہ جات پر عمل نوکر شاہی نہیں کرتی۔ معاملات درست پولیس کے نہیں ہیں۔انصاف کی فراہمی نہ ہونے کا ملبہ سارا وکلاء اور ججوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔خادم اعلیٰ صاحب خطرےئ کی گھنٹی بج رہی ہے۔ خدارا کچھ کرلیں؟

اُردو زبان کے سفیر۔ ممتاز شاعر جناب خالد شریف

بچھڑا کچھ اِس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا۔ اِس مشہور شعر کے خالق خالد شریف ایک بہت ہی اچھے اور نفیس انسان ہیں۔ اُن کا تعلق اُس نسل سے ہے جو پاکستان کے ساتھ ساتھ پروان چڑھی۔ نرم اور محبت بھرے لہجے کی شخصیت جناب خالد شریف جنہوں نے اردو زبان کی بڑھوتری میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اپنا وقت پبلشینگ کے شعبے کو دیا اور یوں کمائی کی بجائے اردو زبان کی خدمت میں مصروفِ عمل ہیں۔ نوکر شاہی کا حصہ رہنے کے باوجود اُن کی انسان دوستی پہ رشک آتا ہے چونکہ وہ ہیں ہی شاعر تو پھر اُن کے زندگی میں افسری کا کیا کام۔ مدت ملامت سے پہلے ہی نوکری کو خیر باد کہ کر اپنی زندگی کا مشن ماورا پبلشرز کو بنائے ہوئے ہیں جہاں کمائی نہیں ادب کی خدمت ہوتی ہے اور اِس سے بڑی اور کیا کمائی ہو سکتی ہے کہ بیمار معاشرے میں شعر وادب سے محبت کی لو جلائی جائے۔ عرصہ دراز سے اُن کے ساتھ سوشل میڈیا کی وساطت سے رابطہ رہتا ہے لیکن بالمشافہ ملاقات کا عرصے سے پروگرام بنا رہا تھا۔ اور یوں آخر اُن کی قدم بوسی کا فخر حاصل ہو ہی گیا۔ جناب خالد شریف اُردو زبان کی خدمت کرنے والی وہ ہستی ہیں کہ جس کا اقرار سارا زمانہ کرتا ہے۔ انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ میں خدمات دینے کے علاوہ اُنھوں نے ماورا پبلشر کے ذریعہ سے اُردو زبان کی

خدمت کے لیے خود کو وقف کیے رکھا۔راقم کے ساتھ اُن کا تعلق بھائیوں کی طرح ہے وہ ہمیشہ مجھے چھوٹے بھائیوں کی طرح سمجھتے ہیں اور راقم کو اِس بات پر فخر ہے۔جناب خالد شریف کی زندگی اوڑھنا بچھونا اُن کا اردو زبان سے عشق ہے۔ جناب خالد شریف کا کہنا ہے کہ جب پاکستان بنا تو اُس وقت اُن کی عمر چھ ماہ تھی اُن کے والدین اُنھیں بچا بچا کر پاکستان کی سرزمین پہ لے آئے اُن کا تعلق انبالہ سے تھا۔یوں پاکستان کا جنم اور جناب خالد شریف کی زندگی کا آغاز اکٹھا ہی ہوا۔چند روز پیشر ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے آپ سے ملاقات کرنے کے لیے تو بہت انتظار کرنا پڑتا ہے۔تو راقم نے عرض کہ جناب ہم جن کے پرستار ہیں اُن کو بھی انتظار کرواتے ہیں۔ بہت ہنسے میری اِس بات پر۔راولپنڈی میں پرورش پائی۔ معاشیات میں ماسٹرز کیا سی ایس ایس کرنے کے بعد انکم ٹیکس آفیسر سے اپنے کیریئر کا اغاز کیا۔اُن کے ہمعصر اور قریبی دوستوں میں حسن نثار اور امجد اسلام امجد ہیں۔ اُن کی حالیہ شاعری کی کتاب بچھڑا کچھ اِس ادا سے بہت خوبصورت کتاب ہے۔ راقم کو بھی اُنھوں نے عطا فرمائی۔اِس کتاب میں اُن کی بہت ہی اعلیٰ غزلیں شامل ہیں اور نظمیں بھی ہیں۔ جناب خالد شریف صاحب دھیمے انداز میں متانت کے ساتھ اور نرم لہجے میں اپنا دکھ بیان کرنے کا منفرد انداز رکھتے ہیں۔اُن کی شاعری میں ایسا جا بجا نظر آتا ہے اور اُن کی شاعری میں زندگی کی حقیقتوں سے آشنائی کا انداز لاجواب ہے۔وہ آسان فہم میں مشکل سے مشکل بات کہنے کا ملکہ رکھتے

ہیں۔زندگی کے سفر میں وقت کے ساتھ ساتھ جو فاصلہ کم ہوتا جا رہا ہے جناب خالد شریف کی شاعری میں اُس کا اظہار ملتا ہے اور اِن کی شاعری میں انسانی جبلت کو بہت احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اللہ پاک سے دُعا ہے کہ محترم خالد شریف کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔ جناب خالد شریف کی نئی کتاب بچھڑا کچھ ادا سے چند اشعار پیش ہیں۔

آج اک دوسرے کو قتل کرنا ہے ہمیں
تو میرا پیکر نہیں میں ترا سایہ نہیں

یہ مرے عہد کا منشورِ ستائش ٹھرا
وہ جواب ہم میں نہیں ہے وہ بہت اچھا تھا

☆

نہ کوئی روکنے والا نہ کوئی ٹوکنے والا
اکیلے آئینے کے سامنے ہنس لیں کبھی رولیں

☆

ذرا دیر دسمبر کی دھوپ میں بیٹھیں
یہ فرصتیں ہمیں شائد نہ اگلے سال ملیں

☆

وہ ابھی شاداب ہے جنگل کے پھولوں کی طرح
اُس کے چہرے پر گئے موسم نے کچھ لکھا نہیں

☆

ملی مجھے بڑے سادہ مزاج لوگوں میں

وہ چیز میں جسے اہلِ نہر میں ڈھونڈتا تھا

جناب اشتیاق احمد بھی راہِ عدم کے مسافر بن گئے

بچوں کے لیے لازوال جاسوسی ادب تخلیق کرنے والے جناب اشتیاق احمد بھی راہِ عدم کے مسافر بن گئے۔ موت کے ساتھ تو اٹل تعلق ہے اِس لیے ہر ذی روح نے اللہ پاک کے حضور تشریف لے جانا ہے۔ اشتیاق احمد کے بچوں کے جاسوسی ناول انسپکٹر جمشید سیریز، انسپکٹر کامران سیریز، شوکی سیریز ہیں۔ تقریباً ایک ہزار ناول کے خالق ے بچوں کے لیے صاف ستھرا ادب تخلیق کیا۔ اور اشتیاق احمد بہت زیادہ پڑھے جانے والے ادیب ہیں۔ گو سوشل میڈیا اور موبائل فون کی وجہ سے بچوں میں ناول پڑھنے کا رحجان کم ہوا ہے لیکن اِس کے باوجود اشتیاق احمد کا طوطی بولتا رہا ہے اور اِس مرد درویش کو اللہ پاک نے عظیم عزت اور شہرت سے نوازا۔ بچوں کے لیے ناول لکھنا اور عمران سیریز کی طرح فحاشی کے بغیر قاری کو اپنی طرف کھینچ لینا جناب اشتیاق احمد کا کمال تھا۔ راقم نے بھی جناب اشتیاق احمد کو اُس وقت پڑھا جب راقم کلاس نہم کا طالب علم تھا یہ وہ دور تھا کہ جب وی سی آر نیا نیا آیا تھا۔ طالبعلموں کا پڑھائی کے علاوہ وقت یا تو کھیل کے میدانوں میں گزرتا یا محلے میں بنی ہوئی لائبریریاں سستے ترین کرائے پر ناول پڑھنے کے لیے دیتیں۔ ٹی وی چینل بھی صرف ایک تھا۔ اُس دور میں ابن صفی کی عمران سیریز نے بھی چاروں طرف جھنڈے گاڑے ہوئے تھے۔ مظہر کلیم ۔ ایس قریشی، صفدر شاہین

بھی میدان میں تھے اور تاریخی ناولوں میں نسیم حجازی، اسلم راہی ،طارق اسماعیل ساگر اپنی مثال آپ تھے۔اُس دور میں تسلسل کے ساتھ لکھتے لکھتے جناب اشتیاق احمد اتنے مقبول ہوئے کے اللہ پاک کا اُن پر خاص کرم تھا اور وہ دینی رجحان رکھتے تھے۔اشتیاق احمد کے دماغ میں اللہ پاک نے اتنی اسطاعت پیدا کی تھی کہ وہ شخص بچوں کے ادب کے حوالے سے عظیم کردار ادا کر رہا تھا۔ جیسے ہوتا آیا ہے کہ قدر اُس کی ہوتی جب وہ مر جاتا ہے حکومت پاکستان کو بچوں کے لیے لازوال ادب تخلیق کرنے پر جناب اشتیاق احمد کو پرائڈ آف پُرفارمنس دینا چاہیے اور چلڈرن پارک لاہور میں اُن سے منسوب ایک لائبریری کا قیام عمل میں لایا جائے ۔افسوس اِس بات کا ہے کہ خود کو ادب کا سرپرست کہنے والے ممتاز ادیب تو اشتیاق احمد کے جاسوسی ناولوں کو ادب کی بے ادبی سمجھتے ہیں ۔ خود کیونکہ وہ مقبول نہیں ہوتے وہ چاہتے ہیں کہ جو بھی مقبول ہو بس اُس کو میں نہ مانوں کی رٹ لگا کر ڈی گریڈ کیا جائے۔پنجاب کے چاک وچوبند وزیر اعلیٰ شہباز شریف کو چاہیے کہ ایسے لوگ جنھوں نے وطن کی خدمت کی ہے اُن کو حکومتی سطح پر سراہا جانا چاہیے۔ میرے خیال میں تو بچوں کے لیے اردو ادب میں سب سے زیادہ ناول لکھنے کا اعزاز بھی جناب اشتیاق احمد کو حاصل ہے۔میں چشم تصور میں 1984 میں اشتیاق احمد کے انسپکٹر جمشید سیریز کے خاص نمبر کو دیکھ رہا ہوں جو میرے نہایت ہی محترم دوست جناب اشعر حسین نے مجھے پڑھنے کے لیے دیا تھا۔ راقم اُس وقت فرسٹ ائیر میں تھا۔ مجھے اِس کا نام اب تک یاد ہے۔

اُس ناول کا نام جمیل کی موت تھا۔ اللہ پاک اشتیاق احمد کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے آمین۔ پاکستانی معاشرے میں ہوس نے جو ڈیرے ڈال رکھے ہیں اِن حالات میں کسی بھی بڑی شخصیت کا گزر جانا کسی کو کوئی دُکھ نہیں دیتا وضہ صرف یہ ہی ہے کہ ہوس نے دل دماغ بند کر رکھے ہے ہر انسان دولت کے انبار اکھٹا کرنے میں لگا ہوا ہے اُسے حالانکہ پتہ ہے کہ کوئی ایک شخص بھی اپنے ساتھ کچھ نہیں لے کر گیا سوائے چار گز کپڑے کا کفن۔ جب تک اُردو زبان رہے گی اردو س زبان کا جاسوسی بچوں کا ادب بھی زندہ رہے گا اور یوں اشتیاق احمد مرحوم کا نام بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بریلی شریف متحدہ ہندوستان کے سپوت عشق رسول ﷺ کے علمبردار

اعلیٰ حضرت احمد رضا خانؒ

فطرت کے انداز بڑے نرالے ہیں جس مٹی کے سپوت سے جو جو کام لینا ہوتا ہے اُتنی زرخیزی اُس سرزمین کا مقدر بن جاتی ہے۔ہمیشہ سے ہوتا آرہا ہے کہ انسان کی قدر اُس کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ شائد انسانی فطرت میں یہ بات رکھ دی گئی ہے کہ جو حاضر ہے اُس کی تکریم اُتنی نہیں ہوتی اور جو موجود نہیں ہے اُس کے لیے درد کا رشتہ مضبوط تر ہوتا ہے۔انسانی تاریخ میں نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات کے جو لمحات ہیں اُن کا نچوڑ بھی یہ ہی ہے کہ خالق کی عطا کو من و عن تسلیم کرلیا جائے۔برِ صغیر پاک وہند کے مزاج میں اللہ کے نیک بندوں سے اُنسیت کا رنگ غالب ہے ۔اِسی لیے پچھلی دو صدیوں سے مجددِ دین وملت جناب احمد رضا خانؒ کی عشقِ رسول ﷺ کی فکر نے مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ محمد ﷺ کی ایسی لوح روشن کی کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خانؒ کی اِس فکر نے مسلمانوں کے اندر ایمان کی بنیادی شرط نبی پاک ﷺ کی غلامی کے جذبے کو اِک ایسی تقویت دی گویا کہ سرزمین بُتاں ہندوستان میں کلمہ توحید اور نعرہ

رسالت کی تجدید میں اہم کردار ادا کیا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد سرزمین ہندوستان نے اتنی باکمال علمی شخصیت کو جنم دیا کہ جس کی فکر نے نبی پاک ﷺ کے عشق کے جذبوں کو ایسی راہوں کا مسافر بنا دیا کہ مسلیمہ بن کذاب سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی جیسے جہنمیوں کو پوری دنیا کے لے مثال عبرت بنا دیا۔ یوں عقیدہ توحید کی تجدید اور عشق رسول ﷺ کے مشن کے لیے احمد رضا خانؒ نے عظیم علمی معرکے انجام دیئے۔ راقم کی نظر میں برصغیر پاک وہند میں عشق رسول ﷺ کی علمبردار سب سے بڑی طلبہ تنظیم انجمن طلبہ اسلام نے واقعی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خانؒ کی فکر کو آگے بڑھایا اور اُس مشن سے رو گردانی نہیں کی جس کے علمبردار جناب اعلیٰ حضرتؒ تھے۔ اِس حوالے سے لاکھوں دلوں کی دھڑکن انجمن طلبہء اسلام کے سابق قائدین جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری، جناب غلام مرتضٰی سعیدی، جناب احمد عبدالرزاق ساجد، جناب احمد وقار مدنی، جناب حمزہ مصطفائی، جناب حنیف طیب جیسے اعلیٰ پائے کے رہنماؤں کو قوم کبھی فراموش نہیں کرسکے گی۔ جب بھی مورخ پاکستان کی تاریخ لکھے گا تو انجمن طلبہ اسلام کے معاشرئے پر اثرات اُس کو اتنے گہرے نظر آئیں گے کہ جہاں نبی پاک ﷺ کی حرمت مقام عزت و ناموس کی بات ہو وہاں انجمن طلبہ اسلام کے نوجوانوں کا لافانی کردار نظر آئے گا۔ نبی پاک ﷺ کی محبت کے حوالے سے کسی ایک اکیلی شخصیت کی جانب سے علمی و عملی جہاد شائد ہی کسی اور کا خاصہ ہو جو کام جناب اعلیٰ حضرتؒ نے کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی جانب سے نبی پاک ﷺ کی عزت و ناموس کے

حوالے سے موقف نے سرزمین ہندوستان میں جنم لینے والے طرح طرح کے فتنوں کی اِس طرح سرکوبی کی کہ وہ فتنے جہنم رسید ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت تک زخم چاٹتے رہیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول ﷺ کو ایمان کی بنیادی شرط کے حوالے سے جس طرح نام نہاد کانگرسی علماء اور پیٹرو اسلام کا نام لیواوں کے غلبے کو اعلیٰ حضرت نے شکستِ فاش دی اُس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ اعلیٰ حضرت نے اُمتِ مسلمہ کو پھر سے عشق رسول ﷺ کے نصاب کی جانب متوجہ کیا اور نبی پاک ﷺ کی محبت کے ازلی نسخے کو اُمت کی ہر بیماری کا علاج قرار دیتے ہوئے ہر اُس شخص کے خلاف علم بغاوت کیا جس کی جانب سے نبی پاک ﷺ کی شان اقدس میں کمی کا تصور پیش کیا گیا یہی وجہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں انگریزوں نے ایک ایسے دارالعلوم کی بنیاد رکھوائی جس کا مقصد توحید کے نام کا سہارا لے کر عشق رسول ﷺ کی لو کم کرنا تھا اِن حالات میں اعلیٰ حضرت کے مجاہدانہ کردار نے ایسے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور قوم نے دیکھا جب بھی ضرورت پڑی قوم کو غازی علم دین شہیدؒ اور غازی ممتاز قادری میسر آتے رہے۔ کسی ملعون کی جسارت کو کبھی برداشت نہیں کیا گیا۔ اور نام نہاد عقلی تقاضوں چونکہ چنانچہ، اگر مگر کی بجائے صرف اور صرف غلامی رسول ﷺ میں موت بھی قبول ہے کو فضیلت حاصل رہی ہے۔

الحمرا ادبی بیٹھک۔ڈاکٹر تقی عابدی کی زبانی فیض احمد فیضؒ کی یادیں

لاہور میں نومبر کے مہنے میں موسم کی خوبصورتی کو کمال عروج تک پہنچائے میں لاہور کی ثقافتی سرگرمیاں اپنی مثال آپ ہوتی ہیں۔ داتا علی ہجویریؒ کی نگری میں عجیب سکوں اور مٹھاس کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ ایسے میں شاعر حریت جناب فیض احمد کی یاد میں بہت ہی اعلیٰ پروگراموں کا انعقاد سرزمین لاہور کے لیے اعزاز ہے اور بجا طور پر سر زمین لاہور اِس لائق ہے کہ اِس سرزمین پہ اتنے بڑے لوگوں کی محبتوں ہمتوں کے ذکر سے نئی نسل کو رشناس کروایا جائے۔ ادبی محافل میں زیادہ تو جانے کا اتفاق نہیں ہوتا بس کبھی کبھار موقعہ مل جاتا ہے۔ فیض احمد فیضؒ سے میرا لگاؤ زمانہ طالبعلمی سے ہی ہے یوں آج میں اپنے بیٹے حذیفہ کے ساتھ فیضؒ کی یاد مین ہونے والے پروگرام میں شریک تھا۔اور یقینی طور پرِاس طرح کے پروگرام ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ثابت ہوتے ہیں۔نامور صحافی، شاعرجناب فیض احمد فیضؒ کے حوالے سے ایک خصوصی لیکچر کا ہتمام ادبی بیٹھک الحمرا مال روڈ لاہور میں کیا گیا۔ ڈکٹر تقی عابدی امریکہ سے خاص طور پر لیکچر کے لیے تشریف لائے اور اصغر ندیم سید نے بطور میزبان اِس پروگرام میں شرکت کی ۔ مجھے بھی اِس لیکچر کو سُننے کا موقع ملا اور فیض شناسی کے حوالے سے جناب ڈاکٹر تقی عابدی نے نہایت پُر اثر

گفتگو کی۔ڈاکٹر تقی عابدی پیشے ے لیے ہارٹ کے ڈاکٹر ہیں لیکن فیض شناسی کے حوالے سے اُن کا ریسرچ سے بھرپور لیکچر سُن کر اُن پہ رشک آیا۔ڈاکٹر تقی عابدی خود تو چالیس سال سے زائد عرصہ سے امریکہ میں مقیم ہیں لیکن جس انداز میں اُنھوں نے جناب فیض احمد فیضؔ کے حوالے سے اپنے جذبات کا اظہار کیا اُس سے اُن کی اردو دوستی پہ ناز کیا جاسکتا ہے۔ اُن سے گفتگو کے دوران جب سوال و جواب کی نشست میں یہ سوال پوچھا گیا کہ آپ میڈیکل ڈاکٹر ہوتے ہوئے شعر و سخن میں اتنی دلچسپی کی کوئی خاص وجہ رکھتے ہیں تو اُنھوں نے کہا کہ فیض صاحبؔ اتنے بڑے آدمی ہونے کے باوجود جتنی وہ عاجزی رکھتے تھے اِس بات نے اُن کو فیضؔ صاحب کا گرویدہ کیا۔اِس موقع پر امجد اسلام امجد اور فیض صاحبؔ کے نواسے اور اصغر ندیم سید اور ڈاکٹر تقی عابدی سے بات کرنے کا موقع ملا۔ اللہ پاک اِن انسان دوست ہستیوں کو سدا ہنستا مسکراتا رکھے جو موجودہ دور میں امن کا پرچار کر رہے ہیں۔اِسی لیکچر میں جب یہ گفتگو ہوئی کہ جناب فیض احمد نے اپنی وفات سے چار ہفتے قبل اپنی بیٹی کو خط لکھا کہ وہ اپنے گھر جارہے ہیں بڑی معنی خیز بات تھی اور چار ہفتے بعد اپنے ملک میں آکر اللہ کو پیارے ہو گئے۔لیکچر کے دوران یہ بھی تذکرہ کیا گیا کہ فیض احمد فیض نے جیل میں قید کے دوران اپنے گھر والوں کو جو خط لکھا اُس میں درداں دی ماری دا دل علیل اے صوفیانہ پنجابی کلام لکھ بھیجا۔ فیضؔ کو صوفیانہ شاعری سے خاص لگاؤ تھا بابا بلھے شاہؒ غلام فریدؒ اور شاہ حسینؒ کے وہ بہت پرستار

تھے۔فیضؔ صاحب کی حریت پسندی کا عالم دیکھیں کہ یاسر عرفاتؔ مرحوم نے جو رسالہ شائع کیا تو فیضؔ اُس کے تین سال سے زائد عرصہ تک مدیر رہے۔اِس بات کا بھی تذکرہ ہوا کہ فیضؔ کی پہلی برسی پر یاسر عرفاتؔ نے جو پیغام دیا وہ یہ تھا کہ فیضؔ نے اپنی زندگی میں جو کردار ادا کیا ہے وہ شہید تھے۔ فیضؔ کی شاعری کی حریت اور باغیانہ پن نے ایک نسل کو متاثر کیا۔9 مارچ 1951ء میں آپ کو راولپنڈی سازش کیس میں معاونت کے الزام میں حکومت وقت نے گرفتار کر لیا۔آپ نے چار سال سرگودھا، ساہیوال، حیدرآباد اور کراچی کی جیل میں گزارے۔آپ کو 2 اپریل 1955 کو رہا کر دیا گیا۔زنداں نامہ کی بیشتر نظمیں اسی عرصہ میں لکھی گئیں۔ فیضؔ کی کتب نقش فریادی ۔دست صبا۔زنداں نامہ۔دست تہ سنگ۔سر وادی سینا۔شام شہریاراں۔مرے دل مرے مسافر۔نسخہ ہائے وفا (کلیات) ہیں۔فیض احمد فیضؔ نے جس انداز میں اپنی زندگی کا سفر جاری رکھا اُس حوالے سے ایک بات ببانگ دہل کی جا سکتی ہے کہ نام نہاد اشرافیہ جو سٹیٹس کو کی علمبردار ہے اُس کے خلاف جہاد کیا اور مظلوم کی زبان بنے۔ اقبالؔ اور فیض احمد فیضؔ ایک ہی شہر کے سپوت تھے دونوں عظیم انسانوں کی شاعری ہر دور کے ہر یزید کے خلاف علم بغاوت سربلند کیا ہوا ہے۔پاکستانی معاشرے میں مارشل لاء جس تواتر کے ساتھ رہے اُس نے معاشرے میں گھٹن کی انتہا کیے رکھے۔اِن حالات میں فیض صاحبؔ کی جدو جہد حسینیت کا درس دیتی ہے۔جس طرح پیر کی اولاد اُس سے فیض یاب نہیں ہو پاتی شاید ہم بھی اقبالؔ اور فیضؔ سے استفادہ نہیں

کر رہا ہے۔

پاکستان اور اُردو سے محبت کے لافانی کردار جناب جمیل الدین عالیؒ

جمیل الدین عالیؒ نے بھرپور زندگی گزاری اور پاکستان سے محبت کا حق ادا کیا۔ پاکستان کے ساتھ محبت کی زندہ مثالیں اُن کے ملی نغمات جیوے جیوے پاکستان، سوہنی دھرتی، ہم مصطفوی ہیں۔ پاکستان انشااللہ تا قیامت پاکستان رہے گا اور تا قیامت اردو اور عالیؔ صاحبؒ کا نام رہے گا۔ جناب جمیل الدین عالیؒ کی شاندار خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہی ہے کہ پاکستان اور اُردو سے محبت کے مشن کو اپنی حیات کا مشن بنا لیا جائے۔ زندگی کے آخری ایام تک وطن کی محبت سے اُن کا لبریز دل دھڑکتا رہا۔ یہ کہنے میں کوئی بھی مبالغہ آرائی نہیں کہ اُن کی خدمات پاکستان کی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ نواب زادہ مرزا جمیل الدین احمد خانؒ 90 برس قبل دلی میں پیدا ہوئے اور میٹرک اور گریجویشن کی منزلیں وہیں طے کیں جبکہ دو دہائی بعد ہند کی تقسیم دیکھی۔ قیام پاکستان کے بعد وزارت تجارت میں اسسٹنٹ رہے اور اسی ملازمت کے دوران ممتاز بیوروکریٹ قدرت اللہ شہاب کے ماتحت رہے۔ اعلیٰ سول سروس کا امتحان پاس کرنے کے بعد محکمہ ٹیکسیشن کا حصہ بنے اور ترقی کی منازل طے کرتے رہے۔ وزارت تعلیم اور یونیسکو کی فیلوشپ سے ہوتے ہوئے بنکاری کے شعبے میں آئے اور سرکاری ملازمت میں خوب نام کمانے کے ساتھ ساتھ عالیؒ صاحب نے

علم و ادب کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ عالیؔ صاحب نے پچیس کے قریب معروف ترین قومی گیت تحریر کیے جن میں جگ جگ جیے میرا پیارا وطن، جیوے جیوے جیوے پاکستان، اے وطن کے سجیلے جوانو، سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد و دیگر شامل ہیں۔ عالی صاحبؒ نے ادب کے دوسرے شعبوں کے بھی شہسوار رہے، ڈرامہ نویسی، کالم نویسی، مضمون نویسی غرض ہر شعبہ میں سب سے آگے رہے۔ وہ 1977 میں قومی اسمبلی کے امیدوار بھی بنے جبکہ ایوان بالا میں نمائندگی کی۔ عالیؔ جس طرح کئی سطحوں پر زندگی گزارتے رہے ویسے ہی ان کی تخلیقی اظہار کئی سطحوں پر ہوتا رہا ہے۔ تاہم انھوں نے دوہا نگاری میں کچھ ایسا راگ چھیڑ دیا اور اردو شاعری کے کسی ایسے تار کو چھو دیا کہ دوہا ان سے اور وہ دوہے سے منسوب ہو کر رہ گئے انھوں نے دوہے کی جو بازیافت کی اور اسے بطور صنف شعر کے اردو میں جو استحکام بخشا وہ خاص ان کی دین ہو کر رہ گیا۔ عالیؔ اگر اور کچھ نہ بھی کرتے تو بھی یہ ان کی مغفرت کے لیے کافی تھا۔ کیونکہ شعر گوئی میں کمال توفیق کی بات سہی، لیکن یہ کہیں زیادہ توفیق کی بات ہے کہ تاریخ کا کوئی موڑ، کوئی رخ، کوئی نئی جہت، کوئی نئی راہ، چھوتی یا بڑی کسی سے منسوب ہو جائے۔ عالیؔ جی کی تصانیف یہ ہیں۔ آئس لینڈ۔ سفر نامہ۔ کارگاہِ وطن۔ کالموں کا مجموعہ۔ بارگاہِ وطن۔ کالموں کا مجموعہ دوہے۔ شاعری (دوہے)۔ حرف

(چندانجمن ترقی اُردو کی کتابوں پر لکھے گئے مقدمے۔انسان شاعری (طویل نظمیہ
وفا کر چلے کالموں کا مجموعہ۔صدا کر چلے کالموں کا مجموعہ۔دعا کر چلے کالموں کا مجموعہ۔اے
مرے دشت سخن شاعری۔تماشا مرے آگے سفرنامہ۔

دنیا مرے آگے سفرنامہ۔جیوے جیوے پاکستان شاعری (قومی و ملی نغمے)۔غزلیں،
دوہے، گیت شاعری۔اُن کو مندرجہ ذیل ایوارڈا سے بھی نوازا گیا۔ہلال امتیاز (
تمغہ حسن کارکردگی (1991)۔آدم جی ادبی ایوارڈ (1960)۔داؤدادبی (2004
ایوارڈ (1963)۔یونائیٹڈ بینک ادبی ایوارڈ (1965)۔حبیب بینک ادبی ایوارڈ (
۔کینیڈین اردو اکیڈمی ایوارڈ (1988)۔سنت کبیر ایوارڈ۔ اردو کانفرنس دہلی (1965
۔مورخ پاکستان سے محبت کرنے والی شخصیات کا جب تزکرہ کرے گا تو(1989)
جناب عالیؔ جی کا مقام بہت اونچا پائے گا۔اللہ پاک نے اُن سے وہ کام لیا جس طرح کا کام
فوج میدانِ جنگ میں کرتی ہے۔ عالی جی ملی نغمے ہمارے قومی زندگی کا وہ وقار کو اثاثہ
ہیں کہ بجا طور پر اُن پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ وطن سے محبت اردو زبان سے محبت نے اُن
کی یادوں کو انمٹ بنادیا ہے۔ ہر محب وطن پاکستانی اُن کو ہمیشہ اپنے دل میں زندہ
پائے گا۔ علم جیسی روشنی محبتیں بکھیرنے والے عالی جی نبی پاک ﷺ کے حکم سے بننے
والی یاست پاکستان سے محبت کرنے والے عالی جی ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش

سرزمین لاہور کے باسی کتنے خوش قسمت ہیں کہ اُن کے شہر کو داتاؒ کی نگری کہا جاتا ہے۔اللہ پاک کے بندوں کی خانقائیں ایسی جگہیں ہیں جہاں اللہ پاک کی رحمتوں کا نزول ہر ساعت جاری رہتا ہے۔اللہ کے بندے ظاہری حیات اور ظاہری وفات ہر صورت میں اللہ کے بندوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ اللہ پاک کے وہ عظیم انسان ہیں جو لاہور کی مٹی سے ایک ہزار سال سے تعلق رکھے ہوئے ہیں۔ بادشاہ مہاراجے لاہور پر حکومتیں کرکے چلے گئے لیکن حضور داتا علی ہجویریؒ کی حکومت قائم دائم ہے۔ کشف الاسرار میں ایک مقام پر آپ نے اللہ کے حضور اپنے لیے التجا کرتے ہوئے یوں دعا کی ہے کہ: یااللہ میرے دل کو روشن چراغ بنا،اپنی یاد کا شوق بخش،دل کو غیر سے خالی کر پیرو مرشد کو مجھ پر مہربان کر۔پہلے میرے دل کو شکر بخش،پھر مجھے دولت دے۔پہلے دل کو کدورت سے پاک کر،پھر اپنے راز سے نواز،پہلے صبر دے اور پھر بیماری،یا اللہ مجھے وہ دے جو بہتر ہے۔پسندیدہ کی توفیق دے۔خدا تعالٰی حکیم و علیم و عزیز و شفیق ہے اس کا لطف عام ہے وہ کریم ہے رحیم ہے رحمان،غفار،قہار،جبار،وہاب،سلطان،منان ہے۔اللہ گنہگاروں کا فریاد رس ہے میری دعا ہے کہ میری زبان شہادت کے وقت نہ رُکے اور مجھے آٹھ جنتیں عطا کر اور میرا معشوق میرے پہلو میں ہو۔مجھے عذاب

میں گرفتار نہ کر۔ میں بیمار بے حال ہوں تو شافی و کافی ہے میرے واسطے۔ یا اللہ! علی
کی عاجزی پر رحم کر اور بہ طفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بخش دے اس پر رحم
کر۔ وہ عاجز بے کس ہے۔ اس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔ وہ تیرے سوا کسی کو نہیں
چاہتا اور تیرے نام کو جپتا ہے۔ غربت کے سوا اس کے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے خدایا
بے کس پر رحم کر۔ تو رحیم ہے، حلیم ہے، شفیق ہے۔ میں گناہ کے سمندر میں ڈوبا ہوں تو
بخشش کر۔ اے انسان! طالب حق بن۔ تکلیف سے نہ ڈر، فقیری مشکل ہے، علم سیکھ، عمل
کر، والدین کی خدمت کر تا کہ منزل پر پہنچے۔ انشاءاللہ! صدر نشین ہوگا۔ خدا کا کرم
تیرے شامل حال ہوگا۔ خدا کی تعریف ہر دم کرو۔ وہ علیم و حکیم ہے۔ بار خدایا میرے
گناہ ڈھانپ۔ مجھے خداری دے۔ میں حقیر پر تقصیر عاجز ہوں، اے بصیر! مجھ پر رحم کر
کمزور ہوں اور تو قادر توانا۔ اے دوست! خدا جو عنایت کرتا ہے اس پر راضی
رہ۔ اگر ویرانہ دے اس میں رہ، شہر دے تو وہاں رہ، وطن یا بے وطن سب پر راضی ہو
وہ گدڑی دے یا قاقم شکر بجا لا گھوڑا ہو یا گدھا سوار ہو۔ وہ اللہ کی نعمت ہے اور اس
نعمت پر اللہ تعالیٰ کا احسان مند رہ۔ حضرت داتا گنج بخش کی جلالت شان اور مرتبہ کی
عظمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت
سید معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ جیسے جلیل القدر بزرگوں کے
علاوہ حضرت میاں میر قادری اور محدث کبیر حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ نے
آپ کے مزار مبارک پر معتکف رہ کر فیض پایا اور

منازل سلوک و معرفت طے کیے۔ درار شکوہ شہزادے نے اپنی مشہور تصنیف سفین ؟ الاولیا ئمیں یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص چالیس دن تک بلا ناغہ مزارِ داتا پر حاضری دے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت پوری فرمادیتا ہے۔ وصال کے بعد اولیائے کرام کے فیوض و برکات کا جاری رہنا کتاب و سنت سے واضح اور ثابت ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی اسی فیض رسانی خلق سے متاثر ہو کر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بارگاہِ گنج بخش میں عرض کرتے ہیں ۔

سید ہجویر مخدومِ اُمم ، مرقدِ اُو پیر سنجر را حرم ۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی اس فیض رسانی نے عوام و خواص کے دل موہ لیے لوگوں نے جو چاہا سو پایا۔ اس فیض سے گرویدہ ہو کر لوگوں نے آپ کو گنج بخش کہنا شروع کر دیا مزید برآں یہ بھی وجہ ہے کہ آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیض حاصل ہوا۔ آپ سے علم و دانش کے چشمے پھوٹے۔ آپ نے لوگوں کو ان کے مقصد حیات سے روشن کروایا آپ نے زندگی کے راز کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیے۔ لوگوں کو روحانی زندگی سے متعارف کروایا۔ لاکھوں انسانوں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ آپ کے ۳۴ سالہ قیام لاہور کے دوران تبلیغ اور فروغ اسلام کا فریضہ آپ کے ہاتھوں بامِ عروج پر پہنچ گیا۔ یہی وجہ تھی کہ خاص و عام نے آپ کو گنج بخش کہنا شروع کر دیا۔ گنج بخش کا لفظ جو آپ کے نام سے پہلے لکھا پڑھا اور بولا جاتا ہے اس کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کشی

کے بعد روانگی کے لیے آپ سے اجازت طلب کی تو ایک دم آپ کی زبان پر یہ شعر آگیا اور اسی وقت سے گنج بخش کا لفظ مقبولِ عام ہوگیا۔ گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را راہ نما۔ سوانح حیات حضرت داتا گنج بخشؒ از محمد دین، فوق میں لکھا ہے کہ جب حضرت کی اپنی تحریر شدہ کتاب کشف الاسرار دیکھی جاتی وہ کتاب بتاتی ہے کہ حضرت کی زندگی میں ہی آپ کا نام حضرت داتا گنج بخش مشہور ہوگیا تھا جیسا کہ کشف الاسرار میں لکھا ہے۔

اے علی! لوگ تجھے گنج بخش داتا کے لقب سے پکارتے ہیں (حالانکہ) تیرے پاس کچھ'' بھی نہیں ہے تو اس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ مت دے یہ سخت تکبر کی بات ہے۔ گنج بخش ہو یا رنج بخش، یہ سب صفات ذات حق کے لیے مخصوص ہیں۔''حضرت سید علی ہجویریؒ کی تحریر کے اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گنج بخش داتا کا لقب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے چلہ کش ہونے سے بہت پہلے خود حضرت علی ہجویریؒ کی زندگی میں مشہور ہو چکا تھا مگر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے شعر کہنے سے یہ شہرت پہلے سے زیادہ دو بالا ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ حضرت علی ہجویریؒ نے خود اس لقب کو پسند نہیں کیا اور یہ مشورہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس لفظ کا استعمال بہت زیادہ بہتر ہے۔ ''سید ہجویر میں لکھا ہے کہ گنج بخش کا لقب آپ کو بجتا ہے آپ نے پوری

زندگی معرفت کا خزانہ ہی تقسیم کیا ہے آپ نے کشف المحجوب جیسا علمی خزانہ اپنے بعد چھوڑا ہے جسے بجا طور پر تصوف کا دستور العمل کہا جا سکتا ہے اہل باطن اس سے سب کچھ پا لیتے ہیں۔الغرض علم و عرفان کا خزانہ لٹانے کے معنوں میں گنج بخش کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔شادی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔اس لیے ہر باشرع بزرگ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں نکاح کیا۔آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے سنت مصطفیٰ کے مطابق شادی کی مگر اللہ تعالیٰ نے زیادہ عرصہ اس میں مشغول نہ رہنے دیا۔کشف المحجوب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ہجویر ی نے دو نکاح کیے۔پہلی شادی ابتدائے جوانی میں ہوئی مگر وہ عفیفہ جلد ہی وفات پا گئیں۔پہلی بیوی کے انتقال کے بعد تجرد اختیار کر لیا۔یہ سلسلہ تقریباً گیارہ سال قائم رہا۔حتیٰ کے دوسرے نکاح کا موقعہ خود بخود فراہم ہو گیا جس کے بارے میں آپ اس طرح فرماتے ہیں۔حضرت سید علی ہجویریؒ حنفی مسلک کے پیروکار تھے۔اسلامی شریعت کے ترجمان مختلف مسالک فقہ ہیں۔فقہ ان مسالک میں فقہ حنفی کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔بیشتر اولیاءاور صوفیا کا تعلق حنفی مشرب ہی سے ہے۔کیونکہ فقہ کا یہ مسلک بڑا مقبول ہے۔کشف المحجوب کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت سید علی ہجویریؒ مسلک اہل سنت وجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔اس مسلک کے ترجمان حضرت امام ابو حنیفہؒ ہیں اور آپ کو ان کی ذات گرامی سے بڑی عقیدت تھی۔اسی وجہ سے آپ نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر ان کا ذکر بڑے احترا

م سے کیا ہے آپ نے ان کی شان میں فرمایا ہے کہ اماموں کے امام اہل سنت و الجماعت کے مقتدا، فقہار کے سرتاج، علمائکا طرۂ امتیاز حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الخرازؒ ہیں۔

ٹین ایجرز بچوں پر جدید ذرائع مواصلات کے اثرات

کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جہاں پر شمار نہیں کیا جاتا۔ اسی لیے تو اللہ پاک نے انسان کو ماں اور باپ عطا کیے ہوتے ہیں کہ وہ روحانی و مادی ضروریات اُسے بہم پہنچائیں۔ والدین کی جانب سے اولاد کے ساتھ اِس برتاو کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ پاک نے ماں باپ کے دل میں اولاد کے لیے محبت رکھی ہے اگر رب پاک نے ایسا نہ کیا ہوتا تو پھر کائنات کا رنگ اور طرح کا ہی ہونا تھا۔ ماں اور باپ دو ہستیوں کی وجہ سے انسان کی زندگی میں جو بہاؤ ہے اُس کا وقوع پذیر ہونا ناممکن ہو جاتا۔ رب پاک کی محبت اپنے بندئے سے بے انتہا ہے اور رب کی محبت کا 70/1 حصہ ماں کی محبت ہے۔ رب اپنے بندئے سے ماں سے ستر گُنا زائد محبت کرتا ہے۔ انسان کے بس میں جو ہو سکتا ہے وہ اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے اِس مقصد کے لیے وہ ہر طرح کے جتن کرتا ہے۔ محبت کی وجہ سے انسان اپنے اولاد سے کچھ صلہ لینے کا طلبگار نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اولاد کو ترقی کرتے دیکھ کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ جو والدین اپنی اولاد کو چلنا سکھاتے ہیں اُسے ہنسانا سکھاتے ہیں۔ وہ اُن کے بغیر بھی ہنس سکتے ہیں اُس کے بغیر بھی گزارہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اسلامی و مشرقی روایات کا ہمیشہ سے یہ خاصہ رہا ہے کہ والدین کا احترام کیا جاتا رہا ہے۔ پاکستان جیسے ملک میں اولڈ ہوم کا تصور تک نہیں تھا اب اولڈ

ہوم کھل چکے ہیں۔ اب اگر دیکھا جائے تو ماں باپ نے تو اولاد سے محبت کرنا ختم نہیں کی وہ تو بدستور اپنی جبلت کی وجہ سے محبت بانٹ رہے ہیں۔ لیکن یہ ہمارے معاشرے کو کیا ہوگیا ہے کہ والدین کا احترام اُن کا خیال اُن کی بات کو اہمیت دینا کہاں چلا گیا۔

حضرت اکبر آلہ آبادی نے کہا تھا کہ ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ، میرا سرجن رگِ ملت سے لہو لیتا ہے۔ اب ذرا دیکھیں تو سہی جدید ترین تعلیم کے چرچے ہیں۔ انٹرنیٹ اور موبائل نے زندگی کو بالکل بدل کر رکھ چھوڑا ہے۔ انسانی رویوں کے اندر کچھ اِس طرح کی تبدیلی آئی ہے کہ سب سے پہلے تو شرم و حیا جاتا رہا ہے اور اُسکے بعد رشتوں کے تقدس پر کاری ضرب لگی ہے۔ انفارمیشن کے سیلاب نے ملک کی حالات کا سوا ستیاناس کر دیا ہے۔ آپ آج سے پندرہ سال پہلے کے سال چہارم کے طالبعلم کو یاد کریں اور موجودہ دور کے اِسی تعلیمی درجے کے طالبعلم کو دیکھ لیں۔ لڑکیوں کو تو خیر لباس ہی ایسا پہنا دیا گیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ لڑکوں اور لڑکیوں کا کام بس موبائل کے پیکج کے ذریعے سارا وقت مشغول رہنا۔ ساری ساری رات موبائل پیکج کے ذریعے مصروف رہنا۔ پڑھائی کہاں ہونی ہے۔ یہ درست ہے کہ اِن جدید ایجادات کا مثبت استعمال کرنا چاہیے لیکن ہمارے ہاں تو اِن چیزوں نے آگاہی سے زیادہ گمراہی پھیلائی ہے۔ ماں باپ کی عزت واحترام اور اُن کی حثیت کا جو بھرم تھا وہ کھو گیا ہے۔ ہمارے معاشرے کے نفوس پذیری کے حامل افراد جن میں اساتذہ، ڈاکٹرز

وکلاء ادیب، شاعر شامل ہیں اِن کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور اور نئی نسل کی اخلاقیات کے حوالے سے قومی لائحہ عمل بنایا جائے۔ موبائل فون کے استعمال کی صرف یونیورسٹی طالبعلم کو اجازت ہو اور سکولوں کے بچوں کے پاس موبائل برآمد ہونے کی صورت میں والدین سے بازپرس ہونی چاہیے۔شاہین بچوں کو خاکبازی کا سبق دیا جارہا ہے۔ تعلیم انڈسٹری بن چکی ہے بچوں کے نزدیک پڑھ لکھ کر بے روزگار ہی ہونا ہے اِس سے بہتر ہے کہ گانا بجانا سیکھیں اور شادیوں کی محفلوں میں جاکر اُچھل اُچھل کر گائیں اور موج مستی کریں۔آزادی رائے اپنی جگہ لیکن قوم کے نونہالوں کو اخلاقی پستی سے بچانا اور معاشرئے کی وہ اقدار جس میں خاندان کا ایک اتحاد نظر آنا چاہیے وہ ہونا ضروری ہے۔ موبائل فون کے سستے پیکجز پر پابندی لگائی جائے۔اور موبائل فون کی سم ایشو کے لیے کم از کم عمر کا معیار مقرر کیا جائے۔ کم از کم بیس سال کی عمر تک کے طالبعلموں کے پاس موبائل پر پابندی لگادینی چاہیے۔ اگر ہم اپنے معاشرئے میں اخوت بھائی چارہ اور ماں باپ کا احترام چاہتے ہیں۔ تو پھر ہمیں اپنی راہیں متعین کرنا ہوں گا۔ اور اِن ایجاد کا استعمال مثبت کرنا ہوگا۔

عشق رسول ﷺ ہی ہمارا امام

زخموں سے رِستا ہوا لہو اور محبوب کے فراق کے لمحات دونوں میں فرق نہیں دونوں کی حثیت عمومیت کی حامل ہوتی ہے۔نہ تو فراق کوئی اجنبی شے ہوتی ہے عاشق کے لیے اور نہ ہی زخموں سے لہو کا رِستا زخموں کے لیے کوئی انوکھا کام ہوتا ہے۔ عاشق کا عشق سلامت ہے تو پھر یہ راہ عشق کے انداز بھی جاری ہیں ۔ورنہ کہاں کے زخم اور کہاں کے فرقت کے لمحات۔جب عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے کسی بھی دنیاوی تگ وتاز کا تذکرہ ہوتا ہے تو حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ حضرت علی حیدر کرار، امامِ عالی مقام حضرت امام حسینؓ وامام حسنؓ صحابہ کرامؓ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ بن جاتی ہے۔تابعین تبعہ تابین اولیا اکرام شھداء اِن تمام عاشقان رسول ﷺ کا ایک ہی نصب العین ہمارے سامنے آتا ہے کہ جو ہو نہ عشق مصطفے ﷺ تو زندگی فضول ہے۔غلامِ رسول ﷺ میں موت بھی قبول ہے۔اللہ پاک نے یہ کائنات اپنے محبوب بندئے نبی پاک ﷺ کے لیے تخلیق کی اور آپ ﷺ کی بدولت ہیں سارے جہانوں کے اندر جان ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ کے بقول ہر مسلمان کے اندر روح محمد ﷺ ہے۔اب اگر روح محمد کے حامل انسان عاشق رسول نہیں ہوگا تو پھر کیسے ہوگا؟۔ گویا خالص اندازِ توحید کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے محبوب نبی ﷺ کی اطاعت کی جائے۔اِس لیے ادب

احترام کا دامن کبھی بھی چھوڑا نہ جائے۔ کیونکہ جہاں جبریل جیسے قربِ الٰہی رکھنے والے فرشتے کو بھی اجازت پیش ہونے کی ہمت نہیں جہاں عالم یہ ہو کہ نبی پاک ﷺ اُس وقت بھی نبی تھے جب آدم ابھی آب و گل میں تھے۔ جہاں اللہ پاک خود نبی پاک ﷺ کے مقام کے تحفظ کی قسم کھاتا ہو۔ جہاں ابو بکرؓ کی لیے صرف خدا کا رسول ﷺ ہی سب کچھ ہو۔ جہاں عمر فاروقؓ کی عدالت کا فیصلہ صرف اِس بات پر ہو کہ نبی ﷺ کا فرمان حتمی ہے اور عمر فاروقؓ نبی ﷺ کے فرمان میں تاویلیں پیش کرنے والے کی گردن اُڑانے کیبعد کہیں کہ اگر تمھیں نبی پاک ﷺ کا فیصلہ پسند نہیں تو پھر میرا فیصلہ تو یہ ہے۔ جہاں عثمان غنیؓ دو انوار کے حامل ہوں جہاں حیدر کرارؓ کی تربیت نبی ﷺ نے خود فرمائی ہوئی جہاں امام عالی مقام حسن و حسین کو اپنے کاندھوں پر جھولے دیئے گئے ہوں ایسی ہستی کے حوالے یہ گمان کرنا کہ اُس کی حثیت عمومیت کی حامل ہے یا وہ عام انسانوں جیسے ہیں یا اُن کا حلقہِ اثر صرف عرب کی سرزمین ہے۔ جو نبی پاک ﷺ کی شان کو کم کرکے اللہ کی شان بڑھانے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہوں تو ایسے لوگوں کے لیے بہترین راستہ یہ ہی ہے کہ وہ نبی ﷺ کا اُمتی بننے کی بجائے یہودی اور عیسائی بن جائیں کیونکہ اُن کے اور ہمارے درمیاں فرق صرف مصطفےٰ کریم ﷺ کی نبوت کا ہے ورنہ یہود نصاریٰ بھی اللہ کو ایک مانتے ہیں ۔اِس لیے ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے ۔جب اللہ پاک خود فرماتا ہے کہ اے میرے محبوب ﷺ اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین وآسمان پیدا نہ کرتا بلکہ اپنے

رب ہونے کا اظہار نہ کرتا۔ تو پھر چوں کہ چنانچہ کی گردانیں پڑھنے کی کوئی حثیت نہیں ہے۔اللہ پاک نبی پاک ﷺ ہمارئے ایمان کی بنیاد ہیں۔ قران کو ماننے کی رٹ لگانے والے صاحب قران نبی ﷺ کی عزت و توقیر کیے بغیر کس طرح قران پر من و عن ایمان رکھنے کی بات کرتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ پر چوبیس سال تک قران نازل ہوا۔ جس بات کو نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک نے فرمادیا کہ میرئے صحابہ قران میں اللہ پاک نے یہ فرمایا ہے تو صحابہ اکرامؓ نے اُسے قران سمجھ کر تحریر کر لیا اور جب نبی پاک ﷺ نے فرمادیا کہ میرئے صحابہ اکرامؓ یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں یہ حدیث ہے تو اُسے صحابہ اکرامؓ نے حدیث کا درجہ دئے دیا۔جب تعین ہی نبی پاک ﷺ نے کرنا ہے کہ یہ قران ہے اور یہ بات قران نہیں ہے تو قران سے زیادہ فضیلت تو صاحب قران نبی پاک ﷺ کی ہے۔ جن پر قران نازل ہوا۔ جن کیوجہ سے خالص توحید سے آشنائی ہوئی۔ جن کی وجہ سے کائنات کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ وجہ صرف یہ ہی ہے کہ جب نبی پاک ﷺ کا بولنا چلنا پھرنا ایک ایک عمل رب کے حکم سے ہے تو پھر جو کچھ بھی نبی پاک ﷺ کا عمل ہے وہ اللہ کا عمل ہے اور جو بھی محبت اور تکریم نبی پاک ﷺ کے لیے ہے وہ درحقیت اللہ پاک سے محبت اور تکریم ہے۔اِس لیے نبی پاک ﷺ کے بغیر نہ تو اللہ پاک کو راضی کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہم مسلمان ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ کو ماننے والے تو یہود نصاریٰ بھی ہیں۔ جن کے متعلق اللہ پاک کا فرمان ہے کہ وہ کبھی کسی مومن کے دوست نہیں ہو سکتے۔

طارق اسماعیل ساگر۔ ایک مجاہد جو بھارت کے لیے حیدرؓ کی تلوار ہیں

پاکستان کی سرزمین کو جہاں دہشت گردی اور انتہا پسندی کا سامنا ہے۔ یہ درست ہے کی بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے اِس وطن کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں یہ بھی درست ہے کہ ہمارا ازلی دُشمن بھارت اتنا مکار ہے کہ اِس کیحوالے سے ایک لمحے کے لیے بھی بھروسہ کرنا بے وقوفی کی انتہا ہے۔اِس شاطر دُشمن کے ہوتے ہوئے پاکستان کو دولخت ہونا پڑا اور اِس سارے معاملے میں بھارت کا سو فیصد کردار تھا۔ اِس بات کا اظہار بھارت کے وزیراعظم نریندر مودی نے بنگلہ دلیش کی وزیراعظم کے پہلو میں بیٹھ کر کیا ہے کہ وہ بھی پاکستان کو دولخت کرنے والے میں پیش پیش تھا۔ دیکھیں ایک وزیر اعظم کا بیان دوسرئے ملک کی سلامتی کے حوالے سے۔ کہاں ہیں آداب سفارت کاری، کہاں ہیں روشن خیال لبرل فاشسٹ جو دن رات امن کی آشا کو لیے گھوم پھر رہے ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو بھارت کے ساتھ تجارت کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ ستر سال گزرنے کے بعد بھی بھارت اپنے سے کئی گُنا چھوٹے ملک کو ہڑپ کرنے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ چند فی صد برہمن کو چھوڑ کر بھاتی تو کسی بھی دوسرئے کو انسان ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ۔ حالیہ دنوں میں بھارت کے سابق آرمی چیف وی پی سنگھ کا ایک دلت لڑکے کی موت پر یہ بیان کہ وہ تو کتا تھا مر گیا تو کیا ہوا۔ کیا مطلب ہے؟۔ بھارت کے لیے سافٹ کارنر

رکھنے والوں کی آنکھیں کھل نہیں سکیں ابھی تک کیا۔ اِس سارے کھیل میں ایک شخص تنہا کھڑا ہے جو مادرِ وطن کے لیے اپنا تن من قربان کیے ہوئے ہے۔ میری مراد صحافی میدان میں قلم کے ساتھ جہاد میں مصروف طارق اسماعیل ساگر سے ہے۔ ساگر صاحب سے میرا تعلق اُس وقت سے ہے جب میں ابھی سکول میں زیر تعلیم تھا۔ کہ میں نے اِنکا ناول میں ایک جاسوس تھاپڑھا۔ اُس کے بعد اِن کو خط لکھا انھوں نے کمال محبت سے اُس کا جواب دیا۔ پھر میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں انھیں نوائے وقت کے دفتر میں ملنے گیا۔ یوں عقیدت واحترام کارشتہ گذشتہ 31 سالوں سے قائم دائم ہے۔ یوں اُن کی تحریریں پڑھ کر راقم کے دل میں پاک فوج اور وطن سے محبت کا جذبہ اپنے کمال عروج کو پہنچا کہ پاکستان سے محبت میرا ایمان ہے۔ ساگر صاحب نے اپنے زندگی کا سار عرصہ قلمی جہاد کرتے ہوئے گزارا۔ کچھ عرصہ پہلے اُنھوں نے اپنی ایک سرگزشت وہ مجھے کھا گئے کے نام سے لکھی جس کے کچھ اقتباس راقم نے بھی ساگر ڈائجسٹ میں پڑھے۔ یقینی طور پر ایک صاف سچے کھرے انسان کو معاشرے میں اپنا کام کرنے کے لیے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ سب کچھ جناب ساگر صاحب کے ساتھ بھی ہوا کہ وہ لوگ جو صحافت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں ساگر صاحب کی سرگزشت پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کا اصل چہرہ کیا ہے۔ لیکن ساگر صاحب امید کے راہی ہیں اُن کے ہاں مایوسی نہیں ہے۔ ساگر صاحب کی کتابیں نوجوان نسل میں اتنی مقبول ہیں کہ اپنی مثال آپ ہیں۔ پاک فوج کے ساتھ ساگر صاحب کی

محبت پاکستان سے محبت ہے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پاک فوج کی قربانیوں کا ذکر ساگر صاحب کے ناولوں اور کالموں میں بجا طور پر ملتا ہے۔ ساگر صاحب کو مجھے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے انتہائی نیک انسان ہیں اللہ پاک سے ڈرنے والے ہیں اور روایتی صحافت سے بہت دور ہیں۔ صوم و صلوۃ کے پابند ہیں اور اُن کا معاشی سٹیٹس دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ اتنا بڑا رائٹر خود کو رزقِ حلال کے ساتھ جوڑے ہوئے ہے۔ مجھے اِن کے ساتھ سفر پر جانے کا تفاق ہوا وہ یوں کہ میرے ماموں جان قبلہ حکیم عنائت خان قادری نوشاہیؒ سے ملنے کا اشتیاق انھیں سرگودہا لے گیا۔ یوں وہ سفر میرے لیے یادگار بن گیا کہ ساگر صاحب سے مجھے اکتساب فیض کا موقع ملا۔ اور انھوں نے مجھے اپنی ذاتی زندگی کی کہانی سنائی۔ پاکستان کے جاسوس۔ بھارت کی جیل سے فرار۔ مادر وطن کے لیے اپنے زندگی کو ہر طرح کی مشکلات میں ڈالے رکھا۔ ساگر صاحب یوسف زئی پٹھان ہیں یوں ساگر صاحب نے پاک وطن کی حرمت کے لیے واقعی ہمیشہ ایک بہادر سپاہی کا کردار ادا کیا ہے۔ تقریباً دو سال تک میری روزانہ اِن سے ملاقات رہی کہ ساگر صاحب کی بڑی بیٹی میری شاگرد رہیں۔ اُنھیں پک کرنے اور ڈراپ کرنے کے لیے تشریف لاتے رہے اور میری اُن سے ملاقات رہی۔ میری یہ خوش قسمتی رہی کہ مجھے اُن سے اتنا قریب ہونے کا شرف حاصل رہا۔ قبلہ ماموں جان حکیم صاحبؒ کے ہمراہ بھی ساگر صاحب کے دولت کدے پر جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے چھوٹے بھائی میاں اکرم کی شادی میں ساگر صاحب اپنی تمام فیملی کے ساتھ

تشریف لائے۔ حضرت میاں وڈا صاحبؒ کے دربار شریف پر بھی اُنھوں نے حاضری دی۔ میری یادیں ساگر صاحب کے حوالے سے اتنی زیادہ ہیں کہ اُنھیں ایک کالم میں سمونا ممکن نہیں ہے۔ ساگر صاحب نے بے شمار کتابیں لکھیں ہیں اُن کے حوالے سے کوئی بات کرنا مجھ ناچیز کے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں ایک جاسوس تھا۔ کمانڈو، وادی لہو رنگ، را، بے شمار ناول، کتابیں ہیں جو کہ ہمارے نوجوانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ ہماری حکومت کو چاہیے کہ جناب ساگر صاحب جیسی شخصیت کے مقام کو سراہے اور اُن کی لازوال خدمات پر اُنھیں صدارتی تمغہ دے۔ کیونکہ ساگر صاحب کھرے انسان ہیں اِس لیے اُن سے چاپلوسی نہیں ہوتی اور حکمرانوں کے کان تو ایسی باتیں پسند کرتے ہیں جو اُن کے کانوں کو بھلی لگیں۔ ساگر صاحب کی کتابوں سے اقتباسات کو ہمارے تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جانا چاہیے۔ ساگر صاحب کی خدمات کو بطور سٹریٹجک اِنالسٹ لینا چاہیے۔ میرے دُعا ہے کہ پاکستانی قوم کے اِس عظیم سپوت کو اللہ پاک عمر خضر عطا فرمائے۔ آمین۔

سرزمین سرگودہا میں آسودہ خاک درویش صفت شخصیت۔ حکیم میاں محمد عنائت خان قادری نوشاہیؒ

چاہتوں کے سمندر کی آرزو میں سرگرداں رہنے کی سعی عاشق اور محبوب دونوں کے لیے امتحان ہے۔ عشق کا مطلب اپنی ذات کی نفی اور محبوب کی طلب ہے۔ جب اپنے آپ کو ہی سربلند کرنے کی حرص پیدا ہو جائے تو وہ پھر عشق نہیں کاروبار بن جاتا ہے۔ اور عشق کی دکانداری ہونا شروع ہو جاتی ہے پھر نہ تو راہبر کی تکریم پیش نظر رہتی ہے اور نہ ہی اُس کی چاہت کی شدت کا سفر جاری رہتا ہے۔ یوں پھر عاشق ہونے کا دعویٰ ہوا ہو جاتا ہے۔ محبوب تک پہنچ تو دور کی بات عاشق تو خود تک بھی نہیں پہنچ پاتا۔ محبوب کو بھی عاشق کے جذبات کی لو کی حدت کا بھرم رکھنا ہوتا ہے۔ امتحان اکیلے عاشق کا نہیں محبوب کو بھی ہوتا ہے۔ محبوب کا امتحان عاشق سے کئی گُنا زیادہ کڑھا ہوتا ہے۔ اپنے روح میں محبوب نے اپنے سے عشق کرنے والے سمونا جو ہوتا ہےمیاں جیؒ کا ڈیرہ شہر کے پاس ہی ایک نواحی لبستی میں ہے۔ میاں جیؒ عہد اسلاف کی وہ نشانی تھے جن کی زندگی عشق رسول ﷺ، پاکستان سے محبت اور انسانوں سے پیار سے عبارت ہے۔ میاں جیؒ کا اصلی نام شائد کسی کو بھی معلوم نہ ہو چھوٹا.بڑا سب لوگ اُنھیں میاں جی کہتے۔ میاں جیؒ کے متعلق یہ ہی بات مشہور تھی کے انھوں نے مشہور حکیم قرشی سے حکمت سیکھی تھی۔ میاں جی بہت اعلیٰ پائے کے نبض شناس

تھے۔ میاں جیؒ کی حکمت کے ساتھ اور جو خصوصیت تھی وہ اُن کا روحانی فیض تھا۔اِسی گھر میں کئی دہائیوں سے مقیم تھے۔ دن بھر لوگ آتے کوئی دوا لیتا اور کوئی دُعا کا طلب گار ہوتا۔ میاں جی روایتی پیری مریدی کے قائل نہ تھے لیکن اُن کے حلقے میں شامل افراد انتہائی پڑھے لکھے تھے۔ علماء۔ نوجوان، پروفیسرز ڈاکٹرز، پی ایچ ڈی کے حامل ریسرچ سکالرز، پائلٹ، فوج کے اعلیٰ افسران۔ گویا دکانداری والی پیری مریدی سے کوسوں دور میاں جی نے ایک ایسا نگر آباد کر رکھا تھا جہاں ہر دکھی کو جسمانی اور روحانی ہر بیماری سے شفا ملتی۔ میاں جی نہایت نفیس انسان۔ پاکستان اپنی آنکھوں سے بنتے دیکھا۔ اور اپنا سارا خاندان قربان کرکے ہجرت کی۔مال و متاع سے بالکل رغبت نہ تھی۔ جو بھی اسباب ہوتے وہ ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیتے۔ عام دیکھنے والا یہ ہی تصور کرتا کہ شائد وہ کافی مال دار ہیں کہ ہر وقت لنگر کا اہتمام۔جو بھی اُن کے ہاں آتا اُسے فوری طور پر کھانا پیش کیا جاتا۔ میاں جیؒ سادہ لباس پہنتے۔ سفید قمیض اور سفید رنگ کا ہی تہمد اور نوشہ گنج بخشؒ سے نسبت کا حامل پیلے سے رنگ کا کپڑا، جسے وہ صافا کہتے اُن کے کندھے پر ہوتا اور سفید رنگ کی کپڑے کی بنی ہوئی ٹوپی اُن کے سر پہ ہوتی۔ میاں جیؒ کی نفاست ہر کام میں اتنی کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا۔ نہایت صاف سادہ کپڑے پہنتے اور بناوٹ دیکھاوئے سے ہمیشہ دور رہتے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جو بھی اُن سے ایک دفعہ ملنے آجاتا تو پھر ہمیشہ کے لیے اُن کی محفل کا شریک بنا رہتا۔ تاریخ

عالم پر گہری نظر، اسلام کی حقانیت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا میاں جی کے دل و روح کے اندر۔کتابوں کا ایک لازوال ذخیرہ کہ جہاں سے۔بڑے۔بڑے سکالر آ کر استفادہ کرتے۔اللہ پاک کے دوست میاں جیؒ ہر ملاقاتی سے ایسے ملتے جیسے کہ وہ اُن سے سب زیادہ قریب ہو۔میاں جیؒ کا ڈیرہ ایسی درگاہ ہے کہ جہاں سے عشق رسول ﷺ کی دولت سے ہر کوئی مال ومال ہوتا۔میاں جیؒ ہر آنے والے کو خصوصی محبت سے نوازتے اور کھانے پینے سے خوب خاطر مدارت ہوتی۔ نوجوانوں کی تعداد آپکی محفل میں ہمیشہ زیادہ ہوتی۔ حضرت اقبالؒ کے بقول ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔ ساقی بھی اگر میاں جیؒ جیسا ہو تو پھر عشق رسول ﷺ کا جام۔دنیا کہ ہر شے سے ماورا کر دیتا ہے۔آپؒ کے لب ہلتے اور گویا ہوتے نبی پاک ﷺ کا نام جب بھی لیتے تو فرماتے سرکار دوجہاں ﷺ۔آپؒ گویا ہوتے تو پھر الفاظ ہاتھ باندھ لیتے اور آپ بولتے الفاظ خاموش رہتے۔آپ کے الفاظ میں دھن گرج ایسی کہ جیسے کوئی سولہ سترہ سال کا نوجوان نبی پاک ﷺ کی محبت میں مخاطب ہے۔آپؒ کے الفاظ یہ پیغام دیئے رہے ہوتے کہ جس کا دل مظطرب ہو وہ خود کو ہی نہ ڈھونڈ پا رہا ہو۔ جسے دنیا کی بے وفائی اور بے ثباتی کا دُکھ ہو۔ پھر ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے پناہ پھر ایسی جگہ ملے جہاں سے کائنات کی ہر ذی روح فیض لے رہی ہو۔ جس کی خاطر خالق نے پوری کائنات پیدا کی ہو۔ پھر مبدا خلق عالم کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جس کے دربار سے رحمت کا حصول ہو۔جب تمام دنیاوی رشتے دم توڑ جائیں تو پھر ایک ہی ہستی کا سہارا رہ جاتا

ہے جو کہ ماں باپ اولاد مال سب سے بڑھ کر محبت کا منبع ہے۔ وہ ہستی صرف رسول پاک ﷺ کی ہے۔ آپ کی گفتگو سن کر نوجوان سحر میں کھو جاتے۔ میاں جیؒ کا ایک بہت بڑا وصف یہ بھی تھا کہ وہ ظاہری نمود و نمائش سے ماورا تھے اور نوجوانوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ دوستوں جیسا ہوتا۔ ہر کسی کے دکھ درد کی خبر رکھتے۔ رہنمائی فرماتے۔ حوصلہ دیتے اور خاص طور فرماتے کہ شیر بن۔ جس جس کو اسباب درکار ہوتے اُس کی مدد فرماتے۔ کوئی بنک اکاونٹ اور نہ کوئی تجوری۔ سب کچھ ہی تو خالق کی مخلوق کے لیے وقت کیا ہوا تھا۔ جیسے جیسے خالق نوازتا چلا جاتا ویسے ویسے میاں جیؒ تقسیم فرماتے چلے جاتے۔ میاں جی کے ڈیرے کا ایک عجیب وصف ہے کہ جب تک میاں جی حیات رہے اُن کے ڈیرے سے کوئی بھی شخص ناراض یا دکھی ہو کر نہ گیا۔ بلکہ ہر آنے والے سکون کی دولت لے کر گیا اور میاں جی نے اپنے رب کی عطا سے اُس کو امید کے دنیا میں جینے کے عزم سے لیس کیا۔ اکثر عشاء کے بعد نوجوان آپکے ڈیرے پہ آجاتے اور میاں جی سے اپنے دن بھر کے معاملات کی بابت اپنا احوال بتاتے۔ آپ ہر کسی کو نوازتے۔ حوصلہ دیتے۔ اور صوفیا کہ انداز تربیت سے غیر محسوس انداز میں رہنمائی فرماتے۔ میاں جی کی شخصیت اتنی سلنشین تھی کے اُن کے ڈیرے پہ آنے والا ایک ایک شخص اُن سے اپنے دل کی بات کہہ کر اپنا غم ہلکا کر لیتا۔ کوئی نمود نمائش نہیں تو تھی میاں جی میں۔ ہر کسی کی بات کو محبت سے سُنتے۔ بناوٹ اور تصنع تو چھو کر بھی میاں جیؒ کو نہیں گزرے تھے۔ آپ بعض اوقات چارپائی پر لیٹے لیٹے پاس بیٹھے

ہوئے حاضرین کو تصوف کے دریچوں سے روشنی دیکھاتے چلے جاتے آپ فرماتے کہ لو بھی دوستو: پھر آپ کا فرمان شروع ہو جاتا اور ایک گفتگو کا ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ سُننے والے محو ہو جاتے اور میاں جی فرما رہے ہوتے کہجب بندہ اہتمام کے ساتھ اپنے خالق ومالک کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے اور اپنے دُکھوں کا بوجھ خالق کے دربا رمیں عرض کی صورت میں رکھتا ہے تب خالق اپنے بندے کی عاجزی اور انکساری کو بہت پسند کرتا ہے اور بندے کے دکھوں کا مداوا کرتا ہے۔رب پاک اور بندے کا تعلق اسی طرح ہے جس طرح ایک بے حس وحرکت تصویر کو بنانا والا جیسے مرضی رنگ بھردے اور اِن رنگوں کی بدولت وہ تصویر ایک خوبصورت نظر آنے لگے۔اب مصور اور تصویر کا جو تعلق ہوتا ہے وہ خالق اور مخلوق والا ہے۔انسان کی پیدائش سے موت تک کے تمام تر حالات وواقعات اِس بات کے شاہد ہیں کہ انسان کی حثیت کیا ہے۔محبت کے ساتھ نفرت بھی انسان کی جبلت میں ہے۔چاہے جانے کا جذبہ انسان سے نیکیاں بھی کرواتا ہے اور انسان کو بدی کی طرف بھی لے جاتا ہے۔بندے کی ساری تگ و دو ایک ایسے ٹائم فریم کے اندر ہے جس کے متعلق کچھ بھی حتمی نہیں۔اگر ایک جہاز لاہور سے پرواز کرتا ہے اُسے ساوتھ افریقہ جانا ہے۔اب راستے میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔کوئی بھی انہونی ہو سکتی ہے۔یہ ہی انہونی یا Probility کا جو فیکٹر ہے یہ ہی خالق کے وجود کی گواہی دیتا ہے اور خالق کے ہونے کی دلالت کرتا ہے۔سفر منزل کی جانب جب شروع ہو اور سفر کرنے والے کو منزل تک پہنچنے کی بے یقینی ہو تو درحقیقت

یہ بے یقینی رب پاک پر حق الیقین ہے خالق کے معبود ہونے کی پہچان ہر اُس عمل سے ہوتی ہے جو بندے کے ارادوں کے مخالف ہو۔ذرا تصور فرمایئے اگر انسان دوسرے سے عاجزی اور انکساری سے ملتا ہے اور اُس کے سامنے اپنا دکھ بیان کرتا ہے تو جس کے سامنے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے وہ بھی اپنے دل میں نرمی پیدا کرلیتا ہے۔یہ حال تو ایک دنیا دار شخص ہے لیکن خالق کے سامنے جب عجز وانکساری ہو اور خالق اپنے بندئے سے بے پناہ محبت کرتا ہے وہ اپنے بندئے کو خالی نہیں لوٹاتا۔عبد کا اختیار اُسکی عبدیت پر منحصر ہے جیسے جیسے وہ اپنے رب کے رستے پر چلتا ہے ویسے ویسے وہ ایک مقبول عبد کی حثیت حاصل کرلیتاہے۔ ہو۔انبیاء اکرام توگنا ہوں سے پاک ہیں وہ بشری لبادے میں رب پاک کے خاص عبد ہیں۔اُن پر اُس طرح کے قوانین فطرت کا اطلاق نہیں جس طرح ہم پر ہے۔خالصتاً اپنے خالق کی رضا کو اپنا لینا بندے کو رب کا دوست بنا دیتا ہے۔خالق اُس بندے پر اپنی خاص رحمتوں کا نزول کرتا ہے۔ حتی کے خالق اپنے بندے کے ناز بھی اُٹھاتا ہے۔بندہِ مومن کی آنکھ خالق کی آنکھ قرار پاتی ہے۔بندہ مومن کی خواہش کی تکمیل خالق فرما دیتا ہے۔انسانی رویے کے حوالے سے اگر ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو یہاں معاشیات کا ایک مفروضہ جسے لائف سائیکل ہائی پوتھیسز کا نام دیا گیا ہے جس کے مطابق بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور اُس کی حالت اِیسی نہیں ہوتی کہ وہ کچھ کماء سکے لیکن اُس کی ذات پر اخراجات کافی آتے ہیں۔اُس کی خوراک اُسکے لیے میڈیکل کی سہولیات، کپڑئے وغیرہ سب سے بڑھ

کر یہ کہ اُسے نگہداشت کے لیے کُل وقتی ایک عدد سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اُس کے لیے ہو رہا ہوتا ہے اب آیئے اِس نقطے پہ غور کرتے ہیں کہ ایک انسان کے بچے کی نگہداشت کا معاملہ خالق نے ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ خالق تو جانوروں پرندوں سب کی پرورش پر قادر ہے اور وہ ایسا کرتا ہے۔اِسی لائف سائیکل مفروضے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو اُس وقت وہ اِس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ کمائی کرے اور اُس کی اپنی ذات پر اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا وہ کما رہا ہوتا ہے۔ اب اگر ہم خالق کے نظام کو دیکھیں کہ کس طرح ہر ذی روح کو اُس نے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔ اور کائنات کا نظام جاری و ساری ہے۔ میاں جیؒ فرماء رہے ہوتے اور سُننے والے سُن رہے ہوتے۔ کوئی بھی تو میاں جیؒ کی محفل میں اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتا تھا ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ ایک اللہ کا دوست محبت سے ہر کسی کے دکھ سُن کر اُن کو دعا دے رہا ہوتا۔ حوصلہ دے رہا ہوتا۔ میاں جی کے ڈیرے پر آنے والے ہر کوئی یوں محسوس ہوتا کہ میاں جیؒ میرا بہت خیال رکھتے ہیں میاں جی اُن کے بچوں تک سے پیار کرتے اور اُن کو خصوصی محبت سے نوازتے۔یوں چھوٹے بچوں کو بھی میاں جی سے بہت زیادہ اُنس تھا۔ میاں جیؒ خود بہت ہی سادہ غذا کھاتے لیکن مہمانوں کی خوب خاطر مدارت کرتے۔اللہ پاک کے نیک بندوں کا ہمیشہ سے وصف ہے کہ اُن کے ہاں لنگر نہیں رُکتا۔ میاں جیؒ اکثر اُن نوجوانوں کے انتظار میں ہوتے جو عام طور پر اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر روزانہ اُن کے

پاس چلے آتے اور میاں جیؒ پھر علم و حکمت کے ایسے موتی بکھیرتے کے اللہ اللہ۔ میاں جیؒ ہر آنو والے کا اتنا خیال رکھتے کہ گمان ہوتا کہ شائد میاں جیؒ کی ڈیوٹی ہی صرف اِس کام پر ہے۔ اپنے لیے کچھ طلب نہ فرماتے ہمیشہ دیتے ہی چلے جاتے۔ اِسی طرح اُن کا حقہ اُن کے پاس پڑا ہوتا اور وہ کبھی لیٹ کر اور کبھی بیٹھ کر گفتگو فرماتے۔ وہ اِس طرح فرماتے کہ اُن کی بات دل کی آواز محسوس ہوتی میاں جی تو شاید کسی اور ہی رنگ میں رنگے ہوئے انسان تھے۔ اکثر جب من کی باتیں ہوتیں تو فرماتے کہ من کے اُجرنے کی وجہ بہت سے ایسی بیماریاں ہیں جو ظاہری طور پر تو چھوٹی چھوٹی خواہشات سے جنم لیتی ہیں لیکن یہ ہی خواہشات من کے اندر ایسے مچلتی ہیں کہ کہ اُسکا اثر پھر تن پہ بھی دیکھائی دیتا ہے۔اِس لیے زندگی کو سوہاں روح بنانے میں یہ ہی اچھوتی خواہشیں اژدھا بن جاتی ہیں جہاں پھر نیکی کا ٹھرنا ممکن نہیں رہتا۔ زمانے کے انداز خود پر حاوی کر لینے سے معاملات بگڑتے ہیں سنبھلتے نہیں۔ لالچ ایک ایسا سراب ہے کہ انسان کو اپنی طرف اِس طرح کھینچتا ہے کہ انسان کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔لالچ کا سلسلہ یوں ہی رُکتا نہیں بلکہ لالچ نئے لالچ کو جنم دیتا ہے۔ یہ لالچ ایسے کنویں کی حثیت اختیار کر جاتا ہے کہ اِس گڑھے سے باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ اِس سے قطع تعلق ہونا انسان کے لیے اتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اِنسان انسانیت کے دائرے سے بھی نکل جاتا ہے۔ یہ ہی لالچ پھر المیوں کو جنم دیتا ہے۔ایک کے بعد ایک المیہ۔ زندگی کا مقصد صرف

ہوس بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ ہی ہوس چھوتی بیماری کی طرح دیگر ہم عصروں کو بھی اپنا شکار کرلیتی ہے بالکل اِسی طرح جیسے راہزن راہبر بن جائے۔ انسان ہونے کے مقام سے لالچ انسان کو ہٹا دیتا ہے۔ درندگی کا حامل بنا دیتا ہے۔ محبت خلوص کے راستے کو ویران کر دیتا ہے۔ وفا نام کی کوئی شے بھی لالچ کے قریب نہیں پھٹکتی۔ انسانی وقار کو نہ صرف شدید دھچکا لگتا ہے۔ صوفی چونکہ اپنے خالق کی طرف امید لگائے ہوتا ہے اور اُسے یہ ادارک ہو جاتا ہے۔ کہ لالچ تو خود کو مردہ کرنے کا نام ہے چونکہ لالچ دنیاوی عارضی شے سے ہوتا ہے اِس لیے اُس شے کے اندر دیرپائی بھی نہیں ہوتی۔ جب محرک یہ ہو کہ گوہر نایاب کو پانا ہے تو پھر اُس کی تلاش کے لیے صاحب نظر ہی تحریک پیدا کرتا ہے اور صاحب نظر کی تمام تر تحریک کا ماخذ عمل کی طرف سفر ہوتا ہے دعویٰ عشق اور پھر بعد ازاں عشق کی لاج رکھنا ہی عشق ہے۔ اِس لیے صوفی کے اندر طمع نام کی کوئی شے نہیں ہوتی۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ صوفی کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ بات یہ ہے کہ صوفی نے اپنی ضروریات کو محدود کر لیا ہوتا ہے۔ صوفی کو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ تصنع بناوٹ سے منزل نہیں پائی جا سکتی تفکرات انسان سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لیتے ہیں۔ اِسی وجہ سے نادانستگی میں انسان سے ظلم روا ہو جاتا ہے۔ انسان کا مقصد ہر گز نہیں ہوتا کہ وہ کسی کو گزند پہنچائے لیکن کیونکہ کہ تفکرات نے اُس کی سوچ کو جامد کیا ہوتا ہے اِس لیے اُس سے ہر وہ عمل ہو جاتا ہے جو اُسکی جبلت کے خلاف ہوتا ہے۔ اِن تفکرات کی

وجہ سے خالق کو فراموش کرکے انسان دُنیاوی خدا بنالیتا ہے۔ صرف ایک خالق کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اُسے بہت سوں کو سجدہ کرنا پڑتا ہے۔ اگرایک خالق کے حوالے سارے دکھ درد کردیے جائیں تو بس پھر خالق جانے اور خالق کا کام۔ خواہ مخواہ چند اونس کے حامل دماغ پر اتنا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے کہ انسان کا سانس تک رُکنے کو ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ چند روزہ زندگی کی معمولی اور جلد ختم ہونے والی خواہشوں کی بجائے انسان صرف اپنے خالق کو ہی کارساز مانے اور سارے دکھ اپنی جھولی سے نکال کر خالق کے حوالے کردئے تو وہ دماغ جو چند مسائل کی وجہ سے پھٹا جارہا ہوتا ہے وہ دماغ اور دل پوری کائنات کو اپنے اندر سمو لیتے ہے۔ بس ایک کام کرنا ہے کہ خالق سے رشتہ کمزور نہ ہو پائے۔ خالق تو مخلوق کے انتظار میں ہوتا ہے کہ مخلوق کب مجھے پکارتی رب پاک امید کا نام ہے۔رب پاک محبت سے بھرپور ہستی ہے۔رب پاک سے جب ہم امید باندھ لیتے ہیں۔تو پھر ہم خود کو اپنے دُکھوں اور غموں سمیت اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے رب کے حوالے کردیتے ہیں مسافر کبھی پلیٹ فارم پہ مستقل قیام کا خواہاں نہیں ہوتا۔نہ ہی وہ پلیٹ فارم پہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ اُسے کوئی اگر کہے بھی کہ اِسی جگہ رُک جاؤ تو تب بھی وہ کسی کی نہیں مانتا بلکہ اُلٹا ایسا کہنے والے کو پاگل گردانتا ہے کہ یہ جگہ ایسی ہے کہ یہاں مستقل قیام کیا جائے یہ دُنیا تو پلیٹ فارم سے بھی عارضی ہے اِس کے لیے خود کو، دوسروں کو تکلیف میں ڈالنا ایسے ہی ہے کہ آ بیل مجھے مار فراق وصال اُسکا

ساتھ ہونا بھی دل کو خوف میں رکھتا ہیکہ شاید اب کہ یہ وصال کی آخری گھڑیاں تو نہیں ہجر کی ناتمام مسافتیں جب اپنا دامن پھیلا دیتی ہیں تو تب وصال کی دُعا کے ساتھ ساتھ ہجر کا دُکھ سایہ بن کر ساتھ ساتھ رہتا ہے لیکن روح کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ہجر طمانیت دینی لگتی ہے کیونکہ ہجر کے بعد تو کسی اور ہجر کے درپیش ہونے کا دکھ تو نہیں۔ من کے اندر سکون حاصل تب ہی ہوتا ہے جب مخلوق مخلوق کا خیال رکھتی ہے۔ کسی کو دُکھ دےئ کر کسی کے مال پر قبضہ کرکے کسی سے رنجش کرکے من کی بستی کو آباد کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔جب خود سے دوسروں کو اُجڑنے کا عمل ہو رہا ہے تو رد عمل بھی اُجڑنے کا ہی ہوتا ہے۔ تخریب سے مزید تخریب پیدا ہوتی ہے۔ میاں جیؒ کا ڈیرہ تو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتا۔ میاں جیؒ سے ملاقات کے بعد پھر ملنے کی تشنگی رہتی۔ میاں جیؒ نے پچاسی سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ سرگودہا نیو مسلم ٹاون بھلوال روڈ سرگودہا سے متصل اِن کا ڈیرہ آج بھی اُسی طرح آباد ہے جس طرح اُن کی ظاہری حیات میں آبد تھا۔اُنکے دو صاحبزاگان میں سے بڑے صاحبزادے میاں محمد یوسف نوشاہی سرگودہا میں قیام پذیر ہیں اور چھوٹے صاحبزادے یونس نوشاہیؒ اُن کے وصال سے چند ماہ بعد ہی وصال فرماء گئے تھے۔

انسانی حقوق کا عالمی دن

یوں تو وکلا کا پروفیشن ہی ایسا ہے کہ ان کو معاشی معاشرتی عمرانی ، نفسیاتی قانونی و دیگر زندگی کے شعبہ جات کے متعلق بھرپور آگہی وادراک ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ قانون کے شعبہ سے منسلک افراد کس طرح اپنے وجود سے معاشرے کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں موجودہ حالات میں مادیت نے ہر رشتے سے تعلق کو گہنا کر رکھ دیا۔ ہر لمحہ ہر ساعت معاشی ضرورتوں کا رونا رونے نے معاشرے سے امن سکون چھین لیا ہے ۔ صبح صادق سے لے کر رات گئے تک معاشی مجبوریوں کو اپنے حواس پر سوار کرکے اپنے آپ کو ہر لمحے مایوس اور دکھ کا شکار کر رکھا ہے دکھی اور مایوس انسانیت نے اپنے لئے خود ساختہ اتنے دُکھ پال رکھے ہیں کہ دو وقت کی روٹی کو ترسنے والے کو تو خالق پر بھروسہ ہے لیکن جن کو روٹی میسر ہے وہ دوسروں سے نوالے چھین کر اپنے پیٹ کی دوزخ کی آگ کو بجھانے کی لاحاصل سعی میں مصروف ہیں۔

راقم کے خیال میں انسانی حقوق کے تنظیموں کو سب سے پہلے تو یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والے کارکنان خود کو ہوس دُنیا وی لالچ سے دور رکھیں ۔جب تک اُن کے اپنے دلوں میں خوف خدا ہوگا اور دُنیا وی آسائشات کی اہمیت نہ ہو گی تب ہی وہ معاشرے کو کچھ دے سکتے ہیں۔ا

پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے کام کرنے کے جناب انصار برنی بہت بڑا نام ہے جو کہ پوری دُنیا میں اِس شعبے میں اپنی مثال آپ ہیں دیگر کئی لوگ اور تنظیمیں بھی کام کررہی ہیں لیکن اکثر کا کام صرف میڈیا تک اپنی نمائش تک محدود ہے یا پھر جن لوگوں سے یا جن ملکوں سے یہ افراد فنڈز لیتے ہے اِن کے مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ دُنیا آج تک ایسی مثال دینے سے قاصر ہے کہ نبی پاک ﷺ سے بڑھ کر انسانی حقوق کا علمبرادر اور کوئی نہیں۔ بنی پاک ﷺ نے حقوق خواتین اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے جو مثالیں قائم کیں وہ پوری انسانیت کا سر فخر سے بلند کیے ہوئے ہیں انسانی حقوق تو بہت بڑی بات ہے، نبی پاک ﷺ نے تو جانوروں کے تحفظ کے حوالے سے بھی ہماری رہنمائی کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ موجودہ ادوار میں امریکہ یورپ برطانیہ میں انسانی حقوق کی تنظیمیں بہت فعال ہیں۔ لیکن اُن کا دائرہ کار صرف اپنے ملکوں تک محدود ہے یہ ممالک تو معاشی سماجی حوالے سے پہلے ہی بہت ترقی یافتہ ہیں وہاں تو اِن تنظیموں کا کام بہت آسان اور یہ تنظیمیں مسلسل آگاہی مہم کے ذریعے انسانی شعور کی بیداری کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ ان ترقی یافتہ ممالک میں معاشی آسودگی کی وجہ سے قوانین پر عمل پیرا ہونا اور عزت وحرمت کے لیے کام کرنا نسبتاً آسان ہے۔ سویڈن برطانیہ ناروئے امریکہ جرمنی یورپ کے دیگر ممالک میں انسانی حقوق کے علمبردار مرد، وخواتین بہت زیادہ فعال ہیں۔ پاکستان میں انصار برنی کے علاوہ عابد منٹو ایڈووکیٹ فاروق طارق، عاصمہ جہانگیر، جمی انجینئر، حنا،

جیلانی، طاہرہ مظہر علی خان، ایس ایم ظفر،آئی اے رحمان بہت ہی قابل احترام نام ہیں جن لوگوں نے اپنی زندگیوں کو معاشرئے میں رواداری امن.برداشت کے فروغ کے لیے بہت کوششیں کی ہیں۔فیض احمد فیض جیسے عظیم دانشور بھی اِسی راہ کے مسافر تھے۔اگر ہم انسانی حقوق کی پامالی کی بات کرتے ہیں تو یہ بات انتہائی افسوس ناک ہے کہ ترقی پذیر ممالک یا انتہائی پسماندہ ممالک غربت کی ایسی چکی میں پس رہے ہیں کہ ان ممالک میں بس غلام ابنِ غلام ہی پیدا ہورہے ہیں غربت کے منحوس چکر نے ان ممالک کواِس طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں جو کہ ایک ایٹمی ملک ہے جس کے پاس سمندر ہے پہار ہیں چاروں موسم ہیں ہیں صرف چند ہزار لوگوں نے اُنیس کروڑ انسانوں کو یرغمال بنا رکھا ہے ساٹھ فی صد سے زیادہ لوگ خِط غربت سے انتہائی نچلی سطح پر زندگی بسر کرہے ہیں بے روزگاری، مخفی بے روزگاری نے عوام کا بُرا حال کر رکھا ہے ان حالات میں پھر انسانی حقوق کی حالت کیسے بہتر ہوسکتی ہے جب غریب عوام کو بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح ہانکا جارہا ہے بنگلہ دیش بھارت.برما میں بھی ایسے ہی حالات ہیں۔جس طرح کسی دوشیزہ کی خوبصورتی اُسکے لیے وبالِ جان بن جاتی ہےاِسی طرح پاکستان کی سٹرٹیجک جغرافیائی حالت نے اُس کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا ہے امریکہ، بھارت اسرائیل ہماری جان کے دُشمن بنے ہوئے ہیں اوپر سے ستم ظریفی یہ بھی کہ ہمارے ماضی کے حکمرانوں نے بھی ہمیشہ امریکی غلامی کے طوق کو اپنے گلے کا ہار بنائے رکھنے کو اپنے لیے فخر جانا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں علم کے نور کی کمی نے وڈیروں ، زمینداروں ، سرمایہ داروں کو عوام دُشمنی کے حوالے کیے رکھا ہے۔ پاکستانی قوم کی بنیادی مشکلات میں پولیس کا نظام سی آر پی سی کے تحت سیشن 22A, 22B اور پٹواری کا ظلم شامل ہے۔ راقم کو جب 22 کورٹ میں پیش ہونا پڑتا ہے تو سیشن جج صاحبان کے احکامات کی حکم عدولی پولیس افسران کا خاصہ ہے۔ سیشن جج صاحبان بے بسی کی تصویر بنے ہوتے ہیں۔

پولیس کے نظام میں بہت بڑی خرابی سیاسی مداخلت کا ہونا ہے۔ پولیس کا نظام ہمارے معاشرے میں انصاف کی بالا دستی کے راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ پولیس کو دباؤ میں رکھنے کے لیے اتنے گروہ سرگرم عمل ہیں کہ پولیس چاہے بھی تو اِن ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔ جب پولیس نے اپنے فرائض کی ادائیگی پریشر میں کرنی ہے اور جب ہر ایم این اے اور ایم پی اے تھانیدار کو اپنی انا کے اشاروں پر نچاتا ہے تو امن و امان کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ رب پاک کو حاضر و ناضر جان کر اگر ہم خود سے یہ سوال کریں کہ کیا کسی شریف النفس انسان کا موجودہ دور میں اسمبلی کا ممبر بننا ممکن ہے تو اِسکا جواب منفی میں ہونے کے ساتھ ساتھ ہے یہ بھی ہوگا کہ شریف آدمی نہ تو الیکشن لڑ سکتا ہے اور نہ ہی جیت سکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں تھانے اور کچہری کی سیاست ہوتی ہے۔ کسی کو گرفتار کروادیا کسی کو مروادیا اور کسی کو علاقے سے ہی

غائب کروادیا جنگل کا قانون تو پھر بھی کو معانی رکھتا ہے جہاں درندے، پرندے ہزاروں سالوں سے بس رہے ہیں۔ ہماری سوسائٹی میں طاقت کا استعمال، اقربا پروری اپنی مثال آپ ہیں۔ یہاں عوامی نمائندے کیسے ہوں گے؟ جیسا ماحول بن چکا ہے ادھر تو شرافت، دیانت امانت سب کچھ منافقت میں ڈھل چکا ہے۔98% طبقے کو 2 % نے یرغمال بنا رکھا ہے۔ اِن حالات میں پولیس امن و امان کیسے قائم رکھے جب عوامی نمائندے وزیر، مشیر سرمایہ دار وڈیرے پولیس کو اپنی من مانی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ گزشتہ سندھ اسمبلی کے ایک ضمنی الیکشن میں حکومتی پارٹی کی ایک خاتون امیدوار نے پولیس آفیسر کے سامنے خاتون پریزائیڈنگ آفیسر کو تھپڑ مارے اور ڈی ایس پی باادب ہو کر سارا تماشا دیکھتا رہا۔ یہ ہے وہ پولیس جس نے عوام کو غنڈوں کی چیرہ دستیوں اور ظلم سے بچانا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے معاشرے میں میڈیا کے فعال کردار نے کافی حد تک آگاہی دی ہے۔ لیکن حزبِ اقتدار ہو یا حزب مخالف، اقتدار میں رہنے کے لیے منشیات فروشوں اور قبضہ گروپوں کی سرپرستی کرتے ہیں اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کیونکہ وہ بھاری رقوم خرچ کرکے آئے ہیں اس لیے ہر طریقے سے رقم کماتے ہیں۔ اِن لوگوں نے باقاعدہ غنڈے پال رکھے ہوئے ہیں۔ موجودہ حالات میں وکلاء، سول سوسائٹی اور عدلیہ ہی امید کی کرن ہیں کہ شاید ہمارہ معاشرہ کبھی گدِھوں سے نجات حاصل کرسکے۔ تھانے بکتے ہیں ماہانہ بنیادوں پر رقوم اکٹھی ہوتی ہیں۔کتابوں میں لکھے اخلاقیات اور مذہب کے امن و آشتی کے اسباق

کہیں دور اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ہیں۔۔ تعلیم ،امن ، صحت ، روزگار سماجی انصاف معاشرے کو امن وآشتی کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ نہیں۔ قصور پولیس کا نہیں بلکہ اِس کو کرپٹ کرنے والوں کا ہے جو پولیس کو دباؤ میں رکھ کر اُس سے ہر ناجائز کام کرواتے ہیں جس سے یہ احساس شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے آزادی جیسی نعمت کی قدر نہیں کی اور دورِ غلامی کی لعنت سے کوئی سبق نہیں سیکھا ہمارے رویے ایک قوم ہونے کے ناطے اِس لیے بہتر نہیں ہو پائے کہ ہمارے حکمران کیونکہ عوام کے ساتھ مخلص نہیں ہیں اور وہ خود کو قانون کے دائرے میں رکھنے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ قانون کی بلادستی کے لیے سب سے زریں اصول یہ ہے کہ قانون سب کے لیے ایک ہو۔ جو قومیں امیروں اور غریبوں کے درمیان انصاف کی فراہمی کے حوالے سے تفریق کرتی ہیں وہ تباہ.برباد ہوجاتی ہیں پاکستانی سوسائٹی میں امن ومان اور قانون کی عملداری اُس وقت ممکن ہے جب حکمران اور عوام ایک ہی صف میں کھڑے ہوں۔ ہمارئے معاشرئے میں قانون کی حاکمیت نہ ہونے کہ وجہ سے معاشرہ بُری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ عوام ظلم.برداشت کر کرکے ادھ مُو ہو چکی ہے سب سے پہلے تو وہ افراد انسانی حقوق کی پامالی کرنا بند کریں جن پر یہ ذمہ داری ہے کہ اُن پر انسانی حقوق کی بالادستی کے لیے کام کرنے کی ذمہ داری ہے۔ جیلوں کی صورت حال، تھانہ کلچر، گھروں میں کام کرنے والے بچے بوڑھے خواتین سب لوگ تو

انسانی حقوق کی پامالی کا شکار ہیں۔

داتا علی ہجویریؒ کے عرس پاک پر مصفائی لنگر

لاہور کی سرزمین کو داتاؒ نگری کہنا اِس بات کا اعتراف ہے کہ جناب داتا علی ہجویریؒ کے فیضان کا کمال پچھلے ایک ہزار سال سے جاری و ساری ہے۔ میرا تعلق بھی داتاؒ کی نگری سے ہے۔ میرا تعلق خانوادہ حضرت میاں وڈا صاحبؒ لاہور سے ہے جو کہ سلسلہ سہروردی کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ وہ جناب نوشہ گنج بخشؒ اور حضرت میاں میرؒ کے ہم عصر تھے۔ سینکڑوں سالوں سے آپؒ کا قرآن مجید کا درس قائم ہے اور آپؒ کا دربار پاک روحانیت کا مرکز ہے۔ مجھے یہ بھی افتخار ہے کہ قبلہ حضرت حکیم عنایت خان قاری نوشاہیؒ نے ہی میری پرورش فرمائی اور وہ چھ سال کی عمر میں مجھے لاہور سے اپنے ہاں سرگودہالے گئے۔ حکیم صاحبؒ میرے ماموں جان بھی تھے۔ میں اُن کے حلقہ ارادت میں شامل ہوں اُنھوں نے مجھے پندہ سال پیشتر خلافت بھی عطا فرمائی۔ حکیم صاحبؒ کے ہاں کا روحانی ماحول میرے لیے تربیت کا ذریعہ بنا جس کی وجہ سے مادر فکری انجمن طلبہ ء اسلام سے کالج میں داخل ہوتے ہی وابستگی ہو گئی اور پھر مصفائی تحریک، المصطفیٰ، ویلفیر سوسائٹی میں زندگی کی ساعتیں رواں دواں ہیں۔ سرزمین لاہور کے باسی کتنے خوش قسمت ہیں کہ اُن کے شہر کو داتاؒ کی نگری کہا جاتا ہے۔ اللہ پاک کے بندوں کی خانقائیں ایسی جگہیں ہیں جہاں اللہ پاک کی رحمتوں

کا نزول ہر ساعت جاری رہتا ہے۔اللہ کے بندئے ظاہری حیات اور ظاہری وفات ہر صورت میں اللہ کے بندوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ اللہ پاک کے وہ عظیم انسان ہیں جو لاہور کی مٹی سے ایک ہزار سال سے تعلق رکھے ہوئے ہیں۔ بادشاہ مہاراجے لاہور پر حکومتیں کر کے چلے گئے لیکن حضور داتا علی ہجویریؒ کی حکومت قائم دائم ہے۔ کشف الاسرار میں ایک مقام پر آپ نے اللہ کے حضور اپنے لیے التجا کرتے ہوئے یوں دعا کی ہے کہ: یااللہ میرے دل کو روشن چراغ بنا، اپنی یاد کا شوق بخش، دل کو غیر سے خالی کر پیرو مرشد کو مجھ پر مہربان کر۔ پہلے میرے دل کو شکر بخش، پھر مجھے دولت دے۔ پہلے دل کو کدوت سے پاک کر، پھر اپنے راز سے نواز، پہلے صبر دے اور پھر بیماری، یا اللہ مجھے وہ دے جو بہتر ہے۔ پسندیدہ کی توفیق دے۔ خدا تعالیٰ حکیم و علیم و عزیز و شفیق ہے اس کا لطف عام ہے وہ کریم ہے رحیم ہے رحمان، غفار، قہار، جبار، وہاب، سلطان، منان ہے۔ اللہ گنہگاروں کا فریاد رس ہے میری دعا ہے کہ میری زبان شہادت کے وقت نہ رُکے اور مجھے آٹھ جنتیں عطا کر اور میرا معشوق میرے پہلو میں ہو۔ مجھے عذاب میں گرفتار نہ کر۔ میں بیمار بے حال ہوں تو شافی و کافی ہے میرے واسطے۔ یا اللہ! علی کی عاجزی پر رحم کر اور بہ طفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بخش دے اس پر رحم کر۔ وہ عاجز بے کس ہے۔ اس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔ وہ تیرے سوا کسی کو نہیں چاہتا اور تیرے نام کو جپتا ہے۔ غربت کے سوا اس کے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے خدایا بے

کس پر رحم کر۔ تو رحیم ہے، حلیم ہے، شفیق ہے۔ میں گناہ کے سمندر میں ڈوبا ہوں تو بخشش کر۔ اے انسان! طالب حق بن۔ تکلیف سے نہ ڈر، فقیری مشکل ہے، علم سیکھ، عمل کر، والدین کی خدمت کر تا کہ منزل پر پہنچے۔ انشاءاللہ! صدر نشین ہوگا۔ خدا کا کرم تیرے شامل حال ہوگا۔ خدا کی تعریف ہر دم کرو۔ وہ علیم و حکیم ہے۔ بار خدایا میرے گناہ ڈھانپ۔ مجھے خداری دے۔ میں حقیر پر تقصیر عاجز ہوں، اے بصیر! مجھ پر رحم کر کمزور ہوں اور تو قادر توانا۔ اے دوست! خدا جو عنایت کرتا ہے اس پر راضی

رہ۔ اگر ویرانہ دے اس میں رہ، شہر دے تو وہاں رہ، وطن یا بے وطن سب پر راضی ہو وہ گدڑی دے یا قاقم شکر بجا لا گھوڑا ہو یا گدھا سوار ہو۔ وہ اللہ کی نعمت ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا احسان مند رہ۔ حضرت داتا گنج بخش کی جلالت شان اور مرتبہ کی عظمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت سید معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ جیسے جلیل القدر بزرگوں کے علاوہ حضرت میاں میر قادری اور محدث کبیر حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ نے آپ کے مزار مبارک پر معتکف رہ کر فیض پایا اور منازل سلوک و معرفت طے

کیے۔ درار شکوہ شہزادے نے اپنی مشہور تصنیف سفین؟ الاولیا ٔمیں یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص چالیس دن تک بلا ناغہ مزارِ داتا پر حاضری دے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت پوری فرمادیتا ہے۔ وصال کے بعد اولیائے کرام کے فیوض و برکات کا جاری رہنا کتاب وسنت سے واضح اور ثابت ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی اسی فیض رسانی خلق سے متاثر

ہو

کر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بارگاہِ گنج بخش میں عرض کرتے ہیں۔ مصطفائی تحریک
ہر سال عرس حضرت داتا صاحبؒ کے موقعہ پر مصطفائی رضاکار کنونشن کا انعقاد کرتی ہے
اور ساتھ ہی 1980 سے مصطفائی لنگر کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے۔اِس لنگر کے
وح رواں اعجاز فقہی، شیخ طاہر انجم، گلزار فیصل، محمد علی خان، رانا خالد قادری، امانت
زیب، بدر ظہور چشتی، میاں شہزاد حافظ قاسم مصطفائی اور اویس مصطفائی ہیں۔اور اِن
کی سرپرستی جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری، جناب میاں فاروق مصطفائی جناب غلام مرتضی
سعیدی، جناب حمزہ مصطفائی جناب خواجہ صفدر امین فرماتے ہیں۔اُس لنگر میں بہترین
کھانا بلا تخصیص سب زائرین کو پیش کیا جاتا ہے اور بلا مبالغہ لاکھوں زائرین عرس پاک
اِس مصطفائی لنگر سے استفادہ فرماتے ہیں۔چونکہ مصطفائی برداری میں شامل احباب
یہاں تشریف لاتے ہیں اِس لیے داتا صاحبؒ کے عرس پر اتنا وسیع لنگر کا اہتمام یقینی طور
پر بہت سعادت کی بات ہے۔مصطفائی رضاکار کنونشن میں حاضری کا شرف نصیب ہوا۔
کنونشن میں معروف اینکر صحافی جناب نجم ولی خان بھی تشریف لائے تھے اُن سے بھی
ملاقات رہی۔مصطفائی لنگر کی افتتاحی تقریب میں وزیر مملکت مذہبی امور جناب امین
الاحسنات صاحب تشریف لائے۔مصطفائی رضاکار کنونشن میں جناب حافظ قاسم
مصطفائی جو مصطفائی تحریک کے مرکزی رہنماء ہیں اُن کا لکھا ہوا مصطفائی تحریک پڑھا گیا
جس نے حاضرین پر کیف و مستی کی کیفیت طاری کر دی۔مصطفاء رضاکار کونشن میں
انجمن طلبہ ء اسلام کے مرکزی صدر

طاہر عاکف خصوصی طور پر تشریف ہوئے، اُنھوں نے خطاب بھی کیا۔ نوائے انجمن جو کہ انجمن طلبہء اسلام کا ماہنامہ میگزین جو کہ تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے جس کا سہرا جناب منیر چوہدری کے سر ہے جو کہ اِس کے ایڈیٹر ہیں۔ جب سے منیر چوہدری نے اِس کی ذمہ داری سنبھالی ہے اِس کی اشاعت میں تسلسل ہے۔ اللہ پاک جناب منیر چوہدری کو اِس کا اجر عطا فرمائے۔ مصطفائی رضا کا کنونشن میں انسانیت کی خدمت کے حوالے سے مصطفائی تحریک کے مشن کا اعادہ کیا گیا۔ یقینی طور پر اِس مصطفائی لنگر کی برکتوں سے مصطفائی تھریک کے کام میں مزید تیزی آ رہی ہے اللہ پاک مصطفائی تحریک کے کاموں میں وسعت عطا فرمائے۔ مصطفائی لنگر میں میڈیکل کیمپ کا انعقاد ہوتا ہے جو کہ فوری طبّی امداد کے حوالے سے شب و روز عرس کے ایام میں خدمات سرانجام دیتا ہے۔ مصطفائی لنگر عرس داتاؒ صاحب کے تینوں دنوں میں رات دن پیش کیا جاتا ہے۔

میڈیا ہاؤسز پر دہشت گردوں کے حملے۔ حکومت تحفظ فراہم کرے

میڈیا ہو یز پاکستان کی سلامتی کے لیے ایک لمبی جنگ لڑ رہے ہیں اور پاکستان کے صحافی اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر دہشت گردوں کے سامنے بالکل اُس طرح سیہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جس طرح پاک فوج سرحدوں کی حفاظت اور جنگ عضب کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہے۔ پاکستان میں میڈیا خواہ وہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک ہر کسی نے اپنی بساط کے مطابق کام کیا ہے لاہور اور فیصل آباد میں میڈیا جس طرح حملہ کیا گیا اِس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دہشت گردوں کے خلاف جاری فوجی آپریشن کی کامیابی نے دہشت گردوں کو جھنجھلاہٹ کا شکار کر دیا ہے۔ اِس لیے وطن پاک کی خاطر اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں نبھانے والے صحافی حضرات یقینی طور پر ہمارے ملک کی سلامتی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ بلوچستان، خیبر پختون خواہ اور کراچی میں جس طرح سے دن نیوز اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں نبھا رہا ہے اِن حالات میں میڈیا کے خلاف دہشگردوں کی کاروائی کسی طرح بھی بے باک صحافت کا راستہ نہیں روک سکتی۔ میڈیا کی وجہ سے جس طرح پاکستان میں عام لوگوں کو ادراک حاصل ہوا ہے اور لوگوں میں جس طرح فرقہ واریت اور نسل پرستی کے خلاف جذبات اُبھرے ہیں اِن سب کی وجہ سے پاکستان کے دشمنوں کے عزائم خاک میں ملے ہیں۔ پاکستانی قوم کے ساتھ جس طرح کا رویہ حکمرانوں کی

جانب سے روا رکھا جارہا ہے اور جس طرح پاکستان کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن دیکھتے ہوئے ہمارا ازلی دشمن جو ہمارا ہمسایہ بھی ہے پیچ وتاب کھا رہا ہے۔اِس لیے میڈیا کو ہراساں کرکے درحقیقت پاکستانی قوم کی ہمتوں کو زک پہنچانا ہے۔ لیکن غمِ عاشقی تیرا شکریہ تونے جینا مرنا سکھا دیا کہ مصداق پاکستانی قوم کے حوصلے اللہ پاک کے فضل وکرم اور میڈیا کی بے پناہ قربانیوں اور پاک فوج کے شاندار کردار کی وجہ سے بلند ہیں۔ کون ہے جو ہمارے ملک کے میڈیا ہاوسز میں کام کرنے والے تمام صحافی بھائیوں اور دیگر سٹاف کو پاکستان کی محبت سے روک سکے۔پاکستان میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کو مختلف نظریات کے حامل گروہ اپنے راستے کا پتھر سمجھتے ہیں اور وہ پاکستانی معاشرے میں امن وسکون کو خود کے لیے موت تصور کرتے ہیں۔میڈیا ہاوسز کی جانب سے حملے کے بعد جس طرح کے بلند حوصلے کا پیغام دیا گیا اُس سے یہ بات پتھر پر لکیر ہے کہ پیارے وطن پاکستان کی صحافی برادری موجودہ حالات میں خود کو کسی صورت پسپائی کے راستے پر نہیں ڈالے گی۔ کراچی کی ایک تنظیم نے پورے میڈیا کو یرغمال بنائے رکھا ہے اور جس کی وجہ سے گھٹن کا عالم یہ ہوچکا تھا کہ میڈیا ہاوسز کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کراچی ، بلوچستان اور خیبر پختون خواہ میں جس طرح صحافیوں پر حملے کیے گے اور اور صحافیوں کو قتل بھی کیا گیا وہ سب کے سامنے ہے۔ عالمی رائے عامہ کے مطابق پاکستان کی سرزمین صحافیوں کے لیے خطرناک ترین جگہ ہے۔ لیکن آفرین ہے پیشہ

ورانہ حامل کی صحافتی ٹیم اوراِس کے مالکان پر اُنھوں نے وطن پر محبت کے حوالے سے کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے کسی طرح کا بھی سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا۔ پاکستان بھر کے وکلاء جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے وہ میڈیا کے خلاف دہشتگردی کی مہم جوئی کی شدید مذمت کرتے ہیں اور راقم بطور شریک چیئرمین انسانی حقوق کمیٹی لاہور ہائی کورٹ بار پنجاب حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ میڈیا ہاوسز کی حفاظت بھی اُسی طرح کی جائے۔ جس طرح کسی بھی حساس ترین ادارے کی کی جاتی ہے ماضی میں اسلام آباد میں ایک سیاسی پارٹی نے بھی ایک ٹی وی چینل پر کئی مرتبہ حملہ کیا تھا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس کی بھی آواز دبائے جانے کی کوشش کی جاتی ہے اُس کی آواز پھر اکیلی نہیں رہتی بلکہ اُس کے ساتھ وہ لوگ بھی شریک ہو جاتے ہیں جن کو بولنا نہیں بھی آتا ہے اور وہ پھر اُس طرح کی قوت اختیار کر جاتے ہیں جس طرح کی قوت اُن ابابیلوں نے حاصل کی تھی کہ جس کی گواہی خود خالق نے قران مجید میں دیا تھا کہ تمھیں معلوم ہے کہ اُنھوں نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ اور اُن کو ایسا کر دیا تھا کہ جیسے کھایا ہوا بُھس۔ پوری وکلاء برادری پوری قوم میڈیا کے ساتھ ہے۔ اور آزادی رائے کی ہر رکاوٹ کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے گا۔

16 دسمبر سانحہ مشرقی پاکستان اور تجدید نظریہ پاکستان کا دن

نریندر مودی جب سے بھارتی وزیر اعظم بنے ہیں اُنھوں نے پاکستانیوں کو نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریہ کا بھولا ہوا سبق خود یاد کروادیا ہے۔ بنگلہ دیش کی وزیر اعظم محترمہ حسینہ واجد پاکستان دشمنی میں جل بھون رہی ہیں۔
یوں یہ دونوں آپس میں شیر و شکر ہیں بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے بنگلہ دیش میں اپنے دورے کے دوران یہ زہر اگلا کہ ہاں ہم نے ہی مشرقی پاکستان کو علیحدہ کیا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ خود بھی پاکستان توڑنے میں شامل تھا۔اِسی طرح بنگلہ دیشی وزیر اعظم حسینہ واجد پاکستان کے خلاف ایک ایسی نفرت کا اظہار کر رہی ہیں کہ جس کی مثال آج کل کی مہذب دنیا میں نہیں ملتی۔ حسینہ واضد اپنے ہی ہم وطنوں کو پھانسی پر لٹکا رہی ہے جنھوں نے سانحہ مشرقی پاکستان کے وقت پاکستان بننے کی جد وجہد کی تھی، اُس وقت ظاہر اُن کا ملک پاکستان تھا اُنھوں نے اپنے وطن سے وفاداری نبھائی تھی ۔ بعد میں وہی سیاسی رہنماء بنگلہ دیش کی سیاست میں حصہ لیتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ بنگلہ دیش کی حکومت میں بھی شامل رہے اب اُن سیاسی رہنماؤں کو جو اِس وقت بزرگی کی عمر کو پہنچے ہوئے ہیں اُن کو اُس وقت پاکستان سے محبت کرنے.

کی سزا دی جارہی ہے اور اُن کو ایک نام نہاد عدالتی ٹربیونل کے ذریعے سے پھانسی دی جارہی ہے۔ پاکستان سے دشمنی کی بدترین مثال قائم کرکے شیخ مجیب الرحمان کی صاحبزادی بھاری وزیراعظم نریندری مودی کی ہم رکاب بنی ہوئی ہے۔

16 دسمبر 1971 پاکستان کی تاریخ کا ایک ایسا تاریک پہلو ہیجو اِس المیے کی یاددلاتا ہے جب اس وطن کو پارہ پارہ کردیا گیاپاکستان اپنے وجود کو برقرار نہ رکھ سکاپاکستان کے حکمرانوں اور پاکستانی عوام کے دل ایک ساتھ نہیں دھڑکتے ۔انگریز کی غلامی ،اور ہندو کی غلامی سے بچنے والے پاکستانی اب بھی غلام ہیں آقا بدل گئے غلام وہی ہیں۔لاکھوں شہادتوں اور عصمتوں کی قربانی کے طفیل حاصل ہونے والا وطن مایوسیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔دہشت گردی، لاقانونیت، بیروزگاری ہر پھیل گئے ہے ۔اشرافیہ کا تمام وسائل پر قبضہ ہے چند ہزار لوگوں نے اٹھارہ کروڑ عوام کو معاشی و سماجی طور پر یرغمال بنا رکھاہے اسی طرح غریب طبقے سے اُبھرنے والالی سیاسی قوتیں بھی اقتدار کی غلام گردشوں میں پھنس کر رہ گئیں مذہب کا نام استعمال کرکے عوام استحصال کیا جارہا ہے موجودہ حالات اور ایسی قیادتوں کے ہوتے ہوئے ہم کیسے اِس گرداب سے نکل سکتے ہیں ہےاِس کا کوئی قابل عمل حل ۔حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عالماں از علم قران بے، نیاز صوفیاں درندہ گرگ و مو درازیعنی آج کے علماء قران کے علم

سے لاپرواہ ہیں جب کہ صوفی گویا پہاڑ کھانے والے بھیڑیا بنے ہوئے ہیں اور لمبے بالوں والے ہیں۔ دنیا میں انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے انسان اور مسلمان میں فرق کیا ہے۔ مسلمان بننا کس طرح کے افعال کا متقاضی ہے۔ اگر ہم سب ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں اور اپنے آپ سے جسے ضمیر بھی کہا جاتا ہے اُس کی بھی مدد لیں کہ کیا انسان کی تخلیق کا وہ مقصد ہے جو دنیا میں ہو رہا ہے۔ کیا انسان اور مسلمان میں کوئی فرق ہے۔ اگر ہے تو وہ کیا ہے۔ کیا مسلمان بن کر ہم معاشرے میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں کیا ہمارے اور غیر مذاہب کے افعال و اعمال میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ وقت جس سُرعت کے ساتھ گزر رہا ہے اور وطن پاک کو جس طرح کے حالات کا سامنا ہے کیا سانحہ مشرقی پاکستان سے کوئی بھی سبق سیکھا گیا۔ اصل میں پاکستان میں حکمران طبقہ اور ہے اور عوام الناس کا تعلق کسی اور طبقے سے ہے۔ حکمرانوں کے قلب و اذہان عوام کے جذبات سے کوسوں دور ہیں۔ عوام ہے کہ دہشت گردی، لاقانونیت بے روزگاری کی چکی میں پس رہی ہے جبکہ حکمران اپنے محلات میں خوابِ خرگوش کے مزے لُوٹ رہے ہیں۔ عوام بھوک اور افلاس کے گرداب میں پھنس چکے ہیں لیکن مجال ہے کہ حکمرانوں نے اپنا وطیرہ بدلہ ہو۔ مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بن جانا اور عام لوگوں کا یہ سوال کہ پہلے تو ہندو اور انگریز کی غلامی سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے اور علیحدہ مسلم ریاست بنانے کے لیے بٹوارا کیا گیا لیکن 1971 میں مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بننا کس سے آزادی کے لیے

تھا۔ مسلمان کو مسلمان سے ہی آزادی کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ایک ہوں مسلم حرم کے پاسبانی کے لیے کے نظریئے کو کس طرح موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان روس اسرائیل گٹھ جوڑ نے پاکستان دولخت کیا، اور ان ممالک کی سازشوں نے ایک نوزائیدہ ملک کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تو اُس وقت اِس ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنیوالے کہاں تھے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور اِس بات کا جواب ہمیں جسٹس حمود الرحمان کی رپورٹ سے بھی ملتا ہے کہ اِس سانحے کے پیچھے غیر ممالک کے علاوہ پاکستانی سول و فوجی اسٹیبلیشمنٹ کا بھی غفلت اور کوتاہیوں سے بھرپور کردار ہے۔ ہوس ہنوز تماشا گر جہانداری است، وگرچہ فتنہ پس پردہ ہائے زنگاری است (زبور عجم) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہوس ابھی تک اسی فکر میں ہے کہ کس طرح دنیاوی مال ودولت اکھٹی کی جاسکتی ہے۔ ہرئے رنگ کے پردوں آسمان) کے پیچھے اور کونسا فتنہ پوشیدہ ہے؟ دنیا میں جتنے بھی فتنے فساد پیدا ہوئے اُن) کا سبب ہوس ہی ہے۔ غیر ملکی سازشوں کے لیے ان سازشی ممالک کو میر جعفر و میر صادق میسر آتے رہے رہے اور میر جعفروں کی ہوس نے وطن کو پارہ پارہ کردیا۔ تاریخ میں یہ رقم ہے کہ مشرقی پاکستان میں رہنے والے شیخ مجیب الرحمان کی سیاسی قوت کو مغربی پاکستان کے سیاستدان مسٹر بھٹو نے عملاً تسلیم نہ کرکے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے مطالبہ کو پورا ہونے میں اہم کردار ادا کیا اور ادھر تم اور ادھر ہم کا نعرہ لگا دیا گیا۔ بنگالی عوام جہاں سے مسلم لیگ کا خمیر اُٹھا

تھا وہاں مکتی باہنی ہندوستانی انٹیلیجنس اداروں نے مل کر جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کیونکہ پاکستان کی عوام کی آواز حکمرانوں سے بہت دور تھی اور حکمرانوں کو عوام کے جذبات کی کوئی قدر نہ تھی۔ اُنھیں قدر تھی تو صرف اپنی حکمرانی کی بھلے ملک ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ جائے اور پھر وہی ہوا جس پاکستان فوج کو دُنیا کی بہترین فوج مان جاتا ہے وہی فوج ہتھیار ڈال کر پوری دنیا میں خود بھی رُسوا ہوئی اور پاکستان اور اُس کی عوام کو بھی رُسوا کیا گیا۔ ترانوے ہزار فوجیوں کا ہتھیار ڈالنا اور فوجی بھی وہ جن کا نعرہ تکبیر ہو جس نعرے سے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہوا تھا۔ وہی نعرہ تکبیر لگانے والی فوج شرمناک شکست کی حامل قرار دے دی گئی۔ آخر ہماری اندر اتنی سمجھداری کیوں نہیں آسکی کہ ہم اُس بدترین شکست سے کوئی سبق سیکھ سکتے۔ معاشیات میں ایک تھیوری ہے جس کو غربت کا منحوس چکر کہا جاتا ہے اُس چکر کے مطابق غریب اتنا پھنس جاتا ہے کہ وہ غربت کے گرداب سے نکل نہیں پاتا ہماری قوم بھی اِسی طرح کے منحوس دائرے میں پھنس چکی ہے اور یہ منحوس دائرہ اشرافیہ نے بنا رکھا ہے۔ اب جب یہ منطق پیش کی جاتی ہے کہ لوگ جھوٹ کیوں لوگ بولتے ہیں چوری کیوں کرتے ہیں یہ سب کچھ حکمران تو نہیں کہتے کہ کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستانی حکمرانوں نے جب ماحول ہی ایسا تخلیق کر ڈالا ہے تو پھر سچ اور جھوٹ میں فرق روا رکھنے کا علمبردار کون ہوگا۔ جب رہنماء راہزن کا روپ دھار چکے ہیں تو خیر کہاں سے آئی گی۔ بقول اقبالؒ چوں

بنام مصطفیٰ خوانم درود از خجالت آب میگردد وجود (مسافر مثنوی) یعنی جب میں نبی پاک ﷺ کی ذات والا صفات پر درود بھیجتا ہوں تو میرا وجود شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے مزید فرماتے ہیں کہ، عشق می گوید کی اے محکوم غیر، سینہ تو از بتاں مانند دیر یعنی کہ عشق کہتا ہے کہ او غیر کے محکوم: تیرا سینہ تو بتوں کی وجہ سے بت خانہ بنا ہوا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اعمال کچھ ہیں-

افعال اور طرح کے ہیں جو اقوال کی تصدیق نہیں کرتے۔ قوم کو ایسی لیڈر شپ کی ضرورت ہے جو کہ قوم کو ذہنی پستی سے نکالے اور خودار قوم بنائے۔

نمازیں، روزئے، عمرئے حج سب ضروری ہیں لیکن بقول اقبالؒ پہلے مسلمان تو بن جائیں غیر کے محکوم نہ بنیں، مسلمانی کی ابتدائی تعریف پر پورا اُترنے کی ضرورت ہے باقی کام تو بعد کے ہیں جیسے بقول اقبالؒ کہ تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں۔ پہلے توحید کو تو اپنے اندر وارد تو کرلیں جب تک ہم مکمل طور پر رب کو ماننے والے نہیں بنیں گے تب تک ہم رسوا ہوتے رہیں گے۔ ہے جُرمِ ضیفی کی سزا مرگِ مفاجات

آرمی پبلک سکول کے ننھے شہداء کا لہو امن کی خیرات

صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ شریک چیئرمین انسانی حقوق کمیٹی لاہور ہائی کورٹ بار کی خصوصی تحریر

آرمی پبلک سکول کے ننھے شہداء نے اپنے خون سے امن کی داستان لکھی۔ سولہ دسمبر سانحہ پشاور کی یاد کا دن۔ یہ دن اِس سانحے کے حوالے سے کہ ننھے شہداکے والدین کے دل پہ گزرنے والے احساس کے حوالے سے ایک ایسا دن ہے کہ ایک سال گزرنے کو ہے اور اِن ننھے شہداء کے خون کی قربانی کے طفیل اللہ پاک نے پاکستان میں دہشت گردی کے وہ سائے جو لمبے ہوتے جارہے تھے اُن کو کافی حدتک قابو کیا ہے۔ اور ضرب عضب آپریشن نے بہت بہتر نتائج حاصل کیے ہیں۔اللہ پاک نے اِن ننھے شہداء کے لہو کی لاج رکھی ہے اور ملک میں بہت حدتک امن قائم ہوا ہے۔ یقینی طور پر یہ امر بہت تکلیف دہ ہے کہ دہشت گردوں نے جس طرف ننھے

بچوں کو شہید کیا۔ اور جس طرح کی چنگیزیت روا رکھی۔اِس نے ہر پاکستانی کو مغموم کر دیا۔ جس ہولناک انداز میں ننھے بچوں کو شہید کیا گیا روح اُس کے تصور سے کانپ اُٹھتی ہے۔ جنرل راحیل شریف کی قیادت میں آپریشن ضرب عضب تو پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ لیکن ننھے بچوں کے خون نے اِس آپریشن میں اپنے لہو کا حصہ ڈال کر امن کا تحفہ اپنے ہم وطنوں کو دیا۔ننھے بچوں کے قربان ہونے کے دلخراش المیے نے پوری قوم کو ایک ایسے دُکھ میں مبتلا کیا ہے کہ اِس المیے کی یاد سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔ ماؤں کے جگر چھلنی ہیں کہ اُن کے لاڈلوں کو اُن سے جُدا کر دیا گیا۔ امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کی شہادت نے جس طرح اسلام کی تجدید فرمائی تھی اِسی طرح آرمی پبلک سکول کے ننھے شہدا کی قربانی نے پاکستان کی تجدید کی ہے۔ پاکستان کو ایک نئی زندگی سے نواز ہے اور پاکستان کی سلامتی کے لیے اتنے پیارے پیارے ننھے پھولوں کے خون نے ارض پاک کو امن کا گہوارا بنانے کے لیے پیش کیا۔ اللہ پاک کو شائدِاس المیے ء کے پس منظر میں جو قربانی دی گئی اُس پر پاکستان پر رحم آیا اور اللہ پاک نے امن کی خیرا ت سے نوازا۔ اللہ پاک کی عطا کردہ طاقت سے جنرل راحیل شریف کی قیادت میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنے والی پاک فوج نے جس طرح وطن پاک سے دہشت گردی کا صفایا کرنے کے لیے اپنی قربانیاں دی ہیں اُس کے لیے پوری قوم پاک فوج کی احسان مند ہے۔پاک فوج نے دہشت گردی کا سبب بننے والے محرکات کو کامیابی سے کچل دیا ہے۔ اور اِس حوالے سے مزید کاروائی جاری ہے۔اس

دکھ کی گھڑی میں تمام ملت کی مائیں بہنیں، بیٹیاں ان معصوم شہداء کے خانوادے کیساتھ کھڑی ہیں، یہ ظلم ڈھانے والے ظالم، انسان نما وحشی درندے ہیں، زمانہ جہالیت کی یاد دلاتے یہ ملعون، جنھوں نے معصوم جانوں کو یوں بے دردی سے مار ڈالا۔نہ ہاتھ کانپے ان ظالموں کے نہ دل لرزا، نہ روح کانپی، یہ معصوم ننھے مجاہد، یہ علم کے پروانے یہ امید کی کرنیں، باخدا یہ صرف بچے ہی قتل نہں ہوئے بلکہ ہمارا مستقبل ذبح ہو گیا ہے، امیدیں تاریک ہوگیئں ۔ علم قتل ہوگیا یہ ایسا ظلم ہے کہ اس ظلم پہ پوری انسانیت شرمندہ ہے. آج بھی انُ ملعون ابنِ ملعون کی نسلِ یزید موجود ہیں جنھوں نے کربلا میں معصوم علی اصغر کو شہید کیا تھا، آج بھی ان یزیدوں نے ان معصوم مجاہدوں کو اپنا نشانِ ظلم بنایا ہے. بس پہلے بھی تیر و تلوار و خنجر تھے اب بھی تلوار و خنجر کے ساتھ کتنے ہی نازک گلے تھے جو تہہ تیغ کر دیئے گئے. پہلے تیروں کی برسات تھی اور اب آسمانِ ستم نے معصوم و نازک پھول جیسے بدنوں پر گولیوں کی برسات دیکھی۔ یہ نقصان صرف خانوادہء شہداء کا ہی نقصان نہیں بلکہ پوری پاکستانی ملت و قوم کے ایک ایک فرد کا نقصان ہے. بحثیت قوم یہ پورے ارضِ پاک کا نقصان ہے۔بحثیت پوری قوم و ملت یہ دن انتہائی اذیت ناک دن ثابت ہوا جب مائیں بے حواس اپنے راج دلاروں کو اسکول کے باہر تلاش کرتے ہوئے تڑپتی پھر رہیں تھیں اور کہیں بے چین ہو کر باپ ہر ایک سے اپنے معصوم پیاروں کا پوچھتا پھر رہا تھا، یہ مناظر بے انتہا کرب و اذیت کے مناظر ہیں، الفاظ ناکافی

ہیں اس دکھ کی گھڑی کو بیان کرنے کے لیے یہ دکھ پاکستانی قوم کبھی بھلا نہ سکے گی دل کی
ہرایوں سے ان ننھے و معصوم مجاہدوں کے والدین کو تعزیت پیش کرتے اور ان کے راج
دلاروں کے اس جہاد پر انھیں سلام پیش کرتے ہیں کہ کس طرح ان کے بچوں نے امن
کی راہ میں اپنے لہو سے دیپ جلا کر علم کی شمع کو روشن کیا اور جامِ شہادت نوش کیا.
کیوں نہیں حکومتی صفوں سے ان ناسوروں کا خاتمہ کیا جاتا جو درپردہ کبھی دہشت گردوں
کی جیلوں سے فرار پر آنکھیں بند کرلیتے ہیں تو کبھی سزائے موت پر عمل درآمد پر
روکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں. اگر سزائے موت کے مجرموں کو سزا مل گئ ہوتی تو یوں
ارضِ پاک معصوم بچوں کے پاکیزہ خون سے لہولہان نہ ہوتا.کیا اب بھی کوئی ثبوت
باقی ہے بتانے کے لیے کہ کون کون ہے ان دہشتگردوں کی سرپرستی کے لیے، وہ تمام
نام نہاد خود ساختہ علماء جو مسلسل خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ تمام جماعتیں جو
طالبان سے ہمدردی کا مسلسل اظہار کرتی رہیں.یہ استعماری طاقتیں ہیں جو ان دہشتگردوں
اور حکومتی عناصر کو اپنا آلہ کار بنا رہی ہیں.ہم ملت تشیع مسلسل آوازِ حق بلند کر رہی ہے
اور کرتی رہے گی.پشاور کے آرمی پبلک اسکول (اے پی ایس) پر حملے کے نتیجے میں جان
کی بازی ہارنے والے بچوں کے والدین حکومت کی جانب سے حملے کی تحقیقات پر غیر
مطمئن ہیں اور انھوں نے سانحہ پشاور کے ایک سال مکمل ہونے پر منعقد کی جانے والی

تمام سرکاری تقریبات کے بائیکاٹ کی دھمکی دے دی ہے. یہ تو ذکر تھا قربانیوں کا۔ اب آیئے دیکھیں کہ ایک سال گزرنے کے بعد آرمی پبلک سکول کے شہداء بچوں کے والدین کیا محسوس کر رہے ہیں اور وہ اِس وقت کس کرب میں مبتلا ہیں۔ پشاور پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس کے دوران اے پی ایس شہداء فورم کے صدر کا کہنا تھا کہ واقعے میں ملوث 4 افراد کی پھانسی، دہشت گردی کے واقعے کا شکار ہونے والوں کے والدین کو مطمئن نہیں کر سکتی اور انھیں مجرموں کی شناخت کے حوالے سے ہمیشہ اندھیرے میں رکھا گیا۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ والدین کس طرح سے حکومت کے موقف پر یقین کر سکتے ہیں جبکہ آرمی پبلک اسکول حملے کے بعد درج کی گئی ایف آئی آر میں بھی جھول تھے.اُن کا کہنا تھا کہ ملزمان کی تعداد اور شناخت میں بہت تضاد ہے، ساتھ ہی انھوں نے دعویٰ کیا کہ مجرموں کو پھانسی صرف والدین کے درمیان پھیلی بدامنی اور تحفظات کو کم کرنے کے لیے دی گئی.ان کا مزید کہنا تھا کہ ایک سال گزر جانے کے باوجود بھی حملہ آور اور ان کے پیچھے موجود عناصر کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جاسکا.انھوں نے کہا کہ حملے کی تحقیقات کے لیے جوڈیشل کمیشن کا قیام والدین کا ایک اہم مطالبہ تھا اور اگر اسے قبول نہیں کیا گیا تو وہ تمام ایوارڈز اور ان کے بچوں کی بہادری پر دی گئی حکومتی مالی معاونت واپس کردیں گے.اے پی ایس حملے میں جان کی بازی ہارنے والے دیگر بچوں کے والدین کا پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہنا تھا کہ دہشت گردوں کے حملے میں ہلاک یا زخمی ہونے والوں کے خاندانوں

کو اس بات کی امید تھی کہ حملے میں ملوث افراد کو انصاف تک پہنچایا جائے گا، لیکن اب تک ایسا نہیں ہوا.انھوں نے مزید کہا کہ نہ تو صوبائی اور نہ ہی وفاقی حکومت غمزدہ والدین سے کیے گئے عہد کو پورا کرنے میں سنجیدگی دکھا رہی ہے.

اے پی ایس شہداء فورم کے صدر کا کہنا تھا کہ یہ حملہ کوئی دہشت گردی کا معمولی واقعہ نہیں تھا بلکہ اس نے پوری قوم کو ایک شاک میں مبتلا کر دیا، جس کے دوران 153 سے زائد افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، جن میں زیادہ تر اسکول کے بچے تھے۔

افضل خان نے کہا، 'ہم حملے میں ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچانے کے حوالے سے حکومتی کوششوں سے مطمئن نہیں ہیں.'

انھوں نے آرمی پبلک اسکول میں جان کی بازی ہارنے والے بچوں کے نام پر اسکولوں کو نام دیئے جانے پر بھی تحفظات کا اظہار کیا اور کہا کہ اس سلسلے میں مشہور اور مستند اداروں کو نہیں چنا گیا اور آرمی پبلک اسکول کے تقریباً 24 طلبا کو نظر انداز کر دیا گیا.

اے پی ایس شہداء فورم کے صدر نے دعویٰ کیا کہ 45 سے زائد خاندانوں نے مطالبات قبول نہ کیے جانے کی صورت میں 16 دسمبر کو منعقد کی گئی تمام سرکاری تقریبات کے بائیکاٹ اور حکومت کی جانب سے دیئے گئے ایوارڈز اور مالی معاونت کی واپسی کا فیصلہ کیا ہے۔پوری

قوم کو چاہیے کہ آرمی سکول کے شہدا کے تحفظات کو دور کرے اور حکومت بھی اِس حوالے سے اِن دکھی والدین کو مطمئن کرے۔ اللہ پاک اِن ننھے شہدا کے طفیل پاکستان میں امن قائم کرے۔ آمین

ربیع الاول کے مہینے کا پیغام

درخت جب بہت زیادہ پھلدار ہوجاتا ہے تو تب وہ جھک جاتا ہے۔عجز وانکساری کا اظہار کرتا ہے۔چھاؤں دیتا ہے۔آندھی طوفان کے تھپیڑوں سے بچاتا ہے۔اور اپنے وجود کے حصے پھل کو کھانے کے لیے دے دیتا ہے۔اِتنی عظمتیں ورفعتیں اِس کے حصے میں آتی ہیں کہ ایسادرخت قابل رشک بن جاتا ہے۔ کسی درخت کی زندگی جتنی بھی دہائیوں پر مشتمل ہوتی ہے اُتنی گزارنے کے بعد وہ اپنا وجود کھو دیتا ہے۔لیکن جن جن انسانوں اور حیوانوں نے اُس درخت سے کچھ استفادہ کیا ہوتا ہے وہ وہ انسان اور حیوان اُس درخت کے مشکور رہتے ہیں۔انسان بھی اگر اپنی ذات کو دوسروں کے لیے نافع بنائے رکھے اور اپنے جیسے انسانوں اور چرند پرند جواِس جہاں میں پائے جاتے ہیں اُن کے ساتھ حسن سلوک کرئے۔ کسی بھی انسان کے لیے اِس سے بڑھ کر طمانیت کا احساس اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے خالق کی رضا کی خاطر اپنے خواہشات کو پس پشت ڈال کر انتہائی محدود وقت کے لیے ملنے والی زندگی کی سانسوں کو اپنے مالک و خالق کی رضاکے تابع کر دیتا ہے۔اگر توانسان وفاداری کا پیکر ہے تو اُس کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ وفا کرئے۔ اوراِس مقصد کے لیے خدائے بزرگ و برتر کے ازلی دشمن شیطان کی جانب سے ڈالے جانے والے وسوسوں کو یکسر ٹھکرادئے اور اپنے مالک و برتر کی

واحدانیت کی سربلندی کے لیے اطاعت کا طوق اپنے گلے میں ڈالے رکھے اور شیطان کے ہر وار کا مقابلہ اپنے رب کی عطا کردہ مشیت سے کرئے۔ اور وقتی طور پر نفسانی خواہشات کے حصول کے لیے اپنے رب کی ابدی رحمت سے محروم نہ ہو۔ یقینی طور ایک انسان کے لیے ایسی راہ پہ چلنا بہت مشکل ہے۔ لیکن ایمان کی مضبوطی سے خالق کی ا طاعت کے وسیلے سے خود کو روحانی سکون کا پیکر بنا سکتا ے اور اپنی چند روزہ زندگی کو بھی اور اپنی ابدی زندگی کو بھی روحانی سکون کو گھوارا بنا سکتا ہے۔ ساری زندگی انسان کی تگ و دو مادی معاملات کے حوالے جاری رہتی ہے۔ ایسا کرنا ضروری ہے وہ یوں کہ اپنی ذات کے لیے روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی اسباب بھی ضروری ہیں اور اپنی ذات کے ساتھ وابستہ لوگ جن میں والدین بچے عزیز واقارب، رشتے دار، اہل محلہ اہل وطن اور یوں پوری انسانیت شامل ہے کے لیے بھی مادی وسائل کی ضرورت ہے۔ معاشیات اور قانون کا طالب علم ہونے کے ناطے مجھے جو سمجھ بن پڑی ہے وہ یہ کہ غیر معاشی سرگرمیاں بھی معاشی سرگرمیوں کو جنم دیتی ہیں۔یوں مسجد میں پانچ وقت حاضری کا نظریہ بھی کیمونٹی کے باہمی تعلق کا فروغ ہی تو ہے۔ مادی اسباب کی ضرورت اُس حد تک تو ہر انسان کے لیے ہے کہ وہ روح اور جسم کا تعلق برقرار رکھ سکے۔ لیکن جب قناعت کی بجائے ہوس ڈیرے ڈال لیتی ہے۔اور معاشرئے کا توازن قائم نہیں رہ پاتا ۔یوں پھر ہیو اینڈ ہیو ناٹ کا معاشی مسلہء پیدا ہوتا ہے اور جس سے معاشرئے میں امن چین ختم ہو جاتا ہے۔ اور یوں روح کے بل بوتے پر زندگی کی

سانسیں لینے والا حضرتِ انسان خود اپنی اصل کو فراموش کر دیتا ہے۔ جہنم کے آگ سے بھرنے والا پیٹ دنیاوی اسباب سے بھرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔اِن معاشی و غیر معاشی رخنوں کے سبب معاشی اُتار چڑھاؤ معاشرئے کو مختلف گروہ بندی کا شکار کرتا ہے اور پھر یہ معاشی تقسیم کبھی نسل، کبھی مذہب اور کبھی لسانیات کا روپ دھار کر حضرت انسان کے ہاتھوں اپنے ہی جیسے گوشت پوست اور روح کے مُرقع انسان کو قتل کرواتی

ہے۔سیاسی نظریات بھی اِسی معاشرتی تقسیم اور معاشی دوڑ کا سبب بنتے ہیں۔رب پاک نے کائنات میں نظام زندگی کو عدل پر قائم رکھنے کے لیے.بزرگ ترین ہستی وجہ تخلیق کائنات اشرف الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا یوں معاشرئے میں ہر طرح کی اونچ نیچ کی تفریق، ظلم وزیادتی سے جنم لینے والے مسائل سب کا حل اللہ پاک نے اپنے نبی پاک ﷺ عطا فرمایا۔اور نبی پاک ﷺ نے اللہ پاک کے حکم سے جو کہا وہ کر دیکھایا۔نبی پاک ﷺ کی ساری زندگی کا مرکز و محور انسان کی بھلائی ہے۔اور یوں اِس چند روزہ زندگی کا حاصل اگر ہے تو وہ اللہ پاک کے نبی پاک ﷺ کی اطاعت ہے۔ اللہ پاک نے اپنی آخری کتاب میں فرمادیا کہ نبی پاک ﷺ تمھیں جس کام سے روکیں روک جاؤ اور جس کام کا حکم دیں وہ کرو۔اس لیے اگر ہم میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشیوں کا حقیقی ثمر چاہتے ہیں تو اُس کے لیے ہمیں نبی پاک ﷺ کی ہستی کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا مرکز و محور بنانا ہوگا۔لوٹ مار، دھوکہ دہی، چوری، جھوٹ شراب زنا سود جتنی بھی معاشری بیماریاں ہیں اُن سے چھٹکارا حاصل کرنے کا

واحد ذریعہ نبی پاک ﷺ کے پیغام پر عمل کرنے سے ہے۔ اور یہ ہی پیغام ہر سال ہمیں ربیع الاول کی مبارک ساعتیں یاد کروانے کے لیے آتی ہیں۔ صدقہ خیرات خوب اِس مبارک مہینے کے صدقے دینا چاہیے اور محافل، میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا انعقاد تو گویا ہماری بخشش کا ذریعہ ہے۔ اوران تمام عقیدتوں کا حاصل یہ ہی ہے کہ معاشرے کو جھوٹ، چوری، سود، شراب زنا، لوٹ مار سے بچانا ہے۔ یہی تو ہے پیغام اِس مبارک ربیع الاول کا۔

مسلم اُمہ کی اپنی فوج کا قیام۔ مصطفائی آرمی

مومن کے اندر تغیر ہر وقت جاری رہتا ہے۔اگر ارتقاء نہ ہو تو اِسکا مطلب یہ ہے کہ وہ منافق ہے۔ نبی پاک ﷺ کی حیات کا ہر آنے والا لمحہ پچھلے لمحے کے مقابلے میں اونچا ہوتا چلا جاتا ہے تو اُس وقت یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ گزرے ہوئے لمحے کی کمتری کو دیکھ کر اور آنے والے لمحے کی بڑھوتری کو دیکھ کر شان عبدیت میں گزرے ہوئے لمحے کے لیے آپ ﷺ استغفار فرماتے۔ مومن کی شان میں ایک دن میں ستر سے سو مرتبہ تغیر ہوتا ہے۔ مومن مسلسل سوئے ارتقاء رہتا ہے۔ جو دل اللہ کی وحی کو جذب کرتا ہے جو دل اللہ پاک کے دیدار کا حامل ہے۔اِس لیے نبی پاک ﷺ کی شان میں، تقویٰ میں ارتقاء ہوتا چلا جاتا ہے اِسی لیے نبی پاک ﷺ ہر گزرے ہوئے لمحے کے مقابلے میں آنے والے لمحے میں زیادہ شان پر زیادہ رتبے پر فائز ہوتے چلے گئے۔ جس پر وہ گزرے ہوئے لمحات کی بابت اپنے رب سے استغفار فرماتے۔مادی آسودگی اور روح کی آسودگی کے جتنے بھی محرکات ہیں اِس سے انسان کی جسمانی اور روحانی بالیدگی کا تعلق ہے۔ مادی آسودگی سے مراد یہ نہیں ہے کہ سب پر ظلم کیا جائے۔ محنت کسی کی ہو اور اُس پر خود قابض ہو کر سانپ کی طرح بیٹھا جائے۔بالکل اِسی طرح جیسے سرمایہ دارانہ نظام میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا

ہے۔ پاکستان کی آبادی اگر بیس سو لاکھ ہے اور صرف چار ہزار انسانوں نے باقی بیس سو لاکھ انسانوں کے جسموں اور روح پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اِن چار ہزار انسانوں کی فیکٹریوں کی چمنیوں سے نکلنے والا دھواں اِن غریبوں کی ہڈیوں سے نکل کر آتا ہے۔ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیک کیساحل سے تابخاک کاشغر۔اِس وقت اُمت مسلمہ کی حالت ایسی ہے کہ نہ کھل کہ جی سکے اور نہ موت آئے۔ جسم سے لہو نچوڑنے والا سامراج ہی خود مسلمانوں کا ہمدر بھی بنا بیٹھا ہے۔ کبھی اسامہ بن لادن، کبھی طالبان اور کبھی داعش کا نام لے کر مسلمانوں کو قتل کرنے کو جواز پیدا کیا جاتا ہے۔ اور عالمی طور پر میڈیا میں اِس طرح مہم چلائی جاتی ہے کہ بس اب تواِس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں کہ عراق میں لاکھوں مسلمانوں کے خون سے ہولی، صدر صدام کو عبرت ناک انداز میں پھانسی، لیبیاء کے صدر قذافی کو گھسیٹ گھسیٹ کر مارا گیا اور لیبیاء کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ قتل وغارت کا بازار گرم کیا گیا۔ شام میں مسلمانوں کے خون سے سمندر سرخ ہے۔ افغانستان گزشتہ تیس سالوں سے مسلمانوں کی قتل گاہ بنا ہوا ہے۔امریکہ اور اُس کے حواری ہر روز کوئی نیا شوشا چھوڑ کر مسلمانوں کے لہو سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔امریکہ سامراج نے ہمیشہ مسلمانوں کو روحانی و مادی طور پر ختم کرنے کے لیے اپنے حواریوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے مومن کو تغیر کا حامل قرار دیا ہے۔اِس لیے موجودہ حالات میں جب کہ امریکہ بہادر اب سو سال کے بعد عرب دنیا کا جغرافیہ

بدلنے کے در پے ہے پہلے یہ کام برطانوی سامراج نے کیا تھا۔ ان حالات میں مشترکہ مسلم فوج کا قیام ار ترکی کی اِس میں شمولیت بہت بڑا قدم ہے۔ سعودی وزیر خارجہ نے یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ سعودی عرب کی قیادت میں اس فوجی اتحاد کے تحت خفیہ معلومات کا تبادلہ کیا جائے گا اور اگر ضرورت ہوئی تو فوجی دستے بھی تعینات کیے جائیں گے۔ اسلامی فوجی اتحاد میں شامل ممالک یہ ہیں۔ پاکستان، متحدہ عرب امارات، بحرین، بنگلہ دیش، ترکی، چاڈ، تیونس، ٹوگو، بینن، سوڈان، صومالیہ، سینگال، قطر، فلسطین، گنی، گبون، مراکش، مصر، مالی، مالدیپ، لیبیا، موریطانیہ، نائجر، نائجیریا، یمن، کویت، کمروز، جبوتی، لبنان، سیر الیون اور اردن۔ شدت پسند تنظیم دولتِ اسلامیہ کے خلاف کارروائی میں زمینی افواج بھیجنے کے سوال پر بھی سعودی وزیر خارجہ نے کہا تھا کہ کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر غور نہ کیا جائے۔ اس اتحاد میں مصر، قطر اور عرب امارات جیسے عرب ممالک کے ساتھ ساتھ ترکی، ملائیشیا، پاکستان اور کئی افریقی ممالک بھی شامل ہیں۔ تاہم خلیجی ممالک میں اپنے مختلف مفادات کے سبب خطے میں سعودی عرب کے روایتی حریف ایران کے علاوہ عراق اور شام کو بھی اس اتحاد میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ خیال رہے کہ عراق اور شام دونوں شدت پسند تنظیم دولتِ اسلامیہ کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ کوشش کی جائے کے ایران کو بھی اِس کا لازمی حصہ بنایا جائے۔ تاکہ مسلم دنیا کی حفاظتی ذمہ داریوں سے انصاف ہو سکے۔

بینظیر بھٹو کے جانشین نااہل؟

میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ شریک چیئرمین انسانی حقوق کمیٹی لاہور
ہائی کورٹ بار کی 27 دسمبر کے حوالے سے خصوصی تحریر

کوئی کیسے اندازہ کر سکتا تھا کہ پیپلز پارٹی جس نے عشروں تک لوگوں کے دلوں پر حکومت کی آخر ایک دن غریب الوطنی کا شکار ہو جائے گی۔ حریت، جمہوریت کی دعوے دار پیپلز پارٹی اب صرف سندھ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ کراچی کے سیاست میں ایم کیو ایم کے ہوتے ہوئے پیپلز پارٹی کی نفوس پزیر نہیں رہی۔ تحریک انصاف نے بھی کافی زور لگایا لیکن چونکہ کراچی مین ووٹ بھی پول بہت کم ہوئے جس کا فائدہ عمومی طور پر ایم کیو ایم کو گیا۔ ایم کیو ایم ایک حقیقت ہے۔ پاکستانی تاریخ میں بھٹو خاندان کی سیاست میں قربانیوں کی ایل لازوال داستان ہے۔ بھٹو سے لے کے بلاول زرداری تک پیپلز پارٹی نے جو سفر طے کیا ہے اُس حوالے سے عام تاثر یہ ہی ہے کہ جناب آصف زرداری کی وجہ سے پیپلز پارٹی کے لوگ نالاں ہیں۔ پنجاب میں بھی ایک پیدائشی مسلم لیگی کو پارٹی کا پنجاب کا صدر بنا ہوا ہے۔ گیلانی صاحب جو کہ زرداری صاحب کے دور میں وزیر اعظم رہے وہ بھی ضیا الحق کی کابینہ کے منسٹر تھے۔ یوں دورنگی سیاست نے

پیپلز پارٹی کے حقیقی کارکنوں کو بد دل کیا۔ سوائے سندھ کے حالیہ بلدیاتی انتخابات میں پیپلز پارٹی مزید سکڑتی چلی گئی ہے۔انسانی جبلت کے تقاضے پاکستانی سیاست میں اُسی طرح نفوذپزیر ہیں جس طرح دیگر معاملات میں پاکستانی اپنی جبلت اور رسومات میں بندھے ہوئے ہیں۔ پاکستانی سیاست کے انداز کچھ اِس طرح کہ ہیں کہ خاندانی پس منظر کا پاکستان میں بہت ہی زیادہ عمل دخل ہے۔جب بھی کبھی پیپلز پارٹی کے ایسے کارکنوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے جن کے دل بھٹو کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں تو مجھے اُن کے اِس جذبے پر رشک آتا ہے کہ بہار ہو یا خزاں، مارشل لاء کا دور ہو یا جمہوریت کے ایام۔ پیپلز پارٹی کے جیالے ہر دور میں بھٹو سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ انسانی آزادیوں کے حوالے سے بھٹو نے جو جذبہِ شوق پاکستان کے طول و عرض میں رہنے والوں کے دل میں پیدا کیا اُس کی مثال حضرت قائدِ اعظمؒ کے بعد دی جا سکتی ہے۔ ہم بھٹو صاحب کی سیاست سے اختلافات کر سکتے ہیں میری دانست میں ذوالفقار علی بھٹو کی طلسماتی شخصیت نے پاکستانی سیاست کو ہنوز اپنی گرفت میں رکھا ہوا ہے۔ نواز شریف نے مسلم لیگ کو پھر عوامی جماعت بنایا اور پیپلز پارٹی کے مخالف کیمپ کو پنی سیاست کا محور بنایا جس کی وجہ سے گذشتہ تین دہائیوں سے نواز شریف کی سیاست کا طوطی بول رہا ہے لیکن جس طرح سے گزشتہ دو دہائیوں سے عمران خان نے محنت کی اور سیاست میں نواز شریف کے حلقہ اثر کو کو اپنی طرف ترغیب دی ۔ بھٹو سیاست کا کرشمہ سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

بھٹو کو اپنی سیاست کے انداز کو جلا بخشنے کا موقع ایوب کے دور میں ملا جب بھٹو نے غریب کے لیے آواز بلند کی۔ عام آدمی کو قوتِ گویائی بخشی بھٹو سیاست نے پاکستان میں دھوم مچادی۔ بھٹو نے ایک لاکھ کے قریب پاکستانی قیدیوں کو ہندوستان سے رہائی دلوائی اور اسلامی سوشلزم کو غریب کی منزل قرار دے دیا۔ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد قوم کی روح چھلنی تھی بھٹو نے اسلامی سربراہی کانفرس لاہور میں منعقد کرکے مسلم دُنیا کے اتحاد کی داغ بیل ڈالی۔ نجی اداروں کی بدترین کارکردگی کی بناء پر نیشنلائزیشن کی پالیسی شروع کی جس سے وقتی طور پر تو عوام نے بہت جوش کا مظاہرہ کیا لیکن بعد ازاں حکومتی اداروں کی بدترین کارکردگی نے یہ ہی قومیائے گئے ادارے عوام کے لیے سوہانِ روح بن گئے۔ بھٹو کی مقبولیت نے جنوبی اشیاء میں دوررس اثرات چھوڑے کیونکہ قومی اسمبلی اور عوامی اجتماعات میں بھٹو کی تقاریر نے سماجی طور پر آمریت کی پسی ہوئی قوم کو ایک نئی زبان بخشی۔ 1973 ء کا متفقہ آئین بھٹو کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اِس آئین کو بنانے والی اسمبلی میں ہر طبقہِ فکر کی نمائندگی تھی اور اِس متفقہ آئین نے پاکستانی فیڈریشن کو ایک قومی دھارے میں رکھنے کا کردار ادا کیا۔ دوسری طرف بھٹو نے ختمِ نبوت کا قانون اسمبلی سے منظور کرواکر پوری دُنیا کے مسلمانوں کے دل جیت لیے ۔ بھٹو کی معاشی طور پر مضبوطی کے خواب نے کہ اپنی قوم کو امریکہ کی بجائے سوشلزم بلاک کی طرف رغبت دلائی ۔ اسی لیے امریکہ بہادر کو پاکستان کے خلاف اقدامات

کرنے پر مجبور کر دیا یوں علاقے کا تھانے دار بننے کے زُعم میں بھٹو کی حکومت کو بر طرف کرکے آمریت مسلط کر دی اور اِس ضیاء کی آمریت نے روس کے خلاف امریکہ کی بھرپور معاونت کی اور روس پارہ پارہ ہو گیا۔ لیکن جیسے ہی امریکی مقاصد پورے ہوئے تو امریکہ نے افغانستان کو بھی اکیلا چھوڑ دیا اور پاکستان کو بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے مفادات کے تحفظ پر مامور جنرل ضیاء کو ایک حادثے میں مروا دیا۔ یوں پاکستان کی سرزمین امریکی مفادات کی آمجگاہ بنی رہی بھٹو نے بہت کوشش کی کہ پاکستان کو آزاد معاشی نظام یعنی سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت سے بچانے کی بھرپور کوشش کی اور ایران اور عرب دُنیا سے تعلقات کو بہتر بنانے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ ضیاء جس نے بھٹو کو پھانسی دلوائی اور بھٹو خاندان کو بعد ازاں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بھٹو خاندان کی موت غیر طبعی ہوئی ماسوائے نصرت بھٹو جس نے بہت عرصہ خود فراموشی میں گزارا اور کومے کی حالت میں ہی اگلے جہان سدھار گئی۔ شاہ نواز کی موت شام میں ہوئی، مرتضیٰ کی موت اپنے بہن کے اقتدار کے دنوں میں ہوئی اور بے نظیر بھی لیاقت باغ میں گولیوں سے چھلنی کر دی گئی۔ بے نظیر اپنے باپ کی پھانسی کے بعد جس طرح ایک آہنی خاتون کے طور پر پاکستانی سیاست میں نمودار ہوئیں اور جس طرح ضیاء کی موت کے بعد پاکستانی سیاست میں بھونچال بپا کر گئی اُس نے بھٹو کی سیاست کو پھر سے زندہ کر دیا اور بے نظیر وزیر اعظم کے طور پر منتخب ہو گئیں۔ بے نظیر نے اپنے باپ کی مانند پاکستان کو

ایٹمی پاکستان بنانے کے سفر کو جاری رکھا۔ اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر کوئی کمپرومائز نہ کیا۔ نواز شریف کی سیاست کا مرکز و محور آغاز میں بطور ضیاء کے جانشین کے طور پر تھا لیکن بعد ازاں پاکستان میں دائیں بازو کے حلقے کا نمائندہ بن گئے اور بے نظیر لیفٹ ونگ کی سربراہ۔ بے نظیر نے دو ادوار بطور وزیر اعظم گزارائے اور بے نظیر کی حکومت کا انداز اینٹی اسٹیبلیشمنٹ رہا یوں سول و ملٹری بیوروکریسی کے ساتھ بے نظیر حکومت کے تعلقات پنپ نہ سکے اور بے نظیر کے ادوار میں ملک کو معاشی طور پر بھی سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ نواز شریف اور بے نظیر کے ادوار پاکستان میں بہت زیادہ الزامات کے سیاست کے زیرِ اثر رہے اور اِسی اثناء میں نواز شریف نے موٹر وے بنوائی اور ایٹمی دھماکے بھی کر ڈالے ۔ یوں نواز شریف جو کہ ہمیشہ سول ملٹری اسٹیبلیشمنٹ کی انکھوں کا تارا رہے اُن کی حکومت کو 12 اکتوبر 1999 کو جنرل مشرف نے ختم کر ڈالا۔ نواز شریف کی حکومت کے خاتمے سے پہلے ہی بے نظیر کو سیاسی طور پر ہراساں کرنے کے لیے مختلف قسم کے مقدمات میں پھنسا دیا گیا یوں بے نظیر کو مجبوراً جلا وطنی اختیار کرنا پڑی۔ مشرف حکومت گجرات کے چوہدریوں اور راولپنڈی کے شیخ رشیدوں کی مرہونِ منت رہی اور ملک میں نائن الیون کی بناء پر دہشت گردی کا بدترین تحفہ دے گئی۔ بے نظیر کی پاکستان آمد مشرف کے ساتھ ایک این آر او کے تحت ہوئی اور بے نظیر کے ساتھ نواز شریف کے ہونے والے لندن میں معاہدئے میثاقِ جمہوریت کی بدولت

نواز شریف کو پاکستان میں لانے کے لیے بے نظیر نے مشرف کو مجبور کر دیا۔ مشرف کی خواہش تھی کہ بے نظیر اور نواز شریف پاکستان نہ آتے تاکہ مشرف کی حکومت چلتی رہتی لیکن بے نظیر نے قائدانہ صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا اور مشرف کو مجبور کر دیا کہ وہ نواز شریف کو آنے سے نہ روکے۔ یوں مشرف کی حکومت کے خاتمے کی داغ بیل رکھ دی گئی اور بے نظیر باوجود دھمکیوں کے، پاکستان پہنچ گئی لیکن بے نظیر کے دشمنوں نے بے نظیر کو لیاقت باغ میں شہادت کے رُتبے پر سرفراز کر دیا۔ یوں وفاق کی علامت بھٹو کی نشانی بے نظیر شھید ہو کر امر ہو گئی لیکن پاکستان کی وحدانیت پر آنچ نہ آنے دی۔ نواز شریف نے بے نظیر کی شہادت پر بے نظیر کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور محترمہ کو اپنی بہن قرار دیا۔ یوں ساٹھ کی دہائی میں ذوالفقار علی بھٹو کی کرشماتی شخصیت نے پاکستانی سیاست کو ایک نئے انداز سے ہم آہنگ کیا تھا اور بے نظیر نے خود کو اپنے باپ کی سیاسی وارث ثابت کر دیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت بھٹو کے نام کے گرد ہی گھومتی ہے۔۔ برصغیر پاک وہند میں موروثی سیاست کی جڑیں بہت مضبوط ہیں اِس لیے پاکستان میں بھٹو خاندان اور بھارت میں اندرا گاندھی کے خاندان بنگلہ دیش کی خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد موروثی سیاست کی مثالیں ہیں۔ پاکستان میں جس طرح سے پیپلز پارٹی نے سیاست کی اور جس انداز میں بھٹو کی کرشماتی شخصیت نے حکمرانی کی ہے اِس بات کا اعادہ کرنا ضروری ہے کہ پاکستان میں پی پی کی سیاست میں فعالیت کا دارومدار بھٹو نام پر ہے۔ جو بھی

پیپلز پارٹی کی سیاست میں بھٹو نام کے علاوہ پی پی کے نام پر سیاست کرنے کی کوشش کرتے رہے وہ زیرو ہوتے چلے گئے۔ اللہ پاک سے دُعا ہے کہ اللہ پاک بے نظیر کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

لیکن ایک بات طے ہو چکی ہے کہ شاید بے نظیر کے بعد کے حالات اب پارٹی کے لیے بہتر نہیں رہے۔ پارٹی میں شاید کشش بھی کھوئی سی ہے۔اِس حالات کا ذمہ دار کون ہے۔ یہ کام ظاہری بات ہے پارتی رہنماؤں کا ہے کہ وہ سر جوڑ کر غور فرمایں کہ پارتی کے کارکنوں کا مورال کیوں گر رہا ہے۔

پنجاب میں ایف آئی آر آن لائن کیوں نہیں؟

پولیس کی جانب سے مقدمہ کے اندرجات کا نہ ہونا اور مجبور لاچار لوگوں کا عدالتوں کی طرف آنا اور بعد ازاں دیکھے کھا کھا کر بھری اخراجات کرنے کیبعد کہیں ایف آئی آر کا اندراج ہو پاتا ہے۔اِس لیے ضروری یہ ہی ہے کہ خیبر پختون خواہ کی طرح ایف آئی کے اندراج کا آن لائن نظام پنجاب میں بھی شروع کیا جائے۔ وزیر اعلیٰ کی گڈ گورنس کسی کام کی نہیں اگر اُن سے پولیس ہی قابو نہیں آ سکی۔پاکستانی معاشرے میں اعتدال پسندی کی کمی کیوں ہے؟ذات پات، رنگ و نسل اور فرقے کی بنیاد پر جنگ وجدل کے لیے فوری طور پر تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن رب پاک کے احکامات جو نبی پاک ﷺ کے توسط سے ہم تک پہنچے ہیں اُکی روح کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ ایک خدا ایک رسول ﷺ پر متفق ایک قوم عملی طور پر ایک ہونے کا ثبوت دینے سے قاصر ہے۔ پاکستانی معاشرے میں جہاں مُسلمان پچانوے فیصد ہیں لیکن رنگ و نسل ، ذات پات اور فرقہ واریت نے قومی یک جہتی کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ ہماری عدلیہ اور مقننہ اپنے اپنے محور کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہیں۔آزاد اور باوقار عدلیہ اپنے فیصلوں کی حد تک توسرخرو ہوئی ہے لیکن اس کے احکامات پر عمل درآمد نہ ہونے میں اسکا کوئی قصور نہیں۔ وزیر اعظم پاکستان کی سزا کا معاملہ ہو یا پھر روزمرہ کے مقدمات کے حوالے سے عدالتوں کے احکامات ہوں

انتظامیہ ہر فیصلے پر عمل درآمد نہ کروانے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ کوڈ آف کا اندراج انسانی حقوق کے تحفظ کے A-کریمنل پروسیجر 1898 میں سیکشن 22 اور 22 حوالے سے بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ کچھ عرصہ سے یہ بات مشاہدے میں آئی اور 22 سیکشن کے تحت دیتےA-ہے کہ پولیس سیشن جج صاحبان کے حکامات جو وہ 22 ہیں اُن کی پرواہ نہیں کرتی۔ ہائی کورٹ نے اپنے اختیارات کی بابت سیشن کورٹ کو یہ اختیار دے رکھا ہے لیکن پولیس کا باوا آدم ہی نرالہ ہے جو لوگ اپنے اپنے اضلاح میں اس قانون کے تحت ریلیف لینا چاہتے ہیں پولیس ان احکامات کو خاطر میں نہیں لاتی اگر اسی حوالے سے ہائی کورٹ میں رٹ دائر کی جائے تو ہائی کورٹ کا استدلال یہ ہے کہ لوئر فورم کو پہلے استعمال کیا جائے۔ سیکشن 22 کریمنل پروسیجر کوڈ 1898 کے الفاظ میں صوبائی حکومت کسی خاص مقامی علاقہ کے لیے جسٹس آف پیس مقرر کر سکتی ہے۔ آف کریمنل پروسیجر کوڈ کے مطابق کسی بھی خاص مقامی علاقہ کے لیے مقرر 22-A کردہ جسٹس آف پیس کو سیکشن 54 اور 55 میں تفویض کردہ پولیس کے اختیارات اُس جسٹس آف پیس کو حاصل ہوں گے۔ جسٹس آف پیس کو اپنے مخصوص علاقے میں یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پولیس فورس کے کسی ممبر کی یہ ڈیوٹی لگائے کہ وہ ایسے شخص کو گرفتار کرئے یا فرار ہونے سے روکے جس شخص سے قابل دست اندازی پولیس جرم میں سرزد ہوا ہو اور اس جرم کی بابت قابل اعتماد اطلاع ملی ہو۔ جسٹس آف پیس جرائم کی روک تھام اور امن وامان میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ کسی بھی

پولیس فورس کے ممبر کو جب یہ کہا جائے کہ وہ امن وامان اور جرائم کی روک تھام میں اپنا کردار ادا کرے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اُس کو یہ حکم مجاز حکام نے دیا ہے۔ اسی طرح کے سب سیکشن پانچ میں یہ درج ہے کہ جسٹس آف پیس کسی بھی شخص کو A- سیکشن 22 جو کہ مخصوص علاقہ کا رہائشی ہو کو شناخت کے حوالے سے سرٹفکیٹ جاری کر سکتا ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی دستاویز کی تصدیق کروانی ہو تو ان دستاویزات کی تصدیق کر سکتا ہے۔ اور جسٹس آف پیس کسی بھی (1) جرم کے مقدمے کے اندراج کا حکم دے سکتا ہے۔ (2) کسی ایک پولیس آفیسر سے کسی بھی کیس کی تفتیش کسی دوسرے آفیسر کو ٹرانسفر کر سکتا ہے۔ (3) اسی طرح پولیس کی نااہلی، اختیارات سے تجاوز یا سست روی پر بھی ایکشن لے سکتا ہے۔ سیکشن 22 آف کریمنل پروسیجر کوڈ درحقیقت ایکٹ xxxv کے تحت ججز اور مجسٹریٹوں کو یہ اختیار تفویض B-آف کا متبادل ہے۔ سیکشن 22 111 کیا گیا ہے کہ وہ پولیس کی قانون کے مطابق کارکردگی کی نگرانی کریں۔ پی ایل ڈی 2002 سیکشن درحقیقت ہائی کورٹ کے اوپر کام کا بوجھ کم کرنے A-ایل ایچ اے کے مطابق 22 کے لیے ہے۔ اگر لوئر کورٹس کسی معاملے سے چشم پوشی کریں تو پھر ہائی کورٹ ہی اسکو کے مطابق سی آر پی سی کا سیکشن بائیس اے اور YLR3127 دیکھتی ہے۔2005 کے مطابق PLD2002KAR328 بائیس بی عدالتی معاملات میں مداخلت نہیں ہے۔ اگر جسٹس آف پیس کو کسی بھی ایسے واقعہ کی اطلاع ملتی ہے جس سے امن وامان کی صورتحال خراب ہوتی ہے یا کسی جرم کے سرزد ہونے کا پتہ چلتا ہے تو پھر وہ اس

طرح کے معاملات کی انکوئری کرکے نزدیکی مجسٹریٹ اور قریبی پولیس اسٹیشن کے انچارج کو رپورٹ دے اور جسٹس آف پیس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر کسی بھی شخص کے متعلق قابل اعتماد اطلاع ہو کہ وہ کسی قابل دست اندازی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو وہ اُسکی گرفتاری اور اُسکے خلاف ایف آئی آر کے اندراج کا حکم دے سکتا ہے۔ 2007 p.CR.L.J145 کے مطابق فیصلے میں یہ کہا گیا ہے کہ صرف کیس کے اندراج کا حکم دینا کوئی ریلیف نہیں ہے۔اصل بات یہ ہے کہ قانونی مشینری کو حرکت میں لایا جائے۔ 2004 P cr.L.J. 256 182 PPCکے مطابق سیکشن کے تحت ایکشن لینے سے پہلے اُس شخص کو جس کے خلاف ایکشن لینا مقصود ہو اس شخص کو پہلے شوکاز نوٹس دیا جائے گا۔ اگر اُس کے خلاف شوکاز نوٹس دیے بغیر کوئی کاروائی ہوگی تو اُسے غیر قانونی تصور کیا جائے گا۔2006 YLR2772(LAH) کے مطابق ایڈیشنل سیشن ججز کو بطور جسٹس آف پیس ہے اختیار نہ ہے کہ وہ پولیس کو یہ آرڈر کریں کہ ایف آئی آر میں کسی جرم کا اندراج کرئے یا اخراج کرئے۔ PLJ 2005Lah 1571 کے مطابق اگر درخواست دہندہ نے متعلقہ اتھارٹی کو پولیس آرڈر 2002 کے U/A 18 کے تحت تفتیش کی تبدیلی کروانے کے لیے درخواست نہ دی ہو تو پھر 22 A crpc کے تحت اُس کی درخواست کو نھیں مانا جائے گا۔ اگر متعلقہ بااختیار اتھارٹی نے تفتیش کرنے کے حوالے سے موقف درخواست گزار کے حق میں نہ دیا تو پھر جسٹس آف پیس اس میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ ہماری سوسائٹی میں اگر صورتحال دیکھی جائے تو وطن پاک میں انسانی حقوق کی پامالیوں کی دردنا

ک داستانیں ہیں۔ خاص طور پر دیہاتی علاقوں، گوٹھوں اور دورافتادہ علاقوں میں تو انوکھا راج ہے۔ وڈیرہ، جاگیردار، تھانیدار یہ ہیں لوگ جو عام انسان کا جینا دوبھر کیے ہوئے ہیں۔ جس جمہوریت کا راگ الاپا جاتا ہے اُس میں کامیاب صرف وڈیرے اور جاگیردار، سرمایہ دار ہیں۔ اگر راہبر ہی راہزن ہیں تو پھر قافلے کے مقدر میں تو لٹنا ہی ٹھہر گیا ہے۔ انسان کتنا مجبور ہے اس کا اندازہ اُن کرائم رپورٹوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ جن کے مطابق قتل، ڈاکہ زنی، اغوا عام ہو چکا ہے۔ عوام کو تحفظ دینے والی پولیس کو اس جاگیردانہ، وڈیرہ شاہی نے کرپٹ کرکے اپنے زیر اثر رکھا ہوا ہے۔ اب غریب عوام کی حالت یہ ہے کہ کھل کے جی بھی نہ سکیں اور موت بھی نہ آئے۔ حالیہ کچھ عرصے سے یہ بات شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ ایڈیشنل سیشن جج صاحبان بطور جسٹس آف پیس جو حکم جاری کرتے ہیں پولیس اُس کی تعمیل میں لیت و لعل سے کام لیتی
کے قانون کی روح کو پامال کرتی ہے۔ پولیس کی طرف سے 22B, A ہے۔ اور 22
جسٹس آف پیس کے احکامات کی بروقت بجاآوری نہ ہونے سے عدلیہ کی طاقت پر بھی اُنگلیاں اُٹھ رہی ہیں۔ جب جج صاحب کے فیصلے پر عمل درآمد ہی نہ ہو تو پھر فیصلہ جتنا بھی اچھا ہو اُسکی اہمیت اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ہے۔۔ اس لیے ضروری ہے کی پولیس کو ہر قسم کے سیاسی کنٹرول سے آزاد کر دیا جائے۔ ایس ایچ او کی تعیناتی صرف اور صرف میرٹ پر ہو۔ پولیس نے اپنے نجی ٹارچر سیل بنا رکھے ہیں اور تھانے کے ساتھ ساتھ ایک اور متوازی تھانے کا نظام بھی قائم کر

رکھا ہے۔ انصاف ہوتا نظر تو تب آے گا جب حکومتی مشینری عوام کو انسان تصور کرے گی۔ اس ضمن میں یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ پولیس محتسب کا محکمہ قائم کیا جائے پولیس کے ظلم وستم کے خاتمے کے لیے پولیس محتسب کو اختیارات دیئے جائیں۔ پولیس افسران کی ناجائز جائیدادوں کا پتہ چلا کر اُن کو ضبط کیا جائے۔ پولیس کے نظام کی سوچ بدلنے کی ضرورت ہے۔ جب تک جائیدادیں بنانے کی دوڑ لگی ہوئی ہے پولیس کے محکمے سے کرپشن ختم نہیں ہو سکتی۔ پولیس کا احتساب ہونا چاہیے وہ بھی اس طرح کی ہر پولیس افسر کی بیلنس شیٹ تیار ہو۔ ذرائع آمدنی، سماجی مقام، اخراجات اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کا پتہ چلانا چاہیے۔ دین اسلام ایک ضابطہ حیات ہے لیکن نہ جانے کیوں ہمارے معاشرے میں روحانی انداز پنپ نہیں سکا۔ فکر آخرت رب کریم کا خوف، زندگی کو عارضی جاننا ان تصورات کے ہوتے ہوئے تو مسلم سوسائٹی دنیا بھر کے تمام ممالک اور مذاہب کے لوگوں کے لیے نشان راہ ہونی چاہے تھی لیکن افسوس جن قوموں کو ہم کافر کو کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کفار نے جنت میں نہیں جانا بلکہ جنت صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ ان کفار کے ممالک میں انسانی حقوق بھی انسانوں کو حاصل ہیں اور پولیس و دیگر محکمہ جات بھی قانون پر عمل پیرا ہیں۔ رشوت کرپشن جو ہماری پولیس کا قومی نشان بن چکا ہے۔ اس نشان کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اسلام جیسے عظیم مذہب پر اس کی روح کے مطابق عمل کرکے معاشرے کو امن وسکون کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے بلا امتیاز قانون

سب کے لیے ایک جیسا ہونا چاہیے۔ بااثر سے بااثر افراد اگر کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں تو پھر یہ حکمرانوں کے اوپر ہے کہ وہ ان لوگوں کی پکڑ کریں اور انصاف سب کو بلاامتیاز مہیا کریں۔ اگر اللہ کی پکڑ سے بچنا ہے تو پھر ان جرائم پیشہ، رشوت خور پولیس افسران کو پکڑنا ہوگا اور قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا ہوگا۔ حضرت قائداعظمؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ کے خوابوں کی تکمیل یہ پاکستان کی صرف روح ہی چھلنی نہیں بلکہ اس پاکستان کے جسم کو کو بھی اس طرح نوچا جا رہا ہے جیسے یہ لاوارث ہو۔ 27 رمضان المبارک کی شب وجود میں آنے والی اس سرزمین پاک کو رب تعالیٰ نے قائم رکھنے کے لیے بنایا ہے۔ اس ملک نے ہمیشہ قائم و دائم رہنا ہے۔ اور اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے والوں نے آخر جہنم رسید ہونا ہے۔ اگر قانون شکنوں کو قانون کی پکڑ میں نہ لایا گیا تو پھر اللہ کی پکڑ سے پھر کون بچ سکتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انسانیت کا بول بالا فرما دیا۔ حتیٰ کہ کفار جو آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا۔ ایام جنگ میں خواتین بچوں اور بوڑھوں پر تلوار اٹھانے سے منع فرمایا۔ جانوروں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے رحم دلی فرمائی۔ جب نبی کریم ﷺ نے انسانی وقار اور احترام کا ایک مکمل ضابطہ دیا تو پھر 1400 سال سے زائد عرصہ گزرنے بعد بھی مسلم معاشرہ ابھی تک ارتقاء میں ہے۔ یہ ارتقائی سفر مثبت سمت کی بجائے منفی رجحان کی طرف گامزن ہے۔ عراق، ایران، مصر، عرب ممالک شام، لیبیا ترکی، پاکستان ان تمام ممالک،

میں عوام کے ساتھ بے رحمانہ سلوک ہوتا ہے۔ آمریتیں جہاں جہاں اپنے قدم جمائے ہوئی ہیں وہاں وہاں کے حکمران لوگوں کی قسمت کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ انسانیت کی قدر کی تعلیم دینے والی مسلمان قوم اب عملی شکل میں انسانیت کی قدر دان کیوں نہیں ہے، جب رب تعالیٰ بھی وہی ہے۔ جو 1400 سال پہلے تھا اور قرآن بھی وہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ اور آپ ﷺ رحمتیں بھی جاری و ساری ہیں۔ لیکن ہمارے مسلم معاشروں میں انسانی تشدد ظلم جبر کیوں ہے۔ اس کا سوال ہم سب کو اپنے ضمیر سے کرنا ہے۔ ہمارے قانونی ڈھانچے میں آخر اتنی لچک کیوں نہیں کہ معاشرے میں رواداری کو فروغ مل سکے۔ اگر کریمنل پروسیجر کوڈ کی متذکرہ شقوں پر اُس کی روح کے مطابق عمل ہو تو پھر کسی طور بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو سکے گی۔ اِس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اگر خیبر پختون خواہ میں آن لائن ایف آر کا نظام شروع کیا جا سکتا ہے تو پھر پنجاب جس کی آبادی دس کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے وہاں اِس نظام کو لاگو کیوں نہیں کیا جا سکتا۔ پولیس صرف اِس لیے ایف آئی کا اندراج نہیں کرتی کہ اُسے اِس کیس کی پھر انوسٹی گیشن کرنا پڑے گی۔ یا پھر لوگوں کو ذلیل کر کے دونوں پارٹیوں سے پیسے بٹور کر یہ کام کیا جاتا ہے۔

بھارتی سرزمین پر نام نہاد سیاست دان کملیش تکواڑی کی شانِ رسالت میں ہرزہ سرائی

وہی ہوا ناء جس طرح کے بیج نریندر مودی نے بھارت میں مسلمانوں اور نچلی ذات کے انسانوں کے لیے بوئے ہیں اُسی طرح کا نتیجہ سامنے آ رہا ہے۔ ایک بدبخت شخص جس کا نام کلمیش تواڑی ہے نے اِس طرح کی ہرزہ سرائی کی ہے کہ شائد کائنات کے بدترین شخص کی خباشت بھی شرم محسوس کر رہی ہو۔ ربیع الاول کی مبارک ساعتوں میں جبکہ پوری دنیا کے مسلمان فخر انسانیت نبی آخر ﷺ کا میلاد منا رہے ہیں۔ اِس مبارک ساعت میں بھارت میں شانِ رسالت ﷺ میں جو گستاخی کی گئی ہے۔ اُس کی مذمت کے لیے الفاظ کم پڑ گئے ہیں۔ ہر چوتھے مہینے نبی پاک ﷺ کی شان پاک میں گستاخی کا ارتکاب کرکے یہودی و نصاریٰ اور بدبخت ہندو مسلمانوں کی روحوں کو چھلنے کرتے ہیں اور توحید سے آشنائی دینے والی ہستی نبی پاک ﷺ کی شان پاک میں گستاخی کرکے اپنی خباشتوں کا کھلے عام تذکرہ کرتے ہیں۔ اسلام دین ہی سلامتی کا ہے۔ دین مصطفٰے کریم ﷺ کا سب سے پہلا سبق یہ ہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی پاک ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ یہ اعلان اِن کفار کے دلوں میں مونگ دلتا ہے کہ توحید کی خالص آشنائی کی وجہ سے اِنکی نام نہاد لوٹ کھسوٹ جس کو یہ مذہب کا نام دیتے ہیں اُس پر زد پڑتی ہے۔ اِس لیے دکانداری چمکانے کے خواہشمند اپنی خواہشوں کو مذہب کا نام دیتے ہیں۔ خود بدبخت کلمیش تکوڑای جو کہ ہندو ہے یہ ہی ہندو

تین کروڑ سے زائد خدا رکھتے ہیں، گائے سے لے کر سانپ تک ہر شے کو انھوں نے اپنا محبود بنایا ہوا ہے۔ اِس لیے کائنات کے ایک خالق سے ملوانے والی ہستی جناب سرورِ کائنات نبی پاک ﷺ سے تو اِنھیں بیر ہی بیر ہے۔ ہم کب کہتے ہیں کہ ساری دنیا مسلمان ہو جائے۔ ہم کب ہندوؤں عیسائوں یہودیوں کے پیچھے لٹھ لے کر پڑے ہوئے ہیں کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔۔برصغیر پاک و ہند میں اسلام پھیلانے کا سہرا اولیائے اکرام کے سر ہے۔ جنھوں نے ہمیشہ محبت امن دوستی کا سبق دیا اور اِن کی خانقاؤں میں شاہ و گدا سب فیض لیتے رہے۔ ہر مذہب کا ماننے والا اِن بزرگانِ دین کے حسن سلوک سے خود بخود اسلام کی جناب راغب ہوا۔ حتی کہ ہندوستان میں ہزاروں سالوں سے برہمن ہندوؤں کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار شودروں اور دیگر نچلی ذات کے انسانوں نے اسلام قبول کرکے سکھ کا سانس لیا۔امن دوستی کا جو سبق اللہ پاک اور نبی پاک ﷺ کی جانب سے اُمت کو دیا گیا ہے اُس کا مقصد ہی ہے کہ سب انسان قابل احترام ہیں۔اِسی لیے تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں رحمتِ عالم ہوں اُس میں کوئی تخصیص نہیں کہ اُن کی رحمت صرف مسلمانوں کے لیے ہے بلکہ وہ تو رحمت عالم ہیں کائنات کے تمام انسانوں چرند پرند کائنات کی ہر شے کے لیے رحمت نبی پاک ﷺ ہیں۔رب پاک نے کائنات میں نظام زندگی کو عدل پر قائم رکھنے کے لیے۔بزرگ ترین ہستی وجہ تخلیق کائنات اشرف الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا یوں معاشرے میں ہر طرح کی اونچ نیچ کی تفریق، ظلم و زیادتی سے جنم لینے والے مسائل سب کا حل اللہ پاک نے اپنے نبی

پاک ﷺ عطا فرمایا۔اور نبی پاک ﷺ نے اللہ پاک کے حکم سے جو کہا وہ کر دیکھایا۔ نبی پاک ﷺ کی ساری زندگی کا مرکز و محور انسان کی بھلائی ہے۔ اور یوں اِس چند روزہ زندگی کا حاصل اگر ہے تو وہ اللہ پاک کے نبی پاک ﷺ کی اطاعت ہے۔ اللہ پاک نے اپنی آخری کتاب میں فرمادیا کہ نبی پاک ﷺ تمھیں جس کام سے روکیں روک جاؤاور جس کام کا حکم دیں وہ کرو۔اِس لیے اگر ہم میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشیوں کا حقیقی ثمر چاہتے ہیں تو اُس کے لیے ہمیں نبی پاک ﷺ کی ہستی کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا مرکز و محور بنانا ہوگا۔لوٹ مار، دھوکہ دہی، چوری، جھوٹ شراب زنا سود جتنی بھی معاشری بیماریاں ہیں اُن سے چھٹکارا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ نبی پاک ﷺ کے پیغام پر عمل کرنے سے ہے۔ لیکن ہندو معاشرئے میں جس میں برہمن جو کہ صرف کل آبادی کا 9% ہے۔اِس کا مطلب ہے کہ نریندر مودی کے ملک میں صرف نو فی صد انسان ہیں۔باقی سب چھوت چھات۔پاکستانی عوام خاص طور پر وکلاء برادری کے جذبات اِس حوالے سے بہت ہی زیادہ مشتعل ہیں۔اِس حوالے سے راقم نے لبطور مسلمان اور شریک چیئرمین ہیومین رائٹس کمیٹی لاہور ہائی کورٹ بار ایک مراسلہ بنام ٹی ایس ٹھاکر نے ارسال کیا ہے۔ راقم نے اِس حوالے سے مطالبہ کیا ہے کہ کملیش تلوڑای کے خلاف سخت کاروائی کی جائے۔

درخت جب بہت زیادہ پھلدار ہو جاتا ہے تو تب وہ جھک جاتا ہے۔ عجز و انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ چھاؤں دیتا ہے۔ آندھی طوفان کے تھپیڑوں سے بچاتا ہے۔ اور اپنے وجود کے حصے پھل کو کھانے کے لیے دے دیتا ہے۔ اِتنی عظمتیں و رفعتیں اِس کے حصے میں آتی ہیں کہ ایسا درخت قابل رشک بن جاتا ہے۔ کسی درخت کی زندگی جتنی بھی دہائیوں پر مشتمل ہوتی ہے اُتنی گزارنے کے بعد وہ اپنا وجود کھو دیتا ہے۔ لیکن جن جن انسانوں اور حیوانوں نے اُس درخت سے کچھ استفادہ کیا ہوتا ہے وہ وہ انسان اور حیوان اُس درخت کے مشکور رہتے ہیں۔ انسان بھی اگر اپنی ذات کو دوسروں کے لیے نافع بنائے رکھے اور اپنے جیسے انسانوں اور چرند پرند جو اِس جہاں میں پائے جاتے ہیں اُن کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ کسی بھی انسان کے لیے اِس سے بڑھ کر طمانیت کا احساس اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے خالق کی رضا کی خاطر اپنے خواہشات کو پس پشت ڈال کر انتہائی محدود وقت کے لیے ملنے والی زندگی کی سانسوں کو اپنے مالک و خالق کی رضا کے تابع کر دیتا ہے۔ اگر تو انسان وفاداری کا پیکر ہے تو اُس کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ وفا کرے۔ اور اِس مقصد کے لیے خدائے بزرگ و برتر کے ازلی دشمن شیطان کی جانب سے ڈالے جانے والے وسوسوں کو یکسر ٹھکرا دے اور اپنے مالک و برتر کی واحدانیت کی

سربلندی کے لیے اطاعت کا طوق اپنے گلے میں ڈالے رکھے اور شیطان کے ہر وار کا مقابلہ اپنے رب کی عطا کردہ مشیت سے کرے۔ اور وقتی طور پر نفسانی خواہشات کے حصول کے لیے اپنے رب کی ابدی رحمت سے محروم نہ ہو۔ یقینی طور ایک انسان کے لیے ایسی راہ پہ چلنا بہت مشکل ہے۔ لیکن ایمان کی مضبوطی سے خالق کی اطاعت کے وسیلے سے خود کو روحانی سکون کا پیکر بنا سکتا ہے اور اپنی چند روزہ زندگی کو بھی اور اپنی ابدی زندگی کو بھی روحانی سکون کو گہوارا بنا سکتا ہے۔ ساری زندگی انسان کی تگ و دو مادی معاملات کے حوالے جاری رہتی ہے۔ ایسا کرنا ضروری ہے وہ یوں کہ اپنی ذات کے لیے روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی اسباب بھی ضروری ہیں اور اپنی ذات کے ساتھ وابستہ لوگ جن میں والدین بچے عزیز و اقارب، رشتے دار، اہل محلہ اہل وطن اور یوں پوری انسانیت شامل ہے کے لیے بھی مادی وسائل کی ضرورت ہے۔ معاشیات اور قانون کا طالب علم ہونے کے ناطے مجھے جو سمجھ بن پڑی ہے وہ یہ کہ غیر معاشی سرگرمیاں بھی معاشی سرگرمیوں کو جنم دیتی ہیں۔ یوں مسجد میں پانچ وقت حاضری کا نظریہ بھی کیمونٹی کے باہمی تعلق کا فروغ ہی تو ہے۔ مادی اسباب کی ضرورت اُس حد تک تو ہر انسان کے لیے ہے کہ وہ روح اور جسم کا تعلق برقرار رکھ سکے۔ لیکن جب قناعت کی بجائے ہوس ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ اور معاشرے کا توازن قائم نہیں رہ پاتا۔ یوں پھر ہیو اینڈ ہیو ناٹ کا معاشی مسلہء پیدا ہوتا ہے اور جس سے معاشرے میں امن چین ختم ہو جاتا ہے۔ اور یوں روح کے بل بوتے پر زندگی کی

سانسیں لینے والا حضرتِ انسان خود اپنی اصل کو فراموش کر دیتا ہے۔ جہنم کے آگ سے بھرنے والا پیٹ دنیاوی اسباب سے بھرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔اِن معاشی و غیر معاشی رخنوں کے سبب معاشی اُتار چڑھاؤ معاشرئے کو مختلف گروہ بندی کا شکار کرتا ہے اور پھر یہ معاشی تقسیم کبھی نسل، کبھی مذہب اور کبھی لسانیات کا روپ دھار کر حضرت انسان کے ہاتھوں اپنے ہی جیسے گوشت پوست اور روح کے مُرقع انسان کو قتل کرواتی

ہے۔سیاسی نظریات بھی اِسی معاشرتی تقسیم اور معاشی دوڑ کا سبب بنتے ہیں۔رب پاک نے کائنات میں نظام زندگی کو عدل پر قائم رکھنے کے لیے.بزرگ ترین ہستی وجہ تخلیق کائنات اشرف الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا یوں معاشرئے میں ہر طرح کی اونچ نیچ کی تفریق، ظلم وزیادتی سے جنم لینے والے مسائل سب کا حل اللہ پاک نے اپنے نبی پاک ﷺ عطا فرمایا۔اور نبی پاک ﷺ نے اللہ پاک کے حکم سے جو کہا وہ کر دیکھایا۔ نبی پاک ﷺ کی ساری زندگی کا مرکز و محور انسان کی بھلائی ہے۔ اور یوں اِس چند روزہ زندگی کا حاصل اگر ہے تو وہ اللہ پاک کے نبی پاک ﷺ کی اطاعت ہے۔ اللہ پاک نے اپنی آخری کتاب میں فرمادیا کہ نبی پاک ﷺ تمھیں جس کام سے روکیں روک جاؤ اور جس کام کا حکم دیں وہ کرو۔اِس لیے اگر ہم میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشیوں کا حقیقی ثمر چاہتے ہیں تو اُس کے لیے ہمیں نبی پاک ﷺ کی ہستی کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا مرکز و محور بنانا ہوگا۔لوٹ مار، دھوکہ دہی، چوری، جھوٹ شراب زنا سود جتنی بھی معاشری بیماریاں ہیں اُن سے چھٹکارا حاصل کرنے کا

واحد ذریعہ نبی پاک ﷺ کے پیغام پر عمل کرنے سے ہے۔ اور یہ ہی پیغام ہر سال ہمیں ربیع الاول کی مبارک ساعتیں یاد کروانے کے لیے آتی ہیں۔ صدقہ خیرات خوب اِس مبارک مہینے کے صدقے دینا چاہیے اور محافل، میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا انعقاد تو گویا ہماری بخشش کا ذریعہ ہے۔ اوراِن تمام عقیدتوں کا حاصل یہ ہی ہے کہ معاشرے کو جھوٹ، چوری، سود، شراب زنا، لوٹ مار سے بچانا ہے۔ یہی تو ہے پیغام اِس مبارک ربیع الاول کا۔

خود احتسابی۔ گزرے ہوئے سال کے 365 ایام کی بیلنس شیٹ

ایک نیا عیسوی سال دستک دے رہا ہے۔ ذرا گزر جانے والے سال کے حوالے اگر ہم سب اپنے اپنے گریبان میں جھانک لیں تو شاید خود احتسابی کی کوئی روشن روایت پنپ سکے۔اگر ہم ملازمت پیشہ ہیں یا اپنا کاروبار کرتے ہیں یا ہم خدمات مہیا کرتے ہیں تو ہمیں اکیلے میں بیٹھ کر خود سے سوال کرنا چاہیے کہ پورے سال میں ہم نے رزق کمانے کے لیے جو فرائض تھے اُن کی ادائیگی درست طور پر کی یا نہیں۔ کیا جو لقمے ہماری اولاد نے کھائے وہ لقمے کیا حلال کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں۔ ذرا ذہن پر زور ڈال کر ہم سوچیں کیا ہم نے اپنے بچوں کے لیے روزے کماتے ہوئے کسی اور کے بچوں کی روزی تو نہیں چھینی۔ کیا ہم نے جھوٹ اور لوٹ کھسوٹ کا سہارا لے کر مال تو نہیں کمایا۔ یہ جو ہم خود احتسابی کر رہے ہیں اِس میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ ہم نے یہ نہیں کہنا کہ سب ہی تو کر رہے ہیں۔ ہم تو اپنا حساب کتاب کر رہے ہیں ۔ ہم نے تو اپنے ضمیر سے پوچھنا ہے کہ سال کے 365 دنوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھا یا نہیں۔آیئے خود کلامی کرتے ہیں اور خود سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہم اپنے دوست احباب کے ساتھ پورا سال رابطے میں رہے کیا ہم نے اپنے سے مالی طور پر کم دوست رشتے داروں کی دلجوئی کرنے کی کوئی سعی کی۔ایک اور بات کہ کیا ہم نے سچ کو اپنا شعار بنایا۔ کیا ہم خود

کو مطمئن کرنے کے لیے منافقت کا شکار تو نہیں ہو گئے۔ کیا ہم نے اپنے والدین کا خیال رکھا اُن کے کھانے پینے دوائی وغیرہ اُن کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر ترجیح دی کیا ایسا تو نہیں ہوا کہ والدین کو عام اور خود اور اپنی اولاد کو خاص کھلایا اور خاص پہنایا۔ صاحبو ایک اور بات کا بھی کیا دھیان رکھا کہ جس دین کا نام ہم ہر وقت لیتے ہیں اور خود کو معصوم سمجھتے ہیں اُس دین پر عمل کرنے کی بھی کوشش کی۔ جس نبی ﷺ کے عشق کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کے حیات طیبہ پر چلنے کی سعی کی۔ ایک نقطہ اور کہ گزرے ہوئے سال میں کتنے دوست رشتے دار ایسے ہیں جو ہم سے خفا ہوئے اور ہم نے اُن کو منایا۔ چلیے ایک نظر اِس طرف بھی کہ کیا ہم نے اپنے بیوی بچوں کی جائز ضروریات کا خیال رکھا۔ ہم نے اپنی آنکھوں کی پاکیزگی اپنی روح کی پاکیزگی کا کتنا خیال رکھا۔ کیا ہم ایک دوسرے کی چغلی میں تو نہیں لگے رہے اور دوسروں کو خود سے کم تر جانتے رہے۔ اِس سوالات کے لیے کوئی زیادہ وقت درکار نہیں ہے۔ بس چند منٹ ہی تو درکار ہیں۔ ہمیں غور کرنا ہوگا کہ کیا ہم با عمل مسلمان ہیں اور ہم دکھاوے کے لیے اچھا بنتے ہیں یا ایسا کوئی وصف ہے کہ لوگ ہماری عدم موجودگی میں بھی ہمارے لیے نیک خواہشات رکھتے ہوں۔ ہماری اخلاقیات کیسی ہے۔ ہمیں خود احتسابی کرلینی چاہیے ایسا نہ ہو کہ اِس کام کے لیے مقرر فرشتوں کی جانب سے ہی حساب کتاب کرنے کا وقت آ پہنچے۔ بس ہمیں اپنے فرائض ادا کرنے ہیں۔ اگر ہمارے پاس کسی کی امانت ہے تو ہمیں اُس کی حفاظت

کی بابت بھی سوچنا ہے کہ ہم نے اُس شے کی حفاظت کیسے کی ہے۔وہ لوگ جو ہم سے کینہ رکھتے ہیں اُن کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے کیا کوئی قدم ہمارے طرف سے اُٹھا ہے یا نہیں۔کیا ہم نے اپنی اولاد کو نماز، روزے اور اخلاقیات کی ترغیب دینے کے لیے وقت نکالا ہے۔ہم نے اللہ پاک کے فرمان کے ہر کسی سے اُس کی رعیت کے متعلق سوال پوچھا جائے گا کہ حوالے سے اپنے آپ سے پوچھنا ہے۔اپنے محلے میں اپنے ہمسایوں کے ساتھ برتاؤ کیسا رہا۔آخری بات کہ ہم نے اپنی روحانی بالیدگی کے لیے خود کے لیے کتنا وقت نکالا ہے۔

پاکستان کا حصہ بنگلہ دیش کیوں بنا؟

16 دسمبر 1971 پاکستان کی تاریخ کا ایک ایسا تاریک پہلو ہیجو اِس المیے کی یاد دلاتا ہے جب اس وطن کو پارہ پارہ کردیا گیا پاکستان اپنے وجود کو برقرار نہ رکھ سکا پاکستان کے حکمرانوں اور پاکستانی عوام کے دل ایک ساتھ نہیں دھڑکتے ۔انگریز کی غلامی ،اور ہندو کی غلامی سے بچنے والے پاکستانی اب بھی غلام ہیں آ قا بدل گئے غلام وہی ہیں۔لاکھوں شہادتوں اور عصمتوں کی قربانی کے طفیل حاصل ہونے والا وطن مایوسیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔دہشت گردی، لاقانونیت، بیروزگاری ہر پھیل گئے ہے ۔اشرافیہ کا تمام وسائل پر قبضہ ہے چند ہزار لوگوں نے اٹھارہ کروڑ عوام کو معاشی و سماجی طور پر یرغمال بنا رکھا ہے اسی طرح غریب طبقے سے اُبھرنے والالی سیاسی قوتیں بھی اقتدار کی غلام گردشوں میں پھنس کر رہ گئیں مذہب کا نام استعمال کرکے عوام استحصال کیا جارہا ہے موجودہ حالات اور ایسی قیادتوں کے ہوتے ہوئے ہم کیسے اِس گرداب سے نکل سکتے ہیں ،ہے اِس کا کوئی قابل عمل حل ۔حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عالماں از علم قران بے نیاز صوفیاں درندہ گرگ ومودرازیعنی آج کے علماء قران کے علم سے لاپرواہ ہیں جب کہ صوفی گویا پھاڑ کھانے والے بھیڑیا بنے ہوئے ہیں اور لمبے بالوں والے ہیں۔دنیا میں انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے انسان اور مسلمان میں فرق کیا ہے۔ مسلمان بنا کس طرح

کے افعال کا متقاضی ہے۔ اگر ہم سب ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں اور اپنے آپ سے جسے ضمیر بھی کہا جاتا ہے اُس کی بھی مدد لیں کہ کیا انسان کی تخلیق کا وہ مقصد ہے جو دنیا میں ہورہا ہے۔ کیا انسان اور مسلمان میں کوئی فرق ہے۔ اگر ہے تو وہ کیا ہے۔ کیا مسلمان بن کر ہم معاشرے میں فعال کردار ادا کررہے ہیں کیا ہمارے اور غیر مذاہب کے افعال و اعمال میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ وقت جس سُرعت کے ساتھ گزر رہا ہے اور وطن پاک کو جس طرح کے حالات کا سامنا ہے کیا سانحہ مشرقی پاکستان سے کوئی بھی سبق سیکھا گیا۔ اصل میں پاکستان میں حکمران طبقہ اور ہے اور عوام الناس کا تعلق کسی اور طبقے سے ہے۔ حکمرانوں کے قلب و اذہان عوام کے جذبات سے کوسوں دور ہیں۔ عوام ہے کہ دہشت گردی، لاقانونیت بے روزگاری کی چکی میں پس رہی ہے جبکہ حکمران اپنے محلات میں خوابِ خرگوش کے مزے لُوٹ رہے ہیں۔ عوام بھوک اور افلاس کے گرداب میں پھنس چکے ہیں لیکن مجال ہے کہ حکمرانوں نے اپنا وطیرہ بدلہ ہو۔ مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بن جانا اور عام لوگوں کا یہ سوال کہ پہلے تو ہندو اور انگریز کی غلامی سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے اور علیحدہ مسلم ریاست بنانے کے لیے بٹوارا کیا گیا لیکن 1971 میں مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بننا کس سے آزادی کے لیے تھا۔ مسلمان کو مسلمان سے ہی آزادی کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ایک ہوں مسلم حرم کے پاسبانی کے لیے کے نظریئے کو کس طرح موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان روس اسرائیل گٹھ

جوڑ نے پاکستان دولخت کیا،اور ان ممالک کی سازشوں نے ایک نوزائیدہ ملک کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تو اُس وقت اِس ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنیوالے کہاں تھے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور اِس بات کا جواب ہمیں جسٹس حمود الرحمان کی رپورٹ سے بھی ملتا ہے کہ اِس سانحے کے پیچھے غیر ممالک کے علاوہ پاکستانی سول و فوجی اسٹیبلیشمنٹ کا بھی غفلت اور کوتاہیوں سے بھرپور کردار ہے۔ ہوس ہنوز تماشا گر جہانداری است، و گرچہ فتنہ پس پردہ ہائے زنگاری است (زبور عجم) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہوس ابھی تک اسی فکر میں ہے کہ کس طرح دنیاوی مال ودولت اکھٹی کی جا سکتی ہے۔ ہرے رنگ کے پردوں (آسمان) کے پیچھے اور کونسا فتنہ پوشیدہ ہے؟ دنیا میں جتنے بھی فتنے فساد پیدا ہوئے اُن کا سبب ہوس ہی ہے۔ غیر ملکی سازشوں کے لیے ان سازشی ممالک کو میر جعفر و میر صادق میسر آتے رہے رہے اور میر جعفروں کی ہوس نے وطن کو پارہ پارہ کردیا۔تاریخ میں یہ رقم ہے کہ مشرقی پاکستان میں رہنے والے شیخ مجیب الرحمان کی سیاسی قوت کو مغربی پاکستان کے سیاستدان مسٹر بھٹو نے عملاً تسلیم نہ کرکے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے مطالبہ کو پورا ہونے میں اہم کردار ادا کیا اور ادھر تم اور ادھر ہم کا نعرہ لگا دیا گیا۔ بنگالی عوام جہاں سے مسلم لیگ کا خمیر اُٹھا تھا وہاں مکتی باہنی ہندوستانی انٹیلیجنس اداروں نے مل کر جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کیونکہ پاکستان کی عوام کی آواز حکمرانوں سے بہت دور تھی اور حکمرانوں کو عوام کے جذبات کی کوئی

قدر نہ تھی۔اُنھیں قدر تھی تو صرف اپنی حکمرانی کی بھلے ملک ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ جائے اور پھر وہی ہوا جس پاکستان فوج کو دُنیا کی بہترین فوج مان جاتا ہے وہی فوج ہتھیار ڈال کر پوری دنیا میں خود بھی رُسوا ہوئی اور پاکستان اور اُس کی عوام کو بھی رُسوا کیا گیا۔ترانوے ہزار فوجیوں کا ہتھیار ڈالنا اور فوجی بھی وہ جن کا نعرہ تکبیر ہو جس نعرے سے قیصر وکسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہوا تھا۔وہی نعرہ تکبیر لگانے والی فوج شرمناک شکست کی حامل قرار دے دی گئی۔آخر ہماری اندر اتنی سمجھداری کیوں نہیں آسکی کہ ہم اُس بدترین شکست سے کوئی سبق سیکھ سکتے۔معاشیات میں ایک تھیوری ہے جس کو غربت کا منحوس چکر کہا جاتا ہے اُس چکر کے مطابق غریب اتنا پھنس جاتا ہے کہ وہ غربت کے گرداب سے نکل نہیں پاتا ہماری قوم بھی اِسی طرح کے منحوس دائرے میں پھنس چکی ہے اور یہ منحوس دائرہ اشرافیہ نے بنا رکھا ہے۔اب جب یہ منطق پیش کی جاتی ہے کہ لوگ جھوٹ کیوں لوگ بولتے ہیں چوری کیوں کرتے ہیں یہ سب کچھ حکمران تو نہیں کہتے کہ کرو۔اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستانی حکمرانوں نے جب ماحول ہی ایسا تخلیق کر ڈالا ہے تو پھر سچ اور جھوٹ میں فرق روا رکھنے کا علمبردار کون ہوگا۔جب رہنماء راہزن کا روپ دھار چکے ہیں تو خیر کہاں سے آئی گی۔بقول اقبالؒ چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود ازخجالت آب میگردد وجود (مسافر مثنوی) یعنی جب میں نبی پاک ﷺ کی ذات والا صفات پر درود بھیجتا ہوں تو میرا وجود شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے مزید فرماتے ہیں کہ، عشق می گوید کی اے

محکوم غیر، سینہ تو ار بتاں مانند دیر یعنی کہ عشق کہتا ہے کہ او غیر کے محکوم: تیرا سینہ تو بتوں کی وجہ سے بت خانہ بنا ہوا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اعمال کچھ ہیں افعال اور طرح کے ہیں جو اقوال کی تصدیق نہیں کرتے۔ قوم کو ایسی لیڈر شپ کی ضرورت ہے جو کہ قوم کو ذہنی پستی سے نکالے اور خودار قوم بنائے۔ نمازیں، روزے، عمرے حج سب ضروری ہیں لیکن بقول اقبالؒ پہلے مسلمان تو بن جائیں غیر کے محکوم نہ بنیں، مسلمانی کی ابتدائی تعریف پر پورا اُترنے کی ضرورت ہے باقی کام تو بعد کے ہیں جیسے بقول اقبالؒ کہ تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں۔ پہلے توحید کو تو اپنے اندر وارد تو کرلیں جب تک ہم مکمل طور پر رب کو ماننے والے نہیں بنیں گے تب تک ہم رسوا ہوتے رہیں گے۔ ہے جُرمِ ضیفی کی سزا مرگِ مفاجات

قبضہ گروپ کا شکار بزرگ شہری انصاف کے لیے در بدر

مصطفائی جسٹس موومنٹ اور ہیومن رائٹس فرنٹ انٹر نیشنل کے آفس واقع لاہور ہائی کورٹ میں راقم سے بہت سے ایسے افراد رابطہ فرماتے ہیں جن کے ساتھ غیروں کے علاوہ اپنوں نے بھی ظلم روا رکھا ہوتا ہے۔اِس حوالے سے پچھلے دنوں ایک کالم بیوہ کی فریاد اوراِسی طرح صحافی کے ساتھ ظلم کی داستان شائع ہوئے۔ یہ کالم بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ سوتیلے بھائیوں نے ایک شریف النفس ریٹائرڈ گورنمنٹ آفیسر کواُس کی وراثتی جائداد سے محروم کر دیا ہے۔ راقم اِس طرح کا جو بھی کالم لکھتا ہے وہ ظلم کا شکار ہونے والے افراد کے خط پر مبنی ہوتا ہے۔اِس لیے اگر کسی شخص کواِس حوالے سے کوئی اعتراض ہو تو عدالتوں کے دروازے کھلے ہیں۔ اور جس طرح اِس بزرگ کا خط من و عن کالم میں شائع کیا جارہا ہے اگر دوسری پارٹی کواِس حوالے سے کوئی اعتراض ہو تو عدالت کا رُخ کر سکتی ہے یا مجھے اِسی طرح اپنا جواب تحریر کرکے دے دئے اُسے بھی میں من و عن شائع کردوں گا۔اِس حوالے سے راقم کے کوئی بھی مفادات نہیں ہیں سوائے اِس کے کہ اللہ پاک مظلوموں کو انصاف عطا فرمائے۔ موجودہ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف ایک بیدار مغز انسان ہیں اور اُن کی کارکردگی بھی اچھی ہے لیکن پولیس کی جانب سے انصاف کی راہ میں رکاوٹوں کو

E- وہ دور نہیں کرسکے۔ لیجیے جناب محمد اسلم ولد نذر محمد، ساکن مکان نمبر486 ، بلاک واپڈاٹاؤن لاہور کا وہ خط ملاحظہ فرمائیں جس میں اُن کے ساتھ ہونے والے ظلم ، 2 کی داستان بیان کی گئی ہے۔السلام علیکم: جناب میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ صاحب : میں محکمہ TIPسے گریڈ20 کا ریٹائرڈ سرکاری ملازم ہوں میرے والد پاکستان ریلوے میں ڈپٹی چیف اکاؤنٹس آفیسر تھے جن کا انتقال 1976 میں ہوا تھااور وارثان میں میرے علاوہ 4 سگی بہنیں اور میرے والد کی دوسری بیوی کے علاوہ ان کے 2 بیٹے اور تین بیٹیاں جن میں سے ایک بیٹی حمیرا نذر جو کہ پیدائشی فاترالعقل تھی اور کنواری ہی فوت ہو گئی تھی شامل ہیں۔ میرے سوتیلے بھائی امتیاز احمد MCB بنک کا سابقہ اور اعجاز احمد واپڈا کا سابقہ لائن سپرٹینڈنٹ کچھ عرصہ کے لئے رہا Dispatch Clerk میں سرکاری ملازمت مل گئی تھی جس وجہ سے مجھے اپنے گھر TIPہے۔ مجھے 1962 میں سے ہری پور منتقل ہونا پڑا پھر میں واپس اپنے گھر نہ آسکا جس کا بھرپور فائدہ امتیاز احمد ا ور اعجاز احمد سمیت ان کی والدہ خاتون بیگم نے خوب اٹھایا کیونکہ تمام تر غیر منقولہ جائیدادوں کے کاغذات اور منقولہ جائیدادان کے قبضہ میں آگئیں تھیں۔ میں نے اپنے وراثتی حصّہ کے حصول کے لئے بر خلاف امتیاز احمد اور اعجاز احمد مورخہ 22 فروری 2008 سے مختلف معزز عدالتوں میں مقدمہ بازی شروع کی جن میں مندرجہ ذیل چار عدد غیر منقولہ جائیدادیں میرے مرحوم والد کے نام پر تھیں جن کا مجھے پتہ ہے۔

(A) گلبرگ P 2 پراپرٹی نمبر 117 بلاک

پراپرٹی نمبر 34(C). دوکان نمبر 58 ، عبدالکریم روڈ قلعہ گوجر سنگھ لاہور (B)لاہور ٹاؤن A-1 پلاٹ نمبر 189 سیکٹر (D). سٹریٹ نمبر 29 لال چوک قلعہ گوجر سنگھ لاہور لاہور . میں نے کبھی انتقال جائیداد کے بارے میں پیروی نہ کی تھی GECHS شپ کیونکہ ایک وراثتی جائیداد کے علاوہ باقی تمام جائیدادیں اپنی اصل حالت میں نظر آ رہی تھیں۔ مگر جب بھی میں نے مذکورہ وراثتی جائیدادوں میں سے اپنے حصّہ کی بابت امتیاز احمد سے رابطہ کیا تو ہمیشہ امتیاز احمد نے لیت و لعل سے کام لیا جس پر مجھے شک گزرا اور متعلقہ محکمہ جات سے رابطہ کرنے اور مورخہ 28-6-2013 کو میرے دعوٰی برائے انتظام وانصرام میں میری ایک درخواست کے جواب کے ساتھ ایک عدد فوٹوکاپی جعلی مختار نامہ عام لف کیا جس کو ملاحظہ کرنے پر پتا چلا کہ مذکورہ بالا دو جائیدادوں کو جعلی مختار نامہ عام مورخہ 29 جولائی 1986، بحق اعجاز احمد، اندراج کردہ سب پراپرٹی نمبر 117 (A) رجسٹرار لاہور کینٹ کی بنیاد پر منتقل کروایا گیا جن میں جائیداد نمبر گلبرگ 2 لاہور کی بابت پہلے رجسٹری کی بنیاد پر مورخہ 4 اپریل 1994، بحق P بلاک امتیاز احمد، اندراج کردہ سب رجسٹرار لاہور اور پھر ہبہ نامہ جسکی شناخت کنندہ امتیاز احمد کی بیوی ہے، مورخہ 3 دسمبر 2001، بحق اعجاز احمد (نصف حصّہ) اندراج کردہ سب پراپرٹی نمبر 34 سٹریٹ نمبر 29 (C) رجسٹرار ماڈل ٹاؤن لاہور تیار کیا گیا اور جائیداد نمبر بحق حکیم عبدالرشید تیار کیا گیا۔ میں نے PTD لال چوک قلعہ گوجر سنگھ لاہور کی بابت آج تک کوئی مختار نامہ عام یا دستبرداری نامہ

اعجاز احمد سمیت کسی دیگر شخص کو نہ دیا بذریعہ سرسری رپورٹ منجانب سب
رجسٹرار عزیز بھٹی ٹاؤن لاہور مزید پتا چلا کہ اس جعلسازی سے مستفید ہونے کے بعد
محکمہ ہذا سے مذکورہ جعلی مختار نامہ عام کا ریکارڈ بھی غائب کروادیا گیا ہے جس پر بحکم
معزز عدالتِ عالیہ اب حتمی رپورٹ بھی آچکی ہے۔ مذکورہ جعلی مختار نامہ عام کو
ملاحظہ کرنے پر مزید پتا چلا کہ اس پر موجود میرے اور میری ایک سوتیلی پیدائشی فاتر
العقل بہن حمیرا اندر (مرحومہ) کے جعلی دستخط اور نشانِ انگوٹھا جات موجود ہیں کیونکہ
حمیرا اندر (مرحومہ) کبھی بھی سکول نہ گئی تھی مزید یہ کہ امتیاز احمد نے قبل ازیں تیاری
مذکورہ جعلی مختار نامہ عام اپنے وراثتی حصہ سے بحق اعجاز احمد دستبراری دی اور بعد
کی بابت آپس میں رجسٹری اور ہبہ نامہ تیار کرکے (A) ازاں دونوں نے جائیداد نمبر
اپنے محلے دار کو فروخت کردی لہٰذا (C) برابری کی بنیاد پر تقسیم کرلی اور جائیداد نمبر
امتیاز احمد اور اعجاز احمد نے ملی بھگت سے جعلی اور بوگس مختار نامہ عام تیار کیا اور اسے
پر (A) فروخت کی اور جائیداد نمبر (C) استعمال کرتے ہوئے متذکرہ بالا جائیداد نمبر
کی بھی جعلسازی کے ساتھ (D) تاحال خود ہی قابض ہیں اس کے علاوہ جائیداد نمبر
فروخت پر میری طرف سے برخلاف امتیاز احمد اور اعجاز احمد دعویٰ برائے
A-1 پلاٹ نمبر 189 سیکٹر (D) منسوخیِ دستاویز پر کاروائی زیرِ سماعت ہے۔ جائیداد نمبر
Nominee لاہور جس میں مجھے میرے والد نے اپنی طرف سے GECHS ٹاؤن شپ
کے By-Laws مقرر کیا تھا اور اُس وقت کے

کے نام ہی ہو سکتاNominee مطابق مالک کی وفات کے بعد ٹرانسفر صرف اور صرف
تھا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ امتیاز احمد اور اعجاز احمد نے سوسائٹی کے ایگزیکٹو ممبر محمد یوسف
بھٹی جو کہ میرا سگا بہنوئی ہے کے ساتھ ملی بھگت سے جعلی دستبرداری نامہ بنا کر اپنی
والدہ خاتون بیگم کے نام ٹرانسفر کروا کر فروخت کیا جس کا مجھے مورخہ 18-12-2012
کو اپنے دعویٰ میں امتیاز احمد اور اعجاز احمد کے جواب دعویٰ کے ساتھ لف ہونے پر پتا
چلا تھا۔ میری درخواست پر جعلی مختار نامہ عام بنانے اور استعمال کرنے پر پولیس تھانہ
شمالی چھاؤنی نے بحکم معزز عدالتِ عالیہ مورخہ 15-4-2014 کو برخلاف امتیاز احمد
ور اعجاز احمد ایک FIR درج پ ت 420,468,471 بجرم 2014/374، نمبری
کے سپرد ہوئی میں نے ہر طریقے سے اپنے SI کی جس کی تفتیش مقدمہ عارف خان
گواہان تفتیشی افسر کے سامنے پیش کیے چونکہ تفتیشی افسر دباؤ کا شکار تھا کیونکہ اس مقدمہ
کی تفتیش میں اس وقت کے ایس پی (آپریشن) عمر ریاض چیمہ، ایس پی (انویسٹی
گیشن) اسد سرفراز خان اور ڈی ایس پی (انویسٹی گیشن) فرحت عباس کی بے جا مداخلت
شامل تھی جس کی اہم وجہ موجودہ حکومت میں شامل ڈی جی پاکستان ڈاکومنٹیشن
پنجاب ہاؤس اسلام آباد عبدالرشید اور خرم منشاءComptroler، سنٹر خان قمرالزمان
ہیں جو کہ ہر غلط کام میں امتیاز احمد اور اعجاز احمد کے (PSO to DIG) سب انسپکٹر۔ جعلی
ساتھی ہیں۔ اس وجہ سے گناہگار ملزمان کو بے گناہ قرار دیا گیا مگر مقدمہ خارج نہ کیا
گیا۔ خان قمرالزمان اور عبدالرشید کا نام مجھے

پولیس والوں اور سرکاری وکیلوں سے پتہ چلا مگر خرم منشاء ملزمان کے ساتھ آیا کرتا تھا جس کی تصاویر ہمارے پاس ہیں۔ میں نے پولیس والوں کے خلاف پولیس میں اور حکومتی لوگوں کے خلاف وزیراعظم پاکستان کے نام خط اور درخواستیں دیں مگر کسی نے میری داد رسی نہ کی۔ مذکورہ FIR درج ہونے کے بعد مذکورہ جعلی مختار نامہ عام کے لوکل کمیشن نسیم احمد ایڈووکیٹ نے بھی اس مختار نامہ عام کو جعلی قرار دیا اور اس بابت مجھے تحریری بیانِ حلفی دیا اور خود معزز عدالت عالیہ سے علاقہ پولیس کو تحریری بیان قلم بند کروانے کے لئے حکم بھی حاصل کیا مگر متعلقہ پولیس نے مقدمہ ہذا کے چالان میں میرے کسی گواہ کا ذکر نہ کیا ہے اور بلاوجہ میری تبدیلی تفتیش کی درخواست FIR درج ہونے سے قبل مذکورہ جعلی مختار نامہ عام بھی خارج کردی گئی تھی۔مذکورہ کے گواہ نمبر 2 محمد یوسف بھٹی نے اس سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور میرے حقیقی پسر شہزاد عمران رانا ایڈووکیٹ کو امتیاز احمد اور اعجاز احمد کی جعلسازیوں کی بابت دو عدد FIR درج ہونے کے بعد محمد یوسف بھٹی نے امتیاز احمد تحریری بیاناتِ حلفی دیئے مگر ور اعجاز احمد سے گٹھ جوڑ کر لیا۔اس گٹھ جوڑ کی خاص بات میری ملازمت کے دوران لاہور میں غیر موجودگی تھی جس دوران میرے تمام سوتیلے اور سگے بہن بھائیوں نے آپس میں رشتہ داریاں کرلیں اس وجہ سے کوئی بھی اب میرے ساتھ نہ ہے مگر مجھے اس سے کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ میں نے صرف اپنے جعلی دستخطوں کا چیلنج کیا ہے جو وقت آنے پر انشاءاللہ جعلی ثابت ہوجائیں

گے۔ مجھے یقین ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ امتیاز احمد اور اعجاز احمد کی اور بھی جلسازیاں سامنے آئیں گی۔ ویسے بھی امتیاز احمد نے میرے دوسرے بیٹے سلمان شاہد کو میرے خلاف اُکسایا اور اُسے میرے خلاف جھوٹی شہادت کے لئے کہا مگر سلمان شاہد نے معزز عدالت میں جا کر امتیاز احمد کے خلاف ہی بیانِ حلفی جمع کروادیا۔ اپنی جلسازیوں کو بے نقاب ہوتے دیکھتے ہوئے ملزمان امتیاز احمد اور اعجاز احمد نے میرے خلاف پولیس میں اور میرے بیٹے شہزاد عمران رانا ایڈووکیٹ کے خلاف لاہور بار اور پنجاب بار میں جھوٹی درخواستیں دیں گئیں کیونکہ میرا بیٹا میری طرف سے میرا مختارِ خاص برائے مقدمہ بازی بھی ہے مگر اللہ کے فضل و کرم سے امتیاز احمد اور اعجاز احمد اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس وقت بھی امتیاز احمد اور اعجاز احمد ہماری وراثتی جائیداد پر اپنا کیٹرنگ سروس کا کاروبار ''نذر سنز'' کے نام سے چلا رہے ہیں جو کافی مشہور کمپنی ہے اور پنجاب حکومت کے Functions بھی کرتی ہے جس کی وجہ سے ان جلسازوں کا کافی اثر ورسوخ ہے دراصل امتیاز احمد اور اعجاز احمد چاہتے ہیں کہ میں اپنا وراثتی حق چھوڑ دوں یا پھر اونے پونے میں ان کے ساتھ سودا بازی کرلوں جو وہ مجھے دو تین بار آفر بھی کرچکے ہیں۔ اس صورتحال میں اب مجھے صرف معزز عدالت عالیہ کے حکم مورخہ 27-11-2015 کی وجہ سے ایک نئی امید پیدا ہوئی ہے کہ انشاء اللہ مذکورہ FIR کی دوبارہ تفتیش ہوگی اور ملزمان امتیاز احمد اور اعجاز احمد کی جلسازیاں بے نقاب ہونگی اور مجھے انصاف مل

سکے گا۔ میرا ماضی بے داغ ہے میں نے اپنے 36 سالہ دورِ ملازمت میں پاکستان کی نیک نیتی سے خدمت کی ہے جو ریکارڈ پر موجود ہے مگر مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ وقت آنے پر مجھے اپنے شرعی و وراثتی حصہ کے حصول کے لئے دربدر ہونا پڑے گا۔ والسلام ۔ محمد اسلم واپڈا ٹاؤن لاہور۔ جناب وزیراعلیٰ ، E-2 ولد نذر محمد، ساکن مکان نمبر 486 ، بلاک شہباز شریف صاحب ساری کہانی آپ کے گوش گزار کردی ہے اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ قبضہ گروپ ظالموں سے ایک بوڑھے شریف النفس ریٹائرڈ آفیسر کو انصاف کیسے دلاتے ہیں۔ آسمان والا دیکھ رہا ہے کہ زمین پہ میرا نائب کا انداز حکمرانی کیسا ہے۔ اللہ پاک ہم سب پر رحم فرمائے۔

پنجاب میں ایف آئی آر آن لائن کیوں نہیں؟۔ گونگے بہرے حکمران؟

پولیس کی جانب سے مقدمہ کے اندرجات کا نہ ہونا اور مجبور لاچار لوگوں کا عدالتوں کی طرف آنا اور بعد ازاں دیکھے کھا کھا کر بھری اخراجات کرنے کیبعد کہیں ایف آئی آر کا اندراج ہو پاتا ہے۔اِس لیے ضروری یہ ہی ہے کہ خیبر پختون خواہ کی طرح ایف آئی کے اندراج کا آن لائن نظام پنجاب میں بھی شروع کیا جائے۔ وزیر اعلیٰ کی گڈ گورنس کسی کام کی نہیں اگر اُن سے پولیس ہی قابو نہیں آ سکی۔پاکستانی معاشرے میں اعتدال پسندی کی کمی کیوں ہے؟ذات پات، رنگ و نسل اور فرقے کی بنیاد پر جنگ وجدل کے لیے فوری طور پر تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن رب پاک کے احکامات جو نبی پاک ﷺ کے توسط سے ہم تک پہنچے ہیں اُنکی روح کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ ایک خدا ایک رسول ﷺ پر متفق ایک قوم عملی طور پر ایک ہونے کا ثبوت دینے سے قاصر ہے۔ پاکستانی معاشرے میں جہاں مُسلمان پچانوے فیصد ہیں لیکن رنگ و نسل ، ذات پات اور فرقہ واریت نے قومی یک جہتی کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ ہماری عدلیہ اور مقننہ اپنے اپنے محور کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہیں۔آزاد اور باوقار عدلیہ اپنے فیصلوں کی حد تک تو سرخرو ہوئی ہے لیکن اس کے احکامات پر عمل درآمد نہ ہونے میں اسکا کوئی قصور نہیں۔ وزیر اعظم پاکستان کی سزا کا معاملہ ہو یا پھر روزمرہ کے مقدمات کے حوالے سے عدالتوں کے احکامات ہوں

انتظامیہ ہر فیصلے پر عمل درآمد نہ کروانے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ کوڈآف
کا اندراج انسانی حقوق کے تحفظ کے A-کریمنل پروسیجر 1898 میں سیکشن 22 اور 22
حوالے سے بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ کچھ عرصہ سے یہ بات مشاہدے میں آئی
اور 22 سیکشن کے تحت دیتےA-ہے کہ پولیس سیشن جج صاحبان کے حکامات جو وہ 22
ہیں اُن کی پرواہ نہیں کرتی۔ ہائی کورٹ نے اپنے اختیارات کی بابت سیشن کورٹ کو یہ
اختیار دے رکھا ہے لیکن پولیس کا باوا آدم ہی نرالہ ہے جو لوگ اپنے اپنے اصلاح میں
اس قانون کے تحت ریلیف لینا چاہتے ہیں پولیس ان احکامات کو خاطر میں نہیں لاتی اگر
اسی حوالے سے ہائی کورٹ میں رٹ دائر کی جائے تو ہائی کورٹ کا استدلال یہ ہے کہ
لوئر فورم کو پہلے استعمال کیا جائے۔ سیکشن 22 کریمنل پروسیجر کوڈ 1898 کے الفاظ
میں صوبائی حکومت کسی خاص مقامی علاقہ کے لیے جسٹس آف پیس مقرر کر سکتی ہے۔
آف کریمنل پروسیجر کوڈ کے مطابق کسی بھی خاص مقامی علاقہ کے لیے مقرر 22-A
کردہ جسٹس آف پیس کو سیکشن 54 اور 55 میں تفویض کردہ پولیس کے اختیارات اُس
جسٹس آف پیس کو حاصل ہوں گے۔ جسٹس آف پیس کو اپنے مخصوص علاقے میں یہ
اختیار حاصل ہے کہ وہ پولیس فورس کے کسی ممبر کی یہ ڈیوٹی لگائے کہ وہ ایسے شخص کو
گرفتار کرئے یا فرار ہونے سے روکے جس شخص سے قابل دست اندازی پولیس جرم
میں سرزد ہوا ہو اور اس جرم کی بابت قابل اعتماد اطلاع ملی ہو۔ جسٹس آف پیس جرائم
کی روک تھام اور امن وامان میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ کسی بھی

پولیس فورس کے ممبر کو جب یہ کہا جائے کہ وہ امن وامان اور جرائم کی روک تھام میں اپنا کردار ادا کرئے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اُس کو یہ حکم مجاز حکام نے دیا ہے۔ اسی طرح کے سب سیکشن پانچ میں یہ درج ہے کہ جسٹس آف پیس کسی بھی شخص کو A- سیکشن 22 جو کہ مخصوص علاقہ کا رہائشی ہو کو شناخت کے حوالے سے سرٹفکیٹ جاری کر سکتا ہے۔
اگر کسی شخص نے کسی دستاویز کی تصدیق کروانی ہو تو ان دستاویزات کی تصدیق کر سکتا ہے۔ اور جسٹس آف پیس کسی بھی (1) جرم کے مقدمے کے اندراج کا حکم دے سکتا ہے۔ (2) کسی ایک پولیس آفیسر سے کسی بھی کیس کی تفتیش کسی دوسرے آفیسر کو ٹرانسفر کر سکتا ہے۔ (3) اسی طرح پولیس کی نااہلی، اختیارات سے تجاوز یا سست روی xxxv پر بھی ایکشن لے سکتا ہے۔ سیکشن 22 آف کریمنل پروسیجر کوڈ درحقیقت ایکٹ کے تحت ججز اور مجسٹریٹوں کو یہ اختیار تفویض B-آف کا متبادل ہے۔ سیکشن 22 111 کیا گیا ہے کہ وہ پولیس کی قانون کے مطابق کارکردگی کی نگرانی کریں۔ پی ایل ڈی 2002 سیکشن درحقیقت ہائی کورٹ کے اوپر کام کا بوجھ کم کرنےA-ایل ایچ اے کے مطابق 22 کے لیے ہے۔ اگر لوئر کورٹس کسی معاملے سے چشم پوشی کریں تو پھر ہائی کورٹ ہی اسکو کے مطابق سی آر پی سی کا سیکشن بائیس اے اور YLR3127 دیکھتی ہے۔2005 کے مطابق PLD2002KAR328 بائیس بی عدالتی معاملات میں مداخلت نہیں ہے۔
اگر جسٹس آف پیس کو کسی بھی ایسے واقعہ کی اطلاع ملتی ہے جس سے امن وامان کی صورتحال خراب ہوتی ہے یا کسی جرم کے سرزد ہونے کا پتہ چلتا ہے تو پھر وہ اس

طرح کے معاملات کی انکوئری کرکے نزدیکی مجسٹریٹ اور قریبی پولیس اسٹیشن کے انچارج کو رپورٹ دے اور جسٹس آف پیس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر کسی بھی شخص کے متعلق قابل اعتماد اطلاع ہو کہ وہ کسی قابل دست اندازی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو وہ اُسکی گرفتاری اور اُسکے خلاف ایف آئی آر کے اندراج کا حکم دے سکتا ہے۔
2007 p.CR.L.J145 کے مطابق فیصلے میں یہ کہا گیا ہے کہ صرف کیس کے اندراج کا حکم دینا کوئی ریلیف نہیں ہے۔اصل بات یہ ہے کہ قانونی مشینری کو حرکت میں لایا جائے۔ 2004 P cr.L.J. 256 182 کے مطابق سیکشن PPC کے تحت ایکشن لینے سے پہلے اُس شخص کو جس کے خلاف ایکشن لینا مقصود ہو اس شخص کو پہلے شوکاز نوٹس دیا جائے گا۔ اگر اُس کے خلاف شوکاز نوٹس دیے بغیر کوئی کاروائی ہوگی تو اُسے غیر قانونی تصور کیا جائے گا۔2006 YLR2772(LAH) کے مطابق ایڈیشنل سیشن ججز کو بطور جسٹس آف پیس یہ اختیار نہ ہے کہ وہ پولیس کو یہ آرڈر کریں کہ ایف آئی آر میں کسی جرم کا اندراج کرئے یا اخراج کرئے۔ PLJ 2005Lah 1571 کے مطابق اگر درخواست دہندہ نے متعلقہ اتھارٹی کو پولیس آرڈر 2002 کے U/A 18 کے تحت اُس کی تفتیش کی تبدیلی کروانے کے لیے درخواست نہ دی ہو تو پھر 22 A crpc کے تحت درخواست کو نھیں مانا جائے گا۔ اگر متعلقہ بااختیار اتھارٹی نے تفتیش کرنے کے حوالے سے موقف درخواست گزار کے حق میں نہ دیا تو پھر جسٹس آف پیس اس میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ ہماری سوسائٹی میں اگر صورتحال دیکھی جائے تو وطن پاک میں انسانی حقوق کی پامالیوں کی دردنا

ک داستانیں ہیں۔ خاص طور پر دیہاتی علاقوں، گوٹھوں اور دورافتادہ علاقوں میں تو انوکھا راج ہے۔ وڈیرہ، جاگیردار، تھانیدار یہ ہیں لوگ جو عام انسان کا جینا دوبھر کیے ہوئے ہیں۔ جس جمہوریت کا راگ الاپا جاتا ہے اُس میں کامیاب صرف وڈیرے اور جاگیردار، سرمایہ دار ہیں۔ اگر راہبر ہی راہزن ہیں تو پھر قافلے کے مقدر میں تو لٹنا ہی ٹھر گیا ہے۔ انسان کتنا مجبور ہے اس کا اندازہ اُن کرائم رپورٹوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ جن کے مطابق قتل، ڈاکہ زنی، اغوا عام ہو چکا ہے۔ عوام کو تحفظ دینے والی پولیس کو اس جاگیردانہ، وڈیرہ شاہی نے کرپٹ کرکے اپنے زیر اثر رکھا ہوا ہے۔ اب غریب عوام کی حالت یہ ہے کہ کھل کے جی بھی نہ سکیں اور موت بھی نہ آئے۔ حالیہ کچھ عرصے سے یہ بات شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ ایڈیشنل سیشن جج صاحبان بطور جسٹس آف پیس جو حکم جاری کرتے ہیں پولیس اُس کی تعمیل میں لیت و لعل سے کام لیتی کے قانون کی روح کو پامال کرتی ہے۔ پولیس کی طرف سے 22B, A ہے۔ اور 22 جسٹس آف پیس کے احکامات کی بروقت بجاآوری نہ ہونے سے عدلیہ کی طاقت پر بھی اُنگلیاں اُٹھ رہی ہیں۔ جب جج صاحب کے فیصلے پر عمل درآمد ہی نہ ہو تو پھر فیصلہ جتنا بھی اچھا ہو اُکی اہمیت اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ہے۔۔ اس لیے ضروری ہے کی پولیس کو ہر قسم کے سیاسی کنٹرول سے آزاد کر دیا جائے۔ ایس ایچ او کی تعیناتی صرف اور صرف میرٹ پر ہو۔ پولیس نے اپنے نجی ٹارچر سیل بنا رکھے ہیں اور تھانے کے ساتھ ساتھ ایک اور متوازی تھانے کا نظام بھی قائم کر

رکھا ہے۔ انصاف ہوتا نظر تو تب آے گا جب حکومتی مشینری عوام کو انسان تصور کرے گی۔ اس ضمن میں یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ پولیس محتسب کا محکمہ قائم کیا جائے پولیس کے ظلم وستم کے خاتمے کے لیے پولیس محتسب کو اختیارات دیئے جائیں۔ پولیس افسران کی ناجائز جائیدادوں کا پتہ چلا کر اُن کو ضبط کیا جائے۔ پولیس کے نظام کی سوچ بدلنے کی ضرورت ہے۔ جب تک جائیدادیں بنانے کی دوڑ لگی ہوئی ہے پولیس کے محکمے سے کرپشن ختم نہیں ہو سکتی۔ پولیس کا احتساب ہونا چاہیے وہ بھی اس طرح کی ہر پولیس افسر کی بیلنس شیٹ تیار ہو۔ ذرائع آمدنی، سماجی مقام، اخراجات اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کا پتہ چلانا چاہیے۔ دین اسلام ایک ضابطہ حیات ہے لیکن نہ جانے کیوں ہمارے معاشرے میں روحانی انداز پنپ نہیں سکا۔ فکر آخرت رب کریم کا خوف، زندگی کو عارضی جاننا ان تصورات کے ہوتے ہوئے تو مسلم سوسائٹی دنیا بھر کے تمام ممالک اور مذاہب کے لوگوں کے لیے نشان راہ ہونی چاہے تھی لیکن افسوس جن قوموں کو ہم کافر کو کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کفار نے جنت میں نہیں جانا بلکہ جنت صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ ان کفار کے ممالک میں انسانی حقوق بھی انسانوں کو حاصل ہیں اور پولیس و دیگر محکمہ جات بھی قانون پر عمل پیرا ہیں۔ رشوت کرپشن جو ہماری پولیس کا قومی نشان بن چکا ہے۔ اس نشان کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اسلام جیسے عظیم مذہب پر اس کی روح کے مطابق عمل کرکے معاشرے کو امن وسکون کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے بلا امتیاز

قانون سب کے لیے ایک جیسا ہونا چاہے۔ با اثر سے با اثر افراد اگر کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں تو پھر یہ حکمرانوں کے اوپر ہے کہ وہ ان لوگوں کی پکڑ کریں اور انصاف سب کو بلاامتیاز مہیا کریں۔ اگر اللہ کی پکڑ سے بچنا ہے تو پھر ان جرائم پیشہ، رشوت خور پولیس افسران کو پکڑنا ہوگا اور قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا ہوگا۔ حضرت قائداعظمؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ کے خوابوں کی تکمیل یہ پاکستان کی صرف روح ہی چھلنی نہیں بلکہ اس پاکستان کے جسم کو کو بھی اس طرح نوچا جا رہا ہے جیسے یہ لاوارث ہو۔ 27 رمضان المبارک کی شب وجود میں آنے والی اس سرزمین پاک کو رب تعالیٰ نے قائم رکھنے کے لیے بنایا ہے۔ اس ملک نے ہمیشہ قائم و دائم رہنا ہے۔ اور اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے والوں نے آخر جہنم رسید ہونا ہے۔ اگر قانون شکنوں کو قانون کی پکڑ میں نہ لایا گیا تو پھر اللہ کی پکڑ سے پھر کون بچ سکتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انسانیت کا بول بالا فرما دیا۔ حتیٰ کہ کفار جو آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا۔ ایام جنگ میں خواتین بچوں اور بوڑھوں پر تلوار اٹھانے سے منع فرمایا۔ جانوروں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے رحم دلی فرمائی۔ جب نبی کریم ﷺ نے انسانی وقار اور احترام کا ایک مکمل ضابطہ دیا تو پھر 1400 سال سے زائد عرصہ گزرنے بعد بھی مسلم معاشرہ ابھی تک ارتقاء میں ہے۔ یہ ارتقائی سفر مثبت سمت کی بجائے منفی رجحان کی طرف گامزن ہے۔ عراق، ایران، مصر، عرب ممالک شام، لیبیا ترکی، پاکستان ان تمام ممالک،

میں عوام کے ساتھ بے رحمانہ سلوک ہوتا ہے۔ آمریتیں جہاں جہاں اپنے قدم جمائے ہوئی ہیں وہاں وہاں کے حکمران لوگوں کی قسمت کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ انسانیت کی قدر کی تعلیم دینے والی مسلمان قوم اب عملی شکل میں انسانیت کی قدر دان کیوں نہیں ہے، جب رب تعالیٰ بھی وہی ہے۔ جو 1400 سال پہلے تھا اور قرآن بھی وہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ اور آپ ﷺ رحمتیں بھی جاری و ساری ہیں۔ لیکن ہمارے مسلم معاشروں میں انسانی تشدد ظلم جبر کیوں ہے۔ اس کا سوال ہم سب کو اپنے ضمیر سے کرنا ہے۔ ہمارے قانونی ڈھانچے میں آخر اتنی لچک کیوں نہیں کہ معاشرے میں رواداری کو فروغ مل سکے۔ اگر کریمنل پروسیجر کوڈ کی متذکرہ شقوں پر اُس کی روح کے مطابق عمل ہو تو پھر کسی طور بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو سکے گی۔ اِس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اگر خیبر پختون خواہ میں آن لائن ایف آر کا نظام شروع کیا جاسکتا ہے تو پھر پنجاب جس کی آبادی دس کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے وہاں اِس نظام کو لاگو کیوں نہیں کیا جاسکتا۔ پولیس صرف اِس لیے ایف آئی کا اندراج نہیں کرتی کہ اُسے اِس کیس کی پھر انوسٹی گیشن کرنا پڑے گی۔ یا پھر لوگوں کو ذلیل کرکے دونوں پارٹیوں سے پیسے بٹور کر یہ کام کیا جاتا ہے۔

عمران فاروق قتل کیس بلی چوہے کا کھیل۔ گونگا بہرا نظام

دل کے آئینے کی شفافیت خودی کے دم سے قائم رہتی ہے۔ایک گفتگو میں ایک سیاسی پارٹی کے انتہائی تعلیم یافتہ کارکن جسے بڑے سیاستدانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا اُس کا کہنا تھا کہ ایک سیاسی ورکر سیاستدانوں کے نزدیک ایک خارش زدہ کتے کی مانند ہوتا ہے۔ میں لرز کر رہ گیا کہ اے میرے مالک: انسان جسے تو نے عظیم ترین مخلوق بنایا ہے وہ اپنے جیسے انسانوں کے لیے کیسے جذبات رکھتا ہے۔اِسی حوالے سے اگر دیکھا جائے تو موجودہ دور میں مروجہ نظامِ سیاست وحکومت میں ایسا ہی ہے۔اِس لیے خود کو اگر پاکباز رکھنا ہے تو اِن سیاستدانوں سے دوری اختیار کرنا ہو گی لیکن پھر معاشرے میں بہتری کیسے آئے گی۔طاہر القادری کی سیاسی جماعت کے ورکروں کو خون میں نہلا دیا گیا۔ اُنھیں کوئی انصاف نہیں ملا۔ بے نظیر بھٹو قتل ہوئی قاتل گرفتار نہیں ہوئے۔ عمران فاروق قتل کیس میں بلی اور چوہے کا کھیل جاری ہے۔ وزیراعظم لیاقت علی خان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جا سکا۔ بھٹو کا عدالتی قتل ہوا۔ ضیا الحق کو ہلاک کیا گیا۔ میر مرتضٰی بھٹو کو قتل کر دیا گیا۔ پاکستان کی اہم سیاسی و حکومتی شخصیات کے قاتلوں کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ ہمارا ملک کس طرح کے بے رحم نظام کا گھر بنا ہوا ہے؟ کیا دل کے آئینے کو شفاف رکھنے کے لیے موجودہ سماجی سیاسی معاشی

عمرانی ڈھانچہ بوجھ نہیں بن چکا ہے ؟عمران فاروق قتل کیس کو اگر بطور ایک سٹڈی کیس کے لیا جائے تو ایک انتہائی اہم رہنماء جس نے ایم کیو ایم کو کون جگر سے زندہ رکھا۔ اُس کو نسبتاً محفوظ ملک برطانیہ میں جس بے دردی سے قتل کیا گیا وہ سب کے سامنے ہے۔ سکاٹ لینڈ یارڈ اور پاکستانی ایف آئی اے اِس حوالے سے سرگرداں ہیں۔ظاہری بات ہے کہ شہادتیں میسر ہوں گی شواہد اکھٹے ہوں گے تو قاتل پکڑے جائیں گے۔ لیکن ایک بات بہت اہم ہے کہ کسی عام ان پڑھ اور سیاست سے نابلد شخص سے بھی پوچھ لیں وہ پہلے دن سے اُس شخص کا نام عمران فاروق قتل کیس میں لے گا جس کا نام اب حکومتِ پاکستان لے رہی ہے۔ پارٹی کے کارکنوں کو اِس لیے ہمیشہ کارکن ہی رہنے دیا جاتا ہے کہ وہ اگر کارکن نہ رہیں گے اور رہنماء بن جائیں گے تو پھر پہلے سے موجود لیڈر کی حکمرانی ختم ہوجائے گی اِس لیے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ جو بھی کارکن ذرا سا خطرہ بنے اُس کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ عوام الناس تو زرداری صاحب کا نام بھی اُن کی شہید بیوی کے قتل میں لیتے ہیں۔ لیکن ڈر خوف، مصلحتوں پہ قائم نام نہاد یہ بوسیدہ نظام پورا اور کھرا سچ سامنے نہیں آنے دیتا۔ ہر ہر سچائی کو اتنا متنازعہ بنادیا جاتا ہے کہ پھر جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ سمجھا جانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا۔جس نظام میں عدالتوں سے انصاف لینے کے لیے عمر خضر درکار ہو تو ایسے نظام کو تو جہنم رسید ہو جانا چاہیے۔ جہاں میرٹ کی بجائے چاپلوسی کام آئے ۔ جس معاشرے میں شراب جواء اور زنا معیوب نہ رہیں

تو پھر ایسا معاشرہ تو بدترین ظالم بن جاتا ہے پھر تو بربادی آئے گی اور بُروں کے ساتھ اچھوں کو بھی بہا کر لے جائے گی۔ نام نہاد طالبان اور داعش نے جس طرح ہمارے ملک کے امن کو تباہ کیا۔ سلام ہے اللہ واکبر کا نعرہ لگانے والی پاک فوج کو اُس نے ملک کو امن کی دولت سے نوازا۔ اب کسی قوم پاک فوج سے ہی یہ امیدیں لگائے ہوئے ہے کہ کسی طرح پاک فوج کرپشن کے خلاف کچھ کرے۔ جنرل راحیل شریف یقینی طور پر باخبر ہیں۔ نواز شریف کے بطور وزیراعظم عوام الناس کو مہنگائی سے کوئی ریلیف نہیں ملا۔ بیروزگاری، انرجی بحران عروج پر ہے۔ دہشت گردی پر قابو پاک فوج نے پایا ہے نوازز شریف کے معاشی مینجروں نے نہیں۔ عام آدمی کی دُرگت جو اِس نظام میں بن رہی قدرت اُس سے لاتعلق کیسے رہ سکتی ہے۔ ہر عمل کا ردِ عمل تو ہونا ہی ہے۔

صاحبزادہ عطا المصطفیٰ نوریؒ۔ المصطفیٰ ویلفیر سوسائٹی کے روح رواں ہم سے جُدا ہوئے

وطن پاک کی بنیادوں میں شہیدوں کا لہو ہے اور اِن شہدا کی عظیم قربانیوں کو ہمیشہ کے لیے رب کائنات نے قرار دیا ہے۔ پاکستان کا وجود ایک ایسی نعمت ہے کہ حالیہ دنوں میں مودی سرکار کی جانب سے جس طرح پاکستان کے خلاف زہر اگلا گیا۔ اُس سے نظریہ پاکستان کی حقانیت اور اِس طرح واضح ہوئی کہ نئی نسل کو بھی پتہ چلا کہ سرحدیں ختم کرنے کی باتیں کرنے والے کسی طور بھی آزادی کی نعمت کو سمجھ نہیں پائے۔ اولیاء اکرام کا فیضان پاکستان اور پاکستان میں عشق رسول ﷺ کی علمبر دار انجمن طلبہ ء اسلام سے وابستگان زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اپنی خدمات انجام دۓ رہے ہیں۔ سماجی فلاح کے حوالے سے جناب حاجی حنیف طیب، جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری، جناب غلام مرتضٰی سعیدی، جناب حمزہ مصطفائی ، جناب معین نوری، جناب افتخار غزالی، جناب ریاض الدین نوری، جناب طاہر انجم، جناب قاسم مصطفائی جناب عبدالرزاق ساجد و دیگر احباب نے زندگی کا مشن ہی فلاح و بہبود رکھا ہے۔ ایسے میں ایک بہت ہی متحرک شخصیت جناب عطا المصطفیٰ نوری آف فیصل آباد جو اب ہم میں نہیں رہے ،کی تھی۔ جناب عطا المصطفیٰ نوری نے المصطفیٰ ویلفیر سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے سماجی فلاح و بہبود کے حوالے سے بہت کام کیا۔ اُنھوں نے نے سیلاب زدگان زلزلہ زدگان کے لیے عظیم خدمات انجام دیں۔ فیصل آباد میں اُن کا ادارہ

جامعہ قادریہ عظیم علمی درسگاہ ہے۔ راقم کے ساتھ کئی مرتبہ اُن کی ملاقات رہی۔ وہ بہت اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ اور اُنھوں نے اپنی زندگی خلقِ خدا کی خدمت کے لیے وقف کی ہوئی تھی۔ پاکستان بھر میں سڑکوں پہ درود شریف لکھے ہوئے بورڈ جو لگے تھے وہ جناب نوری صاحب کی ہی کاوش تھی۔ وہ چینل 92 کے اسلامک افیرز کے ہیڈ تھے۔ جب بھی رمضان المبارک کا مہینہ ہوتا تو پی ٹی وی پر اُن کے خوبصورت لیکچرز نشر ہوتے۔ اُن کی زندگی کے شب و روز فلاح انسانیت کے لیے وقف تھے۔ اُن کا ادراہ جامعہ قادریہ فیصل آباد فلاحی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ پاکستان بھر بلکہ دنیا بھر کے احباب سے رابطے میں رہتے۔ انجمن طلبہء اسلام انجمن اساتذہ پاکستان، المصطفیٰ ویلفیر سوسائٹی، مصطفائی تحریک کے پروگراموں کے لیے اُن کا ادارہ ایک مرکز کی حثیت رکھتا تھا۔ محبت کے ساتھ پروگرام کرنے کی نہ صرف اجازت دیتے بلکہ قیام و طعام کا وسیع انتظام بھی فرماتے یوں اہلسنت کی سرگرمیوں کے لیے وہ ایک سایہ شجر تھے۔اُن کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں پورا نہ ہوسکے گا۔ لیکن اُن کے فلاحی و دینی کاموں کو جاری رکھنے کے لیے اُن کے احباب اُن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اُن کے کام کو جاری رکھیں گے ۔ لیکن پورا ملک ایک شیفق ہستی ایک عظیم فلاحی شخصیت ایک عالم دین ایک عظیم عاشق رسول ﷺ سے مرحوم ہوگیا ہے۔ اللہ پاک جناب نوری صاحب کے درجات بلند فرمائے اور اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ عالم کی موت عالم کی موت ہے۔

نبی ﷺ سے عقیدت اطاعت میں کیوں نہیں ڈھل پائی

زمانے کے انداز بے شک بدل جاتے ہیں لیکن زمانہ تو ہمارے رب سے ہے رب تو وہی ہے جس نے فرعون، قارون کو مات دی

ہزاروں سالوں پہ محیط یہ دُنیا نشیب وفراز سے گزرتی رہی ہے۔ حضرتِ آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے برگزیدہ انبیاء اور رُسل پوری کائنات میں رب کی واحد ربوبیت کے پرچار میں اپنی حیات صرف کرتے رہے۔ دوسرے انبیاء بے شک اللہ پاک کی طرف سے مبعوث ہوئے اور اپنے اپنے دائرہ کار، علاقے میں اپنے فرض کی ادائیگی کرتے رہے۔ ایسا بھی ہوتا رہا کہ ایک ہی وقت میں کئی نبی مبعوث کیے گئے۔ لیکن جب تاجدار ختم نبوت نبی پاک ﷺ مبعوث ہوئے تو اُس وقت کائنات کے ایک ایک ذرے کے لیے آپ ﷺ کی رسالت رحمت بنی۔ رحمتِ عالم حضرت محمد مصطفے ﷺ کی نبوت کا دائرہ کار تمام زمینوں اور تمام آسمانوں اور ایک ایک انسان، چرند پرند، حتیٰ کے درختوں پر الغرض جس طرح اللہ پاک بغیر کسی دوسرے کے شریک کے رب ہے اِسی طرح نبی پاک ﷺ کو جس وقت مبعوث کیا گیا اُس وقت صرف اور صرف آپ ہی اللہ پاک کے نبی اور رسول ﷺ ٹھہرے۔اور نبی پاک ﷺ کا رحمتِ دوعالم ہونا اور قیامت تک آپ ﷺ کا ہی نبی ورسول ﷺ قرار پانا درحقیقت عظمت مصطفے ﷺ کی دلیل

ہے کہ جس طرح ہمارا رب یکتا ہے اِسی طرح جس نبی پاک ﷺ کی غلامی کا دعویٰ مسلمان کرتے ہیں وہ بھی اپنے تمام تر کمال میں بالکل یکتا اور بے مثال ہے۔ نبی پاک ﷺ کی رحمتیں سارے جہانوں پر ہیں اور نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے قاسم کے رُتبے پر سرفراز فرمایا ہے کہ نبی پاک ﷺ اللہ پاک سے لے کر تقسیم فرماتے ہیں۔اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ایک رب ایک نبی ﷺ ایک قران کی بنیادوں پر کھڑا ہے اور نبی پاک ﷺ نے ہمیشہ اپنے پرائے سب کے لیے دُعا فرمائی۔جس سال نبی پاک ﷺ کو بہت ہی عظیم صدمات سے گزرنا پڑا یعنی آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرتِ خدیجہؓ کا وصال اور آپ ﷺ کے شفیق چچا جنابِ ابوطالبؓ کا وصال ہوا۔ اِس دور میں جب کہ آپ پر غم کے پہاڑ گر پڑے۔آپ ﷺ وادی طائف میں تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں تو مشرکین آپ پر سنگ باری کرتے ہیں آپ ﷺ لہو لہان ہو جاتے ہے حتیٰ کہ آپ کے نعلین مبارک میں خون بھر جاتا ہے۔اللہ پاک فوراً جبریل امینؑ کو بھیجتے ہیں اور وہ آ کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ فرمائیں تو پوری طائف کی وادی کو نیست و نابود کردیتے ہیں لیکن آقا کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ نہیں میں تو رحمتِ عالم ہوں اِن لوگوں کو نہیں پتہ کہ میں اُن کا کتنا خیر خواہ ہوں۔

دین اسلام کی حقانیت کے حوالے سے تو سب مسلمان عقیدت و احترام کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں لیکن یہ عقیدت در حقیت صرف زبانی کلامی ہے۔ نبی پاک ﷺ سے محبت

کا دعویٰ اور اِس عقیدت اور محبت کا یہ عالم کہ یہ عقیدت عمل میں نہیں ڈھل پا رہی۔ مسلمانوں کی سابقہ تاریخ عدل و انصاف کے عظیم ستونوں پر کھڑی ہے اور موجودہ حالات میں مصر، افریقہ کے دیگر ممالک، لیبیاء، شام، فلسطین نوحہ کناں کیوں ہے۔ وجہ صرف یہ ہی ہے کہ اللہ سے محبت اور نبی پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ اخلاص سے خالی ہے مطلب یہ کہ یہ دعوئے عمل میں نہیںن ڈھل پا رہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم کسی مرض میں مبتلا ہیں اور اُسکی شفایابی کے لیے دوائی ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہم چیخو پکار کر رہے ہوئے کہ مجھے تو آرام ہی نہیں آیا تو ہر ذی شعور شخص یہ ہی کہے گا کہ آپ نے تو دوائی تو ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے جب تک دوا استعمال نہیں کریں گے تب تک مرغ کا تریاق کیسے ہوگا۔ مسلم اُمہ خصوصاً پاکستانی قوم کا بھی حال مریض جیسا ہے کہ رب، نبی پاک ﷺ اور قران پاک سب کچھ اُمت کے پاس ہیں لیکن یہ صرف عقیدت کی حد تک ہیں یہ عقیدت عمل میں نہیں ڈھل پا رہی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمل کیسے ہو۔ موجودہ نفسا نفسی کے دور میں ہم نے ہر اُس رسم اور عادت کو اپنا رکھا ہے جس کی وجہ سے کردار سازی و تربیت ایک خواب بن کر رہ گئی ہے۔
معاشرے کے ہر شعبے کے دیوالیہ پن نے آج ہمیں اُس مقام پر لا کھڑ کیا ہے جہاں پر ہر طرف تباہی ہی تباہی ہے۔ کسے بدلیں گئے حالات ۔ علماء، اساتذہ، ڈاکٹرز، وکلاء، تاجر تو معاشی حثیت کے لیے تگ و دو میں مصروف ہیں تو پھر کونسی ایسی قیادت قوم کو میسر آسکتی ہے جو کہ کھوئی ہوئی میراث واپس لاسکے۔ جو اطیعوا اللہ واطیوالرسول ﷺ کی کسوٹی پر

پوری اُترتی ہو۔جو جعلی ڈبہ پیروں کے چنگل سے آزاد ہو۔ جس کی سوچ کے تانے بانے صرف اُمت کی یکجہتی سے وابستہ ہوں۔جو بھی پارٹی اِس وقت سیاست میں ہے خواہ وہ مذہبی جماعتیں ہیں یا اُن کا انداز سیاست لبرل ہے۔سب اِس وقت عہدوں کے لالچ میں ہیں۔نام نہاد علماء اور سیاسی رہنماء جب پروان چڑھ جاتے ہیں تو تب اُن کے اندر ہونے والی کیمیائی تبدیلیاں انہیں انسانیت سے دور اور مادیت کے نزدیک کر دیتی ہیں۔راقم کے ساری آہ وپکار صرف اِسی نقطے پر آکر ٹھہر جاتی ہے کہ قحط الرجال کے اِس دور میں کون ہے جو آگے بڑھ کر پاکستانی معاشرئے کی زبوں حالی کا علاج کرسکے۔جو احباب دین کی تبلیغ کے ساتھ وابستہ ہیں وہ سیاست کو شجرِ ممنوعہ سمجھتے ہیں اور سیاست کے روایتی کھلاڑی دینی طبقے کا سیاست میں آنا ناگوار سمجھتے ہیں۔ پاکستانی نوجوان نسل بے روزگاری کی ایسی چکی میں پس رہی ہے کہ اِس نسل کو ملک کے معاملات سیاست سے دور کر دیا گیا ہے۔ماضی میں جو مذہبی طبقہ جات جن کا سیاست میں کافی اثر تھا جیسے کہ مولانا شاہ احمد نورانیؒ کی جماعت، جمیت علمائے پاکستان، جماعت اسلامی، جمیعت علمائے اسلام اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ ۔اِن جماعتوں کی نفوذپزیری کافی حد تک تھی لیکن فی زمانہ یہ جماعتیں اب اپنے فعالیت کھوچکی ہیں۔

رہنمائی کی اہلیت سے عاری حکمران

قبل مسیح میں سکندر ایران پر حملہ آور ہوا۔ اسے اپنی فوج کا کچھ حصہ مقدونیہ میں انتظام وانصرام سنبھالنے کے لیے چھوڑنا پڑا۔ جس کے بعد صرف پینتس ہزار فوجیوں کا دستہ اس کے پاس باقی بچا جس کے ساتھ وہ ایران پر حمہ آور ہوا۔ ایرانی فوج کے مقابلے میں یہ انتائی کم فوج تھی۔ اِس کمی کے باوجود سکندر ایرانی فجو کو شکست دیتا چلا گیا۔ اِس کی کامیابی تین وجوہات تھیں۔ اول یہ کہ سکندر کے والد فلپ کی تیار کردہ فوج ایرانی فوج سے کہیں زیادہ تربیت یافتہ اور منظم تھی۔ دوم سکندر ایک غیر معمولی اہلیت کا سالار تھا۔ غالبًا تاریخ کا سب سے بڑا جنگجو۔ سوم اِس کی ذاتی شجاعت مندی نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اگرچہ وہ پچھلی صفوں سے ہر مرحلے پر اپنی فوجوں کی رہنمائی کرتا لیکن اپنے خاص سواروں کے رسالہ کی وہ خود قیادت کرتا۔ یہ ایک بہت ہی پر خطر اقدام ہوتا جس میں وہ کئی مرتبہ زخمی بھی ہوا لیکن اِس کے رسالے کو حوصلہ رہتا کہ اِس نقصان میں وہ اپنے حصے کا پورا کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ کبھی اِن سے ایسا خطرہ مول لینے کو نہیں کہتا تھا جس سے وہ خود نہ گزر سکتا ہو۔اِس اخلاقی مثال کا اثر بے پایاں تھا۔ دنیا کا سب سے بڑا جنگجو بننے کی خواہش رکھنے والے سکندر نے پوری دنیا کو روند ڈالا۔ اور تینیتیس سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ سکندر کی کہانی کا مقصد

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہمیشہ وہی سچا قائد گردانا جاتا ہے کہ وہ جس کے پیروی وہ اپنے لوگوں سے چاہتا ہو اُس پر خود بھی پورا اُترے۔ افعال اور اقوال کا تضاد قوموں کو تباہ.برباد کرکے چھوڑتا ہے۔ ہمارے معاشرے کا المیہ اِس وقت یہی ہے کہ ہمارے اوپر مسلط ہوئے ہوئے حکمران خود پر کوئی قانون لاگو نہیں کرتے لیکن وہ چاہتے ہیں کہ اُن کی رعایا تابعداری کرے۔ مذہبی طبقے نے عبادات کو رسم بنا ڈالا ہے۔ اور مذہب کی روح افعال کو فراموش کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر آن ہر لمحہ مذہب و قوم وملت سے محبت کا اظہار تو کیا جاتا ہے لیکن عملی طور پر وہی جھوٹ لوٹ مار ٹیکس چوری،زنا، ڈاکے چوریاں، قتل، سود خوری، رشوت سفارش عما ہے۔اِس کی وجہ یہ ہی ہے کہ ہمارے حکمران جس طرح سکندر نے کیا وہ خود پر کچھ نافذ نہیں کرنا چاہتے۔ جس کی وجہ سے سماجی معاشی تقسیم عروج پر ہے۔ نبی پاک ﷺ کا رحمتِ دوعالم ہونا اور قیامت تک آپ ﷺ کا ہی نبی ورسول ﷺ قرار پانا درحقیقت عظمت مصطفےٰ ﷺ کی دلیل ہے کہ جس طرح ہمارا رب یکتا ہے اِسی طرح جس نبی پاک ﷺ کی غلامی کا دعویٰ مسلمان کرتے ہیں وہ بھی اپنے تمام تر کمال میں بالکل یکتا اور بے مثال ہے۔ نبی پاک ﷺ کی رحمتیں سارے جہانوں پر ہیں اور نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے قاسم کے رُتبے پر سرفراز فرمایا ہے کہ نبی پاک ﷺ اللہ پاک سے لے کر تقسیم فرماتے ہیں۔اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ایک رب ایک نبی ﷺ ایک قران کی بنیادوں پر کھڑا ہے اور نبی پاک ﷺ نے ہمیشہ اپنے پرائے سب کے لیے دُعا

فرمائی۔ جس سال نبی پاک ﷺ کو بہت ہی عظیم صدمات سے گزرنا پڑا یعنی آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرتِ خدیجہؓ کا وصال اور آپ ﷺ کے شفیق چچا جنابِ ابوطالبؓ کا وصال ہوا۔ اِس دور میں جب کہ آپ پر غم کے پہاڑ گر پڑے۔ آپ ﷺ وادی طائف میں تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں تو مشرکین آپ پر سنگ باری کرتے ہیں آپ ﷺ لہو لہان ہو جاتے ہے حتی کہ آپ کے نعلین مبارک میں خون بھر جاتا ہے۔ اللہ پاک فوراً جبریل امینؑ کو بھیجتے ہیں اور وہ آ کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ فرمائیں تو پوری طائف کی وادی کو نیست و نابود کر دیتے ہیں لیکن آقا کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ نہیں میں تو رحمتِ عالم ہوں اِن لوگوں کو نہیں پتہ کہ میں اُن کا کتنا خیر خواہ ہوں۔

دین اسلام کی حقانیت کے حوالے سے تو سب مسلمان عقیدت و احترام کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں لیکن یہ عقیدت در حقیت صرف زبانی کلامی ہے۔ نبی پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ اور اِس عقیدت اور محبت کا یہ عالم کہ یہ عقیدت عمل میں نہیں ڈھل پارہی۔ مسلمانوں کی سابقہ تاریخ عدل وانصاف کے عظیم ستونوں پر کھڑی ہے اور موجودہ حالات میں مصر، افریقہ کے دیگر ممالک، لیبیاء، شام، فلسطین نوحہ کناں کیوں ہے۔ وجہ صرف یہ ہی ہے کہ اللہ سے محبت اور نبی پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ اخلاص سے خالی ہے مطلب یہ کہ یہ دعوئے عمل میں نہین ڈھل پا رہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم کسی مرض میں مبتلا ہیں اور اُسکی شفایابی کے لیے دوائی ہمارے

ہاتھ میں ہے اور ہم چیخو پکار کر رہے ہوئے کہ مجھے تو آرام ہی نہیں آیا تو ہر ذی شعور شخص یہ ہی کہے گا کہ آپ نے تو دوائی تو ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے جب تک دوا استعمال نہیں کریں گے تب تک مرغ کا تریاق کیسے ہوگا۔ مسلم اُمہ خصوصاً پاکستانی قوم کا بھی حال مریض جیسا ہے کہ رب، نبی پاک ﷺ اور قران پاک سب کچھ اُمت کے پاس ہیں لیکن یہ صرف عقیدت کی حد تک ہیں یہ عقیدت عمل میں نہیں ڈھل پا رہی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمل کیسے ہو۔ موجودہ نفسا نفسی کے دور میں ہم نے ہر اُس رسم اور عادت کو اپنا رکھا ہے جس کی وجہ سے کردار سازی و تربیت ایک خواب بن کر رہ گئی ہے۔ معاشرے کے ہر شعبے کے دیوالیہ پن نے آج ہمیں اُس مقام پر لا کھڑ کیا ہے جہاں پر ہر طرف تباہی ہی تباہی ہے۔ کیسے بدلیں گے حالات ۔ علماء، اساتذہ، ڈاکٹرز، وکلاء، تاجر تو معاشی حثیت کے لیے تگ و دو میں مصروف ہیں تو پھر کونسی ایسی قیادت قوم کو میسر آسکتی ہے جو کہ کھوئی ہوئی میراث واپس لا سکے۔ جو اطیوا اللہ واطیوالرسول ﷺ کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہو۔ جو جعلی ڈبہ پیروں کے چنگل سے آزاد ہو۔ جس کی سوچ کے تانے بانے صرف اُمت کی یکجہتی سے وابستہ ہوں۔ جو بھی پارٹی اِس وقت سیاست میں ہے خواہ وہ مذہبی جماعتیں ہیں یا اُن کا انداز سیاست لبرل ہے۔ سب اِس وقت عہدوں کے لالچ میں ہیں۔ نام نہاد علماء اور سیاسی رہنماء جب پروان چڑ جاتے ہیں تو تب اُن کے اندر ہونے والی کیمیائی تبدیلیاں انہیں انسانیت سے دور اور مادیت کے نزدیک کر دیتی ہیں۔ ہمارا معاشرہ بدترین منافقت کی چکی مین پس رہا

ہے اور ہم ہیں کہ خوابِ غفلت میں ہیں۔ حکمرانی کے دعوئے دار طبقے کی اپنی اخلاقی جرات صرف اتنی ہے کہ وہ گدھ کی طرح اپنی ہی عوام کو نوچ رہے ہیں۔اِس وقت نوکر شاہی نے سرکاری دفاتر کا جو حال کیا ہے اُس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سرکاری ملازم اپنی مرضی سے دفتر آتے ہیں اور جس وقت دل چاہے چلے جاتے ہیں اور تو اور جب جی میں آجائے تو کئی کئی روز دفتر کی صورت نہیں دیکھتے اور پھر ایک دن تشریف لاکر پچھلے کئی دنوں کی اکھٹی حاضریاں لگ جاتی ہیں ۔ کوئی پوچھ گچھ نہیں۔ نام نہاد ورکرز رہنماء اور یونین کے نمائندئے ایسے ملازمین کو سپورٹ کرتے ہیں۔ وکیل اور انسانی حقوق کا ایک کاکارکن ہونے کے ناطے اکثر مختلف دفاتر میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ ضلع کچہری لاہور میں ائے ڈی سی کے ڈسپیچ کلرک کا رویہ اتنا عجیب اور ہتک آمیز ہوتا ہے کہ خدا پناہ۔ اگر سائل وہاں کوئی درخواست جمع کروانے جاتا ہے تو موصوف اُس سے اِس طرح سلوک فرماتے ہیں جیسے وہ کوئی نچلی ذات کا کوئی شودر اور دلت ہے اور جناب خود برہمن ہیں۔ اگر کوئی سائل اپنی جمع کروائی ہوئی درخواست کا پتہ کروانے چلا جاتا ہے تو اُس کو درخواست کا سٹیٹس بتانے کی بجائے سو طرح سے زچ کرتے ہیں اور واپس بھیج دیتے ہیں ۔اِس ساری رام کہانی اور بدترین سلوک کے پیچھے صرف ایک ہی عنصر کارفرما ہوتا ہے کہ جناب جیب کو ہلکا کریں۔ ایسا سب کچھ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں کہ ڈسپیچ پر بیٹھا ہوا کلرک کس طرح سائلین کو گدھ بن کر نوچ رہا ہے۔ کسی بھی تھانے میں

اگر ایف آئی آر درج کروانے کوئی سائل جاتا ہے تو اُس کے ساتھ جس طرح کا سلوک ہوتا ہے اِس سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ واقعی خادم اعلیٰ کی گڈ گورننس عروج پر ہے۔ سائل اپنی ایف آئی آر کو بھول کر اپنی جان بچا کر گھر واپس آ جاتا ہے اور خون کے آنسو روتا ہے کہ اِس معاشرے میں پولیس مظلوموں کے ساتھ کس طرح سلوک کر رہی ہے۔ اِس بات کی گواہی سیشن کورٹ میں ہزاروں کی تعداد میں مقدمہ درج کروانے کے لیے درخواستیں زیر سماعت ہیں کس طرح لوگ عدالتوں کا دروازے کھٹکھٹانے پر مجبور ہیں اور عدالتوں میں بیٹھے اہلکار جن میں ریڈر اہملد، سٹینو اور چپڑاسی اور تعمیل کنندگان اِس طرح تاک لگائے ہوتے ہیں کہ کوئی سائل بھی خرچہ دیئے بغیر نہ جائے۔ جو جج اپنے ماتحت چار پانچ لوگوں کو راہ راست پر نہیں رکھ سکتا اُس نے رعایا کو کیسے انصاف دلانا ہے اُس نے عوام کی جان کا تحفظ چوروں ڈاکوؤں لٹیروں سے کیسے کروانا ہے۔ سرکاری نوکری حاصل کرنے کے لیے ہلکان ہی اِس لیے ہوا جاتا ہے کہ نہ تو کام کرنا پڑے اور اوپر سے حرام کی کمائی سے قبر کو بھاری کیا جاسکے۔اِسی طرح محکمہ صنعت پونچھ ہاوس میں سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ 1860 کے تحت این جی او وغیرہ کو رجسٹرڈ کرنے والا دفتر ایسا ہے کہ وہاں کے اہل کار منہ سے پیسے مانگتے ہیں اور پیسے نہ دینے کی صورت میں برسوں ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ یہ ہی وہ دفتر ہے جو مساجد کی رجسٹریشن کرتا ہے۔ محکمہ تعلیم کا دفر واقع ہال روڈ کا عملہ ہر کام کے لیے منہ مانگے دام لیتا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سرکاری دفاترِان

اہلکاروں کی فرنچائز ہیں اور وہ روزانہ کی بنیاد پر گدھ کا روپ دھار کر مردار کھانے کے لیے اپنی دکان پر آتے ہیں اور غریب مجبور عوام کو نوچتے ہیں۔ پٹواریوں نے محلے میں اپنے دفاتر اِس طرح کھول رکھے ہیں جیسے وہ سرکاری دفتر نہیں ہیں بلکہ اُن کا آباواجداد کی جانب سے ملنے والی وراثت ہے۔ رات گئے دفاتر کھول کر بیٹھے رہتے ہیں اور معمولی کاموں کا بھی لاکھوں روپے وصول کرتے ہیں کام جائز ہے یا ناجائز انھیں سروکار صرف اپنی قبر کو بھاری کرنے سے ہے۔ پٹورایوں کی دفاتر اسٹنٹ کمشنر کے دفاتر میں ہی ہونے چاہیے اور دفتری اوقات کے علاوہ اُنھیں علیحیدہ سے پرائیوٹ دفتر کے طور پر کام کرنے کی اجازت نہیں چاہیے۔ یہ صرف چند سرکاری محکموں کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ پورا آوئے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجامِ گلستان کیا ہوگا۔ ہسپتالوں سکولوں کی حالتِ زار کی وجہ بھی سرکاری اہلکاروں کی رشوت خوری کی لت ہے۔ اور یہ ہوس اِس لیے بڑھتی جارہی ہے کہ نوکر شاہی اِس میں اُن کی حصے دار ہے اور حکمران کیونکہ خود کسی قانون قاعئے کو خاطر میں نہیں لاتے اِس لیے سرکاری اہلکار بھی اپنے ناخداؤں کی پیروی کرتے ہوئے دولت اکھٹی کر رہے ہیں۔ حالانکہ جو لباس ابدی طور پہ سب نے پہننا ہے اُس میں جیب ہی نہیں ہے۔ کیا ایسے حکمران جو اپنی قوم کے لے سوہانِ روح بنے ہوئے ہیں اُن کو حکمرانی کا حق ملنا چاہیے۔

ہم کہاں کے مہذب ہیں

پاکستانی سوسائٹی کے اندر اِس وقت جو عجیب طرح کی بے حسی جو پنپ رہی ہے اُس کے محرکات میں ایک اہم عنصر قانون پر عمل پیرا نہ ہونا ہے۔ قانون توڑنے والا خود کو یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اگر وہ قانون کی پیروی کر لیتا تو گویا اُس کی ہتک ہو جاتی۔ اِس سوچ اور رویے کے جب ہم عمرانی، نفسیاتی اور سماجی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں تو حیرت انگیز طور پر ہماری سوسائٹی میں قانون توڑ کر تفاخر پایا جاتا ہے۔ انگریز کی حکومت میں اور ہندوؤں کی عملداری کی وجہ سے اٹھارہ سو ستاون سے لے اُنیسو سینتالیس تک کا نوئے سالا دور برغیر پاک وہند کے مسلمانوں کو ایک مختلف سی ذہنی کشمکش میں مبتلا کر گیا۔ جس سوسائٹی میں انصاف کا خون ہوگا وہاں جبر اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوگا، جس معاشرے میں قانون کی بالادستی نہیں ہوگی وہاں ظلمت کا راج پنپے گا۔ دین فطرت اسلام کی تمام تر تعلیمات جو کہ نبی پاک ﷺ کے توسط سے اُمتِ مسلمہ کو نصیب ہوئیں اُن کا تو اول و آخر نچوڑ ہی محبت اخلاص ا، نصاف، رواداری ہے۔ جو معاشرہ پاکستان میں جنم لے چکا ہے یہاں تو اُس کی بدولت نہ تو کسی عزت محفوظ ہے اور نہ ہی کسی کو انصاف تک رسائی ہے انصاف صرف اُس کو ملتا ہے جس کے پاس پیسے ہیں یا ڈنڈا، گویا وہ اصول یہاں بھی فروغ پا چکا ہے کہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔ زمین اور آسمان

کبھی نہیں مل سکتے۔ نفی اور جمع میں ہمیشہ سے تضاد رہا ہے۔ انسان اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بعض اوقات اس طرح کے قدم اُٹھانے لگ جاتا ہے۔ جس سے اُس کی شخصیت کے سارے دم خم سامنے آجاتے ہیں۔ علم دوستی کا رواج تو بہت ہے لیکن جدید تعلیم کے تقاضوں کو اُس طرح اہمیت نہیں دی جا سکی جس طرح اُس کی اہمیت تھی۔ انسانی ترقی میں وسائل کی ترقی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ایسے معاشرے میں جہاں دنیا کی تمام نعمتیں یعنی چار موسم ہیں۔ پہاڑ ہیں، معدنیات ہیں، دنیا کا بہترین نہری نظام ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے بھی پوری دنیا میں کشکول لے کر گھومنے کا مطلب یہ ہے کہ خودی کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ گورنر جنرل غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو، یحییٰ خان، مشرف، زرداری، کس کس کا رونا روئیں۔ کسی نے نام نہاد جمہوریت کے نام پر اور کسی نے مذہب کے نام پر عوام کے خون کو چوسا ہے۔ اب ہم یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہہ سکتے ہیں کہ بدقسمتی سے ہمارے ہاں قیادت کی شدید کمی ہے۔ جو لوگ قوم کی قیادت کے اہل ہیں اُن کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ مروجہ سیاسی نظام میں اسمبلی کے ممبر بن سکیں۔ موجود تعفن شدہ معاشرے میں انسانی حقوق اور سماجی انقلاب کی دعویدار مذہبی وسیاسی قیادتیں خود ہی سماج کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اُن قوتوں نے ہمارے معاشرے کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ زندگی اتنی اجیرن کہ ریاست اپنے شہریوں سے اِس طرح نبرد آزما ہے۔ جیسے بھیڑ بکریوں کو ہانکا جاتا ہے۔ کوئی بھی مذہبی جماعت

اُس طرح ڈلیور نہیں کر سکی جس طرح کے اسلامی نظام کا دعویٰ کرتی ہیں ۔ سیاسی قیادتیں مصلحتوں کا شکار ہیں ۔ ایک سے بڑھ کر ایک غنڈہ قاتل ، قبضہ گروپ کا سرغنہ اسمبلی میں بیٹھا ہے۔ سیاست میں قدم رکھنے کے لیے جس کی لاٹھی اُسکی بھینس کا قانون ہے۔ کم وسائل رکھنے والا معاشرے میں شُودر کی طرح دیکھا جاتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خاطر جان قربان کرنے کا دعویٰ کرنے والے اُن کی سیرت پاک کو اپنانے کے معاملے میں صفر ثابت ہو رہے ہیں ۔ جو جتنا مرضی تبلیغ دین میں مشغول ہو جائے ہیں ۔ عمرہ و حج کر لے معاشرے میں اُن کی طرف سے کوئی بھی پسندیدہ عمل نظر نہ آئے ، تو پھر یہ کیسا ایمان ہے کہ جو جھوٹ چوری ہیرا پھیری ، ظلم ڈاکے کم ناپ تول سے نہیں روکتا مطلب صاف واضع ہے کہ معاشرے میں نفوذپزیری کے حامل افراد اپنا کردار ادا نہیں کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں اِس طرح کے مسائل کی جانب دھکیل دیا ہے تو پھر یہ بھی ہماری ناکامی و بے بسی ہے کہ ہم اُن کی ساری سازشوں کا مقابلہ نہیں کر پاسکے اُلٹا اغیار کی ساشوں کا مہرہ ثابت ہو رہے ہیں ۔ دین مبین ، اسلام کی بنیاد کو چھوڑ کر دنیاوی مادہ پرستی کے حرص و لالچ میں ڈوب کر ہم عشق رسول ﷺ کا دعویٰ تو کر رہے ہیں لیکن عاشق رسول ﷺ ہونے کا عملی نمونہ کیوں نہیں بن پا رہے۔ اب اگر کوئی بھی مسیحا آئے گا تو وہ نرم سے نرم انداز میں خونی انقلاب کی سوچ کو پروان چڑھائے گا۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ قافلے میں ایک بھی حسینؓ کی طرح نہیں جو رسم شبیری ادا کرے اور قوم کو سماجی ، ثقافتی ،

معاشی ، عمرانی ، نفسیاتی ، غلامی سے نکال کر روحانی مزاج میں ڈھالے اور مسلم امہ کے
قلعہ پاکستان کو صحیح معنوں میں پاک۔۔۔۔ست۔ا۔ن بنائے۔

بلوچستان میں پاکستان کی توانا آواز جناب محمود خان اچکزئی کا لاہور ہائی کورٹ بار میں خطاب

پاکستانی معاشرئے میں جس طرح بے چینی ہے اُس کا اندازہ اِس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہر شعبے سے منسلک افراد کی سوچ اِس طرح کی بن چکی ہے کہ صرف اور صرف پیسہ بنانا ہے۔اِن حالات میں پاکستانی معاشرئے میں دردِ دل کے حامل لوگوں کی کمی تو نہیں لیکن ایسے لوگ مایوسی کا شکار ہیں۔ پچھلے تیس سالوں سے ملک میں بے روزگاری نے جس طرح جنم لیا ہے اور جس طرح لوگ بے چینی کا شکار ہوئے ہیں ۔ اور معاشرئے میں نجی چینلز نے پوری سوسائٹی کو مارکیٹ اکانومی کا اہم عنصر بنا ڈالا ہے۔ یوں ہمارئے معاشرئے میں حسد لالچ کی انتہا ہو چکی ہے۔ رشتوں کی پامالی کا عالم یہ ہے کہ ماں باپ کا احترام بھی بہت کم ہوچکا ہے۔ زندگی کے مختلف شعبے میں زوال پذیری عروج پر ہے۔ محبت فاتح عالم کا نسخہِ کیمیاء ہمارئے معاشرئے کے لیے شاہذ کارگر ہونے سے معذور ثابت ہو رہا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ بار کے تاحیات ممبر ہونے کی حثیت اور شریک چیئرمین انسانی حقوق کمیٹی لاہور ہائی کورٹ بار، راقم ملکی دانشوروں کی گفتگو سے اکتساب کرتا رہتا ہے۔ محمود خان اچکزئی نے لاہور ہائی کورٹ بار سے.بروز پیر 2016-1-18 کو خطاب کیا۔ راقم نے جناب محمود خان اچکزئی کی گفتگو سنی ۔ محمود خان اچکزئی نے اپنے خطاب میں کہا کہ پاکستان بنانے کے پیچھے جو محرک تھا وہ یہ ہی تھا کہ پاکستان میں

تمام طبقات کو برابری ملے۔ جناب محمود اچکزئی نے اپنی گفتگو میں انسانی آزادیوں کی ضرورت پر زور دیا۔ محمود اچکزئی کی گفتگو واقعی اِس قابل ہے کہ وہ لاہور ہائی کورٹ بار سے خطاب فرماتے۔ جناب محمود اچکزئی نے فرمایا کہ پاکستان بنانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ یہاں صرف اور صرف جمہوریت ہو۔ کسی قسم کی ڈکٹیٹر شپ کی ہمارے معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں۔ جناب محمود اچکزئی ہمیشہ سے ایک وطن پرست اور جمہوریت کے علمبردار کی حثیت سے جانے جاتے ہیں۔ مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب دنیا کے سو عظیم آدمیوں میں جن جن شخصیات کا ذکر کیا ہے اُن شخصیات میں زیادہ پُر اثر وہی رہی ہیں جنھوں نے اپنے پیروکاروں اور اپنے ساتھیوں سے اچھا برتاؤ کیا ہے اور اُن کی رائے کو اہمیت دی ہے۔ نبی پاک ﷺ کو مائیکل ہارٹ نے پوری دنیا میں سب سے زیادہ اثر رکھنے والا شخص گردانا ہے جن کی شخصیت کے اثرات بنی نوع انسان پر سب سے زیادہ ہیں۔ نبی پاک ﷺ چونکہ نبی آخر الزمان ہیں اُن کا فرمایا ہوا ایک ایک لفظ اللہ پاک کا فرمایا ہوا ہے اُس کے باوجود نبی پاک ﷺ اپنے صحابہ اکرامؓ سے مشاورت فرماتے۔ دنیا کی سب سے محترم ترین ہستی جس کو ایک غیر مسلم بھی سب سے بڑا انسان مان رہا ہے وہ بھی اپنے ساتھیوں کی رائے کو انتہائی مقدم رکھتے۔ جناب محمود خان اچکزئی عمر کے جس حصے میں ہیں یقینی طور پر پاکستانی سیاست کے نشیب و فراز اُن کے سامنے ہیں۔ اُنھوں نے پاکستانی معاشرے کے تمام نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ بلوچستان کی سرزمین حریت پسندوں کی سرزمین ہے بلوچستان کے سردار

پاکستانی ریاست کے لیے ہمیشہ ہر اول دستے کے کردار کا حامل رہے ہیں۔پاکستانی معاشرے میں بد اعتمادی کی جو فضا قائم ہوئی تھی موجود دور میں جنرل راحیل شریف اور نواز شریف کی کوششوں سے اُس میں کافی بہتری آئی ہے۔ صوبوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا بہت بڑی کامیابی ہے۔جناب اچکزئی پاکستانی معاشرے میں اتحاد و اتفاق کا ایک نشان ہیں۔ قانون کی حاکمیت کی بات کرنا بہت آسان ہے لیکن قانون کی حاکمیت کو ماننا یقینی طور پر سرداروں، وڈیروں سیاستدانوں کے لیے اتنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ جس طرح کی تاریخ پاکستان کی ہمارے سامنے ہےاِس سے تو یہ ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ ہمارا دین ہے ہی رواداری کا نام۔ بلوچستان کی ایک توانا آواز جناب محمود خان اچکزئی کی پاکستان سے محبت بھارتی سازشوں کے منہ پر طمانچہ ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اسلامیان ہند کو پیغام خودی دیا اور ایک قوم کی شکل میں متشکل کر دیا۔ حضرت قائدا عظمؒ نے اسلامیان ہند کو اپنی تقاریر، خطابات، اور علمی اور قانونی نظریات وارشادات کی روشنی میں انگریزوں اور ہندؤں کی استعمار پسندانہ اور تشدد آمیز رویوں سے آگاہ کرتے رہے اور انہیں اپنی اسلامی اقدار و روایات اور تاریخ کی روشنی میں تیار رہنے کی ہدایت کرتے رہے۔ حضرت قائدا عظمؒ نے اسلامیان ہند کے قلوب واذہان میں آزادی کی جو لو لگائی وہ الاؤ بن کر سامنے آئی اور پاکستان دنیائے انسانیت کے نقشے پر بڑی شان وشوکت کے ساتھ ظہورپزیر ہوا۔ قرآن حکیم نے استفسار فرمایا: خدا

تعالی نے تم سب کو تخلیق فرمایا' پھر تم میں سے ایک گروہ نے بلند و بالا اور عالمگیر انسانیت سے انکا کردیا' اور دوسرے گروہ نے اسے تسلیم کرلیا۔ ((2/64 یہی وہ انسانیت کی تفریق اور امتیاز کا میعار ہے جو قرآن حکیم انسانوں کے لیے پیش کرتا ہے۔ اسی کے مطابق دو اقوام واضح ہوتی ہیں ایک دوسری غیر مسلم ۔ایک مومن اور دوسری کافر یہی وہ فلسفہ فکر نظر تھا کہ حضرت نوحؑ اپنے سے الگ ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے علیحدہ ہو گئے۔ کیونکہ دونوں کی حقیقی کیفیت میں نظریۂ حیات مبنی بروحی سے ہم رنگ اور ہم آہنگ نہ تھا قرآن کے حوالے سے حضرت ابراہیمؑ کو کہنا پڑا۔ یعنی تم میں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کے لیے کھلی عداوت اور نفرت رہے گی۔) چنانچہ) تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اسلامی ریاست وحکومت میں شامل نہ گیا۔ حضور پاک ﷺ کی مجلس شوریٰ میں کبھی کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ علیم اجمعین کی مجلس شوریٰ اور پارلیمان میں کوئی غیر مسلم کا داخل نہ تھا۔ بلکہ کافر یا غیر مسلم ، ملت اسلامیہ کا ف رد ہی نہیں تھا لہٰذا اسلام اور قرآن کے نزول کے ساتھ ہی بنی انسان دو مختلف نظریات اور حتمی طبقات میں تقسیم ہو گئے۔ ایک نظریہ ایمان نہ لانے والوں کا۔ چنانچہ اولاد آدم دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی شرار بولہبی ایک جانب اور چراغ مصطفیٰ ﷺ دوسری جانب ، اس نظریے نے خون اور حسب و نسب کی نفی نھی کردی۔ .برادری ، قبیلے اور ذات پات کو ملیا میٹ کرکے رکھ دیا۔ اس کی بہترین مثال جنگ بدر اور جنگ اُحد ہے جس میں نبی

الزماں حضور اکرم ﷺ دوسرے صحابہ کرام کے قریبی رشتہ دار دشمن کے صف میں براجماں تھے، چنانچہ قرآن نے کافروں اور منافقین کے ضمن میں ملت اسلامیہ کو بڑی سختی سے متبنہ کیا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے نظریہ پاکستان کا آغاز، تشکیل، اور تراویح برصغیر میں اس وقت ہوئی جب مسلمانوں کو انتشار و افتراق اور زوال و انحطاط کا سامنا کرنا پڑا اور ہندوں کی اصل فطرت کے شاہکاروں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مظالم کا گھناونی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بالخصوص 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد کی بڑی دلدوز داستان ہے، جسے غربی اور شرقی مفکرین و مصنفین نے خوب بیان کیا ہے یہ اپنے طور پر ایک طویل داستان ہے۔ مولانا ابولکلام آزاد کی کتاب india wins freedom عبدالوحید خان کی کتاب indian mussalmans ولیم ہنٹر کی کتاب freedom تقسیم "ہند" اور ان کی دوسری کتاب " مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ" کالنز اور لاپیئر کی کتاب 'freedom at midnight' اور پروفیسر منور مرزا کی کتاب Dimension of Movement، اور دیوار" برہمن" کا مطالعہ کرلیں۔ ان شنکروں، دیالوں، بگوپالوں، مہاجروں، ساہنیوں، دھوتی پرشادوں، چٹیا گھنٹانوں، ایڈانیوں، ملکانیوں، مشراوں، بال ٹھاکروں، من موہنوں اور بڑے بڑے مہاپرشوں نے اسلام، پاکستان، نظریہ پاکستان دو قومی نظریہ اور مسلمان دشمنی میں کسر اٹھا رکھی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ ہمارے سابق مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے غدار سیاستدانوں نے ہماری تاریخ اسلام کو مسخ کرکے دیا۔ جو

ایمانی اور ایقانی روح سے محروم تھے۔ جو قرآنی جرات و استقامت سے سرمایہ دارانہ تھے۔ ہمارے جسم کا ایک بازو کٹ گیا چنانچہ اندر گاندھی نے زور خطابت کے نشے میں یہ کہا'' آج ہم نے دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے، ہم نے ایک ہزار سال کا بدلہ لے لیا ہے۔ لیکن ہم نے اندرا گاندھی اور ان کے مخلص چیلوں چانٹوں اور حواریوں اور ان کے حاشیہ برداروں کو اسی وقت باور کرا رہے ہیں اور کراتے رہیں گے کہ جب تک ایک مسلمان بچہ بھی برصغیر پاک و ہند میں زندہ ہے اسلام اور کفر کی جنگ جاری رہے گی، اسلام کا جھنڈا موجود رہے گا۔ جناب محمود خان اچکزئی یقینی طور پر پاکستان اور پاکستانیوں کے لیے ایک امید کی حثیت رکھتے ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ بار میں اُن کے خطاب کی دل سے قدر ہے۔

بھارتی ایجنسی را کا پٹھان کوٹ ائیر بیس سے باچا خان یونیورسٹی چارسدہ تک شیطانی کھیل

باچا خان یونیورسٹی میں جو خونی ڈرامہ رچایا گیا۔اِس حوالے سے بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی را نے پٹھانکوٹ کے ائیر بیس پر حملے کی ہزیمت جو اُسے اُٹھانا پڑی اُس کا بدلہ معصوموں کا لہو بہا کر لینے کی کوشش کی ہے۔بھارت نے پہلے دن سے ہی پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔یوں پاکستانیوں کی زندگی کے چراغ گُل کرنا اُس کے لیے ثواب کا کام ہے۔ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان بھی شودر سی زندگی گزار رہے ہیں۔اللہ پاک نعرہ تکبیر بلند رکھنے والی پاک فوج کا نگہبان ہے کہ پاک فوج نے ضربِ عضب کے ذریعے پاکستان میں بھارت اور بھارتی و امریکی ایجنٹوں کا قلع قمع کیا ہے۔چین کی جانب سے پاکستان میں معاشی راہداری کے لیے کیے جانے والے اقدامات نے درحقیقت بھارت اور امریکہ کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔اِس لیے بھارت نے پہلے خود ڈرامہ رچایا اور پٹھانکوٹ پہ قتل و غارت خود کرکے پاکستان کو موردِالزام ٹھرایا۔اب خود پاکستان پہ اپنے نام نہاد ایجنٹوں سے پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے۔ امریکی صدارتی امیدوار اور سبق وزیر خارجہ خود اقرار کر چکی ہیں کہ داعش پینٹاگان کی پیدا کردہ ہے۔ اور اُس کا مقصد خلیجی مسلمان ممالک کو تہہ و بالا کرنا ہے۔چین کے ساتھ بھارت اور امریکہ کی مخاصمت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔پاکستان کا معاشی طور پر

مستحکم ہونا کسی طور متزکرہ بالا ہر دو ممالک کے لیے سوہان روح ہے۔ مزید یہ کہ پاکستانی آرمی چیف اور وزیر اعظم کی جانب سے ایران اور سعودی عرب کے درمیان امن ڈپلومیسی نے بھی مسلمانوں کے دشمنوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔اِس لیے چارسدہ کی یونیورسٹی میں را ایجنسی نے جو ڈرامہ کیا۔اُس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ جب بھی نام نہاد دانشور اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کے بعد تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں اور اُن کے سامنے کوئی اور مسلہء نہیں ہوتا تو یہ کاغذی شیر اور لبرل فاشسٹ پاک فوج کے خلاف زبان درازی شروع کر دیتے ہیں۔زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی یہ پیاری زندگی اربوں روپے سے خریدی نہیں جاسکتی۔ ڈالر زندگی کا نعم البدل نہیں ہیں۔ صرف چند ساعتوں کے لیے غور کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ پاکستان کے مشرق میں جو ہمسایہ موجود ہے یہ وہ ہمسایہ ہے جو کہ اکھنڈ بھارت کا پرچار کرنے والا ہے اور بھارت کی تقسیم کو ہنوز پاپ یعنی گناہ گردانتا ہے۔ ان حالات میں جب کشمیر لہو لہو ہے۔ سات لاکھ سے زائد ہندوستانی فوج نہتے کشمیریوں سے برسرپیکار ہے تو پوری قوم نے دیکھ لیا ہے کہ امن کی آشا کسی طرح بھی اپنا رنگ جمانے میں بُری طرح ناکام رہی ہے۔۔ ثقافتی معاذ پر جس طرح سے بھارت نے پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور پاکستانی چینل جس دھڑلے سے ہندوستانی سوچ کو پروان چڑھانے کی کوشش میں ہیں اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں لباس میں مشرقی اور اسلامی رنگ ناپید

دیکھائی دے رہا ہے۔ ہمارے پاکستانی چینلز کو تو اپنے کاروبار سے غرض ہے قوم کی سوچ ثقافتی بربادی اور اسلامی اقدار سے دوری کا ان کو کیا لینا دینا۔ ان حالات میں پاکستان ، آرمی اور آئی ایس آئی کا کردار محبِ وطن اور اسلام پسند طبقے کے لیے قابلِ طمانیت ہے۔ لیکن بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے کرپٹ عناصر جو خود تو ناکام ہیں اور قوم ان سیاسی حکومتوں کی کارکردگی سے اچھی طرح واقف ہے۔ کہ پاکستانی قوم افراطِ زر کی چکی میں کس بُری طرح پیس رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ملک میں فوجی مارشل لاء ہونا چاہیے بلکہ پاک فوج کا کام وطن پاک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے اور بس۔ سیاست میں پاک فوج کا کوئی کردار نہیں ہے۔ اگر کوئی بھی طالع آزماء کوئی بھی منفی قدم اُٹھاتا ہے تو فوج بحثیت ایک ادارہ اُس کی ذمہ دار نہیں ہے ایسا ایکٹ ایک شخص کا ذاتی ایکٹ تصور ہوگا نہ کہ پوری فوج کے پیچھے پڑکے اُس کا مورال منفی جانب لے جایا جائے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ نام نہاد سیکولر دانشور طبقہ جو خود اور ملکوں کی قومیت کا حامل بھی ہے وہ پاکستانی آرمی اور آئی ایس آئی کے خلاف زبان درازی کرتا ہے۔ یہ امر اس ملک کے بسنے والے 99% افراد کے لیے تکلیف کا باعث ہے کہ وطن فروشی کے حاملین ہماری پاک فوج کو اس طرح ڈسکس کریں جیسے کہ وہ کسی اور ملک کا ادارہ ہے۔ اگر کوئی آمر آئین کو پامال کرتا ہے تو اُس کو ایک فرد کی حثیت سے ملکی قانون کے مطابق عبرت کا نشان بنادینا چاہیے لیکن پرویز مشرف جیسے ڈکٹیڑوں کے اعمال کی پاک

آرمی جواب دہ نہیں ہے۔ یہ ایک ادارہ ہے اور اس نے ہمیشہ پاک وطن کی آبیاری اپنے لہو سے کی ہے یہ ملک گارئے اور مٹی سے نہیں بلکہ ان پاک فوج کے شہداء کے لہو سے قائم دائم ہے اس کی مٹی میں راجہ عزیز بھٹی، سرور شہید، راشد منہاس جسے عظیم شہداء کا خون ہیں اور اُس کے ساتھ ساتھ ایسے ہزاروں جانباز ہیں جن کے ناموں کو شائد قوم نہیں جانتی لیکن وہ بھی مادر وطن کی خاطر اپنی جان کا ندرانہ پیش کر چکے ہیں۔ ۔خدانخواستہ اگر وطن پر کوئی کڑا وقت آیا تو یہ اشرافیہ اور لبرل طبقہ تو پہلے ہی دوہری دوہری قومیتوں کا حامل ہے اس نے تو اپنے غیر ملکی آقاؤں کی خدمت میں پیش ہوجانا ہے وطن کا دفاع اسی پاک آرمی اور 99% عام لوگوں نے کرنا ہے جن کا ٹھکانہ اس وطن کے سوا کہیں اور نہیں۔ موجودہ حالات میں نفوس پذیری کے حامل طبقے جن میں اساتذہ، طلبہ، وکلاء، ڈاکٹرز اور سول سوسائٹی کے ارکان شامل ہیں کو آگے بڑھ کر وطن سے محبت کے جذبے کو پروان چڑھانا چاہیے۔اشرافیہ اور لبرل فاشسٹ کے اہل وعیال تو پہلے ہی دوسرے ممالک میں تعلیم اور شاپنگ کی غرض سے دورروں پر رہتے ہیں۔اس وطن کے لیے یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ پڑی جو ضرورت تو ہم دیں گے لہو کا تیل چراغوں میں جلانے کے لیے۔ لیکن ایک بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ جس طرح ہمارے ملک کی اشرافیہ نے ملکی وسائل کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ عوام کو مہنگائی کی چکی میں ایسے چکر دیے ہیں کہ خدا کہ پناہ۔ بیروزگاری کی حالت یہ ہے کہ ایم بی اے، ایم ایس سی، بی کام جیسی پیشہ ورانہ ڈگریوں کے حامل افراد

خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ لیکن ایک بات ہمیشہ ملحوظ خاطر رکی جانی چاہیے کہ پاکستانی فوج کے موراال کو ہمیشہ بلند رکھنا چاہیے۔ پاک فوج جس طرح عیار دُشمن کے ساتھ برسرپیکار ہے پاکستان میں رائے عامہ کے افراد کو پاک فوج کے حوالے سے منفی تبصرے کرنے والے نام نہاد جعلی دانشوروں کو مُنہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ راقم کی جانب سے پاک آرمی کو سلام۔ پاک آڑمی نے جس طرح دہشت گردی کو ختم کرنے کی ٹھانی ہوئے ہے۔ جس طرح آرمی پبلک سکول پر حملہ آور ظالموں کو آرمی کی طرف سے کیفر کردار تک پہنچایا گیا اِسی طرح جناب راحیل شریف باچا خان یونیورسٹی کے شہدا کے لہو کے پاس رکھیں گے۔ اللہ پاک پاک فوج کو ہمیشہ سلمات رکھے۔ پٹھانکوٹ سے لے کر باچا خان یونیورسٹی تک جس طرح بھاری ایجنسی رانے کھیل کھیلا ہے اور پاکستان کی امن کی کوششوں کو زہر آلود کیا ہے۔ پوری قوم کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ بھارت کے عزائم کیا ہیں۔

پاکستان زندہ باد۔ پاک فوج زندہ آبادؐ

معصوموں کا لہو رائیگاں نہیں جائیگا

باچا خان یونیورسٹی میں جو خونی ڈرامہ رچایا گیا۔اِس حوالے سے بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی رانے پٹھانکوٹ کے ائیر بیس پر حملے کی ہزیمت جو اُسے اُٹھانا پڑی اُس کا بدلہ معصوموں کا لہو بہا کر لینے کی کوشش کی ہے۔بھارت نے پہلے دن سے ہی پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔یوں پاکستانیوں کی زندگی کے چراغ گُل کرنا اُس کے لیے ثواب کا کام ہے۔ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان بھی شودر سی زندگی گزار رہے ہیں۔اللہ پاک ،نعرہ تکبیر بلند رکھنے والی پاک فوج کا نگہبان ہے کہ پاک فوج نے ضرب عضب کے ذریعے پاکستان میں بھارت اور بھارتی و امریکی ایجنٹوں کا جینا حرام کیا ہے۔چین کی جانب سے پاکستان میں معاشی راہداری کے لیے کیے جانے والے اقدامات نے درحقیقت بھارت اور امریکہ کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔اِس لیے بھارت نے پہلے خود ڈرامہ رچایا اور پٹھانکوٹ پہ قتل و غارت خود کرکے پاکستان کو موردِالزام ٹھرایا۔اب خود پاکستان پہ اپنے نام نہاد ایجنٹوں سے پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے۔ امریکی صدارتی امیدوار اور سابق وزیر خارجہ خود اقرار کر چکی ہیں کہ داعش پینٹاگان کی پیدا کردہ ہے ۔ اور اُس کا مقصد خلیجی مسلمان ممالک کو تہہ و بالا کرنا ہے۔ چین کے ساتھ بھارت اور امریکہ کی مخاصمت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔پاکستان کا معاشی طور پر مستحکم ہونا کسی طور

متزکرہ بالا ہر دو ممالک کے لیے سوہان روح ہے۔ مزید یہ کہ پاکستانی آرمی چیف اور
وزیر اعظم کی جانب سے ایران اور سعودی عرب کے درمیان امن ڈپلومیسی نے بھی
مسلمانوں کے دشمنوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔اِس لیے چارسدہ کی یونیورسٹی میں را
ایجنسی نے جو ڈرامہ کیا۔اُس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

نامور شاعر ماورا نشین جناب خالد شریف کے ساتھ لاہور ہائی کورٹ بار میں ایک شام

جنوری کی 20 تاریخ 2016 اور لاہور ہائی کورٹ بار کا کراچی ہال وکلاء کرسیوں پر براجمان۔ اور صدارت پہ عظیم شاعر جناب خالد شریف فائز۔ اُن کیساتھ الحمرا آرٹس کونسل کے روح رواں کیپٹن عطاء تشریف فرماء۔ سخت یخ ہواؤں نے لاہور کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ مجھے بھی اِس پروگرام میں شرکت کرنا تھی۔ اِس کی وجہ ایک بہت ہی اچھے انسان میرے بڑے بھائیوں کی طرح جناب خالد شریف کی لاہور ہائی کورٹ بار میں آمد تھی۔ جناب فراست بخاری نے اپنا کلام سنایا۔ جناب خالد شریف کے حکم پر مجھے بھی ایک نظم سنانے کا موقعہ ملا۔ معروف شاعر محترم توقیر صاحب نے اپنے کلام سے سامعین کے دل موہ لیے۔ ہال میں جناب پیر مسعود چشتی صدر لاہور ہائی کورٹ بار بھی تشریف فرماء رہے۔ اِس مشاعرہ کو منعقد کروانے کا اہتمام محترمہ نرگس ناہید طارق ایڈووکیٹ چیئرپرسن کلچرل کمیٹی لاہور ہائی کورٹ بار نے کیا تھا۔ محترمہ نرگس ناہید طارق لاہور ہائی کورٹ کی فعال شخصیت ہیں اور اُنھوں نے ہمیشہ ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کے خوبصورت پروگرام کروائے ہیں۔ یقینی طور پر صدر لاہور ہائی کورٹ بار جناب پیر مسعود چشتی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے کلچرل کمیٹی کے لیے موزوں ترین ہستی محترمہ نرگس ناہید طارق کا انتخاب کیا ہے۔ ملک منصف اعوان، جناب محمود گیلانی، جناب اعظم بھٹی اور آمنہ

اجمل بھی سٹیج پر رونق افروز تھے۔ محترم جناب خالد شریف صاحب کا کلام ہمہ تن گوش ہونے سے پہلے چند شعراء اکرام نے بھی اپنا کلام سنایا۔ یقینی طور پر اِس عظیم مشاعرہ کروانے میں جناب اعظم بھٹی محترمہ آمنہ اجمل اور محترمہ نگہت صاحبہ کا بھرپور کردار رہا۔ جن شعراء اکرام نے اپنا کلام سنایا اُن کے گلے میں گلاب کی پھولوں کا بنا خوبصورت ہار پہنایا گیا۔ جو کہ بہت ہی اچھا لگا۔ یہ ذمہ داری آمنہ اجمل نبھا رہی تھیں۔ جبکہ مہمانوں کا تعارف کروانے اور سٹیج پر بلانے کا فریضہ محترمہ نرگس ناہید انجام دی رہی تھیں۔ وکلاء کے اندر شاعری سننے کے حوالے سے کافی گرمجوشی دیکھنے میں آئی۔ اور ہر اچھے شعر پر خوب داد دیتے رہے۔ لاہور ہائی کورٹ بار میں امسال بہت ہی سرگرمیاں رہیں۔ بے شمار تربیتی لیکچر کروائے گئے۔ فیملی ڈے منایا گیا۔ امام عالی امام حسینؓ کانفرنس۔ میلادِ مصطفےٰ ﷺ۔ یوم اقبالؒ و یوم قائدِ اعظمؒ۔ ایسا محسوس ہوتا رہا کہ پھر سے کالج اور یونیورسٹی کا زمانہ لوٹ آیا ہو جیسے۔ میاں محمد بخشؒ کے کلام کا مقابلہ، ہیر وارث شاہ پڑھنے کا مقابلہ، اِن پروگراموں میں شرکت سے پیشہ ورانہ مصروفیات میں مگن وکلاء کو ذہنی آسودگی کا احساس ہوتا ہے۔ یقینی طور پر لاہور ہائی کورٹ بار میں امسال اِس طرح کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ بچھڑا کچھ اِس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا۔ اِس مشہور شعر کے خالق خالد شریف ایک بہت ہی اچھے اور نفیس انسان ہیں۔ اُن کا تعلق اُس نسل سے ہے جو پاکستان کے ساتھ

ساتھ پروان چڑھی۔نرم اور محبت بھرے لہجے کی شخصیت جناب خالد شریف جنہوں نے اردو زبان کی بڑھوتری میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اپنا وقت پبلشینگ کے شعبے کو دیا اور یوں کمائی کی بجائے اردو زبان کی خدمت میں مصروفِ عمل ہیں۔نوکر شاہی کا حصہ رہنے کے باوجود اُن کی انسان دوستی پہ رشک آتا ہے چونکہ وہ ہیں ہی شاعر تو پھر اُن کے زندگی میں افسری کا کیا کام۔ مدت ملامت سے پہلے ہی نوکری کو خیر باد کہ کر اپنی زندگی کا مشن ماورا پبلشرز کو بنائے ہوئے ہیں جہاں کمائی نہیں ادب کی خدمت ہوتی ہے اور اِس سے بڑی اور کیا کمائی ہو سکتی ہے کہ بیمار معاشرے میں شعر وادب سے محبت کی لو جلائی جائے۔ عرصہ دراز سے اُن کے ساتھ سوشل میڈیا کی وساطت سے رابطہ رہتا ہے لیکن بالمشافہ ملاقات کا عرصے سے پروگرام بنا رہا تھا۔ اور یوں آخر اُن کی قدم بوسی کا فخر حاصل ہو ہی گیا۔جناب خالد شریف اُردو زبان کی خدمت کرنے والی وہ ہستی ہیں کہ جس کا اقرار سارا زمانہ کرتا ہے۔انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ میں خدمات دینے کے علاوہ اُنھوں نے ماورا پبلشر کے ذریعہ سے اُردو زبان کی خدمت کے لیے خود کو وقف کیے رکھا۔راقم کے ساتھ اُن کا تعلق بھائیوں کی طرح ہے وہ ہمیشہ مجھے چھوٹے بھائیوں کی طرح سمجھتے ہیں اور راقم کو اِس بات پر فخر ہے۔جناب خالد شریف کی زندگی اوڑھنا بچھونا اُن کا اردو زبان سے عشق ہے۔ جناب خالد شریف کا کہنا ہے کہ جب پاکستان بنا تو اُس وقت اُن کی عمر چھ ماہ تھی اُن کے والدین اُنھیں بچا بچا کر پاکستان کی سرزمین پہ لے آئے اُن کا تعلق انبالہ سے

تھا۔یوں پاکستان کا جنم اور جناب خالد شریف کی زندگی کا آغاز اکھٹا ہی ہوا۔چند روز پیشتر ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے آپ سے ملاقات کرنے کے لیے تو بہت انتظار کرنا پڑتا ہے۔تو راقم نے عرض کہ جناب ہم جن کے پرستار ہیں اُن کو بھی انتظار کرواتے ہیں۔ بہت ہنسے میری اِس بات پر۔راولپنڈی میں پرورش ہائی۔ معاشیات میں ماسٹرز کیا سی ایس ایس کرنے کے بعد انکم ٹیکس آفیسر سے اپنے کیریئر کا اغاز کیا۔اُن کے ہمعصر اور قریبی دوستوں میں حسن نثار اور امجد اسلام امجد ہیں۔اُن کی حالیہ شاعری کی کتاب بچھڑا کچھ اِس ادا سے بہت خوبصورت کتاب ہے۔ راقم کو بھی اُنھوں نے عطا فرمائی۔اِس کتاب میں اُن کی بہت ہی اعلیٰ غزلیں شامل ہیں اور نظمیں بھی ہیں۔ جناب خالد شریف صاحب دھیمے انداز میں متانت کے ساتھ اور نرم لہجے میں اپنا دکھ بیان کرنے کا منفرد انداز رکھتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں ایسا جابجا نظر آتا ہے اور اُن کی شاعری میں زندگی کی حقیقتوں سے آشنائی کا انداز لاجواب ہے۔وہ آسان فہم میں مشکل سے مشکل بات کہنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔زندگی کے سفر میں وقت کے ساتھ ساتھ جو فاصلہ کم ہوتا جارہا ہے جناب خالد شریف کی شاعری میں اُس کا اظہار ملتا ہے اور اِن کی شاعری میں انسانی جبلت کو بہت احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے اللہ پاک سے دُعا ہے کہ محترم خالد شریف کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔ جناب خالد شریف نے لاہور ہائی کورٹ بار کے کراچی شہداء ہال میں اپنا خوبصورت کلام سنایا اور خوب داد حاصل کی۔ اتنے بڑے شاعر اور اتنے ہی بڑے

انسان کے ساتھ یہ نشست برسوں یاد رہے گی۔ جناب خالد شریف کا نمونہ کلام

آج اک دوسرے کو قتل کرنا ہے ہمیں
تو میرا پیکر نہیں میں ترا سایہ نہیں
یہ مرے عہد کا منشورِ ستائش ٹھرا
وہ جواب ہم میں نہیں ہے وہ بہت اچھا تھا

☆

نہ کوئی روکنے والا نہ کوئی ٹوکنے والا
اکیلے آئنے کے سامنے ہنس لیں کبھی رولیں

☆

ذرا دیر دسمبر کی دھوپ میں بیٹھیں
یہ فرصتیں ہمیں شائد نہ اگلے سال ملیں

☆

وہ ابھی شاداب ہے جنگل کے پھولوں کی طرح
اُس کے چہرے پر گئے موسم نے کچھ لکھا نہیں

☆

ملی مجھے بڑے سادہ مزاج لوگوں میں
وہ چیز میں جسے اہلِ نہر میں ڈھونڈتا تھا

اتنی خوبصورت شام جناب خالد شریف کے ساتھ منانے کا مقصد گھٹن کے ماحول میں

علم و آگہی کی بڑھوتری ہے۔ یقینی طور اِس طرح کی شخصیات ہمارے معاشرے کے لیے آکسیجن کا کام دے رہی ہیں۔ اور دنیاوء جاہ وحشمت سے ماورا جناب خالد شریف جو ماورا نشین ہیں اُن کی تشریف آوری لاہور ہائی کورٹ بار کے لیے خوشگوار ٹھری۔ جناب خالد شریف لاہور ہائی کورٹ بار کے تاحیات رکن ہیں۔

ایف آئی درج کروانے کے قانون کا پولیس کے ہاتھوں حشر

پاکستانی معاشرے میں معاشی اور سماجی اونچ اور نیچ کی وجہ سے عوام بُری طرح پِس رہے ہیں نام نہاد این جی اوز ڈالر اور پونڈ لے کر نہ جانے کون سے انسانی حقوق کے لیے کام کر رہی ہیں یہ تو صرف زبانی جمع تفریق یا بڑے ہوٹلوں میں سیمینار اور میڈیا میں خود کو پروجیکشن دینے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر پا رہی ہیں بھٹہ مزدوروں کے مسائل، عورتوں کے حقوق کے حوالے سے عملی اقدامات اور عام آدمی کے ساتھ ہونے والے ظلم میں یہ کہاں نظر آتی ہیں۔ اکیسویں صدی کے معاشرے میں بھی پاکستانی معاشرئے کو چند ہزار لوگوں نے یرغمال بنا رکھا ہے اِن میں سیاست دانوں کے روپ میں جاگیردار، وڈیرے اور بیوروکریٹ شامل ہیں۔ امن ناپید ہے اور انسانی خون ارزاں کے پولیس سمیت تمام ادارئے بے بس۔ وطن میں جاری خودکُش حملوں نے پاکستان کے سماجی ڈھانچے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ پولیس فورس کا نام ذہن میں آتے ہی یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ پولیس کا کام لوٹ مار کو تحفظ دینا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ہمارئے معاشرئے میں پولیس صرف سیاستدانوں وڈیروں جاگیرداروں کے لیے کام کرتی ہے یا پھر کوئی غریب ان سے انصاف کی توقع لیے بیٹھا ہے تو شائد وہ خوابوں کی دُنیا میں ہے۔ سی آر پی سی کے تحت پولیس کے پاس جو بھی شخص کسی بھی جُرم کی بابت اطلاع لے کر آتا ہے تو پولیس اسٹیشن کا انچارج

اِس حوالے سے پابند ہے کہ وہ شکایت کنندہ کی شکایت پر کاروئی کرئے اور اُس کاروئی کے لیے اے ف آئی آر درج کرئے یا اگر وہ نا قابل دست اندازی جُرم ہے تو اُس کی رپٹ درج کرنے کا پابند ہے۔ لیکن یہاں تو پولیس خود تو کُجا ایڈیشنل جج صاحبان جو کے سی آر پی سی کے تحت ایس ایچ او صاحبان کو ایف آئی کے اندراج کا حکم 22A,22B دیتے ہیں وہ مہینوں گزر جانے کے بعد میں تعمیل پذیر نہیں ہو پاتا۔ اِس عالم میں عوام کا عدلیہ سمیت پولیس اداروں پر اعتماد کا عالم کیا ہوگا۔ آئین پاکستان کتابوں میں لکھے ہوئے الفاظ کی حد تک تو تمام شہریوں کا حقوق کا ترجمان ہے لیکن عدلیہ کے پاس قوت نافذہ نہ ہے کیونکہ حکومتی ادارے اپنی من مانی کرتے ہیں ۔اور عدلیہ کے احکامات کو عدالت کے کمرے میں ہی صرف تسلیم کرتے ہیں ۔اِس سارے معاملے میں عدلیہ قصوروار نہیں ہے بلکہ حکومتی ادارے ہیں۔ قانون تو کہتا ہے کہ قابل دست اندازی جرم کے وقوع پزیر ہونے کی بابت جب بھی کوئی تحریری یا زبانی درخواست پولیس اسٹیشن کے انچارج کو دی جائے توجو پولیس اسٹیشن کا انچارج ہوگا وہ اس زبانی درخواست کو تحریر کرئے گا یا کسی کو ایسا کرنے کیلیئے کہے گا درخواست لے کر آنے والے سے اُس کے اوپر دستخط بھی کروائے گا اس درخواست کی بابت اُس کتاب میں اندراج کرئے گا جو صوبائی حکومت نے اُس انچارج پولیس اسٹیشن کو اِس بابت دے رکھی ہے سیکشن 154 سی آر پی سی کے تحت پولیس اسٹیشن کے انچارج کی ڈیوٹی ہے کہ وہ قابل دست اندازی جرم کا اندراج اُس کتاب میں کرئے جسے ایف

آئی آر کہتے ہیں اور نا قابل دست اندازی جرم کا اندراج جس کتاب میں میں کرے گا اُسکا نام روز نامچہ ہے اور یہ کتاب اِس مقصد کے لئے صوبائی حکومت کے ایماء پر انچارج پولیس اسٹیشن کو دے رکھی ہوئی ہے نا قابل دست اندازی جرم کی بابت جو رپورٹ ، پولیس اسٹیشن کے انچارج نے درج کی ہوتی ہے عام طور پر اُس کے حوالے سے کوئی ایکشن پولیس نہیں لیتی ہے تاہم اگر ایس ایچ او درست سمجھتا ہے کہ تفتیش کرنا مقصور ہے تو سیکشن 155 کے سب سیکشن (2) سی آر پی سی کے تحت اُسے مجسٹریٹ سے آرڈر لینا پڑے گا اگر کوئی گرفتاری وغیرہ عمل میں لاتی ہے تو اِس مقصد کے لئے سیکشن 155 سب سیکشن crpc کے تحت ورانٹ گرفتاری مجسٹریٹ سے لینا ہوں گےcrpc(3) سیکشن یہ اختیار پولیس اسٹیشن کے انچارج کو دیتا ہے کہ وہ کسی بھی قابل دست 156(1) کے Pcr LJ906 اندازی جرم کی تفتیش بغیر مجسٹریٹ کے آرڈر کے کر سکتا ہے 2005 کے تحت پولیس اسٹیشن انچارج کی ڈیوٹی ہے کہ وہ قابل دست crpc مطابق 154 سیکشن کے تحت تفتیش کے لئے crpc156(1) اندازی جرم کا اندارج کرے اور سیکشن crpc 320 کے مطابق سیکشن P.Cr.L.j مجسٹریٹ کے حکم کی ضرورت نہ ہے 2000 کے تحت پولیس اسٹیشن کے انچارج کا فرض ہے کہ وہ قابل دست اندازی جرم کی 154 ایف آئی آر کا اندارج لازم کرے سیکشن 154 کے تحت اگر نا قابل دست اندازی جرم ہے تو پھر اُس کی معلومات متعلقہ رجسٹر میں درج کرے لیکن کسی بھی معاملے میں خواہ قابل دست اندازی جرم ہے یا نا قابل دست اندازی جرم ہے یہ بات درست نہ ہے کہ وہ کیس کو رجسٹر کرنے سے

کے سپریم کورٹ کے CMR424 انکار کردے۔ہر حال میں کیس کا اندراج ضروری ہے
فیصلے کے مطابق پولیس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کیس کو رجسٹر کرنے کی بابت تاخیر کی
کے مطابق کریمنل کیس کا تھانے میں اندراج کروانا PLD2000Lah78 مرتکب ہو
کو کوئیSHO کے مطابق PLD2005kar 621 متاثرہ شخص کا خود مختارانہ حق ہے
کے اندراج سے انکار کرئے۔FIR اختیار نہیں ہے کہ وہ
مقام سے کار کو (H کے مطابق اینٹی کار لفٹنگ سیل نے ایچ (PLD2005kar40)
مقام پر جاکر 5 ماہ کے بعد درج کروایا اُس عدالت کی اجازت کےK اُٹھایا جب کہ کیس
مقام کے عدالت تھی۔اِس طرح کا اختیار یونیفارم کا غلط استعمال ہے۔اگر K بغیر جو کہ
PLJ2004Lahاِسکو نہ روکا گیا تو معصوم شہریوں کی زندگی قابل رحم بن جائے گی۔
میں استعمال ہونے والے یہ الفاظ کہ ہر قابلCRPC کے مطابق 154 سیکشن 102
دست اندازی جرم کی اطلاعات کا مطلب یہ ہے کہ یہ مبینہ جرم ہوا ہے یعنی صرف اطلاع
ہے اِسکا مطلب یہ نہیں کہ جرم ہوا ہے یا نہیں اور بعد میں کوئی قصوروار ٹھرتا ہے یا
نہیں مطلب یہ ہے کہ اندراج ضروری ہے 154 سی آر پی سی کو آئین پاکستان کے
کے مطابق پولیسP.Cr.L.J, آرٹیکل 199کے ساتھ اگر پڑھا جائے۔ سیکشن 1992
آفیسر کی یہ قانونی ذمہ داری ہے کہ اگر شکایت کنندہ قابل دست اندازی جرم کی اطلاع
دیتا ہے تو وہ اِس شکایت پر کیس رجسٹر کرئے سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے
کے مطابق یہ پولیس1993scmr550

کے مطابق اگر Lah493 کا لازمی فرض ہے کہ وہ کیس رجسٹرڈ کرئے پی ایل ڈی 1972
پولیس آفسر اپنا فرض بابت رجسٹر کرنے ایف آئی آر ناکام رہتا ہے تو پھر اِسکے آفسر جسکا
وہ ماتحت ہے کہ وہ اِس کے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کے حوالے سے اُس سے پوچھے۔
کے مطابق کسی بھی واقعے کے مختلف نقطہ نظر ریکارڈ نہیں کیے 1994MLD1736
جاتے لیکن جہاں یہ ضروری ہے کہ دونوں طرف کے نقطہ نظر کے بغیر قابل عمل
انکوائری ممکن نہیں جہاں ایک علحیدہ قابل دست اندازی جرم ظاہر کیا جائے تو اِن
مطابق پولیس PLJ2000 Pesh حالات میں ایک اور ایف آئی آر درج ہونی چاہیے۔
افسر کے خلاف کیس درج ہو سکتا ہے اِس فیصلے
کے مطابق متوفی کی والدہ نے پولیس افسر کے کردار کو اپنے بیٹے کے قتل میں مزکور کیا
ہے پولیس کو یہ حق حاصل نہ ہے کہ وہ صرف اِس وجہ سے کسی شہری کی جان لے یا
صرف اِس وجہ سے کسی کو قتل کردے کہ اُس پر کوئی الزام ہے یا وہ سابقہ جرائم کی
بابت ریکارڈ ہولڈر ہے پولیس کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ پولیس افسر کے خلاف کیس
کے مطابق پولیس کا یہ فرض کہ وہ کسی بھی P.CR.LJ,1193 درج کرئے۔1999
کیس کی تفتیش انصاف کے تقاضوں کے مطابق اور شفاف انداز میں کرئے اِس حوالے
سے اپنے افسران کو اثرانداز نہ ہونے دے۔ مندرجہ بال عدالتی فیصلوں کے مطابق تو
پولیس کو ہر اُس سائل کی درخواست پر ایکشن لینا چاہیے جو پولیس کے پاس آتا ہے لیکن
ایسا نہیں ہوپاتا کیونکہ ہمارے معاشرے

کو جو روشنی رب پاک نے نبی پاک ﷺ کے ذریعے عطا فرمائی اُس سے فیض نہیں اُٹھایا گیا۔

مرد قلندر عظیم صوفی حضرت حکیم میاں محمد عنایت خان قادری نوشاہیؒ کے در پہ حاضری

سرزمین سرگودہا میں مرکز روحانیت دربار شریف جناب حضرت حکیم میاں محمد عنائت خان قادری نوشاہیؒ میں منعقدہ عرس مبارک کی تقریبات زیر سرپرستی جگر گوشہ حضرت حکیم میاں محمد عنایت خان قادری نوشاہیؒ جناب صاحبزادہ حکیم میاں محمد یوسف خان قادری نوشاہی منعقد ہوئیں۔زاوایہ نوشاہی کمیٹی کے زیر اہتمام اِس عرس پاک کی تقریبات کا اہتمام کیاگے۔میاں جیؒ کا ڈیرہ شہر کے پاس ہی ایک بستی نیو مسلم ٹاون سرگودہا میں ہے۔ میاں جیؒ عہد اسلاف کی وہ نشانی تھے جن کی زندگی عشق رسول ﷺ، پاکستان سے محبت اور انسانوں سے پیار سے عبارت ہے۔ میاں جیؒ کا اصلی نام شائد کسی کو بھی معلوم نہ ہو چھوٹا بڑا سب لوگ اُنھیں میاں جی کہتے۔ میاں جی بہت اعلیٰ پائے کے نبض شناس تھے۔میاں جیؒ کی حکمت کے ساتھ اور جو خصوصیت تھی وہ اُن کا روحانی فیض تھا۔اِسی گھر میں کئی دہائیوں سے مقیم تھے۔ دن بھر لوگ آتے کوئی دوا لیتا اور کوئی دُعا کا طلب گار ہوتا۔میاں جی روایتی پیری مریدی کے قائل نہ تھے لیکن اُن کے حلقے میں شامل افراد انتہائی پڑھے لکھے تھے۔علماء۔نوجوان، پروفیسرز ڈاکٹرز، پی ایچ ڈی کے حامل ریسرچ سکالرز، پائلٹ، فوج کے اعلیٰ افسران تھے۔گویا دکانداری والی پیری مریدی سے کوسوں دور میاں جی نے ایک ایسا نگر آباد کر رکھا تھا جہاں ہر دکھی کو جسمانی اور روحانی ہر

بیماری سے شفا ملتی۔ میاں جی نہایت نفیس انسان۔ پاکستان اپنی آنکھوں سے بنتے دیکھا۔ اور اپنا سارا خاندان قربان کرکے ہجرت کی۔مال و متاع سے بالکل رغبت نہ تھی۔ جو بھی اسباب ہوتے وہ ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیتے۔ عام دیکھنے والا یہ ہی تصور کرتا کہ شائد وہ کافی مال دار ہیں کہ ہر وقت لنگر کا اہتمام۔جو بھی اُن کے ہاں آتا اُسے فوری طور پر کھانا پیش کیا جاتا۔ میاں جیؒ سادہ لباس پہنتے۔ سفید قمیض اور سفید رنگ کا ہی تہمد اور نوشہ گنج بخشؒ سے نسبت کا حامل پیلے سے رنگ کا کپڑا، جسے وہ صافا کہتے اُن کے کندھے پر ہوتا اور سفید رنگ کی کپڑے کی بنی ہوئی ٹوپی اُن کے سر پہ ہوتی۔ میاں جیؒ کی نفاست ہر کام میں اتنی کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا۔ نہایت صاف سادہ کپڑے پہنتے اور بناوٹ دیکھاوے سے ہمیشہ دور رہتے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جو بھی اُن سے ایک دفعہ ملنے آجاتا تو پھر ہمیشہ کے لیے اُن کی محفل کا شریک بنا رہتا۔ تاریخ عالم پر گہری نظر، اسلام کی حقانیت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا میاں جی کے دل و روح کے اندر۔کتابوں کا ایک لازوال ذخیرہ کہ جہاں سے بڑے بڑے سکالر آکر استفادہ کرتے۔اللہ پاک کے دوست میاں جیؒ ہر ملاقاتی سے ایسے ملتے جیسے کہ وہ اُن سے سب زیادہ قریب ہو۔ میاں جیؒ کا ڈیرہ ایسی درگاہ ہے کہ جہاں سے عشق رسول ﷺ کی دولت سے ہر کوئی مال ومال ہوتا۔ میاں جیؒ ہر آنے والے کو خصوصی محبت سے نوازتے اور کھانے پینے سے خوب خاطر مدارت ہوتی۔ نوجوانوں کی تعداد آپکی محفل میں ہمیشہ زیادہ ہوتی۔ حضرت اقبالؒ کے

بقول ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔ ساقی بھی اگر میاں جیؒ جیسا ہو تو پھر عشق رسول ﷺ کا جام۔ دنیا کہ ہر شے سے ماورا کر دیتا ہے۔ آپؒ کے لب ہلتے اور گویا ہوتے نبی پاک ﷺ کا نام جب بھی لیتے تو فرماتے سرکار دوجہاں ﷺ۔ آپؒ گویا ہوتے تو پھر الفاظ ہاتھ باندھ لیتے اور آپ بولتے الفاظ خاموش رہتے۔ آپ کے الفاظ میں دھن گرج ایسی کہ جیسے کوئی سولہ سترہ سال کا نوجوان نبی پاک ﷺ کی محبت میں مخاطب ہے۔ آپؒ کے الفاظ یہ پیغام دئے رہے ہوتے کہ جس کا دل مظرب ہو وہ خود کو ہی نہ ڈھونڈ پا رہا ہو۔ جسے دنیا کی بے وفائی اور بے ثباتی کا دُکھ ہو۔ پھر ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے پناہ پھر ایسی جگہ ملے جہاں سے کائنات کی ہر ذی روح فیض لے رہی ہو۔ جس کی خاطر خالق نے پوری کائنات پیدا کی ہو۔ پھر مبدا خلق عالم کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جس کے دربار سے رحمت کا حصول ہو۔ جب تمام دنیاوی رشتے دم توڑ جائیں تو پھر ایک ہی ہستی کا سہارا رہ جاتا ہے جو کہ ماں باپ اولاد مال سب سے بڑھ کر محبت کا منبع ہے۔ وہ ہستی صرف رسول پاک ﷺ کی ہے۔ آپ کی گفتگو سن کر نوجوان سحر میں کھو جاتے۔ میاں جیؒ کا ایک بہت بڑا وصف یہ بھی تھا کہ وہ ظاہری نمود و نمائش سے ماورا تھے اور نوجوانوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ دوستوں جیسا ہوتا۔ ہر کسی کے دکھ درد کی خبر رکھتے۔ رہنمائی فرماتے۔ حوصلہ دیتے اور خاص طور فرماتے کہ شیر بن۔ جس جس کو اسباب درکار ہوتے اُس کی مدد فرماتے۔ کوئی بنک اکاونٹ اور نہ کوئی تجوری۔ سب کچھ ہی تو خالق کی مخلوق کے لیے وقت کیا ہوا تھا۔ جیسے جیسے خالق نوازتا

چلا جاتا ویسے ویسے میاں جیؒ تقسیم فرماتے چلے جاتے ۔میاں صاحب کا وصال پچھلے سال ربیع الاول 1436 ہجری کو ہوا۔ اور جہاں آپکا ڈیرہ تھا وہیں آسودہ خاک ہوئے۔ 13 عرس پاک کی پہلی نشست میں دربار شریف پہ قران خوانی کی گئی۔ قاری القراء جناب منیر احمد کی سرکردگی میں قران پاک پڑھا گیا۔ دوسری نشست میں ختم کبیر شریف پڑھا گیا۔اِس ختم پاک کو صاحبزادہ پروفیسر ڈاکٹر احمد ندیم رانجھا نے پڑھایا اور دُعا فرمائی۔ جمعہ مبارک کی نماز کی ادائیگی کے بعد دربار شریف سے ملحقہ جامعہ مسجد نوری غوثیہ نیو مسلم ٹاون سرگودہامیں نعت شریف کی خصوصی محفل ہوئی۔اِس محفل کی نظامت کے فرائض صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے انجام دیئے ۔ زین حیدر نوشاہی، اُسامہ نوشاہی، ناصر رشید چشتی نے نبی پاک ﷺ کے حضور گلہائے عقیدت پیش کیے۔ عرس پاک کی چوتھی نشست میں دربار شریف پر چار پوشی کا اہتمام کیاگیا۔ صاحبزادہ حکیم میاں محمد یوسف خان قادری نوشاہی کی سرپرستی میں میاں محمد اشرف عاصمی ایدووکیٹ، میاں محمد آصف، جاوید مصطفائی،یونس کمبوہ، حافظ شاہد، عنصر اعوان، شوکت علی، محمد اکرم، ڈاکٹر خالد نصیر، محمد اخلاق، اُسامہ نوشاہی، زین نوشاہی، عاطف مصطفےٰ، عابد مصطفےٰ، خالد مصطفےٰ،اویس مصطفےٰ، علی رضا، حمزہ عاطف صوفی عبدالحمید، سید ریاض حسین شاہ و دیگر نے دربار شریف پہ چادر پوشی کی۔اِس، موقع پر سجادہ نشین حضرت نوشہ گنج بخشؒ جناب ڈاکٹر سید خضر حیات نوشاہی، صاحبزادہ ڈاکٹر احمد ندیم رانجھا، پیر مشتاق شاہ الازہری موجود

تھے۔اِس موقع پر قصیدہ بردہ شریف پڑھا گیا۔ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد خصوصی نشست میں جمیل چشتی اور غلام نوشاہ نے انتہائی پُر اثر انداز میں آقا کریم ﷺ کی خدمت میں نعت کے گلدستے پیش کیے۔اِس خصوصی اور آخری نشست کی نظامت کے فرائض صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے انجام دیئے۔ جبکہ صاحبزادہ پروفیسر ڈاکٹر احمد ندیم رانجھا نے قبلہ حکیم صاحبؒ کی ظاہری حیات کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو فرمائی۔اِس نشست میں پیر مشتاق شاہ الازہری نے نبی پاک ﷺ کی میلاد شریف کے حوالے سے خطاب کرکے حاضرین محفل کے دلوں کو گرمایا۔اِسی نشست میں جناب مفتی فیض الرسول صاحب نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اللہ پاک کے نیک بندوں کے تصرفات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور آخروی زندگی میں کامیابی کے لیے خوف خدا اور عشق رسول ﷺ کو کسوٹی قرار دیا۔عرس پاک کی آخری نشست کے آخری مقرر مہمانِ ذی وقار سجادہ نشین حضرت نوشہ گنج بخشؒ جناب ڈاکٹر سید خضر حیات نوشاہی نے خانقاہی نظام کی ذمہ داریوں کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ محفل کے آخر میں ختم شریف پڑھا گیا اور عرس پاک کی بابرکت تقریب کے اختتام میں پروفیسر ڈاکٹر سید خضر حیات نوشاہی نے خصوصی دعا فرمائی۔عرس مبارک کی تقریب میں صاحبزادہ اظفر خان صاحب، سید واصف شاہ، غلام علی، حافظ مصطفےٰ نسیم، محمد اویس، قمرزمان خان، بابر بلوچ ایڈووکیٹ، ایس ایچ و خطیب الرحمٰن، تحصیلدار ملک محمد اشرف، مقبول کھوکھر، منظور کھوکھر، مقصود کھوکھر، شہزاد انجم، رضوان گل ،ڈاکٹر محمد اکمل خان پروفیسر محمود خان خصوصی

طور پر شریک ہوئے۔

معاشی تفاوت اپنے ہی لوگوں پہ ظلم

کیا پاکستانی عوام کو ایسی قیادت میسر نہیں آ سکی جو کہ اِس کا قبلہ درست کر کے ہمارے معاشرے میں ریجنل ڈسپیریٹی نے جس طرح قومی یک جہتی کو پارہ پارہ کر رکھا ہے اس بات کا ادراک لیڈر شپ کو بھی ہے عدلیہ اور فوج کے ادارے بھی اِس حقیقت سے آشنائی رکھتے ہیں، اُس کے باوجود کہیں سے بھی خیر کی خبر نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی قومی یک جہتی کے حوالے سے ماضی قریب میں کیا گیا وہ ٹیبل ٹاک اور میڈیا کی حد تک رہا اُس سے آگے اگر بڑھا ہوتا تو بلوچستان آج لہو لہو نہ ہوتا آج کراچی کے در و دیوار معصوم لہو کی تحریروں سے کانپ نہ رہے ہوتے۔ خیبر پختون خواہ صوبہ دہشت گردی کے چنگل سے رہا ہو چکا ہوتا۔ قانون کے طالب علم ہونے کے ناطے راقم کی رائے میں پاکستان کے تمام خطوں کے ساتھ برابری کی بنیادوں پر معاشی سلوک نہ کر کے ایسا بیج بویا گیا ہے کہ اِس کا شاخسانہ ہم ماضی میں سقوطِ ڈھاکہ کی شکل میں دیکھ چکے ہیں۔ انسانی آزادیوں کے حوالے سے ہمارے ملک کا ٹریک ریکارڈ کسی صورت بھی تسلی بخش نہیں ہے حتیٰ کہ پرویز مشرف کے دور میں گمشدہ افراد عدالت عظمیٰ کی سر توڑ کوشش کے باوجود آج تک برآمد نہیں کیے جا سکے۔ پاکسانی ایجنسیوں کا کردار کا ذکر تو بہت ہوتا ہے اور اُن کے خلاف باقاعدہ کئی مرتبہ محاذ بھی کھڑا کیا گیا لیکن ہنوز دلی دور است۔ ہمارے

ایک طرف عیار دشمن بھارت جو تقسیم ہند کو پاپ کہتا ہے دوسری طرف امریکی سرکردگی میں پوری دنیا کی افواج افغانستان میں خون کی ہولی کھیلنے کے بعد اب کسی اور شکار کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ کشمیر کا معاملہ ہنوز حل طلب ہے۔ ان حالت میں تو پاکستانی معاشرے کو اندرونی معاذ پر انتہائی مضبوط ہونا چاہیے ۔لیکن حالات ہیں کہ ناقابلِ بیان ہیں ۔ 1) بے روزگاری عروج پر ہے 2 (انرجی کے بحران نے معیشت کا دھڑن تختہ کر دیا ہے (3 عوام گرمی کی چیرہ دستیوں اور حبس کے موسم میں اٹھارہ گھنٹے بجلی سے محروم ہیں۔

تعلیم کا میدان ہو یا صحت عامہ کی سہولتیں ہر طرف ہی لٹیا ڈوبی ہوئی ہے۔ ایسے) 4 میں نئی حکومت سے کسی چھومنتر کی توقع رکھنا عبث ہے یقینا یہ بات قابل اطمینان ہے کہ پاک فوج کا مورال بلند ہے اور وہ ہر وقت دفاع وطن کے لیے تیار ہے اور گزشتہ کئی سالوں سے حالتِ جنگ میں ہے ۔اِس کے باوجود کہ حالات کسی جانب بھی تسلی بخش نہیں ہیں لیکن معاشرے کو ہر صورت میانہ روی کی ضرورت ہے۔

حکومت کرنے والوں کی یقینا اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں لیکن پاکستان کے چاروں صوبوں، بشمول گلگت بلتستان و آزاد کشمیر کو ہر حال میں ترقی کے یکساں مواقع ملنے چاہیں۔ اس مقصد کے لیے آئینِ پاکستان مشعلِ راہ ہے تاکہ کسی ایک بھی

فرد کو کسی بھی طرح سے اُس کے حق سے محروم نہ رکھا جائے۔ سکول کالج، ہسپتال، کارخانے، پارک، سڑکیں ڈیم پُل، ذرائع نقل و حمل، روزگار کے مواقع وغیرہ پاکستان کے ہر خطے میں رہنے والے ہر فرد کا حق ہیں۔ بلوچستان کا دور افتادہ گاؤں، سندھ کا گوٹھ، خیبر پختون خواہ کا قبائلی علاقہ، کشمیر دھرتی کے سنگلاخ چٹانوں میں رہنے والوں، گلگت بلتستان کی وادیوں سب کے رہنے والوں کا پاکستان کی ایک ایک انچ پر برابر کا حق ہے پاکستان کے تمام وسائل سب کے لیے ہیں۔ میڈیا کی آزادی نے کافی حد تک آگاہی دی ہے اور اب کسی بھی علاقے کے افراد کو اُن کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنا مشکل ہے۔

معاشرتی رہن سہن اور رواجات میں معاشی حالات کا بہت گہرا تعلق ہے اور معاشی حالات درست سمت تک اُس وقت تک نہیں کیے جا سکتے جب تک ملکی عوام امن وسکون کی زندگی بسر نہ کر رہے ہوں۔ انسانی بنیادی ضروریات عوام کے مفادات کی ذمہ داری جن محکموں پر قانونی طور پر لاگو ہے اُن کی طرف سے چشم پوشی اور کوتاہی موجودہ دور میں بہت بڑا المیہ ہے۔ جب قانون پر عملدرآمد نہ ہو رہا ہو تو پھر معاشرے کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے حکمران حاکمیت کے مزے لوٹنے کی بجائے عوامی خدمت کو پیش نظر رکھیں کیونکہ اگر اب بھی موجودہ حکمرانوں نے سابقہ حکمرانوں کی طرح عوام کو نوچنا بند نہ کیا تو پھر معاشرتی زوال اُن کا مقدر ہوگا تب اُن کی حکمرانی قائم نہ رہ سکے گی کیونکہ حکمرانی کرنے کے

لیے سابقہ حکمرانوں نے پورے ملک کو میں افراتفری کی جو آگ لگا رکھی تھی جس میں اب تو عوام جل رہے ہیں اُس کے بعد اِس آگ میں جلنا اُن سابقہ حکمرانوں کا مقدر ٹھر گیا ہے۔ کس قدر المیہ ہے کہ جب کوئی بھی شخص آئین کی پاسداری کی بات کرتا ہے تو اُسے سازشی گردانا جاتا ہے۔ قران جیسا کوڈ آف لائف رکھنے کے باوجود اور نبی کریم ﷺ کے پیروکار کہلوانے کے باوجود ہمارے معاشرے میں جو درگت عام آدمی کی بنی ہوئی ہے اس سے تو یہ بات قرین قیاس ہے کہ خدانخواستہ یہ انسانی معاشرہ ہی نہیں ہے بلکہ حیوانات کی حیوانیت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے ہمارا معاشرے تو بیچارہ جنگل کے قانون سے بھی محروم ہے یہاں تو انصاف بکتا ہے اور اشرافیہ اِس کی خریدار ہے۔ طاقت کے نشے میں دھت اشرافیہ ملک کے غریب طبقے کو کچلنے پر تُلی ہوئی ہے۔ عام انسان کی نہ تو عزت محفوظ ہے اور نہ زندگی۔ معاشرتی طور پر دیکھا جائے جس طرح کا نظام ہمارے ہاں پنپ چکا ہے ایسے نظام سے یہ توقع لگائے رکھنا کہ یہ نظام عام آدمی کی حالت بدلے گا دن میں خواب دیکھنے کے مترادف ہے۔ ہمارے معاشرے میں بغاوت سی کی صورت ، حال پیدا ہوتی جارہی ہے۔ بیروزگاری کا جن کسی طور بھی قابو میں نہیں آرہا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے سیاستدان کسی طور بھی اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں لیڈر ثابت نہیں کرپارہے لیڈر وہ نہیں ہوتا جو کہ صرف اپنے پیٹ پر ہی ہاتھ پھیرے۔ لیڈر عوام کے لیے باپ جیسا ہوتا ہے اور باپ کا کام صرف محبتیں بانٹنا اور احساس کرنا ہوتا ہے۔ ہماری سوسائٹی میں کاش محمد علی جناح کی

شخصیت جیسا رہنماء ہمیں کوئی میسر آجائے۔ تو یقیناً پاکستانی عوام ان جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے چُنگل سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ عوامی شعور تو بیدار ہے لیکن رونا تو اس نظام کا ہے یہ نظام درحقیقت مسائل کی جڑ ہے۔ مصطفے کریم ﷺ نے جو نظام وضع فرمایا ہے وہ معاشرے سے بے چینی دور کرنے کا نہ صرف داعی ہے بلکہ معاشرے میں امن وسکون کی ضمانت ہے۔ امریکی پٹھو ہر صورت میں امریکی ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ پاکستان کا انتظامی ڈھانچہ ایسی صورت حال اختیار کرچکا ہے کہ جھوٹ کرپشن کا دور دوراں ہے۔امن عامہ کی صورتِ حال کا مخدوش ہونا اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ معیشت کی بربادی کی ذمہ داری امن و عامہ کی گھمبیر صورت حال پر ہے۔ طاقت کا توازن اس سوسائٹی میں ہمیشہ عوام مخالف رہا ہے۔ عوام کی شنوائی کہیں بھی نہیں ہے آئین پاکستان کے آرٹیکل 62 اور 63 کے معیار پر کونسا عوامی نمائندہ پورا اُترتا ہے۔ کونسلر بننے کے لیے تھانے کچہری کی سیاست کرنا پڑتی ہے ایم این اے اور ایم پی اے بننے کے لیے کیا کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا ہے۔آزادی کے حقیقی ثمرات عوام الناس تک نہ پہنچنے کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی جدائی ہوئی۔

ناقص پلاننگ اورٹی ایم اے کارشوت خور عملہ اور کاہل افسرن ذمہ دار ہیں

لاہور میں چونکہ آبادی کا دباؤ بہت زیادہ ہے۔ ہر سال آبادی کی شرح میں اضافہ 8 % کی شرح سے ہو رہا ہے جس سے اگر دیکھا جائے تو لاہور شہر کی مات مار کر رکھ دی ہے۔ کراچی میں امن و امان کی صورتحال کا خراب ہونا۔ چھوٹے شہروں میں ملازمتوں و دیگر روزگار کی ذرائع کی کمی کے ساتھ ساتھ تعلیم اور علاج کی سہولتوں کا فقدان بھی بہت بڑی وجہ ہے کہ لاہور شہر پر آبادی کا دباؤ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ دوسرا اہم عامل یہ ہے کہ پنجاب دس کروڑ آبادی کا صوبہ ہے۔ اور اٹک سے لے کر رحیم یار خان راجن پور کے دور دراز کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اِس صوبے کی قسمت کے فیصلوں کا مرکز بھی لاہور ہے۔ پنجاب اسمبلی، سیکرٹریٹ ایئر پورٹ ودیگر دفاتر و لاہور ہائی کورٹ ہونے کی بناء پر بھی دس کروڑ آبادی کو لاہور کی جانب رجوع کرنا پڑتا ہے۔اب صورتحال یہ ہے کہ تقسیم ہند کے وقت سے لاہور میں رہائش رکھنے والوں کی تعداد کے مقابلے میں دوسرے شہروں سے آبادی کا بہاؤ لاہور کی جانب جاری ہے۔ اِس وجہ سے لاہور میں ایک تو کھانے پینے کی اشیاء اور رہائشی سہولیات دوسرے شہروں کی نسبت کافی مہنگی ہیں۔میڈیا ہاوسز کی بہتات بھی لاہور کی جانب رُخ کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کیے ہوئے ہے۔ مشرف دور میں پرائیوٹ اور پبلک سیکٹر میں یونیورسٹیوں اور میڈکل کالجوں میں بہت اضافہ

ہوا اور اب تقریباً ہر ڈویژنل ہیڈ کوارٹر میں میں تعلیم کی سہولیات پہنچ چکی ہیں۔ لیکن پرائیوٹ یونیورسٹیوں کے قیام کی وجہ سے ڈگریوں کی لوٹ سیل لگی ہے اور یوں کاغذ کی ڈگریوں کی بہتات ہے اور علم و تربیت کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں ہے۔
حکومت اشتہاروں میں تو خوب پھل پھول رہی ہے لیکن عوام کا مہنگائی اور بجلی گیس کے بحران نے کچومر نکال رکھ چھوڑا ہے۔ لاہور میں میٹرو ٹرین کی وجہ سے لوگوں کو جو سہولیات میسر آئی ہیں وہ یقینی طور قابلِ تعریف امر ہے۔ اِسی طرح اورنج ٹرین کا منصوبہ بھی عوامی سہولت کا بہت بڑا سنگِ میل ہے۔ لیکن لاہور کے مسائل شاید گھمبیر سے گھمبیر ہوتے ہوئے جا رہے ہیں۔ لاہور میں تجاوزات کی بھرمار ہے اِس کی بنیادی وجہ قانون کی بالادستی کا نہ ہونا اور مقامی انتظامیہ کا رشوت خور عملہ ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ لاہور کے نواحی علاقوں میں بھی تجاوزات کا یہ عالم ہے کہ پیدل چلنا مشکل ترین کام ہے۔ لاہور کے ڈی سی او صاحب کو فوری طور پر تجاوزات کے خلاف بھرپور اور بلا امتیاز آپریشن شروع کر دینا چاہیے۔ دھرمپورہ سے مغلپورہ آتے ہوئے ایک عظیم رائل پام کلب تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ رائل پام کلب وی وی آئی پی شخصیات کی وجہ سے ہر وقت ٹریفک کے رش کا سبب بنا رہتا ہے۔ یوں دھرمپورہ سے مغلپورہ تلک ٹریفک پھنسی رہتی ہے رائل پام کے ساتھ ہی چوبچہ ریلوئے پھاٹک ہے اور اِس سے تھوڑا سا آگے گریفن گروانڈ سے پہلے ہی پھر ریلوئے پھاٹک ہے۔ اب اِن دونوں ریلوئے پھاٹکوں پر انڈر پاس تعمیر ہونا اشد ضروری ہے۔ رائل

پام پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کے پروگراموں اور وی وی آئی پی موومنٹ کی وجہ سے ٹریفک کا جام رہنا معمول بن چکا ہے۔رائل پام سے لیکر مغلپورہ چوک تک پھل بیچنے والوں کی ریڑھیوں کی بھرمار ہے۔ جہاں لوگ پھل خریدنے کے لیے رکتے ہیں اور یوں رش لگا رہتا ہے۔اِسی طرح مغلپورہ چوک سے شالیمار چوک میں تجاوزات کا عالم یہ ہے کہ فٹ پاتھ نام کی کوئی شے نظر ہی نہیں آتی۔مغلپورہ چوک میں ٹریفک وارڈن کو ڈھونڈنے کے لیے کسی جادوئی عینک کی ضروت ہے۔اِسی چوک پر موٹر سائیکل رکشا والے اِس طرح دندناتے پھرتے ہیں جیسے کہ جنگل کا قانون ہو۔مغلپورہ چوک سے رام گڑھ سٹاپ تک فٹ پاتھ سمیت کوئی راسے پیدل چلنے والوں کے لیے میسر نہیں ہے۔ دکانیں ہیں کہ سڑک کے اوپر تک پھیلادی جاتی ہیں۔شالیمار لنک روڈ میں تجاوزات کی بھرمار نے پیدل چلنا مشکل کر دیا ہے۔اِس روڈ پر واحد ہسپتال شالیمار ہے جس سے ملحقہ شالیمار میڈیکل کالج بھی ہے۔ ایمرجنسی کے لیے اِس روڈ پر سے گزرنا مشکل بنادیا گیا ہے۔ سڑکوں پر مختلف قسم کی چیزوں کے اسٹال، فٹ پاتھ تو نظر ہی نہیں آتے۔ حالانکہ شالیمار باغ قریب ہونے کی وجہ سے اِس سڑک کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے اور اِس سڑک کو بھی وی وی آئی پی کا درجہ کاغذوں میں حاصل ہے۔ ٹی ایم اے کے عملے کی ملی بھگت سے بے شمار عارضی دکانیں سجی ہوئی ہیں حتیٰ کہ سڑک پر ہونے والی ناجائز تجاوزات پہ بننے والی دکانوں نے بجلی کے میٹر لگا رکھے ہیں۔مغلپورہ نہر کے پل سے جیسے ہی شالیمار لنک روڈ پر آئیں تو انتہائی بے ہنگم قسم کا ہجوم جنگ

چی رکشوں کی بھرمار، ٹریفک جائے بھاڑ میں۔چنگ چی رکشے والے حادثات کا موجب بن رہے ہیں۔ساتھ ہی ریڑھیاں لگی ہیں اور ٹائر کو پنکچر لگانے والوں نے مغلپورہ چوک سے گزرنا اذیت ناک بنا دیا ہے۔ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ ٹریفک پولیس کے وارڈن یہاں صرف استراحت فرمانے کے لیے آتے ہیں۔ مجال ہے کہ ٹریفک کو کنٹرول کریں۔ ساتھ ہی مغلپورہ تھانہ ہے۔ تھانے سے لے کر شالامار آنے تک اگر فٹ پاتھ نظر آجائے تواُس کی تصویر کشی کر لینی چاہیے۔ رام گڑھ سٹاپ، چار نمبر گلی سٹاپ پہ تو تل رکھنے کی جگی نہیں دکانداروں کی جانب سے فٹ پاتھ سے آگے تلک سڑک پر قبضہ۔ ساتھ ہی قبرستان کیساتھ سڑک پر پھول بیچنے والوں کا تاحیات مکمل قبضہ حتیٰ کے سڑک پر ہی ڈیپ فریزرز رکھے ہیں۔ جن میں اُنھوں نے قبروں پہ ڈالنے والے ہار رکھے ہیں اور چوری کی بجلی سے مردوں کو ثواب پہنچارہے ہیں اور جو زندہ ہیں اُن کو گزرنے تک کا راستہ نہیں دے رہے۔ تو جناب قبرستان اور درس سٹاپ کی حالت بھی بہت پتلی ہے۔درس سٹاپ سے پیدل گزرنا ناممکن ہے۔ مچھلی والے، کباب اور پھل بیچنے والوں نے درس سٹاپ سڑک کے اوپر ایسے قبضہ کیا ہوا ہے جیسے یہ سڑک اُن کا وراثتی حصہ ہے۔ خواتین اور بچوں کا تو یہاں ل سے گزرنا انتہائی مشکل بنا دیا گیا ہے۔درس سٹاپ سے شالیمار ہسپتال تک فٹ پاتھ بمعہ سڑک تجاوزات کی نظر ہے اور یوں ہسپتال پہنچے تک انتہائی جتن کرنا پڑتے ہیں۔ ڈی سی او لاہور کو ای میل کی وساطت سے متعدد مرتبہ پیغامات دیے ہیں سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کی فیس بک پر کمپلینٹ کی ہے لیکن

الیکٹرنک میڈیا پہ شہری مشکلات کا ازالے کرنے کے دعوے دار بھنگ پی کر سو رہے ہیں۔شالامار ہسپتال سے لے کر شالیمار باغ کا بھی یہی حال ہے۔اگر ہرکام خادم اعلیٰ نے ہی کرنا ہے تو بند کریں پھر سارے محکمے۔ اتنی لمبی چوڑی ملازموں کی فوج کیوں رکھی ہے۔اِس علاقے میں آبادی کے بے پناہ دباؤ کی وجہ سے شہری حکومت کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔آبادی کا دباؤ تو واقعی بہت زیادہ ہے لیکن اِصل وجہ قوانین پر عمل درآمد کروانے والوں کی سُستی ہے۔ اگر ٹریفک کے قوانین کی عملداری یقینی بنائی جائے اور ناجائز تجاوزات کا خاتمہ ہوجائے اور وی وی آئی پی موومنٹ سے قوم کی جان چھوٹ جائے تو یقینی طور پر اِس شہر میں ڈھنگ سے جیا جا سکتا ہے۔مال روڈ پر آئے روز مظاہرے ہال روڈ میکلوڈ روڈ، بیڈن روڈ، مال روڈ کے تاجروں کے زہر قاتل بن چکے ہیں اُن کا کاروبار تباہی کا شکار ہے اور ٹریفک جام ہونے سے شہری ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں۔ حالانکہ لاہور ہائی کورٹ یہ حکم صادر کر چکی ہے کہ مال روڈ پر جلوس نہ نکالے جائیں۔ لیکن قانون کی پاسداری کرنا تو ہمارے معاشرے میں بزدلی تصور کیا جاتا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ جی پی او چوک انارکلی استنبول چوک ایوان عدل، سیکرٹریٹ، سیشن کورٹ پی ایم جی چوک ضلع کچہری، داتا دربار کے مقامات پر ٹریفک جام رہتی ہے وجہ ٹریفک قوانین کی بالا دستی نہ ہونا اور نام نہاد وی آئی پی کلچر کا تماشہ ہے۔ٹریفک وارڈن خود کو کسی سلطنت کا شہزادہ تصور کیے ہوئے رہتے ہیں اور ہر وقت ٹولیوں کی صورت میں گپیں ہانک رہے ہوتے ہیں یا

پھر کانوں میں موبائل لگایا ہوتا ہے۔پوری معاشرے کا ہوس زدہ اور بے حس ہوجانا اِس حدتک ہے کہ ایمبولینس کو راستہ بھی دینے کو کوئی تیار نہیں ہے۔ لاہور کی پلاننگ کے حوالے سے حکومت مہنگے ہوٹلوں میں سیمنار کرواتی ہے لیکن پلاننگ سے بھی زیادہ ضروری یہ امر ہے کہ پہلے کی گئی پلاننگ کی بھی پاسداری کی جائے۔

محقق دانشور صدارتی ایوارڈ یافتہ سیرت نگار جناب ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری

فیصل آباد کی سرزمین نے ملک وملت کی رہنمائی کے لیے عظیم ہستیوں کو جنم دیا ہے اور اِسی طرح فیصل آباد کا ملکی معیشت میں بہت اہم عمل دخل ہے۔ عشق رسول ﷺ کی سرخیل تنظیم جس نے نوجوانوں کے قلوب واذہاں کو عشق مصطفے ﷺ کی لو سے سرفراز کیا اُس میں فیصل آباد کی نہایت محترم ہستی جناب ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری صاحب ہیں۔ پیشے کے لحاظ سے سکن کے سپیشلسٹ۔علامہ اقبال میڈکل کالج میں زیر تعلیم رہے لیکن عشق مصطفے ﷺ کے فروغ کے ہمیشہ تگ وتاز جاری رکھی ہے۔ چند برس پہلے حق پبلشرز کے برادر عدیل حق نے مجھے ڈاکٹر عبدالشکور صاحب کی لکھی کتاب عطا فرمائی تو یوں میرا ڈاکٹر صاحب کی تحریروں سے رشتہ استوار ہوا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو ایس ایم ایس کرکے کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دی۔ یوں پھر رابطہ جاری ہے۔ سوشل میڈیا کی وجہ سے فیس بک کی بدولت ڈاکٹر صاحب سے رابطہ ہے۔ یوں کبھی کبھار گفتگو بھی ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے کمال محبت سے اپنی تمام کتابیں اِس ناچیز کو بھجوائیں۔ ڈاکٹر صاحب کی نبی پاک ﷺ کی سیرت کے حوالے سے پنجابی زبان صدارتی ایوارڈ حاصل کر چکی ہے اور اِس کتاب کا اردو ایڈیشن بھی شائع ہوچکا ہے۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر صاحب علیل رہے تو راقم نے اُن کی خریت دریافت کی تو فرمانے لگے دُعا فرمائیں کہ اللہ پاک زندگی کی مزید ساعتیں عطا فرمائے

تاکہ مزید کام کر سکوں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو عمر خضر عطا فرمائے آمین۔ ڈاکٹر صاحب نے جو تصانیف مرتب کی ہیں۔ اِن میں مرکزی نکتہ جو ہے وہ عشقِ رسول ﷺ کا ہے۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا نبی پاک ﷺ کی محبت کو بنایا ہوا ہے اور اللہ پاک نے اِن کے اِس جذبہ عشق رسول ﷺ کی بدولت اِن کو دینی و دُنیاوی رفعتوں سے نوازا ہے۔ فیصل آباد میں المصطفیٰ رائٹر فورم کے زیرِ اہتمام عشق مصطفےٰ ﷺ کے حوالے سے مختلف انداز میں کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بطور ڈاکٹر دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے ساری زندگی وقف کی ہوئی ہے اور المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی کے زیرِ اہتمام اکثر فری میڈیکل کیمپوں کے ذریعے معاشرے کے وسائل سے محروم طبقات کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر جاید صدیقی صاحب نے جناب ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری صاحب کے حوالے راقم کے ساتھ اپنی گفتگو میں ڈاکٹر صاحب کی عظیم خدمات کا اظہار کرتے ہوئے اِنھیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب انجمن طلبہء اسلام پنجاب کے سیکرٹری رہے اور یوں انجمن طلبہء اسلام کے مشن فروغِ عشق رسول ﷺ کے لیے خود کو زمانہ طالب علمی سے ہی وقف کیے ہوئے ہیں۔ ایک اہم بات جس کا اظہار کرنا ضروری ہے کہ علماء اکرام کا ہماری زندگیوں پہ بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ لیکن فی زمانہ دین اسلام کی حقانیت کو طالبان داعش جیسے خارجی فتنوں نقصان پہنچایا ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالشکور ساجد انصاری نے اسلام کی اُن روایات کے فروغ کے لیے سعی کی ہے جس کا مقصد اسلام کی ایسے تعبیر ہے جو کہ

امن محبت اور بھائی چارے پر مبنی ہو۔ موجودہ دور میں جس طرح سے مادیت پرستی سے بھرپور مہم کی وجہ سے آج کا پاکستانی دلبرداشتہ ہے۔ ملک میں افراتفری کا عالم ہے، دہشت گردی، مہنگائی، بجلی کی لوڈشیڈنگ۔ امن وامان کی بدترین صورتحال۔ سیاسی عدم استحکام، نام نہاد سیاستدانوں کے ملک دُشمن بیانات، بھانت بھانت کی بولیاں ہر طرف سے یہ آوازیں کہ اگر ہم اقتدار میں نہ آئے تو یہ ملک ٹوٹ جائے گا۔ ہر طرف سے مایوسی کی آوازیں۔ ان حالات میں عام پاکستانی کا دل ودماغ انتہائی کرب وتکلیف میں مبتلا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے اپنی پروڈکٹ کے لیے بھرپور میڈیا مہم بھی عام پاکستانی کو مجبوری اور غربت کا احساس دلاتی ہے۔ اطمینانِ قلب نہ ہونے سے قناعت کا احساس بھی جاتا رہا ہے۔ بندہ مومن کے اوصاف سے عاری کرنے کے لیے اس قوم کو مایوسیوں کے اندھیرے میں ڈوبو دیا گیا ہے۔ ہر شخص کے لیے روٹی کھانا ہی مشکل ٹھر گیا ہے۔ ان حالات میں لیڈرانِ قوم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ملک وملت کی قیادت کا حساب چکائیں۔ لیکن ان مایوسیوں سے نکلنے کے لیے قوم کو جن رہنماؤں کی قیادت درکار ہے وہی قیادت تذبذب میں مبتلا ہے۔ معاشرے کے وہ افراد جو کہ نفوذ پذیری کے حامل ہیں مثلاً وکلاء، ڈاکٹرز، اساتذہ، علماء اکرام، ان تمام صاحبان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قوم کو امید دلائیں۔ مایوسیوں سے نکالیں اور اپنے وطن سے پیار کا ماٹو اپنائیں۔ سادگی کو شعار بنائیں۔ قوم کو محبت بھائی چارے کا عملی نمونہ قائم کرکے دکھائیں۔ نفسیاتی

طور پر قوم کو حوصلے کی ضرورت ہے۔ حوصلہ کے لیے مالی وسائل سے زیادہ رب پاک پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ بندے کا یہ ہر وقت احساس کہ مایوسی گناہ ہے۔رب پاک امید کا نام ہے۔رب پاک محبت سے بھرپور ہستی ہے۔رب پاک سے جب ہم امید باندھ لیتے ہیں۔تو پھر ہم خود کو اپنے دُکھوں اور غموں سمیت اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے رب کے حوالے کر دیتے ہیں۔ مخلوق کا اپنی تمام تر کوتائیوں کے باوجود خود کو اپنے رب کے حوالے کرنا۔اس بات کی نشاندھی ہے کہ مخلوق خالقِ کائینات کو ہی اپنے تمام تر دکھوں اور تکلیفوں کے حل کرنے اور اُن کا مداوا کرنے والا سمجھتی ہے۔جب مخلوق اپنے دکھوں کے مداوے کے لیے اپنے حالات اپنے رب کے سامنے عرض کرتی ہے تو پھر خالقِ کائینات جو ہر شے پر قُدرت رکھتا ہے وہ اپنی مخلوق کو مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں بھٹکنے نہیں دیتا۔جب خالق کائینات خود ارشاد فرماتا ہے کہ جس نے مایوسی اختیار کی اُس نے گویا کفر کیا۔امید کو مستحکم کرتے ہوئے جب انسان اپنا درد اپنی آرزو اپنے رب کے سامنے عرض کردیتا ہے۔ تو پھر خالقِ کائینات اپنے بندے کو مایوس نہیں لوٹاتا۔جو رب پاک اپنے بندے کو مایوسی اختیار کرنے سے روکتا ہے وہ رب پھر اپنے بندے کو کیسے مایوس کرسکتا ہے۔رب پاک کے آگے جب عرض کردی جاتی ہے تو پھر ایک ایسی لافانی قوت کا ہالہ بندے کے گرد قائم ہو جاتا ہے جو اُس کو مایوسیوں سے بچاتا ہے اور اُس کے اندر موجود قوتِ ارادی کو مظبوط سے مظبوط کرتا چلا جاتا ہے۔بندہ اپنے دکھ اپنے رب کی خدمت میں عرض کرنے کے بعد دکھوں

اور تکلیفوں کے بوجھ سے نکل جاتا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی تگ و تاز کو اپنے رب کی دی ہوئی توفیق سے معاشرے کی اصلاح کے لیے جاری رکھا ہوا ہے۔ راقم کو یہ بات کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ ڈاکٹر صاحب جیسی نابغہ روزگار ہستیاں ہمرائے معاشرئے کیے غنیمت ہیں اور سماجی حوالے کے ساتھ ساتھ روحانی علاج کی تدبیر بھی کیے ہوئے ہیں۔ یوں روحانیت کے علمبردار ہونے کی حثیت سے ڈاکٹر صاحب نے عشق رسول ﷺ کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا مرکز و محور بنانے کی طرف خود بھی سعی کی ہے اور ملک وملت کی رہنمائی بھی اِس سمت کی ہے۔ڈاکٹر صاحب کی مندرجہ ذیل تصانیف شائع ہوچکی ہیں۔ا) خیر البشر ﷺ (۲) ماہ عرب ﷺ (۳) قندیل حرم (۴) پیکر جمال (۵) لبیک یارسول اللہ ﷺ (۶) سید العالمین ﷺ (۷) صبح سعادت (۸) آدابِ محفل نعت (۹) ماہِ ولایت (۱۰) فیضانِ حرا (۱۱) نماز میری معراج (۱۲) امراضِ جلد۔مزید نگارشات بھی زیر طبع ہیں۔اِسکے علاوہ جناب ڈاکٹر صاحب سماجی اور مذہبی حوالے سے بھرپور خدمات انجام دئے رہے ہیں۔آپ چیئرمین المصطفیٰ تھنکرز فورم فیصل آباد ہیں۔ عالمی اسلام کے عظیم تحقیقی ادارئے جو کہ ڈاکٹر اسحاق قریشی جیسی عظیم ہستی کی سرپرستی میں تحقیقی کام کر رہا ہے اُس کے جنرل سیکرٹری کی ذمہ داری بھی جناب ڈاکٹر عبدالشکور انصاری نبھا رہے ہیں۔آپ سیکرٹری بورڈ آف گورنرز المصطفیٰ قران اکیڈمی فیصل آباد بھی ہیں۔اِس کے علاوہ آپ سیرت رنگ اور کتاب لڑی میگزین فیصل آباد کے روح رواں ہیں۔آپ المصطفیٰ میگزین کے بھی چیف ایڈیٹر ہیں۔آپ کی

کتاب خیر البشر پنجابی زبان میں تحریر کی گئی ہے اُسے صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

ادب سرائے اور ڈاکٹر شہناز مزمل

ادب سرائے ماڈل ٹاون لاہور کی چیئرپرسن ڈاکٹر شہناز مزمل گذشتہ تین دہائیوں سے تشنگان علم و ادب کے لیے چراغِ راہ بنی ہوئی ہیں۔ کسی قسم کے تجارتی ہداف سے ماورا محترمہ ڈاکٹر صاحبہ علم و آگہی کے موتی بکھیر رہی ہیں کتاب سے اُن کا تعلق ایسا ہی ہے جیساکہ اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔چند برسوں سے سوشل میڈیا کے توسط سے اِن سے رابطہ ہے اور مجھے ہمیشہ اپنا چھوٹا بھائی کہتی ہیں۔اُن کی خصوصی دعوت پر حذیفہ اشرف اور مجھے اِس عظیم خاتون سے ملاقات کا شرف ادب سرائے میں ہوا۔زندگی کو جس انداز میں ڈاکٹر صاحبہ نے سمجھا ہے وہ وہی اسلوب ہے جس طرح کا انداز اللہ پاک کے ولیوں کا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ ایک ممتاز شاعرہ، نثر نگار ہیں اُس کے ساتھ ساتھ فلاحی کاموں میں بھی اپنا کردار ادا کرہی ہیں۔اِس حوالے سے جب اُن سے گفتگو ہوئی تو اُنھوں نے اپنے آپ کو فلاحی کاموں میں وقف رکھنے کا سبب جو بتایا وہ یہ ہی تھا کہ اِس زندگی کا مقصد دکھی انسانیت کے لیے آسانیاں پیدا کرنا ہے۔ڈاکٹر صاحب گذشتہ تیس سالوں سے ادب سرائے میں مختلف تقریبات منعقد کر رہی ہیں۔ فیض گھر میں بھی کافی عرصہ اُنھوں نے مختلف ادبی نشستوں کا انعقاد کیا۔دُنیا کے حرص سے دور اپنے رب کی محبت میں زندگی گزارنے والی ڈاکٹر شہنار مزمل ایک بہت بہادر خاتون ہیں۔ اِن کی شاعر میں جابجا اپنے رب

کے شکر کا اظہار ملتا ہے۔ ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس کے اندر طمع نہ ہو۔ مجھے جب بھی ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ کی شاعری سے استفادہ ہونے کا موقع ملا تو یہ وہ لمحات ہوتے ہیں جب دل اور نگاہیں وضو کرتی ہیں۔ مجھے ایک افتخار یہ بھی حاصل ہے کہ محترمہ ڈاکٹر صاحبہ نے مجھے چھوٹے بھائی کا درجہ عطا فرمایا ہے اور یہ افتخار میرے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔ اکثر میں جب بھی کوئی ٹوٹے پھوٹے الفاظ لکھتا ہوں تو ڈاکٹر صاحبہ کی جانب سے ہمت بندھائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کی شاعری کے حوالے سے میرے جانب سے کچھ ضبطِ تحریر میں لانا ایسا ہی جیسے کوئی ناخواندہ کسی عالم کی مدحہ سرائی کر رہا ہو۔ لیکن کیونکہ ڈاکٹر صاحبہ کی الفاظ میں رب پاک، نبی پاک ﷺ، اہل بیتؓ وصحابہ اکرامؓ کی عقیدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے اِس لیے مجھ جیسا شاعری کے مدو جزر سے نا آشنا بھی خود کو فیض یاب پاتا ہے۔ اِنسانی جذبات اور رویوں کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا گویا ڈاکٹر صاحبہ پر رب پاک کا خاص احسان اور عنائت ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کی اپنی زندگی میں جو تنہائی ہے اُس کیفیت نے اِن کو ایسے جذبوں کا ترجمان بنایا ہے جس کو بیان کرنا ناممکن ہوتا ہے اِیسی کیفیات صرف محسوس ہی کی جا سکتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے ادب سرائے کو جس انداز میں رونق بخشی ہے وہ اُنھی کی ذات کا ہی خاصہ ہے۔ بچوں کو کہانی سُنانے کو وہ انداز جو ہم اپنے بچپن میں اپنی ماں یا دادی سے سنا کرتا تھے اُس روایت کو ڈاکٹر صاحبہ نے تقویت بخشی ہے۔ شہناز مزمل صاحبہ کی شاعری میں بلا کی دوربینی ہے۔ وہ لکھنے

والے ایسے قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں جہاں مادیت چھو کر بھی نہیں گزری۔ ڈاکٹر صاحبہ کی شاعری میں نوجوان لڑکی کے احساسات کی ترجمانی بھی ملتی ہے اور ماں کی ممتا بھی اپنا حساس سراپا اپنے گرد لپیٹے ہوئے ہے۔ وطن سے محبت اور دین کی سرفرازی گویا اُن کی شاعری کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں دہشت گردی غربت نے جو پنجے گاڑ رکھے ہیں اُس پر بھی ڈاکٹر صاحبہ کو بہت قلق ہے۔ عورت کی روایتی سماج میں جو حثیت ہے اُس پر بھی ڈاکٹر صاحبہ دکھی ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحبہ کی شاعری کے سفر کو دیکھا جائے تو ایک بات روز روش کی طرح عیاں ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ علم و عرفان کی ایک ایسی محترم ہستی ہیں جن کے ہاں الفاظ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں ڈاکٹر صاحبہ کی اپنی زندگی کے وہ رُخ بھی آپ کی شاعری میں محسوس کیے جا سکتے ہیں جن سے اُن کو گزرنا پڑا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کی شاعری صرف ادب برائے ادب نہیں بلکہ ادب برائے فلاح انسانیت ہے۔ کاش پاکستان میں رہنے والے احباب دانش ڈاکٹر صاحبہ کی سوچ کو اپنے لیے رہنمائی کا ایک منبع تسلیم کرتے ہوئے معاشرے میں امن و سکون بھائی چارے خوفِ خدا کے لیے اپنے شبانہ روز کوششوں سے معاشرے کو معتدل بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ میں پیشے کے لحاظ سے وکالت سے منسلک ہونے کے سبب روزانہ انتہائی تکلیف دہ حالات سے دوچار ہوتا ہوں جب معاشرے میں بے رحمی کے ایسے ایسے واقعات دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ ڈاکٹر شہناز صاحبہ کی شاعری بھی درحقیت انسانی تمدن کے ہمر دور کے مثبت اور

منفی پہلوؤں کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ چاند کی چاندنی سے پیار اور پھولوں کے مسکرانے کی باتیں ڈاکٹر صاحبہ کی شاعری میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ خود کیونکہ ملازمت پیشہ خاتون رہی ہیں اِس لیے ہمارے معاشرے میں عورت کے حالات کا اِن کو گہرا ادراک ہے ڈاکٹر صاحبہ کی شاعری میں جذبات کی ترجمانی اِس انداز میں ملتی ہے جیسے ڈاکٹر صاحبہ کی واقعی معاشرے کی نبض پر ہاتھ ہے۔ایک ایسے روحانی سفر کی طالب ڈاکٹر صاحبہ ہیں جس سے اُن کی شاعری کو پڑھنے والا قاری بھی متاثر ہوتا ہے اور اُس پر بھی اِس روحانیت کا رنگ غالب آنے لگتا ہے۔ بے شمار کتب اُن کی شائع ہو چکی ہیں اور اب اُن کی کتاب منتخب مجموعہ کلیاتِ مثال شائع ہونے جا رہی ہے جس میں اُن کا بہت سا منتخب کلام شامل ہے۔ اُن کی کتاب عشق دادیوا بہت ہی کمال کی ہے جس میں عورت کے حوالے سے خوبصورت تخلیق شامل ہے شیشے دئے جُسے والی۔ اِس نظم میں عورت کی زندگی کے شب و روز کے امور کا ذکر ہے جس میں وہ اپنے جذبات اور احساسات سے اپنے ارد گرد کے ماحول کو متاثر کرتی ہے۔اِس نظم میں میں محترمہ شہناز صاحبہ نے عورت پر روایتی ظلم کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور عورت کے عظمت کا اعراف بھی کیا ہے کہ اِس عظیم مخلوق کے شیشے کی مانند جسم پر پتھر مارے جاتے ہیں اور پھر بھی یہ عورت ہی ہے جو ہر طرح کے ظلم کو برداشت کرتی ہے اور محبت اور وفا کا پیکر بنی رہتی ہے۔اِسی نظم میں ڈاکٹر صاحبہ نے عورت کے حوالے سے یہ بات کہی ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو عورت کو عزت دیتے ہیں۔ جس

انداز میں اور جس طرح کے الفاظ کا چناؤ محترمہ شہناز صاحبہ نے اِس نظم کیا ہے میری تو آنکھیں بھر آئی ہیں۔جب اِسی نظم میں یہ الفاظ پڑھنے کو ملتے ہیں کہ وہ ہر کسی کا غم اپنی آنکھوں میں ڈال لیتی ہے اور دوسروں کے زخموں کا مداوا بھی کرتی ہے اِتنی تلخ حقیقت کو اتنے مناسب اور چُنے ہوئے الفاظ میں ادا کرنا محترمہ شہناز صاحبہ کا ہی خاصہ ہے۔

اِسی طرح آپ کی نظم تنہائی نے مجھے سحر زدہ کردیا۔ جس میں گزرے ہوئے لمحات کا اِس انداز میں ماتم ہے کہ یہ ماتم ماتم ہوتے ہوئے بھی ماتم نہیں لگتا بلکہ امید کے استعارے کے طور دیکھائی دیتا ہے۔ گزرے ہوئے لمحات اور گجرے کے پھولوں کی مہک کی یادیں دل میں اِک طوفان بپا کیے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی اِس نظم میں یہ ہی سبق دیا گیا ہے کہ یادیں گزرے ہوئے ایام کی تو ساتھ ہیں تم اکیلے نہیں ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں اپنی اِس بڑی بہن کے ادبی کام کو خراج عقید پیش کرنے کی جو کوشش کر رہا ہوں اُس کا شاہد بھرم رکھ سکوں یا نہ۔ مجھے اپنی کم علمی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہے لیکن محترمہ شہناز صاحبہ کی بلند پایہ شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنا میرے لیے اعزاز ہے۔اللہ پاک ڈاکٹر صاحبہ ملک و قوم کے رہنمائی کے لیے عمر خفر عطا فرمائے۔ تقریباً چار گھنٹے ادب سرائے میں محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کی خدمت میں مجھے اور میرے بیٹے حذیفہ کو گزارنے کا موقع ملا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہم کسی ایسی ہستی سے محو گفتگو ہیں جو کہ ہماری غمگسار بھی ہے اور جو انسانیت کے لیے محبت کے جذبوں کی پیامبر بھی ہے۔

قرآن مجید کے ترجمہ کے حوالے سے اُنھوں نے بہت عظیم کا سرانجام دیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں تو اپنی عاقبت سنوارنے اپنی بڑی بہن ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ کے ادب سرائے میں گیا تھا۔ یہ ادب سرائے ہم جیسے دنیا داروں کے لیے امن و محبت کا ایسا گوشہ ہے کہ جس طرح فقیر کی چوکھٹ درد کی دولت عطا کرتی ہے۔ کچھ ایسا ہی ہمارے لیے ادب سرائے ہے۔ اللہ پاک میری بڑی بہن ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ کی عمر دراز کرے اور ملک وملت کی رہنمائی کے لیے اُن کا سایہ ہمارے سروں پر تا ابد قائم رکھے آمین۔

نبی ﷺ سے عقیدت اطاعت میں کیوں نہیں ڈھل پائی

زمانے کے انداز بے شک بدل جاتے ہیں لیکن زمانہ تو ہمارے رب سے ہے رب تو وہی ہے جس نے فرعون، قارون کو مات دی۔

ہزاروں سالوں پہ محیط یہ دُنیا نشیب وفراز سے گزرتی رہی ہے۔ حضرتِ آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے برگزیدہ انبیاء اور رُسل پوری کائنات میں رب کی واحد ربوبیت کے پرچار میں اپنی حیات صرف کرتے رہے۔ دوسرے انبیاء بے شک اللہ پاک کی طرف سے مبعوث ہوئے اور اپنے اپنے دائرہ کار، علاقے میں اپنے فرض کی ادائیگی کرتے رہے۔ ایسا بھی ہوتا رہا کہ ایک ہی وقت میں کئی نبی مبعوث کیے گئے۔ لیکن جب تاجدار ختم نبوت نبی پاک ﷺ مبعوث ہوئے تو اُس وقت کائنات کے ایک ایک ذرے کے لیے آپ ﷺ کی رسالت رحمت بنی۔ رحمتِ عالم حضرت محمد مصطفے ﷺ کی نبوت کا دائرہ کار تمام زمینوں اور تمام آسمانوں اور ایک ایک انسان، چرند پرند، حتیٰ کے درختوں پر الغرض جس طرح اللہ پاک بغیر کسی دوسرے کے شریک کے رب ہے اِسی طرح نبی پاک ﷺ کو جس وقت مبعوث کیا گیا اُس وقت صرف اور صرف آپ ہی اللہ پاک کے نبی اور رسول ﷺ ٹھہرے۔اور نبی پاک ﷺ کا رحمتِ دو عالم ہونا اور قیامت تک آپ ﷺ کا ہی نبی و رسول ﷺ قرار پانا درحقیقت عظمت مصطفے ﷺ کی دلیل ہے کہ جس طرح ہمارا رب یکتا ہے اِسی طرح جس نبی پاک ﷺ کی غلامی کا دعویٰ

مسلمان کرتے ہیں وہ بھی اپنے تمام تر کمال میں بالکل یکتا اور بے مثال ہے۔ نبی پاک ﷺ کی رحمتیں سارے جہانوں پر ہیں اور نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے قاسم کے رُتبے پر سرفراز فرمایا ہے کہ نبی پاک ﷺ اللہ پاک سے لے کر تقسیم فرماتے ہیں۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ایک رب ایک نبی ﷺ ایک قران کی بنیادوں پر کھڑا ہے اور نبی پاک ﷺ نے ہمیشہ اپنے پرائے سب کے لیے دُعا فرمائی۔ جس سال نبی پاک ﷺ کو بہت ہی عظیم صدمات سے گزرنا پڑا یعنی آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرتِ خدیجہؓ کا وصال اور آپ ﷺ کے شفیق چچا جنابِ ابوطالبؓ کا وصال ہوا۔ اِس دور میں جب کہ آپ پر غم کے پہاڑ گر پڑے۔ آپ ﷺ وادی طائف میں تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں تو مشرکین آپ پر سنگ باری کرتے ہیں آپ ﷺ لہو لہان ہو جاتے ہے حتی کہ آپ کے نعلین مبارک میں خون بھر جاتا ہے۔ اللہ پاک فوراً جبریل امینؑ کو بھیجتے ہیں اور وہ آ کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ فرمائیں تو پوری طائف کی وادی کو نیست و نابود کر دیتے ہیں لیکن آ قا کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ نہیں میں تو رحمتِ عالم ہوں اِن لوگوں کو نہیں پتہ کہ میں اُن کا کتنا خیر خواہ ہوں۔

دین اسلام کی حقانیت کے حوالے سے تو سب مسلمان عقیدت و احترام کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں لیکن یہ عقیدت در حقیت صرف زبانی کلامی ہے۔ نبی پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ اور اِس عقیدت اور محبت کا یہ عالم کہ یہ عقیدت عمل میں نہیں ڈھل

پا رہی۔ مسلمانوں کی سابقہ تاریخ عدل وانصاف کے عظیم ستونوں پر کھڑی ہے اور موجودہ حالات میں مصر، افریقہ کے دیگر ممالک، لیبیاء، شام، فلسطین نوحہ کناں کیوں ہے۔ وجہ صرف یہ ہی ہے کہ اللہ سے محبت اور نبی پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ اخلاص سے خالی ہے مطلب یہ کہ یہ دعوئے عمل میں نہین ڈھل پا رہے۔مثال کے طور پر اگر ہم کسی مرض میں مبتلا ہیں اور اُسکی شفایابی کے لیے دوائی ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہم چیخو پکار کر رہے ہوئے کہ مجھے توآرام ہی نہیں آیا تو ہر ذی شعور شخص یہ ہی کہے گا کہ آپ نے تو دوائی تو ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے جب تک دوا استعمال نہیں کریں گے تب تک مرغ کا تریاق کیسے ہوگا۔ مسلم اُمہ خصوصاً پاکستانی قوم کا بھی حال مریض جیسا ہے کہ رب، نبی پاک ﷺ اور قران پاک سب کچھ اُمت کے پاس ہیں لیکن یہ صرف عقیدت کی حد تک ہیں یہ عقیدت عمل میں نہیں ڈھل پا رہی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمل کیسے ہو۔ موجودہ نفسا نفسی کے دور میں ہم نے ہر اُس رسم اور عادت کو اپنا رکھا ہے جس کی وجہ سے کردار سازی وتربیت ایک خواب بن کر رہ گئی ہے۔ معاشرئے کے ہر شعبے کے دیوالیہ پن نے آج ہمیں اُس مقام پر لا کھڑ کیا ہے جہاں پر ہر طرف تباہی ہی تباہی ہے۔ کسے بدلیں گئے حالات ۔ علماء، اساتذہ، ڈاکٹرز، وکلاء، تاجر تو معاشی حثیت کے لیے تگ ودو میں مصروف ہیں تو پھر کونسی ایسی قیادت قوم کو میسر آسکتی ہے جو کہ کھوئی ہوئی میراث واپس لاسکے۔ جو اطیوا اللہ واطیوالرسول ﷺ کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہو۔جو جعلی ڈبہ پیروں کے چنگل سے آزاد ہو۔ جس کی سوچ کے تانے

بانے صرف اُمت کی یکجہتی سے وابستہ ہوں۔جو بھی پارٹی اِس وقت سیاست میں ہے خواہ وہ مذہبی جماعتیں ہیں یا اُن کا انداز سیاست لبرل ہے۔سب اِس وقت عہدوں کے لالچ میں ہیں۔نام نہاد علماء اور سیاسی رہنماء جب پروان چڑھ جاتے ہیں تو تب اُن کے اندر ہونے والی کیمیائی تبدیلیاں انہیں انسانیت سے دور اور مادیت کے نزدیک کر دیتی ہیں۔راقم کے ساری آہ وپکار صرف اِسی نقطے پر آکر ٹھر جاتی ہے کہ قحط الرجال کے اِس دور میں کون ہے جو آگے بڑھ کر پاکستانی معاشرے کی زبوں حالی کا علاج کر سکے۔جو احباب دین کی تبلیغ کے ساتھ وابستہ ہیں وہ سیاست کو شجرِ ممنوعہ سمجھتے ہیں اور سیاست کے روایتی کھلاڑی دینی طبقے کا سیاست میں آنا ناگوار سمجھتے ہیں۔پاکستانی نوجوان نسل بے روزگاری کی ایسی چکی میں پس رہی ہے کہ اِس نسل کو ملک کے معاملات سیاست سے دور کر دیا گیا ہے۔ماضی میں جو مذہبی طبقہ جات جن کا سیاست میں کافی اثر تھا جیسے کہ مولانا شاہ احمد نورانیؒ کی جماعت، جمیت علمائے پاکستان، جماعت اسلامی، جمیعت علمائے اسلام اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ۔اِن جماعتوں کی نفوذپذیری کافی حدتک تھی لیکن فی زمانہ یہ جماعتیں اب اپنے فعالیت کھوچکی ہیں۔

کشمیر کو اور کتنا لہو چاہیے؟

بیسویں اور اکیسویں صدی کی آنکھیں کشمیر میں خون کی ہولی دیکھ کر پتھرا گئی ہیں۔ پچھلے ستر سالوں سے جس طرح ہندو بنیا مسلمانوں کا لہو کشمیر میں بہا رہا ہے۔ شائد کشمیریوں کے لیے یہ ایک ایسا امتحان جو کہ اب ختم ہونے کے قریب ہے۔ جس بھارت کی دوستی میں ہمارے سیاستدان ہلکان ہو جا رہے ہیں وہی بھارت کشمیریوں کو پاکستان سے محبت کرنے کی سزا دے رہا ہے۔ دُنیا کے امن کی راہ میں حائل بہت سے عوامل کے ساتھ ساتھ کشمیری عوام کی غلامی بھی ہے۔ کشمیریوں کو بھارتی درندوں نے زبردستی ظلم اور غلامی کا طوق پہنا رکھا ہے۔ یوں کشمیر میں انسانی حقوق کی جس طرح سے پامالی ہو رہی ہے اور کشمیری عوام جس طرح گاجر اور مولیوں کی طرح کٹ رہے ہیں یہ سب کچھ موجودہ انسانی حقوق کے علمبردار ممالک کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ انسان کا بنیادی حق آزادی ہے۔ سوچ اور فکر کی آزادی تو بہت بڑی نعمت ہے لیکن سب سے گھمبیر معاملہ یہ ہے کہ کشمیری مسلمان جسمانی طور پر بھی غلام ہیں کوئی دن نہیں جاتا جب کشمیر میں خون کی ہولی نہ کھیلی جاتی ہو انسانی آزادیوں کی پامالی کے حوالے سے کشمیر لہو لہو ہے۔ ڈوگرہ راج سے لے کر موجودہ بھارتی تسلط کی آزادی کے حوالے تک بین الاقوامی میڈیا و بین الاقوامی عدالتِ انصاف کا ٹریک ریکارڈ ماتم کدہ بن چکا ہے۔ انسانی عقل و شعور کسی

صورت بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ موجودہ حالات کے تناظر میں اِس حد تک شرمناک سلوک انسانوں کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ پاکستانی معاشرئے پہ کشمیر میں ہونے والی کشمیریوں کی نسل کُشی کا بہت ہی گہرا اثر ہے۔پاکستانی عوام کے دل کشمیریوں کے ساتھ ظلم وستم پہ نوحہ کناں ہے۔عالمی ضمیر کی بے حسی کا عالم یہ ہے کہ کشمیر کا معاملہ اقوام متحدہ میں بے حس وحرکت پڑا ہے اور ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ بیسویں صدی کے آخری عشروں میں روس سپر پاور تھا لیکن اُس کی تمام تر ہمدردیاں بھارت کے ساتھ تھیں۔اِسی طرح موجودہ ادوار میں انکل سام امریکہ بہادر سُپر پاور ہے لیکن امریکہ کا بھی جُھکاؤ بھارت کی جانب ہے۔ کشمیری عوام کی نفسیات پر جو گہرئے اثرات بھارتی ظلم وستم کی بناء پر مرتب ہو رہے ہیں۔اِس بناء پر کشمیریوں کی معاشی سماجی عمرانی حالات غیر موافق ہیں۔ جنوبی ایشاء کا امن اِس وقت داؤ پہ لگا ہوا ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں ایٹمی طاقتیں ہیں۔ یوں ایٹمی طاقتیں ہونے کی بناء پر پورئے جنوبی اشیاء کا امن داؤپر لگا ہوا ہے۔نریندر مودی نے جب سے حکومت سنبھالی ہے۔پاکستانی سرحدوں پر آگ اور خون کا کھیل کھیلا جارہا ہے اور نریندر مودی نے جس طرح حالیہ دنوں میں پاکستانی علاقوں میں اتنا گولہ بارود پھینکا ہے کہ ہماری فوج کے جوان شہری آبادی حتیٰ کے جانور بھی ہلاک کیے گئے انسانی چشم نے یہ تماشا بھی دیکھا کہ فلیگ میٹنگ کے لیے بلائے گئے پاک فوج کے جوانوں کو سینے پہ گولی مار دی گئی۔ یوں سفارتی دُنیا کے معاملات کے حوالے

سے بھارت نے اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا خود لگا دیا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی وادیِ لہو رنگ نے عزم و ایثار کی وہ داستانیں رقم کی ہیں کہ انسانی تاریخ اِس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کشمیری عوام جس طرح کے مسلسل کرب میں سے گزرے ہیں اور ہنوز اِس کا سلسلہ جاری ہے۔ تصور میں یہ بات لائی جائے کہ جس معاشرے میں امن نام کی کوئی چیز نہ ہو۔ ایسا معاشرہ جہاں پر جابر حکومت ہو ایسی سرزمین جو اپنے ہی باسیوں کے خون سے رنگین ہو۔ جہاں کے شہریوں کو ریاستی جبر و ظلم کا سامنا کرنا پڑے۔ گویا ریاست کے ساتھ عوام کی جنگ ہو رہی ہے اور ریاست نے سات لاکھ فوجی کشمیریوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے لیے وادی میں اُتار رکھے۔ اِن حالات میں وادی کی صنعت و حرفت تباہ و برباد ہو چکی ہے۔ معیشت کا گہرا تعلق امن و امان سے ہے۔ وادیِ کشمیر میں امن نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے اُس قوم کے بچوں کی نفسیات رہن سہن کیا ہوگا جہاں اُن کے سامنے اُن کی ماؤں کی عصمت دری کی جارہی ہو جہاں اُن کے باپ اُن کے سامنے قتل کیے جا رہے ہوں۔ جہاں آئے روز نوجوان کشمیریوں کو نامعلوم مقامات پر اغوا کرکے رکھا جارہا ہو۔ ایسے حالات میں کشمیری باشندوں کی نفسیاتی عمرانی حالت خطرناک حد تک خراب ہے۔ نہرو کی جانب سے جب اقوام متحدہ میں جا کر یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ کشمیریوں کو حق استصواب رائے دیا جائیگا جب یہ قرارداد پیش کی گئی۔ اُس وقت یقین دہانی یہ ہی کروائی گئی تھی کہ کشمیری اگر چاہیے تو پاکستان کے ساتھ الحاق کرلیں اور اگر چاہیں

تو بھارت کے ساتھ ہی رہیں۔ لیکن بھارت اپنی ہی پیش کی گئی قرارداد سے پھر چکا ہے۔ کشمیری مجاہدین جن میں جناب شبیر شاہ، سید گیلانی، میر واعظ عمر فاروق، یاسین و دیگر قائدین بھارتی ظلم وستم کے خلاف عَلم بلند کیے ہوئے ہیں۔ کشمیر نے دُنیا کے تمام ممالک میں اپنے لیے توجہ تو حاصل کی ہے لیکن عملی طور پر امریکہ بہادر نے کچھ نہیں کیا بلکہ حالیہ بھارتی دورہ کرنے سے پہلے امریکی صدر اوباما نے کہا ہے کہ بھارت حقیقی معنوں میں ہمارا گلوبل پارٹنر ہے۔ امریکہ جو کہ طاقت کے نشے میں دُھت ہے وہ صرف اپنے مفادات دیکھتا ہے اُس کے لیے کشمیریوں کی زندگی اور موت کی کوئی اہمیت نہیں۔ جس طرح کی انسانی آزادیوں کی بات امریکہ کرتا ہے وہ صرف زبانی کلامی ہیں عملی طور پر تو وہ کسی بھی مسلمان ملک کو سکون میں نہیں دیکھنا نہیں چاہتا۔ امریکہ بہادر تو خطے میں چین کی معاشی ترقی کو روکنے کے لیے بھارت کا ہمنوا بن چکا ہے۔ پاکستان کے اندر ہونے والی دہشتگردی کی کاروائیوں میں بھارت امریکہ اسرائیل تینوں ملوث ہیں۔ منصف بننے کا دعوٰیدار امریکہ خود لُٹیرا ہے۔ پاکستانی حکومت کو کشمیر کی آزادی کے لیے آواز اُٹھانی چاہیے لیکن اِس آواز کو کون سنتا ہے۔ چین نے یہ پالیسی بنا رکھی کہ اُس نے اپنی معیشت کو استحکام بخشنا ہے اور کسی کے ساتھ جنگ نہیں کرنی۔ روس کے ساتھ سرد جنگ کے دنوں سے ہماری مخالفت ہے اور جس طرح امریکہ نے روس کو توڑنے کے لیے پاکستان اور اسلام کو استعمال کیا وہ سب کچھ روس کے سینے پہ ابھی تک مونگ دَل رہا

ہے۔پاکستان کو عجیب و غریب حالات سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔پاکستان کا اندرونی استحکام تو بین الاقوامی طاقتوں کے ہاتھ میں ہے۔ چین کے عالمی سپر پاور بننے کے عمل کی وجہ سے امریکہ بھارت یک جان دو قالب بنے بیٹھے ہیں۔اِن حالات میں کشمیریوں کا پرسان حال کیا ہوگا۔ ہمیشہ سے سُنا کرتے تھے کہ جس کی لاٹھی اُسکی بھینس۔ لیکن جب قوموں کے متعلق تعلیم یافتہ اور مہذب ہونے کی سوچ پروان چڑھی تو شائد معصوم ذہنوں میں یہ بات کہیں اٹک کر رہ گی وہ یہ کہ ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ہونا مہذب ہونے کی نشانی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے عرب کے وحشیوں کو جب مہذب بنایا اُن کی تربیت فرمائی تو یہ اُسی تربیت کا اثر تھا کہ پوری دنیا کی مسلمانوں نے امامت فرمائی اور دنیا کو اچھی حکمرانی کے طور طریقے سکھائے۔ موجودہ دور میں حالات و واقعات نے یہ بات ثابت کردی ہے اور ایک بات شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے کہ امریکہ انٹر نیشنل قوانین کی پامالی کررہا ہے۔ امریکہ جو کہ ہر معاملے میں خود کو گھسیٹتا ہے اور خود کو کوئی اوتار سمجھے ہوئے ہے۔اُسے دُنیا میں موجود مسلم عوام ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ اقوام متحدہ اور امریکہ کا موجودہ کردار کسی طور بھی انٹر نیشنل قوانین کے تحت نہیں ہے۔ اقوام متحدہ صرف دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا فریضہ انجام دے رہا ہے اور اِسکا اولین کام امریکہ کی تابعدارای اور فرمابرداری ہے۔ تقریباً دنیا کے تمام ملکوں میں امریکہ کا اثر ورسوخ ہے یہ اثرورسوخ پہلے معاشی اور بعد میں پھر سیاسی بن

جاتا ہے۔ اگر نرم سے نرم الفاظ میں بات کی جائے تو بھی امریکہ اِس وقت پوری دُنیا کا دُشمن بنا بیٹھا ہے اور اِس کی سامراجیت کو لگام دینا والا اِسکا کوئی بھی ہم پلہ ملک نہیں ہے۔ روس کی شکست وریخت کے بعد تو امریکہ کو کھلی چُھٹی ملی ہوئی ہے۔ عراق میں لاکھوں انسانون کا قتل عام اور افغانی عوام کے خون سے ہولی امریکی دہشت گردی کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔ شام، مصر، ترکی کے اندر مداخلت پاکستان میں ڈرون حملے، کیا یہ سب کچھ کسی قانون قاعدے یا اخلاقی پہلو کو پیش نظر رکھ کر کیا جارہاہے۔ امریکہ اس وقت سب سے بڑا دہشت گرد ہے اور وہ بین الا قوامی قوانین کی دھیجیاں اُڑارہاہے۔ قم کے خیال میں امریکہ اِس وقت دنیا میں دہشت کا نشان بن چکا ہے۔ بھارتی حکومت نے جس طرح ممبئ حملے خود کروائے اور اُس کی ذمہ داری پاکستان پر ڈال کر پورے دُنیا میں پاکستان کو خوب بدنام کیا یہ سب کچھ امریکہ کی آشیر باد سے کیا گیا وہ تو امریکی انٹیلی جنس آفیسر نے بھارتی عدالت میں حلف نامے کے ساتھ یہ بیان جمع کروایا کہ یہ سب کچھ بھارت نے خود کیا تھا۔ یہ ہے بھارت اور امریکہ کا گٹھ جوڑ۔ کشمیر کی وادی میں مسلمانوں کا قتل عام امریکہ اقوام متحدہ کی بے حسی کا شاخسانہ ہے۔ اگر ہم اِس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ امریکی قانون شکنی کا سارازور کس پر ہے تو صرف اور صرف وہ مسلم دُنیا ہے۔ اِس حوالے سے مسلم حکمرانوں کو اپنے اپنے ملکوں میں جمہوری اندازِ حکمرانی اپنانا ہوگا تاکہ اُن کی عوام جو سوچتی ہے اور جو چاہتی ہے اُس کی

آواز مسلم حکمرانوں کے کانوں تک پہنچے اور وہ اپنے عوام کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ کیونکہ جس طرح سے امریکہ نے عراق کے سابق صدر صدام حسین کو اپنی دوستی کے چنگل میں پھانسا اور پھر عراق کی جانب سے ایران کے اوپر چڑھائی کروائی اور ایران کو کمزور کیا بعد میں اِسی صدام کو پھانسی پہ لٹکایا اور دنیا بھر کے میڈیا پہ لائیو دیکھایا۔ پھر عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بارہ لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ امریکہ بہادر کے سامنے کلمہ حق کہنا تو ایک طرف مسلم حکمران تو اِس کے سامنے کھڑے نہیں ہو سکتے۔ مسلم دنیا کو اپنے عوام کو خوشحال کرنا ہو گا اور پھر جب مسلم دنیا خود اپنی عوام کی آشیر باد سے اس قابل ہوں کہ وہ اقوام متحدہ اور امریکہ کو یہ احساس دلائیں کہ انٹرنیشنل قوانین پر عمل درآمد کس طرح ہوتا ہے اگرچہ مسلم دنیا کے حکمرانوں کا راہ راست پر آنا مستقبل قریب میں دیکھائی نہیں دیتا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ امریکی عوام مہذب ہیں لیکن اگر وہ اتنی مہذب، ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ہیں تو پھر ان کی عقل و دانش ان کو اس امر کی طرف راغب کیوں نہیں کرتی کہ امریکہ بھی عالمی قوانین کا احترام کرئے امریکی عوام کو اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ پوری دنیا میں امریکہ صرف اِس لیے نفرت کا نشان ہے کہ امریکہ نے خود کو ہر طرح کے قانون سے بالاتر سمجھ رکھا ہے۔ ایران کے خلاف معاشی پابندیاں اور اسرائیل کو کھلی چُھٹی بین الاقوامی قوانین کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ امریکہ کی اتنی

ٹانگیں نہیں ہیں کہ وہ ہر معاملے میں اپنے ٹانگ اڑا رہا ہے اِس کا انجام روس کی طرح ہی ہوگا کہ یہ آخر کار اپنی ٹانگیں تڑوا بیٹھے گا۔ امریکہ کی جگہ لینے کے لیے چین تیار بیٹھا ہے روس کو ختم کرنے کے لیے جس طرح پوری دُنیا کے مسلمانوں کو امریکہ نے جہاد کے نام پر اکھٹا کیا اور افغانستان کی جنگ میں جھونکا اور روس کو شکست دی اور خود واحد سپر بن گیا۔ القائدہ، طالبان امریکہ کے لگائے ہوے پودے ہیں جو کانٹے بن چکے ہیں۔ اقوام متحدہ، بین الاقوامی عدالت، انسانی حقوق کی تنظیموں کے ہونے کے باوجود امریکہ جانب سے پوری دنیا میں دہشت گردی اور پاکستان میں ڈرون کی شکل میں تباہی یہ وہ سوالیہ نشان ہیں کہ جو پوری دنیا کے سامنے امریکہ کا چہرہ بے نقاب کیے ہوئے ہیں کہ امریکہ اِس وقت سب سے بڑا قانون شکن ہے۔ امریکہ کے ہوتے ہوئے کشمیر کی آزادی کیسے ممکن ہے۔ پوری مسلمان دنیا میں کوئی بھی ایسا ملک نہیں جو کہ کشمیریوں کے لیے آواز اُٹھائے۔ موجودہ حالات میں جب کہ پاکستان دہشت گردوں کی خلاف جنگ لڑ رہا ہے جان کیری نے اپنے حالیہ دور جنوری 2015 کے دوران بھارتی انتظامیہ کو کہا ہے کہ وہ ٹی ٹی پی کی حمایت سے باز آجائے۔ امریکی عہدے داروں کو مکمل ادراک ہے کہ بھارت پاکستان میں دہشت گردی کی کاروائیاں کروا رہا ہے اور پینٹاگان اِس کے ساتھ ہے۔ کشمیر کی وادی لہو رنگ وادی اِس وادی میں مسلمانوں کے خون سے سیراب ہونے کے لیے نہ جانے اتنا حوصلہ کیسے آچکا ہے۔ پاکستان کے اندر جس طرح پاک فوج دہشت گردی کے

خلاف جنگ لڑ رہی ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ اصل میں بھارت نے ہی کشمیر کے معاملے کو دبانے کے لیے پاکستان میں ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ لیکن سارے فیصلے تو امریکہ اور بھارت نے نہیں کرنے خالق بھی تو سب دیکھ رہا ہے۔ دیکھنا اب یہ ہے کہ کشمیر کی سرزمین کو اب مزید کتنے لہو کی ضرورت ہے۔

نبی پاک ﷺ کی میلاد کا فیضان

درخت جب بہت زیادہ پھلدار ہو جاتا ہے تو تب وہ جھک جاتا ہے۔ عجز وانکساری کا اظہار کرتا ہے۔ چھاؤں دیتا ہے۔ آندھی طوفان کے تھپیڑوں سے بچاتا ہے۔ اور اپنے وجود کے حصے پھل کو کھانے کے لیے دے دیتا ہے۔ اِتنی عظمتیں ورفعتیں اِس کے حصے میں آتی ہیں کہ ایسا درخت قابل رشک بن جاتا ہے۔ کسی درخت کی زندگی جتنی بھی دہائیوں پر مشتمل ہوتی ہے اُتنی گزارنے کے بعد وہ اپنا وجود کھو دیتا ہے۔ لیکن جن جن انسانوں اور حیوانوں نے اُس درخت سے کچھ استفادہ کیا ہوتا ہے وہ وہ انسان اور حیوان اُس درخت کے مشکور رہتے ہیں۔ انسان بھی اگر اپنی ذات کو دوسروں کے لیے نافع بنائے رکھے اور اپنے جیسے انسانوں اور چرند پرند جو اِس جہاں میں پائے جاتے ہیں اُن کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ کسی بھی انسان کے لیے اِس سے بڑھ کر طمانیت کا احساس اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے خالق کی رضا کی خاطر اپنے خواہشات کو پس پشت ڈال کر انتہائی محدود وقت کے لیے ملنے والی زندگی کی سانسوں کو اپنے مالک و خالق کی رضا کے تابع کر دیتا ہے۔ اگر تو انسان وفاداری کا پیکر ہے تو اُس کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ وفا کرے۔ اور اِس مقصد کے لیے خدائے بزرگ و برتر کے ازلی دشمن شیطان کی جانب سے ڈالے جانے والے وسوسوں کو یکسر ٹھکرا دے اور اپنے مالک و برتر کی واحدانیت کی

سربلندی کے لیے اطاعت کا طوق اپنے گلے میں ڈالے رکھے اور شیطان کے ہر وار کا مقابلہ اپنے رب کی عطا کردہ مشیت سے کرے۔ اور وقتی طور پر نفسانی خواہشات کے حصول کے لیے اپنے رب کی ابدی رحمت سے محروم نہ ہو۔ یقینی طور ایک انسان کے لیے ایسی راہ پہ چلنا بہت مشکل ہے۔ لیکن ایمان کی مضبوطی سے خالق کی اطاعت کے وسیلے سے خود کو روحانی سکون کا پیکر بنا سکتا ہے اور اپنی چند روزہ زندگی کو بھی اور اپنی ابدی زندگی کو بھی روحانی سکون کو گہوارا بنا سکتا ہے۔ ساری زندگی انسان کی تگ و دو مادی معاملات کے حوالے جاری رہتی ہے۔ ایسا کرنا ضروری ہے وہ یوں کہ اپنی ذات کے لیے روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی اسباب بھی ضروری ہیں اور اپنی ذات کے ساتھ وابستہ لوگ جن میں والدین بچے عزیز واقارب، رشتے دار، اہل محلہ اہل وطن اور یوں پوری انسانیت شامل ہے کے لیے بھی مادی وسائل کی ضرورت ہے۔ معاشیات اور قانون کا طالب علم ہونے کے ناطے مجھے جو سمجھ بن پڑی ہے وہ یہ کہ غیر معاشی سرگرمیاں بھی معاشی سرگرمیوں کو جنم دیتی ہیں۔ یوں مسجد میں پانچ وقت حاضری کا نظریہ بھی کیمونٹی کے باہمی تعلق کا فروغ ہی تو ہے۔ مادی اسباب کی ضرورت اُس حد تک تو ہر انسان کے لیے ہے کہ وہ روح اور جسم کا تعلق برقرار رکھ سکے۔ لیکن جب قناعت کی بجائے ہوس ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ اور معاشرے کا توازن قائم نہیں رہ پاتا۔ یوں پھر ہیو اینڈ ہیو ناٹ کا معاشی مسلہء پیدا ہوتا ہے اور جس سے معاشرے میں امن چین ختم ہو جاتا ہے۔ اور یوں روح کے بل بوتے پر زندگی کی

سانسیں لینے والا حضرتِ انسان خود اپنی اصل کو فراموش کر دیتا ہے۔ جہنم کے آگ سے بھرنے والا پیٹ دنیاوی اسباب سے بھرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔اِن معاشی و غیر معاشی رخنوں کے سبب معاشی اُتار چڑھاؤ معاشرئے کو مختلف گروہ بندی کا شکار کرتا ہے اور پھر یہ معاشی تقسیم کبھی نسل، کبھی مذہب اور کبھی لسانیات کا روپ دھار کر حضرت انسان کے ہاتھوں اپنے ہی جیسے گوشت پوست اور روح کے مُرقع انسان کو قتل کرواتی ہے۔سیاسی نظریات بھی اِسی معاشرتی تقسیم اور معاشی دوڑ کا سبب بنتے ہیں۔رب پاک نے کائنات میں نظام زندگی کو عدل پر قائم رکھنے کے لیے.بزرگ ترین ہستی وجہ تخلیق کائنات اشرف الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا یوں معاشرئے میں ہر طرح کی اونچ نیچ کی تفریق، ظلم وزیادتی سے جنم لینے والے مسائل سب کا حل اللہ پاک نے اپنے نبی پاک ﷺ عطا فرمایا۔اور نبی پاک ﷺ نے اللہ پاک کے حکم سے جو کہا وہ کر دیکھایا۔نبی پاک ﷺ کی ساری زندگی کا مرکز و محور انسان کی بھلائی ہے۔ اور یوں اِس چند روزہ زندگی کا حاصل اگر ہے تو وہ اللہ پاک کے نبی پاک ﷺ کی اطاعت ہے۔ اللہ پاک نے اپنی آخری کتاب میں فرمادیا کہ نبی پاک ﷺ تمھیں جس کام سے روکیں روک جاؤ اور جس کام کا حکم دیں وہ کرو۔اس لیے اگر ہم میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشیوں کا حقیقی ثمر چاہتے ہیں تو اُس کے لیے ہمیں نبی پاک ﷺ کی ہستی کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا مرکز و محور بنانا ہوگا۔لوٹ مار، دھوکہ دہی، چوری، جھوٹ شراب زنا سود جتنی بھی معاشری بیماریاں ہیں اُن سے چھٹکارا حاصل کرنے کا

واحد ذریعہ نبی پاک ﷺ کے پیغام پر عمل کرنے سے ہے۔ اور یہ ہی پیغام ہر سال ہمیں ربیع الاول کی مبارک ساعتیں یاد کروانے کے لیے آتی ہیں۔ صدقہ خیرات خوب اِس مبارک مہینے کے صدقے دینا چاہیے اور محافل، میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا انعقاد تو گویا ہماری بخشش کا ذریعہ ہے۔ اوراِن تمام عقیدتوں کا حاصل یہ ہی ہے کہ معاشرے کو جھوٹ، چوری، سود، شراب زنا، لوٹ مار سے بچانا ہے۔ یہی تو ہے پیغام اِس مبارک ربیع الاول کا۔

موت مومن کی روح کا اگلا پڑاؤ

انسانی جذبوں میں محبت کا عمل دخل ہی انسان کو جینے کی اُمنگ دیئے رکھتا ہے۔ دنیا سے محبت نہ کرنے سے مراد مادیت سے ماورا ہونا ہے۔اِسی لیے خالق کا ابدی ہونا اور بندے کا اِس جہاں میں فانی ہونا اور عالمِ برزخ میں پھر ہمیشہ کے لیے غیر فانی ہو جانا۔اِس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بندے کا اس جہاں میں فانی ہونا اور پھر اگلے جہاں میں غیر فانی ہو جانا یقینی طور پر اِس دنیا کی حقیقت کے حوالے سے جس کسوٹی کو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہی ہے کہ یہاں عارضی قیام اور وہاں ہمیش۔ بندہ مومن کا جب اپنے رب سے ملاقات ہونے کا سبب بننے والی موت سے سامنا ہوتا ہے تو بندہ مومن کے لیے اُس کے رب کی جانب سے وہ موت تحفہ کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ جتنی مرضی تدبیریں کر لیں آخر رخصت ہونا ہی ہے۔اِس لیے اِس دنیا کی محبت کو مردار سے تشبہ دی گئی ہے۔امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کا اپنا سر کٹوانا قبول کر لینا۔اپنے خاندان کو اپنے سامنے شہید ہوتا دیکھنا منظور کر لینا۔حالانکہ جان بچانا تو لازمی امر ہے۔لیکن جان کے بدلے میں سچائی کا ساتھ چھوڑنا حق نہیں ہے حق وہی ہے جو خالق کی رضا ہے۔ تو گویا اصل حقیقت گوشت پوست کی نہیں بلکہ روح کی ہے۔ موت انسانی زندگی کے خاتمے کا نام نہیں بلکہ یہ تو انسانی زندگی کے اگلے دور کا نام ہے۔ موت کے دروازے سے

گزر کر انسان اگلے دور میں داخل ہو جاتا ہے۔ موت کا ذائقہ ہر کسی نے چکھنا ہے۔ ذائقہ ایک کیفیت کا نام ہوتا ہے اِس کا وجود مستقل نہیں ہوتا۔ جیسے اگر کوئی مشروب پیا جائے تو اُس کا ذائقہ کچھ دیر تک رہتا ہے لیکن اُس کے بعد اُس مشروب کے ذائقے والی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حال موت کا ہے کہ انسان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، مرنا نہیں ہے۔ چونکہ ذائقہ ایک بے حقیقت شے ہے۔ ایک دن میں کئی مرتبہ ذائقہ آتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ اِس لیے تو موت ذائقہ بن کر آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ اِس ذائقہ موت کی کیا مجال کہ وہ انسان کی حقیقت کو ختم کر سکے۔ حضرت عمرؓ کا فرمانَ عالیشان ہے کہ لوگو: تم جب ایک مرتبہ پیدا ہو گئے تو پھر مستقل پیدا ہو گئے اب منتقل ہوتے رہو گے۔ پیدائش زندگی کا آغاز ہے۔ بچہ ماں کے پیٹ میں بھی زندہ ہوتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔ پیدائش کا مطلب ہی یہ ہے کہ پیدائش سے پہلے بھی زندگی میں تھا۔ ماں کے پیٹ سے دنیا میں آتا ہے۔ پیدائش سے پہلے زندگی کا مقام اور تھا اور پیدائش کے بعد اور۔ ماں کے پیٹ سے پہلے بھی تھا عالم ارواح میں۔ جب بچہ ماں کے پیٹ سے آتا ہے تو روتا ہوا آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ شائد اُس کی موت ہو گئی ہے۔ کیونکہ اُسکے لیے تو جہان اُس کی ماں کا پیٹ ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ اُسی کو سمجھتا ہے اور وہاں سے نکالے جانے پر روتا ہے۔ لیکن جب وہ اس جہاں میں آتا ہے تو اُسے اِس جہاں کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُسے روشنی نظر آتی ہے۔ وہ پھر ماں کے پیٹ میں جانے کی بجائے اِس دنیا کو اُس دنیا سے زیادہ بہتر

خیال کرتا ہے۔اِسی طرح جب انسان اِس دنیا کو چھوڑ کر عالم ِبرزخ میں جاتا ہے تو اُسے یہ دنیا بھی ماں کے پیٹ کی طرح چھوٹی لگتی ہے اور واپس اِس دنیا میں نہیں آنا چاہتا۔جب وہ جنت کے نظارے کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ دنیا تو ایک قید خانہ تھی۔وہ اپنے وطن کو جارہا ہوتا ہے پھر پردیس میں آنے کو اُس کا جی نہیں چاہتا۔ ساری راحتیں موت پر قربان ہوجاتی ہیں کیونکہ رب پاک سے جو ملنا ہوتا ہے۔ نبی پاکﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ مردِ مومن کی موت کا جب وقت آتا ہے تو مومن کی روح ملائکہ کے جلوس کے ساتھ جاتی ہے۔ملک الموت کی قیادت میں پانچ سو فرشتوں کا وفد جلوس لے کر مومن کے پاس آتا ہے۔ ملک الموت مردِ مومن کو سلام کرتا ہے۔اور کہتا کہ کہ اللہ پاکنے آپ پر سلام بھیجا ہے۔روح قبض کرکے قبر میں نہیں لائی جاتی۔ ایک ایک آسمان کا دروازہ کھلتا چلا جاتا ہے اور ملائکہ اللہ پاک کے حضور روح کو پیش کرتے ہیں۔ تمام ملائکہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔اور پھر تمام ملائکہ اللہ کے نیک بندے کو اپنے جھرمٹ میں اللہ کے حضور سجدہ ریز کرواتے ہیں۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ اللہ پاک حضرت میکائیلؑ کو کہتے ہیں کہ روح کو واپس اُس جسم میں رکھ دو جہاں سے نکال کر لائے ہو۔روح جسم سے جدا ہونے کے بعد اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے بعد اُس کے جسم کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔حدیث کے مطابق لوگ بندے کے جسم کو دفن کر رہے ہوتے ہیں اور فرشتے روح کو اُس بندے کے جسم میں داخل کردیتے ہیں۔ حضرت حسنؓ بن صالح کا بیان ہے کہ میرے بھائی علی بن صالح کی وفات جس

رات کو ہوئی اسی رات انہوں نے مجھ سے کہا ''بھائی مجھے پانی پلاؤ''میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا نماز سے فارغ ہو کر میں نے پانی پیش کیا مگر انہوں نے کہا'' میں پانی پی چکا ہوں'' میں نے دوبارہ پانی پینے کو کہا تو انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ ''میں پانی پی چکا ہوں'' میں نے حیرت سے پوچھا ''میرے اور آپ کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی نہیں ہے پھر آپ کو پانی کس نے پلایا ہے''؟ بھائی نے جواب دیا ''ابھی ابھی ایک نورانی فرشتہ آیا اور مجھے پانی پلانے کے بعد خوشخبری دی کہ تم تمھارا بھائی اور تمھاری والدہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالی نے اپنا انعام کیا'']ابن سندہ وغیرہ[حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعریؓ کی روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کا لڑکا طاعون عمواس کے مقام پر فوت ہو گیا اس کی وفات پر حضرت معاذؓ نے صبر و شکر سے کام لیا پھر جب حضرت معاذؓ کو ایک لڑائی میں کافروں کا نیزہ لگا اور وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کے منہ سے یہ جملہ نکلا کہ ''دوست اپنی ضرورت سے آیا ہے وہ شخص کبھی کامیاب نہ ہو گا جو دوست کی حاجت پُوری کرنے میں ندامت اور معذرت کرے''حضرت عبدالرحمٰنؓ کا بیان ہے کہ میں نے یہ عجیب جملہ سن کر حضرت معاذؓ سے دریافت کیا کہ ''کیا آپ کو کچھ نظر آ رہا ہے''؟ آپ نے جواب دیا ''جی ہاں۔۔ میں نے اپنے بیٹے کی وفات پر جس صبر سے کام لیا تھا اس کی اللہ تعالی کی طرف سے عزت افزائی ہوئی ہے میرے پاس اس وقت میرا بیٹا آیا اس نے خوشخبری دی ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے ساتھ مقرب فرشتوں، شہدا اور صالحین کے

ساتھ حضرت معاذؓ کی روح پر نماز پڑھیں گے اور پھر جنت میں لے جائیں گے حضرت معاذؓ یہاں تک گفتگو کرکے بیہوش ہوگئے ہم نے دیکھا کہ وہ بیہوشی کے عالم میں کسی سے مصافحہ کرکے کہہ رہے ہیں ''مرحبا مرحبا'' اتنا کہہ کر وہ دنیا سے رخصت ہوگئے (ابن عساکر) آنحضرت ﷺ سے روح کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ روح اللہ کا حکم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میت پہچانتی ہے کہ کون اسے غسل دیتا ہے اور کون اٹھاتا ہے کون اسے کفن پہناتا ہے اور کون قبر میں اتارتا ہے (مسند احمد، معجم اوسط، طبرانی) روح کو دنیا میں گھومنے کی آزادی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں یہ بیان کیا ہے کہ کفار و فجار کی روحیں سجین کے جیل میں مقید ہوتی ہیں ان کے کہیں آنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اصل بات یہ ہے کہ روح اپنے تصرفات کے لیے جسم کی محتاج ہے چنانچہ احادیث میں انبیاء کرام، صدیقین، شہدا اور بعض صالحین کو مثالی جسم دینے کا ثبوت ملتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن ارواح کو مرنے کے بعد مثالی جسم عطا کیا جاتا ہے وہ اگر باذن اللہ کہیں آجاتی ہوں تو اس کی نفی نہیں کی جاسکتی مثلاً شبِ معراج میں انبیاء کرام کا آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے لیے بیت المقدس میں جمع ہونا، شہیدوں کا جنت میں کھانا پینا، سیر کرنا وغیرہ عراق کا تاریخی واقعہ بھی ایمان کو تازہ کرنے اور نہایت حیرت انگیز ہے جب بیسویں صدی عیسوی میں سینکڑوں لوگوں نے دو صحابہ کرام کی قبریں کھولیں تو ان کے مبارک جسم صحیح حالت میں موجود تھے اور ان کے چہروں پر نظر ڈالنے سے ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ انھیں دفنائے ہوئے چند گھنٹے ہوے ہیں حالانکہ وہ تقریبا چودہ سو سال پہلے دفن کیے گئے تھے ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں ایک غیر معمولی چمک تھی وہاں موجود اشخاص میں سے کوئی بھی ان سے آنکھیں ملانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ جرمن ماہر چشم یہ منظر دیکھ کر فورا مسلمان ہوگئے اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں کا ایمان تازہ ہوگیا ۔

اس مضمون کی تیاری جس مواد سے ستفادہ کیا گیا ہے۔ اُسکا لنک یہ ہے۔https://www.youtube.com/watch?v=46gQ38aPATs&feature=share

سنئیر قانون دان اعظم نذیر تارڑ کے ساتھ پولیس کی غنڈہ گردی

چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ آئی جی پنجاب سنئیر قانون دان اعظم نذیر تارڑ کے ساتھ پولیس کی غنڈہ گردی کا نوٹس لیں

نو فروری 2016 لاہور ہائی کورٹ میں پولیس اور غنڈہ عناصر کی جانب سے بار ممبر اعظم نذیر تارڑ کے ساتھ بد سلوکی کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ معاشرے میں جس طرح کا چال چلن انسانوں کا اِس وقت ہے اُس لحاظ سے جنگل کے جانوروں اور پاکستانی معاشرئے میں رہنے والے انسانوں کی بود و باش میں مماثلت ہی مماثلت پائی جارہی ہے۔ ماضی قریب میں یہ مثال دی جاتی تھی کہ فلاں شخص تو نرا جنگلی ہے اُسے کوئی تمیز نہیں۔ لیکن حالیہ دور میں جب کہ زمانہ جدت کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ انسانی ترقی کا عالم یہ ہے کہ ہر ہر وہ شے بنا لی گئی ہے جس کا صرف تصور کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اِس جدت نے اِس نام نہاد تعلیم نے ہم سے عزت و احترام چھین لیا ہے۔ اکبر آلہ آبادی کے بقول کہ ہم تو سمجھے تھے لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ۔ میرا سر جن رگِ ملت سے لہو لیتا ہے۔ ادب احترام ختم۔ محبت اخلاص کے جذبے قصہ پارینہ ہوئے۔ دولت کمانے کی حرص نے حلال و حرام میں تمیز اِس طرح غائب ہوئی ہے۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ نبی پاک ﷺ نے جس طرح کے معاشرئے کی

تشکیل فرمائی اُس کے اعجاز تو یہ تھا کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے مونس و غم خوار بن گئے۔ سود خوری کو اِس طرح ختم کیا کہ لالچ و حرص کی بجائے بھائی چارے نے بلال حبشیؓ، سلمان فارسیؓ کو وہ مقام عطافرمادیا کہ بڑی بڑی سلطنتوں کے بادشاہ اُن کے مقام پر رشک کرتے ہیں۔ مہاجرین و انصار کے تعلق نے وہ مثال قائم کی نبی پاک ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کا اعجاز پوری کائنات میں چھا گیا۔ موجودہ دور میں نہ جانے کہاں سے یہ ذلت ہمارے نصیب میں آئی ہے کہ ہم مادی ترقی کے لیے جائز و ناجائز کی تمیز فراموش کرکے اِس طرح دولت کو دن رات سمیٹنے کے لیے ہلکان ہوئے جارہے ہیں کہ ایسا لگ رہا ہے جیسے لاکھوں سال جینے کا پرمٹ لیے ہوئے ہیں۔ جناب اعظم نذیر تارڑ ایک نہایت شائستہ لہجے کے حامل وکیل ہیں۔ اُن کے ساتھ پولیس اور دیگر غنڈہ عناصر کی بدسلوکی بہت بڑا المیہ ہے۔ اِس طرح کے رویے سے ایک بات اب واضح ہو چکی ہے کہ تحمل بُرد باری ادب و احترام کا جنازہ نکل چکا ہے۔ سابق وائس چیئرمین پالستان بار کونسل اورپر ممبر پاکستان بار کونسل سینئر قانون دان کے ساتھ بدسلوکی کا فوری نوٹس لیا جانا چاہیے۔ کیا چیف جسٹس لاہو ہائی کورٹ اپنے ادارے کی حرمت کا پاس رکھنے کے لیے کوئی عملی قدم اُٹھائیں گے۔ وکلاء کے اندر اِس حوالے سے کافی بے چینی ہے۔

پاکستان کا حصہ بنگلہ دیش کیوں بنا؟

16 دسمبر 1971 پاکستان کی تاریخ کا ایک ایسا تاریک پہلو ہےجو اِس المیے کی یاد دلاتا ہے جب اس وطن کو پارہ پارہ کر دیا گیا پاکستان اپنے وجود کو برقرار نہ رکھ سکا پاکستان کے حکمرانوں اور پاکستانی عوام کے دل ایک ساتھ نہیں دھڑکتے ۔انگریز کی غلامی ،اور ہندو کی غلامی سے بچنے والے پاکستانی اب بھی غلام ہیں آ قا بدل گئے غلام وہی ہیں۔لاکھوں شہادتوں اور عصمتوں کی قربانی کے طفیل حاصل ہونے والا وطن مایوسیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔دہشت گردی، لاقانونیت، بیروزگاری ہر پھیل گئے ہے ۔اشرافیہ کا تمام وسائل پر قبضہ ہے چند ہزار لوگوں نے اٹھارہ کروڑ عوام کو معاشی و سماجی طور پر یرغمال بنا رکھا ہے اسی طرح غریب طبقے سے اُبھرنے والالی سیاسی قوتیں بھی اقتدار کی غلام گردشوں میں پھنس کر رہ گئیں مذہب کا نام استعمال کرکے عوام استحصال کیا جارہا ہے موجودہ حالات اور ایسی قیادتوں کے ہوتے ہوئے ہم کیسے اِس گرداب سے نکل سکتے ہیں ،ہے اِس کا کوئی قابل عمل حل ۔حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عالماں از علم قران بے نیاز صوفیاں درندہ گرگ ومو دراز یعنی آج کے علماء قران کے علم سے لاپرواہ ہیں جب کہ صوفی گویا پھاڑ کھانے والے بھیڑیا بنے ہوئے ہیں اور لمبے بالوں والے ہیں۔دنیا میں انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے انسان اور مسلمان میں فرق کیا ہے۔ مسلمان بنا کس طرح

کے افعال کا متقاضی ہے۔اگر ہم سب ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں اور اپنے آپ سے جسے ضمیر بھی کہا جاتا ہے اُس کی بھی مدد لیں کہ کیا انسان کی تخلیق کا وہ مقصد ہے جو دنیا میں ہو رہا ہے۔کیا انسان اور مسلمان میں کوئی فرق ہے۔ اگر ہے تو وہ کیا ہے۔کیا مسلمان بن کر ہم معاشرے میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں کیا ہمارے اور غیر مذاہب کے افعال و اعمال میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔وقت جس سُرعت کے ساتھ گزر رہا ہے اور وطن پاک کو جس طرح کے حالات کا سامنا ہے کیا سانحہ مشرقی پاکستان سے کوئی بھی سبق سیکھا گیا۔اصل میں پاکستان میں حکمران طبقہ اور ہے اور عوام الناس کا تعلق کسی اور طبقے سے ہے۔ حکمرانوں کے قلب و اذہان عوام کے جذبات سے کوسوں دور ہیں۔ عوام ہے کہ دہشت گردی، لاقانونیت بے روزگاری کی چکی میں پس رہی ہے جبکہ حکمران اپنے محلات میں خوابِ خرگوش کے مزے لُوٹ رہے ہیں۔ عوام بھوک اور افلاس کے گرداب میں پھنس چکے ہیں لیکن مجال ہے کہ حکمرانوں نے اپنا وطیرہ بدلہ ہو۔ مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بن جانا اور عام لوگوں کا یہ سوال کہ پہلے تو ہندو اور انگریز کی غلامی سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے اور علیحدہ مسلم ریاست بنانے کے لیے بٹوارا کیا گیا لیکن 1971 میں مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بننا کس سے آزادی کے لیے تھا۔مسلمان کو مسلمان سے ہی آزادی کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ایک ہوں مسلم حرم کے پاسبانی کے لیے کے نظریئے کو کس طرح موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان روس اسرائیل گٹھ

جوڑ نے پاکستان دولخت کیا، اور ان ممالک کی سازشوں نے ایک نوزائیدہ ملک کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تو اُس وقت اِس ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنیوالے کہاں تھے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور اِس بات کا جواب ہمیں جسٹس حمود الرحمان کی رپورٹ سے بھی ملتا ہے کہ اِس سانحے کے پیچھے غیر ممالک کے علاوہ پاکستانی سول و فوجی اسٹیبلیشمنٹ کا بھی غفلت اور کوتاہیوں سے بھرپور کردار ہے۔ ہوس ہنوز تماشا گر جہانداری است، وگرچہ فتنہ پس پردہ ہائے زنگاری است (زبور عجم) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہوس ابھی تک اسی فکر میں ہے کہ کس طرح دنیاوی مال ودولت اکٹھی کی جاسکتی ہے۔ ہرے رنگ کے پردوں (آسمان) کے پیچھے اور کونسا فتنہ پوشیدہ ہے؟ دنیا میں جتنے بھی فتنے فساد پیدا ہوئے اُن کا سبب ہوس ہی ہے۔ غیر ملکی سازشوں کے لیے ان سازشی ممالک کو میر جعفر و میر صادق میسر آتے رہے رہے اور میر جعفروں کی ہوس نے وطن کو پارہ پارہ کردیا۔ تاریخ میں یہ رقم ہے کہ مشرقی پاکستان میں رہنے والے شیخ مجیب الرحمان کی سیاسی قوت کو مغربی پاکستان کے سیاستدان مسٹر بھٹو نے عملاً تسلیم نہ کرکے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے مطالبہ کو پورا ہونے میں اہم کردار ادا کیا اور ادھر تم اور ادھر ہم کا نعرہ لگا دیا گیا۔ بنگالی عوام جہاں سے مسلم لیگ کا خمیر اُٹھا تھا وہاں مکتی باہنی ہندوستانی انٹیلیجنس اداروں نے مل کر جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کیونکہ پاکستان کی عوام کی آواز حکمرانوں سے بہت دور تھی اور حکمرانوں کو عوام کے جذبات کی کوئی

قدر نہ تھی ۔اُنھیں قدر تھی تو صرف اپنی حکمرانی کی بھلے ملک ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ جائے اور پھر وہی ہوا جس پاکستان فوج کو دُنیا کی بہترین فوج مان جاتا ہے وہی فوج ہتھیار ڈال کر پوری دنیا میں خود بھی رُسوا ہوئی اور پاکستان اور اُس کی عوام کو بھی رُسوا کیا گیا۔ترانوے ہزار فوجیوں کا ہتھیار ڈالنا اور فوجی بھی وہ جن کا نعرہ تکبیر ہو جس نعرے سے قیصر وکسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہوا تھا۔ وہی نعرہ تکبیر لگانے والی فوج شرمناک شکست کی حامل قرار دے دی گئی۔آخر ہماری اندر اتنی سمجھداری کیوں نہیں آسکی کہ ہم اُس بدترین شکست سے کوئی سبق سیکھ سکتے۔معاشیات میں ایک تھیوری ہے جس کو غربت کا منحوس چکر کہا جاتا ہے اُس چکر کے مطابق غریب اتنا پھنس جاتا ہے کہ وہ غربت کے گرداب سے نکل نہیں پاتا ہماری قوم بھی اِسی طرح کے منحوس دائرے میں پھنس چکی ہے اور یہ منحوس دائرہ اشرافیہ نے بنا رکھا ہے۔اب جب یہ منطق پیش کی جاتی ہے کہ لوگ جھوٹ کیوں لوگ بولتے ہیں چوری کیوں کرتے ہیں یہ سب کچھ حکمران تو نہیں کہتے کہ کرو۔اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستانی حکمرانوں نے جب ماحول ہی ایسا تخلیق کر ڈالا ہے تو پھر سچ اور جھوٹ میں فرق روا رکھنے کا علمبردار کون ہوگا۔جب رہنماء راہزن کا روپ دھار چکے ہیں تو خیر کہاں سے آئی گی۔بقول اقبالؒ چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود از خجالت آب میگردد وجود (مسافر مثنوی) یعنی جب میں نبی پاک ﷺ کی ذات والا صفات پر درود بھیجتا ہوں تو میرا وجود شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے مزید فرماتے ہیں کہ، عشق می گوید کی اے

محکوم غیر، سینہ تو ار بتاں مانند دیر یعنی کہ عشق کہتا ہے کہ او غیر کے محکوم: تیرا سینہ تو بتوں کی وجہ سے بت خانہ بنا ہوا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اعمال کچھ ہیں افعال اور طرح کے ہیں جو اقوال کی تصدیق نہیں کرتے۔ قوم کو ایسی لیڈر شپ کی ضرورت ہے جو کہ قوم کو ذہنی پستی سے نکالے اور خودار قوم بنائے۔ نمازیں، روزے، عمرے حج سب ضروری ہیں لیکن بقول اقبالؒ پہلے مسلمان تو بن جائیں غیر کے محکوم نہ بنیں، مسلمانی کی ابتدائی تعریف پر پورا اُترنے کی ضرورت ہے باقی کام تو بعد کے ہیں جیسے بقول اقبالؒ کہ تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں۔ پہلے توحید کو تو اپنے اندر وارد تو کر لیں جب تک ہم مکمل طور پر رب کو ماننے والے نہیں بنیں گے تب تک ہم رسوا ہوتے رہیں گے۔ ہے جُرمِ ضیفی کی سزا مرگِ مفاجات

ویلنٹائن ڈے۔الیکٹرانک میڈیا اور قومی رہنماؤں کی ذمہ داریاں

قوم کو جس طرح کے عذاب میں ویلنٹائن ڈے جیسی خرافات مین مبتلا کر دیا گیا ہے اِس کی ذمہ داری دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک میڈیا پر بھی ہے۔ نفوس پذیری کے حامل افراد معاشرے میں شرم وحیا اور مشرقی اسلامی تہذیبی ثقافت کے فروغ لیے اپنا کردار ادار کر سکتے ہیں۔

آزادی اظہار کے نام پر ویلنٹائین ڈے کی نشر واشاعت سے الیکٹرانک میڈیا گریز کرے۔ حکومت اِس حوالے سے اپنا کردار ادا کرے۔ تمام میڈیا ہاوسز از خود اپنی ذمہ داری کو پورا کریں۔ معاشرتی روایات کی حفاظت سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

ہمارے معاشرے میں پہلے ہی حالت یہ ہے کہ فحاشی عریانی عروج پر ہے۔اِس قوم پر رحم کیا جائے۔اور قوم کی بیٹیوں بہنوں کو عزت اور وقار سے جینے کا حق دیا جائے۔ویلنٹائین ڈے کے نام پر خرافات نبی پاک ﷺ کی تعلیمات کے منافی ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی شفاعت سے محروم نہ ہوا جائے۔اللہ تعالی نے قرآن کریم میں سورہالمائدہ میں فرمایا۔ ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرو جو پہلے ہی بھٹک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ چکے ہیں۔ اللہ تعالی نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے

کہلوایا کہ کہہ دیجیے میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالی کے لیے ہی ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ قرآن مجید صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ لیکن اگر ہم بات کریں مسلمانوں کی تو مسلمانوں کی زندگی قرآنی تعلیمات کے مطابق ہونی چاہیے نشانیاں یا شعار وہ علامتیں ہوتی ہیں جن سے قومیں پہچانی جاتی ہیں۔ وہ تہوار وہ عبادات جن کی اسلام اجازت دیتا ہے وہ ہم مسلمانوں کی پہچان ہیں اور کچھ ایسے تہوار بھی دنیا میں منائے جاتے ہیں جن کا نا صرف ہمارے دین میں دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں ملتا بلکہ وہ جس طریقے سے منائے جاتے ہیں۔ ہمارا دین ہمیں منع فرماتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج ہماری نوجوان نسل ایسے واہیات تہوار جوش وخروش سے مناتی ہے اور اس طرح ہم اپنی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کر رہے ہیں۔ اور اگر ہم غیر مذہب لوگوں کی پیروی چھوڑ کر اللہ تعالی کے دین اسلام کی پیروی کر لیں تو ہمارا دین بھی بچ سکتا ہے اور دنیا بھی اور جو تھوڑا سا وقت ہمیں ملا ہے اس دنیا میں گزارنے کے لیے اگر ہم اس کی قدر وقیمت سمجھ جائیں تو ہم کبھی ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔ دنیا میں بہت سے لوگ وقت کی حقیقی قدر و قیمت کا احساس کئے بغیر ماہ سال گزارتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وقت قدرت کا سب سے گراں قدر تحفہ ہے۔ دنیا میں کسی کے پاس بھی لامحدود وقت نہیں۔ اور کوئی بھی اس دنیا میں سدا نہیں

رہنے والا۔ ہم اس دنیا میں مختصر وقت کے لیے آئے ہیں اور ہمیں جلد اس دنیا سے جانا ہوگا اور جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وقت بھی ان کو بھول جاتا۔ جو لوگ زندگی کے قیمتی وقت کی قدر کرتے ہیں اور احتیاط، شعور اور اچھی عادتوں کے ذریعے وقت کو اچھے اور کامیاب طریقے سے گزارتے ہیں۔ وقت بھی ایسے لوگوں کو ان کے جانے کے بعد تک یاد رکھتا ہے اور وہ لوگ مر کر بھی نہیں مرتے۔ وہ اپنے کارناموں میں زندہ رہتے ہیں۔ اچھائی اور برائی ہر جگہ موجود ہے کوئی بھی انسان برا نہیں ہوتا ہر انسان اپنے عملوں کی وجہ سے اچھا یا برا بنتا ہے۔ جس کے (عمل) اچھے وہ اچھا ہوتا ہے اور جو کوئی برے عمل کرے تو وہ برا۔ دور حاضر میں ہمیں شدید ضرورت ہے کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ ہم ساری دنیا کے مسلمان اللہ کے دین سے دور ہونے کی وجہ سے مشکلات میں گھر چکے ہیں اور ہمارے معاشرے میں دنیا کی وہ تمام برائیاں بھی موجود ہیں اسلام جن سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ جس طرح ہم ہر سال بڑے شوق سے ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں۔ جب کہ مسلمانوں کا اس دن سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں بنتا۔ ویلنٹائن خالصتاً غیر مہذب لوگوں کا تہوار ہے۔ پہلی دفعہ یہ دن 14 فروری 269ء کو ایک سائن ویلنٹائن نامی شخص کی نسبت سے منایا گیا۔ سائن ویلنٹائن کو عیسائیت پر ایمان کے جرم میں پھانسی دے دی گئی تھی۔ وہ عیسائیت کی مقررہ حدود سے بالاتر ہو خدمات انجام دیا کرتا تھا اور سنا ہے پسند کی شادیاں کرواتے وقت اپنے مذہب کی حدود سے تجاوز کرتا تھا۔ پھانسی

کے بعد اس کے حامی یہ دن تعزیت کے طور پر منایا کرتے تھے۔ بعدازاں یہ دن یوم محبت کی شکل اختیار کر گیا کیونکہ پھانسی سے پہلے جب ویلنٹائن جیل میں تھا تو جیل میں اسے جیلر کی بیٹی سے عشق ہوگیا اور وہ جیلر کی لڑکی کو عشقیہ خطوط لکھا کرتا تھا۔ اور جیلر کی لڑکی سائن کے لیے گلاب کے پھول لایا کرتی تھی۔ سائن ویلنٹائن کے وہ خطوط اس کی پھانسی کے بعد منظر عام پر آئے تو برطانیہ میں ان خطوط کو بہت پذیرائی ملی جس کے بعد برطانیہ میں یہ دن تہوار کی شکل اختیار کر گیا۔ شروع کے دنوں میں یہ تہوار صرف برطانیہ میں منایا جاتا تھا اور پھر پھیلتا ہوا ہم تک بھی آ پہنچا۔ برطانیہ کے نوجوان اس دن محبت کے گیت گاتے ہیں (غیر محرم عورت ومرد کی محبت میں) ایک دوسرے کو پھول، کارڈ اور عشقیہ خطوط لکھتے ہیں۔ قصہ مختصر کہ اس واقعہ سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ جاننے، سمجھنے کے باوجود کے یہ تہوار ہمارا نہیں ہے پھر بھی ہماری نوجوان نسل اس دن کو ویلنٹائن ڈے کے طور پر بھرپور طریقے سے مناتی ہے۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں اور اللہ تعالی کے احکامات بھی نہیں مانتے۔ ویلنٹائن ڈے منا کر لوگ اپنی نفسانی خواہشات کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ جس کی وجہ سے آج ہم بحیثیت مسلم قوم دنیا میں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ ویلنٹائن ڈے جیسے واہیات تہوار منا کر ہم صرف قیمتی وقت کا زیاں ہی نہیں کر رہے بلکہ اس طرح ہماری نوجوان نسل تیزی سے جنسی بے راروی کا شکار ہو رہی ہے۔ یہ ہمارے لیے مقام فکر ہے ہم ہیں

تو مسلمان لیکن غیر مذہبوں کے تہوار بڑے جوش وخروش کے ساتھ مناتے ہیں۔ جب تک نوجوان نسل قرآنی تعلیمات سے واقف نہیں ہوگی تب تک معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیاں ختم نہیں ہونگی۔ اللہ کا دین ہی واحد راستہ ہے سب مشکلوں سے نکلنے کا۔ اگر ہم اللہ تعالی کے دین پر عمل پیرا ہوجائیں تو دنیا میں ہر طرح کی ناانصافی ناپید ہوجائے گی کیونکہ اسلام میں کسی انسان کی تذلیل کرنے کو بہت ہی برا کہا گیا ہے۔ انسان کی عظمت کو اللہ تعالی نے روز ابد سے ہی اپنے فرشتوں سے سجدہ کرواکے ثابت کردیا ہے اللہ تعالی نے انسان کو تمام مخلوقات سے اعلیٰ وافضل بناکر اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا ہے۔ ایک ایسا ضابطہ حیات قرآن کریم کی صورت عطا کیا جس کی پوری کائنات میں کوئی دوسری مثال نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ آج ہم مسلمان اسلام کی حکمرانی کی بات کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالی کے دین کا نعرہ بھی بلند کرتے ہیں۔ مگر بلند و بالا نعروں کے باوجود ہم اسلام سے بہت دور ہیں۔ سوال یہ پیدہ ہوتا ہے کہ ہم دین کے ساتھ اتنی زیادہ محبت کرنے کے باوجود دین سے دور کیوں ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم حقیقت سے دور نکل آئے ہیں اور دن بدن دور ہی ہوتے جارہے ہیں۔ اور صرف دیکھاوے کی محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کا دین خالی نعروں کا نہیں بلکہ عمل کا درس دیتا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ہم نے عمل کا دامن چھوڑ دیا ہے۔ لیکن اگر ہم آج بھی وقت کی قدر کریں اور وقت کو ضائع کیے بغیر اپنے دین کی طرف پلٹ جائیں تو بہتر ہوگا۔ یہ تہوار عیسائیوں نے شروع کیا ہے اس میں مقصود

محبت زوجیت کے دائرے سے باہر رہتے ہوئے عشق اور دل کو عذاب میں ڈالنے والی محبت مراد ہے جس کے نتیجہ میں زنا اور فحاشی پھیلے اور عام ہو اور اسی لیے کئی اوقات میں عیسائیوں کے دینی لوگوں نے اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے اس کیخلاف کام کیا اور اسے باطل قرار دیا اور اسے ختم کیا لیکن انیسویں صدی میں دوبارہ زندہ کیا گیا۔
چونکہ عشق کا تعلق انسان کے اندرونی جذبہ سے ہے اسی کا استحصال کرنے کیلئے تجارتی کمپنیوں نے ویلنٹائن ڈے کو ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے ذریعہ خوب شہرت دی اور دلفریب بنا کر پیش کیا۔ اس دن کھربوں ڈالرز کا فائدہ یہ اپنی مصنوعات محبت کے دیوانوں کو فروخت کرکے حاصل کرتی ہیں۔ انہیں کے زیر اثر دنیا تمام ذرائع ابلاغ اس دن کو بڑے تزک واحتشام سے نشر کرتے ہیں خصوصا اسلامی ممالک میں براہ راست موسیقی اور گندی تصاویر اور رقص وسرور کی محافل نقل کرتے ہیں جس کی بنا پر بہت سے مسلمان لوگ بھی اس کے دھوکہ میں آنا شروع ہو چکے ہیں۔ اسی لئے پچھلے چند برسوں میں بہت سے مسلمان نوجوان لڑکے لڑکیوں میں بھی یہ دن منانے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔
اس دن ایک خاص قسم کے کارڈ کا تبادلہ ہوتا ہے، جس پر لکھا ہوتا ہے کہ میرے والنٹائن محبوب بنو۔ سرخ گلاب کے پھولوں کا تبادلہ مٹھائیوں، خاص بدقسمتی سے اِسے بھرپور انداز میں منانے والے اِس بات سے لاعلم ہیں کہ اِسے کیوں منایا جاتا ہے۔ اِس دن شہر کی سڑکوں پر عجیب وغریب مناظر دیکھنے کو ملتے

ہیں۔ پھولوں کی دکانوں سے پھول اچانک غائب ہو جاتے ہیں، تعلیمی اداروں بازاروں اور بس اسٹاپ پر منچلے لڑکے لڑکیوں سے چھیڑ خانی کرتے اور پھول پھینکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جبکہ تمام پارکوں اور گارڈنس میں نوجوانوں کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے اور اِس دن کے لحاظ سے لڑکیوں نے سرخ لباس زیبِ تن کئے ہوتے ہیں تاکہ اِس دن بھرپور انداز میں لطف اندوز ہوا جاسکے۔ اِب یہ ایک فیشن بن گیا ہے اور ہر کوئی اِس فیشن کو اپنانے کیلئے سرگرداں ہے۔ یہ دن سڑک چھاپ عاشقوں کیلئے ایک نعمت بن کر وارد ہوا ہے۔ اِب آپ جس سے محبت کرتے ہیں مگر اِب تک اظہار کرنے کی جرات نہیں کرپائے اسے صرف پھول یا پھر ایک سستا سا کارڈ بھیج کر اپنے دل کی آواز اس تک پہنچا سکتے ہیں۔ آگے آپ کے محبوب کی مرضی ہے کہ وہ بہت ساری آفروں میں سے کس کی آفر قبول کرتا ہے اور کتنی مدت کیلئے۔

یہاں اِس کا ذکر انتہائی ضروری ہے خصوصا نئی نسل کیلئے جو ایسے فیشن اختیار کرتی ہے اور ایسے ایام خوشی سے مناتی ہے جو ہمارے ہیں ہی نہیں۔ بلکہ اس تہذیب سے بھیجے گئے ہیں جسے دیکھ کر ہم شرم سے جھک جاتے ہیں۔ اِس تناظر میں اِس امر کو ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ مسلم ممالک اور معاشروں پر تہذیب کی جنگ مسلط کر دی گئی ہے چند سال پہلے کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دنیا گلوبل ویلیج ہے۔ گلوبل ویلیج کا نعرہ مغرب سے آیا اور مغرب کے پیروکاروں نے اِسے

پھیلایا جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو ایک تہذیب کے زیر اثر لایا جائے جہاں ایک نظام ہو، ایک تہذیب ہو اور اِسکے ہر رسم و رواج کو دوسری تہذیبیں قبول کریں۔ اِسے اپنی زندگی کا جزوِ لازم بنالیں اور اِسی منصوبے کے تکمیل کیلئے وہ جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم احساس کمتری کا اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ مغرب کی ہر روایت کو اپنا کر فخر محسوس کرتے ہیں اور ہمارے معاشرے میں ماڈرن اور روشن خیال ہونے کی دلیل ہے مغرب کی تقلید بن گئی ہے۔ معاشرئے میں جس طرح کا چال چلن انسانوں کا اِس وقت ہے اُس لحاظ سے جنگل کے جانوروں اور پاکستانی معاشرئے میں رہنے والے انسانوں کی بود وباش میں مماثلت ہی مماثلت پائی جارہی ہے۔ ماضی قریب میں یہ مثال دی جاتی تھی کہ فلاں شخص تو نرا جنگلی ہے اُسے کوئی تمیز نہیں ۔ لیکن حالیہ دور میں جب کہ زمانہ جدت کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ انسانی ترقی کا عالم یہ ہے کہ ہر ہر وہ شے بنالی گئی ہے جس کا صرف تصور کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اِس جدت نے اِس نام نہاد تعلیم نے ہم سے عزت واحترام چھین لیا ہے۔اکبر آلہ آبادی کے بقول کہ ہم تو سمجھے تھے لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ ۔ میرا سرجن رگِ ملت سے لہو لیتا ہے۔ادب احترام ختم ۔ محبت اخلاص کے جذبے قصہ پارینہ ہوئے۔ دولت کمانے کی حرص نے حلال وحرام میں تمیزاِس طرح غائب ہوئی ہے۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ نبی پاک ﷺ نے جس طرح کے معاشرئے کی تشکیل فرمائی اُس کے اعجاز تو یہ تھا کہ ایک دوسرئے کے خون کے پیاسے مونس و

غم خوار بن گئے۔ سود خوری کو اِس طرح ختم کیا کہ لالچ و حرص کی بجائے بھائی چارے نے بلال حبشیؓ، سلمان فارسیؓ کو وہ مقام عطافرمادیا کہ بڑی بڑی سلطنتوں کے بادشاہ اُن کے مقام پر رشک کرتے ہیں۔ مہاجرین و انصار کے تعلق نے وہ مثال قائم کی نبی پاک ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کا اعجاز پوری کائنات میں چھا گیا۔ موجودہ دور میں نہ جانے کہاں سے یہ ذلت ہمارے نصیب میں آئی ہے کہ ہم مادی ترقی کے لیے جائز و ناجائز کی تمیز فراموش کرکے اِس طرح دولت کو دن رات سمیٹنے کے لیے ہلکان ہوئے جارہے ہیں کہ ایسا لگ رہا ہے جیسے لاکھوں سال جینے کا پرمٹ لیے ہوئے ہیں۔ شرم و حیا ہمارے معاشرے کی پہچان ہوا کرتی تھی لیکن مختلف قسم کی خرافات نے ہمیں اُس راہ پر گامزن کر دیا ہے کہ یہود ہنود ہمیں لاکھوں میل دور بیٹھ کر اپنی تہذیب کا دلدادہ بنا رہے ہیں۔

ادویات کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ۔ موت سستی ترین دستیاب

جس ملک کے باسی حالت جنگ میں ہوں ملک کی معیشت کا بیڑا غرق ہو چکا ہو۔ انرجی کا بحران ہو۔ ملازمتیں ملنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو۔ روٹی مہنگی اور موت سستی ہو۔ اُس معاشرے میں جہاں ستر فی صد سے زائد آبادی کے پاس پینے کا صاف پانی نہ ہو۔ جہاں خطِ غربت سے نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں کیتعداد آدھی آبدی سے بھی زیادہ ہو۔ جس ملک میں غریب ہونا لعنت تصور کی جائے۔ جس ملک میں جج جنرل اور جنرلسٹ ہی قسمت کے فیصلے کرنے والے ہوں جہاں ہر آٹھواں آدمی جگر کے عارضے میں مبتلا ہو۔ جہاں بلڈ پریشر اور شوگر جیسی بیماری نے ہر گھر میں ڈیڑے ڈالے ہوں ۔ ایسے ملک میں جمہوری حکومت کے ہوتے سندھ میں ادویات کی قیمتوں میں ستر فیصد اضافہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے غریب عوام سے ہوا چھین لی جائے تاکہ وہ نہ سانس لیں سکیں اور نہ جی سکیں۔ پورے ملک میں ادویات کی قیمتوں میں پندرہ فی صد اضافے کی بھی وعید سنائی گئی ہے۔ اشرافیہ حکمران طبقے نے تو باہر کے ممالک میں اپنا علاج کروانا ہوتا ہے۔اِس لیے عوام جائے بھاڑ میں ۔ مرتے ہیں تو مریں۔ عوام کے لئے سر درد کی دوا کا خریدانا بھی درد سر بن گیا، سندھ بھر میں ادویات کی قیمتوں میں 70 فیصد تک اضافہ کر دیا گیا۔ سندھ بھر میں ادویات کی قیمتوں کو تو شاید پر ہی لگ گئے ہیں، عوام کے لئے پہلے ہی آٹے دال

کی قیمتوں میں اضافے نے سر میں درد کر رکھا تھا اب اس سر درد کی دوا خریدنا بھی عوام کے لئے درد سر بن گیا ہے۔ دوسری جانب امراض قلب اور شوگر کی ادویات کی قیمتوں میں اضافے نے عوام کے بلڈ پریشر اور شوگر لیول کو مزید بڑھا دیا ہے ایک رپورٹ کے مطابق مختلف میڈیکل اسٹور مالکان نے بتایا کہ ادویات بنانے والی قیمتوں نے دواوں کی قیمتوں میں 10 سے 70 فیصد اضافہ کرکے نئی فہرست بھی جاری کر دی ہے۔ عوام کا کہنا ہے کہ ایک تو پہلے ہی روزی روٹی کا حصول مشکل ہو گیا ہے، اوپر سے ادویات جیسی بنیادی ضروت کی قیمتوں میں اضافے کرکے عوام سے جینے کا حق بھی چھینا جا رہا ہے انھوں نے مطالبہ کیا کہ حکومت فوری طور پر ادویات کی قیمتوں میں اضافہ کا نوٹس لے۔ چھ عالمی ادویہ ساز کمپنیوں نے ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی آف پاکستان (ڈی آر اے پی) کی منظوری کے بغیر خاموشی سے اپنی ادویات کی قیمتوں میں 15 فیصد تک اضافہ کر دیا۔ کمپنیوں کی جانب سے بغیر منظوری لیے قیمتیں بڑھائے جانے سے ملک میں ادویات کی قیمتوں کا میکانزم متنازع ہو گیا ہے۔ایک سینیئر عہدیدار کے مطابق ادویات کی قیمتیں بڑھنے سے مارکیٹ میں ادویات کی مصنوعی قلت پیدا ہو گئی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ جن ادویہ ساز کمپنیوں نے ادویات کی قیمتیں بڑھائی ہیں، ان میں گلیکسو اسمتھ کلائن جی ایس کے)، سنوفی ایونٹس، ایبٹ لیبارٹریز، نووارٹس، اوٹسوکا اور ریکٹ بینکیزیئر) شامل ہیں۔انھوں نے کہا کہ ان کمپنیوں کی جانب سے جن ادویات کی قیمتیں بڑھائی گئیں ان میں خون پتلا

کرنے، بلڈ پریشر، کمزوری دور کرنے، بخار اور درد کی ادویات شامل ہیں، جبکہ ان میں کچھ ادویات خواتین کو دوران حمل بھی تجویز کی جاتی ہیں۔مذکورہ سینیئر عہدیدار کا کہنا تھا کہ مریض پہلے ہی ادویات مہنگی ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں اور اب ان کی قیمتوں میں اضافے سے ان کی پریشانی مزید بڑھے گی۔انہوں نے کہا کہ ادویہ ساز کمپنیوں نے اپنے عملے کو ہدایت کی ہے کہ وہ صارفین سے نئی قیمتوں کے حساب سے ادویات کے پیسے چارج کریں، جس کے باعث کئی جان بچانے والی ادویات مارکیٹ سے غائب ہوگئی ہیں اور 'مافیا' کو کھلی چھٹی مل گئی ہے کہ وہ مریضوں کی پریشانی کا بے جا فائدہ اٹھائیں۔ان کا کہنا تھا کہ کئی ادویہ ساز کمپنیوں نے تو اپنے عملے کو یہ بھی ہدایت کی ہے کہ مارکیٹ سے ادویات کا پرانا اسٹاک اٹھا کر انہیں نئی قیمتوں میں بیچا جائے۔ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی کے چیف ایگزیکٹو آفیسر ڈاکٹر محمد اسلم افغانی نے کہا کہ ان کمپنیوں نے اپنے طور پر سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے اور حکم امتناع کو جواز بنا کر بغیر منظوری لیے ادویات کی قیمتیں بڑھائیں، تاہم اتھارٹی اس حکم امتناع کے فیصلے کو چیلنج کرے گی۔دوسری جانب چیف ڈرگ کنٹرولر پنجاب ڈاکٹر ذکاء الرحمٰن نے صوبے بھر کے ڈرگ کنٹرولرز کو قیمتوں پر کڑی نظر رکھنے اور ڈرگ مارکیٹوں کو روزانہ کی بنیاد پر چیک کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ طفل تسلیاں ہیں۔ یہاں قانون کی حاکمیت صرف غرباء پر ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ نواز شریف صاحب اِس حوالے سے فوری ایکشن لیں گے کیونکہ عوام اگر بغیر

ادویات کے مر گئی تو اُن کی حکمرانی بغیر رعایا کے کس پر قائم رہے گی ۔اِس لیے اے حکمرانوں عوام کو جینے کی اجازت دو تاکہ تمھیں حکومت کرنے کے لیے رعایا میسر رہے۔ ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستان کیا ہو۔

متناسب نمائندگی کا نظام اور پاکستان

متناسب نمائندگی کا نظریہ ایک ایسے ووٹنگ سسٹم پر مبنی انتخابی نظام ہے جس میں اسمبلی یا کونسل کو منتخب کیا جاتا ہے۔متناسب نمائندگی سے مراد یہ ہے کہ جو سیاسی پارٹیاں یا گروپ جتنے ووٹ حاصل کرتے ہیں اُسی تناسب سے پارٹیوں میں سیٹوں کی تعداد تقسیم کردی جاتی ہے مثال کے طور متناسب نمائندگی کے نظام کے تحت اگر 30 ووٹروں نے کسی خاص پارٹی کی حمایت کی ہے تو 30% سیٹوں کی جیت اُس پارٹی% کی ہوگی۔

متناسب نمائندگی کا نظام درحقیت سنگل ممبر ووٹنگ سسٹم کا متبادل ہے۔

متناسب نمائندگی کے انتخابی نظام کی کئی اقسام ہیں کچھ نظاموں میں صرف مختلف پارٹیوں کی متناسب نمائندگی ہے،جب کہ کچھ نظاموں میں ووٹرز امیدواروں میں سے انفرادی طور پر امیدوار کو چُنتے ہیں متناسب نمائندگی کے نظام کی شرح میں فرق ہے۔ یہ اُن عوامل کی بناپر ہے جس میں سیٹوں کے تعین کا فارمولا ترتیب دیا جاتا ہے ۔جس میں ایک حلقے میں سیٹوں کی تعداد یا منتخب شدہ باڈی بحثیت مجموعی کا فارمولا شامل ہے

متناسب نمائندگی کا نظام اکثر سنگل ووٹر الیکٹوریل نظاموں کی ضد سمجھا جاتا ہے ان کا نظام ہے۔یہ نظام plurality میں سب سے عام جو ہے وہ سنگل ممبر

سابقہ تاج برطانیہ کے زیر اثر ممالک جن میں امریکہ، کینیڈا، انڈیا وغیرہ میں موجودہ ہے۔

متناسب نمائندگی کے نظام میں سیاسی جماعتوں کے سیاسی منشور پر خاص طور پر زور دیا جاتا ہے۔ سیاسی جماعتیں متناسب نمائندگی کے نظام میں دل یعنی مرکز کے طور پر کام کرتی ہیں۔ مثال کے طور جو جماعتیں کل ووٹوں کا 15% حاصل کرتی ہیں تو اِس نظام کے تحت وہ اپنے امیدراروں کے لئے 15% نشستیں حاصل کر لیتی ہیں۔ تاہم جن اقوام میں متناسب نمائندگی کا نظام رائج ہے وہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امیدوار کی انفرادی حثیت تو دیکھا جائے جیسا کہ نیدرلینڈ کے انتخابی نظام میں ہے یا پھر ایسی اقوام بھی ہیں جہاں صرف پارٹی کو ووٹ دینے کی اجازت ہے جیسے کہ اٹلی کی پارلیمنٹ ہے۔ زیادہ تر جو بحث انتخابی نظام کے حوالے سے کی جاتی ہے وہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ متناسب نمائندگی کے طرف رجوع کیا جائے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ موجودہ دور میں امریکہ اور برطانیہ میں جو مضبوط پارٹیاں ہیں وہ صرف 20% سے 25% تک اہل ووٹروں کی حمایت سے پارلیمنٹ میں کنٹرول حاصل کر لیتی ہیں جس سے چھوٹی پارٹیاں نظرانداز ہو جاتی ہیں۔ کینڈا میں صورتحال اور زیادہ خراب ہے کہ صرف 40% ووٹروں کی حمایت سے پارٹیاں مکمل چار سال کے لئے اقتدار حاصل کر لیتی ہیں۔ اس طرح صرف 60% پڑنے والے ٹوٹل ووٹوں میں سے صرف ایکچوتھائی ووٹ

حاصل پارٹی حکومت کی تشکیل کرلیتی ہے۔بیان کردہ متناسب نمائندگی کے نظام کے حوالے سے بحث عرصہ سے وطن عزیز میں چل رہی ہے۔پاکستان کے جغرافیائی اور سماجی خدوخال اِس طرح کے ہیں کہ ایک ایسا مربوط انتخابی نظام جس میں ہر طبقہ فکر، خواہ اُس میں قوم پرست شامل ہوں یا کسی خاص طبقہ فکر کی سوچ کے حامل افراد ہوں آف سوسائٹی کو جمہوریت کے ثمرات سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے segment ۔تمام ۔پاکستان میں زبان نسل اور مذہب کی بنیاد پر الیکشن میں حِصہ لینا آئین پاکستان کی نفی ہے۔لیکن اگر کوئی بھی گروہ یا جماعت آئین پاکستان کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے منشور کی بنیاد پر انتخابی عمل میں حصہ لیتی ہے تو اُسکی سوچ کو پذیرائی ملنے کی صورت میں ارباب اختیار کو بھی خوداحتسابی کرنے کی عادت پڑ سکتی ہے۔پاکستان جیسے ملک میں جہاں تعلیمی صورت حال تشویش ناک حدتک خراب ہے۔تعلیمی ماحول نہ ہونے کی بناء پر جمہوریت کو بھی پنپنے کا موقع نہیں مل سکا۔ہم انگریز اور انگریزی نظام کو اپنے ملک کے سماجی ڈھانچے کے لئے زہرِ قاتل تو گردانتے ہیں لیکن گزشتہ 62 سالوں سے کون سے شعبے میں ہم نے قابلِ فخر ترقی کی ہے۔

اِس ملک کے 70% لوگ صاف پانی سے محروم ہیں بجلی گیس کا بحران ہماری معیشت کو نگل چکا ہے۔مذہبی منافرت ہونے کا ڈھنڈورا تو خوب پیٹا جاتا ہے۔لیکن پاکستان میں فرقہ ورانہ ہم آہنگی موجود ہے اگر کہیں فرقہ ورانہ فسادات ماضی میں

ہوئے بھی ہیں یا ابھی ہوئے ہیں تو اس میں ہمارے دشمن ممالک کی سازش کارفرما ہوتی ہے ۔اسی طرح پاکستان میں بین المذاہب ہم آہنگی بھی قابلِ اطمینان حد تک موجودہ ہے۔اسلئے یہ استدلال کے متناسب نمائندگی کی بناء پر اس طرح کی منفی سوچ اور یک جہتی کی مخالف قوتیں سر اُٹھا سکتی ہیں اس میں وزن نہیں ہے ۔وڈیرہ شاہی ،جاگیردانہ سوچ،اور مختلف گروپوں کے زیر اثر عوام کو اگر اپنی سوچ کا اظہار اِس طرح کرنے کا موقع ملے کہ ایک ایک ووٹ مناسب طور پر طاقت کا عامل ثابت ہو موجودہ انتخابی نظام کی وجہ سے کم ووٹ حاصل کرنے والی جماعت نمائندہ جماعت بن کر اقتدار پر براجمان ہے ۔مثلاً اگر دس سیاسی جماعتیں ایک حلقے میں اپنے امیدوارں کو الیکشن کے لئے اُتارتی ہیں تو ووٹ 10 امیدوارں میں تقسیم ہو کر رہ جاتا ہے ۔اس طرح اگر کوئی جماعت 10 فی صد کوئی 12 فی صد یا 9 فی صد ووٹ حاصل کرتی ہے اور ایسی جماعت جو کہ اِن دس جماعتوں میں زیادہ فی صد ووٹ لے لیتی ہے خواہ اُس نے کل ووٹوں کا 20% حاصل کیا ہو تو اُس کا امیدوار اسمبلی میں پہنچ جاتا ہے ۔جو باقی جو 80% ووٹ دوسری جماعتوں کے امیدواروں تقسیم ہوئے ہوتے ہیں وہ ضائع جائے ہیں یعنی 80% لوگوں کی نمائندگی اسمبلی میں نہیں ہوتی باقی اُنکے مقابلے میں 20% ووٹ لینے والا کامیاب گردانا جاتاہے۔

یہاں المیہ یہ ہے جس کی بناء پر اصل مسائل کا تریاق نہیں ہو پاتا ۔جب اقتدار

کی مسند پر فائز لوگ حقیقی عوامی حمایت یافتہ نہ ہوں تو پھر عوام کے مسائل بھی اُن کی زبان پر نہیں ہوتے اور ضمیر نام کی چیز بھی اُنہیں ملامت نہیں کرتی۔ پاکستان میں ایسی کئی سیاسی پارٹیاں ہیں جن عوام میں نفوس پذیری قابل قدر ہے کہ لیکن اسمبلی میں اُن کی آواز نہیں پہنچ پا رہی ہے۔ یا اگر اُن کو سیٹیں ملتی بھی میں تو بہت کم اس حوالے سے پاکستان عوامی تحریک کے چیرمین ڈاکٹر طاہر القادری نے کافی عرصہ سے آواز بلند کر رکھی ہے کہ انتخابی نظام بدلا جائے۔ وطن پاک میں سیاسی جماعتوں میں ڈاکٹر طاہر القادری کی جماعت عوامی تحریک۔ مولانا فضل الرحمان کی جماعت جمیت علمائے اسلام ۔ف (جماعت اسلامی، مولانا سمیع الحق کی جماعت جمیت علماکے اسلام ۔ س مولاناشاہ احمد نورانی صاحب مرحوم کی جمیت علمائے ،پاکستان سنی اتحاد کونسل کے چیر) مین صاحبزادہ فضل کریم مرحوم کی جماعت علمائے پاکستان ،اسی طرح پاکستان سُنی تحریک عمران خان کی تحریک انصاف انجمن طلبہ اسلام کے سابقین کی جماعت پاکستان فلاح پارٹی وغیرہ یہ وہ سیاسی قوتیں ہیں اکہ اگر متناسب نمائندگی کی بنیاد پر الیکشن ہوں تو پھر پورے پاکستان میں کاسٹ ہونے والے ووٹوں کی بنیاد پر یہ جماعتیں اسمبلی میں پہنچ کر اپنا مثبت کردار اِدا کر سکتی ہیں۔اور وفاق کی مضبوطی میں اہم پیش فرت بھی اس طرح ممکن ہے۔

جماعت اسلامی گزشتہ نصف صدی سے انتخابی میں ہے لیکن اسے جب بھی اسمبلی میں نشستیں ملی ہیں اُس کے لئے اِسکو نواز لیگ کا سہارا لیناپڑایا جنرل ضیاء الحق کی آشیر با دحاصل تھی حالانکہ متناسب نمائندگی کی بناء پر جماعت اسلامی کی قوت مجتمع ہو سکتی ہے اور نشستوں کی تعداد بھی زیادہ ہو سکتی ہے ۔یہ ہی حال جے یوپی کا ہے پورے ملک میں اسکے چاہنے والے بے شمار ہیں لیکن اس وقت اس کی اسمبلی کوئی نشست نہیں ۔ عوامی نیشنل پارٹی (اے این پی (کے چاہنے والے پورے ملک میں ہیں لیکن سوائے خیبر پختون خواہ میں اسکی عددی اکثریت کہیں نہیں ہوتی ۔اِس نظام میں عوامی نیشنل پارٹی کو بھی تقویت حاصل ہو سکتی ہے ۔اس نظام کے تحت بظاہر لسانی ،مذہبی قوم پرستوں کے نشستیں لینے کے چانسز بن جاتے ہیں لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ یہ تمام گروپؒ قومی دھا رے میں آ کر وفاق کی بات کرنے پر مجبور بھی ہو سکتے ہیں اور وفاق کی مضبوطی میں اپنا کردار بھی ادا کر سکتے ہیں ۔پاکستانی معاشرے کے کئی رنگ ہیں اِس ملک کی نظریاتی اساس بھی اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر طبقے کو اپنی بات کہنے کا حق ملے لیکن یہ تو تب ہی ممکن ہے جب اِن کی آواز پارلیمنٹ میں پہنچ سکے ۔

حقیقی مسائل کا ادراک تب ہی ممکن ہے جب حقیقی نمائندں پر مشتمل اسمبلیاں وجود میں ہیں ۔

بے روزگاری کے زخموں سے چور چور نوجوان نسل بے یقینی کی کیفیت میں اندھیروں میں ڈوبتی جا رہی ہے۔معاشی وسماجی ناانصافیاں دہشت گردی ،ڈاکے لوٹ مار کو جنم دی رہی ہیں ملک میں موجود اشرافیہ

طاوس رباب کی مدھ بھری تانوں پر تھرک رہی ہے اور ملک کی حقیقی نمائندہ عوام ظلم وجبر کی چکی میں پس رہی ہے۔جس کو دیکھیں وہ پاکستان ٹوٹنے کی بات کر رہا ہے۔اِس بے چینی کی وجہ ہی یہ ہے کہ حقیقی

نمائندگی حکومتی ایوانوں تک پہنچ نہیں پا سکی پس اِس وطن کا وجود ، خوش حالی ، سماجی ومذہبی راوداری معاشی آسودگی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک نام نہاد جمہوریت پسند لیڈروں کی بجائے حقیقی عوامی نمائندگی کے حامل افراد قوم کی باگِ دوڑ نہ سنبھال لیں۔اِس ملک میں دو پارٹی نظام نہ تو پنپ سکا ہے۔نہ کوئی چانس ہے۔اس وقت دُنیا کے تقریبا87 ممالک میں متناسب نمائدگی کا نظام رائج ہے۔ان ممالک میں ترکی ،جرمنی سری لنکا، سویڈن ، سوئیز لینڈ، ساوتھ افریقہ ،روس جیسے ممالک بھی شامل ہے چند اہم، خرابیاں جو کہ موجودہ جمہوریت نظام میں موجودہ ہیں۔

1۔95% عوام کو 5% طبقے نے یر غمال بنا رکھا ہے

2۔مالی طور پر مضبوط اور بااثر افراد ہی اِس نظام میں الیکشن میں حصہ لے کر

کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

۔الیکشن جیتنے کے لئے امیدوار خوب رقم لگاتے ہیں اور پھر اُس سے کئی گنا کرپشن 3 کرتے ہیں ۔

۔عام پڑھا لکھا باشعور آدمی جو معاشی طور پر اس قابل نہ ہو کروڑوں روپے انتخابی مہم 4 پر خرچ نہ کر سکتا ہو وہ الیکشن کے عمل سے باہر ہے۔

۔بااثر افراد کی انتخابات میں کامیابی سے پسے ہوئے طبقے کی آواز دب کر رہ گئی ہے۔5

۔عوام کے حقیقی مسائل کیونکہ ان وڈیروں ، سرمایہ داروں کے لئے کوئی اہمیت نہیں 6 رکھتے اِس لئے اُن کو عوام کے درد کا نہ کوئی احساس ہے اور نہ کوئی پرواہ۔

۔موجودہ جمہوری نظام نے فوج، سول بیوروکریسی اور وڈیرہ شاہی کی ایک مثلث قائم 7 کر رکھی ہے جس کی وجہ سے عوام کو اپنی حالت بدلنے کے لئے خود ہی اُٹھا ہوگا۔

۔مختلف گروپوں ،علاقائی پارٹیوں کی آواز موثر نہ ہونے سے وفاقی اور قومی یک جہتی 8 کو خطرات لاحق ہیں۔بلوچستان میں لگی ہوئی آگ کی وجہ بھی یہ ہی ہے کہ حقیقی عوام حکومت میں نہیں ہوتی ہے

۔موجودہ نظام کی وجہ سے جمہوریت لوٹ مار اور کرپشن کا نشان بن چکی ہے چند سال 9 بعد ہی اِس نظام کے تحت منتخب حکومت عوام کے لئے سوہان روح بن جاتی ہے

اور لوگ پھر تبدیلی کے لیے فوج کا راستہ دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ گھٹن کے ایسے ماحول میں فوج کو چار و نا چار حکومتی ایوانوں میں گھسنا پڑتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ پاکستان آرمی کو دُنیا کی بہترین پیشہ ورانہ حاصل کی فوج گردانا جاتا ہے۔ تو پھر ایسی فوج کو مجبوراً اگر اقتدار میں آنا پڑتا ہے تو اِس کا مطلب صاف ہے کہ موجودہ انتخابی نظام ہمارے مسائل کا ادراک نہیں رکھتا۔

آہوں کا رِستا ہوا لہو

ماں اپنے لاڈلے جواد اور لاڈلی زیبا پر اپنی پہاڑ جیسی جوانی قربان کر چکی تھی۔ جیسے تیسے کرکے محنت مزدوری کی جواد کو تعلیم دلوائی اسی طرح چھوٹی زیبا کو بھی اُس نے پڑھایا۔ ماں سارا دن لوگوں کے کپڑے سیتی یوں اُس نے اپنے خاوند کی موت کے بعد اپنے گھر کی روٹی، پانی کا انتظام چلایا۔ جب اُس کا خاوند اُسے اکیلا چھوڑ کر منوں مٹی میں جا سویا تھا اُس وقت جواد تین سال کا تھا اور زیبا چھ ماہ کی تھی۔ جواد کو اپنے باپ سے بڑا پیار تھا اُس نے اپنی توتلی زبان سے ابا کہنا سیکھا ہی تھا کہ اُسکا پیارا لاڈو ابا اپنے ننھے سے جواد اور معصوم بیٹی زیبا اور اپنی وفا کا پیکر بیوی کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے ایسے دیس روانہ ہوگیا تھا جہاں سے واپسی کبھی کسی کی آج تک نہ ہوئی ہے۔ جہاں سے کبھی کسی کے خط کا جواب بھی نہیں آیا کرتا۔ یوں رخشیندہ جو ابھی مشکل سے چوبیس سال کی ہوئی تھی بیوگی کے پُل صراط پر سے گزرنے کے لیے سوائے اُس کے رب کے اُسکا کوئی سہارا نہ تھا۔ ماں باپ اُسکے بچپن میں ہی چل بسے تھے۔ اور اُسکو کسی کی خبر نہ تھی بس اتنا پتہ تھا کہ محلے کے ایک بزرگ نے اُسے بیٹی بنا کر پالا اور اُسکا بیاہ کردیا اور بس اُسکے بابا نے بھی شاید اپنی سانسوں کو ننھی رخشیندہ کے لیے سنبھال رکھا تھا جیسے ہی اُسکا بیاہ ہوا وہ بزرگ بھی داغِ

مفارقت دے کر اپنے خالقِ حقیقی کو جا ملا۔ رخشیندہ کی زندگی میں بہار اور خزاں جیسے ا لفاظ میں کوئی فرق نہ تھا۔اُسے اتنا پتہ تھا کہ رب کا کام روٹی دینا ہے اور بندے کا کام کھانا ہے اُس روزی روٹی کو جب تک اُس رب نے سانسیں دے رکھیں ہیں۔ کیونکہ اُس کو پتہ تھا کہ جس ڈوری کے ساتھ بندے کی سانسیں بندھی ہوئی ہیں وہ ڈوری ایک ایسے ہاتھ میں ہے جو کہ پوری انسانیت اور سارے جگ کا مالک ہے اور وہ کچا ہاتھ نہیں بلکہ بہت پکا اور مظبوط ہے اس لیے رخشیندہ نے مایوس ہونا تو کبھی سیکھا ہی نہیں تھا۔ اِسی لیے تو جب اُس کے شوہر کی وفات ہوئی تو وہ اپنے رب کے اس فیصلے پر صابر و شاکر ہو کر ایک نئی راہ پر چل پڑی اس راہ میں اب اُس کے ساتھ اُسکا ننھا جواد اور معصوم زیبا بھی تھی یہ سفر بھی تو رب نے اُسکے لیے چنا تھا تو رب خراب راستے اپنے بندے کے لیے کیسے چُن سکتا ہے وہ تو اپنی مخلوق سے محبت کا سلوک کرتا ہے۔ رخشیندہ اپنے طور پر دن رات محنت کرکے اپنے بیٹے اور بیٹی کو پالتی رہی۔ ننھا جواد جب جب سکول جاتا تو ماں اُس کو ڈھیروں دُعائیں دیتی ۔جواد کو دھن تھی کہ وہ بڑا انسان بنے گا۔ ماں اُسکو سمجھاتی کہ بڑا انسان وہ ہوتا ہے جو کہ دوسرں کا خیال رکھے اُن کے دکھ درد میں شریک ہو۔ماں ہمیشہ جواد کو نصعیت کرتی کہ بیٹا کبھی محنت سے جی نہیں چُرانا،رب پاک سے نا امید کبھی نہیں ہونا۔ننھے جواد کے اندر یہ سوچ اُس کی ماں نے جاگزیں کردی تھی کہ رب ہی کارساز ہے اور اُس سے ناامید ہونا گناہ ہے اور اسی سوچ میں جواد پروان

چڑھا۔ جواد کی سوچوں میں یہ راسخ ہوچکا تھا کہ جو کچھ رب پاک نے کرنا ہے وہی ہونا ہے انسان کا کام صرف نیک نیتی سے محنت کرنا ہے جواد میٹرک میں جب سکول میں اول آیا تو اُسکی ماں کے خوشی سے آنسو نکل اُئے۔ ماں نے گھر میں رب کے پیارے رسول ﷺ کا میلاد منایا اور محلے کی عورتوں نے میلاد میں بھرپور شرکت کی۔ جواد کی کامیابی کے پیچھے درحقیت وہ جذبہ کارفرما تھا کہ ہمیشہ سچ بولنا ہے اور محنت کرنی ہے۔ رخشیندہ کی تربیت نے جواد کو ایک مثالی طالبعلم بنا دیا تھا۔ جواد ایف ایس سی کرکے ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔ ماں کے پاس وسائل بہت کم تھے۔ لیکن وہ بھی دُھن کی پکی تھی اور اُسے اپنے رب کی رحمت پر اتنا یقین تھا جتنا کہ اُس کو اس بات پر یقین تھا کہ وہ انسان ہے اور مسلمان ہے۔ رب پاک کی رحمتوں کے سائے تلے جواد پڑھتا چلا گیا۔ جواد کی ماں کی محنت تو تھی ہی لیکن جواد بھی کسی طرح سے بھی محنت سے جی چُرانے والا نہیں تھا۔ رخشیندہ نے بیشمار تکلیفوں کے باوجود جس طرح سے اپنے لال کی تربیت کی تھی اُس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس لیے جواد اپنی ہر کلاس کے اُستاد کی آنکھ کا تارا بن جاتا۔ جواد کی پڑھائی سے لگن اور زندگی کے معاملات میں ایک پختہ سوچ اور رائے نے اُس کو اپنے ساتھی لڑکوں سے ممتاز کر رکھا تھا۔ اُسکی کامیابی کے حصول کے مقصد کے راہ میں حائل رکاوٹیں کبھی بھی اُس کے حوصلوں کو پست نہ کر سکیں۔ ہر ہر مشکل گھڑی اُس کو کامیابی کے نزدیک اور مایوسیوں سے دور کرتی جا رہی تھی۔ ماں کو اپنے لاڈلے کی فکر تو رہتی لیکن اس کی ممتا نے

جواد کو اُن راستوں کا راہی بنا دیا تھا۔ جہاں دکھ اور سکھ غمی اور خوشی سب پر بندہ اپنے رب کی رضا پر شاکر رہتا ہے۔ جواد کی زندگی ایسے عنوان سے عبارت تھی جہاں بچے بچپن سے سیدھا بڑھاپے میں پہنچ جاتے ہیں۔زندگی اُن کے لیے بوجھ نہیں بلکہ اُستاد بن جاتی ہے تو بھلا پھر کبھی کوئی اُستاد سے گلا شکوہ بھی کرتا ہے۔ وہ عام لڑکوں کی طرح نہ کھیلا کودا نہ کبھی دوستیاں پالیں اور نہ من پسند کی کبھی شاپنگ کی۔ وقت کے سمندر نے جواد کو ایک ایسا گوہرِ نایاب بنادیا تھا جو کہ کسی بھی لمحے مایوسیوں کے قریب نہ پھٹکتا تھا۔ اُس کے سامنے تو ماں اور رب کی رضا ہی مقدم تھی کیوں ایسا نہ ہوتا جواد تو تھا ہی سراپا عجزِ وانکسار۔ ماں خوش تھی باپ کی شفقت سے محروم بچہ اپنے رب کے سہارے زندگی کی منازل طے کر رہا تھا۔ رشتے دار تو کوئی تھا ہی نہیں محلے دار جو تھے وہ جواد اور اُسکی ماں کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔ جواد کبھی کبھار اگر حالات کی تنگی سے اُکتا جاتا تو وہ رات کو اپنی چھت پر چلا جاتا اور اور آسمان کے ستاور ں کو دیکھ کر آنسو بہا کر اپنا من ہلکا کر لیتا۔ یوں دن بیتتے چلے گئے۔ زندگی کا سفر ہر دم رواں رہتا ہے یہ تو انسان کے احساسات ہیں جو اس کو کبھی خوشی کبھی غم دیتے ہیں۔ ورنہ زندگی تو روزِ اول سے ہی زندگی ہے وہ تو رکتی نہیں اُسے تو بس چلتے رہنا ہوتا ہے۔ انسان کو جب خوشیاں میسر آتی ہیں تو اُسکو وہ اپنا حق سمجھ لیتا ہے لیکن جب ُدکھ ملتے ہیں تو تب وہ خیال کرتا ہے کہ اُس کے ساتھ تو بڑا ظلم ہو گیا ہے۔ وہ

چیختا اور چلاتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو رب کی رضا پر قانع ہوتے ہیں وہ اللہ کے شیر بن جاتے ہیں۔ اُن کو پھر رُباعی نہیں آتی وہ اپنی تقدیر کو خود سنوارتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر کسی دوسرے کو موردِ الزام نہیں ٹھراتے۔ جواد کو تو بس اگے بڑھنا تھا۔ وہ ایف ایس سی کے امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد میڈیکل کالج چلا گیا۔ میڈیکل کالج میں اُس کو سکالرشپ ملا جسکی وجہ سے اُسکی ماں سے کافی بوجھ کم ہو گیا۔ یوں ایک دن جواد ایم بی بی ایس کی ڈگری لے کر ڈاکٹر بن گیا۔ وہ دن ماں کے لیے شادیِ مرگ کی کیفیت کا دن تھا۔ اُسے زندگی کا حاصل مل گیا تھا۔ زیبا بھی اپنے لاڈلے بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ڈاکٹر بن چکی تھی۔

زیبا زندگی کو اپنی ماں کی آنکھ سے دیکھتی اور ماں کی سوچوں سے سوچتی۔ زیبا کو ہر وقت فکر اپنی ماں اور بھائی کی رہتی۔ وہ اس جذبے کی قائل تھی کہ بیٹیاں ، بہنیں تو اپنی ماں اور بھائیوں پر قربان ہونے کے لیے ہوتی ہیں۔ رخشیندہ کی تربیت نے زیبا کو پابند صوم وصلاۃ بنا دیا تھا۔ اُسکا بھائی بھی اُس پر ہر وقت واری ہوتا تھا۔ زیبا سوچتی کہ ماں نے کتنے دکھ اور تکلیفیں سہی ہیں کاش ایسا نہ ہوتا اُسکے ابا زندہ ہوتے اور وہ اُسکے ناز اُٹھاتے لیکن قدرت کا لکھا کون ٹال سکتا ہے۔ اُسے یہ ادراک ہو چکا تھا کہ فطرت کی ہر شے مجبور ہے۔ ستم کے سلسلوں نے دراز ہی رہنا ہے لیکن رب کی رحمت سے

مایوسی بھی تو کفر ہے ان خیالات کو جھٹک کر وہ خیالوں میں پریوں کے دیس پہنچ جاتی۔ کسی کا تو پتہ نہیں اُسے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ اُس نے ہر گھڑی اپنے خالق کی اطاعت میں گزارنی ہے۔ پریوں کے دیس کی سیر اُس کے خیالوں کو اتنا پاکیزہ بنا دیتی کہ وہ خود کو بھی ایک پری ہی سمجھنے لگتی۔ ماں زیبا کا دل بہلاتی اور زمانے کے ساتھ کیسے سلوک کرنا ہے اور دُنیا کی کونسی بات کو پس پشت ڈال دینا ہے اور کس بات پر عمل کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہے۔ اس لیے زیبا اپنی سوچ میں اتنا گم ہو جاتی۔ کہ وہ خود کو بھی فراموش کر دیتی پھر ماں اُسکو تسلی دیتی کہ دکھ اور سکھ تو زمانے کا حصہ ہیں ۔ [illegible] کو تو یقین ہو چلا تھا کہ رب پاک نے اُسکی قسمت کتنی اچھی بنائی تھی۔ جواد کو ایک مقامی ہسپتال میں جاب مل گئی تھی ۔ زیبا بھی بھائی کے ساتھ ہی اُسی ہسپتال میں ملازمت کرنے لگ گئی۔ اسی دوران جواد سپیشلائزیشن کرنے امریکہ چلا گیا۔ ماں نے اُسکے جانے سے پہلے جواد کی منگنی کر دی اور زیبا کی شادی بھی ایک ڈاکٹر سے ہو گی۔ وہ اپنے گھر ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگ گئی۔ جواد منزلیں طے کرتا ہوا امریکہ میں کامیابی حاصل کر کے جب لوٹا تو ماں کی زندگی میں بہارِ جاوداں آ گئی۔ جواد شہر کے سب سے بڑے ہسپتال میں کام کرنے لگا۔ دنوں میں اُسکی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ رخشیندہ اب بیمار رہنے لگی تھی اُس نے جواد کو شادی کا کہا۔ منگنی پہلے ہی طے تھی۔ یوں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ زیبا بھی ماں کا ہاتھ بٹانے کے لیے ماں کے گھر آ گئی وہ ایک

ننھی سے کلی کائنات کی ماں تھی۔ شادی کی شاپنگ اور دیگر تیاریوں میں وقت تیزی سے گزرتا گیا اور پھر وہ دن آ پہنچا جب جواد گلے میں پھولوں کی مالا سجائے اپنی ماں کی خوشیوں میں رنگ بھرنے کے لیے بارات کے ساتھ دلہن کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ بارات گاڑیوں کے قافلے میں اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی کہ اچانک دھماکے کی آواز سنائی دی اور اگلے دن کے اخبارات میں یہ خبر نمایاں تھی کہ کل شہر میں ہونے والے خود کش دھماکے کی زد میں ایک بارات بھی آ گئی اور یوں دلہا اپنی ماں بہن اور دیگر عزیزو اقارب کے ساتھ اُس بم دھماکے میں ہلاک ہو گیا۔ صوبے کے وزیر اعلیٰ کا بیان بھی ساتھ چھپا تھا کہ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ روشن راہوں کی مسافر رخشیندہ اپنی بیٹی، داماد، زیبا کی بیٹی اور جواد کے ساتھ ناکردہ جرم کی سزا میں ہلاک ہو کر اپنے پیارے رب کے حضور پیش ہو گئی۔ رخشیندہ کی روح ازل سے ابد تک کی طرح مطمئن ٹھری لیکن جواد، زیبا وغیرہ کی روحیں بے چینی رہتی اور حیران تھیں کہ کس جرم کی سزا میں وہ اپنی طبعی موت سے پہلے ہی موت کے آنگن میں اُتر آئیں۔ قدرت کے اپنے اصول اور ضابطے ہوا کرتے ہیں۔ لاکھ کوشش کے باوجود جس کی جتنی زندگی تھی اُس نے اتنی ساعتیں گزار لیں لیکن اُن کی روحوں کی بے قراری ایسی تھی کہ اُن کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ دل دماغ سوچیں گواہی دینے سے قاصر تھیں کہ ان معصوموں کا کیا قصور تھا؟

اپنے آپ دی پچھان ای رب دی پچھان اۓ

حضرتِ اقبالؒ نے اپنے اِک فارسی شعر وچ آکھیا اۓ کہ اۓ انسان توں سدر دۓ پودے دی اِک شاخ اے۔ مطلب اے وۓ کہ تیرا مقام وڈا اۓ۔ جے تُوں اپنے رب دا منکر بن گیا ایں تے ہور کجھ نئی تے اپنے مقام توں آشنائی کر لے۔ توائے بندیا اپنے آپ دی معرفت توں آگاہی حاصل کر لے۔ سدرہ او مقام اۓ جس توں اگے جاکے نبی پاک ﷺ نے رب سوہنے دۓ جلویاں دا مشاہدہ کیتا سی۔ اقبالؒ سانوں اۓ گل دسدۓ نے کہ اگر انسان اپنے مقام دی پچھان کر لے تے فیر سوہنے رب دی پچھان وی اسان ہو جاندی اۓ۔ ساڈے معاشرۓ وچ ایس ویلے دے حالات اۓ ہو گئے نے کہ بندہ بندۓ دا انج ویری ہو کھلوتا اے جیویں اۓ دنیا دۓ وچ اُونے ہمیش رہنا اۓ۔ جس طرح دی حرص تے لالچ پچھلے کُجھ وریاں توں سانوں نظر آندی اۓ ایس توں پتہ چلدا اۓ کہ انسان نے اپنے لئی جیہڑا رستہ اختیار کیتا اۓ او رستہ او والا بالکل نئی اۓ جیہڑا رستہ سانوں رب دی اشنائی کروان واسطے ساڈۓ سونے نبی ﷺ نے سانوں وکھایا سی۔ جس گل ول اقبالؒ ہوراں نے اشارہ کیتا اۓ او گل بڑی وڈی گل اۓ کہ اۓ انسان توں رب نوں بھلا بیٹھا ایں پر توں اپنے آپ نوں تے نہ بھلا۔ تنوں تے او مقامِ سدرہ عطا کیتا گیا سی جتھے پہنچ کے انسان اپنے رب دی پچھان کر لیندا اۓ۔ ایس گل بارۓ جدوں سوچیا جاواۓ تے اۓ گل پتہ چلدی اۓ کہ رب پاک نے اپنے آپ

دے راز توپردہ چکٹ کے اپنے محبوب نبی ﷺ نے سدرہ دے مقام تے بلواکے وکھا دیتا۔ اۓ او مقام اۓ جس جگہ جاندیاں فرشتیاں دے وی پَر سڑ جاندے نیں۔ معاشرے دے وچ رہن واسطے انسان نوں بڑے جتن کرنے پیندے نے۔ انسان اودوں ای کوئی منزل حاصل کر سکدا اۓ جدوں اوھاں اپنے آپ دا پتہ ہوئے کہ او کی اۓ۔ جدوں انسان نے اپنی قدر دا تے قیمت دا پتہ چل جاندا اۓ تے فیر او اپنے خالق نوں وی پہچان سکدا اۓ۔ انسان دے بارے وچ اۓ گل سانوں قران دے کولوں ملدی اۓ کہ رب نے انسان نوں اپنا نائب بنایا اۓ۔ روح دی حقیقت تے جدوں بندے دی سمجھ وچ آون لگدی اۓ تے فیر اونوں پتہ چلدا اۓ کہ او کی شے وے تے سوہنے رب نے اُونوں کنیاں نازاں دے وچ رکھیا ہویا اۓ۔ انسان دے واسطے ای تے رب سوہنے نے اۓ ساری کائنات بنائی اۓ۔ گوشت پوست دا انسان تے او اۓ جیڑا ساڈیاں اکھاں ویکھدیاں نیں۔ اصل انسان دی حقیقت تے او روح اۓ جنوں رب دے حکم نے بنایا اۓ۔ روح دی تازگی واسطے رب دی راہ تے چلن والا بندا کدی وی کاٹے دا سودا نئی کردا۔ اقبال ہوراں نے ساڈی توجہ ایس پاسے دوائی اۓ کہ اۓ بندیا تو اپنے رب دے مقام نوں تے نہیں سمجھدا اے۔ نا ای توں رب دیاں گلاں مندا ایں۔ ہور کجھ نئی تے اپنا ای مقام سمجھ لے۔ کہ رب نے تے تینوں سدرہ دے مقام اُتے پونچا دیتا اۓ۔ جتھے فرشتے وی جان توں کبرندے نیں اُتھے اۓ بندیا تیرے رب نے تیرا مقام بنا دیتا اۓ۔ ساری گل ای ایے وے کہ بندہ اپنی حقیقت نوں پہچان لوئے جدوں بندا اپنے آپ نوں پہچان

لیندا اے تے فیر اونوں اپنے خالق دی حقیقت دا پتہ چل جاندا اے۔اقبالؒ ہوراں نے تے اِک مقام دے اُتے اے وی لکھیا اے کہ ہر مسلمان دے اندر رب نے پیارے نے سوہنے نبی محمدﷺ دی روح پا دیتی اے۔ مطلب اے وے کہ مسلمان نبی پاکﷺ دی محبت توں بغیر کھوٹا سکہ اے۔ نبی پاکﷺ دی محبت تو بغیر او مرد مومن نئی بلکہ اوے تے فیر ابوجہل دی صف وچ شامل ہو جاندا اے۔ اقبالؒ لکھدے نیں کہ فرشتے وی انسان دی خوش قسمتی دے اوتے رشک کردے نے کہ رب نے ساری کائنات نوں انسان دے دل وچ آباد کر دیتا اے۔ اقبال ہوراں دی دل توں مراد روح اے۔

ماں بولی زبان لکھن دی کوشش ڈاکٹر صغرا صدف صاحبہ دے طرفوں ہمت بندھان (دی وجہ نل اے)

نبی پاک ﷺ سے نسبت کے حامل المنافہ بازار مدینہ منورہ کا احیاء

ہر مسلمان نبی پاک ﷺ سے اپنے جان مال اولاد سے بڑھ کر محبت کا دم بھرتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کی وجہ سے ہی اِس کائنات میں دم ہے۔ حالیہ دنوں مین سعودی عرب کی حکومت نے نبی پاک ﷺ سے نسبت رکھنے والے المنافہ بازار کے احیاء کا فیصلہ کیا ہے۔ سعودی حکومت کا یہ قدم قابل ستائش ہے اور سعودی حکومت کو بہر حال یہ احسا س ہے کہ نبی پاک ﷺ کی محبت کے بغیر سب کچھ فضول ہے۔لیکن ماضی بعید میں گورنر مدینہ منورہ شہزادہ فیصل بن سلمان بن عبدالعزیز نے اعلان کیا ہے کہ سعودی اعلیٰ قیادت نے انہیں حکم دیا ہے کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ سے تعلق رکھنے والے آثار قدیمہ کی حفاظت کی جائے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے معنوی ورثے کا تحفظ کیا جائے، مدینہ منورہ میں سیرت طیبہ ﷺ سے تعلق رکھنے والے آثار بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ اعلیٰ قیادت نے آثار النبی ﷺ کی نگہداشت کا حکم اس تناظر میں دیا ہے کہ مدینہ منورہ کو اسلام کی پہلی ریاست ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ خادم الحرمین شریفین نے تاکید کی ہے کہ امت مسلمہ کے تاریخی ورثے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے مادی اور معنوی آثار کی حفاظت ضروری ہے البتہ اس سلسلے میں اسلامی شریعت کے احکام کی پابندی ناگزیر ہے۔ گورنر مدینہ منورہ نے میونسپلٹی کو ہدایت کی ہے کہ وہ المنافہ'' تاریخی بازار کے احیاء کا اہتمام کرے جہاں مستحق افراد کو''

مختلف اشیاء فروخت کرنے کی اجازت ہو، ریڑھی والوں کو وہاں اپنا سامان بیچنے کا موقع دیا جائے، اس سلسلے میں میونسپلٹی اپنا واضح تصور مرتب کرکے گورنر کو پیش کرے۔
شہزادہ فیصل بن سلمان نے منافہ بازار کا دورہ بھی کیا۔ خیال رہے کہ یہ عہد رسالت ﷺ سے تعلق رکھنے والا تاریخی مقام ہے۔ مدینہ منورہ کی تاریخ کے ماہر تنصیب الغایدی بتاتے ہیں کہ المنافہ اپنی تاریخ رکھتا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے جڑا ہوا ہے۔ یہ مسجد نبوی شریف ﷺ کے مغرب میں واقع ہے اس کا آغاز مسجد الغمامہ (المعلیٰ) کے شمال سے ہوتا ہے اور ثنیات الوداع تک اس کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ منافہ کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں گھڑ دوڑ کیلئے مختص تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ گھڑ دوڑ دیکھنے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ سعودی عرب کی تاریخ آثار نبی ﷺ کے حوالے سے گرما گرم بحث کا موضوع بنی رہی ہے۔ اب متعلقہ اداروں نے اس سے متعلق فیصلہ کن موقف اختیار کرلیا ہے اور محکمہ سیاحت اور قومی ورثے کو اس کا انتظام تفویض کردیا ہے۔ مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کے مابین اس مقدس ومتبرک مقام پر سرور کائنات، شافع یوم النشور حضور پر نور ﷺ کی والدہ طیبہ طاہرہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آرام فرما ہیں۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ برس کی تھی جب آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کو آپ کے ننھیال دکھانے کیلئے سفر یثرب (مدینہ) کی تیاری کی۔ ایک اُونٹ پر سیدہ آمنہؓ پر سوار تھیں اور دوسرے پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی خادمہ اُم ایمن۔ انہوں نے بنو عدی بن النجار کے ہاں دارالنابغہ

میں قیام فرمایا۔ایک ماہ بعد واپس لوٹیں تو راستے میں طبیعت سخت ناساز ہو گئی۔ابواء شریف کے مقام پر اپنے لخت جگر و نور نظر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے دیکھتے داعی الٰہی کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہوئیں۔مگر افسوس صد افسوس ! رمضان المبارک 1419ھ کے دوران نام نہاد سعودی حکومت نے سرکار دوعالم ﷺ کی پیاری والدہ ماجدہ کی قبر انور کو بلڈوزر سے منہدم کر دیا۔اس متبرک مقام کو کئی فٹ تک کھودا گیا اور اسے تلپٹ کر دیا اور جس پہاڑ کی چوٹی پر یہ قبر انور موجود تھی اسے کاٹ کر ایک جانب دھکیل دیا گیا اور وہ پتھر جن پر ماضی میں زائرین نے نشان کے طور پر سبز رنگ کیا ہوا تھا کچھ پہاڑی کی ڈھلوان پر اور کچھ ایک جانب ڈھیری کی شکل میں ڈال دیئے گئے۔ لیکن ایسے افعال سے ملت اسلامیہ سخت مضطرب ہوتی ہے۔ سعودی فرمانروا خادم حرمین شریفین کو ان باتوں کا نوٹس لینا چاہیے اور متبرک و مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے اقدامات اٹھانے چاہئیں تاکہ یہ

یادگار قلوبِ مومنین کی تسکین کا باعث بنیں۔حضرت سفیان بن ابی زبیر رضی ا? تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یمن فتح ہوگا اور کچھ لوگ اپنے گھر والوں اور اپنی فرمانبرداری کرنے والوں کو وہاں لے کر چلے جائیں گے۔حالانکہ مدینہ ان کیلئے بہتر ہے اگر وہ جانتے اور شام فتح ہوگا اور کچھ لوگ دوڑ کر (یعنی بہت جلد) اپنے گھر والوں اور فرمانبرداروں کو وہاں لے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر جانتے۔اس طرح عراق فتح

ہو گا اور کچھ لوگ بہت جلد آئیں گے اور اپنے گھر والوں اور اطاعت کرنے والوں کو لے کر وہاں چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ منورہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ جانتے۔ بخاری و مسلم) حضرت ابن عمر رضی ا؟ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک) ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس سے ہو سکے کہ مدینہ میں مرے تو وہ مدینہ ہی میں مرے۔ کیونکہ جو شخص مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت فرماؤں گا۔ (ترمذی وابن ماجہ) حضرت عبادہ بن صامت رضی ا؟ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے دُعا فرمائی کہ ! اے اللہ جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور انہیں ڈرائے تو اس پر خوف مسلط کر اور اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت اور اس کا نہ فرض قبول کیا جائے گا نہ نفل۔ (طبرانی شریف) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: مجھے ایک ایسی لبستی کی جانب ہجرت کا حکم ہوا ہے جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی (یعنی سب پر غالب آئے گی) لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے۔ یہ لبستی لوگوں کو اس طرح پاک وصاف کرے گی جیسے بھٹی لوہے کی میل کو۔ (بخاری) رسول پاک ﷺ ﷺ نے فرمایا: مدینہ کے راستوں پر ملائکہ پہرہ دیتے ہیں۔ اس میں نہ دجال آئے گا نہ طاعون۔ قریب قیامت دجال قریب مدینہ آ کر اُترے گا۔ اس وقت مدینہ منورہ میں تین زلزلے ہوں گے جن سے ہر کافر منافق یہاں سے نکل کر دجا ل کے پاس چلا جائے گا۔ (بحوالہ بخاری و مسلم) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو میری قبر کی زیارت کرے گا اس کیلئے میری شفاعت واجب ہو

گی۔ (بیہقی شریف) ریاض الجنۃ: قبر اطہر اور منبر رسول ﷺ کے درمیان کا حصہ ریاض الجنہ کہلاتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس کی نسبت ارشاد فرمایا کہ! ''یہ حصہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔'' (موطا امام مالک) یعنی مسجد نبوی ﷺ کا یہ حصہ جسے ریاض الجنہ کہا جاتا ہے۔ فی الحقیقت جنت کا ایک ٹکڑا ہے اور قیامت کے دن یہ ٹکڑا جنت میں چلا جائے گا۔ اس بابرکت حصے میں حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کا مصلیٰ بھی ہے۔ جہاں آپ امامت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر قدم مبارک کی جگہ چھوڑ کر دیوار بنوادی تھی تاکہ آپ ﷺ کی سجدہ گاہ پر لوگوں کے قدم نہ آسکیں۔ آج کل اس جگہ پر ایک خوبصورت محراب بنی ہوئی ہے جسے محراب نبوی ﷺ کہا جاتا ہے۔: قدیم مسجد نبوی ﷺ سے ملا ہوا وہ چبوترہ جہاں اصحاب صفہ شہر علم یعنی حبیب اکرم ﷺ سے دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انتہائی بابرکت اور مقدس مقام ہے۔ جنت البقیع: مدینہ منورہ کا قبرستان ہے۔ اس میں دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدفون ہیں۔ علاوہ ازیں اہل بیت نبوت، آلِ محمد، امہات المؤمنین، تابعین وتبع تابعین کرام اور اولیاء کرام کی قبریں ہیں سعودی حکومت نے نبی پاک ﷺ سے نسبت رکھنے والی بہت سی جگھوں پر پہرہ لگایا ہوا ہے یا اُن کو مٹا دیا ہے۔ اِس حوالے سے سعودی حکومت کو چاہیے کہ وہ دیگر مقامات مقدسہ کی بحالی پر بھی کام کرے اور نبی پاک ﷺ سے محبت کت حوالے سے بُخل سے کام نہ لے۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ کی محبت کے بغیر کوئی مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا

رب ہی تو رب ہے

رب پاک کی واحدنیت پر ایمان لانے کے بعد پھر سے بے اطمینانی سے دو چار ہونا ایسے ہی ہے کہ جیسے پانی کا گلاس ہاتھ میں ہو اور ہم اُسے پی نہیں رہے ہوں بلکہ اُلٹا پیاس پیاس کی رٹ لگا رہے ہوں۔ رب پاک کا بندہ ہونے کا جب ہم اقرار کر لیتے ہیں تو پھر بندگی کا تقاضا تو اُسی طرح ہے کہ جس طرح محب اپنے محبوب کی محبت کا دم بھرتا ہے اُسی طرح کا تعلق رب پاک اور بندے کے درمیان استوار ہو جاتا ہے۔ رب پاک کی یکتائی پر ایمان لانا اور خود کو اُس کا بندہ کہلوانا اِس بات کا ثبوت ہے کہ ایک ایک لمحہ ایک ایک ساعت رب پاک کی رضا کے لیے ہے۔ رب پاک کا بندہ بننے کے بعد دُنیاوی خُداوں کی اطاعت سے نجات مل جاتی ہے اور حقیقی خالق کی پناہ حاصل ہو جاتی ہے ایمان کو اب کیسے مضبوط کیا جائے اِس کے لیے بندہ اپنے اقوال و افعال کو رب پاک کی رضا کے تابع کرے۔ جب بندہ اپنے رب کی بات مانتا ہے تو رب پاک بندے کی رضا کو پورا کرنے والا بن جاتا ہے۔ معاشرے جب من کے گندے اور تن کے اُجلے بن جائیں تو اُن کی اور ہالنگ تب ہی ممکن ہے جب اللہ پاک کی رضا کو ہر لمحے مقدم رکھا جائے۔ نفس کشی یعنی انسان اپنی ذات کی نفی کر لے اور عدل سے کام لے یعنی جو کام جیسا ہونا چاہیے ویسا ہی کیا جائے۔ انسان جب اپنی ذات سے عدل کرتا ہے تو اپنے خواہشات کو اپنے رب کی رضا کے

آگے زیر کرلیتا ہے تو پھر اللہ پاک اپنے بندے کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔ گویا اللہ پاک کا راضی ہونا بندے کی دعا کی قبولیت ہے اور دُعا کی قبولیت کے لیے بندے کا اپنے رب کی اطاعت کرنا ایک معیار ہے مطلب صاف واضح ہے کہ جو بندے اللہ پاک کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں تو پھر بندے کی رضا رب کی رضا بن جاتی ہے تب پھر اللہ پاک یہ اعلان فرمادیتا ہے کہ اے میرے بندے میں تمھاری آنکھ بن جاتا ہوں جس سے تو دیکھتا ہے۔ رب پاک کی آنکھ سے دیکھنے والا بندۂ مومن پھر کیسے دنیا اور آخرت میں ناکام ہو سکتا ہے۔ وہ تو اپنے رب کا دوست بن جاتا ہے اور رب پاک کہتا ہے میرے دوستوں کو نہ کسی کا ڈر ہے اور نہ خوف۔ بندے کا وجود جب رب پاک کی منشا کا پیروکار بن جاتا ہے تو پھر بندہ اپنے رب کی عطا کی ہوئی رحمتوں کے سائے تلے اپنے آپ کو ہر محاذ پر کامران پاتا ہے کیونکہ بندے کے وجود کا ہر حصہ رب پاک کی اطاعت پر قربان ہو چکا ہوتا ہے۔ دولت شان وشوکت کا ہوس کی حد تک حصول کے لیے کوشاں ہونا انسان سے اس کا سکون اور اطمینان چھین لیتا ہے لالچ آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے۔ خیر اور شر حلال اور حرام میں فرق کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ رب پاک سے دوری اور شیطان سے نزدیکی کا عمل جاری رہتا ہے۔ شیطانی خصوصیات انسان کے اندر جاگزیں ہو جاتی ہیں۔ انسان کو پتہ اس وقت چلتا ہے جب وہ شیطانوں قوتوں کا آلہ کار بن چکا ہوتا ہے اور اسکا دل سیاہ ہو چکا ہوتا ہے اس کے لاشعور میں یہ خیال راسخ ہو جاتا ہے کہ اُس نے تو کچھ نہیں کیا وہ تو صرف ہر کسی

کے فعل کا اُسکے رد عمل کے طور پر جواب دیتا رہا ہے۔ لیکن وہ رحمان کو چھوڑ کر شیطان کا ہمنوا بن جاتا ہے اور دنیا کے لیے اُسکا وجود نفع بخش نہیں رہتا بلکہ وہ تو ہر کسی پر بار گراں بن کر گرتا ہے۔ اگر انسان کو بطور مخلوق اس بات کا ادراک ہو جاتا ہے۔ کہ وہ ایک عظیم الشان ہستی کا بندہ ہے وہ ایک ہستی ہے جو یکتا ہے وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے وہ ہستی کسی کی باپ نہیں ہے۔ وہ کسی کا بیٹا بھی نہیں ہے اس کا کوئی ہمسر اور ثانی نہیں یہ ادراک انسان کو ہر طرح کی غلامی سے نجات دلا دیتا ہے اور وہ خود کو اپنے خالق و مالک رب کائنات کی پناہ میں پاتا ہے۔ اسکو کسی اور معبود کی دست گیری کی تمنا نہیں رہتی وہ چرند، پرند، جن، فرشتوں دنیا کی ہر مخلوق سے ممتاز حثیت اختیار کرلیتا ہے۔ اور بقول اقبالؒ پھر بندے کو ہزاروں جگہ سجدے کرنے سے نجات مل جاتی ہے۔ انسان صرف ایک ہستی کا غلام قرار پاتا ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہوتا ہے جو انسان کے لیے ہر طرح کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ اور یہ ہی وہ ہستی ہے جس نے موت، زندگی اور رزق کو عطا کرنا ہوتا ہے۔ خالص توحید سے آشنائی مصطفے کریم ﷺ کے توسط سے ساری کائنات کو نصیب ہوئی ہے اور انسان اِس نعمت سے آشنائی کے لیے نبی پاک ﷺ کا شکر گزار ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت پر یہ رحمت فرمائی کہ انسانوں کو اُن کے رب پاک سے ملایا۔ بقول اقبالؒ کے مرشد مولانا رومیؒ ہم خُدا خواہی وہم دُنیا دوُں، ایں خیال محال است وجنُوں۔ یعنی تُو خُدا کو بھی چاہتا ہے اور ذلیل دُنیا کو بھی، یہ خیال، جنُون اور محال بات

ہے۔

جناب جسٹس امیر عالم خانؒ ایک عظیم وکیل ایک عظیم جج

لاہور ہائی کورٹ بار کے کراچی ہال میں ایک ایسے شخص کی یاد میں باتوں سے دلوں کو گرمایا جارہا تھا جو کہ اپنے خالقِ حقیقی کے حضور پیش ہوچکا تھا اور اِس دنیا سے اپنی ابدی زندگی کی طرف لوٹ چکا تھا۔ مرزا سرور علی بیگ نے کہا تھا کہ اِس طرح جی کہ بعد مرنے کے کوئی یاد تو گاہ گاہ کرے۔ یقینی طور پر جسٹس امیر عالم خان ایسی شخصیت تھے جنھوں نے اپنے پیشے وکالت کا پاس رکھا اور اپنے شعبہ کے لوگوں کے لیے ایک ایسا معیار قائم کیا کہ دیانت امانت کے وہ عملی نمونہ تھے۔ جناب جسٹس امیر عالم خان کی یاد میں تعزیتی ریفرنس میں وکلاء فرٹینیٹی کے ممبران کی کثیر تعدا موجود تھی۔ سٹیج پر جسٹس نزیر بھنڈاری، صدر لاہور ہائی کورٹ بار پیر مسود چشتی، حامد خان، جسٹس ملک سعید الحسن، اعظم نزیر تارڑ، شفقت چوہان، عرفان عارف شیخ، احمد اویس رانا اعجاز خان و دیگر موجود تھے۔اِس موقع پر اعظم نزیر تارڑ نے جناب جسٹس امیر عالم خان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ خان صاحب نہایت ہی اعلیٰ کردار کے حامل عظیم انسان تھے۔ خان صاحب نے ساری زندگی انتہائی دیانتداری سے اپنے پیشہ ورانہ امور کی انجام دہی میں وقف کی۔ جناب حامد خان نے مرحوم کے ساتھ اپنی پیشہ ورانہ زندگی کی طویل رفاقت کو اپنے لیے ایک عظیم سعادت قرار دیا۔ حامد خان صاحب نے کہا کہ جسٹس امیر عالم خان

کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہی ہے کہ ہم وکلاء اپنے پیشے سے مخلص بنیں اور دیانت داری سے اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔احمد اویس نے اپنی تقریر میں خان صاحب کو انتہائی دلنشین انداز میں غالب ،اقبال اور فیض احمد کی زبان میں حدیہ تبریک پیش کیا۔اِس موقع پر جناب پیر مسعود چشتی نے کہا کہ خان صاحب بطور جج اور بطور وکیل دونوں محاذوں پر ہم وکلاء کے لیے قابلِ تقلید ہیں۔جناب خان صاحب کی عزت و توقیر کا یہ عالم کہ فرشتے بھی فخر محسوس کر رہے ہوں گے اللہ پاک کے انتہائی اچھے بندے کی یاد میں خلقَ خدا محو کلام ہے۔انسانی جبلت کا یہ بھی انداز ہے کہ جب کوئی شخص اِس جہان سے اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے تو پھر اُس بچھڑنے والے کی ایک ایک ادا یاد آتی ہے۔ مجھے اتنے بڑے انسان کی یاد میں تعزیتی ریفرنس میں ایک شے نے بہت متاثر کیا کہ ہر کوئی اُن کی پیشہ ورانہ اور بے داغ زندگی کو نشان راہ کہہ رہا تھا۔جناب جسٹس (ر) عبدالرحمان انصاری نے بھی قران پاک کی آیات کی روشنی میں جناب امیر عالم خانؒ کو خراج عقیدت پیش کیا۔اللہ پاک کو اپنے بندے سے بے پناہ محبت ہے خالق کی جانب سے اپنے بندے کی روح سے ملاقات لیے یہ موت ایک تحفہ قرار دی گئی ہے۔حضرت اقبالؒ نے بھی شام زندگی کو صبح دوامِ زندگی قرار دیا ہے۔بندہ مومن کا مرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک مقام سے دوسرے مقام ہجرت کر جانا۔ جناب امیر عالم خانؒ کو اللہ پاک نے جن دنیاوی رفعتوں سے بہرہ مند کیے رکھا اور جس طرح وہ اپنے ہم پیشہ وکلاء اور ججز میں انتہائی تکریم

کے لائق تھے اُن کی عالم برزخ کی جانب روانگی کے بعد بھی اُن کو ہر چھوٹے۔بڑے کی جانب سے بھرپور خراج تحسین پیش کیا جانا یقینی طور پر اللہ کی بارگاہ میں بھی اِس امر کی قبولیت ہوگی کہ اُس کے بندئے کے حوالے سے خلقِ خدا کیا جذبات رکھتی ہے۔جناب امیر عالم صاحب کے ایک جونیئر سہیل مرشد سے بھی میری علیک سلیک ہے وہ بھی اپنے سنئیر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ریفرنس میں موجود تھے۔ لاہور ہائی کورٹ بار کے اِس ریفرنس نے یہ بات ثابت کردی کہ سچائی ہمیشہ زندہ رہتی ہے اور انسانی جذبوں کی حدت کو ایک زمانہ محسوس کرتا ہے اور اُس کا معترف ہوتا ہے۔ حضرت اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ یہ غازی یہ تیری پراسرار بندئے جنھیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی۔ دو نیم اُن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی۔ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب شے ہے یہ لذتِ آشنائی۔جناب امیر عالم خان کو دیانت شرافت اور محنت کی لذت سے آشنائی تھی اور وہ اپنے ہم پیشہ وکلاء کے لیے ایک عظیم رہنماء تھے۔اُن کے مزاج کی شگفتگی نے ہمیشہ سائلین کو پھولوں کی خوشبوؤں جیسی فرحت سے نوازا۔جناب امیر عالم روشن راہوں کے مسافر ہوگئے اور خالق کے حضور پیش ہوگئے اللہ پاک اُن کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ہم وکلاء کو اُس اساس کو اپنانے کی ہمت عطا فرمائے جس کے داعی جناب جسٹس امیر عالم خان تھے۔

تقسیم در تقسیم ہوتا ہے نظام۔ نظامِ تعلیم کا حشر

جس معاشرۓ میں اُستاد کی وقعت ایک پیسے کمانے والی مشین کی ہو۔ جس معاشرۓ میں اُستاد کو اپنی تنخواہ.بڑھانے کے لیے مطالبہ کرنے کے لیے سڑکوں پر آنا پڑۓ اور پھر پولیسے اہلکاروں سے ڈنڈۓ کھانے پڑیں۔اُس معاشرۓ میں تعلیا کے نظما کا حشر کیا ہوگا۔ کلاس در کلاس۔ امیر لوگوں کے لیے نظامِ تعلیم اور۔ متوسط طبقے کے لیے اور، لوئر مدل کلاس کے لیے اور نظام۔ نچلے طبقے کے لیے اور۔ اتنی تقسیم سے نبرد آزما ہونے کے بعد اِس نظام تعلیم کے پاس کیا رہ جاتا ہے۔

پاکستان میں تعلیم کا جو حشر ہو رہا ہے وہ ایک ایسی گھناونی سازش ہے کہ جس کی مثال شاید انگریز دور کے متحدہ ہندوستان مین بھی نہ ملتی ہو۔ جس قوم کے راہبر حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے سب سے زیادہ خوبصورت لفظ معلم انسانیت پسند فرمایا ہو اور آج مملکت خداداد پاکستان میں تعلیم کو جس طرح امتیازی گروہوں میں تقسیم کردیا گیا ہے یہ آئین پاکستان کے بنیادی حقوق کے آرٹیکل کی خلاف ورزی ہے۔ گلی محلے میں وہ لوگ جو جو سبزی بیچتے تھے انہوں نے 3,4 مرلے کے گھر میں ڈربہ نما سکول بنا رکھے ہیں جہاں اساتذہ کی ذمہ داری آٹھویں پاس اور میٹرک فیل وہ لڑکیاں انجام دے رہی ہیں جن کا اپنا مستقبل

تاریک ہے۔ اور یہ سکول محکمہ تعلیم کی ناک تلے خوب ترقی تر رہے ہیں۔ چند سو روپے فیس، کتابوں کی من مانی قیمتیں کاپیوں کی مد میں بچوں کے والدین کی جیب پر ڈاکہ ، اور بچوں کی تربیت کا یہ عالم کے بچے گھر آ کر اپنی ٹیچر اور سکول مالک کے معاشقوں کے قصے سناتے ہیں۔ اگر اعداد و شمار اکٹھے کیے جائیں تو پتہ چلے گا کہ اِس طرح کے سکول جو گلی محلے میں کھلے ہوئے ہیں اُن کے مالک جو ہیں وہ ایک سے زائد شادیاں رچائے بیٹھے ہیں۔

تعلیم و تربیت اور مشنری جذبے سے عاری یہ سکول نسل کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ اِس سے ذرا اوپر جائیں تو دیکھتے ہیں نسبتاً گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ خواتین و حضرات نے سکول کھول رکھے ہیں۔ اُن کی فیس ایک ہزار روپے کے لگ بھگ ہیں۔ ایسے سکول چند مرلے یا کسی مارکیٹ کے اوپر چند دکانوں میں کھلے ہوتے ہیں۔ یہ سکول زبردستی کتابیں اور کاپیاں خود دیتے ہیں اور منافع کی شرح 100% سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اِن سکولوں میں سٹاف میٹرک ، ایف اے ، بی اے وغیرہ ہوتا ہے اور تعلیمی معیار یہاں بھی ناقابل بیان ہے۔ انتہائی قلیل تنخواہ مثلاً بی اے 1200 روپے ماہانہ اور آٹھ آٹھ پریڈ پڑھوائے جاتے ہیں اِن حالات میں کوالٹی کا تو جنازہ ہی نکالے گا۔ اکثر میٹرک کے بچے خواتین اساتذہ کے قابو نہیں آتے اور وہ لڑائی مار کٹائی میں مصروف عمل رہتے ہیں اوپر سے موبائل نے ہر طرف تباہی مچا رکھی ہیاور جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ خصوصاً خواتین کو دو یا ڈھائی ہزار روپے کی خاطر سخت مشقت کرنا پڑتی ہے۔۔ وہ مشقت صرف نشستن

اور برخاستن تک محدود ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت نام کی چیز کہیں نظر نہیں آتی۔ آئے دن فنکشن کرکے سکول کے طلبہ و طالبات کا دل بہلایا جاتا ہے اور بچوں سے فنکشن کے نام پر پیسے بٹورے جاتے ہیں۔ اِن فنکشنوں میں انگریزی اور ہندوستانی ثقافت کی پرموشن کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔ لڑکے لڑکیوں کو ہندوستانی اور انگریزی گانوں پر ڈانس کروایا جاتا ہے۔ ان سکولوں کی آؤٹ پٹ گھر بیٹھی رشتوں کے انتظار میں بے چاری غریب خاندان کی لڑکیوں کی صبح کے وقت کی مصروفیت اور پھر ان سکولوں کے بچوں میں سے ٹیوشن کے لیے بچوں کو متوجہ کرکے گھر بلوا کر ٹیوشن پڑھانا ہے۔ اب اگر ہم بیکن ہاؤس، ٹرسٹ سکول، سٹی سکول، شویفات، ایل جی ایس، سلامت سکول سسٹم، کی طرف آئیں تو یہاں پر ایک بچے کے ماہانہ تعلیمی اخراجات و آمد و رفت کے اخراجات وغیرہ۔ کتابیں کاپیوں کی مد میں کل ملا کر تقریباً 25000\= روپے سے بھی زائد تک بنتے ہیں۔ اِس میں ایچی سن شامل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا سکولوں میں امیر افراد کے بچے یا سرکاری ملازم جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا حرام کی کمائی ہے اُن کے بچے پڑھتے ہیں۔ یہ ہی بچے ہوم ٹیوشن کے لیے 15 سے 20 ہزار روپے بھی خرچ کرتے ہیں۔ اب ذرا سرکاری سکولوں کی حالت زار پر غور کیجئے۔ سرکاری سکولوں کے اساتذہ اپنے صدر مدرس کو باقائدہ طور پر ماہانہ بنیادوں پر بھتہ دیتے ہیں تاکہ وہ اُن کے ٹیوشن پڑھانے کے کام میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ ہر کلاس انچارج صدر مدرس کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے اور وہ بچوں کو مار پیٹ کر

یا کسی طرح بھی ترغیب دے کر ٹیوشن پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور یوں یہ کاروبار صدر مدرس کی حصہ داری سے زور شور سے جاری ہے اِس لیے صدر مدرس کو قطعًا پرواہ نہیں ہوتی کہ کلاس میں سکول ٹائم میں پڑھائی کا معیار کیسا ہے۔ سرکاری سکولوں میں ہیڈ ماسٹر تمام کلاسوں میں مختلف من پسند پبلشرز کی امدادی کتب لگواتے ہیں اور اِس میں بھاری کمیشن وصول کرتے ہیں۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ سرکاری سکولوں میں اساتذہ سکول ٹائم میں بھی ٹیوشن کے حساب سے کام کرواتے ہیں۔ اور کر رہے ہوتے ہیں۔ compensate ٹیوشن کے وقت کی پڑھائی کو

سرکاری سکولوں میں انتہائی تعلیم یافتہ ایم اے، ایم ایڈ اساتذہ تعنیات ہیں اوران تنخواہوں کا اگر جائزہ لیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ عام ٹیچر جس کی سروس ۱۰ سال ہے اور وہ بی اے بی ایڈ ہے وہ 50 ہزار روپیے بھی زیادہ تنخواہ لے رہا ہے۔

صدر مدرس لاکھ روپے سے بھی زیادہ تنخواہ وصول کرتا ہے اسکے علاوہ اساتذہ سے ٹیوشن پڑھانے کا بھتہ علیحدہ اور امدادی کتب میں کمیشن بھی لاکھوں روپے تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے۔ کہ سکول میں چھٹی ہوتے ہی وہی اساتذہ۔ وہی بچے اُن کمروں میں ٹیوشن ورک میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ گویا ماد

ہ پرستی نے معلّمی کے پیشے کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ جو سرکاری سکول مارکیٹوں کے پاس ہیں اُن کے صدر مدرس با قاعدہ مارکیٹوں میں موجود دکاندار کی گاڑیاں سکولوں کے اندر پارک کرواتے ہیں اور ان سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ سرکاری سکول میں موجود ہونے والی پڑھائی اِس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ تھوڑے سے وسائل رکھنے والا شخص بھی سرکاری سکولوں کا رخ کرنے میں بے عزتی کرتا ہے۔ حالانکہ سرکاری سکولوں میں اساتذہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن افسوس اخلاق نہیں رہا، جس سے معیار تعلیم اخلاقی گراوٹ کی حدتک گر چکا ہے۔ ان ہی سرکاری سکولوں سے جہاں حکومت اربوں روپے کا بجٹ خرچ کرتی ہے بہترین نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اُستاد خود بھی پیسے کمانے کی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے۔ اُسے تو ہر حال میں کنگ میکر رہنا چاہئے تھا لیکن وہ اپنا فرض چھوڑ کر خود کنگ بننے کی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے۔ تعلیم اور کاروبار کو ایک پیمانے پر نہیں پرکھنا چاہیئے۔ آیئن پاکستان کے آرٹیکل 25 A- میں تو یہاں تک لکھ دیا گیا ہے۔ کہ حکومت کا فرض ہے کہ 16 سال کی عمر تک کے بچوں کو مفت تعلیم دی جائے۔ رونا صرف مفت تعلیم کا نہیں۔ یہاں تو اذیت ناک امر یہ ہے کہ Class discrimination نے مساوات کے داعی اسلامی ملک میں تعلیم جیسے اہم شعبے میں افسوس ناک صورتحال اختیار کر لی ہے۔ آزادی، رواداری مساوات امن وآشتی اچھی تعلیم وتربیت کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ یہاں سرکاری، پرائیویٹ ادارے۔ مدارس، میٹرک اولیول، کیمبرج کیا کچھ ہماری

قوم کے ساتھ مذاق نہیں ہو رہا۔ ایلیٹ کلاس اور متوسط طبقے اپنے لیے اِس کی وجہ سے نچلے طبقے کے افراد کو اپنا دشمن بنا چکے ہیں۔ یکساں نظام Discrmination تعلیم جس کا مقصد اعلیٰ تعلیم و تربیت ہو بغیر کسی مذہب، نسل اور کلاس کے سب کی پہنچ میں ہو۔ جب راہبر ہی راہزن کا روپ دھار لیں تو منزل تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔ وغیرہ کے لیے لاکھوں روپے ہے۔ ہے۔ Ms اور Bs سرکاری یونیورسٹیوں کی فیس بھی گویا یہ ہمارے معاشرے میں یونیورسٹی اور کارخانے میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔ تعلیم تو ایک مقدس فریضہ ہے اور ہمارے دین کی اساس ہی لفظ ''اقراء'' پر ہے۔ پھر یہ تعلیم اور کاروبار دونوں کو ہم معنی کیوں بنا دیا گیا ہے۔ خدارا تعلیم کو تعلیم ہی رہنے دیجیئے بچے خواہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، امیر ہوں یا غریب تعلیم سب کی پہنچ میں ہونی چاہیئے اور یکساں نظام تعلیم وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ آئین پاکستان کے زندگی کے تمام شعبہ جات میں مساوات کا علم بردار ہے تو تعلیم کے معاملے میں اتنی سمجھ سے بالاتر ہے۔ مملکت خداداد پاکستان میں علم جیسے Discriminatiion زیادہ بنیادی شعبے میں روا رکھا جانے والا یہ امتیاز مختلف سوچ اور خیال کے طبقات کو جنم دے کی بناء پر معاشرتی تفاوت، نفسیاتی رویوں میں تبدیلی Differance رہا ہے۔ اس کلاس کلاس کا غریب افراد سے رویہ کیا یہ سب کچھ مساوات ہے۔ یکساں نصاب Rulling اور یکساں تعلیمی ادارے، یکساں مواقع یہ سب کچھ کون کرے گا۔ دانش سکولوں کا قیام بہت، اچھی بات تعلیم کی

خدمت ہے لیکن ذرا غور فرمایئے بجائے اس کے کہ خادم اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں امتیاز کو جائز جانتے ہوئے غربا و مساکین کے لیے ایچیسن کے مقابلے میں دانش سکول کھولے ہیں۔ ہمارے ملک میں سیاست دان زیادہ تر سیاسی نعروں پر زندہ رکھتے ہیں۔ قوم کی تعلیمی حالت کو درست کرنے کے لیے ایک لانگ ٹرم منصوبہ بندی درکار ہے۔ میڈیا اور اہل رائے افراد جن کی معاشرے میں نفوذ پذیری بہت زیادہ ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اِس حوالے سے اپنا کردار ادا کریں اور پوری قوم کے لیے یکساں نظام تعلیم اور تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع سب کو میسر آنے چاہیں۔ پرائیویٹ اداروں کو چارٹر دے کر ڈگریاں تقسیم کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن جتنی مہنگی تعلیم وہ دے رہے ہیں اور جو طبقہ وہاں سے وہاں سے فیض پا رہا ہے وہ یقیناً 10 ہزار رہو پے روپے کمانے وہ آسانی سے BDS، MBBS، ڈاکٹر آف فارمیسی Bs, Ms والے مزدر بیٹا نہیں ہے۔ کر سکتا ہے جس کے پاس لاکھوں روپے ہیں۔ کیونکہ پرائیٹ ادارے ہر شہر میں ہر طرح کی ڈگریاں دینے کے مجاز ٹھرے ہیں۔ اُن کی فیسوں کا یہ حال ہے کہ وہاں صرف ایلیٹ کلاس کے بچے ہی پڑھ سکتے ہیں۔ کیا یہ آئین پاکستان کے انسانی بنیادی حقوق کے آرٹیکل کی کھلی خلاف ورزی نہیں ہے۔ سرمایہ دراہ نظام کے ظالمانہ نظام نے ترقی پزیر ممالک میں عموماً اور ہمارے ملک میں خصوصاً ہر شعبے کو اپنا یرغمال بنا رکھا ہے۔ تعلیم کا شعبہ بھی سرمایہ دارانہ نظام کی سوچ اور فری مارکیٹ کے نام کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔

پاکستانی نظامِ تعلیم کو بچانے

کے لیے ایک بھرپور تعلیمی ایمرجنسی کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی قومی تحریک جس کا سلوگن بس ایک ہی ہونا چاہیے کہ سب کے لیے تعلیم ایک جیسی۔ روحانی تربیت کا گھوارہ سمجھے جانے والے ادارے جن کو صفہ جیسے نبی پاک ﷺ کے قائم کردہ اداروں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ محض صرف مادہ پرستی سے بھرپور پیسہ کمانے والی دکانیں بن کر رہ گی ہیں۔ نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے خود براہ راست علم سے نوازا۔ اور آقا نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں معلمِ انسانیت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لفظ اقراء سے دین کی مساعی کا آغاز ہوا۔ قرانِ پاک ایک الہامی، علمی ، تحقیقی ، تاریخی ۔ سبق آموز، ہدایت کا سرچشمہ کتاب ہے۔ صاحب قران کی فضیلت یعنی نبی ﷺ کی عظمت ملاحظہ فرمائیں کہ نبی پاک ﷺ نے کہا اے صحابہؓ یہ میں نے جو آپ کے سامنے بات کی ہے یہ قرانِ پاک ہے۔ اور اگر آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ صحابہ یہ بات حدیث ہے تو صحابہ اکرامؓ نے اُس بات کو حدیث تسلیم کیا۔ جب آقا کریم ﷺ کی تصدیق سے قران پاک کو قران تسلیم کیا جارہا ہو تو پھر اس لاریب کتاب کی عظمتوں کا عالم کیا ہو گا۔ اور تصدیق کرنے والی ہستی نبی پاک ﷺ کی عظمتوں ، رفعتوں کا عالم کیا ہو گا۔ ہمارے معاشرے میں تعلیمی ماحول میں مشنری جذبے کی کمی ہے، علم حاصل کرنے والوں کے درمیان محبت خلوص جیسے الفاظ بے معنی بن کر رہ گے ہیں۔ اساتذہ کا روپے پیسے کی دوڑ میں شامل ہو جانا ایسے ہی ہے کہ سانپوں کی طرح معاشرہ اپنے ہی انسانوں کو نگل رہا ہے۔ اشرافیہ نے اپنی رہائیش کے لیے علحیدہ اُونچی اور خاردار تاروں کی فصیلوں

میں اعلیٰ درجے کی رہائش گاہیں بنا رکھی ہیں اسی طرح اُنھوں نے اپنے لیے علحیدہ تعلیمی نظام اور علحیدہ تعلیمی ادارے قائم کر لیے ہیں۔ یہ تو انصاف اور مساوات پر مبنی معاشرے کی حالت نہیں لگتی البتہ یہ تو چھوت چھات کے قائل اُس معاشرے کی کہانی لگتی ہے جس سے ہم نے آزادی ہی اس مقصد کے لیے حاصل کی تھی ہم مساوات، رواداری اور اپنے رب پاک کے احکامات کے مطابق معاشرہ تشکیل دیں گے جو کہ اطیواللہ واطیوالرسول کے عظیم نصب العین پر قائم ہوگا۔ جہاں لارڈ میکالے کی سوچ سرایت نہ کر سکے گی جہاں مادہ پرستی کی بجائے اُس نظام کا بول بالا ہوگا جو کہ ہمارے نبی پاک ﷺ نے ہمیں دیا۔ پاکستانی معاشرے میں زبردست خالص علمی و فلاحی تحریک کی ضروت ہے۔ اس مقصد کے لیے ہارے پاس نبی پاک ﷺ کا اسوہ حسنہ اور اُن پر نازل کردہ الہامی کتاب موجود ہے۔ صرف عمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے ایسے بیدار مغز افراد کی ضرورت ہے۔ جو روحانی اقدار کا پرچار کرنے والے بھی ہوں اور اُن کو حضرت امام غزالیؒ، داتا علی ہجویریؒ، اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی نسبتوں کا بھرم رکھنا آتا ہو۔ نبی پاک ﷺ کے سچے عاشق ہی پوری قوم کا بھرم رکھ سکتے ہیں۔

ماں بولی زبان دا عالمی دِن تے پنجابی زبان

زبان دا مقصد رابطہ اے تے کوئی وی زبان مذہب نفرت نوں ودان دی گَل نئی کردا۔ پرَ ماں بولی زبان وچ تعلیم دین نَل یا کراں وچ بول نَل بچے دی بہتر تربیت ہو سکدی اے۔ ایس واسطے پنجاب وچ وسن والے پنجابی زبان بولدیان شرِماناں چھڈ دن۔ کیوں جے اپنی مان بولی زبان دے استعمال کرن نال ای اسی اپنے گَل نوں بہتر انداز نَل سمجھ سکدے آں تے سمجھا وی سکدے آں۔ پنجاب زبان دے استعمال دا مقصد ایہ نہیں کہ اِسے دوجیان زباناں دے نال دُشمنی دی گَل کردے پئے آں۔ سچی تے وڈیا گَل تے ای اے کہ بندا جتھوں دا جم پَل ہوئے اُتھوں دی زبان بولن نال اُس دااُس دھرتی نال تعلق جُڑیا رہندا اے۔ دنیا دے وچ جنہاں ملکاں نے وی معاشی تے تعلیمی ترقی وچ اپنا کردار ادا کیتا اے او اوی ملک نے جنہاں نےاپنی مادری زبان نوں ای اپنا وسیلہِ تعلیم بنایا اے۔ ساڈیء نظام، تعلیم وچ اے۔بڑی خامی اے کہ بچے نوں انگریزی دے وچ پڑھایا جاندا اے پہلے اواُس نے پنجابی وچ سوچدا اے فیر اُنوں اردو وچ لے جاندا اے تے فیر کدرے جاکے انگریزی ول اوری توجہ ہوندی اے۔ پاکستان دی ریاست لین دا مقصد ای اے سی کہ اسی اپنی مرضی نل اپنی زندگی گزار سکیے۔پر ستر سال گزرن توں بعد وہ اسی اُتھے ای کھلوتے ہوئے آں کہ پنجابی تے دور دی گل اے اسی اردو نوں وی

اپنے وفاق دی علامت تے طور تے نافذ نئی کرسکے۔ پنجاب صوبت دے وچ کوئی دس
کروڑ آبدی اے پر اورے لوکان نون جمیری زبان آندی اے اوراں استعمال کرن
لگیاں او شرماندے نیں۔ کیوں جے اے بیوروکریسی دی سوچ سی کہ ساتوں اپنی مٹی
نال جڑن تو روک سکے۔

پاکستان میں ٹریڈ مارک کاپی رائٹ کے قانون کے بالادستی انتہائی مایوس کُن

ابتدائے آفرینش سے انسان انسان کی خوشحالی کو برداشت کرنے کا روادار نہیں۔اِسی طرح بین الاقوامی کمپنیوں نے بھی ایک دوسرے کی مارکیٹ کو ڈسٹرب کرنے لیے مختلف حیلے بہانے تراش رکھے ہیں۔ترقی پذیر ممالک اور پسماندہ معیشتوں کے حامل ممالک میں تو ٹریڈ مارک کے قانون پر عمل درآمد نہیں پاتا۔جس کی وجہ سے حکومت پر بھی دباؤ رہتا ہے اور بین الاقوامی منڈی میں ریاست کی جگ ہنسائی ہوتی ہے۔
پاکستان میں ادویات کتب اور سوفٹ ویر کی مصنوعات میں ٹریڈ مارک کے قانون کی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں۔ٹریڈ مارکس ٹربیونلز کی کارکردگی پہ سست روی کا الزام بھی حقیقت کا حامل ہے۔جس طرح دو نمبر اشیاء بنانے میں چین کا کوئی ثانی نہیں اِسی طرح ہمارے ہاں لالہ موسی گجرات کا بھی جواب نہیں بلکہ اب تو ہر شہر ہر قصبہ ہی لالہ موسی کے نقش قدم پر ہے۔ میرا تعلق شعبہ قانون سے ہے۔اور عدالتوں میں بطور وکیل پیش ہوتا رہتا ہوں۔ ملک میں وٹامنز کے فوڈ سپیلیمنٹ کے نام پر داکٹروں نے لوٹ مار شروع کر رکھی ہے۔اور پریشان حال مریضوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔اِس نام نہاد فود سپیلمینٹ کو بطور دوائی فروخت کیا جاتا ہے اور حکومت کے سامنے اُسے بطور فوڈ سپلیمینٹ گردانا جاتا ہے۔ بلند فشار خون اور ذیابیطس کی ماری قوم کو فوڈ سپیلیمنٹ کے نام پر انٹرنیشنل

.برانڈز کے سے انداز میں پیکینگ سے عوام کو دھوکا دیا جارہا ہے۔ پاکستان میں میڈیا کی آزادی کے باوجود جس طرح قانون کی بالادستی کا جنازہ نکلا ہے۔ اُس پر صرف افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں انسانیت کی حرمت کا جنازہ اِس طرح نکلا ہے کہ شیطان بھی توبہ توبہ کر رہا ہوگا کہ حضرت انسان کو اتنا لالچ کیوں کر۔ ہر شے میں دو نمبری ہر شے میں دھوکہ۔ اِسی وجہ سے تو انسان کا خون بھی سفید ہوچکا ہے۔ اِس بات سے انکار ممکن نہیں کہ عالمی معیشت اِس وقت شدید دباؤ میں ہے۔ امریکہ جیسا ملک اپنے مالیاتی اداروں کو بند کرنے پر مجبور ہو رہا ہے چین کا عالمی معیشت میں بڑھتا ہو بھرپور کردار معاشی طاقت کے توازن میں اب اِس کا پلڑا بھاری دیکھائی دیتا ہے۔ عالمی طاقتوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ معیشت کو قوانین کے تحت چلایا جائے۔ ترقی پزیر ممالک میں چونکہ بے روزگاری عروج پر ہے۔ خاص طور پر پاکستان ہمارا ملک بیروزگاری کے شدید بحران کا شکار ہے۔ اصل کی نقل تیار کرکے فروخت کرنے کے رجحان کو اصولی طور پر کسی ملک کی بھی آشیرباد حاصل نہیں ہوتی لیکن پھر بھی خاص طور پر ہمارے ملک میں کمپیوٹر کے پارٹس آٹو پارٹس، میڈیکل کے اوزار۔ میڈیکل، لاء ، انجینئرنگ کے شعبہ جات کی پاکستان کی تشکیلِ نو کی گئی IPO کتابوں کی پائریسی کی شکایت عام ہے۔ لیکن جب سے ہے اب چھوٹے کاروبار کے حامل افراد بھی اپنی فرم کے نام کو بطور ٹریڈ مارک رجسٹرڈ کرواتے ہیں بلکہ اپنی مصنوعات کے نام کو بھی ٹریڈ مارک اور کاپی رائٹس کے طور پر رجسٹرڈ کرواتے

ہیں۔ یہ رویہ خوش آئین ہے کہ پاکستانی معیشت میں نفوذپزیر چھوٹے اور بڑے کاروبار
کے حوالے سے کافی حد تک شعور کا مظاہرہ کر رہے ہیں ۔اِس IPO کے حامل سرمایہ کار
سے ملکی معیشت کے ساتھ ساتھ عالمی طور پر بھی پاکستانی معیشت کے حوالے جو پیغام
کے پاکستان بھر میں IPO جاتا ہے وہ پاکستان کے سافٹ امیج میں اضافہ کا سبب ہے۔
دفاتر خدمات انجام دے رہے ہیں۔اِس حوالے سے فرنٹ ڈیسک پر موجود عملے کا
لوگوں سے اچھے انداز میں ڈیل کرنا اور اُن کی رہنمائی کرنا بہت ضروری ہے۔ راقم خود
ایک طالب علم ہے اس لیے ذیل میں پاکستان میں آئی پی او کے افعال اور ڈھانچے پر
روشنی ڈالی گی ہے تاکہ عام لوگ ، کاروباری افراد اور قانون کے طالبعلم اس سے آگاہی
موجودہ مسابقت کے دور مین مقابلے کی مارکیٹ (IPO) پا سکیں۔ انٹلیکچول پراپرٹی
اکانومی میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ معاشی افزائش میں مسلسل ترقی کا گراف ہائی ٹیک
اور ذہنی اختراع کا مرہون منت ہے۔ انٹلیکچول پراپرٹی کا موجودہ نظریہ اس وقت فروغ
پزیر ہے کیونکہ اِسی کی بناء پر ٹیکنالوجی اِس قابل ہوتی ہے کہ وہ نئ ایجادات واِختراعات
کرسکے۔اِسی ضرورت کے پیش نظر پاکستان میں انٹلیکچول پراپرٹی کو قومی دھارے میں
کے قیام کا فیصلہ درحقیقت اداروں میں پائی جانے IP میں لایا گیا۔ حکومت کا 2005
کے قانون کے تحفظ کے لیے پاکستان کسٹم IP والی کمزوریوں کا محاسبہ کرنا تھا۔اِسی بناء پر
کی صورتحال بین IPO اور ایف آئی اے کو اختیارات سونپے گئے۔ 2005 سے پہلے
الاقوامی تناظر کے

حوالے سے فرسودگی کی طرف گامزن تھی۔ پاکستان کے اوپر یہ الزام لگایا جا رہا تھا کہ
کی پاکستان کے اندر IPO پاکستان جعلی ڈسکس دنیا کے کئی ممالک کو برآمد کر رہا ہے۔
کمزوریاں بھی ظاہر تھیں کیونکہ (۱)۔ پاکستان کی معیشت افزائش و نمو کی طرف گامزن
تھی۔ (۲) سرمایہ کاری میں اضافے اور سرمایہ کاری میں کشش لانے کے لیے ماحول
کو سرمایہ کاری سے ہم آہنگ بنانا ضروری تھا۔ (۳)۔ پاکستان کی پراڈکٹ کو عالمی سطح پر
برآمد کے لیے منظم حکمت عملی کی اہمیت۔ (۴)۔ عالمی معیشیت کے ساتھ تیزی سے ہم
آہنگی۔ (۵)۔ پاکستان میں فروغ پذیر حقیقی کاروبار۔ (۶)۔ قیمت اور میعار کی بابت
صارف کے مفادات کا خیال رکھنا۔ پورے ملک کے کاروبار کا خیال رکھنا۔ (۷)۔ پورے
کو بہتر بنانا۔ صورتحال کی بہتری کے لیے تین متوازی IMAGE ملک کے کاروبار کے
کے مسائل IPO متوازی اقدامات: صورتحال کی بہتری کے لیے حکومت پاکستان نے
پاکستانIPO کے حل کے لیے 8 اپریل 2005 کو تین متوازی اقدامات اٹھائے۔ (۱)۔
کرے گا اور اس کے MANAGE کو قائم کیا کہ یہ ادارہ انٹلیکچول پراپرٹی کے معاملات کو
قوانین کے لیے دوسرے اداروں سے باہم رابطہ رکھے گا۔ (۲)۔ ایف آئی اے جو کہ
وفاقی حکومت کا انوسٹی گیشن ادارہ ہے اور وائٹ کالر جرائم کے روک تھام میں مدد کرتا
ہے، کو جعل سازی روکنے کے بابت ٹریڈ مارک، کاپی رائٹ، پیٹینٹس کے اختیارات
تفویض کر دیئے گئے۔ (۳)۔ پاکستان کسٹم کو پائیریٹڈ آپٹیکل ڈسکس کی امپورٹ اور
ایکسپورٹ کے لیے مستعد کیا گیا۔ معاون اقدامات:

حکومت پاکستان نے مندرجہ بالا متوازی اقدامات کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل مزید
کو براہ راست IPO اقدامات بھی کیے۔ (۱)۔ وزیر اعظم پاکستان نے اِس نئے ادارے
اپنی نگرانی میں رکھا بجائے اِس کے کہ ماضی کی طرح ٹریڈ مارک رجسٹری، کاپی رائٹس
آفس، پیٹینٹنس آفس ، وزارت پیداوار، وزارت کامرس اور وزارت تعلیم کے تحت تھے۔
کے انتظامی ڈھانچے میں پبلک، پرائیویٹ IPO ۔ پرائیویٹ شعبے کو فعال انداز میں (۲)
کی چیئرمین شپ بھی پرائیویٹ ادارے کو IPO شراکت کے تحت شامل کیا گیا اور
کے IPO کی تشکیل کے فوراً بعد IPO سونپ دی گئی۔ (۳)۔ وزیر اعظم پاکستان نے
کی کارکردگی کے حوالے سے بھرپور IPO چیئرمین اور ڈائریکٹر جنرل سے ملاقات کی اور
اپنی مکمل سیاسی آشیر باد دی کہ اِس اِدارے کو صحیح معنوں میں قومی ادارے کے طور پر
فنڈ پر مشتمل ہے۔ جس میں IP ابھارا جائے گا۔ (۴)۔ یہ نیا ادارہ مکمل طور پر خود مختار
رجسٹریز کی طرف سے وصول ہونے والی فیس۔ (- (2حکومتی گرانٹ - (3) IP 1))
غیر ملکی گرانٹ اور ڈونیشن شامل ہیں۔ (۵)۔ ڈائریکٹر جنرل آئی پی او پاکستان کے
عہدے کو اپ گریڈ کرکے فیڈرل سیکرٹری کے برابر کر دیا گیا جو کہ سول ایڈمنسٹریشن
میں اعلیٰ ترین رینک ہے۔ (٦)۔ اس ادارے کو 2004 کے مقابلے میں 2005 کافی
رقم دی گئی جو کہ 2004 میں 22 ملین روپے کی تھی لیکن 2005 میں 113 روپے
کا پالیسی ساز بورڈ پبلک پرائیویٹ شراکت داری کا IPO: کر دیے گئے۔ گورننس کا ڈھانچہ
مظہر ہے۔ قومی مفاد میں اِس اِدارے میں پرائیویٹ اور پبلک ایڈمنسٹریشن کو اکٹھا کر دیا

کے کام سے متعلقہ وزارتوں کے چھ فیڈرل سیکرٹری IPO گیا۔ ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن
حکومت کی نمائندگی کرتے ہیں جبکہ گیارہ ممبران جن میں چیئرمین بھی شامل ہوتا ہے
اِن کا تعلق قومی و بین الاقوامی کمپنیوں کے ایگزیکٹیوز سے ہوتا ہے۔ یہ پرائیویٹ اِداروں
کے نمائندے ہوتے ہیں۔ پالیسی بورڈ کا چیئرمین کا تعلق نجی شعبہ سے ہوتا ہے۔ اور یہ
پاکستان کا چیف IPO انتہائی پیشہ وارانہ تجربے کا حامل شخص ہوتا ہے۔ ڈائریکٹر جنرل
کے پالیسی بورڈ کا سیکرٹری بھی ہوتا ہے۔ 22 ویں IPO ایگزیکٹیو آفیسر ہوتا ہے۔ اور
سکیل کا سیکرٹری بھی ہوتا ہے جو کہ سول سروس میں سب سے بڑا عہدہ ہے۔ پس
پاکستان کی تشکیل میں اپنے بہترین افرادی قوت فراہم کی IPO حکومت پاکستان نے
کی نئی تشکیل شدہ تنظیم نے ادارتی ڈھانچے کو اپ IPO :کے اقدامات IPO ہے۔
گریڈ کرنے کے لیے کئی ادارتی انتظامی اور فنکشنل اقدامات کیے ہیں۔ خدمات کی انجام
دہی کرنے والوں کے لیے ترغیبات ، ملازمین کے لیے بہتر تنخواہ کا پیکج متعارف کروایا تا
پاکستان نے اپنے قوانین پر عمل IPO کی پاکستان میں از سر نو تعمیر کی جا سکے۔ IPO کہ
درآمد کے لیے نہ صرف حکومتی سطح پر بہتر روابط استوار کیے بلکہ پرائیویٹ شعبے کی
کی خلاف ورزی کرنے والوں کا پتہ چلانے کے لیے IPO ایجنسیوں کی خدمات بھی
حاصل کی گئیں۔ نجی اور حکومتی شعبہ جات کا یہ باہمی تعاون بہت تیزی سے پھیل رہا
ہے۔ جیسے ہی یہ باہمی کاوش اپنے مقصد کے حصول کے لیے مجتمع ہو کر نکلیں گی تو ملک
میں بااثر پالیسی

پاکستان نے اپنے لیے یہ وژن vision : IPO کو موثر انداز میں کنٹرول کیا جاسکے گا۔
کے نقشے پر اِس طرح اُبھارئے کے یہ ملک ذمہ IP سیٹ کیا ہوا ہے کہ پاکستان کو دنیا کے
پاکستان کا یہ Mission IPO: دار ہے۔ اُور اِنٹلیکچول پراپرٹی رائٹس کا نگہبان ہے۔
کے ڈھانچے کو مظبوط اور اپ گریڈ کرنا، عوامی شعور کو بیدار کرنا اور IP مشن ہے کہ
بیسڈ قوم ہونے کے ناطے اِس حوالے سے قوانین کے اطلاق کو یقینی بنانا ہے۔ IPO
کی تنظیم سازی کو متحرک و منظم کرنا۔ ☆ خدمات IPO ☆ Core Objectives;
کے قوانین کے عملی نفاذ IPO کی فراہمی کو بہتر کرنا۔ ☆ عوامی شعور کو بیدار کرنا۔ ☆
کے لیے مختلف ادارہ جات سے رابطہ کار بڑھانا۔ ابتدائی ترجیحات : نئی تنظیم ہونے کے
پاکستان کی بنیادی ترجیحات یہ ہیں کہ (۱)۔ اپنے ماضی سے جڑے ہوئے IPO ناطے سے
تجربات کو صحیح کرتے ہوئے اُن سے فائدہ اُٹھانا (۲)۔ نئی تنظیم کو ہر حوالے سے مظبوط
کرنا (۳)۔ پیشہ وارانہ خدمات انجام دے کر خود کو انتہائی پیشہ وارانہ تنظیم منوانا۔
قوانین کو قابل نفاذ بناکر اہم ترجیحات کا حصول: بہت تھوڑئے سے وقت میں اپریل
سے نئی تنطیم اسلام آباد میں اپنا ہیڈ کواٹر قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ 2005
ٹریڈ مارک رجسٹری کو کمپیوٹرائزڈ ماحول میں لایا گیا۔ پیٹینٹس کے دفتر اور آئی پی او
کے ہیڈ کواٹر کے لیے پر کشش تنخواہوں پر نیا عملہ تعینات کیا گیا۔ اور آئی پی او کی لاہور
رجسٹری میں ایک عمارت میں سارے کام کے مقاصد کو حاصل کر لیا گیا۔ اِس طرح
نے IPO پورے ملک میں

اپنے کام کے حوالے سے پورے ملک میں آگاہی مہم شروع کی۔ تاہم مندرجہ ذیل
نے کامیابی کے زینے خصوصی طور پر طے کیے۔ (- (1 آئی پی او کے IPO معاملات میں
قیام کے پہلے ہی ماہ ایف آئی اے نے ملک بھر میں پائریسی میں ملوث اداروں و افراد
کے خلاف کریک ڈاؤن کیا۔ جو اِس بات کی غمازی کرتا تھا۔ کہ حکومت آئی پی کے
معاملات میں سنجیدہ ہے۔ (- (2 پاکستان کسٹم نے پاکستان کے اہم بین الاقوامی ہوائی
اڈوں پر اینٹی پائریسی سیل قائم کیے تاکہ حکومت کی اینٹی پائریسی پالیسی قابل کو عمل بنایا
جاسکے۔ (- (3 جب ایف آئی اے اور پاکستان کسٹم پائریسی کی رسد کی سائیڈ کو کنٹرول
نے پائریٹیڈ ڈسک کے حوالے سے اِس کی IPO کرنے میں مصروف تھی تو اُس وقت
طلب کو کنٹرول کرنے کے لیے قابل عمل اقدامات کیے۔ ابتدائی کامیابیاں: مندرجہ بالا
نے اندرونی اور بیرونی طور پر کافی حدتک ابتدائی کامیابیاں IPO اقدامات کی بدولت
حاصل کیں۔ اندرونی طور پر جو پائریسی کا بنیادی ڈھانچہ جو کہ قائم تھا اُس کا خاتمہ کیا
مالکان اور اہل کاروں کو عدالتی کٹھمرے میں لایا گیا۔ امریکہ نے پاکستانی حکومت کے
- پائریسی کے حوالے اقدامات کو سب سے پہلے سراہا اور مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔
کی کنسیشن کے حوالے سے امریکہ کی بین الاقوامی انٹلیکچول پراپرٹی کی GSP (A)
امریکی حکومت نے پاکستان کو ترجیحی B)-) بابت ایک چار سالہ پٹیشن کو ختم کردیا۔
کے IP امریکی کامرس ڈیپارٹمنٹ نے پاکستان کے (C)- واچ لسٹ سے نکال دیا۔
انفراسٹرکچر کو اپ گریڈ کرنے کے لیے کمرشل

فرینڈلی ممالک نے IP (D)- لاء کے ترقیاتی پروگرام کے تحت پاکستان کو پیش کش کی۔
(E)- پاکستان کے ساتھ لمبے عرصے کی شراکت داری میں دلچسپی ظاہر کی۔ IPO
پاکستان کی بھرپور مدد کی۔ بیرونی طور پر ملنے والا IPO اور یورپین یونین نے WIPO
پاکستان بین IPO پاکستان کے لیے قابل اطمینان ہے۔اِس طرح IPO ریسپانس
الاقوامی دھارے میں شامل ہونے والا ادارہ بن گیا ہے۔ انٹرنیشنل فیڈریشن آف
اور یوکے بیسڈ انٹرنیشنل واچ ڈاگ آف گلوبل پائریسی (IFPI) فوٹوگرافک انڈسٹری
نے پاکستان سے پائریٹیڈ آپٹیکل ڈسک کی برآمد کے مکمل خاتمے کا سرٹیفیکیٹ جاری
کردیا۔ مندرجہ بالا بیان کردہ قانون کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کرنے کا مقصد یہ
ہی ہے کہ اِس قانون کو اُس کی روح کے مطابق رائج کیا جائے۔

انشاء اللہ ! ضرور ہونگے پورے انصاف کے تقاضے۔۔۔

ویسے تو ہمارے مذہب اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں لیکن کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسری شادی کرلے تو پہلی شادی کی اُولاد دربدر ہو جاتی ہے میری آج کی کہانی ایک ایسے بزرگ شخص پر ہے جن کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں جواب اپنی ریٹائرمنٹ کی زندگی میں ستر سال سے زائد عمر میں اپنے وراثتی و شرعی حق کے لئے دربدر ہورہے ہیں یہ بزرگ شخص گریڈ بیس کے ریٹائرڈ سرکاری ملازم ہیں جن کے والد بھی تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان ریلوے میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے اِن کے والد کے انتقال کے بعد ر وارثان میں بزرگ شخص کے علاوہ 4 سگی بہنیں اور اِن کے والد کی دوسری بیوی کے علاوہ اُن کے 2 بیٹے اور تین بیٹیاں جن میں سے ایک بیٹی پیدائشی فاترالعقل تھی اور کنواری ہی فوت ہو گئی تھی شامل ہیں۔

اِن بزرگ شخص کو1962 میں سرکاری ملازمت مل گئی تھی جس کی وجہ سے اُن کو اپنے گھر سے دوسرے شہر منتقل ہونا پڑا پھر وہ واپس اپنے گھر نہ آسکے جس کا بھرپور فائدہ اِن کے سوتیلے بھائیوں سمیت اُن کی سوتیلی والدہ نے خوب اٹھایا کیونکہ تمام تر غیر منقولہ جائیدادوں کے کاغذات اور منقولہ جائیدادأن لوگوں کے قبضہ میں آگئیں تھیں۔

بزرگ شخصنے اپنے وراثتی حصّہ کے حصول کے لئے پہلی بار 2008 میں عدالت سے رجوع کیا چار عدد غیر منقولہ جائیدادیں جو اِن کی معلومات کے مطابق اِن کے مرحوم والد کے نام پر تھیں اِن کی طرف سے کبھی انتقال جائیداد کی پیروی اس لئے نہ کی گئ کیونکہ ایک وراثتی جائیداد کے علاوہ باقی تمام جائیدادیں اپنی اصل حالت میں نظر آرہی تھیں۔ بذریعہ عدالت ایک عدد فوٹوکاپی جعلی مختار نامہ عام کے بعدبزرگ شخص کوپتہ چلا کہ اس دستاویز کی بنیاد پر دوجائیدادوں کی بابت جعلسازی کی گئ جس میں ایک جائیداد پر رجسٹری بناکر دونوں سوتیلے بھائی شہر کے پوش علاقہ میں مالک بن گئے اور دوسری فروخت کردی گئ۔

اب متعلقہ سب رجسٹرار کے مطابق اس جعلسازی سے مستفید ہونے کے بعد محکمہ ہذا سے مذکورہ جعلی مختار نامہ عام کا ریکارڈ بھی غائب کروادیا گیا ہے اور سوتیلے بھائیوں نے اپنی کاپی بھی غائب کی ہوئی ہے اس معاملے میں متعلقہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا کردار بھی بہت اہم ہے اس کے علاوہ شہر کے ایک اور پوش علاقہ میں بھی ایک اور جائیداد کو اسی طرح جعلسازی کے ساتھ فروخت کیا گیا اس جائیداد میں بزرگ شخصکواِن کے مرحوم والدنے نامزد کیا تھا اور اُس وقت کے خاص قاعدہ قانون کے مطابق مالک کی وفات کے بعد منتقلی صرف اور صرف نامزد کیے جانے والے کے نام ہی ہوسکتی تھی مگر ایسا نہیں ہوا یہاں بھی سوتیلے بھائیوں

نے سوسائٹی کے ایگزیکٹو ممبر جو کہ اِن بزرگ شخص کا سگا بہنوئی ہے کے ساتھ ملی بھگت سے جعلی دستبرداری نامہ بنا کر اپنی والدہ کے نام منتقل کروا کر فروخت کیا۔

بزرگ شخص کی درخواست پر جعلی مختار نامہ عام بنانے اور استعمال کرنے پر پولیس نے FIR درج کی مگر بااثر ملزمان نے اپنے آپ بحکم معزز عدالتِ عالیہ 2014 میں ایک کو بے گناہ قرار دلوالیا اس معاملے میں دورانِ تفتیش کئی لوگ اثر انداز ہوئے۔

بزرگ شخص کا ایک صاحبزادہ جو پیشہ کے اعتبار سے وکیل ہے نے پولیس والوں کے خلاف پولیس میں اور باقی لوگوں کے خلاف وزیرِاعظم پاکستان کے نام اپنے والد کی طرف سے خط اور درخواستیں دیں مگر اِن کی کوئی دادرسی نہ ہوئی۔

FIR درج ہونے کے بعد مذکورہ جعلی دستاویز کے نام نہاد لوکل کمیشن نے بھی اس دستاویز کو جعلی قرار دیا مگر متعلقہ پولیس نے مقدمہ ہذا کے چالان میں بزرگ شخص کے کسی گواہ کا ذکر نہ کیا ہے اور بلاوجہ اِن کی تبدیلی تفتیش کی درخواست بھی خارج کر دی گئی۔

درج ہونے سے قبل مذکورہ جعلی دستاویز کے گواہ نمبر 2 نے اس سے FIRمذکورہ درج ہونے FIRلا تعلّقی کا اظہار کیا اور اس بابت دو عدد تحریری بیانات ِ حلفی دیئے مگر کے بعد اس نے بھی ملزمان سے گٹھ جوڑ کر لیا۔اس گٹھ جوڑ کی خاص بات بزرگ شخص کی ملازمت کے دوران شہر میں غیر موجودگی تھی جس دوران بزرگ شخصکے تمام سوتیلے اور سگے بہن بھائیوں نے آپس میں رشتہ داریاں کرلیں اس وجہ سے کوئی بھی اب اِن کے ساتھ نہ ہے مگر بزرگ شخص کو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ انہوں نے صرف اپنے جعلی دستخطوں کا چیلنج کیا ہے اور وہ پرُامید ہیں کہ ایک دن تمام ترجعلسازیاں بے نقاب ہو نگی۔

سوتیلے بھائیوں نے بزرگ شخص کے دوسرے بیٹے کو اپنے والد کے خلاف اُکسایا اور اُسے اپنے والد کے خلاف جھوٹی شہادت کے لئے کہا مگر اُس نے بھی ایسا نہ کیا اور معزز عدالت میں جا کر اپنے سوتیلے چچا کے خلاف ہی بیانِ حلفی جمع کروادیا۔

مقدمہ بازی کی پاداش میں سوتیلےبھائیوں نے بزرگ شخص کے خلاف پولیس میں اور اِن کے وکیل بیٹے کے خلاف بار کونسل میں جھوٹی درخواستیں دیں مگر وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہوسکے ۔اِن کے سوتیلے بھائی کافی اثرورسوخ والے لوگ ہیں دراصل وہ چاہتے ہیں کہ بزرگ شخص اپنا وراثتی حق چھوڑ دیں یا پھر

اونے پونے میں اُن کے ساتھ سودا بازی کرلیں جو وہ.بزرگ شخص کو دو تین بار آفر بھی کر چکے ہیں۔

.بزرگ شخص کا ماضی بے داغ ہے اوراِن کے مطابق انہوں نے آج تک کوئی مختار نامہ عام یاد ستبرداری نامہ کسی شخص کے بحق نہ دیا ہے اس لئے وہ ہر وقت اِن جعلسازیوں کی تصدیق کروانے کو تیار ہیں۔اِنہوں نے اپنے 36 سالہ دورِ ملازمت میں پاکستان کی نیک نیتی سے خدمت کی ہے جو ریکارڈ پر موجود ہے مگراُن کو یہ نہیں پتہ تھاکہ وقت آنے پر اُن کو اپنے شرعی و وراثتی حصہ کے حصول کے لئے در بدر ہونا پڑے گا۔اس صورتحال کے بعد اب.بزرگ شخص کو صرف اور صرف معزز عدالت عالیہ کے حالیہ حکم کی دوبارہ تفتیش کوئی ایماندار پولیس FIRکی وجہ سے ایک نئی امید پیدا ہوئی ہے کہ اُن کی آفیسر کرے گا جس سے اِن کے سوتیلے بھائیوں کی تمام تر جعلساریاں بے نقاب ہونگی اور انشاءاللہ انصاف کے تقاضے ضرور پورے ہونگے۔

ریلوے کے شہید افسر کی بیوہ اور یتیم بچے انصاف کے لیے دربدر

مجھے سرگودہا سے ایک نہایت ہی محترم دوست کا فون آیا جس میں اُن کی بیوہ بہن اور اُن کے بچوں کے ساتھ محکمہ ریلوے کی بے حسی کا ذکر تھا۔ مجھے بطور انسانی حقوق کے کارکن کے ایسے واقعات سے پالا پڑتا رہتا ہے۔ پاکستان میں سرکاری محکمہ میں جس طرح کا سلوک اپنے ہی ایک افسر کی بیوہ اور اُس کے یتیم بچوں کے ساتھ روا رکھا جانے والس سلوک اِس بات کی دلالت کرتا ہے کہ سرکار کے محکمہ میں کرسیوں پہ براجمان افسران شاید انسانیت کی قدر و قیمت کو فراموش کر چکے ہیں۔ حلال روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔ اللہ کی دوستی تو اُن کو درکار ہے جن کا عقیدہ اور ایمان اِس بات میں ہے کہ اِس عارضی دُنیا کی بجائے۔ اپنے رب کی رضا کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے زندگی کے اِس سفر کو گزارا جائے۔ روح کی تر وتازگی حقیقی خوشی میں پنہاں ہے اور حقیقی خوشی رب کی رضا میں ہے۔ فی زمانہ جس طرح ہوس نے لالچ اور بے ایمانی کی انتہاء کی ہوئی ہے۔ اِس سے یہ بات عیاں کہ انسان نے گھاٹے کو سودا کیا ہوا ہے اور چند سالوں پہ محیط زندگی کے لیے وہ اپنی ہمیش زندگی کو اپنے ہاتھوں سے غارت کر رہا ہے۔ دس سال قبل دوران ڈیوٹی شہادت کا رتبہ پانے ولاے ایک افسر کے بیوی بچوں کے ساتھ محکمہ ریلوے کا سلوک انتہائی افسوس ناک ہے۔ بچوں کو ریلوے کے گھر سے بے دخل کیا گیا ہے۔ جس

میں گریڈ میں ریلوے آفیسر کی وفات ہوئی اُس کی بجائے بیوہ کو اُس کے پچھلے گریڈ کی پنشن دی جا رہی ہے۔ بچوں کی تعلیم کے لیے بھی کوئی مدد نہیں کی گئی۔ اگر وہ صاحب وفات نہ پاتے تو گویا ریلوے کا گھر اور تنخواہ اُن کے اہلِ خانہ کو میسر تھی۔ چونکہ وہ نہیں رہے اِس لیے محکمہ نے اُن سے چھت بھی چھین لی اور اُس گھر میں ایک انتہائی جونئیر ملازم کو لا بٹھایا۔ یہ ہے سلوک دوران ڈیوٹی شہادت پانے والے کے خاندان کے ساتھ۔ لاہور ہائی کورٹ نےدوران ڈیوٹی ٹرالی اور کارگو ٹرین کی ٹکر سے شہید ہونے والے افسر کی بیوہ اور بچوں کو سرکاری رہائش سے بیدخل کرنے اور دس سال سے گریڈ کے مطابق پنشن نہ دینے کا نوٹس لیتے ہوئے چیئرمین ریلوے کو طلب کرلیا۔ کیس کی سماعت جناب جسٹس شاہد وحید نے کی۔ سائلہ کی جانب سے انسانی حقوق کے علمبردار اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے رٹ دائر کی تھی۔ سائلہ کے خاوند سلطان احمد بطور AEN مچھ کوئٹہ میں کام کر رہے تھے۔ جہاں ایک حادثہ میں ڈیوٹی کرتے ہوئے 22 مارچ کو شہید ہوگئے تھے۔ سائلہ کے خاوند کی پروموشن 4 نومبر 2006 کو ہوئی 2007 اور اُنھوں نے بطور گریڈ سترہ کام کرنا شروع کردیا تھا۔ اُس سے پہلے وہ گریڈ سولہ میں تھے۔ تقریباً پانچ ماہ ہی ہوئے تھے کہ اُن کی شہادت دوران ادائیگی فرائض منصبی ٹرالی اور ٹرین کے درمیان حادثے میں ہوئی۔ اُن کی شہادت تک محکمہ کی جانب سے اُن کی DPC کلیئر نہیں ہوئی تھی۔ سائلہ کے خاوند نے گریڈ سترہ میں چار ماہ اور اٹھارہ دن کام کیا۔ سائلہ کے خاوند کے ساتھ ترقی پانے والے

بھی ہو گئی اور وہ اگلے گریڈ میں سال 2006 سے تنخواہ لے رہے ہیںDPC افسران کی سائلہ کے خاوند دوران ڈیوٹی وفات پا گیا اور پاکستان ریلوے کی تقریباً 19 سال نہایت ایمانداری سے خدمت کی اور اپنا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ایکسیڈنٹ میں انتقال کر گئے۔ درخواست گزار اُکی بیوہ اور چار چھوٹے چھوٹے بچوں سے گھر چھین لیا گیا اور دس سال ہو گئے ہیں۔ درخواست دہندہ کو ابھی تک گریڈ سترہ کی پنشن نہیں مل سکی۔ ہائی کورٹ نے چیئرمین ریلوے سے جواب طلب کر لیا ہے۔ اشرافیہ کی بے حسی دیکھیں کہ ایماندار سرکاری ملازم کی فوتیدگی کے بعد اُس کے بچوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جارہا ہے۔تاکہ معاشرے میں ایماندار اور نیک اہل کاروں کے ساتھ اِس طرح کا سلوک ہو کہ آئندہ ایمان داری کے ساتھ کام کرنے والوں کو نشانِ عبرت بننے کا احساس قبل از وقت ہی ہوجائے۔اور معاشرے میں ایمان داری، دیانت، رواداری جیسی چیزوں پنپ نہ سکیں۔اِس حوالے سے اشرافیہ کی کوششیں کارگر ثابت ہو رہی ہیں۔ اب سچے اور نیک ایماندار سرکاری ملازم ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔کتنے افسوس کا مقام ہے۔ کہ نوکری میں شہادت کا رُتبہ حاصل کرنے والے ایماندار آفیسر کی فیملی دربدر ایک کمرے میں کرائے ہر گزارنے پر مجبور اور نام نہاد قبضہ گروپ، سرکاری املاک پر قابض۔ امید ہے کہ وزیر ریلوے شہید کے بچوں کو چھت مہیا کریں گے۔

نیب کی سابق جنرل سے وصولی اور زرداری کا مفاہمتی سفر

بھارت کے ساتھ پاکستان کی محاذ آرائی کے ایشو کے بعد اِس وقت میڈیا کے ہاں جو ایشو سب سے زیادہ زور شور سے جاری ہے۔ وہ ہے نیب، وزیر اعظم،زرداری۔ گویا مفاہمت کے شہنشاہ آصف زرداری پھر میدان میں آ گئے ہیں۔ فوج کو عوامی جلسوں میں دھمکیاں دینے والے جناب آصف زرداری کو شائد کسی کی نظر لگ گئی ہے کہ اُنھیں جنرل راحیل شریف پر بہت پیار آ رہا ہے صرف پیار ہی نہیں آ رہا ہے بلکہ وہ اِن پر صدقے واری ہوئے جا رہے ہیں۔ انسانی تہذیب وتمدن نام کی کسی بھی شے سے نابلد اور نامور دہشت گردوں کے آقا جن کو ڈاکٹر عاصم ایان علی اور شرجیل میمن کا دکھ کھائے جارہا ہے۔ اُنھوں نے تین سو صفحات پر مشتمل بیان دئے کر نواز شریف کی طرف سے پٹھانکوٹ کے حوالے سے دہشت گردی کی ایف آئی آر پاکستان میں درج ہونے کی بناء پر پیدا ہونے والی بے چینی سے فائدہ اُٹھانے کے لیے یہ ایک سیاسی چال چلی ہے کہ سب کو حیران کر دیا ہے۔ جناب زرداری جس طرح امارات کے پناہ گزیں ہونے کے بعد اب وہ امریکہ یاترا میں مصروف ہیں اور عزیر بلوچ کی گرفتاری نے اُن کی جسمانی اور ذہنی کیفیات کو بدل کر رکھ دیا ہے۔اِس لیے اُن کی جانب سے یہ بیان کہ جناب راحیل شریف کو حالت جنگ میں ریٹائرڈ کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں ذوالفقار مرزا کی جانب سے لگائی جانے والی آگ آہستہ آہستہ

زرداری صاحب کو ذہنی مریض بنائے جارہی ہے۔ گیارہ سال تک پاکستان کی جیلوں میں پابند سلاسل رہنے والے اِس لیڈر نے اب محسوس کر لیا کہ نیب کی جانب سے اور رینجرز کی جانب سے سندھ میں جو ماحول بن گیا ہے۔ اُس کے بعد سائیں سرکار کی حکومت برائے نام ہی رہ گئی ہے۔ نیب نے جیسے ہی پنجاب میں ایک اعلیٰ کاروباری شخصیت کے گرد گھیرا تنگ کیا۔ تو جناب وزیر اعظم برس پڑے اُنھوں نے عوام کا لہو چوسنے والے سرمایہ داروں کو انتہائی معصوم گردانتے ہوئے نیب کو خبردار کیا کہ جناب آپ معصوم سرمایہ داروں جو کہ اُن کے دستِ راست ہیں کو ہاتھ نہ لگائیں۔ آصف زرداری صاحب کو نہ جانے کس طرح کی شہ دلائی گئی ہے کہ جناب فوج کے حق میں اِس طرح شیر وشکر ہوئے ہیں کہ جیسے نواز شریف جنرل ضیاء الحق کے لیے بھی نہ ہوتے تھے۔ سابق کور کمانڈر کراچی جنرل زاہد علی اکبر واپڈا کے سابق چیئرمین اور پی سی بی کے سابق چیئرمین جو کہ نیب کے مہمان تھے۔ اُنھوں نے بیس کروڑ روپے کو نیب کو جمع کروادیے ہیں۔ جنرل زاہد علی اکبر کو کروشیا سے بوسنیا جاتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ چونکہ برطانوی شہریت کے حامل ہیں اِس لیے اُن کو انٹرپول کے ذریعے پکڑا گیا۔ نیب کے خلاف پنجاب میں بالخصوص ارتعاش اور وزیر اعظم کے نیب کے خلاف بیان کے بعد آصف زرداری کا فوج کے حق میں بیان اور پنجاب اسمبلی میں پی پی پی کی اِسی بیان کے حق میں قرادار پیش کرنا اِس طرح کی دلالت کرتا ہے۔ کہ اقتدار کے ایوانوں میں سب اچھا نہیں ہے۔ وزیر اعظم کی جانب سے جس طرح نیب کو لتاڑا

گیا ہے۔ اِس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ سیاسی حکومت کو چین نصیب ہونا مشکل ہے۔ جنرل راحیل کی جانب سے یہ بیان کہ راہداری منصوبے کی تکمیل کی خاطر فوج ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ فوج کے اداروں کو بھی چاہیے کہ ملک میں سیاسی استحکام کو زِک نہ پہنچے۔ کیونکہ جس طرح ملک میں انرجی بحران اور دہشت گردی کی عفریت نے معاشی بحران پیدا کیا ہوا ہے۔ اِن حالات میں تو ملک میں فوج اور موجودہ حکومت کے درمیان تعلق مثبت انداز میں چلنا بہت ضروری ہے۔ جنرل مشرف نے جب اقتدار حاصل کیا تو اُس وقت اُسے گجرات کے چوہدری اور راولپنڈی کے شیخ رشید طرح کے لوگ میسر آ گئے تھے۔ کہیں زرداری صاحب بھی جنرل راحیل کے لیے چوہدریوں والا کردار ادا تو نہیں کرنا چاہ رہے۔ یا پھر یہ سب کچھ چائے کی پیالی میں طوفان کے مترادف تو نہیں ہے۔

ممتاز ڈرامہ نگار شاعرہ افسانہ نگار دلشاد نسیم کی افسانوں کی نئی کتاب اسیر ذات

دلشاد نسیم کے افسانوں کی کتاب اسیر ذات کو پڑھنے کا موقعہ ملا۔ دلشاد نسیم کے ہاں جذبات کے اظہار کے لیے لفظوں کا چناؤ اتنا شاندار ہے کہ دلشاد نسیم جو بات کہنا چاہتی ہے اُس کی ترجمانی اُس کے الفاظ بہترین انداز میں کرتے ہیں۔ دلشاد نسیم کے لکھے ہوئے افسانے درحقیقت افسانے نہیں بلکہ حقیقت کی عکاسی ہیں۔ اِن افسانوں میں بیان کردہ کہانیاں دلشاد کی اپنی زندگی سے نبرد آزماء قوتوں کی کہانیاں ہیں جنہیں دلشاد نسیم نے اتنے احسن انداز میں بیان کیا ہے ایسا صرف احساس دل کا حامل انسان ہی لکھ سکتا ہے۔ اَسیر ذات میں کل بارہ افسانے ہیں اِس کے کل صفحات ایک سو ساٹھ ہیں۔ افسانوں کی ترتیب کچھ اِس طرح ہے کہ سب سے پہلے افسانے کا نام سیراب ہے۔ اس افسانے میں محترمہ دلشاد نسیم نے موجودہ دور میں جو عدم برداشت کا سلسلہ چل نکلا ہے۔ اُس کی طرف نشاندھی کی ہے۔ دلشاد نسیم سراب کے آغاز میں لکھتی ہیں کہ جب ہم محبتیں بانٹتے ہیں تو مار دئے جاتے ہیں، لیکن نفرت کا زہر پھیلانے والے، برچھیاں چلانیوالے ہاتھ آزاد ہیں۔ کیوں؟۔ دوسرا افسانہ جو ہے اُس کا نام کہنی کی چوٹ ہے۔ اس میں لکھتی ہیں کہ، دن گزر رہے تھے وہ دیکھ رہا کہ کامنی کی دونوں دیوروں سے محبت بھی گہری ہوتی جارہی تھی رضوان کے دل پر تو وہ یوں قابض ہوئی جیسے کسی کنواری پہ آسیب وہ جہاں جاتی رضوان

کی نگاہ اُس کے تعاقب میں رہتی کامنی کو خوب اندازہ تھا اسی لیے پلٹ پلٹ کے مسکراتی کبھی آنکھوں سے اور کبھی ہونٹوں سے،۔ دلشاد نسیم نے زندگی کی باریکیوں کو بہت، احسن انداز میں بہت ہی انوکھے انداز میں بیان کیا ہے۔ قاری کو بات کی تہہ تک لے جانے کے لیے چند الفاظ ہی کافی ہیں یہ ہے وہ انداز جو کہ دلشاد نسیم کے افسانوں میں جابجا ملتا ہے۔ تیسرا افسانہ جو کتاب میں شامل ہے اُس کا نام مٹی کی قسمت ہے ۔اِس افسانے میں زندگی کی حقیقتوں کو موثر انداز میں بیان کرتے ہوئے دلشاد نے محبت بھرے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ محبت جس انداز میں خاندانی روایات کو جکڑے ہوئے ہے۔ اُس حوالے سے بھی دلشاد نسیم کی سوچ کے دھارے اتنے وسیع ہیں کہ دلشاد نسیم کے انتہائی گہرے مشاہدات کے حامل قلم سے بچ نہیں پائے۔ چوتھا افسانہ اَسیرِ ذات ہے اِسی کے نام پر کتاب کا نام رکھا گیا ہے۔اِس افسانے کا نقطہ عروج ملاحظہ ہو دلشاد لکھتی ہیں، صبوحی جیسے پتھر کی ہوگئی ۔۔۔اس کی آنکھ میں آنسو نہیں تھا۔۔۔ آواز میں لرزش نہیں تھی۔۔۔اس کی کیفیت تو اس نومسلم کی سی تھی جو ساری قضا نمازیں ایک ہی وقت میں پڑھ لینا چاہتا ہے۔۔۔ چاہتا تھا سجدے سے سر نہ اٹھے۔۔۔ جب تک کہ اس کے سارے گناہ۔۔۔ ثواب نہ بن جائیں،۔انسانی رویوں کی جس انداز میں ترجمانی دلشاد نسیم کے افسانوں میں دکھائی دیتی ہے اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مشکل سے مشکل بات بھی آسانی اور موثر انداز میں کہنے کا ملکہ رکھتی ہیں۔ دیگر افسانے جن میں عرضی، بسو کی ماں سُرتا، جدائی کی سڑک، نصیب،

محور، خواب لمحے اور مجھے کیا خبر تھی شامل ہیں ہمارے ارد گرد موجود کرداروں کے رویے ہیں جن کو انتہائی کلاسیکی انداز میں لکھا گیا ہے۔ یقینی طور پر اسیر ذات دلشاد نسیم کا کلاسیکی شاہکار ہے۔اِس کتاب کو نامور شاعر جناب خالد شریف جو ماورا نشین بھی ہیں نے بہت دیدہ زیب انداز میں شائع کیا ہے۔کتاب کے فلیپ پر محمد حامد سراج، سائرہ غلام نبی اور خالد شریف کے مصنفہ کے حوالے سے اور اِس کتاب اسیر ذات کے حوالے سے اظہاریہ لکھا گیا ہے۔دلشاد نسیم نے اِس کتاب کا انتساب بہت ہی خوبصورت انداز میں لکھا ہے وہ لکھتی ہیں انتساب حسن خالد اور حمزہ خالد کے نام کہ جنھوں نے مجھے جب جب ماں کہاں تب تب مجھے اپنی تکمیل کا احساس ہوا۔نامور شاعرہ ڈرامہ نگار افسانہ نگار محترمہ دلشاد نسیم کی کتاب اسیر ذات کی تقریب رونمائی الحمرا ادبی بیٹھک الحمرا لاہور میں ہوئی۔ تقریب کا اہتمام ماورا ادبی فورم کی جانب سے کیا گیا۔ نامور شاعر ماورا نشین محترم خالد شریف صاحب نے ناچیز کو بھی خصوصی دعوت دی اور عزت افزائی فرمائی۔ تقریب میں ڈاکٹر نگہت نسیم ، توقیر شریفی، ثمینہ سید، طارق محمود ، غزالہ سید، محمد جمیل، اختر ملک، ممتاز راشد ، کرامت بخاری و دیگر نے خطاب کیا۔ خالد شریف صاحب نے خصوصی طور پر سٹیج پر اِس ناچیز کو مدعو کیا اور میں نے محترمہ دلشاد نسیم کو پھول پیش کیے۔ایسا پروگرام برسوں یاد رہے گا۔ خالد شریف صاحب نے اسیر ذات کتاب بطور تحفہ بھی عطا فرمائی۔ اور خصوصی طور پر مصطفائی جسٹس فورم انٹر نیشنل کے حوالے سے سرگرمیوں کو

سراہا۔ مقررین نے محترمہ دلشاد نسیم کے افسانوں کے حوالے سے گفتگو کی اور اُن کی ادبی خدمات کو سراہا۔

خواتین پر گھریلو تشدد کے حوالے سے پنجاب اسمبلی کے نئے قانون پر ایک نظر

پنجاب اسمبلی کے خواتین کے گھریلو تشدد کے حوالے سے قانون سازی یقینی طور پر ہمارے معاشرے میں خواتین پر روا رکھے جانے والے ظلم کے خلاف ایک توانا آواز ہے۔ لیکن جس طرح کے سماجی حالات ہمارے معاشرے کے ہیں اِن حالات میں اِس طرح کے قوانے شائد اُتنے کارآمد نہ ہوسکیں۔ قانون کی کتابوں میں لکھے ہوئے الفاظ یقینی طور بہت اعلیٰ وارفع ہوتے ہیں بات تو ہے عمل درآمد کروائے جانے کی۔ہمارے معاشرے میں تو پولیس خود تمام جرائم کی محافظ ہے۔ پولیس کی موجودہ نظام کے ہوتے ہوئے اِس طرح کی قانون پر عمل درآمد کروایا جانا ہی ناممکن ہے۔بلکہ خواتین کے خلاف ہی اِس قانون کو استعمال کیا جائے گا۔پولیس کے بعد مروجہ عدالتی نظام عوام کو کسی قسم کا بھی تحفظ دینے سے عاری ہے۔ عوام کو تحفظ تو کیا عدالتوں میں آکر انسان کا شاید اپنے رب پر بھی ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے۔ قسمت کے مارے مصیبتوں کے ماروں کو یہ نظام اتنے جھٹکے لگاتا ہے کہ ایک کہ بعد ایک مقدمہ ایک کے بعد ایک اور کیس۔ انصاف کے ایوانوں میں انصاف کے علاوہ سب کچھ ہے۔اِس نظام کا جائزہ لیتے ہیں۔پاکستان کے صوبے پنجاب کی اسمبلی نے خواتین کو گھریلو تشدد، نفسیاتی اور جذباتی دباؤ، معاشی استحصال اور سائبر کرائمز سے تحفظ دینے کا قانون متفقہ طور پر منظور کر لیا ہے۔اس بل کے ذریعے تشدد

کا شکار ہونے والی خواتین کو تین طرح کا تحفظ دیا جارہا ہے۔1: پروٹیکشن آرڈر نئے قانون کی بدولت خواتین ہراساں کرنے والوں یا پھر جسمانی تشدد کرنے والوں کے خلاف عدالت سے پروٹیکشن آرڈر لے سکیں گی۔پروٹیکشن آرڈر کے ذریعے عدالت ان افراد کو جن سے خواتین کو تشدد کا خطرہ ہو، پابند کرے گی کہ وہ خاتون سے ایک خاص فاصلے پر رہیں۔اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ عدالت کے پروٹیکشن آرڈر کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی تشدد کرنے والے شخص کو جی پی ایس ٹریکنگ بریسلٹ پہنائے جائیں گے۔تاہم اس پابندی کا اطلاق شدید خطرہ ثابت ہونے یا سنگین جرم کی صورت میں ہی ہوسکے گا۔ عدالت ثبوت کی بنیاد پر جی پی ایس بریسلیٹ پہنانے کا فیصلہ کرے گی۔ ان کو ٹیمپر نہیں کیا جاسکے گا۔ ٹیمپرنگ کی صورت میں تشدد کے خلاف قائم کیے گئے سینٹرز پر خود بخود اطلاع ہوجائے گی اور ٹیمپرنگ یا بریسلٹ کو اتارنے کے لیے چھ ماہ سے ایک سال تک اضافی سزا دی جائیگی۔ 2: رہائشی آرڈر: رہائشی آرڈ کے تحت خاتون کو اس کی مرضی کے بغیر گھر سے بے دخل نہیں کیا جاسکے گا۔اگر کوئی بھی خاتون جان کے خطرے کے باعث گھر چھوڑنے پر مجبور ہو یا اسے خاندان کے افراد گھر سے نکال دیں تو ایسی صورت میں عدالت خاندان کو پابند کرسکے گی کہ خاتون کی رہائش کا متبادل بندوبست کیا جائے یا اسے دوبارہ گھر میں رکھا جائے۔خواتین تشدد کرنے والے کے خلاف کی گئ قانونی چارہ جوئی پر ہونے والے اخراجات تشدد کرنے والے شخص سے حاصل کرسکیں گی۔3: مانیٹری آرڈر: جبکہ مانیٹری آرڈر کے تحت

خواتین تشدد کرنے والے کے خلاف کی گئی قانونی چارہ جوئی پر ہونے والے اخراجات تشدد کرنے والے شخص سے حاصل کر سکیں گی۔ مانیٹری آرڈر کے تحت خواتین اپنی تنخواہ یا اپنی جائیداد سے ہونے والی آمدنی کو اپنے اختیار میں رکھنے اور اپنی مرضی سے خرچ کرنے کے قابل بھی ہوسکیں گی۔ وزیراعلیٰ کے امن وامان سے متعلق خصوصی مانیٹرنگ یونٹ نے خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیموں انسانی حقوق کے کارکنوں اور خواتین رکن اسمبلی کے ساتھ مل کر یہ بل تیار کیا ہے۔اس قانون پر عمل درآمد کے لیے ہر ضلع میں وائلنس اگینسٹ ویمن سینٹرز بنائے جارہے ہیں۔ یہ جنوبی ایشیا کے پہلے ایسے سینٹر ہیں جہاں تمام متعلقہ ادارے ایک ہی چھت کے نیچے موجود ہوں گے۔ جیسے پولیس پراسیکیوشن فرانزک میڈیولیگل ماہر نفسیات اور شیلٹر ہوم وغیرہ۔مانیٹرنگ یونٹ کے سربراہ سلمان صوفی کا دعویٰ ہے کہ قانون میں پروٹیکشن ریزیڈنس اور مانیٹری آرڈرز کے تحت تحفظ دینے کے لیے ایک پورا نظام بنایا گیا ہے اور کسی بھی عمر کی خاتون کو کسی بھی قسم کے تشدد سے اس بل کے ذریعے تحفظ دیا جاسکے گا۔ اس قانون پر عملدرآمد کا نظام بھی بل میں دیا گیا ہے۔'اس قانون پر عمل درآمد کے لیے ہر ضلع میں وائلنس اگینسٹ ویمن سینٹرز بنائے جارہے ہیں۔ یہ جنوبی ایشیا کے پہلے ایسے سینٹر ہیں جہاں تمام متعلقہ ادارے ایک ہی چھت کے نیچے موجود ہوں گے۔ جیسے پولیس پراسیکیوشن فرانزک میڈیولیگل ماہر نفسیات اور شیلٹر ہوم وغیرہ۔' اس قانون کے تحت خواتین کے تحفظ کے لیے ضلعی کمیٹیاں بنائی جائیں

گی۔ جو تمام سینٹرز میں شکایات کے اندراج کی نگرانی کریں گی اور یقینی بنائیں گی کہ پولیس تمام حقیقی شکایات کے مقدمات درج کرے۔ سلمان صوفی کہتے ہیں 'غلط شکایت ثابت ہونے پر چھ ماہ سے ایک سال تک سزا ہوسکے گی۔ لیکن ہم نے جو سینٹرز اور کمیٹیاں بنارہے ہیں اس سے غلط شکایتوں کا جلد پتہ لگایا جاسکے گا۔ اور صرف حقیقی شکایتیں ہی سامنے آسکیں گی۔' اس سے پہلے پنجاب میں خواتین کو تشدد سے تحفظ دینے کے لیے کوئی ایسا قانون موجود نہیں تھا۔ اس وقت خواتین کے خلاف تشدد پر سزائیں سی پی آر سی کے وفاقی قانون کے تحت دی جارہی ہیں۔ یہ قانون گذشتہ برس بھی اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا تاہم پارلیمنٹیرینز کی جانب سے کئی اعتراضات اٹھائے جانے کے باعث یہ منظور نہیں ہوسکا۔ تاہم گزشتہ جمعرات کو پنجاب اسمبلی نے متفقہ طور پر اس کی قانون کی منظوری دی ہے۔ پنجاب اسمبلی سے خواتین پر گھریلو تشدد کے خلاف قانون سازی پر عمل درآمد کے لیے پنجاب پولیس نہیں کرواسکتی۔ پولیس کا موجودہ نظام اور عدالتی نظام کی خامیاں اِس قانون کے ذریعہ خاندانی نظام کو مزید تباہ کردیں گی۔ راقم نے لاہور ہائی کورٹ بار کی انسانی حقوق کمیٹی کے شریک چیئرمین ہونے کے ناطے جناب چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ کو مراسلے بھی ارسال کیا ہے کہ وہ اِس پر نظر ثانی کا حکم جاری فرمائیں۔

صحافت کے امام پاکستان کے شیدائی سچے عاشق رسول ﷺ۔ جناب مجید نظامیؒ

میں جب کلاس دوئم کا طلاب علم تھا تب سے نوائے اخبار کا قاری ہوں۔ نوائے وقت مجید نظامیؒ، حمید نظامی اور پاکستان یہ ہیں وہ محرکات جن کی وجہ سے میرا تعلق نوائے قوت جیسے عظیم قومی اخبار کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ مجھے آج ایک عجیب سا تغافر اور سرشاری محسوس ہو رہی ہے کہ مجھے میرے دل نے اِس دور کے عظیم صحافی ملک و ملت کے رہنما پاکستان یت کے علمبر دار اسلام کے سچے سپاہی جناب مجید نظامیؒ صاحب کے ذات پر قلم اُٹھانے کی جسارت پر اُبھارا ہے۔ اس کائنات میں کروڑوں اربوں لوگ آئے اور اپنے اپنے دور میں اپنے اپنے انداز میں اپنا اثر چھوڑ گئے۔ جناب مجید نظامیؒ ان میں سے خاص افراد کی صف میں شامل ہیں جن کی اپنے وطن اور دین سے محبت اپنی مثال آپ تھی ۔ جناب مجید نظامی ایک طرف تو حضرت سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے لشکر کے ہراول دستے میں شامل ایک عظیم مجاہد دیکھائی دیتے تھے۔تو دوسری جانب سلطان محمود غزنوی کی راہ پر چلتے ہوئے دنیاوی بتوں کو پاش پاش کرکے رسمِ شبیری ادا کرتے ہوئے دیکھائی دیتے تھے۔بقول حضرت اقبالؒ دریاوں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان، جس سے جگر و لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم کا سراپا دیکھائی دیتے ۔ حضرت محمد بن قاسمؒ کی تلوار بن کر باطلوں کا سر کاٹتے ۔ اس عظیم قلندر نے جس طرح سے اتحاد امت ،پاکستان اور اسلام

سے محبت کا بیڑا اُٹھائے رکھا، محب وطن طبقے نظامی صاحبؒ کی اس جرات و بہادری پر فخر محسوس کرتے ہیں ۔ ایک بات جو یہ کہ جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا یہ ان کا ایسا عمل تھا جو موجودہ مادیت پرستی کے دور میں عظیم کارنامہ ہے۔ نوائے وقت کی شکل میں قوم کی رہنمائی کے لیے جس طرح جناب مجید نظامی نے اپنا فرض نبھایا۔ وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ ایک بات جو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کے قابل ہے ۔ وہ یہ کہ معاشرے کے تمام طبقہ ہائے فکر سے منسلک افراد بلا تفریق حسب و نسب مجید نظامیؒ صاحب کی رائے کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ہر پارٹی کا رہنماء خواہ مذہبی ہو یا سیاسی سماجی ہو یا سقافتی، سب جناب مجید نظامیؒ صاحب کی پُر اثر شخصیت سے فیض و رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ ۔ نظریہ پاکستان ٹرسٹ کی موجودگی میں باطل اور طاغوتی

طاقتوں کے مقابلے میں پاکستانیت کا پرچار ایک ایسا عظیم کام ہے جس سے وطن عزیز کے بچے نوجوان خواتین وطن کی محبتوں کی حلاوتوں سے مسرور و مطمن ہیں۔ جس طرح امریکہ بھارت اسرائیل کی مداخلت سے بلوچستان خون میں نہایا ہوا تھا خیبر پختون خواہ میں دہشت گردوں کے ساتھ پاکستان کی آرمی برسرپیکار ہے۔اِن حالات میں سبز ہلالی پرچم کی حرمت اور نظریہ پاکستان کی پاسبانی کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ۔ جناب مجید نظامیؒ صاحب حضرتِ عباس غازیؓ علمبردار کے نقش پاء پر گامزن رہے۔ وقت کے حکمرانوں کی محفلوں میں جانے سے گریز اور حق

بات کہنا خواہ کتنا بھی مالی نقصان ہو جائے یہ جناب مجید نظامیؒ صاحب کا خاصہ عمر بھر رہا۔ نظامی صاحبؒ کا تعلق اُن افراد میں سے تھا۔ جو معاشرۓ کی سوچ کی آبیاری کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ ان کی ذات ایسے چراغ کی مانند تھی جو اپنے بیگانے سب کے لیے مینارہ نور بن کر رہے۔ یہ وہ بزرگ ہستی تھے جو اپنی قوم کی ذہنی تربیت کر رہے تھے۔ نفسا نفسی مادیت پرستی کے دور میں پاکستانیت کا پرچم تھامے یہ درویش صفت ولی اپنا فرض تا دَم، مرگ ادا کرتے رہے۔ ان کو پنجاب یونورسٹی کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری ملنا ایک اعزاز تھا لیکن میں اگر یہ کہوں تو میرے جذبات کی ترجمانی ہوگی کہ پنجاب یونورسٹی کے لیے یہ اعزاز ہے کہ جناب نظامیؒ صاحب نے پنجاب یونیورسٹی کو اپنے وجود کے حصہ کے طور پر شناخت دی۔ نظریاتی سمر سکول کی شکل میں نظریہ پاکستان ٹرسٹ نظامی صاحبؒ کی کوششوں سے گزشتہ پندرہ سالوں سے نونہالانِ وطن کے اندر جذبہ حب الوطنی، ملی غیرت، مذہبی رواداری کی نفوذپزیری کی ضمانت ٹھہرا ہے۔ جس طرح کا ماحول جناب مجید نظامی صاحب کی سرپرستی میں نظریاتی سمر سکول میں بنایا گیا یہ پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے نشانِ راہ ہے۔ ہزاروں بچے، بچیاں یہاں سے تربیت حاصل کرکے اپنے دلوں کو جذبہ ُحب الوطنی اور آقا کریم ﷺ کی محبت سے اپنے دلوں کو منور کر چکے ہیں۔ الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا میں بے پناہ ترقی نے صحافتی حلقوں کی ذمہ داریوں میں لامحدود اضافہ کر دیا ہے۔ پوری قوم کی رائے کو معتبر بنانا اور اُسے ملکی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں با مقصد بنا کر

پیش کرنا موجودہ میڈیا کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ زرد صحافت نے اس عظیم شعبے کی پہچان میں کچھ خرابیاں پیدا کی ہیں ۔ موجودہ دور میں پاکستانی معاشرے میں میڈیا رائے سازی میں اہم کردار ادا کررہا ہے۔ گویا صحافت کا منصب صلاح الدین ایوبیؒ کی للکار، محمد بن قاسمؒ کی بہادری اور سلطان محمود غزنوی کی تلوار تھے۔ جناب نظامی صاحب ملکُ وملت کی تمام ذمہ داریوں کو اپنے کندھے پر زندگی بھر سنبھالے رہے۔ ان کی رہنمائی ملت اسلامیہ کے لیے کسی بھی غنیمت سے کم نہیں تھی۔ وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے اور وطن کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنا ایک عظیم مشن ہے جناب مجید نظامی صاحب نے ہمیشہ نظریاتی محاذ پر قوم کے سپہ سالار کا کردار ادا کیا۔ اس لیے مجھے یہ بات کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ملک کی نظریاتی سرحدوں کے سپہ سالار جناب نظامی صاحب تھے۔۔ قائداعظمؒ اور حضرتِ اقبالؒ کے سچے پیروکار تھے۔۔ اللہ پاک مجید نظامی صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔--------------------------------------

دین مصطفےٰ ﷺ میں عورت کا مقام

آٹھ مارچ کو منائے جانے والے یوم خواتین کے حوالے سے جب قلم دار ہوں تو سمجھ نہیں آ رہی کہ میں عورت کی آزادی کے حوالے سے مروجہ سوچ کو کیا کہوں۔ عورت کی آزادی کو کیا معنی پہنائے جائیں۔ عورت ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے بیوی ہے۔زمانہ جہالیت میں عورت کو خاندان کے لیے شرمندگی کا باعث تصور کیا جاتا تھا اور عورت کو خاندان کی بدنامی کا عنصر سمجھا جاتا تھا۔ عرب جو کہ زبان پہ بہت قادر تھے اور شاعری اُن کے گھر کی باندھی تھی وہ جس شخص کی کوئی بیٹی ہوتی تو وہ اُس کے ایک ایک اعضا کی نشاندہی کرتے اور لڑکی کا نام لے لے کر شاعری کرتے یوں بیٹیوں کے باپ یہ بے عزتی برداشت نہ کر پاتے وہ بچی کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے ۔ رب پاک نے عورت کو ترکہ میں سے حصے دار بنایا اور اللہ پاک نے کھول کھول کر قران مجید میں وراثت کی تقسیم کو تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ عورت کو مرد کے لیے باندھی نہیں بلکہ اگر وہ ماں ہے تو اُس کے قدموں تلے جنت کو قرار دیا۔ اگر وہ بیٹی ہے تو اچھی پرورش کرنے پر والدین کو جنت کی بشارت دی اور اگر وہ بہن ہے تو اُسکو عزت واحترام دیا اگر بیوی ہے تو اُس کو ہر قسم کی مالی مشکلات سے آزاد کروا کر مرد کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ گھر کا معاشی نظم و نسق خود چلائے اور عورت گھریلو امور کو انجام دئے بچوں کی پرورش کرئے اور

معاشرئے کو بہترین نسل تیار کرکے دے۔ اسلام سے پہلے عورت کو انتہائی گھٹیا مخلوق کا درجہ دیا گیا۔ ہندو مذہب میں تو مرد کے مرتے ہی عورت کو بھی اُسکے خاوند کے ساتھ زندہ ہی جلا دیا جاتا جسے ستی کی رسم کہا جاتا ہے۔ عورت کو معاشرئے میں غلام سے بھی بدتر حثیت حاصل تھی۔ گویا کہ عورت ہونا جرم بن جاتا۔ اللہ پاک کے نبی پاک ﷺ نے عورت کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ عورت کی آزادی کے حوالے سے مختلف آراء پائی جاتی ہیں لیکن راقم کے نزدیک صرف ایک بات ہی فی زمانہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ عورت موجودہ حالات میں کمانے کے لیے گھر سے نکلتی ہے تو اُسے کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ حالات اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہیں اسلام نے تو سینکڑوں سال قبل ہی معاشی ذمہ داری مرد پر ڈال دی تاکہ عورت عزت و احترام کے ساتھ گھر کا نظم و نسق سنبھالے اور خوش وخرم پاکیزہ زندگی بسر کرئے اور معاشی پریشانیوں سے آزاد ہوجائے۔ ذرا تصور فرمائیں عورت جب معاشی سرگرمیوں کے لیے ملازمت بھی کرتی ہے پھر اُس کو گھر کے معاملات بھی دیکھنا پڑتے ہیں تو اُس کو دوہری مشقت کرنا پڑتی ہے۔ راقم یہاں عورتوں کی ملازمت کے خلاف بات نہیں کر رہا ۔عورت کو کام ضرور کرنا چاہیے تاکہ معاشرئے کے نظام میں روانی رہے لیکن عورت سے کام اتنا ہی لینا چاہیے جتنا یہ صنف نازک کر سکتی ہے۔ اُسے اذیت سے دوچار نہیں کر دینا چاہیے۔ کہ وہ گھر اور دفتر کے درمیان فٹ بال بن جائے۔اِس طرح کا توازن رکھ کر اگر عورت کو کوئی ایسا کام کرنے کو مل جاتا ہے تو اسے ضرور کرنا

چاہیے ۔ عورت کو ہراساں کیا جانا معمول بن چکا ہے۔ گو خاتون محتسب کے ادارے کا قیام صوبہ پنجاب کی حد تک عمل میں آچکا ہے لیکن خود ہی غور فرمائیں کتنے فی صد خواتین جا کراِس محتسب کے دفتر میں یہ درخواست دیتی ہیں کہ مجھے ڈیوٹی کی جگہ فلاں شخص نے ہراساں کیا۔ عورت کی عزت واحترام کے لیے معاشرے میں روحانی انقلاب کی پھر سے ضرورت ہے وہ انقلاب جو نبی پاک ﷺ کا عطا کردہ ہے تاکہ زمانے کی آنکھوں میں حیا ہو۔ قوانین تو بے شمار ہیں اور مروجہ نظام میں قوانین پر عمل درآمد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ خواتین کی آزادی کے حوالے سے دنیا بھر میں بے شمار تحریکیں چل رہی ہیں اور بہت سی تنظیمیں بھی میدان عمل میں ہیں۔ عورت کو مارکیٹینگ کے لیے بطور ماڈل نیم برہنہ پیش کرنا کونسی آزادی ہے اوراِس سے معاشرئے کی کس طرح خدمت بجالائی جارہی ہے۔ عورت کو باپردہ ہونے کا حکم اُس کے لیے قید نہیں بلکہ اُس کی عزت وناموس کی حفاظت اور احترام کے لیے بہت بڑی سہولت اور عزت وتکریم کا مقام ہے۔ دنیاکے کسی معاشرے میں فحاشی کے حق میں وکالت نہیں کی جاسکتی، ہر مذہب عورت کی عزت وناموس کو اعلیٰ وارفع مقام دیتا ہے ۔اِس لیے جو خواتین خواہ وہ ملازمت پیشہ ہیں یا گھر کے انتظام وانصرام میں مصروف رہتی ہیں پردے میں رہنے سے اُن کے احترام میں بے حد قدرومنزلت پائی جاتی ہے۔ دین نے جو حدود قیود معاشرئے کے ہر فرد کے لیے مقرر کی ہیں اُن کے پیچھے نفسیاتی طور پر جو پہلو کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ کسی طور بھی کوئی بھی فرد فطرتی

روش سے ہٹنے نہ پائے۔اللہ پاک ہر انسان کا خالق و مالک ہے اور اپنے بندے سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اُتنی محبت ستر مائیں مل کر بھی نہیں کر سکتی وہ خدا اپنی مخلوق کی بے عزتی بے حرمتی کیسے برداشت کر سکتا ہے۔اِس لیے فطرتی تقاضے اُسی صورت پورے ہو سکتے ہیں جب معاشرے کا ایک ایک فرد ایک دوسرے کی عزت و ناموس کو مقدم رکھے۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے بندے کے دل کو دُکھانا کعبہ کو ڈھانے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ عورت کی آزادی کی رٹ لگانے والے عورت کو جسم فروشی کی طرف لگاتے اور مالی مفاد حاصل کرتے ہیں کیا یہ آزادی ہے۔ عورت کو اپنے مالی فائدے کے لیے بطور شو پیس، پیش کرنا کیا یہ آزادی ہے۔پاکستانی معاشرے میں خواتین کو بہت زیادہ مسائل کا سامنا ہے پرائمری تعلیم سے لے کر ثانوی و اعلیٰ تعلیم تک کے مواقع بہت کم ہیں۔ ملازمتوں کی کمی ،ٹرانسپورٹ کے مسائل، معاشرتی اونچ نیچ امارت اور غربت کے درمیان خلیج کا حائل ہونا، جہیز کی لعنت وغیرہ۔ عورت کو بطور پروڈکٹ سمجھنے کے عمل کی نفی کرنے کی از حد ضرورت ہے۔

غازی علم دین شہیدؒ کا ہمسفر غازی ممتاز قادری شہیدؒ

مورخ جب تاریخ لکھے گا کہ غازی علم دین شہیدؒ کو پھانسی انگریز حکومت نے دی تھی اور غازی ممتاز قادریؒ کو پھانسی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسلام نواز، نواز شریف کی حکومت نے دی تھی۔ غازی علم دین شہید کے وکیل قائد اعظم محمد علی جناحؒ تھے اور غازی ممتاز قادری شہیدؒ کے وکیل جناب خواجہ محمد شریف سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ اور جسٹس (ر) نذیر اختر صاحب تھے اور نواز شریف کی حکومت تھی اور پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ جیسی عظیم شخصیت کے لخت جگر اِس حکومت میں وفاقی وزیر مذہبی امور تھے۔ ممتاز قادری شہید کو اللہ پاک نے نبی پاک ﷺ کے طفیل عظیم رفعتیں عطا فرمائیں۔ لیکن نواز حکومت نے امریکی ایجنڈئے کہ آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ ریمنڈ ڈیوس کو رہا کرنے والوں نے عاشق رسول ﷺ کو پھانسی دئے دی۔ اللہ پاک غازی ممتاز قادری شہیدؒ کو نبی پاک ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ تمام اہل اسلام سے گزارش ہے کہ جذبہ ایمانی کا مظاہرہ ضرور ہونا چاہیے لیکن توڑ پھوڑ اور اپنے ہی لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنے سے ہمیں گریز کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ کے عاشقوں کی شہادتوں والی فہرست میں ایک اور رسول ﷺ کے عاشق کا نام شام ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ممتاز قادری اگر نبی پاک ﷺ کی محبت سے سرشار تھا تو پھر سزائے موت کے خلاف اُنھوں نے اپیل کیوں کی۔ یہ ہی الزام غازی علم دین شہیدؒ کے

اوپر لگایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ غازی علم دینؒ کا عشق اُن کو پھر اپیل کرنے سے کیوں روک نہ سکا۔ در حقیقت بات یہ ہے کہ ممتاز قادریؒ کے چاہنے والوں نے نبی پاک ﷺ کی محبت میں سرشار عوام نے ممتاز قادری کو اپیل کے لیے بمشکل آمادہ کیا ایسی صورتحال ہی غازی علم دین شہیدؒ کے ساتھ محبت کرنے والوں کی تھی۔ کہ قائدِ اعظمؒ جیسا عظیم قانون دان اُن کی جانب سے پیش ہوا تھا۔ ممتازی قادریؒ کے معاملے میں ہمیں کچھ سوالات کا جواب چاہیے ہوگا۔ جب ممتاز قادریؒ نے یہ عمل کیا کیا کہ اُس وقت تک ریاست نے اُس شخص کے خلاف کوئی کاروائی کی تھی جو کہ سرعام توہین رسالت کے قانون کا مذاق بنا رہا تھا۔ اور اُس خاتون کو پاس بٹھا کر پریس کانفرنس کر رہا تھا کہ یہ کالا قانون ہے اور جرم کی مُرتکب خاتون آسیہ بی بی بے گناہ ہے۔ کیا سلمان تاثیر عدالت لگائے بیٹھا تھا کہ وہ بطور جج اِس طرح کا فیصلہ سنا رہا تھا۔ اور پھر سلمان تاثیر نے یہاں تک کہا تھا کہ وہ زرداری سے ملاقات کرکے اِس خاتون کو ملنے والی سزا ختم کروادے گا۔ اب اگر ہم بطور مسلمان اپنے عقیدے کو دیکھیں تو ہمارا اِس بات پر راسخ ایمان ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ کائنات میں صرف ایک ہستی ایسی ہے کہ جس کی عزت و حرمت اور مقام کے حوالے سے خالقِ کائنات خود نبی پاک ﷺ کی شان کے دُشمنوں کو وعید سناتا ہے۔ اور جس وقت بھی نبی پاک ﷺ کی ذات پاک کو ایذا پہنچائی گئی رب پاک نے خود اِس حوالے

سے اپنا فرمان جاری کیا۔ نبی پاک ﷺ کی عزت و حرمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور ایسا کرکے مومن مسلمان اپنے رب کی سُنت ادا کرتا ہے۔ جو رب یہ کہتا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر میں تمھیں پیدا نہ کرتا تو کچھ بھی پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے وجود کا اظہار نہ کرتا۔ نبی پاک ﷺ کی عزت وحُرمت کی حفاظت کے حوالے سے ایک مسلمہ قانون جس پر تمام مسلمان پر مکمل طور پر متفق ہیں اور وہ اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کے لیے ایک ہی سزا ہے کہ اُن کا سر تن سے جُدا کردیا جائے۔ جو رب اپنے پیارے محبوب ﷺ کی شان مبارک کے حوالے سے اِس طرح مخلوق سے مخاطب ہے کہ اپنی آوازیں تک بھی نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو، کہیں تمھارے تمام اعمال ضائع نہ کر دیئے جائیں۔ جو رب اپنے محبوب ﷺ کو کہتا ہے کہ بے شک تمھارا دُشمن بے نام ونشان رہے گا۔ جس طرح کی شخصیت نبی پاک ﷺ کی ہے اُس لحاظ سے اُن ﷺ کی عزت و تکریم کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اُس شخص کا سر تن سے جدا کردیا جس نے یہ کہا تھا کہ میں نے نبی پاک ﷺ سے فیصلہ کروایا ہے جو کہ مجھے پسند نہیں ہے آپؓ میرا فیصلہ فرمادیں۔ عمر فاروقؓ نے ایسے شخص کی جان لے لی جو کہ نبی پاک ﷺ کے بطور جج کیے گئے فیصلے کو مان نہیں رہا تھا۔ اگر ہم 295 C تعزیزاتِ پاکستان کی شق کا جائزہ لیں تو یہ بات ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی ناموس کے خلاف بولنے والوں کو سزائے موت کا حکم ہے۔ پاکستان میں تمام فقہ کے ماننے والے مسلمان اِس بات ہر متفق ہیں کہ

سلمان تاثیر کا جو رد عمل تھا اگر تو ریاست اِس حوالے سے اپنا کردار ادا کرتی تو پھر تو بات یہاں تک نہ پہنچتی۔ جس عمل کے حوالے سے حضرت اقبالؒ نے غازی علم دین شہیدؒ کے لیے بھرپور تحریک چلائی۔ اُس کام کو خلاف دین خلاف قانون کیسے کہا جاسکتا ہے۔ مجلس ملی شرعی جس میں تمام مسالک کے بلند پایہ علماء شامل ہیں نے متفقہ طور پر ممتاز قادریؒ کی حمایت کی تھی۔ جو عمل 1929 کو غازی علم دینؒ کی سزا کے حوالے سے درست تھا اُس وقت تو انگریز متحدہ ہندوستان پر براجمان تھا اب وہی موقف غلط کیسے کہ ممتاز قادریؒ کو سزائے موت۔ انگریز جج اور پاکستانی ججوں کے اوال افعال میں اتنی یکسانیت خدا کہ پناہ جس معاشرے میں انصاف ملنے سے پہلے مظلوم مرجاتا ہے اُس معاشرے کے جج صاحبان کو غازی ممتازؒ کے معاملے میں قانون کی بالادستی کا خیال کھائے جارہا ہے اور اِن بدبختوں کو نبی پاک ﷺ کی عزت و توقیر کی کوئی پرواہ نہیں۔ جو عدالتیں ریمنڈ ڈیوس جیسے سفاک قتل کو معاف کر سکتی ہیں اُن کو واقعی یہ حق ہے کہ وہ انگریز کی پیروی کرتے ہوئے غازی علم دین شہیدؒ کی طرح ممتاز قادری کو بھی پھانسی کی سزا دیتیں۔ شہادت ہے مطلوب و مقصود و مومن۔ نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی عاشق مصطفےٰ ﷺ کو شہادت مبارک ہو۔ غازی علم دینؒ کے ساتھی کو نبی پاک ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔ جتنی رفعتیں نبی پاک ﷺ کی محبت کی بدولت ممتاز قادریؒ کو مل چکی تھیں وہ اگر رہا ہو جاتا تو کیسے جی پاتا۔

پھانسی کی نہیں حکمت عملی کی ضرورت ہے غازی ممتاز قادری شہیدؒ کی شہادت عشق رسول ﷺ کا فیضان

قانون کے ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم کے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ قانون کی بالادستی کے بغیر سب کچھ فضول ہے۔ تمام مکاتب فکر اِس بات پر متفق ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے گستاخ کی سزا صرف اُسکا سر تن سے جدا ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ اللہ پاک نے نبی پاک ﷺ کو اُس وقت نبوت پر سرفراز فرمایا تھا جب آدم کی تخلیق ہی نہیں ہوئی تھی اسلامی معاشرئے کے لیے خدا اور اُسکا رسول ﷺ ہی سب کچھ ہیں۔ ممتاز قادریؒ کی شہادت کے حوالے سے غازی علم دین شہیدؒ کے وقت جو جذبہ ایمانی مسلمانوں میں عود آیا تھا وہی سب کچھ اب دیکھنے میں آیا۔ نواز شریف حکومت نے شائد تاریخ کی سب سے بڑی غلطی کی ہے کہ غازی علم دین شہیدؒ کے وقت انگریز سامراج کی حکومت کی یاد دلا دی۔ اُس وقت توہینِ رسالت کا قانون نہ تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ لڑا۔ مقدمے میں حضرت اقبالؒ پیش پیش تھے۔ اب ذرا آج کے دور کے حالات ملک پاکستان توہین رسالت کا قانون موجود۔ حکومت مسلمان حکمرانوں کی۔ لیکن پنجاب کے آئینی سربراہ گورنر تاثیر کے الفاظ کیا تھے کہ یہ کالا قانون ہے۔ توہین رسالت کی مرتکب آسیہ کو سیشن جج نے پھانسی کی سزا دی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سب سے بڑئے آئینی صوبے کے آئینی سربراہ گورنر پنجاب نے جیل میں جاکر ملزمہ کو ساتھ بٹھا کر پریس کانفرنس کی کہ وہ

صدر زرداری کو کہہ کر اِس کی سزا معاف کروایں گے۔ کئی دن گزر گئے لیکن سلمان تاثیر کی جانب سے کہے گئے کہ الفاظ کے حوالے کوئی حکومتی پیش رفت دیکھنے میں نہ آئی۔ اِس طرح سرعام نبی پاک ﷺ کی حرمت کے قانون کے حوالے سے توہین آمیز الفاظ کہنا اور حکومت وقت کا اپنے رنگ رنگیلے شراب وکباب کے دلدادہ قران کی عظمت رسول ﷺ کی عظمت کے انکاری گورنر پنجاب کی باز پرس نہ کرنا اور یتیم عدلیہ جو کہ اُس وقت سو موٹو کی ماہر تھی اُس کی جانب سے کوئی ایکشن نہ لینا۔اِس بات کا مظہر ہے کہ نبی پاک ﷺ کی عزت و ناموس کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اُس وقت کی زرداری حکومت کو کوئی پرواہ نہ تھی۔ اِن حالات میں پھر کسی فاقہ مست نے تو میدان عمل میں کودنا ہی تھا۔ عشق انسان کو پاگل نہیں ہونے دیتا۔ یوں محبتِ رسول ﷺ کی لگن نے ممتاز قادریؒ کو نبی پاک ﷺ کے دُشمن کو جہنم رسید کرنے پر اُبھارا۔ جوائنٹ انوسٹی گیشن کی رپورٹ بھی یہی ہے کہ محرک صرف یہ ہی تھا کہ تاثیر نے ناموس رسالت ﷺ کے حوالے سے توہین آمیز گفتگو کی تھی۔ یہ ہی بات غازی علم دین شہیدؒ کی اپیل کے فیصلے میں لکھی گئی تھی کہ علم دینؒ نے یہ کام اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ نبی پاک ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر کیا ہے۔ اقبالؒ کو نبی پاک ﷺ سے جتنی محبت اور عشق ہے اِس کا اندازہ غازی علم دین شہیدؒ کے مقدمے کی پیروی اور پھر غازی علم دین شہیدؒ کی تدفین کے حوالے سے اُن کی تڑپ، محبت عشق اور احترام پر رشک کیا جاسکتا ہے۔ ممتاز قادری شہیدؒ کی شہادت نے پوری اُمت کو غازی علم دین شہیدؒ

کے پیغام کی یاد تازہ کروائی ہے۔اُن کی شہادت نے نام نہاد مولانا طاہر اشرفی اور نام نہاد مولانا شیرانی کے چہروں کو بے نقاب کیا ہے۔اِس کے ساتھ ساتھ طاہر القادری کا موقف یقینی طور پر اُمتِ مسلمہ کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔جس جس شخص کو حکومت میں آنے کی جلدی ہے جس میں عمران خان بھی شامل ہیں اُس اُس نے قادری کی پھانسی کو درست قرار دیا ہے۔جب دنیاوی معاملات میں یہ عدالتیں فیصلہ کتے ہیں جن میں اِن کے لوٹ کھسوٹ کے پروگراموں پر زد پڑئے تو پھر یہ عدالتیں غلط اور اگر نبی پاک ﷺ کی حرمت کی بات ہو تو پھر اِن عدالتوں کو درست گردانا جاتا ہے۔جب دھرتی کو ماں کہا جاسکتا ہے۔جب وطن کو ایمان کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔جب مادر وطن یعنی زمین کا ٹکرا حاصل کرنے کے لیے لاکھوں جانوں کا نذرانہ پیش کیا جا ستا ہے۔حتیٰ کہ انسان اپنی ماں باپ کی توہین برداشت نہیں کرپاتاتو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ 1.6 بلین مسلمانوں کے پیغمبرِاعظم و آخر جو وجہ تخلیقِ کائینات ہیں اور مسلمانو کی آن سے محبت اپنے مال و جان سے بڑھ کر ہیاُن کی شان میں گستاخی کو برداشت کیا جا سکے۔یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ مسلمانانِ عالم کی انفرادی و اجتماعی عقیدتوں کا مرکز و محور نبی پاک ﷺ کی ذات پاک ہے۔موجودہ حالات میں جبکہ عراق، افغانستان، کشمیر اور پاکستان میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے۔روش کی شکست و ریخت کے بعد امریکہ علاقے کا تھانیدار بن کر ہر ملک کو تنگ کر رہا ہے اور خونِ مسلمان سے اپنی پیاس بجھارہا ہے۔مسلمانوں کی روح اور دلوں کو زخمی

کرنے کے لیے ہر دوسرے چوتھے مہینے نبی پاک ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرکے امریکہ اور اُس کے حواری اس امر کو آزادیِ رائے کا نام دیتے ہیں۔کیا یہ حق کسی بھی انسان کو آزادی رائے کے نام پر دیا جاسکتا ہے کہ کسی بھی مذہب کے بانی کے خلاف ہرزہ رسائی کی جاسکے۔نبی پاک ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا ایک ایک پہلو دُنیا بھر کے انسانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے تاریخِ عالم اِس بات کو کبھی جھٹلا سکتی کے کبھی مسلمانوں نے کسی بھی مذہب کے پیغمبر کے خلاف کوئی بھی بات کی ہو۔کیونکہ تمام انبیا اکرامؑ پر ایمان لانا مسلمانوں کے عقیدے کا حصہ ہے۔مسلمانوں کی طرف سے کسی بھی مذہب کے بانی کا تمسخر نہیں اُڑایا جاتا۔لیکن پھر کیوں یہودی لابی امریکی پادریوں کے ذریعے شانِ رسالت میں کرواتی ہے۔اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل سے عشق رسول ﷺ نکالا جاسکے کیونکہ جب عشقِ رسول ﷺ ہی نہ ہوگا تو پھر مسلمانیت کیسے برقرار رہ سکے گی۔بقول حضرتِ علامہ اقبالؒ ہر مسلمان کے اندر روح محمد ﷺ ہے۔امریکہ اسرائیل روح محمد ﷺ مسلمانوں کے اندر سے ختم کرنا چاہتے ہیں۔علامی امن کے حوالے سے امریکہ اسرائیل ،انڈیا کا کردار انتہائی شرمناک ہے۔مسلمانوں کو پوری دُنیا میں میڈیا کے زور پر دہشت گرد کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔یہ امریکی و اسرائیلی حربے امریکہ و یورپ میں اشاعتِ اسلام کے خوف سے ہیں۔لیکن ہمارا عقیدہ ہے کی رب پاک نے نبی پاک ﷺ کے ذکر کو بلند فرمادیا ہے۔یہ ذکر کسی کا پابند نہیں ہے کیونکہ رب پاک خود اور اُسکے مقرب فرشتے نبی پاک ﷺ پر

درود بھیجتے ہیں۔ کفار عشق نبی پاک ﷺ کی لو سے خوفزدہ ہیں اور روح محمد مسلمانوں کے اندر سے نکالنے کے لیے دن رات سازشوں میں مصروف ہیں۔ان حالات میں مسلم دنیاکے حکمرانوں کا کردار انتہائی شرمناک ہے۔ مسلمان حکمران اپنی حکمرانیکو بچانے کا سودکرکے خود کوامریکہ کے پاس گروی رکھ کر چکے ہیں۔جب مسلم ریاستیں اپنی عوام کو بے یارومددگار چھوڑ دیں تو پھر ناموس رسالت کی طرف اُٹھنے والی تنقیدی روش کا خاتمہ کیسے ممکن ہے۔ مسلم دُنیا کی بزدلی نے اب یہ دن دکھا دیئے ہیں کہ آئے روز نبی پاک ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی مذموم حرکات ہو رہی ہیں۔اب مسلم قوم کو پھر سے کسی صلاح الدین ایوبیؒ کا انتظار ہے۔اب کسی غازی علم دین شہیدؒ کی آمد کی ضرورت ہے۔ مُسلمان دُنیاکے حکمران 1.6 بلین مسلم قوم کی ترجمانی کی بجائے امریکی وفاداری کواپنائے ہوئے ہیں۔ان حالت میں ضرورت اس امر کی ہے کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کو عالمی قانون کے ذریعے قابلِ گرفت قرار دیا جائے جو بھی بدبخت ہمارے آقا نبی پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہواُس کی سزا حضرت عمرؓ کی عدالت کے مطابق اُس کا سر تن سے جدا ہو۔

ایم کیو ایم۔ مصطفیٰ کمال۔نئے منظر نامے کی تشکیل

ایم کیو ایم کے سابق مرکزی رہنماء اور کراچی کے سابق ناظم مصطفے کمال کی جانب سے جمعرات کو ہونے والی پریس کانفرنس اِس تناظر میں ایک اہم پیش رفت ہے کہ الطاف حسین کی جانب سے جس طرح پاکستان اور پاکستانی فوج کے خلاف انتہائی نفرت انگیز گفتگو ہوتی رہی ۔پھر تاریخ میں پہلی مرتبہ الطاف حسین کی تقاریر پر پابندی حتیٰ کہ اُن کی پرنٹ میڈیا پر اشاعت پر بھی پابندی لگ گئی۔ اور پھر یوں مصطفیٰ کمال کی جانب سے رو رو کر وہی باتیں کیے جانا جس کو ساری دُنیا برسوں سے جانتی ہے اور پاکستان کے پرچم کو لہرا کر یہ کہنا کہ یہ ہمارا پرچم ہے اور یہ پرچم ہماری پارٹی کا بھی ہے۔اِس سے یہ بات ظاہر ہورہی ہے کہ قومی سیاسی منظر نامہ تبدیل ہونے کی طرف جارہا ہے۔افتخار چوہدری کے بعد اب مصطفے کمال کی جانب سے صدارتی نظام کی حمایت کا مطلب یہ ہی ہے کہ مقتدری قوتیں اب پی ایم ایل این اور پی ٹی آئی سے راضی نہیں ہیں اور پاکستانیات کا نام لے کر ایک نیا قومی منظر نامہ تشکیل دیا جارہا ہے۔جس انداز میں الطاف حسین نے کراچی میں دہشت پھیلا رکھی ہے اِن حالات میں مصطفیٰ کمال کا کراچی آ کر بیٹھ جانا۔ مطلب یہ ہی کہ الطاف کا سورج غروب ہونے کو ہے۔ اور ایک نئی ایم کیو ایم تشکیل پائی جانے کو ہے۔ اب ہر روز مصطفیٰ کمال کوئی نہ کوئی نیا بیان دیں گے اور

آہستہ آہستہ پارٹی کے مزید لوگ بھی اِن کے ساتھ ملتے چلے جائیں گے۔ مصطفےٰ کمال کی اِس پریس کانفرنس کو اِس تناظر میں دیکھنا چاہیے کہ خطے میں چین کی موجودگی اور امریکی بھارت اسرائیل گٹھ جوڑ کے حوالے سے پاکستان کے مقتدرہ حلقے اِس وقت جنگ عضب کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ راہداری منصوبہ، کراچی میں امن اِس وقت پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ ممتاز قادری کی شہادت نے ملک میں بہت زیادہ بے چینی پیدا کردی ہے۔ اِس وقت جنگ عضب آخری مراحل میں تھی۔ اِس کیس کو دوسرے کیسوں کی طرح التوا میں ڈال دیا جاتا ہے تو کون سی قیامت آجاتی ہے۔ حکومت کی گرفت پہلے ہی حالات پر کمزور ہے۔ جنرل راحیل شریف کی موجودگی میں پاکستان کے حالات بہت بہتر ہوتے جارہے ہیں۔ ایم کیو ایم کے کسی بھی لیڈر کی جانب سے اِس طرح نئی پارٹی بنانے کی بات سے لگتا یہ ہی ہے کہ الطاف حسین اب پاکستانی سیاست سے فارغ ہیں۔ اُن کی ذہنی حالت بھی ایسی ہے کہ اُن کو فارغ ہو جانا چاہیے اور کراچی کے حالات کو پُرامن روش پہ ڈال دینا جنرل راحیل شریف کی بہت بڑی حکمت عملی ہے۔ اب آتے ہیں مصطفےٰ کمال کے الفاظ کی طرف۔ مصطفیٰ کمال نے اس موقع پر اپنی نئی سیاسی پارٹی بنانے کا اعلان کیا اور پاکستانی پرچم کو ہی پارٹی پرچم قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم ٹکڑوں میں بٹے پاکستان کو جوڑنے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان بہت ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے میں پاکستان کے پرچم کے رنگ نکال کر اس جھنڈے کو مدھم نہیں کرنا چاہتا اس جھنڈے کو ماننے والا ایک ایک انسان چاہے

وہ کسی مذہب یا مسلک یا پارٹی کا فرد ہو اس کو ماننا ہمارا فرض ہوگا۔ پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں بھی ہم بٹے ہوئے ہیں اور مملکت کے سربراہ کہیں بھی بیرون ملک جاتے ہیں تو پاکستانیوں سے نہیں بلکہ اپنی پارٹی کے لوگوں سے مل کر آ جاتے ہیں ہم یہاں بیٹھ کر انڈیا سے مذاکرات کرنے کیلئے پوری دنیا میں لابنگ کرتے ہیں لیکن اپنے ملک میں ہم ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے، ایک پارٹی دوسری پارٹی سے ایک مسلک دوسرے مسلک سے بات نہیں کرتا ہم توڑنے نہیں جوڑنے آئے ہیں،۔ایک لحاظ سے یہ مصطفےٰ کمال کی یہ بات واضح کرتی ہے کہ پاکستان کے مقتدرہ حلقے اب ملک کے خلاف ہونے والی الطاف حسین کی بکواس کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتے ہیں۔اِس لیے وطن سے محبت کو ایک اہم عنصر کے طور پر مصطفےٰ کمال کی پریس کانفرنس میں پیش کیا گیا ہے۔ یقینی طور پر جنرل راحیل شریف ایک عظیم سپاہی ہیں۔اِن کے دور میں ملک کو نئی زندگی ملی ہے۔ یوں ملک کے حالات معاشی سماجی طور پر بہت بہتری کی طرف آئندہ دس سالوں تک ہوں جائیں گے۔اِس کے لیے جنرل شریف کو اللہ پاک نے یہ رستہ دیکھایا ہے کہ وہ ملک کو گدھ کی طرح نوچنے والے مافیاز سے نجات دلوائیں۔

انسانیت کی معکوس ترقی۔ہائے احساسِ زیاں نہ رہا

انسان کے وجود سے آنے لے کر اب تک خالقِ کائنات نے جس طرح انسان کو ہمیشہ رفعتوں سے نوازا ہے اور جس طرح اُسے نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔وہ ایک ایسی انمٹ حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔انسان نے سماجی رویوں کے مختلف ادوار طے کر کے اوجِ ثریا تک رسائی حاصل کی۔کائنات کی تخلیق کا سبب بھی افضل البشر نبی پاک ﷺ کی ہستی ہے۔خالق نے فرمادیا کہ اگر میں اپنے محبوب کو پیدا نہ کرتا تو کائنات پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے رب ہونے کا اظہار نہ کرتا۔تیری پہچان اگر ہے تو میرے نام سے ہے تو بھی مٹ جائے اگر مجھ کو مٹایا جائے۔گویا رب کی پہچان بھی نبی پاک ﷺ سے ہے۔غزوہ بدر میں مُٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ میدان بدر میں وجہ تخلیق کائنات نبی اعظم ﷺ نے اپنے خالق سے التجا کی کہ اۓ میرے رب اگر آج یہ مُٹھی بھر تیرے بندے فتحیاب نہ ہوئے تو قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا۔اللہ پاک نے اپنے رب ہونے کا اظہار بھی نبی پاک ﷺ کی تخلیق سے مشروط فرمادیا اور ساتھ ہی یہ امر بھی فرمادیا کہ آدم کی تخلیق سے پہلے ہی محمد ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمادیا۔رب کو جب جب اپنی پہچان کروانا مقصود ٹھہرا تب تب نبی پاک ﷺ کی ناموس کو اُمت کے لیے لازم ٹھہرایا۔کبھی منع فرمادیا کہ اپنی آوازوں کو نبی پاک ﷺ کی آوازوں سے اونچا نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال ضائع

کر دیئے جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے۔ کسی جگہ یہ فرما دیا کہ اے نبی ﷺ جس نے میری اطاعت کی اُس نے آپ ﷺ کی عطا فرمائی۔ بلال حبشیؓ کا عشق، اویس قرنیؒ کا عشق، ابو بکر صدیقؓ کا جذبہ یہ سب کچھ تو اِسی لیے عشق کی تمازتیں بکھیر رہا ہے کہ محبانِ نبی ﷺ خود کو عشقِ رسول ﷺ سے بہرہ مند فرمالیں۔ نبی پاک ﷺ کی محبت کا فیضان ہے کہ آپ ﷺ کی محبت کے طفیل پوری دنیا میں امن و آشتی کو فروغ نصیب ہوا۔ عشقِ رسول ﷺ کا اعجاز ہی ہے کہ کہ پوری کائنات کا نظام آپ ﷺ کے دم سے ہے۔ درویش شاعر مشرق اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ یہ فاقہ کش جو ڈرتا نہیں ذرا روح محمد ﷺ اِس کے جسم سے نکال دو۔ اِسی لیے جب بھی مقصود یہود نصاریٰ کو یہ ہو کہ مسلمانوں کو تنگ کرنا ہے اُن کو تکلیف میں ڈالنا ہے تو شان نبی ﷺ میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انسانی جذبوں میں محبت کا عمل دخل ہی انسان کو جینے کی اُمنگ دیئے رکھتا ہے۔ دنیا سے محبت نہ کرنے سے مراد مادیے ت سے ماورا ہونا ہے۔ اِسی لیے خالق کا ابدی ہونا اور بندے کا اِس جہاں میں فانی ہونا اور عالمِ برزخ میں پھر ہمیشہ کے لیے غیر فانی ہو جانا۔ اِس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بندے کا اس جہاں میں فانی ہونا اور پھر اگلے جہاں میں غیر فانی ہو جانا یقینی طور پر اِس دنیا کی حقیقت کے حوالے سے جس کسوٹی کو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہی ہے کہ یہاں عارضی قیام اور وہاں ہمیش۔ بندہ مومن کا جب اپنے رب سے ملاقات ہونے کا سبب بننے والی موت سے سامنا ہوتا ہے تو بندہ مومن کے لیے اُس کے رب کی جانب سے وہ موت تحفہ کا درجہ

حاصل کرلیتی ہے۔ جتنی مرضی تدبیریں کرلیں آخر رخصت ہونا ہی ہے ۔اِس لیے اِس دنیا کی محبت کو مردار سے تشبہ دی گئی ہے۔امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کا اپنا سر کٹوانا قبول کرلینا۔اپنے خاندان کو اپنے سامنے شہید ہوتا دیکھنا منظور کرلینا۔حالانکہ جان بچانا تو لازمی امر ہے ۔لیکن جان کے بدلے میں سچائی کا ساتھ چھوڑنا حق نہیں ہے حق وہی ہے جو خالق کی رضا ہے۔ تو گویا اصل حقیقت گوشت پوست کی نہیں بلکہ روح کی ہے۔ موت انسانی زندگی کے خاتمے کا نام نہیں بلکہ یہ تو انسانی زندگی کے اگلے دور کا نام ہے۔ موت کے دروازے سے گزر کر انسان اگلے دور میں داخل ہو جاتا ہے۔ موت کا ذائقہ ہر کسی نے چھکنا ہے۔ذائقہ ایک کیفیت کا نام ہوتا ہے اِس کا وجود مستقل نہیں ہوتا۔ جیسے اگر کوئی مشروب پیا جائے تو اُس کا ذائقہ کچھ دیر تک رہتا ہے لیکن اُس کے بعد اُس مشروب کے ذائقے والی کیفیت ختم ہوجاتی ہے ۔ یہی حال موت کا ہے کہ انسان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے ، مرنا نہیں ہے۔چونکہ ذائقہ ایک بے حقیقت شے ہے ۔ایک دن میں کئی مرتبہ ذائقہ آتا ہے اور ختم ہوجاتا ہے۔اِس لیے تو موت ذائقہ بن کرآتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ اِس ذائقہ موت کی کیا مجال کہ وہ انسان کی حقیقت کو ختم کر سکے۔ حضرت عمرؓ کا فرمانَ عالیشان ہے کہ لوگو: تم جب ایک مرتبہ پیدا ہوگئے تو پھر مستقل پیدا ہوگئے اب منتقل ہوتے رہوگے۔پیدائش زندگی کا آغاز ہے۔آسمان پر کمندیں ڈالنے کے باوجود، کائنات کی کامل ترین ہستی نبی پاک ﷺ کی رہنمائی کے باوجود اگر انسان خسارے کا سود کررہا ہے تو

یہ تو پھر اُسکی جبلت میں ہے کہ وہ ہمیشہ خسارے میں رہنے کا سودا کرلیتا ہے۔ لیکن وہ جن کا نبی پاک ﷺ پر اور خالق کائنات پر کامل ایمان ہو اُنکو کوئی ڈر خوف نہیں اُنکی جلوت اُن کی خلوت سب کچھ کچھ تو رب کی رضا کے مطابق ہوتی ہے۔ ہائے انسان کو اپنے آپ کو سنوارانا کیوں نہیں آیا۔انسان موجودہ ترقی یافتہ ترین انٹرنیٹ کے دور میں بھی اخلاقی گرواٹ کا شکار کیوں ہے۔ہائے احساسِ زیاں جاتا رہا۔

ماتحت عدلیہ کا سوتیلہ پن

فی زمانہ معاشرئے میں رواداری کے جذبوں کی جس طرح پامالی ہوئی ہے اور جس انداز میں ہوس نے معاشرئے میں ڈیرئے ڈال رکھے ہیں۔اور مختلف انداز میں حیلے بہانے سے مقدمہ بازی میں ایک دوسرئے کو پھانسنے کی کوشش جاری رہتی ہے۔اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو معاشرئے میں نفوذپزیری کے حامل افراد کا عمل دخل کم سے کم تر ہوتا چلا جارہا ہے۔ مروجہ قانون ہتک عزت میں سزا ہونا اور جرمانہ ہونا ایسے ہی ہے جیسے کہ گدھے کے سر پہ سینگ نکل آئیں۔ ہتک عزت کے قانون کو مقصد پاکستانی معاشرئے میں اتنا ہی ہے کہ کسی کو ڈرایا جائے اور کسی کو اُس کے کیے سزا کی بجائے صرف رگڑا جائے۔ انسانی آزادیوں کی باتیں جو یورپ امریکہ میں کی جاتی ہیں اور جس طرح انسان کی قدرو منزلت ہوتی ہے اُس انداز میں تو پاکستانی معاشرئے میں یا تیسری دُنیاکے معاشروں میں انسان کی عزت و توقیر ہونے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ہم تفصیل کے ساتھ پاکستان میں ہتک عزت کے قانون کے حوالے سے بحث کریں گے۔اگر کسی بھی شخص کے متعلق ایسے الفاظ بولے جائیں، پڑھے جائیں یا اشارۃ کہے جائیں یا ایسا مواد شائع کیا جائے جس سے اُس شخص کی شہرت داغدار ہوتی ہو تو یہ امر ہتک عزت تصور کیا جاتا ہے۔اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں انٹرنیت، موبائل اور، کیبل کے استعمال نے اس

شعبے کی اہمیت کو دو چند کر دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود احتسابی کا عمل انتہائی سست ہونے کے سبب آئے دن ایسے معاملات دیکھنے کو ملتے ہیں کہ بات کا بتنگڑ بنا لیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ میڈیا کی آزادی نے انسانی حقوق کے حوالے سے ایک ایسی توانا آواز بلند کی ہے جس کی کوئی نظیر نہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ٹی وی چینلز کی بھرمار نے معیاری صحافت کو نقصان بھی کسی حد تک پہنچایا ہے۔ اکثر اوقات عوام الناس یہ محسوس کرتے ہیں کہ میڈیا عوام کے اذہان کو کنٹرول کرکے اپنی مرضی کی ثقافت کے فروغ میں مشغول ہے جس کی وجہ سے بے حیائی اور مادر پدر آزادی کا واہمہ سر اُٹھا رہا ہے۔ ترقی پذیر ممالک جیسے کہ پاکستان جہاں سرمایہ دارانہ نظام نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں وہاں میڈیا عوامی جذبات کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات کو بھی عوامی احساسات پر حاوی کر دیتا ہے۔ میڈیا پر کسی طور بھی قدغن نہیں لگنی چاہیے۔ لیکن میڈیا کو بھی خود احتسابی کے عمل کو سامنے رکھتے ہوئے وطن پاک کی سماجی، ثقافتی، عمرانی، معاشی، مذہبی اور نظریاتی اساس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ میڈیا کی ترقی و آزادی نے جاگیرداروں، آمروں، سیاست دانوں، لٹیروں اور غاصبوں کو عوام کے سامنے بے نقاب کیا ہے۔ پاکستانی قوم میڈیا کی احسان مند ہے۔ حالیہ وکلاء تحریک اور مشرف کی دیار غیر رخصتی میں میڈیا نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان میں موجود ہتک عزت کے قانون اور میڈیا کی ذمہ داریوں کے حوالے سے راقم نے حسب ذیل قانونی پہلوؤں پر انحصار کرکے

ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اگر کسی فوت شدہ شخص کے بارے میں ایسے الفاظ کہے جائیں جو اگر اُس کی زندگی میں کہے جاتے تو اُس کی شہرت داغدار ہو جاتی۔ یا فوت شدہ شخص کے خاندان کے لوگ اس طرح کے کسی عمل کی وجہ سے تکلیف محسوس کریں یا اس وجہ سے اُن کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ اگر کسی کمپنی، ادارہ یا کسی گروپ یا لوگوں کے گروہ کو اس طرح ہدف تنقید بنایا جائے جس سے اُن کی خوامخواہ بدنامی ہو اور اُن کی شہرت داغدار ہو۔ اگر کسی شخص کی ذہانت، کردار، ذات کے حوالے سے ایسے امر واقعہ ہو تو وہ بھی ہتک عزت تصور ہو گی۔ عوام کے مفاد میں اگر کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس سے خبردار رہیں یہ اس طرح کے کردار کا حامل ہے۔ تو یہ ہتک عزت نہ ہو گی۔ اگر کسی سرکاری ملازم کے متعلق یہ رائے دی جائے کہ اُس کا رویہ اپنی سرکاری ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے حوالے سے ٹھیک نہ ہے تو یہ بات بھی ہتک عزت تصور نہ ہو گی۔ اگر نیک نیتی سے کوئی بھی رائے دی جائے اور اُس کی زد میں کوئی اگر آتا ہے تو یہ بھی ہتک عزت نہ ہو گی۔ اس طرح اگر کسی عدالتی کاروائی کو شائع کیا جائے جو سچ پر مبنی ہو تو اس امر کے حوالے سے بھی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ ہتک عزت نہ ہے۔ کس بھی مصنف نے اگر کوئی کتاب تحریر کی ہے اور اُس میں کوئی رائے نیک نیتی سے دی ہے تو ہے بھی ہتک عزت نہ ہو گی۔ اگر مجاز اتھارٹی کسی بھی شے کو سنسر کرتی ہے تو یہ بھی ہتک عزت نہ ہو گی۔ اگر کوئی شخص اپنے نیک نیتی سے کسی بھی شخص یا عوام کو اگر کسی شخص کے خلاف بتاتا ہے کہ فلاں شخص

PCr, LJ بہتر نہیں ہے تو یہ عمل بھی ہتک عزت کے زمرے مین نہیں آتا۔2000
کے مطابق اگر کسی نے کوئی بیان جاری کیا یا شائع کروایا جس سے اس خیال کو 1847
تقویت ملے کہ اس امر سے متعلقہ شخص کی ساکھ کو نقصان پہنچے گا ہے ہتک عزت کے
کے مطابق مندرجہ ذیل ڈیفینس ان معا Cr. LJ1847 زمرے میں ہوگا۔2000
ملات میں ہیں۔

عوامی مفاد میں سچا بیان (2)حکومتی اداروں کے حوالے سے اُن کے کام کرنے (1)
کے اندازکے حوالے سے دیانت دارانہ رائے (3) کسی شخص کے رویے کے متعلق
رائے۔ (4) عدالتی کاروائی کی درست اور صیح انداز میں رپورٹنگ کرنا۔ (5) فیصلہ
شدہ عدالتی مقدمات کے حوالے سے میرٹ کے معاملے پر دیانت دارانہ رائی دینا (6)
عوامی کارکردگی پر درست تجزیہ کرنا۔ (7) سچائی سمجھتے ہوئے کسی بھی شے کا سنسر کرنا۔
کسی کام کے حوالے سے in good faith مجاز حکام کے اوپر نیک نیتی یعنی کہ (8)
الزام لگانا۔(9) ذاتی یا عوامی مفاد کی حفاظت کے لیے الزام لگانا (10) کسی عوامی
PLJ 2001 Cr C karachi 671مفادکے لیے کسی شخص یا پبلک کو خبردار کرنا۔
کے جرم میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس شخص پر ہتک Defamation کے مطابق
کیا تھی۔جب کوئی شکایت کی جاتی ہے تو Intention عزت کاالزام دھراگیا ہے اُس کی
اُس وقت الزامات لگانا ایک فطرتی بات ہوتی ہے۔اس مقد مہ میں شکایت کندہ نے
کوئی خاص واقعہ بیان نھیں کیا اور نہ ہی کسی گواہ کو

گواہی کے لیے پیش کیا۔ شکایت کنندہ اپنے کسی بھی رشتے دار کو گواہی کے لیے پیش کرنے میں ناکام رہا ہے۔ جس نے اس کے ساتھ رابطہ منقطع کیا ہو۔ صحت مند معاشرے کے لیے تنقید ضروری ہے ۔اخبارات جب تنقید کرتے ہیں کہ وہ کیا بہتر سمجھتے ہیں اور نیک نیتی سے اُن کو یقین ہوتا ہے کہ معاشرے کے یے یہ عمل فائدہ مند ہے۔ سیکشن 50 پاکستان پینل کوڈ1860 کے مطابق اگر کوئی شخص کوئی ایسا مواد چھاپتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ اس مواد کے چھپنے سے کسی کی شہرت داغدار ہوگی تو اُس شخص کو دو سال قید یا جرمانہ یا دونوں یعنی جرمانہ اور سزا دی جائے گی۔ سیکشن 502 پاکستان پینل کوڈ کے مطابق اگر کوئی شخص ایسا مواد فروخت کرتا ہے جس سے کسی شخص کی بدنامی ہو یا شہرت داغدار ہوتی ہو تو ایسے شخص کو دو سال قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں ہوں گئیں۔ سیکشن 502 اے پاکستان پینل کوڈ کے تحت ہتک عزت والے کیس کی سماعت سیشن کورٹ کے دائراہ اختیار میں آتی ہے اور سیشن کورٹ نوے دنوں میں اس کیس کا فیصلہ کرنے کی پابند ہے۔ سیکشن 505-B کے تحت اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت جو زنا یا ریپ کے کیس میں فریق ہو یا اُس کی فیملی کے متعلق کوئی شخص شناخت سے یا پوائنٹ آوٹ کرے تو اُس شخص کو چھ ما قید یا جرمانہ یا دنوں سزائیں ہوں گئیں۔

مندرجہ بالا شقوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات قرین انصاف ہے کہ کسی بھی مہذب معاشرے میں کسی بھی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کی کسی بھی شخص کی عزت اُچھالی جائے۔ پاکستانی معاشرے میں کیونکہ اچھی روایات اب زوال پزیر

ہیں اخلاقیات، سچ بولنا دوسروں کو عزت دینا ان سب جذبوں کا سودا روپے پیسے کے عوض کر دیا گیا ہے۔ محدود چند کے سواہ جمہور کی دوڑ شان و شوکت، گاڑی، بڑا گھر، بینک بیلینس کے لیے ہے۔ مادیت پسندی نے انسانیت کی عزت و تذلیل کے فرق کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔ ہتک عزت کا قانون کتابوں کی حد تک تو بہت ہی جاندار دیکھائی دیتا ہے اصل میں اُس جذبے کی ضرورت ہے کہ اس کی روح کے مطابق عمل کیا جائے۔

معاشرے کو صحت مندانہ رجحانات کی طرف گامزن کرنے کے لیے عزت دو اور عزت لو کے مترادف رویے اپنانے کی ضرورت ہے۔ یورپ، امریکہ، کینڈا، برطانیہ، سویڈن، ڈنمارک جیسے ممالک میں اس طرح کے معاملات میں کافی حساسیت پائی جاتی ہے۔ لیکن بات پھر وہی ہے کہ معاشرے کا عمومی رویہ کیسا ہے۔ اس طرح کے قوانین کا نفاذ بھی اُن ممالک میں ہو پاتا ہے جہاں معاشی آسودگی ہے اور شرح تعلیم بہت زیادہ ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں جہاں غربت کے منحوس چکر نے معاشرے کو اپنے شکنجے میں پھانس رکھا ہے وہاں ہتک عزت کے قانون پر عمل کیسے ہو گا۔ اس حوالے سے عوام الناس کو آگاہی میڈیا کے طفیل مل سکتی ہے۔ ملک میں جس طرح کا سیاسی کلچر اِس وقت موجود ہے۔ اور معاشرے میں جس طرح کے حالات اِنسان کو درپیش ہیں۔ وہاں تو زندگی کی بھی ضمانت حقیقی طور پر قانون فراہم نہیں کر پاتا عزتِ نفس تو بہت دور کی بات ہے۔ حسایست تو اُن معاشروں کا زیور ہے جن میں انسانیت کو قدر منزلت حاصل ہے۔

پنجاب میں پرائیوٹ سکولوں کے لیے کا نیا قانون تعلیم غریب کی پہنچ سے دور۔اشرافیہ کی سازش

لیجیے جناب جس طرح کلرک ہڑتال کرتے ہیں۔ جس طرح کاروباری طبقے ہڑتال کرتا ہے۔اِسی طرح پاکستان جہاں 95% لوگ بنیادی ضروریات سے محروم ہیں وہاں تعلیمی ادارئے بھی ہڑتال کر رہے ہیں۔ حکومت کی طرف سے جس طرح کی چشم پوشی تعلیم کے ساتھ کی ہے اوراِس سے جس طرح طبقاتی نظام پروش پارہا ہے۔لگتا یہ ہی ہے کہ حکمران یہ ہی چاہتے ہیں کہ امیر طبقات کو غریب لوگوں کے درمیان اتنی خلیج .برقرار رہے کہ برھمن اور چھوت والش رشتہ.برقرار رہ سکے۔ کہاں ہے نظریہ اسلام اور کہاں ہے نظریہ پاکستان۔پاکستان میں تعلیم کا جو حشر ہو رہا ہے وہ ایک ایسی گھناونی سازش ہے کہ جس کی مثال شاید انگریز دور کے متحدہ ہندوستان مین بھی نہ ملتی ہو۔ جس قوم کے راہبر حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے سب سے زیادہ خوبصورت لفظ معلم انسانیت پسند فرمایا ہو اور آج مملکت خداداد پاکستان میں تعلیم کو جس طرح امتیازی گروہوں میں تقسیم کردیا گیا ہے یہ آئین پاکستان کے بنیادی حقوق کے آرٹیکل کی خلاف ورزی ہے۔ گلی محلے میں وہ لوگ جو جو سبزی بیچتے تھے انھوں نے مرلے کے گھر میں ڈربہ نما سکول بنا رکھے ہیں جہاں اساتذہ کی ذمہ داری آٹھویں 3,4 پاس اور میٹرک فیل وہ لڑکیاں انجام دے رہی ہیں جن کا اپنا مستقبل تاریک ہے۔ اور یہ سکول محکمہ تعلیم کی ناک تلے خوب ترقی تر رہے ہیں۔ چند سو روپے فیس، کتابوں

کی من مانی قیمتیں کاپیوں کی مد میں بچوں کے والدین کی جیب پر ڈاکہ ، اور بچوں کی تربیت کا یہ عالم کے بچے گھر آ کر اپنی ٹیچر اور سکول مالک کے معاشقوں کے قصے سناتے ہیں۔ اگر اعداد و شمار اکٹھے کیے جائیں تو پتہ چلے گا کہ اِس طرح کے سکول جو گلی محلے میں کھلے ہوئے ہیں اُن کے مالک جو ہیں وہ ایک سے زائد شادیاں رچائے بیٹھے ہیں۔ تعلیم و تربیت اور مشنری جذبے سے عاری یہ سکول نسل کو تباہ و برباد کر رہے ہیں ۔اِس سے ذرا اوپر جائیں تو دیکھتے ہیں نسبتاً گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ خواتین و حضرات نے سکول کھول رکھے ہیں۔ اُن کی فیس ایک ہزار روپے کے لگ بھگ ہیں۔ ایسے سکول چند مرلے یا کسی مارکیٹ کے اوپر چند دکانوں میں کھلے ہوتے ہیں۔ یہ سکول زبردستی کتابیں اور کاپیاں خود دیتے ہیں اور منافع کی شرح 100% سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔اِن سکولوں میں سٹاف میٹرک ، ایف اے ، بی اے وغیرہ ہوتا ہے اور تعلیمی معیار یہاں بھی ناقابل بیان ہے۔ انتہائی قلیل تنخواہ مثلاً بی اے 1200 روپے ماہانہ اور آٹھ آٹھ پریڈ پڑھوائے جاتے ہیں اِن حالات میں کوالٹی کا تو جنازہ ہی نکالے گا۔ اکثر میٹرک کے بچے خواتین اساتذہ کے قابو نہیں آتے اور وہ لڑائی مار کٹائی میں مصروف عمل رہتے ہیں اوپر سے موبائل نے ہر طرف تباہی مچا رکھی ہیاور جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ خصوصاً خواتین کو دو یا ڈھائی ہزار روپے کی خاطر سخت مشقت کرنا پڑتی ہے۔۔ وہ مشقت صرف نشستن اور برخاستن تک محدود ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت نام کی چیز کہیں نظر نہیں آتی۔ آئے دن

فنکشن کرکے سکول کے طلبہ و طالبات کا دل بہلایا جاتا ہے اور بچوں سے فنکشن کے نام پر پیسے بٹورے جاتے ہیں۔ اِن فنکشنوں میں انگریزی اور ہندوستانی ثقافت کی پرموشن کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔ لڑکے لڑکیوں کو ہندوستانی اور انگریزی گانوں پر ڈانس کروایا جاتا ہے۔ ان سکولوں کی آؤٹ پٹ گھر بیٹھی رشتوں کے انتظار میں بے چاری غریب خاندان کی لڑکیوں کی صبح کے وقت کی مصروفیت اور پھر ان سکولوں کے بچوں میں سے ٹیوشن کے لیے بچوں کو متوجہ کرکے گھر بلوا کر ٹیوشن پڑھانا ہے۔ اب اگر ہم بیکن ہاؤس، ٹرسٹ سکول، سٹی سکول، شویفات، ایل جی ایس، سلامت سکول سسٹم، کی طرف آئیں تو یہاں پر ایک بچے کے ماہانہ تعلیمی اخراجات و آمد و رفت کے اخراجات وغیرہ۔ کتابیں کاپیوں کی مد میں کل ملا کر تقریباً 25000\= روپے سے بھی زائد تک بنتے ہیں۔ اِس میں ایچی سن شامل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا سکولوں میں امیر افراد کے بچے یا سرکاری ملازم جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا حرام کی کمائی ہے اُن کے بچے پڑھتے ہیں۔ یہ ہی بچے ہوم ٹیوشن کے لیے 15 سے 20 ہزار روپے بھی خرچ کرتے ہیں۔ اب ذرا سرکاری سکولوں کی حالت زار پر غور کیجئے۔ سرکاری سکولوں کے اساتذہ اپنے صدر مدرس کو باقاعدہ طور پر ماہانہ بنیادوں پر بھتہ دیتے ہیں تاکہ وہ اُن کے ٹیوشن پڑھانے کے کام میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ ہر کلاس انچارج صدر مدرس کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے اور وہ بچوں کو مار پیٹ کر یا کسی طرح بھی ترغیب دے کر ٹیوشن پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور یوں یہ کاروبار صدر

مدرس کی حصہ داری سے زور شور سے جاری ہے اِس لیے صدر مدرس کو قطعاً پرواہ نہیں ہوتی کہ کلاس میں سکول ٹائم میں پڑھائی کا معیار کیسا ہے۔ سرکاری سکولوں میں ہیڈ ماسٹر تمام کلاسوں میں مختلف من پسند پبلشرز کی امدادی کتب لگواتے ہیں اور اِس میں بھاری کمیشن وصول کرتے ہیں ۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ سرکاری سکولوں میں اساتذہ سکول ٹائم میں بھی ٹیوشن کے حساب سے کام کرواتے ہیں ۔ اور ٹیوشن کے وقت کی پڑھائی کو compensate کر رہے ہوتے ہیں۔ سرکاری سکولوں میں انتہائی تعلیم یافتہ ایم اے ، ایم ایڈ اساتذہ تعنیات ہیں اور ان تنخواہوں کا اگر جائزہ لیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ عام ٹیچر جس کی سروس ۱۰ سال ہے اور وہ بی اے بی ایڈ ہے وہ 50 ہزار روپیے بھی زیادہ تنخواہ لے رہا ہے ۔ صدر مدرس لاکھ روپے سے بھی زیادہ تنخواہ وصول کرتا ہے اسکے علاوہ اساتذہ سے ٹیوشن پڑھانے کا بھتہ علیحدہ اور امدادی کتب میں کمیشن بھی لاکھوں روپے تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے۔ کہ سکول میں چھٹی ہوتے ہی وہی اساتذہ۔ وہی بچے اُن کمروں میں ٹیوشن ورک میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔ گویا مادہ پرستی نے معلّمی کے پیشے کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ جو سرکاری سکول مارکیٹوں کے پاس ہیں اُن کے صدر مدرس باقائدہ مارکیٹوں میں موجود دکاندار کی گاڑیاں سکولوں کے اندر پارک کرواتے ہیں اور ان سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ سرکاری سکول میں موجود ہونے والی پڑھائی اِس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ تھوڑے سے وسائل رکھنے والا شخص بھی سرکاری سکولوں کا

رخ کرنے میں بے عزتی کرتا ہے۔ حالانکہ سرکاری سکولوں میں اساتذہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن افسوس اخلاق نہیں رہا، جس سے معیار تعلیم اخلاقی گراوٹ کی حد تک گر چکا ہے۔ ان ہی سرکاری سکولوں سے جہاں حکومت اربوں روپے کا بجٹ خرچ کرتی ہے بہترین نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں ۔ لیکن اُستاد خود بھی پیسے کمانے کی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے۔ اُسے تو ہر حال میں کنگ میکر رہنا چاہئے تھا لیکن وہ اپنا فرض چھوڑ کر خود کنگ بننے کی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے۔ تعلیم اور کاروبار کو ایک پیمانے پر نہیں پرکھنا میں تو یہاں تک لکھ دیا گیا ہے ۔ کہ حکومت کا A-چاہیئے ۔ آیئن پاکستان کے آٹیکل 25 فرض ہے کہ 16 سال کی عمر تک کے بچوں کو مفت تعلیم دی جائے ۔ رونا صرف مفت نے discrimination Class تعلیم کا نہیں ۔ یہاں تو اذیت ناک امر یہ ہے کہ مساوات کے داعی اسلامی ملک میں تعلیم جیسے اہم شعبے میں افسوس ناک صورتحال اختیار کرلی ہے۔ آزادی ، رواداری مساوات امن و آشتی اچھی تعلیم و تربیت کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں ۔ یہاں سرکاری ، پرائیویٹ ادارے ۔ مدارس ، میٹرک او لیول ، کیمبرج کیا کچھ ہماری قوم کے ساتھ مذاق نہیں ہو رہا۔ ایلیٹ کلاس اور متوسط طبقے اپنے لیے اِس کی وجہ سے نچلے طبقے کے افراد کو اپنا دشمن بنا چکے ہیں ۔ یکساں نظام Discrmination تعلیم جس کا مقصد اعلیٰ تعلیم و تربیت ہو بغیر کسی مذہب ، نسل اور کلاس کے سب کی پہنچ میں ہو۔ جب راہبر ہی راہزن کا روپ دھارلیں تو منزل تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔

سرکاری یونیورسٹیوں کی

وغیرہ کے لیے لاکھوں روپے ہے۔ ہے۔ گویا یہ ہمارے معاشرے Ms اور Bs فیس بھی میں یونیورسٹی اور کارخانے میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔ تعلیم تو ایک مقدس فریضہ ہے اور ہمارے دین کی اساس ہی لفظ "اقراء" پر ہے۔ پھر یہ تعلیم اور کاروبار دونوں کو ہم معنی کیوں بنا دیا گیا ہے۔ خدارا تعلیم کو تعلیم ہی رہنے دیجیئے بچے خواہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، امیر ہوں یا غریب تعلیم سب کی پہنچ میں ہونی چاہیئے اور یکساں نظام تعلیم وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ آئین پاکستان کے زندگی کے تمام شعبہ جات میں مساوات کا علم بردار ہے تو تعلیم کے معاملے میں اتنی زیادہ Discriminatiion سمجھ سے بالاتر ہے۔ معاشرے میں تعلیمی ماحول میں مشنری جذبے کی کمی ہے، علم حاصل کرنے والوں کے درمیان محبت خلوص جیسے الفاظ بے معنی بن کر رہ گے ہیں۔ اسا تذہ کا روپے پیسے کی دوڑ میں شامل ہو جانا ایسے ہی ہے کہ سانپوں کی طرح معاشرہ اپنے ہی انسانوں کو نگل رہا ہے۔ اشرافیہ نے اپنی رہائیش کے لیے علحیدہ اُونچی اور خاردار تاروں کی فصیلوں میں اعلیٰ درجے کی رہائش گاہیں بنا رکھی ہیں اسی طرح اُنھوں نے اپنے لیے علحیدہ تعلیمی نظام اور علحیدہ تعلیمی ادارے قائم کر لیے ہیں۔ یہ تو انصاف اور مساوات پر مبنی معاشرے کی حالت نہیں لگتی البتہ یہ تو چھوت چھات کے قائل اُس معاشرے کی کہانی لگتی ہے جس سے ہم نے آزادی ہی اس مقصد کے لیے حاصل کی تھی ہم مساوات، رواداری اور اپنے رب پاک کے احکامات کے مطابق معاشرہ تشکیل دیں گے جو کہ اطیواللہ واطیوالرسول کے عظیم

نصب العین پر قائم ہو گا۔ جہاں لارڈ میکالے کی سوچ سرایت نہ کر سکے گی جہاں مادہ پرستی کی بجائے اُس نظام کا بول بالا ہو گا جو کہ ہمارے نبی پاک ﷺ نے ہمیں دیا۔ پاکستانی معاشرے میں زبردست خالص علمی و فلاحی تحریک کی ضروت ہے۔اس مقصد کے لیے ہارے پاس نبی پاک ﷺ کا اسوہ حسنہ اور اُن پر نازل کردہ الہامی کتاب موجود ہے۔ صرف عمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے ایسے بیدار مغز افراد کی ضرورت ہے۔ جو روحانی اقدار کا پرچار کرنے والے بھی ہوں اور اُن کو حضرت امام غزالیؒ، داتا علی ہجویریؒ، اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی نسبتوں کا بھرم رکھنا آتا ہو۔ نبی پاک ﷺ کے سچے عاش ہی پوری قوم کا بھرم رکھ سکتے ہیں۔ مہنگے سکولوں نے ہڑتال کر دی۔ ایسے ہی جیسے ملک بھر میں فائیو سٹار ہوٹل ہڑتال کر دیں۔ ایسے ہی ہے جیسے مہنگے ریسٹورنٹ ہڑتال کر دیں۔ حکومت نے ان کے فیس بڑھانے پر قدغن لگا دی ہے اور انہیں یہ قدغن قبول نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے ہڑتال کر دی۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ ہڑتال درست ہے۔ ہڑتال صرف پنجاب میں کی گئی ہے۔ کیونکہ قانون بھی ابھی صرف پنجاب میں بنایا گیا ہے۔ پنجاب میں پرائیوٹ تعلیمی اداروں کی بھرمار ہے۔ گلی گلی پرائیوٹ سکول موجود ہیں۔ لیکن جس طرح شہر میں مختلف طبقوں کے لئے ہر سطح کے ہوٹل اور ریسٹورنٹ موجود ہیں۔ اسی طرح ہر سطح اور ہر طبقہ کے لئے پرائیوٹ سکول کالج اور یونیورسٹیاں موجود ہیں۔ فی الحال بہت مہنگے سکولوں اور تعلیمی اداروں نے ہڑتال کی ہے۔ جبکہ مڈل کلاس کے لئے جو پرائیوٹ ادارے ہیں۔

انہوں نے ہڑتال نہیں کی۔ایک توجیح تو یہ ہے کہ ان سکولوں میں کون سے غریب کے بچے پڑھ رہے ہیں۔ جو
حکومت کو فکر ہے۔ ان سکولوں میں ملک کے امراء اور شاہی خاندانوں کے بچے پڑھتے ہیں۔ جن کے لئے سکول کی فیس کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ اپنے بچوں کو ان سکولوں میں کوئی اعلیٰ تعلیم کے لئے نہیں بلکہ سٹیٹس سمبل کے لئے داخل کرواتے ہیں۔ یہ اپنے بچوں کو ان سکولوں میں اس لئے داخل کرواتے ہیں تاکہ امیر قبیلے کے بچے اکٹھے ایک ماحول میں پڑھ اور جوان ہو سکیں۔ یہ کوئی نیا رجحان نہیں صدیوں سے شہزادوں اور رئیس زادوں کے لئے الگ مکتب کا رجحان رہا ہے۔ اور اب بھی یہ سکول اسی رجحان کا تسلسل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان مہنگے سکولوں میں اکثر اونچی دکان پھیکے پکوان سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان میں زیادہ تر سکولوں
کے بچوں نے کبھی اعلیٰ تعلیمی ریکارڈ قائم نہیں کیا۔ بلکہ یہ سکول صرف اپنی شان و شوکت اور ایک خصوصی ماحول کی وجہ سے مقبول ہیں۔ ہمارے ملک میں بلا شبہ گزشتہ دو دہائیوں میں شعبہ تعلیم نے بطور کاروبار بہت ترقی کی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی رہی ہے کہ اس کاروبار کو حکومت نے باقی کاروباروں کی نسبت کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔ ان کے لئے باقی کاروباروں کی نسبت حکومتی گرفت کمزور رہی۔ ٹیکسوں میں چھوٹ رہی۔ ان بڑے بڑے تعلیمی اداروں نے اس آڑ میں کہ وہ ملک میں تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ٹیکسوں میں چھوٹ

حاصل کئے رکھی۔ حالانکہ یہ ملک میں تعلیم کے فروغ نہیں بلکہ معاشرہ میں تقسیم اور سماجی تقسیم پیدا کر رہے ہیں۔ یہ امیر و غریب کے فرق کو واضح کرتے جا رہے ہیں۔ یہ ملک میں امیروں کو یہ سہولت دے رہے ہیں کہ انہیں کسی بھی سطح پر ترقی کرنے کے لئے غریبوں کے بچوں سے مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ امیروں کے یہ بچے پہلے اپنے والدین کے پیسے کے زور پر ان امیر سکولوں میں نام نہاد تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور بعد میں اپنے خاندان کے پیسے کے زور پر بیرون ملک تعلیمی اداروں میں داخلہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور عملی طور پر ڈگریاں خرید لیتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے ملک میں تعلیم کو بطور کاروبار اختیار کروانے والے لوگوں نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی ہے۔ انہوں نے بلا شبہ باقی شعبوں کی نسبت کئی گنا زیادہ منافع کمایا ہے۔ خیر سے غریب تو ان مہنگے تعلیمی اداروں میں اپنے بچوں کو داخل کروانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

لیکن اپر مڈل کلاس یا وہ طبقہ جو غربت سے نکل کر امیروں کی صفوں میں شامل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ سٹیٹس سمبل کی نہ ختم ہونے والی اس کشمکش کی بنا پر اپنے بچے ان سکولوں میں داخل کرواتا ہے۔ چونکہ یہ طبقہ خاندانی رئیس نہیں ہے۔ بلکہ اپنی محنت سے اوپر آیا ہے۔ لیکن امیروں میں شامل ہونے کی خواہش میں وہ ایک چکر میں پھنس جاتے ہیں۔ ان نئے نئے امراء کے لئے ان سکولوں کی فیسیں بہت بوجھ ہوتی ہیں۔ اس لئے حکومت پنجاب کی موجودہ قانون سازی اس طبقہ کے لئے فائدہ مند ضرور ہو سکتی ہے۔ ان پرائیوٹ تعلیمی اداروں کی دن دگنی رات چوگنی ترقی

کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حکومت کے اپنے تعلیمی اداروں کا معیار دن بدن گرتا گیا۔ حکومت کے تعلیمی ادارے عوام کا اعتماد کھو گئے۔ جس کی وجہ سے حکومت نے خود ان تعلیمی اداروں کو اپنے لئے بوجھ سمجھنا شروع کر دیا۔ یہ حکومتی تعلیمی ادارے صرف غریب سے غریب ترکے لئے رہ گئے۔ اور جس کے پاس کھانے کے لئے دو وقت کی روٹی تھی اس نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے مڈل کلاس پرائیوٹ تعلیمی اداروں کا رخ کیا اور اس مقصد کے لئے ایک وقت کی روٹی قربان کر دی ہے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ صرف مہنگے تعلیمی ادارے نہیں بلکہ مڈل کلاس کے تعلیمی ادارے بھی ہر سال ہی نہیں بلکہ سال میں دو دفعہ فیسوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ مختلف بہانوں سے والدین کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ اور ان کو یہ ڈاکے ڈالنے کی قانونی طور پر کھلی چھوٹ تھی۔ یہ پرائیوٹ تعلیمی ادارے اس قدر بے حس اور ظالم ہیں کہ اگر فیس ایک دن بھی لیٹ ہو جائے تو بچوں کو کلاس روم سے باہر نکال دیتے ہیں۔ بچوں کی نفسیاتی تذلیل کی جاتی ہے۔ تعلیم کو کاروبار بنانے والے یہ معصوم بچوں کی نفسیات سے کھیل کر والدین کو اپنا آپ بیچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ویسے تو صوبائی وزیر تعلیم نے اعلان کیا ہے کہ وہ ان ہڑتالی تعلیمی اداروں کے سامنے نہیں جھکیں گے۔ یہ خوش آئند ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ فیسوں میں اضافہ روکنے کے قانون کو مزید سخت بنانے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر آج ہم نے ان مہنگے تعلیمی اداروں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تو کل مڈل کلاس کے تعلیمی ادارے بھی ہماری کھال اتارنے کا

کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ اس لئے اب اگر حکومت نے سرنڈر کیا تو یہ عوام کی لاش پر ہی ہو گا۔ مملکت خداداد پاکستان میں علم جیسے بنیادی شعبے میں روا رکھا جانے والا یہ امتیاز مختلف سوچ اور خیال کے طبقات کو جنم دے رہا ہے۔ اس کلاس Differance کی بناء پر معاشرتی تفاوت، نفسیاتی رویوں میں تبدیلی اور Rulling کلاس کا غریب افراد سے رویہ کیا یہ سب کچھ مساوات ہے۔ یکساں نصاب، یکساں تعلیمی ادارے، یکساں مواقع یہ سب کچھ کون کرے گا۔ دانش سکولوں کا قیام بہت اچھی بات تعلیم کی خدمت ہے لیکن ذرا غور فرمایئے بجائے اس کے کہ خادم اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں امتیاز کو جائز جانتے ہوئے غربا و مساکین کے لیے ایچیسن کے مقابلے میں دانش سکول کھولے ہیں۔ ہمارے ملک میں سیاست دان زیادہ تر سیاسی نعروں پر زندہ رکھتے ہیں۔ قوم کی تعلیمی حالت کو درست کرنے کے لیے ایک لانگ ٹرم منصوبہ بندی درکار ہے۔

میڈیا اور اہل رائے افراد جن کی معاشرے میں نفوذ پذیری بہت زیادہ ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اِس حوالے سے اپنا کردار ادا کریں اور پوری قوم کے لیے یکساں نظام تعلیم اور تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع سب کو میسر آنے چاہیں۔ پرائیویٹ اداروں کو چارٹر دے کر ڈگریاں تقسیم کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن جتنی مہنگی تعلیم وہ دے رہے ہیں اور جو طبقہ وہاں سے وہاں سے فیض پا رہا ہے وہ یقینا 10 ہزار روپے روپے کمانے والے مزدور بیٹا نہیں ہے۔ BDS، MBBS، ڈاکٹر آف فارمیسی Bs, Ms وہ آسانی سے کر سکتا ہے جس کے پاس لاکھوں روپے ہیں۔

کیونکہ پرائیویٹ ادارے ہر شہر میں ہر طرح کی ڈگریاں دینے کے مجاز ٹھرے ہیں۔ اُن کی فیسوں کا یہ حال ہے کہ وہاں صرف ایلیٹ کلاس کے بچے ہی پڑھ سکتے ہیں۔ کیا یہ آئین پاکستان کے انسانی بنیادی حقوق کے آرٹیکل کی کھلی خلاف ورزی نہیں ہے۔ سرمایہ دراہ نظام کے ظالمانہ نظام نے ترقی پذیر م مالک میں عموماً اور ہمارے ملک میں خصوصاً ہر شعبے کو اپنا یرغمال بنا رکھا ہے۔ تعلیم کا شعبہ بھی سرمایہ دارانہ نظام کی سوچ اور فری مارکیٹ کے نام کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔ پاکستانی نظامِ تعلیم کو بچانے کے لیے ایک بھرپور تعلیمی ایمرجنسی کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی قومی تحریک جس کا سلوگن بس ایک ہی ہونا چاہیے کہ سب کے لیے تعلیم ایک جیسی۔ روحانی تربیت کا گھوارہ سمجھے جانے والے ادارے جن کو صفہ جیسے نبی پاک ﷺ کے قائم کردہ اداروں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ محض صرف مادہ پرستی سے بھرپور پیسہ کمانے والی دکانیں بن کر رہ گی ہیں۔ نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے خود براہ راست علم سے نوازا۔ اور آقا نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں معلمِ انسانیت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لفظ اقراء سے دین کی مساعی کا آغاز ہوا۔ قرانِ پاک ایک الہامی، علمی، تحقیقی، تاریخی۔ سبق آموز، ہدایت کا سرچشمہ کتاب ہے۔
صاحب قران کی فضیلت یعنی نبی ﷺ کی عظمت ملاحظہ فرمائیں کہ نبی پاک ﷺ نے کہا اے صحابہؓ یہ میں نے جو آپ کے سامنے بات کی ہے یہ قرانِ پاک ہے۔ اور اگر آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ صحابہ یہ بات حدیث ہے تو صحابہ اکرامؓ نے اُس بات کو حدیث تسلیم کیا۔ جب آقا کریم ﷺ کی تصدیق سے قران پاک کو قران

تسلیم کیا جارہا ہو تو پھر اس لاریب کتاب کی عظمتوں کا عالم کیا ہوگا۔ اور تصدیق کرنے والی ہستی نبی پاک ﷺ کی عظمتوں، رفعتوں کا عالم کیا ہوگا۔

محکمہ اوقاف پنجاب کی کارگردگی شہباز کی پرواز کہاں ہے؟

صوبہ پنجاب اولیاء اکرام کی سرزمین ہے۔ یہاں پر عظیم ترین ہستیوں نے قیام فرمایا اور پھر اسی سرزمین پر آسودہ خاک ہیں ۔ان بزرگان دین کے مزارات آج بھی روحانیت کے منبع ہیں ۔ان مزارات کے ساتھ مساجد اور دینی تعلیم کے مدارس بھی قائم ہیں۔ صدیوں تک صوبہ پنجاب میں قیام سے ان کے فیض سے ہر خاص وعام فیض یاب ہو رہا ہے ۔ان مزارات اور ان سے ملحقہ مدارس کے لئے بہت سی اراضی الاٹ شدہ ہے اور یہ سلسلہ سینکڑوں سالوں سے ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ مزارات اور ان کے ساتھ قائم تعلیمی ادارے مالی کمی کا شکار نہیں ہونے چاہیے کیونکہ اربوں روپے کی زرعی وسکنی وتجارتی اراضی کے علاوہ مزارات کی اپنی آمدنی بھی بہت زیادہ ہے۔ محکمہ اوقاف پنجاب، پنجاب بھر کے مزارات کا نگران ہے۔ تمام مزارات میں جمع ہونے والے نذرانے اور دیگر اشیاء محکمہ اوقاف کے پاس ہی آتی ہے۔ لیکن افسوس ان مالی معاملات کے حوالے سے محکمہ اوقاف کے خاص طور پر مینیجرز نے جو اُدم مچار کھا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ لوگ مذہبی عقیدت کی بناء پر جو خدمت مزارات کی کرتے ہیں ۔اُس رقم پر حق تو یہ ہے کہ دینی وفلاحی مقصد کے لئے استعمال ہو۔ لیکن مزارات کے بکس سے جو رقم نکالی جاتی ہے۔ اُس کا عشر عشیر بھی قومی خزانے میں نہیں پہنچ پاتا ۔ دفتر عملہ اس رقم کو من وسلویٰ

سمجھ کر مستقل بنیادوں پر کھا رہا ہے۔اور یہ سلسلہ دراز سے دراز ہوتا چلا رہا ہے محکمہ اوقاف کے مینیجرز اس مالی خیانت میں پیش پیش ہیں۔ اور صوفیہ اکرام کی ان درگاہوں کو انھوں نے اپنی دکان سمجھ رکھا ہے۔ محکمہ اوقاف کے انتظامی افسران نے مذہبی اداروں کے ساتھ منسلک ہونے کے باوجود جس طرح کی کرپشن کو ہوا دے رکھی ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مذہبی مقامات مسلمانوں کی بجائے کسی غیر مسلم قوم کے زیر انتظام چل رہا ہے۔ محکمہ اوقاف کے ذمہ داران اگر چاہئیں تو اپنے چھوٹے سے ملازم سے لے کر اعلی افسران تک کا سماجی و معاشی جائزہ فرمالیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی کہ محکمہ میں کرپشن انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ پولیس،پٹواری اس لئے بدنام ہے کہ ان کی کرپشن مخفی نہیں جبکہ اس محکمہ میں کیوں کہ مذہبی عنصر ہے اس لئے لوگ بولتے نہیں۔ مزارات سے بہت زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے باوجود ان کی مرمت اور دیکھ بھال پر توجہ نہیں دی جاتی۔ اگر یہ ہی مزارات ان کے سجادہ نشین حضرات کے زیر انتظام ہوں تو ان کا انتظام واحترام احسن طریقے سے چل سکتا ہے۔اسی طرح مزارات پر ہونے والے عرس کے موقع پر بھی اخراجات کی مد میں غبن عام ہے ۔مزارات کی مرمت و مدارس و مساجد کی دیکھ بھال بھی محکمہ اوقاف کی ہی ذمہ داری ہے۔اس حوالے سے بھی کرپشن زبان عام ہے۔جس معاشرے میں بزرگان دین کی درگاہوں کا کام چلانے والے سرکاری اہل کار اس بری طرح بدیانتی کا مرتکب ہو رہے ہیں َوہاں پر مذہب کے انسانی کردار پر اثرات کا عالم کیا ہے

۔یعنی اللہ کے دین کے مشن میں بھی یہ لوگ رشوت لوٹ مار میں مصروف ہیں مزارات پر مالی معاملات پر مامور اہل کاروں کی مالی آسودگی ان الزمات کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اسی طرح پورے صوبہ بھر میں محکمہ اوقاف کی اراضی کا شمار نہیں ہے لیکن یہ زمین من پسند افراد کو انتہائی معمولی کرائے یعنی 2 روپے سالانہ پر ننانوے سال کی لیز پر دے رکھی ہے۔بے شمار ٹھیکہ جات ، کرائے وغیرہ آمدنی کے ذرائع ہونے کے باوجود اس کا امیج بہتر نہیں ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مذہبی اداروں سے وابستہ یہ لوگ مشنری جذبے سے سرشار ہو کر خدمت بجالائے لیکن انہوں نے تو گدھوں کا روپ دھار رکھا ہے۔اس لئے اس محکمہ کے وزیر مشیر اس کی طرف توجہ فرمائیں اور پورے صوبے میں پھیلے ہوئے یہ روشنی کے مینار جو عقیدت مندوں کی روحانی پیاس بجھاتے ہیں۔ یہاں پر انتظامات بھی اسلامی تعلیمات اور ایمانی کے تحت سرانجام دیے جائیں۔دینی کتب کی اشاعت کی جائے۔زائرین کی سہولتیں کے لئے انتظامات احسن طریقے سے کیے جائیں۔

کائنات میں رب پاک نے سب سے اونچا مقام انبیاء اکرامؑ اور رسولوںؑ کو عطا فرمایا ہے۔اس لیے اگر کوئی آقا کریم ﷺ کی طرح کا ہو سکتا تو وہ انبیاءؑ اور رسولوںؑ میں سے ہوتا۔قرآن مجید کے تیسرئے پارئے میں پہلی آیت ہے کہ بعضوں کو بعضوں پہ فضیلت دی ہے۔آقا کریم ﷺ کی شان کو سب پر برتری حاصل ہے۔حضرت ابوہرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ نسلِ آدم کا سردار میں ہوں۔ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ حضرت ابوہرہؓ نے فرمایا کہ جب میں معراج کی رات بیت المقدس پہنچا تو نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ترمذی کی حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو میں امام ہوں گا۔حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ کُل مخلوق میں سب سے افضل میں ہوں۔حدیث پاک میں ہے کہ نبی پاک نے فرمایا کہ روز قیامت سب سے پہلے مجھے قبرِ انور سے لایا جائے گا۔سب کی زبانیں بند ہوں گی لیکن میں خطیب ہوں گا۔قیامت کے دن تمام انسان موجود ہوں گے اور اللہ پاک جنت کی چابیاں نبی پاک ﷺ کو دئے گا۔حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن ایک ہزار فرشتے نبی پاک ﷺ کا طواف کریں گے۔ایک حدیث کے مطابق طواف کرنے والے فرشتوں کی تعداد ستر ہزار ہو گی۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جبرئل امین نے نبی

پاک کی خدمتِ اقدس میں فرمایا کہ میں نے زمین کا کونا کونا چھان مارا۔ لیکن آپ جیسی عزت کا حامل کوئی اور نہیں اور آپ کے گھرانے بنو ہاشم جیسا کوئی گھرانہ نہیں۔ حدیث پاک میں مزکور ہے کہ نبی پاک نے فرمایا کہ اللہ پاک نے تمام انبیاء اکرامؑ اور تمام آسمانی مخلوق پر مجھے فضیلت دی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے کہ کُل اولادِ آدم میں پانچ انبیاء اکرام کا مقام سب سے اونچا ہے جن میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ ہیں اور حضرت محمد ﷺ سب سے عظیم ہیں۔ رسالت کُل 313 رسولوںؑ کو دی گئی۔ آپ ﷺ کو نبوت اُس وقت عطا فرمائی گئی جب تک ابھی کائنات میں بشر کی ابتداء نہیں ہوئی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ اکرامؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ نبوت پر کب فائز ہوئے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم کا ابھی خمیر نہیں بنا تھا۔ اِس حدیث پاک کو ترمذیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام حاکم، طبرانیؒ و دیگر نے بیان کیا ہے۔ اِس حدیث کی تائید حافظ ابن کثیر نے بھی کی ہے۔ اِس حوالے سے ناقدین جو کہ میلاد نبی ﷺ کے ازلی دشمن ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علم میں تھا کہ نبی پاک ﷺ نبی ہیں۔ اِس کا جواب تو یہ ہے کہ اللہ کے علم میں تو ہر نبیؑ تھا۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور اِس کا امام سیوطیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔ کہ آقا ﷺ جیسا کوئی نہیں۔ ہر نبی کو نبوت ملی پیدا ہونے کے بعد لیکن رسول ﷺ اُس وقت بھی نبی تھے جب انسان تخلیق نہ ہوا تھا۔ جب انبیا

اکرامؑ کو بھیجا گیا تو ایک قوم یا ایک شہر کی مخلوق کے لیے بھیجا گیا لیکن نبی پاک ﷺ کو ساری کائنات کے لیے نبی ﷺ بنایا گیا۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ کو ساری مخلوق ملائکہ، حیوانات، انسان سب کے لیے نبی ﷺ بنا کر بھیجا گیا۔ سب نبی پاک ﷺ کے غلام ہیں۔ حیوان اور پتھر تک آپ ﷺ کو سجدہ کرتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے وفور جذب میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بھی سجد کرنے کی اجازت دیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا دین اِس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ ﷺ اولیت میں بھی بے مثال اور آخریت میں بھی بے مثال ہیں آپ کو آخری نبی بنا کر بھیجا گیا۔۔ آپ ﷺ کو علم میں بھی بے مثال رکھا گیا جو وسعتِ علم آپ ﷺ کو عطا فرمائی گئی وہ کسی اور کو نہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ راویت فرماتے ہیں کہ ایک دن آقا کریم ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی اور آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ بیان فرما دیا۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے کائنات کی ابتداء سے لے کر انتہا تک جنتیوں کا جنت میں جانا اور دوزخیوں کا دوزخ میں جانا قیامت تک کی تفصیل بیان فرمائی۔ یہ سب کچھ تو قران میں نہیں تھا آقا کریم ﷺ کا علم صرف قران ہی نہ ہے بلکہ آپ ﷺ پر وحی آتی تھی۔ آپ ﷺ کے علم پر طعنہ زنی کی خبر آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ جلال میں آ گئے آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔ میں یہاں کھڑے کھڑے سب کچھ بتا دوں گا۔ لوگ اِس کیفیت میں رونے لگ گئے۔ اِس کیفیت میں ایک شخص کھڑا ہوا اُس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو

دوزخ میں جائے گا۔ نبی پاک ﷺ مرنے کے بعد کے حالات بھی جانتے تھے۔ عبد اللہ بن حذیفہ کو لوگ تنگ کرتے تھے کہ تمھارا حقیقی والد کون ہے۔ اُنھوں ے سوال کیا کہ حضور میرا حقیقی والد کون ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمادیا کہ حذیفہؓ ہی تمھارا والد ہے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ کہ میرا باب کون ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم حرام زادے ہو۔ اُس دور میں بدکاری عام تھی۔ نبی پاک ﷺ جلوتوں خلوتوں رات کے اندھیروں کا علم بھی رکھتے۔ نبی پاک ﷺ کو کامل علم ہے۔ آپ ﷺ کو حسب نسب اور مرنے کے بعد کے ٹھکانے کا بھی علم ہے۔ اِس دوران شدت جذبات سے حضرت عمر فاروقؓ گھٹنوں کے بَل جھک گئے اور عرض کی کہ آقا ﷺ معاف فرمادیں۔ حضرت عمرؓ نے آقا ﷺ کے پاؤں کا بوسہ لیا۔ اِس بات کو حافظ ابن کثیر نے بھی تحریر فرمایا ہے۔

آلو کو کاٹ دو۔ نبیل گبول۔ایم کیو ایم۔ مصطفیٰ کمال کا کمال

مصطفیٰ کمال اور انیس خا کوانی سے بہت پہلے نبیل گبول کی جانب سے ایم کیوایم کو خیر باد کہہ دیا گیا تھا۔ بچپن میں عمران سیریز کے ناول پڑھا کرتے تھے۔ بالکل انگریزی جاسوسی فلموں کی طرز پر ایم کیو ایم کی جانب سے کراچی کھلواڑ میں کیا گیا۔ نبیل گبول کی جانب سے یہ بیان کہ ایم کیو ایم کی جانب سے میرے لیے کوڈ نام آلو تھا۔ اور میرے لیے یہ آرڈر جاری ہوچکا تھا کہ آلو کو کاٹ دو۔ عامر خان اور آفاق احمد کے بعد ایم کیوایم میں بہت عرصے بعد اتنے وسیع پیانے پر انخلا ہو رہا ہے۔ جناب الطاف حسین کی صحت کے حوالے سے بھی جو خبریں گردش میں ہیں اُس سے بھی اِس امر کو تقویت ملتی ہے کہ گورنر عشرت العباد کی جانب سے لمبے عرصے تک گورنری کرنے بعد اب اسٹیبلشمنٹ کے پاس ایک انتہائی تجربہ کار شخص پروان چڑھ چکا ہے۔اِسی لے امید واثق ہے کہ گورنر عشرت العباد نے بارہا الطاف حسین کے کہنے کے بوجود گورنری نہیں چھوڑی بلکہ وہ خاموش رہے ہیں۔اِس سے یہ بات طے ہے کہ الطاف حسین کی جانب سے بوری بند لاشوں کے جو انبار لگے تھے وہ سلسلہ اب انشا اللہ رُکنے کو ہے۔ راکے ساتھ ایم کیو ایم کے تعلقات کے حوالے سے تو میڈیا کئی دہائیوں سے شور مچا رہا ہے۔ لیکن اِس حوالے سے کوئی ٹھوس قدم نہیں اُٹھایا گیا۔ گویا دنیا کی بری طاقتیں ایم کیو ایم کے ذریعہ سے

پاکستانی ریاست کو خوف کے عالم میں رکھنا چاہتی رہی ہیں اور اِس کام میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہی ہیں۔ ایم کیو ایم کے خلاف نصیر اللہ بابر نے آپریشن کیا تھا۔ لیکن مشرف نے اپنی کرسی کی مضبوطی کے لیے ایم کیو ایم کی جانب سے ہر فعل پر آنکھیں بند کیے رکھیں بلکہ چیف جسٹس کے خلاف کراچی میں ایم کیو ایم کو استعمال کیا گیا اور کراچی میں افتخار چوہدری کی آمد کو روکنے کے لیے وکلاء کو قتل کیا گیا۔ اُس رات مشرف نے اسلام آباد میں مکا لہرا کر بیان دیا تھا کہ ہاں ہم نے کراچی میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے۔ جب مشرف ایم کیو ایم کے ذریعے سے اپنی طاقت کا استعمال کر رہے تھے تو طاقت کا سرچشمہ اللہ پاک بھی دیکھ رہا تھا اور قدرت نے اپنا انتقام بھی لینا تھا۔ کہ کالے کوٹ والے جن کے ہاتھ میں کوئی اسلحہ نہیں بلکہ کتاب ہوتی ہے اُن کی تحریک نے تاریخ کے بدترین آمر کو رخصت کر دیا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مشرف کا حشر کر دیا گیا۔ تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ جس طرح ہاتھوں والوں کو ابابیل جیسے ننھے پرندے کے ہاتھوں نشانِ عبرت بنا دیا گیا تھا۔ اِسی طرح میڈیا اور وکلاء نے ہر طرح کی قربانی دیئے کر ملک سے مشرف آمریت کو چلتا کیا۔ بات ایم کیو ایم کی ہو رہی تھی مشرف تک پہنچ گئی ۔ مشرف نے ایم کیو ایم کو اپنے لیے اِس طرح استعمال کیا جس طرح اُس نے گجرات کے چوہدریوں کو بطور اُٹھائی گیر رسہ گیر اور لٹیرئے کے طور پر استعمال کیا۔ گجرات کے چوہدری رواداری کی حد تک تو بہتر تصور کیے جاتے ہیں۔ لیکن زرداری

اور بے نظیر کے خلاف پرویز الٰہی کے بیانات تو اپنی جگہ پرویز الٰہی نے خود کے لیے زرداری دور میں نایب وزیر اعظم کا عہدہ پیدا کروالیا۔ یوں شجاعت کو مشرف نے وزیر اعظم چالیس دنوں کے لیے بنوایا اور پرویز الٰہی زرداری کے کندھوں پر بیٹھ کر ناہب وزیر اعظم کے پروٹوکول کے مزئے لیتے رہے۔ مشرف دور میں ایم کیو ایم، جماعت اسلامی، مولانا فضل الرحمان ور گجرات کے چوہدریوں کے طفیل بدترین آمریت قائم رہی۔ پاکستانی سیاست کے نشیب وفراز عجب صورت حال سے دوچار رہتے ہیں۔ نشیب وفراز تو خود دوچار ہونے کا ہی نام ہے لیکن ہمارئے ہاں بے چارہ نشیب وفراز بھی بے چارگی سے دوچار ہے۔ مصطفٰے کمال کی جانب سے ایف آئی ائے کو تعاون کی پیش کش۔ سرفراز مرچنٹ کی جانب سے را سے فنڈنگ لینے کے ایم کیو ایم کے معاملے میں گواہی دینے کی جانب آمادگی۔ حکومت کی جانب سے مصطفٰے کمال کے حوالے سے نرم رویہ یہ سب کچھ اِس بات کی غمازی ہے کہ کراچی میں اب انشااللہ حالات درست ہوناہی ہیں۔ اِسی لیے رب پاک نے مصطفٰے کمال کو بھیجا ہے۔ امید ہے کہ مصطفٰے کمال اپنے نام کی لاج رکھیں گے۔ پنجاب سے مصطفٰے کمال کی پارٹی میں شریک ہونے والی کی بہت بڑی تعداد ہوگی۔ جو لوگ فوج کو امن وامان کی وجہ سے سپورٹ کر رہے ہیں۔ وہ بھی مصطفٰے کمال کو سپورٹ کریں گے۔ نبیل گبول جیسے سیاستدان نے جس کی بات کی ہے کہ اُن کے متعلق بھی آرڈر ہوچکا تھا۔ کہ آلو کو کاٹ دو۔ اللہ پاک کرئے کہ جنرل راحیل شریف کی قیادت میں کراچی میں امن قائم ہوجائے۔

فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ۔افکارِ اقبالؒ

نبی پاک ﷺ کی محبت نے جناب اقبالؒ کو راست بینی عطا فرمادی تھی اور وہ سمجھتے تھے رب پاک کا عطا کردہ قانون تمام دُکھوں کا علاج ہے۔اِس لیے حضرت اقبالؒ نے مرد مومن کی شان اِس طرح بیان کی ہے کہ مرد مومن کو شاہین قرار دے دیا۔ چونکہ شاہین نہ تو کسی کا کیا ہوا شکار کھاتا ہے اور نہ اپنا گھونسلہ بناتا ہے۔موجودہ حالات کے تناظر میں مسلمان عمل کے لحاظ سے شاہین کی مماثلت سے عاری نظر آتے ہیں کیونکہ جب علم و عمل کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو پھر رسوائی مقدر بن جاتی

ہے۔حضرتِ اقبالؒ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں کہ کیا تو لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے ؟اگر کہتا ہے تو پھر روح میں ڈوب کر کہ تاکہ تیرے جسم سے جان (روح) کی خوشبو آئے۔سورج اور چاند کی گردش لا الا کے سوز سے ہے میں نے یہ سوز پہاڑ اور تنکے میں ہر چھوٹی بڑی شے میں دیکھا ہے۔لاالا کے سوز میں جینا قہاری ہے لاالا ایک ضرب ہے اور کاری ضرب ہے۔جناب اقبالؒ فرماتے ہیں کہ آج کے مسلمان نے دین وملت کو ایک کوڑی کے بدلے بیچ ڈالا ہے اس نے اپنے گھر کا سامان اور اپنا گھر بھی جلادیا ہے۔ کبھی اس کی نماز میں پہلے توحید کا رنگ تھا اب نہیں رہا اس کی نیاز میں کبھی ناز تھا اب نہیں رہا۔اقبال فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جس کی زندگی کا ساز وسامان خدا پاک تھا اب اس کا فتنہ مال کی محبت

اور موت کا خوف ہے۔اور اس میں ذوق و سرور کی وہ مستی نہیں رہی اس کا دین بس کتاب یعنی قران پاک میں ہے اور خود وہ قبر میں ہے۔اقبال فرماتے ہیں کہ جب نماز اور روزے سے روح جاتی رہی تو فرد بے لگام ہوگیا اور ملت میں کوئی تنظیم نہ رہی۔آج کے مسلمان کے سینے قران کی حرارت سے خالی ہو گئے ایسے لوگوں سے بہتری یا بھلائی کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔آج کا مسلمان خودی کو بھول گیا ہے۔ اقبال کے خیالات کے تناظر میں اگر ہم موجودہ حالات کو دیکھتے ہیں کہ اگر ہم اپنے تعلیمی اداروں کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سب کچھ اچھا نہیں ہے ڈیوڈ کیمبل کی کتاب بزنس فارنہان.بزنس سٹوڈنٹس کو ایم بی اے کوپڑھانے کا راقم کو موقع ملا۔اُس کتاب میں سب سے زیادہ زور کاروباری شخص کی جس خصوصیت کا ذکر کیاگیا ہے وہ ہے دیانت داری یعنی کاروبار کی وسعت ،کامیابی دیانت داری کی مرہون منت ہے۔انسانی تمدن میں زمانے کے ساتھ جو بھی تبدیلیاں آئیں اور انسانی معاشرے جس طرح جہالت کے اندھیروں سے کامیابیوں کی طرف گامزن ہوئے۔ یہ سب کچھ نبی پاک ﷺ نے جو سبق انسانوں کو دیا اُس سے ہی انسان کی سوچ کا ارتقائی عمل مکمل ہوا۔ ارتقائی عمل کے مکمل ہونے کی سب سے بڑی وجہ یا دلیل آج سے تقریبا ساچودہ سو سال پہلے نبی پاک ﷺ کا دینِ الہی کو مکمل فرما دینا اور اپنی سُنت کے ساتھ ضابطہ حیات قرآن مجید فرقانِ مجید کا انسانوں کی راہنمائی کا ذریعہ قرار دینا ایک ایسی روشن دلیل ہے کہ نبی پاک ﷺ نے

معاشرے کے تمام پسے ہوئے طبقوں کو عزت سے جینا مرنا سکھایا اور گورے کو کالے اور عربی کو عجمی پر کسی قسم کے تفاخر سے منع فرمایا کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں ۔اِ س کے مثال مہاجرین کے ساتھ انصار کا لازوال محبت بھرا سلوک ہے ۔زندگی اچھے انداز میں بسر کرنے کے حوالے سے نبی پاک ﷺ کا اُسوہ حسنہ اور نبی پاک ﷺ پر نازل کردہ قرآن ِ پاک انسانیت کے لئے قیامت تک مستقل راہ ہدایت ہے ،خانگی معاملات کا روباری معاملات، سیاسی معاملات ،دینی ،دُنیاوی معاملات، ریاست اور حکومت کے نظم ونسق کے حوالے سے مکمل رہنمائی ۔جنگ اور امن میں مسلمان کا کردار لین دین ، اُٹھنے ، بیٹھنے ،سونے ،جاگنے ،عمرانی ، نفسیاتی حوالوں سے غرض یہ کہ دُنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن پاک نے راہنمائی نہ فرمائی ہو ، اگر معاشرے میں اِس وقت قتل وغارت ، بے ایمانی ، لوٹ مار عروج پر ہے تو اِس کی وجہ اللہ پاک ، نبی پا ک ﷺ اور قرآن مجید کے احکامات پر انفرادی اور اجتمائی طور پر عمل نہ کرنا ہے ۔قانون ، قاعدہ ،انداز ، سلیقہ ، ترتیب سب کچھ فطری تقاضے اگر پورے کر دیئے ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا اور آخرت کے تمام معاملات احسن طریقے سے انجام نہ پا سکیں ۔میڈیا کی تیزی موبائل فون اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال نے معاشرے کی بنیا دیں ہلا دیں ہیں ۔ قناعت ، عزت واحترام بھائی چارہ کا جنازہ نکل چکا ہے ۔میڈیا نے عوام النا س کو CONSUMER ORIENTED بنادیا ہے ۔اب جب کہ ہر وقت مہنگائی کا رونا بھی

رویا جا رہا ہے اور بازار میں پہنچنے والی ہر شے کی طلب بھی برقرار ہے اور ہر شے جو suply createn it مارکیٹ میں آتی ہے وہ سے لاء آف مارکیٹ کے مطابق کہ ہے کہ مطابق فروخت ہو جاتی ہے سڑکوں پر رش اتنا کہ گاڑیوں own demands کی بھرمار اور موٹر سائیکل سوار تو چینٹیوں کی مانند ہیں۔ دولت کی اتنی زیادہ ریل پیل بنکوں کی جانب سے لیز کی سہولت کریڈٹ کارڈ، پوری قوم کو سُود خود بنا ڈالا گیا ہے۔اِس لئے پھر اللہ پاک کا کرم بھی نہیں ہے۔افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہے امیر، غریب دونوں طبقات کھاتے پیتے رو رہے ہیں۔مڈل کلاس طبقہ بہت کم رہ گیا ہے دولت کی منحوس تقسیم نے اپر کلاساور لوئر کلاس تقسیم کر دی ہے مڈل کلاس سفید پوشی کا بھرم رکھتے رکھتے ذہنی، نفسیاتی جسمانی بیماریوں کا شکار ہوتی چلی جا رہی ہے ٹی وی چینلز پر چلنے والے ڈراموں نے سماج کو ایک ایسی راہ پر گامزن کر دیا ہے جہاں اب کے درمیان چومکھی لڑائی ہو رہی ہے۔برداشت ناپید ہے۔ have اور have not ازدواجی زندگی تباہ ہو رہی ہے۔ امراء کے ہاں طلاق کی شرح انتہائی کم ہے۔ جبکہ لوئر کلاس طبقہ اس حوالے سے بہت آگے ہے۔ نہ پوری ہونے والی خواہشات کی بدولت خواتین کے ہاں خُلع لینے کی شرح خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے اس طرح باپ اور ماں کے لالچ اور بے حسی کی سزا اولاد کو بھگتنا پڑ رہی ہے۔جو معاشرے خوف خدا اور عشق رسول ﷺ سے عاری ہوں جہاں مادیت اتنی سرایت کر گئی ہو کہ رشتے داریاں کا

غذی پھول بن کر رہ گئی ہوں۔ایسے معاشروں میں پھر حسرت ،یاسیت ، بے سکونی ڈیڑے ڈال دیتی ہے روحانی سکون جو کہ اسلام کاطرہ امتیاز ہے جس کی وجہ سے اسلام پھیلا اور اسلام میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ امن وآشتی ، سکون اور روحانی اقدار تھا۔جس طرح کا روپ ایک قوم کی حثیت سے پیش کیا جا رہا ہے یہ کسی طور بھی مصطفائی معاشرہ نہیں ہے۔دہشت گردی ، مساجد ،امام بارگاہوں مزاروں سکولوں میں بم دھماکے کیااِس واسطے یہ وطن بنا تھا۔اقبالؒ وقائدؒ کی روحیں تڑپ رہی ہوں گی۔اِس میں قصور قائدؒ واقبالؒ کا نہیں اُن کا ہے جن کے حصے میں اِس ملک کی حکمرانی آتی رہی اور ملک دن بدن پستی کی جانب گرتا چلا گیا۔اخلاقی گراوٹ عدم برداشت، شرم وحیا، ایمانداری سکون نام کی کوئی قدر بھی تو نہیں بچی ہمارے معاشرے میں ، بلوچستان میں قتل عام ، خیبر پختوں میں لگی آگ نے ملک کو ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔شراب ،جواء عام ہے یہاں کالبرل فاشٹ طبقہ یہ ہی کچھ چاہتا ہے کہ کوئی روک ٹوک نہ ہو۔اُن کے من کی مرادیں پورے معاشرے کو کھوکھلا اور برباد کر رہی ہیں۔پس جو جو بھی اللہ پاک کے دیے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر معاشرئے کا نظام درہم برہم کر دیتا ہے جس سے اُس کے ساتھ ساتھ دیگر لوگ بھی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔زندگی کو اِس طرح گزارنا کہ جس طرح شاہین ہوتا ہے حضرت اقبالؒ کا محبوب پرندہ شاہین ہے اِس میں مردِ مومن کی بعض خصوصیات پائی جاتی ہیں۔اپنے ایک خط میں جو

اقبالؒ نے پروفیسر ظفر احمد صدیقی کو لکھا تھا اِس میں اس بات کی وضاحت فرمائی تھی کہ شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں ہے اس میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں (1) خود دار اور غیرت مند ہے کہ اور کسی کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا (2) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا (3) بلند پرواز ہے (4 خلوت پسند ہے اور تیز نگاہ ہے۔ کیا ہمارے معاشرے میں ان خصوصیات کے حامل لوگ پائے جاتے ہیں۔ اتنی محبت خواہشات کے ساتھ کہ بد سے بدتر جانور بھی مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا۔ اقبالؒ تو شاہیں کو کہتے ہیں کہ تو ایسا بن کہ اپنا نوالا کسی کے ہاتھ سے نہ لے نیک بن اور اچھوں کی نصعیت سن۔ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اے مسلمان تو نیک اطوار بن اور پختہ تدبر والا بن۔ درحقیقت اقبالؒ کا شاہین کا جو تصور ہے وہ اپنا کر مسلمان رب پاک کے قوانین پر عمل کر سکتا ہے اور فلاح و کامیابی اُسکا مقدر بن سکتی ہے۔ علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد، فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

مشرف کے معاملے میں قانون کی بالادستی کہاں گئی

نبی پاک ﷺ کا فرمان عالیشان ہے کہ تم سے پہلے کی قومیں اس لیے برباد ہو گئیں کہ جب کوئی امیر جُرم کرتا تو اُسے چھوڑ دیا جاتا اور اگر غریب جُرم کرتا تو وہ سزا پاتا۔اوکاڑہ اور کراچی میں وکلاء تحریک کے دوران ایم کیو ایم کے گٹھ جوڑ سے وکلاء کو زندہ جلانے والے ،اسلام آباد میں ایک دینی مدرسے میں خون کی ہولی کھیلنے والے، قائدِ اعظمؒ سے محبت کرنے والے اکبر بگٹی کو قتل کرنے والے۔ پاکستان میں دہشت گردی کا عفریت پھیلانے والے۔پاکستان میں فحاشی کا سیلاب بپا کرنے والے۔ اشرافیہ کے چہیتے جنرل مشرف کے لیے حکومت کا اور عدلیہ کا رویہ ملاحظہ فرمالے پوری قوم: کہ بہادر کمانڈو آخر راہ فرار حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔عدلیہ نے اپنی جان چھڑائی کہ حکومت نے اگر ای سی ایل میں سے نام نکالنا ہے تو نکالے ہمارے کاندھے پر بندوق رکھ کر نہ چلائے اور حکومت کے نیک ترین بہادر وزیر داخلہ فرمارہے ہیں کہ جناب ہم نے تو عدالتی حکم پر مشرف کی بیرون ملک روانگی کا پروانہ جاری کیا ہے۔ ممتاز شاعر اور کالم نگار جناب خالد شریف صاحب میرے ساتھ بہت شفقت فرماتے ہیں اُن سے میں نے پوچھا کہ جناب کیا اِس لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا کہ اشرافیہ کے لیے قانون اور غریب رعایا کہ لیے قانون مختلف۔ خالد شریف صاحب فرمانے لگے انگریز دور میں بھی قانون کی

بالادستی کا یہ عالم نہ تھا جو کہ پاکستان کے حکمران طبقے نے کیا ہے۔ عشق رسول ﷺ کے امین ممتاز قادریؒ کا تعلق اشرافیہ سے نہ تھا بلکہ وہ ایک غریب طبقے سے تعلق رکھتا تھا ۔بے شک اُس نے نبی پاک ﷺ کی حُرمت والے قانون کو کالا قانون کہنے والے کو جہنم واصل کیا لیکن مبارک ہو عدلیہ کو۔ مبارک ہو اشرافیہ کو۔ کہ نبی پاک ﷺ کی حُرمت کی پاسبانی کرنے والے ممتاز قادری کو پھانسی پر چڑھادیا گیا اور پوری ملک میں دہشت گردی پھیلانے والے مشرف کو باعزت بیرون ملک کی اجازت دی گئی۔ سانحہ ماڈل ٹاون کے شہداکے قاتل ، عدلیہ کی آنکھوں سے بھی اوجھل اور حکومت کو بھی نظرنہیں آتے۔زین کا قاتل کسی کو نظر نہیں آرہا۔ لیکن گستاخ رسول ﷺ کا قاتل سب کو۔ ممتاز قادری شہیدؒ چونکہ اشرافیہ میں سے نہ تھا بلکہ اُس نے اشرافیہ کے ہی قبیلے کے ایک شخص کو نبی پاک ﷺ کی عزت وناموس کی خاطر قتل کیا تھا۔اِس لیے اشرافیہ نے اُس کے لیے اور قانون بنا رکھا ہے۔ کشمیری مسلمانوں کے خون پر رقص کرنے والے۔ عافیہ صدیقی کو فروخت کرنے والے۔ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی تذلیل کرنے والے۔ پاکستان میں امریکی پٹھو کا کردار ادا کرنے والے۔ افغانستان کے سقوط کے بنیادی کردار۔ پاکستان کو آگ وخون میں دھکیلنے والا۔ اسلام کا غدار جسے مشرف کہا جاتا ہے۔ کیا اُس پر کوئی قانون لاگو نہیں۔ وکلاء تحریک کے ثمرات سمیٹنے والے اب کہاں ہیں ؟۔ انصاف کا قتل ہورہا ہے۔ ممتاز قادری شہیدؒ کے جنازے میں پچاس لاکھ لوگ بھی اُس کی سچائی کو تقویت دینے کے لیے ناکافی اور آکسٹوپسی کی

طرح میرے وطن کو جکڑنے والی اشرافیہ کے چند ہزار افراد کا اپنا قانون۔ الطاف حسین اور اُس کے حواریوں کے لیے اور قانون۔ مصطفےٰ کمال کے لیے بالکل الگ قانون۔ واہ کیا بات ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی۔ کیا شان ہے آئینِ پاکستان کی۔ کیا قانون کی بالادستی کا عالم ہے۔ ظلمت کو ضیا کہتے ہیں۔ تقدیر کے قاضی کا فتویٰ ہے ازل سے۔ ہے جُرمِ ضیفی کی سزا مرگ مفاجات۔ مذہب سے محبت کرنے والی غریب رعایا کو دام میں پھنسانے کے لیے اُن کے ملاؤں اور پیروں کو۔ گدی نشینوں کو وزارتیں اور پرمٹ دیۓ رکھے ہیں حکمرانوں نے۔ ممتاز قادریؒ کی شہادت پر بھی وزارتوں پر براجمان نام نہاد علماءِ سُو آخر کس مرض کی دوا ہیں۔ حکمرانوں نے اِنھی لوگوں کے ذریعہ سے تو اپنے پیروکاروں، مریدوں کو رام کرنا ہوتا ہے۔ عشق رسول کے معاملے میں مصلحت پسندی کا شکار یہ نام نہاد مذہبی رہنماء سرمایہ داروں کے دروازوں کے پہرے دار بنے بیٹھے ہیں۔ میرے قائد جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری صاحب کا یہ پیغام ہے کہ اۓ جنگل کے قانون گرو۔ جو چاہو بنالو تعزیزیں۔ تم کب تک جھوٹ کی ریت لیےپُشتے یہ عارضی باندھو گے۔

کہاں ہیں خواتین کے حقوق کے علمبر دار ؟

قانون کی بالا دستی کے اخبارات میں اشتہار تو بہت دیئے جارہے ہیں ۔ تحفظِ حقوق نسواں کے قوانین بھی بنوائے جارہے ہیں لیکن وہ پولیس جس نے قانون کی پاسداری پر عمل درآمد کروانا ہے وہ خادم اعلیٰ کے کنٹرول میں نہیں آ سکی۔ خادم اعلیٰ نے بہت سے شعبوں میں بہت زیادہ محنت سے کام کیا اور یقینی طور پر وہ بہت ہی باہمت وزیر اعلیٰ ہیں ۔ لیکن پولیس کو قانون کا پابند نہیں بنواسکے۔ حالیہ ایک رپورٹ پیش خدمت ہے جس کا میں چشم دید گواہ ہوں۔ تحفظ حقوق نسواں کی دعویدار حکومت مظلوم خواتین کے تحفظ میں بری طرح ناکام۔ منڈی بہاؤالدین کے تھانہ کھٹیالہ شیخاں میں بنت حوا سے گن پوائنٹ پر زبردستی نکاح ، تشدد انسانی حقوق کی تذلیل پولیس ملزمان کی طرف دار بن گئی۔ متاثرہ خواتین دارالامان لاہور میں داد رسی کی منتظر۔ انسانی حقوق کے علمبردار صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کی طرف سے عدالت عالیہ میں رٹ پٹیشن۔ پولیس منڈی بہاؤالدین متاثرہ خواتین کی حسب ضابطہ داد رسی کرے عدالت عالیہ ۔ قانون دان مصطفائی جسٹس فورم کے چیئرمین میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ ہیومن رائٹس پروٹیکشن فاؤنڈیشن کے چیئرمین محمد یوسف بدر نے پریس کلب لاہور میں اپنی مشترکہ پریس کانفرنس میں صحافیوں کو آگاہ کیا کہ منڈی بہاؤالدین کے تھانہ کھٹیالہ شیخاں میں بنت حوا اور

اسکی والدہ کو کم و بیش 16 مسلح افراد نے گھر سے اغواء کیا۔ سخت ترین تشدد کا نشانہ بنایا ۔ دوران تشدد بے ہوش ہونے پر گندی نالی کا پانی پلایا گیا۔ گن پوائنٹ پر زبردستی نکاح کیا گیا۔ موقع پا کر ماں بیٹی دارالامان لاہور پہنچ گئیں ۔ دارالامان لاہور سے منڈی بہاؤالدین کے مقامی اخبار مالکان کی تنظیم ایڈیٹر کونسل منڈی بہاؤالدین کے جنرل سیکرٹری اور ہیومن رائٹس فاؤنڈیشن کے چیئرمین یوسف بدر کو تحریری خط ارسال کیا اور اپنی صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس پر مقامی میڈیا منڈی بہاؤالدین میں بھرپور آواز اٹھائی گئی جس پر DPO منڈی بہاؤالدین راجہ بشارت محمود نے SHO کھٹیالہ شیخاں کو حسب ضابطہ کارروائی کا حکم دیا۔ لیکن اس پر SHO متعلقہ نے حسب ضابطہ کارروائی کی بجائے بااثر ملزمان کی طرف داری شروع کردی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ پولیس تھانہ کھٹیالہ شیخاں کا ایک ذمہ دار آفیسر دارالامان لاہور پہنچ کر متاثرہ خواتین کے بیانات بھی قلمبند کرچکا ہے۔ پولیس کی طرف داری اور متاثرہ خواتین کی بے بسی پر یوسف بدر نے مصطفائی جسٹس فورم کے چیئرمین میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کو متاثر خواتین کی مدد کیلئے درخواست کی۔ اس پر میاں محمد اشرف عاصمی نے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر عدالت عالیہ لاہور ہائیکورٹ میں پٹیشن دائر کی جس پر عدالت عالیہ نے DPO منڈی بہاؤالدین کو متاثرہ خواتین کی دادرسی کا حسب ضابطہ حکم دیا ہے۔ میاں محمد اشرف عاصمی اور یوسف بدر نے اپنے مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا کہ منڈی بہاؤالدین میں خواتین کے

تحفظ کے دعویدار حکومت کے دور میں خواتین پر ظلم و جبر اور متعلقہ اداروں کی بے حسی، متاثرہ خواتین کی بے بسی، حکومت وقت کے دوہرے کردار کی واضح عکاسی کرتا ہے ۔ متاثرہ خواتین اپنی داد رسی اور تحفظ کیلئے دوہائی دے رہی ہیں کوئی انکا پرسان حال نہیں ۔ ان کی زندگیوں کو سنگین ترین خطرات لاحق ہیں ۔ لیکن متعلقہ پولیس تحفظ فراہم کرنے کی بجائے ملزمان کی آلہ کار بنی ہوئی ہے ۔ دارالامان لاہور میں انصاف داد رسی کیلئے فریادی خواتین کی چیخ و پکار، تحفظ حقوق نسواں کا واویلا کرنے والی حکومت کے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ ہے ۔ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ اور محمد یوسف بدر نے آخر میں کہا کہ متاثرہ خواتین کی داد رسی اور تحفظ کیلئے ہر فورم پر بھرپور انداز میں آواز اٹھائی جائیگی ۔ یاد رہے کہ پریس کانفرنس کے دوران متاثرہ خواتین کا بیٹا اور بھائی ساجد محمود بھی موجود تھے ۔ بوڑھی عورت اپنی بیٹی کے ساتھ لاہور دارالامان میں پناہ لینے پر مجبور ہے اور پولیس ہے کہ بااثر افراد کی حاشیہ.بردار بنی ہوئی ہے اور مظلوم خاندان دربدر ہو رہا ہے۔ کہاں ہیں حکمران ۔ کہاں ہیں خواتین کے حقوق کے علمبردار ؟

کلکتہ میں پاکستان اور بھارت کا کرکٹ میچ اور پاکستانی قوم کے اصل مسائل

پاکستان اور ہندوستان کے مابین ہونے والے میچ نے قوم کی توجہ اپنی طرف مرکوز کیے رکھی ہے۔ میچ سے قبل عمران خان وسیم اکرم کی گروانڈ میں ہونے والی تقریب میں شرکت۔ سچن ڈونڈلکر، سُنیل گواسکر اور امیتابھ بچن ابی شیک بچن کی شرکت نے تقریب کے رنگ کو خوب جمایا۔اِس موقع پر عمران خان نے جو چند فقرے ادا کیے یقینی طور پر ایک محب وطن لیڈر کی گفتگو ایسی ہی ہونا چاہیے تھی۔ کلکتہ اسٹیڈیم میں ہونے والے اِس میچ کا کیا نتیجہ نکلتا۔اِس بات سے ہٹ کر یہ کہ میڈیا نے خوب اِس میچ کو گلیمرائز کر دیا۔ یقینی طور کھیل سے دونوں ملکوں میں جاری سرد جنگ کی شدت میں کمی آسکتی ہے۔ لیکن جب تک بھارت کے ساتھ پاکستان کے تعلقات درست سمت نہیں چلتے اِس طرح میچوں کے ذریعے سے حالات کو کافی ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔ ایتا بھچن نے بھی گروانڈ میں کھڑے ہو کر جو گفتگو کی وہ یہ تھی کہ دونوں ملکوں کے درمیان امن قائم ہو۔ لیکن کیا امن بھارتی رویہ سے قائم ہوسکتا ہے جہاں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جارہا ہے اُس طرح کا سلوک تو جانوروں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ کشمیر میں مسلمانوں کو گاجروں مولیوں کی طرح کاٹا جارہا ہے۔پاکستان کے خلاف نفرت کے ایجنڈا کو آگے بڑھانا ہی مودی سرکار کی حکمت عملی ہے۔ مودی کے اندر یہ خباثت انر تک موجود ہے کہ وہ پاکستان کو

توڑنے کے سانحے کو بنگلہ دیش میں بیٹھ کر فخریہ انداز میں اپنے تئیں کریڈٹ کے لیے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ ہاں پاکستان توڑنے والوں میں میں بھی شامل تھا۔ گویا پاکستان کرکٹ بورڈ جو بھارت کے ساتھ کھیلنے کے لیے مرئے جارہا تھا۔ وہ دیکھ لے کہ بھارت بنگلہ دیش گٹھ جوڑ کیا گُل کھلا رہا ہے کہ بنگلہ دیش کی ایک سیاسی جماعت کے کارکنوں کو اِس لیے پھانسی پر لٹکایا جارہا ہے کہ وہ اُنھوں نے سانحہ مشرقی پاکستان کے وقت محبت وطن ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے۔ پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔ پاکستان ضرور کھیلے بھارت کے ساتھ۔ امن ہونا چاہیے۔ لیکن کیا پوری دنیا کو نہیں پتہ کہ پاکستان میں جاری دہشت گردی بھارت کروا رہا ہے۔ پاکستان کو گزشتہ پندرہ سالوں سے بھارت نے بُری طرح دہشت گردی میں پھنسایا ہوا ہے۔ بلوچستان کے حالات۔ کے پی کے کے حالات۔ لیکن کرکٹ کے حوالے سے دونوں ملکوں کو کھیلائے جانے کے معاملے میں بھارت سے زیادہ ہمارا کرکٹ بورڈ ہلکان ہوئے جارہا تھا۔ پاکستانی حکومت تو چاہتی ہی یہ ہے کہ ممتاز قادری کی شہادت، پرویز مشرف کی روانگی یہ سارے معاملات سے عوام کی توجہ ہٹائی جائے اور اِن کو کرکٹ فوبیا کا شکار کر دیا جائے۔

ڈاکٹر انور سدید روشن راہوں کے مسافر ہو گئے

عالی جیؒ کا اپنے رب کے حضور پیش ہونا، کمال احمد رضوی صاحبؒ کا بھی عدم آباد روانہ ہونا۔ بچوں کے عظیم ادیب جناب اشتیاق احمدؒ کا بھی روشن راہوں کا مسافر بن جانا۔ انتہائی عظیم شخصیت جناب جسٹس امیر عالم خان کا بھی اُٹھ جانا ہمارے معاشرے کے لیے بہت بڑے نقصانات حالیہ دنوں میں ہوئے۔ عظیم سماجی شخصیت جناب عطا المصطفیٰ نوریؒ کا رخصت سفر باندھنا، قحط الرجال کے دور میں اِن ہستیوں کو زندگی سے منہ موڑنا درحقیقت ہم لوگوں کے لیے امتحان کا سبب بنتا جارہا ہے کہ ہے کوئی اُن کی تقلید کرنے والا۔ جناب انتظار حسین کے بعد جناب ڈاکٹر انور سدید جیسی عظیم شخصیت جو کہ کسی تعارف کی محتاج نہیں کا دُنیائے فانی کو الوداع کہنا یقینی طور پر پاکستان بلکہ پوری دنیاکے لیے ایک سانحہ ہے۔ عالم کی موت جہان کی موت تصور کی جاتی ہے موت مومن کے لیے تحفہ ہے۔اِس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ موت مومن کی اپنے رب سے ملاقات کا سبب ہے۔اِس دُنیا کو مردار سے بھی گھٹیا شے قرار دیاگیا ہے۔اوراِس دنیا کی طلب کرنے والوں کو گدھ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کائنات کی سب سے افضل ترین ہستی نبی پاک ﷺ کی ہے۔ اور اگر موت آنے سے انسان مٹی ہوجاتا اور آخرت کی زندگی کا کوئی اتا پتہ نہ ہوتا تو پھر کائنات بننے کا عمل ہی لایعنی ہوجاتا۔ اور ہر نفس نے موت کا مزا چھکنا ہے

کا نظریہ اپنی اہمیت کھو دیتا اور کائنات کی سب سے افضل ترین ہستی نبی پاک ﷺ کی ہے وہ موت کا مزہ نہ چھکتی۔ موت کے بعد والی زندگی عالم برزخ کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ زندگی وہی قرار پاتی ہے جو کہ موجود ہو۔ زندہ ہو۔ اِس جہاں کی زندگی میں تو دیرپائی ہی نہیں ۔ دیرپائی تو اِس جہان سے منتقل ہو کر اگلے جہان میں جانے کے بعد والی زندگی میں ہے۔ اِس لیے مومن کی اِس دنیا میں موت عارضی ہے اور زندگی بھی عارضی ہے اور ہمیش رہنے والی زندگی ہی آخرت میں مومن کی منتظر ہے۔ بندئے نے منتقل ہو جانا ہے اِس جہاں سے اگلے جہان میں ۔ یہ چیز تھی کہاں کہاں ڈال دی گئی، بوڑھے بدن میں روح جواں ڈال دی گئی، اردو ادب کے مشہور نقاد صحافی، شاعر، ادیب محمد انوار الدین جن کو لوگ انور سدید کے نام سے جانتے ہیں آج سرگودھا میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ 4 دسمبر 1928 کو قصبہ میانی بھلوال سرگودھا میں پیدا ہوئے۔

افسانہ، تنقید، انشائیہ، خاکہ، ادارت، شاعری، تبصرہ، اَدبی صحافت، جائزہ نویسی، شخصیت نگاری جتنی بھی اَدب کی معلوم جہات و اصناف ہیں، اگر کسی نابغہ عصر ہستی نے سب میں اور سب سے زیادہ تاریخ ساز، بے مثال اور یادگار کارکردگی اور تخلیقی سطح پر اظہار کیا ہے تو وہ صرف اور صرف بابائے اَدب ڈاکٹر انور سدید کی ذات باصفات ہے۔ شاہینوں کے شہر سرگودہا کے ایک اور عظیم سپوت ڈاکٹر انور سدید روشن راہوں کے راہی بن کر اپنے خالق کے حضور پیش ہوگئے۔ ابتدائی تعلیم سرگودھا اور ڈیرہ غازی خان میں حاصل کی۔ 1944ء میں ایف ایس سی کے لیے اسلامیہ کالج

لاہور میں داخلہ لیا لیکن تحریک پاکستان میں سرگرمیوں کی وجہ سے امتحان نہ دے سکے۔ گورنمنٹ انجینئرنگ سکول منڈی بہاؤالدین سے سول انجینئرنگ کا ڈپلوما اوّل درجہ اوّل میں گولڈ میڈل کے ساتھ حاصل کیا اور محکمہ آبپاشی پنجاب میں ملازمت اختیار کی۔ ڈھاکہ سے بی ایس سی سٹیڈرز کا امتحان اے۔ایم۔آئی۔ای پاس کیا، پہلے ایس ڈی او پھر ایگزیکٹو انجینئر کے عہدے پر ترقی حاصل کی، دسمبر 1988ء میں ریٹائر ہوا تو سپرنٹنڈنگ انجینئر کے گریڈ میں داخل ہوچکا تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد عملی صحافت میں قدم رکھا، قومی ڈائجسٹ، زندگی، روزنامہ خبریں کے بعد روزنامہ نوائے وقت سے وابستہ رہے۔ پانچ سال قبل ریٹائرمنٹ کی درخواست کی تو جناب مجید نظامی نے فرمایا کہ صحافی اور اَدیب کبھی ریٹائر نہیں ہوتے اور زندگی کے آخری لمحے تک لکھتے ہیں۔ یہ کہہ کر اُنھوں نے اپنے عظیم ادارے کا ساتھ وابستہ رکھا اور گھر پر کام کرنے کے لیے نیا پیکج دے دیا۔ دریں اثناء میں نے ایم اے تک کے امتحانات پرائیویٹ حیثیت میں پاس کیے اور مقالہ اُردو اَدب کی تحریکیں لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی، اس مقالے کے داخلی نگران ڈاکٹر وزیر آغا تھے جبکہ ممتحن میں ڈاکٹر شمس الدین صدیقی اور ڈاکٹر سید عبداللہ تھے۔اصل نام: محمد انوارالدین قلمی نام: انور سدید تھا۔کالم نگاری: روزنامہ مشرق لاہور ہفتہ وار اَدبی کالم سدیدیات 1989ء تا 1999ء۔ روزنامہ جسارت لاہور ہفتہ وار اَدبی کالم دیدوبازدید 1983ء تا 1990ء۔ ہفت روزہ زندگی لاہور حالات جہاں کا کالم عالم تمام 1991ء تا

ء۔ روزنامہ حیرت کراچی ہفتہ وار اَدبی کالم سدیدیات 1985ء تا 1989ء۔ 1995
ماہنامہ قومی زبان کراچی ماہانہ کالم کچھ وقت ہندوستانی کتابوں کے ساتھ 1982
تاحال۔ روزنامہ خبریں لاہور کالم گفتنی 1995ء تا 1998ء۔ روزنامہ نوائے وقت
گفتنی 1999ء تا دم حیات۔ انگریزی کالم نگاری: پاکستان ٹائمز لاہور ہفتہ وار اَدبی کالم
ء تا 1995ء۔ دی اسٹیٹس مین کراچی: ہفتہ وار اَدبی کالم 1986ء تا 19931990
ء۔ اعزازات: کتاب اقبال کے کلاسیکی نقوش رائٹرز گلڈ ایوارڈ داؤد اَدبی انعام۔ مقالہ اُردو
اَدب میں حج ناموں کی روایت نقوش۔ بے شمار کتابیں تخلیق کیں۔ اتنی بڑی شخصیت
کے اُٹھ جانا یقینی طور پر بہت بڑا نقصان ہے۔ اللہ پاک ڈاکٹر انور سدید صاحب کو جنت
الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ یقینی طور عالم کی موت عالم کی موت ہے۔

یومِ پاکستان۔یوم احتساب

نبی پاک ﷺ کی محبت نے جناب اقبالؒ کو راست بینی عطا فرمادی تھی اور وہ سمجھتے تھے رب پاک کا عطا کردہ قانون تمام دُکھوں کا علاج ہے۔اِس لیے حضرت اقبالؒ نے مرد مومن کی شان اِس طرح بیان کی ہے کہ مرد مومن کو شاہین قرار دے دیا۔ چونکہ شاہین نہ تو کسی کا کیا ہوا شکار کھاتا ہے اور نہ اپنا گھونسلہ بناتا ہے۔موجودہ حالات کے تناظر میں مسلمان عمل کے لحاظ سے شاہین کی مماثلت سے عاری نظر آتے ہیں کیونکہ جب علم و عمل کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو پھر رسوائی مقدر بن جاتی

ہے۔حضرتِ اقبالؒ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں کہ کیا تو لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے ؟اگر کہتا ہے تو پھر روح میں ڈوب کر کہ تاکہ تیرے جسم سے جان (روح) کی خوشبو آئے۔سورج اور چاند کی گردش لا الا کے سوز سے ہے میں نے یہ سوز پہاڑ اور تنکے میں ہر چھوٹی بڑی شے میں دیکھا ہے۔لاالا کے سوز میں جینا قہاری ہے لاالا ایک ضرب ہے اور کاری ضرب ہے۔جناب اقبالؒ فرماتے ہیں کہ آج کے مسلمان نے دین وملت کو ایک کوڑی کے بدلے بیچ ڈالا ہے اس نے اپنے گھر کا سامان اور اپنا گھر بھی جلادیا ہے۔ کبھی اس کی نماز میں پہلے توحید کا رنگ تھا اب نہیں رہا اس کی نیاز میں کبھی ناز تھا اب نہیں رہا۔اقبال فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جس کی زندگی کا سازوسامان خدا پاک تھا اب اس کا فتنہ مال کی محبت

اور موت کا خوف ہے۔اور اس میں ذوق و سرور کی وہ مستی نہیں رہی اس کا دین بس کتاب یعنی قران پاک میں ہے اور خود وہ قبر میں ہے۔اقبال فرماتے ہیں کہ جب نماز اور روزے سے روح جاتی رہی تو فرد بے لگام ہوگیا اور ملت میں کوئی تنظیم نہ رہی۔آج کے مسلمان کے سینے قران کی حرارت سے خالی ہو گئے ایسے لوگوں سے بہتری یا بھلائی کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔آج کا مسلمان خودی کو بھول گیا ہے ۔ اقبال کے خیالات کے تناظر میں اگر ہم موجودہ حالات کو دیکھتے ہیں کہ اگر ہم اپنے تعلیمی اداروں کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سب کچھ اچھا نہیں ہے ڈیوڈ کیمبل کی کتاب بزنس فارنہان بزنس سٹوڈنٹس کو ایم بی اے کو پڑھانے کا راقم کو موقع ملا۔اُس کتاب میں سب سے زیادہ زور کاروباری شخص کی جس خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہے دیانت داری یعنی کاروبار کی وسعت ،کامیابی دیانت داری کی مرہون منت ہے ۔انسانی تمدن میں زمانے کے ساتھ جو بھی تبدیلیاں آئیں اور انسانی معاشرے جس طرح جہالت کے اندھیروں سے کامیابیوں کی طرف گامزن ہوئے ۔ یہ سب کچھ نبی پاک ﷺ نے جو سبق انسانوں کو دیا اُس سے ہی انسان کی سوچ کا ارتقائی عمل مکمل ہوا۔ ارتقائی عمل کے مکمل ہونے کی سب سے بڑی وجہ یا دلیل آج سے تقریبا سواچودہ سو سال پہلے نبی پاک ﷺ کا دینِ الہی کو مکمل فرما دینا اور اپنی سُنت کے ساتھ ضابطہ حیات قرآن مجید فرقانِ مجید کا انسانوں کی راہنمائی کا ذریعہ قرار دینا ایک ایسی روشن دلیل ہے کہ نبی پاک ﷺ نے

معاشرے کے تمام پسے ہوئے طبقوں کو عزت سے جینا مرنا سکھایا اور گورے کو کالے اور عربی کو عجمی پر کسی قسم کے تفاخر سے منع فرمایا کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں ۔اِس کے مثال مہاجرین کے ساتھ انصار کا لازوال محبت بھرا سلوک ہے ۔زندگی اچھے انداز میں بسر کرنے کے حوالے سے نبی پاک ﷺ کا اُسوہ حسنہ اور نبی پاک ﷺ پر نازل کردہ قرآن ِپاک انسانیت کے لئے قیامت تک مستقل راہ ہدایت ہے ،خانگی معاملات کاروباری معاملات، سیاسی معاملات ،دینی ،دُنیاوی معاملات، ریاست اور حکومت کے نظم ونسق کے حوالے سے مکمل رہنمائی ۔جنگ اور امن میں مسلمان کا کردار لین دین ، اُٹھنے ، بیٹھنے ،سونے ،جاگنے ،عمرانی ، نفسیاتی حوالوں سے غرض یہ کہ دُنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن پاک نے راہنمائی نہ فرمائی ہو ، اگر معاشرے میں اِس وقت قتل وغارت ، بے ایمانی ، لوٹ مار عروج پر ہے تو اِسکی وجہ اللہ پاک ، نبی پاک ﷺ اور قرآن مجید کے احکامات پر انفرادی اور اجتمائی طور پر عمل نہ کرنا ہے ۔قانون ، قاعدہ ،انداز ، سلیقہ ، ترتیب سب کچھ فطری تقاضے اگر پورے کردیئے ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا اور آخرت کے تمام معاملات احسن طریقے سے انجام نہ پاسکیں ۔میڈیا کی تیزی موبائل فون اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال نے معاشرے کی بنیادیں ہلا دیں ہیں ۔ قناعت ، عزت واحترام بھائی چارہ کا جنازہ نکل چکا ہے ۔میڈیا نے عوام الناس کو CONSUMER ORIENTED بنادیا ہے ۔اب جب کہ ہر وقت مہنگائی کا رونا بھی

رویا جارہاہے اور بازار میں پہنچنے والی ہر شے کی طلب بھی برقرار ہے اور ہر شے جو
مارکیٹ میں آتی ہے وہ سے لاء آف مارکیٹ کے مطابق کہ suply createn it
ہے کہ مطابق فروخت ہو جاتی ہے سڑکوں پر رش اتنا کہ گاڑیوں own demands
کی بھر مار اور موٹر سائیکل سوار تو چینٹیوں کی مانند ہیں۔ دولت کی اتنی زیادہ ریل
پیل بنکوں کی جانب سے لیز کی سہولت کریڈٹ کارڈ، پوری قوم کو سُود خود بناڈالا گیا
ہے۔اِس لئے پھر اللہ پاک کا کرم بھی نہیں ہے۔افراتفری اور نفسانفسی کا عالم ہے
امیر، غریب دونوں طبقات کھاتے پیتے رو رہے ہیں۔مڈل کلاس طبقہ بہت کم رہ گیا
ہے دولت کی منحوس تقسیم نے اپر کلاساور لوئر کلاس تقسیم کردی ہے مڈل کلاس سفید
پوشی کا بھرم رکھتے رکھتے ذہنی، نفسیاتی جسمانی بیماریوں کا شکار ہوتی چلی جارہی ہے ٹی
وی چینلز پر چلنے والے ڈراموں نے سماج کو ایک ایسی راہ پر گامزن کردیا ہے جہاں اب
کے درمیان چومکھی لڑائی ہو رہی ہے۔برداشت ناپید ہے۔ have اور have not
ازدواجی زندگی تباہ ہو رہی ہے۔امراء کے ہاں طلاق کی شرح انتہائی کم ہے۔ جبکہ لوئر
کلاس طبقہ اس حوالے سے بہت آگے ہے۔نہ پوری ہونے والی خواہشات کی بدولت
خواتین کے ہاں خُلع لینے کی شرح خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے اس طرح باپ اور ما
ں کے لالچ اور بے حسی کی سزا اولاد کو بھگتنا پڑ رہی ہے۔جو معاشرے خوف خدا اور
عشق رسول ﷺ سے عاری ہوں جہاں مادیت اتنی سرایت کر گئی ہو کہ رشتے دا
ریاں کا

غذی پھول بن کر رہ گئی ہوں ۔ایسے معاشروں میں پھر حسرت ،یاسیت ، بے سکونی ڈیڑے ڈال دیتی ہے روحانی سکون جو کہ اسلام کاطرہ امتیاز ہے جس کی وجہ سے اسلام پھیلا اور اسلام میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ امن وآشتی، سکون اور روحانی اقدار تھا۔جس طرح کا روپ ایک قوم کی حثیت سے پیش کیا جارہا ہے یہ کسی طور بھی مصطفائی معاشرہ نہیں ہے۔دہشت گردی، مساجد،امام بارگاہوں مزاروں سکولوں میں بم دھماکے کیااِس واسطے یہ وطن بنا تھا۔اقبالؒ وقائدؒ کی روحیں تڑپ رہی ہوں گی ۔اِس میں قصور قائدؒ واقبالؒ کا نہیں اُن کا ہے جن کے حصے میں اِس ملک کی حکمرانی آتی رہی اور ملک دن بدن پستی کی جانب گرتا چلا گیا۔اخلاقی گراوٹ عدم.برداشت، شرم وحیا، ایمانداری سکون نام کی کوئی قدر بھی تو نہیں بچی ہمارے معاشرے میں ، بلوچستان میں قتل عام ، خیبر پختوں میں لگی آگ نے ملک کو ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے ۔شراب ،جواء عام ہے یہاں کالبرل فاشٹ طبقہ یہ ہی کچھ چاہتا ہے کہ کوئی روک ٹوک نہ ہو۔اُن کے من کی مرادیں پورے معاشرے کو کھوکھلا اور.برباد کر رہی ہیں ۔پس جو جو بھی اللہ پاک کے دیے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر معاشرئے کا نظام درہم.برہم کر دیتا ہے جس سے اُس کے ساتھ ساتھ دیگر لوگ بھی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔زندگی کو اِس طرح گزارنا کہ جس طرح شاہین ہوتا ہے حضرت اقبالؒ کا محبوب پرندہ شاہین ہے اِس میں مردِ مومن کی بعض خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اپنے ایک خط میں جو

اقبالؒ نے پروفیسر ظفر احمد صدیقی کو لکھا تھااِس میں اس بات کی وضاحت فرمائی تھی کہ شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں ہے اس میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں (1) خود دار اور غیرت مند ہے کہ اور کسی کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا (2) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا (3) بلند پرواز ہے) (4 خلوت پسند ہے اور تیز نگاہ ہے۔ کیا ہمارے معاشرے میں ان خصوصیات کے حامل لوگ پائے جاتے ہیں۔ اتنی محبت خواہشات کے ساتھ کہ بد سے بدتر جانور بھی مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا۔ اقبالؒ تو شاہیں کو کہتے ہیں کہ تو ایسا بن کہ اپنا نوالا کسی کے ہاتھ سے نہ لے نیک بن اور اچھوں کی نصعیت سن۔ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اے مسلمان تونیک اطوار بن اور پختہ تدبر والا بن۔ درحقیقت اقبالؒ کا شاہین کا جو تصور ہے وہ اپنا کر مسلمان رب پاک کے قوانین پر عمل کرسکتا ہے اور فلاح و کامیابی اُسکا مقدر بن سکتی ہے۔ علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد، فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

بیلجیم میں دہشت گردی اور مسلم دنیا کی ذمہ داری

دنیا کو جتنا غیر محفوظ امریکی اقدامات اور بھارتی اسرائیلی گٹھ جوڑ نے بنا دیا ہے۔اِس حوالے سے کوئی اور مختلف رائے نہیں ہے۔ یورپ کو بھی امریکہ نے بطور ایندھن استعمال کیا ہے۔ دہشت گردی کی واردات نے برسلز کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ مسلمانوں کا نام لے کر امریکی پینٹاگون کے ایجنٹ وہ کچھ کر رہے ہیں جو کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ ہیلری کلنٹن کو د اپنی کتاب مین اعتراف کر چکی ہیں کہ داعش امریکی ساختہ ہے۔ امریکہ کو تو بس اپنا اسلحہ بیچنا ہے وہ تو سرمایہ داری کا رسیا ہے۔ اُسے انسان سے کوئی غرض نہیں ۔ وہ تو چاہتا ہی یہ ہے کہ جنگیں ہوں اور اُس کے اسلحے کی فروخت ہو۔ ظاہر ہے کہ برسلز میں ہونے والی دہشت گردی کو بھی مسلمانوں کے سر تھوپ دیا جائے گا۔ لیکن در حقیقت یہ مسلمان نہیں ہیں یہ امریکی اسرائیلی بھارتی ایجنٹ ہیں جو کہ مسلمانوں کے نام پر دہشت گردی کرکے مسلمانوں کےخلاف نفرت پھیلا رہے ہیں۔برسلز دھماکوں سے لرز اُٹھا 37 افراد ہلاک ہوئے اور 200 زخمی ہیں۔ امریکہ یورپ میں سیکورٹی ہائی الرٹ کردیا گیا۔ یہ دھماکے یورپ کے دل اور نیٹو اور یورپی یونین کے ہیڈ کوارٹرز کے زیونتم ائیر پورٹ کیڈیاپارچر پال ، میٹرو سٹیشنز ، یورپی یونین کے دفتر اور صدارتی محل کے قریب ہوئے بیلجیم میں تین روز سوگ کا اعلان کردیا گیا ہے۔ بلجیم کے

دارالحکومت برسلز پر خوف وہراس اور بے یقینی کی فضا طاری ہے۔ آج صبح ائرپورٹ کے ڈیپارچر ہال میں یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے۔ بعد میں ہونے والا دھماکہ زیادہ شدید اور خوفناک تھا۔ ابھی ائرپورٹ پر حملے کی خبر کے بارے میں پوری تفصیلات منظر عام پر نہیں آئی تھیں کہ شہر کے میٹرو سسٹم پر دھماکے کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ نہ ہی یہ معلوم ہے کہ ان دھماکوں کا کون ذمہ دار ہے۔ خیال ہے کہ عبدالسلام نومبر میں پیرس حملوں کا ماسٹر مائینڈ تھا۔ ان حملوں میں دھماکوں اور فائرنگ کے ذریعے 130 افراد کو ہلاک کردیا گیا تھا۔ اس بات کا فوری طور پر پتہ چل گیا تھا کہ حملہ آور برسلز سے آئے تھے اور ان میں بعض بلجیم کے شہری تھے۔ اس وقت سے پولیس مسلسل انتہا پسند عناصر کی تلاش میں تھی۔ تاہم عبدالسلام کی گرفتاری کے دو روز بعد ہی برسلز میں ہونے والے حملے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ دہشت گرد گروہ اس شہر میں کافی مضبوط ہیں اور مقامی پولیس اور انٹیلی جنس ادارے ان کی قوت اور ٹھکانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ برسلز میں حملوں کے بارے میں جو خبریں سامنے آرہی ہیں ان کے مطابق ائرپورٹ پر ہونے والے دونوں دھماکے خودکش حملے تھے۔ یورپ میں پیرس حملوں کے بعد سے ہی خوف وہراس کی کیفیت موجود تھی اور ملک میں انتہا پسندوں کے خلاف سخت اقدامات کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اسی خوف کی وجہ سے شام سے آنے والے پناہ گزینوں کے بارے میں خیر سگالی کے جذبات شبہات اور مخالفت میں تبدیل ہوگئے اور

اسلام اور مسلمانوں سے نہ صرف خوف محسوس کیا جانے لگا بلکہ اسلام دشمن عناصر کو مقبولیت اور سیاسی قوت نصیب ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ بات متعدد دانشور حلقے اور مسلمانوں کے سمجھدار نمائندے واضح کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ دہشت گرد دراصل یورپ میں حملے کرکے، یہاں آباد مسلمانوں کے خلاف نفرت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی قوت میں اضافہ ہو اور معاشروں میں انتشار اور بداعتمادی کی فضا پیدا ہو۔ یہ جاننے کے باوجود ہلاکتوں اور تباہی کے بعد پیدا ہونے والے خوف کی فضا میں ایک خاص گروہ اور عقیدہ کے خلاف نفرت پیدا ہونا فطری عمل ہے۔ یورپ میں آنے والے دنوں اور ہفتوں میں مسلمانوں کے لئے حالات ناسازگار اور مشکل ہوں گے۔ دہشت گردوں نے بلجیم کو نشانہ بناتے ہوئے ضرور یہ ذہن میں رکھا ہوگا کہ یہ ملک یورپین یونین اور نیٹو کا ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے علامتی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ کمزور حکومت اور سیاسی انتشار کے سبب اس چھوٹے ملک کے اندر اپنے ٹھکانے بنا لینا آسان سمجھا گیا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یورپ بھر میں کمزور اور اوسط صلاحیت کے لیڈر حکمران ہیں۔ ایسے لیڈر سامنے آنے والے چیلنج کی صورت میں صرف مقبول اقدامات کرنا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیرس حملوں کے بعد پورے براعظم کی حکومتیں مسلمان اقلیتوں کا تحفظ کرنے اور ان کا اچھا نمائندہ بننے میں ناکام رہی ہیں۔ اندیشہ ہے کہ برسلز حملوں کے بعد اسی یک طرفہ اور مقبول عام رویہ کا مظاہرہ ہوگا۔ قوانین کو سخت کیا

جائے گا اور مسلمان آبادیوں کے لئے حالات کار مزید مشکل ہو جائیں گے۔ لیکن بد قسمتی سے ایسے اقدامات دہشت گردوں کی حوصلہ شکنی کا سبب بننے کی بجائے، ان کے عزائم کی تکمیل میں معاون ہوں گے۔ پوری دُنیا میں مسلمانوں کے خلاف امریکی جذبات نے دُنیا کو آتش کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔۔ امریکی سی آئی ایجنٹ پینٹا گون کے تجزیہ کار دنیا کو یہ باآوار کروانے میں لگے ہوئے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد ہیں اور اُن سے خیر کی توقع نہیں ۔ اِس لیے مسلمانوں کے خلاف یورپ امریکہ اکھٹا ہو جائے۔ اِص طرح امریکہ اپنے چوہدراہٹ میں مسلمانوں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے اور اپنے اسلحے کے کارخانوں کی پیداوار کی کھپت چاہتا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان ممالک امریکہ یورپ کو اپنی اتھاد کی قوت سے ہی روک سکتے ہیں۔ اِس مقصد کے لیے سارے مسلمان حکمران متحد ہو جائیں اور اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کو ناکام بنائیں اور ناحق خون جو بہایا جا رہا ہے اِسے روکنے کے لیے اپنا کردار ادار کریں۔

بھارتی جاسوسی نیٹ ورک اور پاکستانی لسانی سیاسی جماعت

بھارت کی سازشیں ہر روز بے نقاب ہو رہی ہیں۔ جب سے جنگ عضب پاک فوج نے شروع کی تب سے بھارت کی دُم پر پاؤں آگیا اور اِس کے ساتھ ساتھ ایم کیو ایم کے حوالے سے وہ کچھ سننے کو مل رہا ہے جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پاکستانی وزیر اعظم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانے والی راہ، پاکستان کے اندر دہشت گردی کی فضا پیدا کرنے والی راہ۔ ملک کو سماجی اور معاشی طور پر اندھے کنویں میں پھینکنے والی راہ۔ اتنے بڑے افسر کا بلوچستان میں کاروائیوں میں مصروف ہونا اِس بات کی دلالت ہے کہ بھارت کے دن گنے جُنے جا چکے ہیں۔ راہ کا پاکستان کے خلاف کھلم کھلا وار کرنا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ پاکستان کے خلاف گھناؤنی سازش ناکام بنا دی گئی۔
حساس اداروں نے خفیہ معلومات پر بلوچستان میں کارروائی کرکے بھارتی خفیہ ایجنسی را" کے ایجنٹ بھارتی نیول کمانڈر کو گرفتار کر لیا۔ کل بھوشن یادیو بھارتی نیوی میں" کمانڈر رینک کا افسر ہے۔ گرفتار "را" کے ایجنٹ کو خصوصی طیارے کے ذریعے اسلام آباد منتقل کیا ہے۔ اِس لیے اب پاکستانی حکومت اور فوج اور خفیہ اداروں کو پاکستان کی سلامتی کے حوالے سے بہت سے اہم فیصلے کرنا ہوں گیا۔ اب آتے ہیں ایم کیو ایم کے ایک سابق لیڈر کے انکشافات۔

ایم کیو ایم کے لندن کے سابق رہنما ارشد صدیقی نے کہا ہے کہ ''را'' نہیں چاہتی کہ پاکستان کے حالات ٹھیک ہوں، بھارت کے علاوہ سعودی عرب بھی ایم کیو ایم کو فنڈنگ کرتا ہے،ایم کیو ایم کے کارکنوں کو بھارت بھجوانے پر الطاف حسین سے اختلاف ہوا، محمد انور متحدہ کے کارکنوں کو بھارت ٹریننگ کے لئے بھجواتا تھا، بھارت کی خفیہ ایجنسی ''را'' الطاف حسین سے پاک آرمی کے خلاف تقریریں کرواتی تھی، میں ایم کیو ایم کے سارے کالے کرتوتوں کا چشم دید گواہ ہوں حکومت پاکستان مجھے بلائے میں تمام ثبوت مہیا کروں گا۔ ایم کیو ایم لندن کے سابق رہنما ارشد صدیقی کا کہنا تھا کہ ایم کیو ایم کے لوگوں کو بھارت کے فوری ویزے مل جاتے تھے، پاکستان ن کے حالات خراب کرنے میں متحدہ کا بڑا ہاتھ ہے، یہ لوگ بھارت کے لئے کام کرتے تھے، ہم نظریاتی لوگ ہیں، ہماری بات نہیں سنی جاتی تھی، نظریاتی کارکنوں کو خوف ہے کہ اگر ہم الطاف حسین سے الگ ہوئے تو انہیں مار دیا جائے گا، وہ ڈر کے مارے آواز نہیں اٹھاتے، برطانیہ سے میرے ساتھ 400 افراد مصطفٰی کمال کے ساتھ شامل ہوں گے۔ارشد صدیقی کا کہنا تھا کہ ایم کیو ایم میں ڈاکٹر عمران فاروق کی بھی کوئی بات نہیں سنتا تھا، وہ کارکنوں کے انڈیا جانے کے خلاف تھے اور اکثر کہتے تھے کہ متحدہ میں کوئی انکی نہیں سنتا، فنڈز کے غلط استعمال پر بھی ڈاکٹر عمران فاروق کے الطاف حسین سے اختلافات تھے،ایم کیو ایم قائد نے میرے سامنے ڈاکٹر عمران فاروق کو

لمبی چھٹی'' پر بھیجنے کا کہا، جسے مارنا ہوتا وہ ''یہی کورڈ ورڈ'' استعمال کرتے تھے، میں''
نے عمران فاروق کو کہا کہ آپ لمبی چھٹی پر جارہے ہیں انہوں نے کہا کہ میں ایم کیو ایم
کو ساتھ لیکر جاؤنگا۔ارشد صدیقی کا کہنا تھا کہ پارٹی فنڈز سے ایم کیو ایم کے رہنما جوا
کھیلتے تھے، غریب پارٹی کا لیڈر لندن میں 8 ملین پاؤنڈ کے گھر میں رہتا ہے،ایم کیو ایم
رہنماؤں کی بیرون ملک گیارہ ملین پاؤنڈ کی جائیدادیں ہیں، 35 سال سے سنیماؤں میں
ایم کیو ایم کی لگی فلم 2016 میں اتر جائیگی، برطانوی حکومت کے پاس متحدہ کیخلاف تمام
ثبوت ہیں، ساؤتھ افریقہ، سعودی، عرب، لندن اور بیشمار ملکوں سے چندہ آتا
تھا، بھارت سے فنڈنگ کے متعلق معلوم ہوا تو میں نے انور سے پوچھا یہ کیوں آرہی
ہے اسکے بعد انہوں نے دبئی میں کمپنی کھولی اس کے ذریعے پیسے آتے جاتے تھے، ہم نے
بھارت سے آنے والے پیسے پر کافی شور مچایا، سکاٹ لینڈ یارڈ میں بھارت میں سے
آنیوالے پیسوں کے ثبوت موجود ہیں، لندن آفس اور الطاف حسین کے گھروں سے پیسہ
نکلا ہے یہ یوکے اور پاکستان گورنمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ تحقیقات کرے، اگر
پاکستان ثبوت چاہتا ہے تو میں پاکستان آنے کیلئے تیار ہوں۔انہوں نے کہا کہ رابطہ کمیٹی
کے لوگ فنڈز سے جوئے کھلتے ہیں، ندیم نصرت کی آمدنی کیا ہے؟ مصطفٰی عزیز آبادی کی
آمدنی نہیں ہے، انھیں پیسے کہاں سے آتے ہیں؟ پارٹی فنڈز سے ویلفئیر کے کام کئے
جاتے ہیں، جوئے اور شراب کے لئے نہیں۔ لندن میں ایم کیو ایم کی گیارہ پراپرٹیز ہیں
محمد انور نے کرائے پر

پراپرٹی دی ہوئی ہے انکو کسی غریب کارکن کا خیال نہیں، مصطفےٰ کمال کے ساتھ انکے خلاف آوازاٹھائیں گے۔ مصطفےٰ کمال اور انیس خاکوانی سے بہت پہلے نبیل گبول کی جانب سے ایم کیوایم کو خیر باد کہہ دیا گیا تھا۔ بچپن میں عمران سیریز کے ناول پڑھا کرتے تھے۔ بالکل انگریزی جاسوسی فلموں کی طرز پر ایم کیوایم کی جانب سے کراچی کھلواڑ میں کیا گیا۔ نبیل گبول کی جانب سے یہ بیان کہ ایم کیوایم کی جانب سے میرے لیے کوڈ نام آلو تھا۔ اور میرے لیے یہ آرڈر جاری ہوچکا تھا کہ آلو کو کاٹ دو۔ عامر خان اور آفاق احمد کے بعد ایم کیوایم میں بہت عرصے بعد اتنے وسیع پیانے پر انخلا ہورہا ہے۔ جناب الطاف حسین کی صحت کے حوالے سے بھی جو خبریں گردش میں ہیں اُس سے بھی اِس امر کو تقویت ملتی ہے کہ گورنر عشرت العباد کی جانب سے لمبے عرصے تک گورنری کرنے بعد اب اسٹبلشمنٹ کے پاس ایک انتہائی تجربہ کار شخص پروان چڑھ چکا ہے۔اِسی لے امید واثق ہے کہ گورنر عشرت العباد نے بارہا الطاف حسین کے کہنے کے باد جود گورنری نہیں چھوڑی بلکہ وہ خاموش رہے ہیں۔اِس سے یہ بات طے ہے کہ الطاف حسین کی جانب سے بوری بند لاشوں کے جو انبار لگے تھے وہ سلسلہ اب انشا اللہ رُکنے کو ہے۔ راکے ساتھ ایم کیوایم کے تعلقات کے حوالے سے تو میڈیا کئی دہائیوں سے شور مچا رہا ہے۔ لیکن اِس حوالے سے کوئی ٹھوس قدم نہیں اُٹھایا گیا۔ گویا دنیا کی بڑی طاقتیں ایم کیوایم کے ذریعہ سے پاکستانی ریاست کو خوف کے عالم میں رکھنا چاہتی رہی ہیں اور اِس کام میں وہ

کافی حد تک کامیاب بھی رہی ہیں۔ ایم کیو ایم کے خلاف نصیر اللہ بابر نے آپریشن کیا تھا۔ لیکن مشرف نے اپنی کرسی کی مضبوطی کے لیے ایم کیو ایم کی جانب سے ہر فعل پر آنکھیں بند کیے رکھیں بلکہ چیف جسٹس کے خلاف کراچی میں ایم کیو ایم کو استعمال کیا گیا اور کراچی میں افتخار چوہدری کی آمد کو روکنے کے لیے وکلاء کو قتل کیا گیا۔ اُس رات مشرف نے اسلام آباد میں مُکا لہرا کر بیان دیا تھا کہ ہاں ہم نے کراچی میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے۔ جب مشرف ایم کیو ایم کے ذریعے سے اپنی طاقت کا استعمال کر رہے تھے تو طاقت کا سرچشمہ اللہ پاک بھی دیکھ رہا تھا اور قدرت نے اپنا انتقام بھی لینا تھا۔ کہ کالے کوٹ والے جن کے ہاتھ میں کوئی اسلحہ نہیں بلکہ کتاب ہوتی ہے اُن کی تحریک نے تاریخ کے بدترین آمر کو رخصت کر دیا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مشرف کا حشر کر دیا گیا۔ تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ جس طرح ہاتھوں والوں کو ابابیل جیسے ننھے پرندے کے ہاتھوں نشانِ عبرت بنا دیا گیا تھا۔ اِسی طرح میڈیا اور وکلاء نے ہر طرح کی قربانی دے کر ملک سے مشرف آمریت کو چلتا کیا۔ بات ایم کیو ایم کی ہو رہی تھی مشرف تک پہنچ گئی ۔ مشرف نے ایم کیو ایم کو اپنے لیے اِس طرح استعمال کیا جس طرح اُس نے گجرات کے چوہدریوں کو بطور اُٹھائی گیر رسہ گیر اور لٹیرے کے طور پر استعمال کیا۔ گجرات کے چوہدری رواداری کی حد تک تو بہتر تصور کیے جاتے ہیں۔ لیکن زرداری اور بے نظیر کے خلاف پرویز الٰہی کے بیانات تو اپنی جگہ پرویز الٰہی نے خود

کے لیے زرداری دور میں نایب وزیر اعظم کا عہدہ پیدا کروالیا۔ یوں شجاہت کو مشرف نے وزیر اعظم چالیس دنوں کے لیے بنوایا اور پرویز الہی زرداری کے کندھوں پر بیٹھ کر ناہب وزیر اعظم کے پروٹوکول کے مزے لیتے رہے۔ مشرف دور میں ایم کیو ایم، جماعت اسلامی، مولانا فضل الرحمان ور گجرات کے چوہدریوں کے طفیل بدترین آمریت قائم رہی۔ پاکستانی سیاست کے نشیب وفراز عجب صورت حال سے دو چار رہتے ہیں۔ نشیب وفراز تو خود دو چار ہونے کا ہی نام ہے لیکن ہمارے ہاں بے چارہ نشیب وفراز بھی بے چارگی سے دو چار ہے۔ مصطفے کمال کی جانب سے ایف آئی اے کو تعاون کی پیش کش۔ سرفراز مرچنٹ کی جانب سے را سے فنڈنگ لینے کے ایم کیو ایم کے معاملے میں گواہی دینے کی جانب آمادگی۔حکومت کی جانب سے مصطفے کمال کے حوالے سے نرم رویہ یہ سب کچھ اِس بات کی غمازی ہے کہ کراچی میں اب انشااللہ حالات درست ہونا ہی ہیں۔اِسی لیے رب پاک نے مصطفے کمال کو بھیجا ہے۔ امید ہے کہ مصطفےٰ کمال اپنے نام کی لاج رکھیں گے۔ پنجاب سے مصطفے کمال کی پارٹی میں شریک ہونے والی کی بہت بڑی تعداد ہوگی۔ جو لوگ فوج کو امن وامان کی وجہ سے سپورٹ کر رہے ہیں۔ وہ بھی مصطفے کمال کو سپورٹ کریں گے۔ نبیل گبول جیسے سیاستدان نے جس کی بات کی ہے کہ اُن کے متعلق بھی آرڈر ہوچکا تھا۔ کہ آلو کو کاٹ دو۔ اللہ پاک کرے کہ جنرل راحیل شریف کی قیادت میں کراچی میں امن قائم ہوجائے۔ اب ایم کیو ایم سے منحرف ہونے والے مصطفے کمال کے ساتھ دیگر بہت اہم رہنماؤں کا مل جانا یقینی طور پر ایک اہم

پیش رفت ہے۔جنگ عضب کے آخری مرحلے میں پاک فوج یقینی طور پر بھارتی ایجنسی
راہ اور ملک دُشمن عناصر کا قلع قمع کرنے کی تیاری میں ہے۔ انشا اللہ بھارت کے خود
اپنے ٹوٹنے کا وقت قریب ہے۔

صحت کا عالمی دن اور پاکستان میں صحت کی سہولتوں کی حالتِ زار

صحت کی سہولتوں کے حوالے سے کیا رونا رویا جائے۔ اخبارات میں شائع ہونے والے اخبارات کے مطابق تو پاکستان میں اُس فلاحی ریاست کا منظر پیش کیا جارہا ہوتا ہے۔ جس طرح کہ برطانیہ میں ہوتا ہے یا امریکہ یورپ میں وہاں کی عوام کو صحت کی سہولتیں میسر ہوتی ہیں۔ وزیر اعظم پاکستان نے چند ماہ پہلے جس قومی صحت پروگرام کا اعلان کیا کہ موذی امراض کے حامل لوگوں کو مفت علاج ملے گا۔ لیکن عملی طور پر جن لوگوں کو اِس معیار پر پورا اُترنا ہوگا وہ لوگ شائد اِس کسوٹی پر پورا اترنے کی بجائے موت کو ہی ترجیح دیں۔ ملک مین جس طرح ہوس نے جگہ لے لی ہے۔ اِس سے یہ دیکھائی دیتا ہے کہ یہ مادر پدر آزاد جنگا ہے جہاں کوئی قانون اور قاعدہ نہیں ہے۔ جب تک ہوس زدہ معاشرئے کو تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ اور روپے پیسے کی دوڑ کو بریک نہیں لگے گی تب تک حکموت کے خوشنماء اعلانات اخبارات اور میڈیا کی حد تک ہی رہیں گے۔ وزیر اعظم نوار شریف نے غریبوں کے مفت علاج کے لئے قومی صحت پروگرام کا شروع کیا ہے، اس پروگرام کے تحت سات مہلک بیماریوں کا علاج مفت کیا جائے گا، پہلے مرحلے میں پروگرام پندرہ اضلاع میں شروع ہوگا۔ 12 لاکھ خاندانوں کو صحت کارڈ فراہم کئے جائیں گے اور سالانہ تین لاکھ روپے تک علاج کی سہولت حاصل ہو گی۔ یہ حد پوری ہونے پر بھی

ان مریضوں کا علاج جاری رہے گا، جو پہلے سے زیر علاج ہوں گے اُنہیں بیت المال سے تین لاکھ روپے فراہم کئے جائیں گے۔ علاج معالجے کی سہولتوں کے متعلق ہیلپ لائن پر مفت کال کی جا سکتی ہے، پروگرام سے 32 لاکھ افراد مستفید ہوں گے۔ وزیراعظم نواز شریف نے اِس سلسلے میں تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا صحت پروگرام کا اجرا مسلم لیگ (ن) کے منشور میں عوام سے کئے گئے ایک اور وعدے کی تکمیل ہے، غریب خاندانوں کا علاج اب حکومت کی ذمے داری ہے۔ قومی صحت پروگرام کو مزید بہتر بنائیں گے، صحت اور تعلیم صوبوں کی ذمے داری ہے جو انہیں ادا کرنی چاہئے پھر بھی وفاق ہر ممکن مدد کر رہا ہے۔اس پروگرام کا مقصد کم آمدنی والوں کو صحت کی سہولتوں کی فراہمی یقینی بنانا ہے۔ اب ایسا نہیں ہو گا کہ غریب بیمار ہو،اسے گھر کی چیزیں بیچنا پڑیں، علاج کی خاطر جائیدادیں تک بک جاتی ہیں۔ غریب خاندانوں کو ہیلتھ انشورنس کی سہولت دی جائے گی، ابھی دو صوبے اس پروگرام میں شامل نہیں وہاں بھی کام شروع ہو گا۔

وزیراعظم نے کہا ہم نے فلاحی ریاست کی جانب ایک اور قدم بڑھایا ہے اس پروگرام کا غلط استعمال کیا گیا تو مَیں سخت ایکشن سے نہیں ہچکچاؤں گا۔وزیراعظم نے غریبوں کے لئے جس ہیلتھ پروگرام کا اعلان کیا ہے اسے غریبوں کے لئے سال کا تحفہ قرار دیا جانا چاہئے، علاج معالجہ جس طرح وقت کے ساتھ ساتھ پیچیدہ اور مہنگا ہوتا جا رہا ہے اور ادویات کی قیمتیں جس طرح آسمان کو چھو رہی ہیں غریبوں کے لئے یہ بہت ہی پریشان کن ہو کر رہ گیا تھا، حکومت

بروقت ان کی امداد کو آئی ہے۔ ویسے سرکاری ہسپتالوں میں اگر عمومی طور پر زیر علاج مریضوں پر نگاہ دوڑائی جائے تو ان میں زیادہ تر کا تعلق غریب طبقے سے ہی ہوتا ہے یا بیشتر زیریں متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ عرصے سے تو ہسپتالوں کی حالتِ زار ناقابل بیان ہو گئی ہے، لاہور کا قدیم ترین میو ہسپتال جہاں علاج کے لئے پورے پنجاب، بلکہ دوسرے صوبوں کے مریض بھی رجوع کرتے ہیں، بدحالی کی تصویر پیش کر رہا ہے، اس کے جو وارڈ قیامِ پاکستان سے پہلے سے تعمیر شدہ ہیں اُن کی حالت اور بھی خراب ہے، بستر گندے اور پھٹے پرانے ہیں، صفائی ستھرائی کا انتظام انتہائی ناقص ہے۔ وارڈوں میں چوہے اور بلیاں عام پھرتے نظر آتے ہیں، حشرات الارض وارڈوں میں اِدھر اُدھر رینگتے پھرتے ہیں، بستروں میں کھٹمل وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں، لیکن مریض بے چارے اِسی حالت میں ہسپتالوں میں رہنے پر مجبور ہیں، ادویات بھی انہیں خود خریدنا پڑتی ہیں۔ جہاں تک پرائیویٹ ہسپتالوں کا تعلق ہے وہاں غریب تو کیا اچھا خاصا کھاتا پیتا فرد بھی علاج کرانے کا تصور نہیں کر سکتا، ان کے کمروں کے کرائے ہی فور سٹار ہوٹلوں کے برابر ہیں۔ لاہور کی آبادی جس تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ایک اطلاع کے مطابق ایشیا میں سب سے زیادہ اربنائزیشن لاہور میں ہو رہی ہے، اس حساب سے علاج معالجے کی سہولتوں میں اضافہ نہیں ہو رہا۔ یہ شکایت عام ہے کہ سرکاری ہسپتالوں کے سٹوروں سے ادویات چوری کر کے بازار میں فروخت کر دی جاتی ہیں، محکمہ صحت کا کوئی اعلیٰ افسر اگر چاہے تو اسے شہر

میں ادویہ کی ایسی فاریسیاں عام مل جائیں گی جہاں ہپتالوں سے چوری شدہ ادویات دھڑلے سے فروخت ہوتی ہیں ان ادویات پر سرکاری مہر صاف پڑھی جاتی ہے۔ اب ظاہر ہے یہ ادویات ایسے لوگوں نے دکانداروں کو معمولی رقم کے عوض فروخت کی ہوں گی جن کے کنٹرول میں سرکاری ہپتالوں کے دوا خانے ہیں۔ سرکاری ہپتالوں میں زیر علاج مریضوں کو ادویات کی طویل فہرستیں بازار سے خریدنے کے لئے تھما دی جاتی ہیں، جن میں سے بعض تو سرے سے استعمال ہی نہیں ہوتیں۔ یہ ایک پورا سرکل ہے، جس میں ایک مافیا ملوث ہے، چھوٹے شہروں یا قصبات نما شہروں میں اول تو سہولتیں سرے سے ہی ناپید ہیں اور کہیں ہیں تو ان سے استفادہ بھی غریب آدمی نہیں کر سکتا۔ ہپتالوں کا اگر ایک مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جائے گی کہ ایکسرے مشینیں، الٹرا ساؤنڈ مشینیں اور ای سی جی وغیرہ کے آلات عموماً خراب رہتے ہیں اور سالہا سال تک درست نہیں ہوتے، لاہور کے واحد چلڈرن ہپتال میں خراب وینٹی لیٹروں کی وجہ سے بچوں کی اموات بھی ہوئی ہیں، لوگوں کو لیبارٹری ٹیسٹ بازار سے کرانے پڑتے ہیں۔ ہپتالوں کے قرب و جوار میں مختلف قسم کے ٹیسٹوں کی جو لیبارٹریاں کام کر رہی ہیں اُن کے ہپتال کے سٹاف سے باقاعدہ رابطے ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں وہ مریضوں کو ریفر کرنے پر متعلقہ سٹاف کو کمیشن بھی دیتے ہیں، اس طرح کسی خاص کمپنی کی ادویات لکھنے پر بھی ڈاکٹروں کو مختلف قسم کی مراعات دی جاتی ہیں جن میں سیمیناروں کے نام پر غیر ملکی دورے

بھی شامل ہیں۔ بعض کمپنیاں اس حد تک بااثر ہیں کہ کسی نئی کمپنی کو میدان میں نہیں آنے دیتیں اور جو سستی دوا متعارف کرانا چاہتی ہو، اُسے مختلف قسم کی رکاوٹوں کا سامنا ہوتا ہے، اس طرح کا ایک کیس گزشتہ دِنوں ہائی کورٹ کے سامنے بھی آیا جس میں ایک سستی دوا کی رجسٹریشن نہیں ہو پا رہی تھی۔اِن گو نا گوں مشکلات کے ہوتے ہوئے وزیراعظم نے اگر غریبوں کے لئے ایک ہیلتھ پروگرام شروع کیا ہے تو یہ لائق تحسین ہے۔ اگرچہ وزیراعظم نے کہا ہے کہ اس پروگرام کو اچھی طرح مانیٹر کیا جائے گا، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ ایسے پروگرام بدعنوانی کی نذر ہو جاتے رہے ہیں، سہولتیں تو غریبوں کے نام پر دی جائیں گی، لیکن یہ عین ممکن ہے کہ سادہ لوح اور غریب مریضوں کو لوٹنے والا مافیا اُنہیں ان سے پوری طرح مستفید ہی نہ ہونے دے اور اس پروگرام کے فنڈز بھی بعض لوگوں کے لئے جلبِ زر کا ذریعہ بن جائیں، اس تمام پروگرام کو بدعنوانیوں سے پاک رکھنا ضروری ہو گا، وزیراعظم کی توجہ اس جانب بھی دِلانا ضروری ہے کہ ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کی ہڑتالیں اور وارڈوں سے غیر حاضر رہنا معمول بن چکا ہے۔ ڈاکٹر بات بات پر ہڑتال کر دیتے ہیں اور ہسپتال سے باہر نکل کر سڑکوں پر ٹریفک بلاک کر دیتے ہیں۔ سینئر ڈاکٹروں سے بدسلوکی کے واقعات بھی عام ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ کسی سینئر ڈاکٹر کو ’’ینگ ڈاکٹروں‘‘ نے اپنی ہڑتال کے دوران مریضوں کے علاج سے روک دیا اور ان سے بدسلوکی بھی روا رکھی، یہاں تک کہ مار پیٹ بھی کی، غریبوں کے لئے یہ پروگرام اسی صورت

فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے، جب اسے ہر قسم کی بد عنوانی سے پاک رکھا جائے اور دیانتدار منتظمین کی نگرانی میں دیا جائے۔ ڈکٹروں کی اصلاح اور ہسپتالوں کی بہتری بھی ضروری ہے۔ وزیر اعظم اگر محکمہ صحت کے کسی افسر کو صرف لاہور کے سرکاری ہسپتالوں کے متعلق ایک جامع رپورٹ تیار رنے کے لئے کہہ دیں تو اُن پر بہت سے ایسے حقائق منکشف ہوں گے، جو ممکن ہے وہ پہلے نہ جانتے ہوں اور یہ سب کچھ پڑھ سُن کر ان کے اوسان خطا ہو جائیں۔ زندگی سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان سانس لے رہا ہو۔ زندگی سے مراد یہ ہے کہ اُس کے پاس تمام تر بنیادی سہولیات ہوں۔ روٹی کپڑا مکان، صحت تعلیم کی سہولتیں میسر ہوں۔ ہمارے معاشرے میں تو جس کو دوائی میسر آ جائے اُسے مراعات یافتہ طبقہ تصور کیا جاتا ہے کیونکہ ہر کسی کے بس میں نہیں ہے کہ اُس کو صحت کی سہولتیں میسر ہوں۔

گلشن اقبال لاہور میں دہشت گردی ننھے معصوم بچے خون میں نہلا دیئے گئے

اِس سرزمین کو نہ جانے اور کتنا لہو چاہیے۔ جنگوں میں تو مردوں کا کون کام آتا ہے لیکن پاکستان کے دُشم،نوں نے پاکستان کے خلاف ایک ایسی جنگ شرور کر رکھی ہے کہ اِس مین ننھے پھول جیسے معصوم بچے لہو میں نہلائے جارہے ہیں۔ آرمی سکول، واہگہ بارڈر لاہور، اوراب گلشن اقبال لاہور۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں پر ننھے نونہالوں نے اپنے خون سے ارض وطن کو سیراب کیا۔

ہمارا مکار دُشمن بھارت پاکستان کو سکون سے نہیں رہنا دینا چاہتا۔ اللہ پاک رحم فرمائے۔ لاہور میں گلشن اقبال پارک میں دھماکے سے بہت زیادہ جانی نقصان ہوا ہے۔ عوام دہشت گردوں کے سامنے نہیں جھکیں گے۔ پاک سرزمین نبی پاک ﷺ کے صدقے ہمیشہ قائم رہے گی۔ لاہور بم دھماکہ راکے ایجنٹ کے پکڑے جانے کا رد عمل بھی ہوسکتا ہے۔ پاک فوج جاگ رہی ہے۔ پاکستانی معاشرے کو آگ میں جلانے والے بھارت میں بھی آگ لگے گی اور بھارت بھی ٹوٹ کر رہے گا۔ ہلاکتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آج ایسٹر بھی تھا اِس لیے بھی پاکستان کے دشمنوں نے پاکستان کو نقصان پہنچایا تھا۔ دہشت گردوں نے یہ اپنی طرف سے سافٹ ٹارگٹ کو نشانہ بنایا۔ لاہور میں تقریباً ایک سال بعد اِس طرح کی دہشت گردی کا واقعہ

ہوا ہے۔پاکستان میں فوج اور رینجرز دہشت گردی کے خلاف سینہ سپر ہے۔ لیکن ایک بات یہ بھی ہے کہ ہمارا دشمن بھارت اسرائیل اور امریکہ ہمیں ہر حال میں الجھاؤ کا شکار رکھنا چاہتا ہے۔پارکوں میں سیکورٹی کو مکمل طور فراہم کرنا بہت مشکل ہے۔ گلش پارک لاہور میں غفلت کی ایک اور انتہا بھی ہے کہ ایک بھی سی سی ٹی وی گلش پارک میں نہیں لگا تھا۔اِن حالات میں صرف سیکورٹی کے لیے انٹیلی جنس رپورٹس پر ہی خود کُش حملوں کو روکا جاسکتا ہے۔پاکستانی عوام کو آزادی کی بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے۔گذشتہ چند ہفتوں سے مسلسل راء خفیہ ایجنسی کا شور ہے۔ اللہ پاک ہمارے وطن پر رحم فرمائے آمین۔ کیونکہ چھٹی کا دن تھا اِس لیے ہسپتالوں میں ڈاکٹروں اور عملے کی نفری کا سامنا بھی رہا۔ جناح ہسپتال اور شیخ زید ہسپتال کیونکہ گلشن پارک کے نزدیک ہیں اِس لیے اِن ہسپتالوں کی طرف رش زیادہ لگا رہا۔ لیکن زخمیوں کی تعداد بہت زیادہ ہونے کی بناء پر ان ہسپتالوں میں سہولیات کا فقدان ہی دیکھنے میں آیا۔ چھٹی ہونے کی بناء ماؤں کے لال چھوٹے چھوٹے بچے سیر کرنے آئے تھے۔اِن ماؤں کی گود اُجڑ گئی ہے۔ جھولے جھولنے کے لیے آنے والے ننھے پھول گلش اقبال میں موت کے جھول جھول گئے۔خادم اعلیٰ کے اپنے شہر میں زخمیوں کے لیے علاج کی سہولیات بھی بہت کم تھیں۔جس طرح کی دہشت گردی کا سامنا پاکستان کو در پیش ہے۔اِن حالات میں تو ہسپتالوں کو ہر وقت ایمرجنسی کے لیے تیار ہونا چاہیے۔گلشن اقبال پارک لاہور میں خود کش دھماکے میں خواتین اور بچوں سمیت 69

افراد جاں بحق ہوگئے۔ 340 سے زائد زخمی ہیں ایسٹر، جشن بہاراں اور اتوار کی چھٹی کی وجہ سے پارک میں لوگوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ شام 6:50 منٹ پر بچوں کے پلے لینڈ میں بمبار نے خود کو دھماکے سے اڑا لیا۔ دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ آواز میلوں دور تک سنی گئی، اکثر زخمیوں کی حالت نازک ہے اور ہلاکتیں بڑھنے کا خدشہ ہے وزیر اعلیٰ پنجاب نے دھماکے پر 3 روزہ سوگ کا اعلان کیا ہے اس موقع پر قومی پرچم سرنگوں رہیگا۔ ایسٹر اور جشن بہاراں کے موقع پر بچوں کا پلے لینڈ ایریا بچوں، عورتوں اور مردوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا شام 6 بجکر 50 منٹ پر ایک خود کش بمبار نے پلے لینڈ ایریا میں داخل ہو کر خود کو دھماکہ سے اسا لیا۔ ہر طرف نعشیں، انسانی اعضاء، خون پھیل گیا جبکہ زخمی چیخ و پکار کرتے رہے۔ دھماکہ کے باعث وہاں موجود افراد خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہر طرف افراتفری اور بھگدڑ مچ گئی۔ واقعہ کی اطلاع ملنے پر پولیس، ریسکیو 1122، ایدھی، فلاح انسانیت فاؤنڈیشن بم ڈسپوزل سکواڈ سمیت دیگر امدادی ٹیمیں موقع پر پہنچ گئیں۔ امدادی ٹیموں نے نعشوں اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا۔ بم ڈسپوزل سکواڈ کے مطابق اس دھماکے میں دیسی ساخت کا 8 سے 10 کلو دھماکہ خیز مواد استعمال کیا گیا۔ واقعہ کے بعد کافی دیر تک پولیس کے اعلیٰ حکام اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس بات کا تعین نہ کر سکے کہ دھماکہ خود کش تھا یا دھماکہ خیز مواد نصب کیا گیا ہے۔ بعد ازاں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے اس دھماکے کو خود کش دھماکہ

قرار دیا گیا۔ پولیس جائے وقوعہ کے اطراف میں قناطیں لگا کر اسکو سیل کر دیا اور فرانزک وین نے موقع پر پہنچ کر شواہد اکٹھے کئے۔ ہسپتالوں میں قیامت صغریٰ کا منظر نظر آ رہا تھا۔ دھماکے کے بعد سرکاری ہسپتالوں کو ہائی الرٹ کر دیا گیا جبکہ محکمہ صحت اور پولیس کی جانب سے زخمیوں کو خون کے عطیات دینے کیلئے اپیل کی گئی۔ پولیس اور لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت امدادی کارروائیوں میں حصہ لیا اور زخمیوں کو طبّی امداد کیلئے ہسپتال منتقل کیا۔ کئی لوگ دھماکے کے باعث اپنے پیاروں سے بچھڑ گئے۔ ڈی آئی جی آپریشنز حیدر اشرف کے مطابق دھماکہ خود کش تھا، معصوم عوام کو ٹارگٹ کیا گیا۔ دھماکہ کے بعد انسانی اعضا دور دور تک بکھر گئے۔ پاک فوج کے جوان بھی گلشن اقبال پارک پہنچ گئے اور کنٹرول سنبھال لیا اور امدادی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ صدر ممنون حسین وزیر اعظم نواز شریف، وزیر اعلیٰ شہباز شریف اور وزیر داخلہ چودھری نثار نے لاہور دھماکے کی مذمت کی ہے یہ ہی مذمت ہی وہ کر سکتے ہیں اور تو اُن سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ وزیر اعظم نے ہدایت کی کہ زخمیوں کو علاج معالجے کی بہترین سہولیات فراہم کی جائیں،۔ بم ڈسپوزل سکواڈ کے مطابق خود کش حملہ آور نے 8 سے 10 کلو وزنی بیلٹ باندھ رکھی تھی۔ دھماکہ کی جگہ سے بال بیرنگ اور لوہے کے ٹکڑے ملے ہیں۔ دھماکے کے بعد پاک فوج کی جیوفیسنگ وہیکل جائے وقوعہ پر آئی۔ وہیکل نے دھماکے کے وقت تمام موبائل کالز کا ریکارڈ حاصل کر لیا۔ ہسپتالوں میں ڈیڈ ہاؤسز اور زخمیوں کیلئے جگہ کم پڑ گئی۔ لاہور

میں مسیحی برادری کو ٹارگٹ نہیں کیا گیا۔ ایسٹر کی وجہ سے مسیحی برادری پارک میں موجود ضرور تھی، سکیورٹی خطرہ تھا لیکن اس مقام کے بارے میں مخصوص اطلاع نہیں تھی کہ گلشن پارک کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ دھماکہ میں کمیونٹی کو ٹارگٹ نہیں کیا گیا گلشن پارک سب پاکستانیوں کا ہے اتوار کی چھٹی کی وجہ سے پارک میں لوگوں کا رش تھا سی سی ٹی وی کیمروں کی ویڈیو حاصل کر لی ہے۔ دھماکے سے متعلق مکمل تحقیقات کی جائیں گی۔ پنجاب حکومت کے مطابق جاں بحق افراد کی لاشیں مختلف ہسپتالوں میں موجود ہیں جناح ہسپتال میں 38، سروسز 6، شیخ زائد 5، فاروق ہسپتال 6، میو ہسپتال میں 5 لاشیں لائیں گئ ہیں۔ سانحہ گلشن اقبال پارک کا مقدمہ تھانہ سی ٹی ڈی میں درج کر لیا گیا ہے۔ کاؤنٹر ٹیررازم ڈیپارٹمنٹ میں دہشت گردوں کیخلاف قتل، اقدام قتل، انسداد دہشت گردی، ایکسپلو سیوایکٹ سمیت دیگر سنگین نوعیت کی دفعات کے تحت مقدمہ درج کرکے تفتیش شروع کر دی گئ ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے لاہور خود کش دھماکے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اس سانحہ پر دل خون کے آنسو رو رہا ہے ہر حال میں دہشتگردوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ میرے بچے، بچیوں اور بہن بھائیوں کو نشانہ بنایا گیا۔ دہشتگرد اپنا انجام دیکھ کر بزدلانہ وار کر رہے ہیں ملک اس وقت قومی یکجہتی کا متقاضی ہے۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف نے لاہور دھماکے کی مذمت اور سانحہ میں ملوث دہشت گردوں اور ان کے سہولت کاروں کو جلد از جلد گرفتار کرنے کی

ہدایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ معصوم بہن بھائیوں کے قاتلوں کو کٹہرے میں لائیں گے۔ دہشت گردوں کو غیر انسانی اقدام نہیں کرنے دینگے اور نہ ہی انہیں آزادی میں مداخلت کی اجازت دیں گے۔ آئی ایس پی آر کے مطابق چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل کی زیر صدارت اتوار کی شب ایک اہم اجلاس ہوا جس میں سانحہ لاہور اور ملک کی مجموعی سکیورٹی کی صورتحال کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ اجلاس کے دوران آرمی چیف کو لاہور دھماکے کی ابتدائی تحقیقات سے متعلق آگاہ کیا گیا۔ اجلاس میں ڈی جی آئی ایس آئی اور ڈی جی ایم آئی سمیت دیگر اعلیٰ افسران نے شرکت کی۔ بے گناہوں، معصوم بہن بھائیوں کے قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں لائیں گے وحشی درندوں کو عوام کی زندگیوں اور آزادی سے نہیں کھیلنے دیا جائے گا۔ وزیراعظم نواز شریف نے سانحہ لاہور کے باعث دورہ لندن منسوخ کر دیا، وزیراعظم کو آج برطانیہ جانا تھا۔ نجی ٹی وی کے مطابق وزیراعظم شیڈول کے مطابق امریکہ کا دورہ کریں گے اور دو روز بعد امریکہ روانہ ہوں گے، ترجمان وزیراعظم ہاؤس کے مطابق اعلیٰ سطح کا طویل اجلاس ہوا جس میں لاہور دھماکے کے بعد سکیورٹی صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔ دہشت گردی کے خلاف سخت ایکشن کے حوالے سے اہم فیصلے کئے۔

پاکستان کو دہشت گردون نے جس بُری طرح یرغمال بنا رکھا ہے۔ پاک فوج نے بھارتی جاسوسوں کے گرداب گھیر تنگ کیا ہے تو یہ لوگ اب ننھے بچوں کو مارنے

پر اتر آئے ہیں۔

آنجہانی سردار شام سنگھ پاکستان سے محبت کرنے والی عظیم ہستی

پاکستان سکھ گوردوارہ پربندھک کمیٹی کے چیئرمین سردار شام سنگھ سی ایم ایچ ہسپتال لاہور میں مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے جن کی آخری رسومات ننکانہ صاحب میں ادا کر دی گئیں، آخری رسومات میں چیئرمین متروکہ وقف املاک بورڈ صدیق الفاروق، اقلیتی ایم پی اے سردار رمیش سنگھ اروڑہ، خالد علی، عمران گوندل، سید فراز عباس، اسحاق، سردار بشن سنگھ، سردار گوپال سنگھ چاولہ، سردار سربت سنگھ، گیانی سردار دیا سنگھ، سردار پریم سنگھ، سردار بلونت سنگھ کے علاوہ سکھ کمیونٹی کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ آخری رسومات کی ادائیگی سے قبل سردار شام سنگھ کی میت کو پاکستانی پرچم میں لپیٹ کر گوردوارہ جنم استھان ننکانہ صاحب لایا گیا جہاں ان کے لئے خصوصی دعا کی گئی اس کے بعد ان کی میت کو شمشان گھاٹ میں آخری رسومات کے لئے لے جایا گیا جہاں آنجہانی سردار شام سنگھ کو سسکار کر دیا گیا۔ سردار شام سنگھ ایک محب وطن پاکستانی تھے انکی پاکستان اور سکھ قوم کے لیے خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔
علاوہ ازیں وزیراعظم نواز شریف نے پاکستان سکھ گوردوارہ پرابندھک کمیٹی کے چیئرمین سردار شام سنگھ کے انتقال پر دکھ کا اظہار کیا ہے۔ وزیراعظم نواز شریف نے سردار شام سنگھ کے لواحقین کے ساتھ اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ شام سنگھ ایک محب وطن پاکستانی تھے،

وزیراعظم نے کہا پاکستان اور دنیا بھر میں سکھ برادری کیلئے سردار شام سنگھ کی خدمات سنہری حروف میں یاد رکھی جائیں گی۔ مجھے لاہور میں پی سی ہوٹل میں معروف صحافی جناب واصف ناگی صاحب کی میزبانی میں ایک سیمینار مین شرکت کا موقع ملا۔اس سیمینار کا عنوان ہم ایک ہیں تھا۔اِس سیمنار میں تمام مذاہب کے نمائندہ افراد اور پاکستان کی تمام سیاسی و مذہبی قیادت کی نمائندگی موجود تھی۔ مقررین میں راقم بھی تھا اور میری نشست جناب سردار شام سنگھ کے ساتھ تھی۔اِس طرح میں اُن کی گفتگو سے مستفید ہوا اور کافی بات چیت کی۔ جناب شام سنگھ نے پاکستان سے محبت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے حوالے سے جس طرح کے جذبات کا اظہار فرمایا اُس جذبے کی عظمت کو سلام پیش کرتا ہوں سردار شام سنگھ کی ایک اور سیمنار میں گفتگو کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو یقینی طور پر اہل پاکستان کے لیے انتہائی طمانیت کا باعث ہے کہ جناب سردار شام سنگھ نے کس محبت کے ساتھ پاکستان اور مسلمانوں کے لیے خیر کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ یہ گفتگو یو ٹیوب پر موجود ہے۔جب سے جناب صدیق الفاروق صاحب وقف املاک بورڈ کے سربراہ بنے ہیں اُس وقت سے جناب شام سنگھ صاحب کی سرگرمیوں کی کوریج پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا میں دیکھنے کو ملتی رہی ہیں۔ شام سنگھ صاحب نے جو باتیں سیمنار میں کیں ۔ شام سنگھ نے کہا تھا کہ جناب آپ مسلمانوں نے پاکستان حاصل کرنے بعداِس کے مشن کو بھلا دیا ہے۔آپ کا نصاب ہی وہ نہیں جو اچھے مسلمان بنا سکے ۔ لگتا ہے کہ آپ نے پاکستان

حاصل کرنے کے بعد اپنا نصاب کسی گہرے سمندر میں پھینک دیا ہے۔ سردار شام سنگھ کا کہنا تھا کہ اے مسلمانوں تم لوگ تو صلاح الدین ایوبیؒ ، محمد بن قاسمؒ، محمود غزنویؒ، اورنگ زیبؒ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ماننے والے ہو۔ جن کی ساری حیاتی انسانوں کے لیے فلاح کی راہ ہے۔ تم لوگ کیونکہ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر نہیں چل رہے اِس لیے تم لوگ پریشانیوں میں مبتلا ہو۔ سردار شام سنگھ کے یہ الفاظ بھی تھے کہ مقبوضہ کشمیر میں جب بھی رائے شماری ہو گی مسلمانوں کا تو مجھے یقین نہیں لیکن مقبوضہ کشمیر کے تمام سکھ پاکستان میں شمولیت کی حمایت کریں گے۔ سردار شام سنگھ کا کہنا تھا کہ پاکستان کی عوام دنیا کی سب سے عظیم قوم ہے۔ سردار شام سنگھ کا کہنا تھا کہ یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے والی اپنے بزرگوں کی باتیں آپ کیوں بھول چکے ہیں۔ سردار شام سنگھ کا کہنا تھا کہ پاکستان بھارت کو پسندیدہ ملک مت قرار دے۔ وہ ملک جو آپ پر جنگ مسلط کرتا ہے اُس کو کیوں پسندیدہ قرار دینے کے لیے بے تاب ہیں۔ سردار شام سنگھ کا کہنا تھا کہ بھارت سے مرغیوں کی خوراک جو پاکستان میں آرہی ہے اُس میں سور ہے۔ اے پاکستانیوں سور کی خوراک پہ پلنے والی مرغیاں مت کھائیں۔ سردار شام سنگھ کے ساتھ راقم نے تصاویر بھی بنوائیں۔ سردار شام سنگھ صاحب کی زندگی پاکستان سے محبت کا مُرقع تھے۔ عظیم پاکستانی سردار شام سنگھ اب ہم میں رہے۔ پاکستانی قوم اِس عظیم محب وطن انسان کو کبھی نہیں بھولے گی۔

سانحہ گلشن اقبال لاہور کے بعد پنجاب میں پاک فوج کا آپریشن

وزیراعظم پاکستان نے سانحہ گلشن اقبال کے بعد جس بے بسی کا انداز اپنایا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وزیراعظم مودی سرکار کے چیلے چانٹوں کے خلاف سخت موقف اپنانے سے گریزاں ہیں۔ رانا ثنا اللہ کی جانب سے ہمیشہ سے پنجاب میں فوج و رینجرز کے خلاف آپریشن کی مخالفت کی گئی ہے۔ پنجاب میں امن و امان کی صورتحال اِس قدر تشویش ناک ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ پولیس کو اپنی مرضی سے ہانکنے والے یہ نام نہاد عوامی نمائندے اپنے بلوں میں چھپے ہوئے ہیں اور دہشت گردوں نے لاہور میں گلشن اقبال لاہور میں قیامت بپا کردی۔ عسکری قیادت جو پہلے ہی جنگ عضب کی وجہ سے کافی حد تک مصروف ہے۔ حالیہ دنوں میں راہ کی جانب سے پاکستان کے خلاف انکشافات نے فوج کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ کردیا ہے۔اِس لیے پنجاب بلکہ پورے پاکستان میں فوج و رینجرز کا آپریشن ناگزیر تھا۔ سانحہ گلشن اقبال پارک لاہور کے بعد آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے حکم پر پنجاب بھر میں پاک فوج، رینجرز اور انٹیلی جنس اداروں نے دہشت گردوں اور انکے سہولت کاروں کیخلاف باقاعدہ طور پر آپریشن کا آغاز کردیا ہے۔ آپریشن کے دوران متعدد دہشت گردوں اور انکے سہولت کاروں کو پکڑ لیا گیا ہے اور بڑی تعداد میں اسلحہ و گولہ بارود برآمد کیا گیا ہے۔ آئی ایس پی آر کے مطابق لاہور دھماکے کے بعد پنجاب میں دہشت

گردوں کے خاتمے کا جائزہ لینے کے لئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے خصوصی طور ہدایات جاری کی ہیں۔ لاہور، فیصل آباد، ملتان میں انٹیلی جنس اداروں نے فوج اور رینجرز کی مدد سے 5 آپریشنز کئے اور مزید اطلاعات پر آپریشنز کا سلسلہ جاری ہے۔ متعدد مشتبہ دہشت گردوں اور انکے سہولت کاروں کو گرفتار کرکے بڑی تعداد میں اسلحہ و گولہ بارود برآمد کر لیا گیا۔ بڑے پیمانے پر کریک ڈاؤن میں 200 سے زائد افراد کو حراست میں لیا گیا۔ عسکری ذرائع کے مطابق آپریشن کی نگرانی خود آرمی چیف کر رہے ہیں۔ آپریشن کے دوران کئی نئے شواہد ملے ہیں۔ فوج، رینجرز اور انٹیلی جنس ایجنسیوں نے پنجاب بھر کے علاوہ صوبے کے ساتھ جڑے تینوں صوبوں کے سرحدی علاقوں میں بھی کریک ڈاؤن کیا گیا۔ کریک ڈاؤن میں اہم کامیابیاں ملی ہیں۔ سانحہ لاہور کے بعد اتوار کو رات گئے تک جی ایچ کیو میں آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی زیر صدارت تفصیلی اجلاس ہوا تھا جبکہ گزشتہ صبح دوسرا اجلاس بھی کئی گھنٹے رہا۔ 24 گھنٹے کے دوران آرمی چیف کی صدارت میں دو اعلی سطح کے اجلاس ہوئے جن میں فیصلہ کیا گیا کہ دہشتگردی میں ملوث کسی شخص سے رعایت برتی جائے گی نہ ہی کسی اثر و رسوخ کو خاطر لایا جائیگا۔ ایک اور ذریعہ کے مطابق سانحہ لاہور میں بھارت کا ملوث ہونا قطعاً خارج ازامکان نہیں، یہ پہلو سامنے رکھا جارہا ہے کہ بھارت نے پاکستان میں اہم جاسوس کی گرفتاری کے رد عمل میں یہ بزدلانہ کارروائی کرائی ہو۔ اجلاس میں اب تک کی معلومات کی روشنی میں آپریشن کی آئندہ کی حکمت عملی

پر غور کیا گیا پہلا آپریشن مظفر گڑھ میں شروع ہوا جس میں کالعدم تنظیم کے 4 افراد جن میں معاویہ، بابر اور عمر فاروق کا تعلق کالعدم سپاہ صحابہ سے ہے دوسرا آپریشن لاہور میں کیا گیا اور متعدد افراد گرفتار کئے گئے۔ فوج اور رینجرز نے تیسرا آپریشن فیصل آباد میں کیا جہاں سے کئی افراد کو گرفتار کرلیا گیا۔ سکیورٹی اداروں نے لاہور سے 7 مشتبہ افراد کو گرفتار کیا۔ پنجاب حکومت نے سکیورٹی اداروں سے کالعدم تنظیموں کے بارے میں معلومات طلب کرلی ہیں۔ سکیورٹی فورسز نے گوجرانوالہ میں کارروائی کرکے مشتبہ افراد کو زیر حراست لے لیا۔ لاہور میں ماڈل ٹاؤن، کوتوالی، باغبانپورہ اور 78 نندی پور کے علاقوں میں آپریشن کرکے مشتبہ افراد کو حراست میں لیا گیا۔ حساس اداروں نے جہلم سے آپریشن شروع کرکے اس کا دائرہ کار گجرات، گوجرانوالہ اور کامونکی، نارووال تک بڑھا دیا۔ کامونکی سے 7 مشتبہ افراد کو گرفتار کرکے تفتیش شروع کی گئی۔ ملتان سے بھی متعدد مشتبہ افراد کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ ذرائع کے مطابق آرمی چیف کی زیر صدارت اعلیٰ سطح کے طویل اجلاس میں کور کمانڈر راولپنڈی، ڈی جی آئی ایس آئی اور ڈی جی ایم آئی بھی شریک ہوئے آرمی چیف نے اعلان کیا ہے کہ معصوم شہریوں کے قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں لائیں گے۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہوں کو حملہ آوروں کی جلد گرفتاری کی ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردوں اور ان کی حمایت کرنے والوں کو جلد پکڑا جائے۔ معصوم بچوں کے قاتلوں کو ہر صورت انصاف

کے کٹہرے میں لایا جائے، وحشی درندوں کو زندگیوں سے کھیلنے نہیں دینگے۔ پنجاب سمیت پورے ملک کو دہشت گردی سے پاک کیا جائے گا۔ انہوں نے ہدایت کی کہ آپریشن میں کوئی اثر و رسوخ برداشت نہ کیا جائے۔ کسی شخص سے رعایت نہ برتی جائے۔ عسکری قیادت نے ہدایت کی کہ آپریشن کے دوران کسی قسم کا سیاسی دباؤ قبول نہ کیا جائے۔ اطلاعات کے مطابق بند روڈ اعوان ٹاؤن لاہور میں پولیس نے سرچ آپریشن کے دوران 21 انتہائی مشکوک افراد کو گرفتار کیا۔ ڈی آئی جی آپریشنز کے مطابق زیر حراست افراد میں سے 2 کا تعلق سوات سے ہے۔ ذرائع کے مطابق پنجاب بھر میں پہلے انٹیلی جنس ایجنسیز کی اطلاعات پر پولیس کارروائی کرتی تھی مگر لاہور کے گلشن اقبال پارک میں ہونے والے دھماکے کے بعد آپریشن کا طریقہ کار تبدیل کر دیا گیا۔ سکیورٹی فورسز نے 5 مختلف کارروائیوں میں 26 دہشتگرد گرفتار کئے۔ آپریشن میں کالعدم تحریک طالبان کے دہشت گرد گرفتار ہوئے کالعدم تنظیموں کے مددگار بھی گرفتار کئے جا رہے ہیں۔ اسلام پورہ لاہور میں حساس اداروں نے کارروائی کرکے 6 مشتبہ افراد کو حراست میں لیا۔ کشمور پولیس نے کچے کی طرف جانے والی کار پر چھاپہ مار کر 3 افراد کو گرفتار کرکے ان کے قبضے سے 8 دستی بم برآمد کئے۔ گرفتارافراد سے 2 ہزار سے زائد گولیاں، 200 جعلی اسلحہ لائسنس بھی برآمد ہوئے ہیں۔ حساس اداروں نے کاہنہ کے علاقہ میں کارروائی کرتے ہوئے دو دہشت گردوں کو گرفتار کر لیا جبکہ پولیس نے شہر کے مختلف علاقوں میں سرچ آپریشن کرتے ہوئے 36 مشکوک افراد

کو گرفتار کرکے تفتیش کے لئے نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا۔ ذرائع کے مطابق حساس اداروں نے گزشتہ روز صبح سویرے کاہنہ کے علاقہ میں بابا ایلو والی مسجد کے قریب گھر پر چھاپہ مارا۔ گوجرانوالہ سے نمائندہ خصوصی کے مطابق ضلع کے داخلی اور خارجی راستوں پر پولیس کی اضافی نفری تعینات کی گئی ہے۔ گشت و ناکہ بندی کے دوران مشکوک گاڑیوں کی چیکنگ کی گئی۔ ضلع بھر میں سکیورٹی ہائی الرٹ اور اہم مقامات کی نگرانی سخت کر دی گئی۔ ضلع بھر میں سرچ آپریشنز کے لئے پولیس کی ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ کرایہ داروں کی خصوصی چیکنگ ہو گی۔ پولیس افسر اور جوانوں کو اہم ہدایات جاری کی گئی۔ خفیہ اداروں کی معاونت سے کھیالی، ماڈل ٹاون، باغبانپورہ، نندی پور اور بھمووالی کے گردونواح میں سرچ آپریشنز کئے گئے اور 78 مشکوک افراد کو زیر حراست لیا گیا۔ بائیو میٹرک تصدیق اور تھانہ کے ریکارڈ کی پڑتال کے بعد زیر حراست اشخاص کو رہا کر دیا گیا۔ ضلع قصور میں دو روز کے دوران 14 مختلف مقامات پر سرچ آپریشن میں 191 کے قریب گھروں کو چیک کیا گیا 327 لوگوں سے پوچھ گچھ کی گئی مشکوک افراد کو مشکوک گردانتے ہوئے باقاعدہ تفتیش کی گئی۔ بہاولپور کے علاقے 18 احمد پور شرقیہ سے بھی کالعدم تنظیم کے کارندے کو حراست میں لیا گیا اس کے علاوہ جہلم، خانیوال، بھکر، ننکانہ، شیخوپورہ سے بھی گرفتاریاں ہوئیں۔ پنڈی بھٹیاں میں پولیس اور خفیہ اداروں نے سرچ آپریشن کے دوران 17 افغان باشندے حراست میں لے لئے۔ سیالکوٹ کے مختلف علاقوں میں بھی سرچ آپرشن کیا

گیا جس میں 80 مشتبہ افراد کو حراست میں لیا گیا۔ پنجاب بھر میں جاری اِس آپریشن کو روکنا نہیں چاہیے اور اِس کا دائرہ کار پورے ملک تک بڑھانا چاہیے۔ پاکستانیوں کے پاس ایک ہی امید ہے وہ ہے پاک فوج۔ اللہ اکبر اور نعرہ حیدری لگانے والی یہ پاک فوج ہی پاک سرزمین کی حفاظت کے لیے قوم کی پہلی اور آخری امید ہے۔

بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے حاضر سروس افسر کل بھوشن یادیو کا ہولناک انکشافات

(Your بھارتی جاسوس کل بھوشن نے بتایا ہے بھارتی اداروں کو بتایا جائے آپ کا بندر ہمارے پاس ہے'' (monkey is with us'' وہ اس کوڈ ورڈ سے سمجھ جائیں گے کہ میں گرفتار ہو چکا ہوں۔یہ وہ بھارت ہے جس سے تجارتی تعلقات قائم کرنے کے لیے پاکستان حکمران مرے جارہے ہیں ۔ یہ وہ بھارت ہے جس نے کشمیر میں دہائیوں سے مسلمانوں کے خون کا بازار گرم کر رکھا ہے۔یہ وہ بھارت ہے جس نے پاکستان میں اسرائیلی اور امریکی آشیر باد سے دہشت گتردی کی انتہا کر دی ہے۔ ہمارے شہر ہمارے گاؤں ہمارے سکول ہماری سیر گاہیں ننھے بچوں کے کھیلنے تک کے میدان بھی محفوظ نہیں ہے۔اِن حکمرانوں کو شالیں بھجوائی جارہی ہیں ۔اِن حکمرانوں کے ہاتھوں سالگرہ کے کیک کاٹے جاتے ہیں۔اِن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ہم ایک ہی ہے ہمارے اور ہندوستان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہیں۔ ہم بھی وہ کدو کھاتے ہیں جو وہ کھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ بھارتی علاقے سے اتنی محبت کی جس جگہ پاکستان میں حکمرانوں نے اپنی رعایا پر حکومت کرنے کے لیے محل بنوا رکھے ہیں اُس کا نام بھی بھارتی علاقے پر جاتی عمرہ رکھ چھوڑا ہے۔ حکمرانوں کا نظریہ اسلام اور نظریہ پاکستان کا کوئی پاس نہیں ہے۔ ہاں اُنھیں تو اپنے کاروبار اور اپنی بادشاہت سے غرض ہے۔ پاک فوج اِن معاشی مینجرز کو صرف اِس لیے برداشت کر رہی

ہے کہ اِن کے علاوہ زرداری صاحب بہت بڑے کاروباری شخص ہیں۔ جناب عمران خان نے پورے پاکستان کے مسترد شدہ اور اقتدار کی ہوس میں مبتلا سیاسدان اپنے گرد اکھٹے کر رکھے ہیں۔اِس لیے اِن حکمرانوں کو پاک فوج نے برداشت کر رکھا ہے۔اللہ پاک اِس ملک کی حفاظت کرنے والی پاک فوج کو صدا سلامت رکھے۔ اب آتے ہیں تاریخ کے بدترین اِس موڑ پر کہ جب ایک انتہائی اعلی بھارتی افسر کی گرفتاری ہوئی ہے اور اُس نے کیا کیا ہولناک انکشافات کیے ہیں۔آئی ایس پی آر نے بلوچستان سے گرفتار بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے حاضر سروس افسر کل بھوشن یادیو کا ''اعترافی ویڈیو بیان'' جاری کر دیا۔پریس کانفرنس کے آغاز میں کل بھوشن یادیو کی ویڈیو دکھائی گئی جس میں اس نے اعتراف کیا کہ بطور ''را'' آفیسر بلوچستان اور کراچی میں دہشت گردانہ کارروائیاں کرواتا رہا ہوں، میں ''را'' کے جوائنٹ سیکرٹری انیل گپتا کے ماتحت ہوں، میرا کام بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کو فنڈز دینا اور ان کے اشتراک سے دہشت گردانہ کارروائیاں کرنا تھا، میری کارروائیاں پاکستان کی قومی سلامتی کے خلاف تھیں، اعترافی بیان میں بھارتی ایجنٹ نے کہا کہ ''میں نے اب تک جو کچھ بھی کہا وہ سب سچ ہے، میں یہ سچ اپنی مرضی سے بنا کسی دباؤکے دے رہا ہوں، میرے مستقبل کے منصوبے میں اقتصادی راہداری منصوبوں کو ناکام بنانا، گوادر، پسنی اور جیونی کی بندرگاہوں کو ٹارگٹ کرنا تھا،3 مارچ 2016ء کو ایران کے ساراوان بارڈر سے پاکستان کی سرحد عبور کرتے ہوئے پاکستانی علاقے میں گرفتار ہوا جب

لگا کہ میرے انٹیلی جنس منصوبے ناکام ہو چکے ہیں تو پاکستانی حکام سے مکمل تعاون کا فیصلہ کیا، بھارتی ایجنٹ نے اعتراف کیا کہ میرا نام کمانڈر کل بھوشن یادیو ہے، میں انڈین نیوی کا حاضر سروس افسر ہوں اور میرا تعلق انڈین نیوی کے ٹیکنکل ڈیپارٹمنٹ سے ہے اور میرا کوڈ نام حسین مبارک پٹیل تھا جو کہ میں نے بھارتی ایجنسیوں کیلئے کام کرنے کی وجہ سے اپنایا، میں نے نیشنل ڈیفنس اکیڈمی 1987ء میں جوائن کی اور اسکے بعد انڈین نیوی میں میری شمولیت جنوری1991ء میں بطور کمیشن افسر تھی، دسمبر2001ء تک خدمات سرانجام دیتا رہا۔ بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ ہوا تو میں نے بھارتی خفیہ ایجنسیوں کیلئے جاسوسی کے فرائض سرانجام دینا شروع کئے۔ ممبئی میں رہتا تھا، میری ریٹائرمنٹ بطور کمشن افسر 2022ء میں ہونی ہے، میں نے 2002ء میں اپنی 14 سالہ نیوی سروس کے بعد 2003ء میں انٹیلی جنس آپریشن شروع کئے، ایران چاہ بہار میں اپنا ایک چھوٹا کاروبار بنالیا، 2003ء اور 2004ء میں اپنے کوڈ نام کے ساتھ کراچی کے وزٹ کئے، بھارتی ایجنسی کیلئے کام کرنے کیلئے نام بدلا، کراچی کے وزٹ کا مقصد انڈین ''را'' کیلئے کچھ بنیادی ٹاسک پورے کرنا تھے۔ مجھے 2013ء کے آخر میں ''را'' میں شامل کرلیا گیا تھا، پاکستان میں موجود رابطوں خاص طور پر بلوچ سٹوڈنٹ تحریک کو ہینڈل کرنا میرا کام تھا، ''را'' کے ایجنٹ نے کہا کہ بلوچ باغیوں کو بہت سارے رابطوں اور طریقوں سے فنڈنگ کی جاتی ہے، بلوچ باغیوں اور ان کے ''را'' میں موجود سرپرستوں کی کارروائیاں

مجرمانہ، قومی سلامتی کے خلاف ہیں جن کا مقصد پاکستانی شہریوں کو قتل کرنا اور نقصان پہنچانا ہوتا تھا۔ ''را'' مستقبل قریب میں بلوچستان میں چند بڑی کارروائیاں پلان کرنا چاہتی تھی، ان کارروائیوں کے متعلق بلوچستان کے علیحدگی پسندوں سے بات چیت کرنا میرا مقصد تھا، اس بار پاکستان میں اس لئے داخل ہوا۔ آن لائن کے مطابق کل بھوشن نے کہا کہ ''را'' نے کراچی اور بلوچستان کو پاکستان سے علیحدگی کا ایجنڈا اور ٹاسک دیا تھا۔ 6 منٹ پر مشتمل ویڈیو بیان میں اس نے کہا کہ را ایجنسی نے 1987ء میں کراچی کے حالات خراب کرنے کی ذمہ دار تھی۔ کراچی میں فرقہ وارانہ تنظیموں کو مدد فراہم کی۔ فنڈز افغان کوریئر کے ذریعے بلوچستان منگوائے جاتے تھے۔۔ کراچی میں فرقہ وارانہ فسادات کروانے کیلئے فورس کی تشکیل سمیت بلوچ علیحدگی پسندوں کو بھی مدد را'' کی طرف سے فراہم کی جارہی ہے، آرمی چیف اور ایرانی صدر کے درمیان '' ملاقات میں ''را'' کی جانب سے پاکستان میں پرتشدد کارروائیوں کیلئے ایرانی سرزمین استعمال ہونے کا معاملہ اٹھایا گیا تھا جو ایرانی صدر نے تحمل سے سنی پاکستان نے ایران کے بارے میں کوئی الزام عائد نہیں کیا لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ نے کہا ہے کہ ''را'' کا اگلا ہدف گوادر ہے جہاں وہ پاک چین اقتصادی راہداری جیسے اہم منصوبے کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے اور بلوچستان میں اہم منصوبے سے منسلک اضلاع میں بدامنی پھیلانا چاہتی ہے۔ عاصم سلیم باجوہ نے کہا کہ ''را'' کے ایجنٹ کی گرفتاری بہت بڑی کامیابی

ہے۔ کل بھوشن سے پہلے انڈین نیوی میں رہے اور بعد میں ان کا تبادلہ ''را'' میں کیا گیا اور پاکستان کے علاقوں بلوچستان اور کراچی میں براہ راست دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث پائے گئے، انہوں نے سکریپ کا کاروبار بھی پاکستان میں شروع کیا اور بعد میں ایران کے چاہ بہار میں جیولری کا کام شروع کیا، کل بھوشن یادیو کو جب پکڑا گیا تو ان کے پاس امریکن، ایرانی اور پاکستانی کرنسی سمیت پاکستان کے مختلف نقشے بھی موجود تھے، آپریٹنگ نیٹ ورک بنا کر یہاں سے لوگوں کو بھی بھارت بھیج کر وہاں سے تربیت حاصل کروانے کے بعد واپس پاکستان بھیج دیا جاتا ہے، کراچی میں چودھری اسلم اور مہران ایئر بیس حملے میں ملوث تھے کراچی میں فرقہ وارانہ بنیاد پر فساد کرنے کیلئے فورس بنانے کی کوشش بھی کی۔ بلوچستان میں بدامنی پھیلانے کے حوالے سے معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ پاکستان میں مداخلت کا اس سے بڑا ثبوت نہیں مل سکتا۔ آئی ایس آئی کا اس میں اہم کردار ہے۔ ایسے ثبوت موجود ہیں کہ وہ انڈین فورس کا حاضر سروس آفیسر ہے۔ عاصم سلیم باجوہ نے کہا کہ تفتیش جاری ہے اور مزید معلومات بھی حاصل ہوں گی عدالت کل بھوشن یادیو کے معاملے کا فیصلہ کرے گی اور سزا کا تعین کرے گی۔ بین الاقوامی برادری سے اپیل ہے کہ وہ اس حوالے سے امتیاز نہ برتے اگر کسی ملک کی دوسرے ملک میں مداخلت ہے تو عالمی برادری اس کا نوٹس لے۔ ''را'' کا نیٹ ورک بے نقاب ہو رہا ہے مزید باتیں سامنے آئیں گی جو میڈیا سے شیئر کی جائیں گی۔ عاصم سلیم باجوہ نے کہا کل

بھوشن پاکستان میں راکے نیٹ ورک کو پھیلا رہا تھا، گوادر کے جس ہوٹل میں چینی باشندے مقیم تھے وہاں بھی بم دھماکہ کرایا، بھارتی جاسوس کے بلوچ لبریشن موومنٹ سے رابطے تھے۔ وفاقی وزیر اطلاعات سینیٹر پرویز رشید کے ہمراہ میڈیا کو بریفنگ دیتے ہوئے ڈی جی آئی ایس پی آر نے بتایا کہ بھارتی خفیہ ایجنسی راکے ایجنٹ کل بھوشن یادیو کو ایرانی سرحد عبور کرتے ہوئے گرفتار کیا گیا۔ عاصم باجوہ نے کہا کمانڈر عہدے کا یہ افسر فوج کے لیفٹیننٹ کرنل کے برابر ہوتا ہے۔ پرویز رشید نے کہا کہ بھارت کے ساتھ معاملے کو اٹھایا ہے۔ جنرل عاصم نے کہا کہ کل بھوشن کا کوڈ نیم ''بندر Monkey'' ہے ان کا کہنا تھا کل بھوشن نے بتایا بھارتی اداروں کو بتایا جائے (Your monkey is with us) ''آپ کا بندر ہمارے پاس ہے'' وہ اس کوڈ ورڈ سے سمجھ جائیں گے کہ میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ مستقبل قریب میں اور موجودہ حلات میں پاکستانی قوم اور فوج کو کس طرح کے چیلنجز کا سامنا ہے اِس کا اندازہ بھارتی جاسوکے اعترافی بیان سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایران اپنی سرزمین پر موجود بھارتی جاسوس راکیش کو پاکستان کے حوالے کرے

ایرانی صدر کے پاکستانی دورے کے دوران ہی راہ ایجنسی کے حوالے سے پاکستان کے متعلق ہولناک خبروں نے ایرانی صدر کے دورے کو پس منظر میں بھیج دیا اور ایرانی صدر کا یہ کہنا کہ بھارت ہمارا دوست ملک ہے اور پاکستان برادر ملک ہے۔ برادر ملک کے خلاف دوست ملک ایرانی سرزمین استعمال کر رہا ہے اور اِس حوالے سے ایرانی حکومت کا چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔ عالمی سطح پر جو چومکھی لڑئی لڑی جارہی ہے اُس میں دیکھ لیں کہ امریکہ بظاہر ایران کا دُشمن لیکن عملی طور پر ایران کا دوست ۔امریکہ بھارت کا دوست ۔ امریکہ بظاہر پاکستان کا دوست اور حقیقت میں دُشمن۔ اِن حالات میں کہ جب بھارتی خفیہ ایجنسی کا اعلیٰ افسر گرفتار ہوا ہے اور ایرانی سرزمین استعمال ہوئی ہے تو ایران کو چاہیے کہ وہ پاکستان کے ساتھ تعاون کرے۔ پاکستان نے ایران سے بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے دوسرے ایجنٹ کو پاکستان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ پاکستان نے کہا ہے کہ ایران بھارتی جاسوس کلبھوشن یادیو کے ساتھی راکیش عرف رضوان کو فوری گرفتار کرکے پاکستان کے حوالے کرے۔ ایرانی سرزمین پر ''را'' کے موجود نیٹ ورک سے آگاہ کیا جائے۔ اس معاملے سے متعلق جو معلومات دستیاب ہیں وہ فراہم کی جائیں۔ ایران میں کلبھوشن یادیو کے قیام سے متعلق بتایا جائے۔ پاکستان نے

ایران سے بھارتی جاسوس کلبھوشن یادیو کی ایرانی سرزمین پر سرگرمیوں کے بارے میں تفصیلات مانگی ہیں۔ حکومت پاکستان کی جانب سے ایرانی وزارت داخلہ کو ریفرنس بھیجا ہے، پاکستان میں ایران کے سفیر مہدی ہنردوست کے ذریعے بھیجے گئے دو صفحات کے اس ریفرنس میں کہا گیا ہے کہ کلبھوشن یادیو عرف حسین مبارک پٹیل اربوں ڈالر کی پاکستان چین اقتصادی راہداری کو ناکام بنانے کی کوشش میں تھا، ایران وہاں موجود "را" کے ایک اور ایجنٹ راکیش عرف رضوان کو پاکستان کے حوالے کرے۔ ایران "را" کی پاکستان مخالف سرگرمیوں کو سنجیدہ طور پر دیکھے۔ پاکستان ایران سرحد کی خود مختاری کیلئے ضروری اقدامات کئے جائیں، توقع ہے کہ ایران پاکستان مخالف سرگرمیوں کا سخت نوٹس لے کر انہیں بند کرائے گا۔ ریفرنس میں کہا گیا ہے کہ تعاون کی صورت میں نہ صرف دونوں ملکوں کے تعلقات مزید مضبوط ہوں گے بلکہ خطے میں دہشت گردی کے واقعات اور بدامنی میں بھی کمی آئے گی۔ قانونی مراسلہ میں پاکستان کے خلاف ایران کی سرزمین کے استعمال ہونے پر شدید تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ایران .برادر اسلامی ملک ہے جس سے یہ توقع نہیں کہ وہ پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے والی کسی سرگرمی کی اجازت دے گا۔ ریاستی سرپرستی میں ایران کی سرزمین استعمال کرتے ہوئے پاکستان مخالف سرگرمیاں پاکستان ایران سرحد پر موجود پرامن ماحول کیلئے نقصان دہ ہوں گی۔ ایران "را" کی پاکستان مخالف سرگرمیوں کو سنجیدہ طور پر دیکھے۔ پاکستان ایران سرحد کی خود مختاری کے لئے

ضروری اقدامات کئے جائیں، توقع ہے ایران پاکستان مخالف سرگرمیوں کا سخت نوٹس لے کر انہیں بند کرائے گا۔ خط میں پہلے تو کلبھوشن یادیو کے بارے میں تفصیلات بتائی گئی ہیں کہ وہ بلوچستان کے علاقے مستی خیل سے گرفتار کیا گیا اس کے پاس بھارتی پاسپورٹ اور ایرانی ویزا تھا۔ بھارت ریاستی طور پر پاکستان کے خلاف دہشتگردی کرا رہا ہے کلبھوشن نے چابہار میں جیولری کا کاروبار شروع کیا اس کا ساتھی راکیش عرف رضوان اب بھی چابہار میں جیولر کا کاروبار کر رہا ہے کلبھوشن نے دوران تفتیش اعترف کیا کہ وہ چاہ بہار سے بلوچستان میں دہشتگردی کرا رہا ہے یہ بات پاکستان اور ایران کیلئے خراب ہے۔ خط کے آخری حصے میں ایران سے 6 مطالبات کیے گئے (1) فوری طور پر راکیش عرف رضوان کو گرفتار کرکے پاکستان کے حوالے کیا جائے۔ (2) کلبھوشن کے قیام، سرگرمیوں اور آمدورفت کا ریکارڈ فراہم کیا جائے۔ (3) کلبھوشن نے ایران کے کن کن شہروں میں سفر کیا اور مقاصد کیا تھے۔ (4) اس کے گروپ میں کتنے لوگ شامل ہیں ان کے بظاہر کیا کاروبار ہیں۔ (5) ایرانی سرزمین پر را کا نیٹ ورک کیا ہے (اگر کوئی دوسری تفصیل ہے تو وہ بھی بتائی جائے۔ (6

پاکستان نے کہا ہے کہ گرفتار بھارتی جاسوس کل بھوشن یادیو کا معاملہ عالمی سطح پر اٹھایا گیا ہے، دنیا نے کل بھوشن یادیو کے اعترافی بیانات خود سنے اور دیکھے ہیں، بھارت نے اپنی خفیہ ایجنسی ''را'' کے گرفتار افسر تک قونصلر

رسائی کی درخواست دی ہے اور بھارتی درخواست پر غور کر رہے ہیں، سیکرٹری خارجہ سطح کے مذاکرات کیلئے دونوں ملکوں کے درمیان رابطے جاری ہیں، افغانستان میں پائیدار امن واستحکام کیلئے چار فریقی گروپ سنجیدہ کوششیں کر رہا ہے۔ دفتر خارجہ کے ترجمان محمد نفیس زکریا نے ہفتہ وار بریفنگ کے دوران صحافیوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ بھارت کے نہ ماننے سے فرق نہیں پڑتا، کل بھوشن یادیو خود تسلیم کر چکا ہے کہ وہ ''را'' کے افسر کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے۔ یادیو کے اعتراف سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی ہے کہ بھارت پاکستان میں تخریبی کارروائیوں کیلئے فنڈز فراہم کرتا رہا ہے۔ یورپی یونین، اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کے پانچ مستقل رکن ملکوں کو اس سلسلے میں تفصیلی بریفنگ دی گئی ہے۔ سلامتی کونسل کے پانچ مستقل رکن ملکوں اور یورپی یونین کے سفیروں کو بھارتی دہشت گرد کلبھوشن یادیو کی گرفتاری اور پاکستان میں دہشت گردی کی سرگرمیوں کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے۔

موجودہ حالات میں جب کے پاکستان دہشت گردی کی وجہ سے لہو لہو ہے۔ اور بھارتی ایجنسی راہ کی پاکستان کے خلاف کاروائیاں واضع ہو چکی ہیں۔اِس مقصد کے لیے ہمارے ہمسایہ اور برادر اسلامی ملک ایران کی سرزمین کو استعمال کیا جانا کافی تکلیف دہ ہے پاکستانی عوام کے لیے۔اِس حوالے سے پاکستان اور ایران دونوں حکومتوں کو حالات کی نزاکت کا خیال رکھنا چاہیے۔

پنجاب بلک سروس کمیشن یا مذاق کمیشن۔ شہباز کی پرواز کہاں ہے

صوبے کی اعلیٰ سروسز کے لیے پنجاب پبلک کمیشن برسوں سے امتحان لے رہی ہے۔ لیکن تاریخ نے عجب تماشہ دیکھا کہ معروضی امتحان کا رزلٹ تئیس دن گزرنے کے بعد تبدیل کر دیا گیا۔اس سطح پر ہونے والے امتحان میں جو کہ انتہائی تجربہ کار اور سنئیر ترین افراد کی ٹیم کی زیر نگرانی ہوتا ہے میں اِس طرح کی عجیب و غریب روش سے اِس ادارے کی کریڈیبیلٹی پر بہت سے سوالات اُٹھ رہے ہیں۔ جنابِ وزیر اعلیٰ جو کہ کافی بھاگ دوڑ کرتے رہتے ہیں اور اُن کی آنیاں جانیاں واقعی قابل ستائش ہیں۔ اُن کے صوبے میں اِس طرح کا واقعہ بہت سے سوالات کو جنم دئے رہا ہے۔پہلی بار پنجاب پبلک سروس کمیشن نے مقابلے کے امتحان کا23 روز بعد معروضی امتحان کا نتیجہ تبدیل کرکے مزید11 امیدواروں کو پاس کر دیا۔ پرووِنشیل مینجمنٹ سروس کے گریڈ17 کے افسران کی بھرتی کے لیے ہونے والے امتحانات کا نتیجہ 23 روز کے بعد تبدیل کر دیا۔ پنجاب پبلک سروس کمیشن نے دسمبر میں پیپر لیے اور 9 مارچ کو نتائج کا اعلان کرتے ہوئے 229 طلبہ کو کامیاب قرار دیا۔ جن کے سائکلو جیکل ٹیسٹس کے بعد 21 مارچ سے انٹرویو کا آغاز کیا۔ لیکن اب 23 روز گزرنے کے بعد مزید11 افراد کو پاس کر دیا گیا۔ پنجاب پبلک سروس کمیشن کی ویب سائٹ کے مطابق ان 11 امیدواروں نے ری چیکنگ کی درخواست کی تھی۔ پہلے

پاس ہونے والے طلبہ نے کہا کہ معروضی پیپر میں کس طرح ری چیکنگ کے ذریعے سے کسی کو پاس کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے وزیر اعلی پنجاب سے اپیل کی ہے کہ فوری طور پر اس کا ایکشن لیتے ہوئے اصل حقائق منظر عام پر آ سکیں۔

جناب وزیر اعلیٰ اگر پنجاب پبلک سروس کمیشن جیسے ادارے کے حوالے سے لوگوں کے اندر شکوک و شبہات جنم لینا شروع ہو جائیں تو پھر سب کچھ برباد ہی تو ہو گیا۔ اِس لیے اِس طرح کے اقدامات اُٹھائے جانے ضروری ہیں کہ عوام یہ بات مان سکے کہ پنجاب پبلک سروس کمیشن میں کوئی مذاق نہیں ہو رہا۔ اللہ پاک ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

ذوالفقار علی بھٹو۔ پاکستانی سیاست کی سحر انگیز شخصیت

تاریخ عالم کا یہ مشاہدہ ہے کہ لوگ اپنے ماضی سے منسلک رہتے ہیں۔ پاکستانی اپنی جبلت اور رسومات میں بندھے ہوئے ہیں۔ پاکستانی سیاست کے انداز کچھ اِس طرح کہ ہیں کہ خاندانی پس منظر کا پاکستان میں بہت ہی زیادہ عمل دخل ہے۔ جب بھی کبھی پیپلز پارٹی کے ایسے کارکنوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے جن کے دل بھٹو کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں تو مجھے اُن کے اِس جذبے پر رشک آتا ہے کہ بہار ہو یا خزاں، مارشل لاء کا دور ہو یا جمہوریت کے ایام۔ پیپلز پارٹی کے جیالے ہر دور میں بھٹو سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ انسانی آزادیوں کے حوالے سے بھٹو نے جو جذبہ شوق پاکستان کے طول و عرض میں رہنے والوں کے دل میں پیدا کیا اُس کی مثال حضرت قائدِ اعظمؒ کے بعد دی جاسکتی ہے۔ ہم بھٹو صاحب کی سیاست سے اختلافات کر سکتے ہیں میری دانست میں ذوالفقار علی بھٹو کی طلسماتی شخصیت نے پاکستانی سیاست کو ہنوز اپنی گرفت میں رکھا ہوا ہے۔ نواز شریف نے مسلم لیگ کو پھر عوامی جماعت بنایا اور پیپلز پارٹی کے مخالف کیمپ کو پنی سیاست کا محور بنایا جس کی وجہ سے گذشتہ تین دہائیوں سے نواز شریف کی سیاست کا طوطی بول رہا ہے لیکن جس طرح سے گزشتہ دو دہائیوں سے عمران خان نے محنت کی اور سیاست میں نواز شریف کے حلقہ اثر کو کو اپنی طرف ترغیب دی۔ بھٹو سیاست کا کرشمہ سرچڑھ کر بول

رہا ہے۔ بھٹو کو اپنی سیاست کے انداز کو جلا بخشنے کا موقع ایوب کے دور میں ملا جب بھٹو نے غریب کے لیے آواز بلند کی۔ عام آدمی کو قوتِ گویائی بخشی بھٹو سیاست نے پاکستان میں دھوم مچادی۔ بھٹو نے ایک لاکھ کے قریب پاکستانی قیدیوں کو ہندوستان سے رہائی دلوائی اور اسلامی سوشلزم کو غریب کی منزل قرار دے دیا۔ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد قوم کی روح چھلنی تھی بھٹو نے اسلامی سربراہی کانفرس لاہور میں منعقد کرکے مسلم دُنیا کے اتحاد کی داغ بیل ڈالی۔ نجی اداروں کی بدترین کارکردگی کی بناء پر نیشنلائزیشن کی پالیسی شروع کی جس سے وقتی طور پر تو عوام نے بہت جوش کا مظاہرہ کیا لیکن بعد ازاں حکومتی اداروں کی بدترین کارکردگی نے یہ ہی قومیائے گئے ادارے عوام کے لیے سوہانِ روح بن گئے۔ بھٹو کی مقبولیت نے جنوبی اشیاء میں دور رس اثرات چھوڑے کیونکہ قومی اسمبلی اور عوامی اجتماعات میں بھٹو کی تقاریر نے سماجی طور پر آمریت کی پسی ہوئی قوم کو ایک نئی زبان بخشی۔ 1973 ء کا متفقہ آئین بھٹو کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اِس آئین کو بنانے والی اسمبلی میں ہر طبقہِ فکر کی نمائندگی تھی اور اِس متفقہ آئین نے پاکستانی فیڈریشن کو ایک قومی دھارے میں رکھنے کا کردار ادا کیا۔ دوسری طرف بھٹو نے ختم نبوت کا قانون اسمبلی سے منظور کرواکر پوری دُنیا کے مسلمانوں کے دل جیت لیے۔ بھٹو کی معاشی طور پر مضبوطی کے خواب نے کہ اپنی قوم کو امریکہ کی بجائے سوشلزم بلاک کی طرف رغبت دلائی۔ اسی لیے امریکہ بہادر کو پاکستان کے خلاف اقدامات

کرنے پر مجبور کردیا یوں علاقے کا تھانے دار بننے کے زُعم میں بھٹو کی حکومت کو.بر طرف کرکے آمریت مسلط کردی اور اِس ضیاء کی آمریت نے روس کے خلاف امریکہ کی بھرپور معاونت کی اور روس پارہ پارہ ہوگیا۔لیکن جیسے ہی امریکی مقاصد پورے ہوئے توامریکہ نے افغانستان کو بھی اکیلا چھوڑ دیا اور پاکستان کو بھی اور سب سے .بڑھ کر یہ کہ اپنے مفادات کے تحفظ پر مامور جنرل ضیاء کو ایک حادثے میں مروادیا۔ یوں پاکستان کی سرزمین امریکی مفادات کی آمجگاہ بنی رہی بھٹو نے بہت کوشش کی کہ پاکستان کو آزاد معاشی نظام یعنی سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت سے بچانے کی بھرپور کوشش کی اور ایران اور عرب دُنیا سے تعلقات کو بہتر بنانے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ضیاء جس نے بھٹو کو پھانسی دلوائی اور بھٹو خاندان کو بعد ازاں بہت سی مشکلات کا سامنا کرناپڑا۔ بھٹو خاندان کی موت غیر طبعی ہوئی ماسوائے نصرت بھٹو جس نے بہت عرصہ خود فراموشی میں گزارااور کومے کی حالت میں ہی اگلے جہان سدھار گئی۔ شاہ نواز کی موت شام میں ہوئی، مرتضی کی موت اپنے بہن کے اقتدار کے دنوں میں ہوئی اور بے نظیر بھی لیاقت باغ میں گولیوں سے چھلنی کردی گئی۔ بے نظیر اپنے باپ کی پھانسی کے بعد جس طرح ایک آہنی خاتون کے طور پر پاکستانی سیاست میں نمودار ہوئیں اور جس طرح ضیاء کی موت کے بعد پاکستانی سیاست میں بھونچال بپا کر گئی اُس نے بھٹو کی سیاست کو پھر سے زندہ کردیا اور بے نظیر وزیراعظم کے طور پر منتخب ہوگئیں۔ بے نظیر نے اپنے باپ کی مانند پاکستان کو

ایٹمی پاکستان بنانے کے سفر کو جاری رکھا۔ اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر کوئی کمپرومائز نہ کیا۔ نواز شریف کی سیاست کا مرکز و محور آغاز میں بطور ضیاء کے جانشین کے طور پر تھا لیکن بعد ازاں پاکستان میں دائیں بازو کے حلقے کا نمائندہ بن گئے اور بے نظیر لیفٹ ونگ کی سربراہ۔ بے نظیر نے دو ادوار بطور وزیر اعظم گزارائے اور بے نظیر کی حکومت کا انداز اینٹی اسٹیبلیشمنٹ رہا یوں سول و ملٹری بیورو کریسی کے ساتھ بے نظیر حکومت کے تعلقات پنپ نہ سکے اور بے نظیر کے ادوار میں ملک کو معاشی طور پر بھی سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ نواز شریف اور بے نظیر کے ادوار پاکستان میں بہت زیادہ الزامات کے سیاست کے زیرِ اثر رہے اور اِسی اثناء میں نواز شریف نے موٹر وے بنوائی اور ایٹمی دھماکے بھی کر ڈالے۔ یوں نواز شریف جو کہ ہمیشہ سول ملٹری اسٹیبلیشمنٹ کی انکھوں کا تارا رہے اُن کی حکومت کو 12 اکتوبر 1999 کو جنرل مشرف نے ختم کر ڈالا۔ نواز شریف کی حکومت کے خاتمے سے پہلے ہی بے نظیر کو سیاسی طور پر ہراساں کرنے کے لیے مختلف قسم کے مقدمات میں پھنسا دیا گیا یوں بے نظیر کو مجبوراً جلا وطنی اختیار کرنا پڑی۔ مشرف حکومت گجرات کے چوہدریوں اور راولپنڈی کے شیخ رشیدوں کی مرہونِ منت رہی اور ملک میں نائن الیون کی بناء پر دہشت گردی کا بدترین تحفہ دے گئی۔ بے نظیر کی پاکستان آمد مشرف کے ساتھ ایک این آر او کے تحت ہوئی اور بے نظیر کے ساتھ نواز شریف کے ہونے والے لندن میں معاہدۂ میثاقِ جمہوریت کی بدولت

نواز شریف کو پاکستان میں لانے کے لیے بے نظیر نے مشرف کو مجبور کر دیا۔ مشرف کی خواہش تھی کہ بے نظیر اور نواز شریف پاکستان نہ آتے تاکہ مشرف کی حکومت چلتی رہتی لیکن بے نظیر نے قائدانہ صلاحیتوں کا بھر پور اظہار کیا اور مشرف کو مجبور کر دیا کہ وہ نواز شریف کو آنے سے نہ روکے۔ یوں مشرف کی حکومت کے خاتمے کی داغ بیل رکھ دی گئی اور بے نظیر باوجود دھمکیوں کے، پاکستان پہنچ گئی لیکن بے نظیر کے دشمنوں نے بے نظیر کو لیاقت باغ میں شہادت کے رُتبے پر سرفراز کر دیا۔ یوں وفاق کی علامت بھٹو کی نشانی بے نظیر شہید ہو کر امر ہو گئی لیکن پاکستان کی وحدانیت پر آنچ نہ آنے دی۔ نواز شریف نے بے نظیر کی شہادت پر بے نظیر کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور محترمہ کو اپنی بہن قرار دیا۔ یوں ساٹھ کی دہائی میں ذوالفقار علی بھٹو کی کرشاتی شخصیت نے پاکستانی سیاست کو ایک نئے انداز سے ہم آہنگ کیا تھا اور بے نظیر نے خود کو اپنے باپ کی سیاسی وارث ثابت کر دیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت بھٹو کے نام کے گرد ہی گھومتی ہے۔ برصغیر پاک وہند میں موروثی سیاست کی جڑیں بہت مضبوط ہیں اِس لیے پاکستان میں بھٹو خاندان اور بھارت میں اندرا گاندھی کے خاندان بنگلہ دیش کی خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد موروثی سیاست کی مثالیں ہیں۔ پاکستان میں جس طرح سے پیپلز پارٹی نے سیاست کی اور جس انداز میں بھٹو کی کرشاتی شخصیت نے حکمرانی کی ہے اِس بات کا اعادہ کرنا ضروری ہے کہ پاکستان میں پی پی کی سیاست میں فعالیت کا دارومدار بھٹو نام پر ہے۔ جو بھی

پیپلز پارٹی کی سیاست میں بھٹو نام کے علاوہ پی پی کے نام پر سیاست کرنے کی کوشش کرتے رہے وہ زیرو ہوتے چلے گئے۔ لیکن ایک بات طے ہو چکی ہے کہ شائد بے نظیر کے بعد کے حالات اب پارٹی کے لیے بہتر نہیں رہے۔ کوئی کیسے اندازہ کر سکتا تھا کہ پیپلز پارٹی جس نے عشروں تک لوگوں کے دلوں پر حکومت کی آخر ایک دن غریب الوطنی کا شکار ہو جائے گی۔ حریت، جمہوریت کی دعوے دار پیپلز پارٹی اب صرف سندھ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ کراچی کی سیاست میں ایم کیو ایم کے ہوتے ہوئے پیپلز پارٹی کی نفوس پذیر نہیں رہی۔ تحریک انصاف نے بھی کافی زور لگایا لیکن چونکہ کراچی مین ووٹ بھی پول بہت کم ہوئے جس کا فائدہ عمومی طور پر ایم کیو ایم کو گیا۔ ایم کیو ایم ایک حقیقت ہے۔ پاکستانی تاریخ میں بھٹو خاندان کی سیاست میں قربانیوں کی ایل لازوال داستان ہے۔ بھٹو سے لے کے بلاول زرداری تک پیپلز پارٹی نے جو سفر طے کیا ہے اُس حوالے سے عام تاثر یہ ہی ہے کہ جناب آصف زرداری کی وجہ سے پیپلز پارٹی کے لوگ نالاں ہیں۔ پنجاب میں بھی ایک پیدائشی مسلم لیگی کو پارٹی کا پنجاب کا صدر بنا ہوا ہے۔ گیلانی صاحب جو کہ زرداری صاحب کے دور میں وزیر اعظم رہے وہ بھی ضیا الحق کی کابینہ کے منسٹر تھے۔ یوں دورنگی سیاست نے پیپلز پارٹی کے حقیقی کارکنوں کو بد دل کیا۔ سوائے سندھ کے حالیہ بلدیاتی انتخابات میں پیپلز پارٹی مزید سکڑتی چلی گئی ہے۔ پارٹی میں شائد کشش بھی کھوئی سی ہے۔ اِس حالات کا ذمہ دار کون ہے۔ یہ کام ظاہری بات ہے پارٹی رہنماؤں کا ہے کہ وہ سر جوڑ کر

غور فرمایں کہ پارٹی کے کارکنوں کا مورال کیوں گر رہا ہے۔

چیف جسٹس عدلیہ کی کارکردگی سے نالاں

عوام انصاف کیلئے دیگر ذرائع تلاش کر رہے ہیں "' نظام عدل بے ثمر ہوتا جا رہا ' ہے۔ چیف جسٹس آف پاکستان عدلیہ کی کارکردگی سے نالاں یہ ہیں ہمارے چیف جسٹس آف پاکستان جناب انور ظہیر جمالی کے تاثرات۔ جس ملک کے چیف جسٹس صاحب یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ عدلیہ کی کارگردگی درست نہ ہے۔اور ساتھ یہ بھی کہہ ڈلیں کہ مجرموں کو سزائیں نہ ملنے سے ملک میں انصاف کی بے توقیرہ ہو رہی ہے۔ تواِس سے اندازہ لگالیں کہ ملک میں عدلیہ کے حالات کیسے ہیں۔ چیف جسٹس انور ظہیر جمالی نے کہا ہے کہ ریاست میں انصاف کی فراہمی کو ممکن بنانا عدلیہ کی ذمہ داری ہے، آئینی اقدار کی بے توقیری ہو رہی ہے، شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کے بارے میں عدلیہ کی کارکردگی بہتر نہیں ہے، کمزور پراسیکیوشن اور ناقص تفتیش کے باعث عدالتیں جرائم پیشہ عناصر کیخلاف موثر کارروائی کرنے سے قاصر ہیں، مجرموں کو سزائیں دینے کی شرح میں کمی تشویش کا باعث ہے جس سے عدالتی نظام اور پر منفی اثرات مرتب ہورہے ہیں، عوام کا اعتماد متزلزل ہو رہا ہے ہمیں اپنی صفوں سے بدعنوانی اور مجرمانہ طرز عمل ختم کرنا ہوگا، یہ بات خوش آئندہ ہے کہ پولیس نے جرائم روکنے کیلئے معلومات اکھٹی کرنے کا سلسلہ شروع کردیا ہے، ملک کو بدعنوانی، اقربا پروری، دہشت گردی سمیت دیگر چیلنجز کا سامنا ہے اس

کیلئے اداروں کو مضبوط اور جدید بنانے کے لئے ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے، صوبائی انصاف کمیٹیاں انصاف کی مناسب حدتک فراہمی کیلئے بنیادی عنصر ہیں انصاف کے نظام کو موثر بنانے کیلئے پالیسی، پلاننگ، مانیٹرنگ، اصلاحات میں باہمی تعاون ضروری ہے، معیاری انصاف کی فراہمی کیلئے قانون سازی اور ٹھوس اقدامات کے بارے میں سوچنا حکومت کا کام ہے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ہم گزشتہ کئی سالوں سے انتہائی مشکل دور سے گزر رہے ہیں، ہمارا فوجداری نظام انصاف دہشت گردی، تشدد اور بدعنوانی کے چیلنجز سے نبرد آزما ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے صوبائی انصاف کمیٹیوں کی پہلی کانفرنس سے خطاب میں سزاؤں کی کم شرح ہم سب کیلئے باعث تشویش ہے، اس سے نہ صرف اداروں کی انفرادی کارکردگی بلکہ پورے عدالتی نظام پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں، چونکہ کوئی ایک ادارہ از خود سزایابی کی شرح میں تبدیلی نہیں لاسکتا ہے، اسلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ شعبہ انصاف سے وابستہ تمام ادارے باہم ملکر مربوط کوشش کریں، ہمیں ادارہ جاتی بدانتظامی اور نااہلیت کو کم کرنا ہے، جو ہماری آئینی اقدار، قانون کی حکمرانی اور خدمات کی فراہمی کے نظام کی بے توقیری کا باعث بن رہی ہے، ہمیں اپنے اداروں کو جدید بنانے کے لئے ٹھوس اقدامات اٹھاتے ہوئے انفارمیشن ٹیکنالوجی، خصوصی مہارت میں اضافہ اور تربیتی نظام کو بہتر اور قابل عمل بنانا ہوگا، فوجداری نظام انصاف دہشت گردی اور بدعنوانی کے چیلنجز سے نبرد آزما ہے، مقننہ نے اس حوالہ سے اپنی بصیرت کے مطابق

اقدامات اٹھائے ہیں، انتظامیہ بھی محدود وسائل سے اس قسم کی دردناک صورتحال سے نبردآزما ہے لیکن شعبہ انصاف سے وابستہ ہم لوگوں کو بھی اپنے دائرہ اختیار اور بساط کے مطابق دستیاب وسائل میں اس منظر نامہ کا کوئی حل نکالنا چاہیئے۔ چیف جسٹس نے کہاکہ انصاف کی فراہمی میں ناکامی عوامی اعتماد کو متاثر کر رہی ہے‘ عوام انصاف کیلئے دیگر ذرائع تلاش کر رہے ہیں‘ نظام عدل بے ثمر ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری سوسائٹی میں اگر صورتحال دیکھی جائے تو وطن پاک میں انسانی حقوق کی پامالیوں کی دردناک داستانیں ہیں۔ خاص طور پر دیہاتی علاقوں، گوٹھوں اور دورافتادہ علاقوں میں تو انوکھا راج ہے۔ وڈیرہ، جاگیردار، تھانیدار یہ ہیں لوگ جو عام انسان کا جینا دوبھر کیے ہوئے ہیں۔ جس جمہوریت کا راگ الاپا جاتا ہے اُس میں کامیاب صرف وڈیرے اور جاگیردار، سرمایہ دار ہیں۔ اگر راہبر ہی راہزن ہیں تو پھر قافلے کے مقدر میں تو لٹنا ہی ٹھر گیا ہے۔ انسان کتنا مجبور ہے اس کا اندازہ اُن کرائم رپورٹوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ جن کے مطابق قتل، ڈاکہ زنی، اغوا عام ہو چکا ہے۔ عوام کو تحفظ دینے والی پولیس کو اس جاگیردانہ، وڈیرہ شاہی نے کرپٹ کرکے اپنے زیر اثر رکھا ہوا ہے۔ اب غریب عوام کی حالت یہ ہے کہ کھل کے جی بھی نہ سکیں اور موت بھی نہ آئے۔ حالیہ کچھ عرصے سے یہ بات شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ ایڈیشنل سیشن جج صاحبان بطور جسٹس آف پیس جو حکم جاری کرتے ہیں پولیس اُس کی تعمیل میں لیت و لعل سے کام لیتی ہے۔ اور 22A , 22B, کے قانون کی روح

کو پامال کرتی ہے۔پولیس کی طرف سے جسٹس آف پیس کے احکامات کی بروقت بجا آوری نہ ہونے سے عدلیہ کی طاقت پر بھی اُنگلیاں اُٹھ رہی ہیں۔جب جج صاحب کے فیصلے پر عمل درآمد ہی نہ ہو تو پھر فیصلہ جتنا بھی اچھا ہو اُسکی اہمیت اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ہے۔۔ اس لیے ضروری ہے کی پولیس کو ہر قسم کے سیاسی کنٹرول سے آزاد کر دیا جائے۔ایس ایچ او کی تعیناتی صرف اور صرف میرٹ پر ہو۔ پولیس نے اپنے نجی ٹارچر سیل بنا رکھے ہیں اور تھانے کے ساتھ ساتھ ایک اور متوازی تھانے کا نظام بھی قائم کر رکھا ہے۔ انصاف ہوتا نظر تو تب آے گا جب حکومتی مشینری عوام کو انسان تصور کرے گی۔ اس ضمن میں یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ پولیس محتسب کا محکمہ قائم کیا جائے پولیس کے ظلم و ستم کے خاتمے کے لیے پولیس محتسب کو اختیارات دیئے جائیں۔ پولیس افسران کی ناجائز جائیدادوں کا پتہ چلا کر اُن کو ضبط کیا جائے۔ پولیس کے نظام کی سوچ بدلنے کی ضرورت ہے۔جب تک جائیدادیں بنانے کی دوڑ لگی ہوئی ہے پولیس کے محکمے سے کرپشن ختم نہیں ہو سکتی۔ پولیس کا احتساب ہونا چاہیے وہ بھی اس طرح کی ہر پولیس افسر کی بیلنس شیٹ تیار ہو۔ ذرائع آمدنی ، سماجی مقام، اخراجات اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کا پتہ چلانا چاہیے۔ دین اسلام ایک ضابطہ حیات ہے لیکن نہ جانے کیوں ہمارے معاشرے میں روحانی انداز پنپ نہیں سکا۔ ہمارے قانونی ڈھانچے میں آخر اتنی لچک کیوں نہیں کہ معاشرے میں رواداری کو فروغ مل سکے۔ اگر کریمنل پروسیجر کوڈ کی متذکرہ شقوں پر اُس کی روح کے

مطابق عمل ہو تو پھر کسی طور بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو سکے گی۔ اِس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اگر خیبر پختون خواہ میں آن لائن ایف آر کا نظام شروع کیا جاسکتا ہے تو پھر پنجاب جس کی آبادی دس کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے وہاں اِس نظام کو لاگو کیوں نہیں کیا جاسکتا۔ پولیس صرف اِس لیے ایف آئی کا اندراج نہیں کرتی کہ اُسے اِس کیس کی پھر انوسٹی گیشن کرنا پڑے گی۔ یا پھر لوگوں کو ذلیل کر کے دونوں پارٹیوں سے پیسے بٹور کر یہ کام کیا جاتا ہے۔ ملک میں انصاف کے تقاضے پورے نہ ہونے بلکہ انصاف کی جو بُری حالت ہے اُس حوالے سے چیف جسٹس کا یہ فرمان کہ لوگا عدلیہ سے مایوس ہو کر انصاف کے لیے اور ذرائع کی تلاش میں ہیں۔ حکمرانوں کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے۔

پاناما لیکس اور پاکستانی شریف حکمران

پاکستانی میڈیا میں اِس وقت پاناما لیکس کے حوالے سے بہت شور ہے۔ دوسرے ممالک سے سرمایہ کاری اپنے ملک میں کروانے کے لیے شور مچانے والے حکمران خود پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے کی بجائے دنیا کے دیگر ممالک میں سرمایہ کاری کیے ہوئے ہیں۔ قانونی ماہرین کا کہنا ہے آف شور کمپنیاں ٹیکس سے بچنے کیلئے یا کالے دھن کو سفید کرنے کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ آف شور کمپنی کی آنر شپ چھپانا بہت بڑا جرم ہے اگر کسی نے پاکستان میں ٹیکس ادا نہیں کیا اور رقم باہر لے گیا ہے تو اسے قانون کی گرفت میں لیا جاسکتا ہے۔ مختلف ممالک میں مختلف قوانین ہیں آف شور کمپنیاں عموماً ان ممالک میں بنائی جاتی ہیں جہاں ٹیکس نہیں لاگو ہوتا۔ تاریخ کے بڑے انکشاف پاناما پیپرز میں نام آنے کے بعد پاکستان کے وزیراعظم محمد نواز شریف کے اہل خانہ نے پیر کو اپنی آف شور یعنی بیرون ملک کمپنیوں کی ملکیت کا دفاع کیا ہے۔ پاناما کی لا فرم موساک فونسیکا میں نامعلوم ذرائع نے واشنگٹن میں قائم انٹرنیشنل کنسورشیئم آف انویسٹیگیٹو جرنلسٹس (آئی سی آئی جے) نامی ایک تنظیم کو فرم کی ایک کروڑ 15 لاکھ دستاویزات فراہم کی ہیں جن سے معلوم ہوا ہے کہ دنیا کے طاقتور ترین افراد نے اپنا پیسا بیرون ملک بھیج رکھا ہے۔ یہ فرم ایسے افراد

کو پیسے کی بیرون ملک سرمایہ کاری میں معاونت فراہم کرتی تھی۔ان افراد میں وزیراعظم نواز شریف اور ان کے تین بچوں، مریم، حسن اور حسین کے نام شامل ہیں۔ ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بیرون ملک کمپنیوں کے ذریعے لندن میں جائیداد کے مالک ہیں۔اس انکشاف کے بعد حزب اختلاف کے رہنما عمران خان نے نواز شریف کے خلاف فوری کارروائی کا مطالبہ کیا۔انھوں نے سماجی رابطے کی ویب سائیٹ ٹوئٹر پر لکھا کہ ''بیرون ملک نواز شریف کی دولت کا انکشاف ہونے سے ہمارے مؤقف کی ایک مرتبہ پھر تصدیق ہوئی ہے۔'' عمران خان نے متعلقہ اداروں سے کارروائی کا مطالبہ کیا۔تاہم نواز شریف کے صاحبزادے حسین نواز نے نجی ٹیلی وژن چینل جیو کو بتایا کہ ان کے اہل خانہ نے کچھ غلط نہیں کیا اور نہ ہی لندن میں جائیداد اور بیرون ملک کمپنیوں کو چھپایا ہے۔انھوں نے کہا کہ یہ برطانوی اور دیگر ممالک کے قوانین کے عین مطابق ہے اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ قانونی طریقے غیر ضروری ٹیکسوں سے بچا جا سکے۔آئی سی آئی جے کی رپورٹ میں کہا گیا کہ دنیا بھر سے 140 سیاستدانوں اور سرکاری عہدیداروں کی آف شور یعنی بیرون ملک کمپنیاں موجود ہیں۔ ان میں 12 موجودہ یا سابق عالمی رہنما شامل ہیں جن میں پاکستان اور آئس لینڈ کے وزرائے اعظم، یوکرین اور ارجنٹینا کے صدور اور سعودی عرب کے بادشاہ شامل ہیں۔ان میں ان 33 کمپنیوں اور افراد کے نام بھی موجود ہیں جنھیں امریکی حکومت نے غلط کاریوں مثلاً میکسیکو کے منشیات فروشوں اور دہشت گرد تنظیموں یا شالی کوریا جیسے

خودسر ملکوں سے کاروبار کرنے پر بلیک لسٹ کر رکھا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح بڑے بینک ٹیکس سے بچنے کے لیے بیرون ملک کمپنیوں کو بنانے میں مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ اپنے گاہکوں کے لیے 500 سے زائد بینکوں، ان کے ذیلی اداروں اور ان کی شاخوں نے موساک فونسیکا کے ذریعے 15 ہزار بیرون ملک کمپنیاں بنائی ہیں۔ تاہم پاناما میں قائم موساک فونسیکا نے 'واشنگٹن پوسٹ' کو بتایا کہ وہ دنیا کے مالی قوائد کی مکمل پابندی کرتی ہے۔ اس نے کہا کہ اپنے 40 سالہ آپریشنز کے دوران اس پر کبھی مجرمانہ سرگرمی کا الزام عائد نہیں کیا گیا۔ وزیر اطلاعات پرویز رشید نے کہا ہے کہ پانامہ پیپرز نے شریف برادران کے بیرون ملک اثاثوں کے بارے میں عمران خان کے الزامات مسترد کردیئے۔ وزیراعظم کا کوئی پیسہ باہر نہیں ہے۔ عمران خان اپنے الزامات پر معافی مانگیں۔ دھرنے کی وجہ سے سی پیک منصوبہ ڈیڑھ سال تاخیر کا شکار ہوا۔ نواز شریف کا بیرون ملک کوئی کاروبار نہیں، پانامہ لیکس نے بھی تصدیق کردی۔ میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا عمران خان نے دھرنے کے علاوہ قوم کو کیا دیا۔ شریف خاندان باقاعدگی سے ٹیکس ادا کرتا ہے۔ عمران خان کو بات کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ عمران خان کی بنی گالہ کی ادائیگیاں متنازعہ ہیں کسی پر کیچڑ اچھالنا اچھی بات نہیں۔ بھارت پاکستانی اداروں پر الزام لگاتا ہے ہمیں اپنے اداروں پر الزام نہیں لگانا چاہیے۔ پانامہ پیپرز سے عمران خان کا جھوٹ ثابت ہوگیا۔ نواز شریف کے صاحبزادے ملک

سے باہر کاروبار کرتے ہیں اور پورا ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ عمران خان کو نہ تو سیاست کا پتہ ہے نہ معیشت کا، نہ ملکی قوانین کا نہ ہی بین الاقوامی قوانین کا، نواز شریف کے بچے بھی لاکھوں پاکستانیوں کے بچوں کی طرح باہر کاروبار کر رہے ہیں۔ وزیراعظم کے بچے قانونی کاروبار کرتے ہیں، پورا ٹیکس ادا کر رہے ہیں کیا الزامات لگانے والوں کے بچے باہر خیرات پر پل رہے ہیں۔ جھوٹے الزامات مت لگائیں ہم چیزوں کو زیادہ چھیڑنا نہیں چاہیے۔ وزیراعظم کے بیٹوں کو آمریت کے دور میں زبردستی ملک سے باہر رکھا گیا، میڈیا ٹرائل کرنا عمران خان کی عادت ہے۔ عمران خان کے پاس ثبوت ہیں تو عالمی عدالتوں میں جائیں۔ نواز شریف کے فیملی ممبرز طویل عرصے سے ملک سے باہر ہیں۔

پاکستان عوامی تحریک کے قائد ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کہا ہے کہ موجودہ حکمرانوں کی منی لانڈرنگ، کمیشن خوری، بیرون ملک اثاثے اور قومی خزانے کی لوٹ مار کوئی راز نہیں ہے، لوٹ مار کی یہ کہانیاں بچے بچے کی زبان پر ہیں، اصل معاملہ احتساب، انصاف اور قومی سلامتی کے اداروں کی مسلسل خاموشی ہے، دنیا میں کوئی ایسا حکمران بھی ہے جس کے اپنے ملک کے سوا دنیا کے ہر ملک میں اثاثے اور کاروبار ہوں۔ جو حکمران اپنے ملک کو اپنے بچوں اور اپنے پیسے کے کاروبار کے قابل نہ سمجھتا ہو وہ کسی اور ملک کے سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری پر کیسے آمادہ کر سکتا ہے؟۔ انہوں نے کہا کہ لٹیروں، ڈیفالٹرز اور ٹیکس چوروں کو اسمبلیوں میں داخل کرنے کے جرم میں الیکشن

کیشن بھی ملوث ہے اگر انتخابی اصلاحات کے حوالے سے ہماری تجاویز پر عملدرآمد کر لیا جاتا تو پاکستان مزید لٹنے اور بکنے سے بچ جاتا۔ پانامہ لیکس کچھ بھی نہیں، ان کرپٹ حکمرانوں کی کرپشن کی داستانیں بیان کرنے کیلئے ایک ''روزنامہ'' کی ضرورت ہے۔

پانامہ لیکس میں اصل کرپشن کا محض پانچ فی صد سامنے آیا، آنے والے دنوں میں کرپشن کی مزید غضب کہانیاں قوم سنے گی۔ لاہور ہائیکورٹ میں پانامہ لیکس میں پاکستانی سیاست دانوں کی بیرون ملک کمپنیوں کے انکشاف اور سیاستدانوں کے مبینہ طور پر کالا دھن چھپانے کے خلاف رٹ درخواست دائر کر دی گئی۔ جس میں وفاقی حکومت، الیکشن کمشن اور نیب کو فریق بنایا گیا ہے۔ درخواست میں دعویٰ کیا گیا کہ پانامہ پیپرز کی لیکس سے ثابت ہوگیا کہ ملکی سیاستدانوں نے ملکی دولت کو لوٹ کر بیرون ملک اثاثے قائم کیے ہیں۔ جس میں وزیر اعظم کی فیملی کے افراد کے نام آئے ہیں۔ انہیں اور دیگر سیاستدانوں کو انتخابات میں حصہ لینے کیلئے نااہل قرار دیا جائے۔

مودی کے لیے سعودی عرب کا سب سے بڑا سول ایوارڈ

بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کو سعودی عرب کے اعلیٰ ترین سول ایوارڈ سے نواز دیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق نریندر مودی کو یہ ایوارڈ رائل کورٹ میں سعودی فرمانروا شاہ سلمان بن عبدالعزیز کی جانب سے دیا گیا۔ بھارتی وزیر اعظم کو یہ ایوارڈ ان کی نئی دہلی روانگی سے قبل دیا گیا۔ اس سے ایک دن قبل سعودی فرمانروا نے بھارتی وزیر اعظم کی جانب سے سرکاری دورے پر بھارت آنے کی پیشکش کو قبول کیا۔ دونوں ممالک کے مابین وفود کی سطح پر سرمایہ کاری، تجارت اور انسداد دہشت گردی کے لیے تعاون مزید بڑھانے پر بات چیت ہوئی جس کے بعد بھارتی وزیر اعظم نے شاہ سلمان کو سرکاری دورے پر بھارت آنے کی دعوت دی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تاحال کسی پاکستانی وزیر اعظم کو سعودی عرب کی جانب اس اعلیٰ ترین سول ایوارڈ سے نہیں نوازا گیا۔ پاکستان میں دہشت گردی میں ہزاروں لوگوں کو شہید کروانے والے مودی ۔ مشرقی پاکستان کو توڑنے والے مودی، کشمیر گجرات اور پورے بھارت میں مسلمانوں کو خون میں نہلانے والے مودی کو عالم اسلام کے عظیم ملک سعودی عرب کی جانب سے اعلیٰ ترین سول اعزاز ملنے کے بعد۔ ہماری مذہبی و سیاسی جماعتوں کا کیا موقف ہے؟۔ کیا سعودی عرب نے بھی اپنی تجارت کی پاسداری کی ہے مسلمانوں کے خون کا کوئی

پاس نہیں رکھا ؟ یا جس طرح ایران کہہ رہا ہے کہ بھارت ہمارا دوست ملک ہے اور پھر ہم کس کے دوست ہوئے۔ہمارے اداروں کو معلوم ہے کہ کون سا ملک ہمارا دوست ہے اور کون سا ملک امریکہ و بھارت کا دوست ہے۔دُشمن ملک کا دوست کیا ہمارا دوست ہے؟ کمنٹس کرتے وقت گزارش ہے کہ ہمیں اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اللہ پاک پاکستان کو قائم رکھے۔پاک فوج زندہ آباد جو اپنی جانیں قربان کرکے اِس ملک کی حفاظت کر رہی ہے۔ مودی کو اُس ملک کی جانب سے اعلیٰ ترین سول ایوارڈ سے نوازا جانا اِس بات کی دلالت ہے کہ ہمارے سعودی عرب کے بھائیوں کو شائد حالات واقعات کی خبر ہی نہیں کہ پاکستان کا ازلی دُشمن بھارت ہے اور کشمیر میں پچھلے ستر سالوں سے لاکھوں مسلمانوں کا قتل کر چکا ہے۔ گجرات ،احمد آباد، آسام وغیرہ میں مسلمانوں کو قتل کرنا مودی کا محبوب مشغلہ ہے۔اۓ کاش ہمارے عرب ملک کے بادشاہ سلامت یہ پیش نظر بھی رکھتے کہ پاکستانی جو اُن پر ہر وقت جان واری کرتے ہیں اُن کو پچھلے پندرہ سالوں سے دہشت گردی کی جنگ میں پھنسانے والا یہ بھارت ہے۔ ابھی تو کل کی بات ہے بنگلہ دیش میں حُسینہ واجد کے ساتھ بیٹھ کر نریندر مودی نے یہ اقرار کیا تھا کہ ہاں مشرقی پاکستان توڑنے والوں میں میں بھی شامل تھا۔ شائد ہمارے سعودی عرب کے حکمران یہ بھی بھول گئے کے پاس کو تباہ برباد کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے والا مودی جو کہ پاکستان کا دُشمن ہے تو پھر اُن کا دوست کیسے ہو گیا۔میڈیا اتنا زیادہ متحرک ہے کہ اِس طرح کی بات فوری

طور پر لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ ہم پاکستانی کب کہتے ہیں کہ بھارت کے ساتھ سعودی عرب کے تعلقات نہیں ہونے چاہیے۔ لیکن اِس طرح کے جذبات سعودی عرب کی جانب سے ہیں تو پھر ہمارا دوست کون ہے۔ کیا بھارت ہمارا دشمن ملک نہیں ہے؟ اگر بھارت دُشمن ملک ہے تو پھر سعودی عرب جس کے لیے پاکستانی ہر وقت جان دینے کے لیے تیار رہتے ہیں اُن کے ساتھ تعلق کی وجہ مکہ اور مدینہ ہے۔ مودی کونسا کوئی مسلمان ملک کا سربراہ ہے۔اِس کا ٹریک ریکارڈ شاہد ہے کہ اِس نے مسلمانوں کا ہمیشہ قتل عام کیا ہے۔ایسے شخص کے لیے سعودی عرب کی حکومت کی جانب سے اعلیٰ ترین سول ایوارڈ کا دیا جانے پاکستان کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔ میرے خیال میں تو ہماری خارجہ پالیسی کی بہت بڑی ناکامی ہے۔ میرا نو سال کا بچہ مجھ سے آج پوچھ رہا تھا کہ بھارت تو ہمارا دشمن ہے یہ تو ہمارے ملک کے بچوں کو سکولوں میں قتل کرتا ہے سرعام مارتا ہے تو پھر مکہ اور مدینے والے ملک کے حکمرانوں نے مودی کو ایوارڈ کیوں دیا۔ میرے پاس اُس کے اِس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ میں اُسے کیا بتاتا کہ یہ خادم الحرمین شریفین تو خود قابض ہیں اِنھوں نے تو یہاں کے حکمرانوں کو تاج برطانیہ کی مدد سے ختم کرکے خود اِس پر قبضہ کیا تھا۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں اپنے چھوٹے سے بچے کو کہنے کے لیے۔ شائد ہمارے حکمرانوں کے پاس ہو کچھ کہنے کے لیے۔اِس کا مطلب صرف یہ ہے کہ صرف پاک فوج ہی ہماری ہے جو ہمیں بھارت جیسے ازلی دُشمن سے تحفظ دے رہی ہے۔پاک فوج زندہ آباد

زندگی کی بے یقینی موت کا یقین

پھول کی کونپلیں جب صبح سویرے شبنم کے قطروں سے وضو کرتی ہیں تو اپنے رب کی شان شان میں رطب للسان ہوتی ہیں۔ کوئل کی من بھاتی آواز ترنم سے فطرت کی تعریف و توصیف کرتی ہے۔ صبح صادق کے وقت ہل چلاتے بیل کے گلے کے گھنگروں کی آواز رب کی مدح کرتی ہے تو زندگی مسکرانے لگتی ہے اور رب کی اِس کائنات میں محبتوں اور خلوص کا کارواں رواں دواں رہتا ہے۔زندگی وفا کا دوسرا نام ہے۔زندگی ہی رب کی پہچان کا سبب ہے۔ زندگی میں درپیش نشیب وفراز زندہ ہونے کی علامت ہیں۔ زندگی ماں کی گود، زندگی دادی اماں کی لوری زندگی باپ کا پیار زندگی بہن کی عقیدت زندگی کائنات کی سب سے محبوب ہستی رسالتِ ماب ﷺ کی وساطت کا سبب۔زندگی لہلہاتے کھیتوں میں اُگنے والے اناج کا پتہ دیتی ہے زندگی پہاڑوں، ریگستانوں، میدانوں میں رقص کرتی ہوئی وہ سہانی خوشبو ہے جو خالقِ کائنات کی عظمتوں کا ادراک بخشتی ہے۔ زندگی فقیر کی درگاہ سے لے کر بادشاہوں کے محلوں کی غلام گردشوں میں گھومنے والی وہ صدا جو سب کی ایک جیسی ہے جس میں نہ ذات کا فرق نہ مذہب کا فرق اور نہ ہی رنگ ،امارت اور غربت کا تضاد۔ کیونکہ زندگی تو رب کی شان کا ایسا اظہار ہے جس کی وجہ سے ربِ کائنات نے خود کو ظاہر کیا۔

روح پہ لگے کاری زخم ایسا گداز عطا کرتے ہیں کہ وہ زخم زندگی کے معنی تبدیل کر دیتے ہیں۔ انسان کی جبلت میں خواہشات کا جو سمندر طوفان اُٹھائے ہوتا ہے اُس کے آگے بند باندھنے کے لیے وہی درد گدازیت کا سبب بنتا ہے جس درد نے انتہاء کی تکلیف میں مبتلا رکھ چھوڑا ہوتا ہے۔ جو لمحات درد کا سبب بنتے ہیں وہ ساعتیں زندگی کا حاصل قرار پاتی ہیں گویا گوہر نایاب کا وجود میں آنا بہت کچھ لُٹ جانے کے بعد ممکن ہو پاتا ہے لیکن فقیر کی صدا تو در حقیت اللہ پاک کی حضوری کے لیے ہوتی ہے۔ اِس میں مادیت کا عنصر نہیں ہوتا۔ فقیر تو بھٹکتی ہوئی راہوں پہ چلتا ہوا اپنا مقصد پالیتا ہے کیونکہ اُس کے اندر فطرت رچی بسی ہوتی ہے۔ فقیر کو ریاضیتیں نہیں بلکہ عشق کی تمازت منزلیں طے کرواتی ہے۔ دکھ میں تکلیف اور خوشی میں طمانیت کا احساس رب کے وجود کے اظہار کی سیڑھی ہے۔ جہاں مثبت اور منفی کھوٹا اور کھرا اپنے وجود میں ڈھل جاتا ہے اور قلب میں موجود حدت اُسے بے نیازی کے سفر پہ ڈال دیتی ہے۔ جہاں خیر اور شر کے فرق کہ بات نہیں صرف اور صرف محبوب کی رضا ہی سب بڑا سنگ میل ہوتا ہے۔ جس طرح بہار کی نوید خوشیوں کا پیامبر ہوتی ہے اُسی طرح محبوب کی جدائی بھی وصال کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ وصال کے لیے جدائی کے لمحات روح کو آہوں کی سُولی پہ لٹکائے رکھتے ہیں جو کہ روح کے سفر کو عشق کی مے کے ساتھ ہر لمحہ مدہوش رکھتے ہیں پھر وصال اور جدائی میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوتا

ہے۔ پھر میں اور تو کی تمیز ہوا ہو جاتی ہے۔ جو من تن جاری جور وستم کو باعث نعمت سمجھتا ہے اُس من کو ملنا نہ ملنا، جدائی، حجاب کی کیفیات سرشاری سے محروم نہیں کرتیں۔ موت کی آمد کے حوالے سے انسانی مزاج اِس طرح کا بنا ہوا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ اُس کے دماغ میں یہ تاثر فروغ پاجاتا ہے کہ اُس کا باپ دادا تو اتنا عرصہ زندہ رہے۔اِس لیے ابھی وہ زندہ رہے گا۔ اُس کی سوچ میں ایک زینہ یہ بھی ہوتا ہے کہ فلاں شخص اتنا بیمار ہے اتنے عرصے سے لیکن وہ ابھی زندہ ہے۔ گویا وہ تو صحت مند ہےاِس لیے ابھی کافی وقت پڑا ہوا ہے۔اِس سوچ سے موت کا ڈر تو برقرار رہتا ہے لیکن موت کے ڈر کی بدولت انسان ہموار راستے کی بجائے غلط راستوں کا راہی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے رب کی اطاعت کو چھوڑ کر لالچ زدہ ہو جاتا ہے ایک رب کو منانے کی بجائے کئی رب تخلیق کر لیتا ہے کہیں رب اُسکا روپیہ پیسہ بن جاتا ہے اور کہیں رب اُس کی جھوٹی آن بان شان، کہیں اُس کی عظمت کوٹھی کار بنگلے میں اٹک جاتی ہے اور کبھی ہوس زدہ بن کر مخلوق اور رب دونوں کا نافرمان بن جاتا ہے۔یہ سوچ کہ ابھی میرے مرنے میں وقت ہے اُسے اپنے حقیقی خالق سے دور کر دیتی ہے۔ اُسے حقیقی خالق کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی۔وہ تو نوٹ اکھٹے کر رہا ہوتا ہے۔ اولاد کی تربیت تو کجا اُس کی تو اپنی تربیت کسی بھی کھاتے میں نہیں ہوئی تھی۔بوڑھے والدین تو اُس کی اور اُسکی بیوی کی آنکھ میں کانٹے بن کر چبھتے ہیں۔بڑا گھر بیوی بچوں کے لیے الگ الگ کاریں۔ شاپنگ دبئی میں۔ خواب

کی طرح گزر جانے والی زندگی آخر ایک روز اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ بیوی بچے باپ کی میت پر آنسو بہانے کے ساتھ مرئے ہوئے کی جائیداد بنک اکاونٹس کی چھینا چھپٹی شروع کر دیتے ہے۔ باپ کی میت قبرستان ابھی پہنچی نہیں ہوتی اولاد جائیداد کے حصے بخرئے کرنے کے لیے آپس میں دست و گریبان ہو چکی ہوتی ہے۔ بیٹوں کی بیویاں بھی اپنے میکے والوں کو بھی اپنی اِس کشمکش میں بطور کمک شامل کر لیتی ہیں۔یوں جس گھر کی خاطر مرنے والے نے بہت سے گھروں کو ڈسٹرب کیا ہوتا ہے وہ گھر اُس کے مرنے کے ساتھ ہی اور دفن ہونے سے پہلے ماچس کی تیلیوں کی مانند بکھر جاتا ہے۔جس موت سے آنکھوں چُرائی ہوئی ہوتی ہیں وہ موت کے اٹل حقیقت بن کر لمحوں میں اپنے اثرات دیکھا دیتی ہے اور قبرستان کے مکینوں میں ایک نیا اضافہ ہو جاتا ہے۔ یوں زندگی بے یقین اور موت یقین کے پردئے میں چھپی ہوئی ہے۔اگر ہم خالق اور اُس کے بندئے کے تعلق کا سرسری سا بھی جائزہ لیں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ بندئے کے جسم پہ موجود ایک ایک بال اُسکے رب کی رحمتوں اور نعمتوں کا احسان ہے۔ انسان کی زندگی میں پیش آنے والے نشیب وفراز قدرت کی جانب سے اپنے بندئے کی زندگی میں ایک ارتعاش کے حامل ہیں۔ رب کی جانب سے ملی ہوئی سانسیں رب کی اس کائنات میں وقت پورا کرکے عالمِ برزخ کے راستے پہ رواں کر دیتی ہیں۔ انسان کو جو ملا ہوتا ہے وہ رب کی ہی تو ہوتا ہے۔ رب اِس جہان میں گزاری ہوئی زندگی کو بے مقصدیت کا شکار نہیں ہونے دیتا۔اِس جہاں کے ایک ایک لمحے کو رب اپنے انداز میں

جانچتا ہے اور اپنی ہی بنائی ہوئی مخلوق کو جزا و سزا کے عمل سے گزارتا ہے تاکہ زندگی کی گزری ہوئی ساعتیں بے ثمر قرار نہ پائیں۔ کیونکہ ہر عمل کا ردِ عمل ہے رب نے یہ زندگی کا نظام یونہی کھیل تماشے کے لیے ترتیب نہیں دے دیا۔ سچائی اور جھوٹ کی قوتیں اپنے اپنے ہونے کی دلالت کرتی ہیں۔ دکھ مصیبتیں جھوٹ کا پلڑا دنیاوی لحاظ سے بھاری سمجھا جاتا ہے کیونکہ دنیا میں وقت گزارنے والا انسان زندگی کے لیے اپنا معیار بنا لیتا ہے ۔ حالانکہ جو اِس زندگی جو خالق ہے اُس کے معیار کے مطابق زندگی بسر ہونی چاہیے۔

گارڈین کورٹ کے مسائل۔آخر مسیحا کہاں سے نمودار ہوگا

گارڈین اینڈ وارڈز ایکٹ 1890 کو 126 سال گزر چکے ,آج تک اس قانون میں ترامیم نہیں ہو سکی ہے سوائے ہلکی سی جنبش جسے ترامیم نہیں کہا جا سکتا ہے۔ گارڈین عدالتوں میں خطرناک حد تک کیسز بڑھنے کی بنیادی وجہ مصالحت کے نظام کا غیر فعال ہونا ہے، میاں بیوی کی علیحدگی کے بعد بچے کا 97% فیصد وقت صرف ایک فریق (ماں) کو دیا جانا بھی ناانصافی ہے۔۔ میاں بیوی کے مابین علیحدگیوں کے نتیجے میں گارڈین عدالتوں میں خطرناک حد تک مقدمات کا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے. گارڈین اینڈ وارڈز ایکٹ 1890 میں ترامیم وقت کی ایک اہم ضرورت، کیونکہ 126 ال گزر چکے ہیں اس میں آج تک ترامیم نہیں ہو سکی ہیں سوائے ہلکی سی جنبش کے, کہ وہ ہوئی تو تھیں لیکن نہ ہونے کے ,برابر ہیں تاہم انہیں اس قانون میں ترامیم نہیں کہا جا سکتا۔ گارڈین اینڈ وارڈز ایکٹ ہی سارے مسائل کی جڑ ہے جس کی وجہ سے علیحدگی کے بعد ایک فریق کو بچے سے ملاقات کے لئے پورا مہینہ دے دیا جاتا ہے جبکہ دوسرے کو صرف 2 گھنٹے ملتے ہیں۔ میاں بیوی کی علیحدگی کے بعد بچے کا 97% د وقت صرف ایک فریق کو دے دیا جاتا ہے حالانکہ یہ وقت 50،50 فیصد ,برابری کی شرح پر دیا جانا چاہیے۔ سرکاری سطح پر صلح کے نظام کا غیر فعال ہونا، شادی کے حوالے سے رہنمائی

فراہم کرنیوالے کسی بھی ادارے کی غیر موجودگی، میاں بیوی کے مابین عدم برداشت، معاشی بدحالی، ذاتی انا اور روزمرہ کی بہت سی وجوہات کی بنا پر طلاق کی شرح بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ چھوٹا سا کمرہ ہے جہاں پر بچے اور والدین سسکیوں اور آہوں کے ساتھ چند گھنٹوں کی ملاقاتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ملاقات کے بعد معصوم بچوں کے منہ سے ''ہائے امی'' اور ''ہائے ابو'' کی چیخیں ہر شخص کی آنکھیں نم کر دیتی ہیں۔ گارڈین کورٹس میں آنے والے بچے والدین کے باہمی جھگڑے کے باعث کسی ایک کے ساتھ زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ یہ بچے عدالتوں میں اداس نظروں اور مرجھائے ہوئے چہروں پر امید کی ہلکی سی کرن اور دل میں اس شدید خواہش کے ساتھ آتے ہیں کہ شاید اس دفعہ ہی عدالتی احکامات، وکلاء کی پروفیشنل قابلیت، رشتہ داروں یا کسی سماجی شخصیت کی مداخلت ان کے والدین میں صلح کروادے اور وہ اپنی باقی زندگی کائنات کے انمول رشتوں کے دامن میں گذارتے ہوئے حقیقی خوشیوں سے لطف اندوز ہوسکیں۔ مگر عدالتوں میں آنے والے بہت کم بچوں کی یہ خواہش پوری ہو پاتی ہے۔ اکثریت معصوم ذہنوں میں جنم لینے والے ان گنت سوالوں کا جواب حاصل کئے بغیر مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہے۔ ملاقات کے اوقات میں ان کے ہاتھوں میں والدہ یا والد کھلونے، جوس کے پیکٹ، نمکو، فروٹ اور دیگر تحائف تھمادیتے ہیں مگر بچوں کی نظریں ان چیزوں سے قطع نظر کسی ایسے معجزے کی تلاش میں رہتی ہیں جو کائنات کے دو خوبصورت ترین اور فطری رشتوں کو ایک کر دیں۔ والدین اور بچوں کی ملاقاتوں میں کئی

رقت آمیز مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔جب ملاقات ختم ہوتی ہے تو بچے والدین سے لپٹ کر رونے لگتے ہیں۔ والدین ان کو بظاہر مسکرا کر مگر زخمی دل کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا کرکے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔۔ والدین کی جھوٹی انا کا شکار ہونے والے یہ بچے مختلف ذہنی امراض کے ساتھ ساتھ احساس محرومی کا شکار ہیں جس کے باعث بڑے ہو کر معاشرے میں مفید شہری کا کردار ادا کرنے کے بھی قابل نہیں رہتے ہیں۔ والدین مقدمے بازی کی ذمہ داری ایک دوسرے پر عائد کرتے ہیں جبکہ وکلاء اور سول سوسائٹی کے ارکان کا کہنا ہے کہ ان حالات کا ذمہ دار وہ ماحول ہے جو ابتر معاشی حالات، مشترکہ خاندانی نظام سے دوری، مصالحتی نظام کی پیچیدگیوں، مذہب سے راہنمائی نہ لینے اور والدین کی جھوٹی انا کے باعث جنم لیتا ہے۔ اس ماحول کے نتیجے میں گزشتہ ایک سال کے دوران گارڈین شپ کے مقدمات میں ساٹھ فیصد اضافہ ہوا ہے کسی وکیل کیلئے گارڈین شپ کے مقدمے لڑنا سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے کیونکہ بچوں کو پیش آنے والے مسائل ان کو بھی پریشان کر دیتے ہیں۔گارڈین کورٹ کے ایک فاضل جج نے کہا کہ اگر والدین اپنے بچوں کو الجھنوں سے بچانا چاہتے ہیں تو ان کو باہمی جھگڑے عدالتوں سے باہر ہی حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ عدالتوں میں دونوں میاں اور بیوی کو اپنی اپنی جھوٹی اناوں کا مقابلہ جیتنے کے لئے کیا کیا جتن کرنے پڑتے ہیں اور اس میں وہ کتنی ہی حدیں پار کر جاتے ہیں جو انتہائی افسوس ناک امر ہے۔گارڈین کورٹ کے معاملات کے حوالے سے بہت سے مسائل اتنی

پیچیدگیوں کے حامل ہیں کہ بچے بُری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ ماتحت عدلیہ میں میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کی وجہ سے بچوں کی حوالگی اور اُن کی اپنے والد یا والدہ سے ملاقات کے حوالے سے احسن طور پر امور انجام نہیں دیئے جا رہے ہیں۔ ایک مہینے کے بعد دو گھنٹے کی ملاقات وہ بھی ایک ڈربہ نما کمرے میں جہاں سینکڑوں اور لوگ بھی اپنے بچوں سے ملنے کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اگر خادم اعلیٰ اپنی آنکھوں سے جا کر ماتحت عدلیہ کے زیر انتظام عدالتوں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کا حشر دیکھ لیں تو اُن کو اندازہ ہو جائے گا کہ اِس طرح تو کبوتر بھی کسی ڈربہ نما کمرے میں نہیں رکھے جا سکتے جس طرح کہ گارڈین کورٹس کی حالت زار ہے کہ بچے اپنے ولادین سے ملاقات کے لیے ذلیل وخوار ہو رہے ہوتے ہیں اور یہی حال اُن کے والدین کا بھی ہوتا ہے۔ والدین کی ناچاقیوں کی سزا معصوم بچوں کو تو بھگتنا پڑتی ہی ہے اِس کے ساتھ ساتھ بچوں کے ماں باپ بھی گارڈین کورٹ کے چکر لگا لگا کر اور بچوں کے لیے نان و نفقہ کے حصول کے لیے جس طرح عدالتوں میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے یقینی طور ماں اور باپ اور اِسی طرح بچوں کے لیے بھی ایک مشکل صورتحال بن جاتی ہے۔ دوسری طرف اگر ان بچوں کی تعلیمی استعداد اور اُن کی ذہنی کیفیات کا اندازہ لگایا جایا تو یہ امر بالکل واضع ہے کہ بچے ذہنی طور پر کافی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بن ماں یا باپ کے بغیر بچے کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے مضر اثرات کا ادراک وہی کر سکتا ہے جو اِس چکی میں پس رہا ہو۔

ماں یا باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں بچوں کو یہ صبر کو آہی جاتا ہے کہ اُن کی ماں یا اُن کا باپ اب اِس دُنیا میں نہیں ہے۔ لیکن جب بچے اپنے ہم جماعتوں کو اپنے والدین کے ساتھ دیکھتے ہیں اور والدین کی مشترکہ تربیت اور محبت سے استفادہ ہو رہے ہوتے ہیں تو یہ معاملہ اُن بچوں کے لیے سوہانِ روح بن جاتا ہے۔ماں یا باپ کی علحیدگی کی وجہ سے منتشر خیالات کے حامل بچے معاشرے کے لیے اُس طرح ذہنی طور پر بہتر شہری ثابت نہیں ہو پاتے جس طرح والدین کی آغوش میں پلنے والے بچوں کی پرورش ہو رہی ہوتی ہے۔ حالیہ ایک دہائی سے پاکستانی سوسائٹی کے بودوباش میں عجیب و غریب تبدیلی آئی ہے۔اِس تبدیلی کو اگر تباہی سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ٹی وی چینلز کی بھرمار، موبائل فون اور انٹرنیٹ کا بے تحاشہ استعمال معاشرے کو ایسے دوراہے پہ لے آیا ہے کہ خاندانی نظام کی دھجیاں بکھرتی جا رہی ہیں۔ دادا دادی جو کسی بھی گھر کے لیے نعمت و رحمت تصور ہوتے تھے اور اسلامی و مشرقی معاشروں کی پہچان تھے اُن کے حوالے جو صورتحال بنی ہے وہ یہ کہ اُن کا احترام ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ دوسرا والدین کا احترام والا نظریہ بھی بہت حد تک مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ تیسرا موبائل فون کی وجہ سے سارا جہاں ایک بٹن کے دبانے پر آشکار ہونے کے لیے ہر وقت تیار ہوتا ہے اِس لیے زندگی میں ہوس پرستی نے اتنی جگہ بنا لی ہے کہ اب خلوص اور وفا صرف شاعری کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ معاشرے میں تعمیر و تربیت کے لیے سب سے اہم خیال کیا جانے والا

شخص اُستاد اِس وقت اُس مقام کو کھو چکا ہے جو اِس معلّمی پیشے کا خاصہ تھا۔ اب اُستاد بھی پیسہ کمانے والی مشین بن چکا ہے کیونکہ معاشرتی اخلاقی زوال پذیری اِس نہج تک پہنچ چکی ہے کہ اُستاد کا درجہ ایک ملازم کی طرح کا ہو چکا ہے اِس کی وجہ معاشرے میں دولت کی عزت ہے اور یوں پرائیوٹ اداروں میں علم کی روشنی کی بجائے ڈگریوں کی لوٹ سیل لگی ہوئی ہے۔ اُستاد کے احترام کے ساتھ ساتھ والدین کی محبت کی خوشبو کو بھی اِس مادیت پرست روش نے بدبو بنا چھوڑا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں برداشت کی کمی کی وجہ سے گارڈین کورٹ کے سائلین کے مسائل کا حل نکالنا چیف جسٹس آف پاکستان اور پاکستان کے حکمرانوں کی ذمہ داری ہے۔

معاشرئے میں منافقت کی بہتات کے سماجی معاملات پر اثرات

مصلحت اور منافقت میں جو فرق ہوتا ہے اُس حوالے سے ہمارئے معاشرئے میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ جب یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اِس دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اِس عارضی زندگی میں وقوع پزیر ہونے والے افعال کی بابت حقیقی زندگی میں جوابدہی ہونا ہے۔ اور آخرت کے امتحان کا پرچہ بھی اِسی بود و باش کے متعلق ہوگا جو انسان نے دُنیا میں اختیار کیے رکھی۔

منافقت ایک رویئے کا نام ہے اور اس رویہ کو بنی نوع انسان کے ہر دور میں انتہائی نفرت انگیز سمجھا گیا اور اب بھی سمجھا جارہا ہے۔ لوگ بھی منافقت سے نفرت کرتے ہیں جو خود نفاق یا منافقت میں مبتلا ہوتے ہیں، منافقت معاشرے کے لئے زہر قاتل ہے، کوئی انسان اچھا ہو تو اس کو اچھا کہا جاتا ہے کوئی برا ہو تو اسے برا، لیکن دنیا میں ایسے انسانوں کی کمی نہیں جن کے رویے کا رجحان برائی کی طرف تو ہوتا ہی ہے۔ لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کرتے اور بظاہر دوسرا انسان ایسا محسوس کرتا ہے کہ مقابل فرد اچھے رویے کا حامل ہے یا اس میں برائیاں نہیں ہیں لیکن دراصل وہ برائیوں سے لتھڑا ہوتا ہے اور ایسا شخص

معاشرے کے لئے زہر کی حیثیت رکھتا ہے یعنی ''بغل میں چھری منہ میں رام رام ''۔ ایسا شخص پیٹھ پیچھے وار کرنے میں ذرا دیر نہیں لگاتا۔ علماء کرام نے منافقت کو مسلمانوں کے ایمان کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا۔ کسی بھی شخص کے دین کے لیے سب سے بڑا خطرہ نفاق ہے۔ بعض اوقات لوگ منافقت کے شکار ہوتے ہیں اور انہیں پتہ ہی نہیں چلتا، بندہ نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور حج پر بھی جاتا ہے لیکن ممکن ہے نفاق میں مبتلا ہو جائے۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں، ایک کا تعلق عقیدے سے ہے اور دوسری نوع عملی منافقت ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرے لیکن دل میں اللہ اور اس کے رسول برحق کو نہ مانے، وہ اعتقادی نفاق میں مبتلا ہے۔ یہ گروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں رہتے تھے۔ بظاہر تمام عبادات اور کاموں میں مسلمانوں کے ساتھ تھے، لیکن دل سے اپنے سابقہ مذہب پر تھے۔ آج کے اکثر مسلم حکمران جو خود کو مسلمان سمجھتے ہیں، جھوٹے لوگ ہیں۔ یہ لوگ منافق ہیں جو دین کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام دشمن عناصر کے ساتھ دوستی نبھاتے ہوئے مسلم قوموں کو لادینیت کی جانب دھکیلتے ہیں۔ عملی نفاق کا مطلب ہے بندہ عبادات پر عمل کرتا ہے اور اسلام و شریعت پر عقیدہ بھی رکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود نفاق کی نشانیاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے جب کسی شخص میں تین صفات پائی جائیں تو وہ منافقوں میں شمار ہوگا۔ جھوٹ اور دروغ گوئی کو منافقین کی نشانی یاد کرتے ہوئے منافق لوگوں کی خصلت یہ ہے کہ کثرت سے جھوٹ

بولتے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے ہمارے معاشرے میں مختلف طریقوں اور بہانوں سے جھوٹ بولی جاتی ہے۔ بعض لوگ دوسروں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ فرقوں اور مذاہب کے پیروکار ایک دوسرے کے خلاف دروغ گوئی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ جھوٹے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اسلامی تعلیمات نے سختی سے جھوٹ بولنے سے منع کیا ہے اور سچی بات کہنے پر زور دیا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج کے مسلم گھرانوں میں بھی جھوٹ بولا جاتا ہے، حتیٰ کہ چھوٹے بچے جھوٹ بولتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ والدین خود جھوٹ بولتے ہیں اور بچے ان ہی سے سیکھتے ہیں۔ عہد شکنی یا وعدہ خلاف بھی منافقوں کی دیگر صفات میں شمار ہوتی ہے، منافق کی ایک نشانی وعدہ خلافی و عہد شکنی ہے۔ منافق لوگ اپنے وعدوں پر نہیں ٹھہرتے اور یہی بیماری ہمارے معاشروں میں پائی جاتی ہے۔ حالانکہ ماضی میں وعدہ خلافی لوگوں کی روایات اور کلچر کے سراسر خلاف سمجھی جاتی تھی۔ اسلام نے وعدہ پورا کرنے پر بہت زور دیا ہے، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ”جو وعدہ خلافی کرتا ہے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔“ امانت میں خیانت منافقوں کی دیگر خاصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو ایک آسمانی امانت یاد فرمائی ہے۔ لہٰذا دینی احکام پر عمل نہ کرنا دین میں خیانت ہے اور شخص کے دین کو نقصان پہنچاتا ہے۔ حدیث نبوی کا مفہوم ہے کہ جو امانتداری نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں ہے۔ جتنا نقصان نفاق نے امت مسلمہ کو پہنچایا اتنا واضح دشمنوں نے بھی نہیں پہنچایا، مدینہ منورہ میں جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کرکے آئے تو مکہ مکرمہ کی نسبت

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی طاقت میں آئے روز اضافہ ہوتا گیا ایسی صورتحال میں منافقوں کی ایک جماعت مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہی جن کا سرغنہ عبداللہ بن ابی تھا اس نے رسول ﷺ کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ منافقین کے گروہ نے اپنی ایک مسجد بھی بنا رکھی تھی جس کو مسجد ضرار کہا جاتا تھا لیکن اللہ تعالی نے وحی کے ذریعے اس مسجد کو گرانے کا حکم دیا۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی نے منافقین کے بارے میں وحی کے ذریعے بتایا اس لئے آپ ان منافقین سے بچ کے رہتے۔ یہ منافقین آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کا زہریلا پروپیگنڈہ کرتے رہتے۔ جنگ بدر، جنگ احد میں منافقین جہاد میں جانے کی بجائے مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے اور لوگوں میں یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ صحابہ کرام تو تھوڑے ہیں اور کفار مکہ ان کو شکست دیدیں گے اس لئے جنگ میں شامل ہو کر اپنے تعلقات خراب نہ کرو ان منافقین کی دلی خواہش تھی کہ مسلمانوں کو شکست ہو لیکن اللہ تعالی مسلمانوں کو فاتح بناتا رہا حتیٰ کہ جنگ خیبر میں مسلمانوں نے یہودیوں کو ان کی بار بار کی عہد شکنی کے بعد شکست سے دوچار کیا۔ اس طرح یہودی جو شروع دن سے مسلمانوں کے دشمن اور منافقت عروج پر دل میں رکھتے تھے انہیں شکست ہوئی۔

یہودی فتح خیبر کے اپنے کرتوتوں کے باعث علاقہ بدر ہوئے مگر دلوں میں مسلمانوں کے خلاف منافقت لیتے ہوئے گئے اور اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا، یہودی چونکہ کمزور ہو چکے

تھے اس لئے وہ سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کو باہم لڑاتے رہے۔ منافقت ایسے طرز عمل کو کہتے ہیں جو قول و فعل کے تضاد سے عبارت ہو جس میں انسان کا ظاہر، باطن سے مختلف بلکہ برعکس ہو۔ سورۃ البقرہ کی آیات 8 تا 20 میں مسلسل منافقین کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ یہ علامات منافقین پر قرآن حکیم کا واضح چارٹر ہے جو اس لیے دیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے احوال اور معاملات کا جائزہ لے سکے اور ان کی روشنی میں اپنی اصلاح کی کوشش کر سکے۔ منافقت کی علامات درج ذیل ہیں: دعویٰ ایمان صرف زبانی حد تک کرنا اور باطن کا اس کی تصدیق سے خالی ہونا۔ محض توحید و آخرت پر ایمان کو کافی سمجھنا اور رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کو اس قدر ضروری نہ سمجھنا۔ دھوکہ دہی اور مکر و فریب کی نفسیات کا پایا جانا۔ یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری حالتِ نفاق سے بے خبر ہیں۔ یہ سمجھنا کہ ہم اپنی مکاریوں، حیلہ سازیوں اور چالاکیوں سے دوسروں کو فریب دینے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ قلب و باطن کا بیمار ہونا۔ جھوٹ بولنا۔ نام نہاد اصلاح کے پردے میں مفسدانہ طرز عمل اپنانے کے باوجود خود کو صالح سمجھنا۔ دوسروں کو بیوقوف اور صرف خود کو اہل عقل و دانش سمجھنا۔ امت مسلمہ کی اکثریت کو گمراہ تصور کرنا۔ اجماع امت یا سوادِ اعظم کی پیروی نہ کرنا۔ کردار میں دوغلاپن اور ظاہر و باطن کا تضاد ہونا۔ اہل حق کے خلاف خفیہ سازشیں اور تخریبی منصوبے تیار کرنا۔ مسلمانوں پر طنز، طعنہ زنی اور حقیر سمجھتے ہوئے ان کا مذاق

اڑانا۔ باطل کو حق پر ترجیح دینا۔ سچائی کی روشن دلیل دیکھتے ہوئے بھی اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا۔ تنگ نظری اور دشمنی میں اس حد تک چلے جانا کہ کان حق بات نہ سن سکیں، زبان حق بات نہ کہہ سکے اور آنکھیں حق نہ دیکھ سکیں۔ اسلام کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے گھبرانا اور ان سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا۔ اہل حق کی کامیابیوں پر حیران رہ جانا اور ان پر حسد کرنا۔ اپنے مفادات کے حصول کے لئے اہل حق کا ساتھ دینا اور خطرات و مصائب میں قربانی سے گریز کرتے ہوئے ان سے علیحدہ ہو جانا۔ حق کے معاملے میں نیم دلی اور ہچکچاہٹ کی کیفیت میں مبتلا رہنا۔ ہمارے معاشرے میں نفوس پذیری کے حامل افراد جن کا رائے عامہ ہموار کرنے میں اہم کردار ہوتا ہے اُن کی جانب سے اگر منافقت والی روش اختیار کی جاتی ہے تو ظاہری بات ہے اُس کے اثرات پورے معاشرے کو منتقل ہوتے ہیں۔ لیکن شائد اِن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے کہ جو اُن کے فائدے کی بات ہے اُس کو وہ اپنے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ اسی منافقت نے تو معاشرے میں عجیب بے چینی پیدا کر رکھی ہے اور مسلمان ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے پر اعتماد ختم ہو گیا ہے محبت خلوص نام کی چیز قصہ پارینہ ہو چکی ہے۔ ان حالات میں کیا ہم اپنے معاشرے کو ایک صحت مند معاشرہ کہہ سکتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ سے محبت کرنے والوں کی عقیدت اطاعت میں کیوں ڈھل نہیں جاتی۔ وکیل ڈاکٹر، تاجر، عالم دین معاشرے کے انتہائی اہم افراد کی باتوں میں حقانیت تو نظر آتی ہے، لیکن اُن کے افعال اُن کے اقوال کی تصدیق

نہیں کرتے جن کی وجہ سے معاشرے میں نفوس پذیری کے حامل افراد کی بات کو وزن حاصل نہیں رہا۔زبان بھی نکتہ توحید تو آسکتا ہے۔ تیرے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کہیے۔

یوم دستور پاکستان اور دستور کی عملداری کی بھیانک صورتحال

سینٹ آف پاکستان جسے یک جہتی کی علامتی قرار دیا جاتا ہے اُس کے چیئرمین جناب رضا ربانی صاحب نے دستور پاکستان کی منظوری کے قومی اسمبلی کے دن 10 اپریل اور اُس پر صدارتی دستخط ہونے کے دن 12 اپریل کے حوالے سے خاص تقریبات کا اہتمام کیا ہے۔اِس ضمن میں راقم کی کچھ معروضات ہیں چونکہ راقم قانون کا ایک ادنٰی طالب علم ہے اور وکالت کے پیشے سے منسلک ہے۔ جن حدود قیود کا ذکر آئین پاکستان میں ملتا ہے اُس کی عملی تصویر کہیں دیکھائی نہیں دیتی۔ وہی وڈیرہ شاہی وہی لوٹ کھسوٹ وہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کی عملداری تو یہ اِن کہاں سویا پڑا ہے۔ بے روزگاری عروج پر، قومی زبان ہے لیکن ستر سال گزرنے کے باوجود اِس کو حکومت نے لاگو نہیں کیا۔
اسلام نظام کو آئین کی بنیاد قرار دیا ہے لیکن اسلام کو تو کیا انسانیت کہیں نظر نہیں آتی۔
اور تو اور غریبوں کے لیے قانون الگ اور مراعت یافتہ طبقے کے لیے الگ قانون۔
سرکاری افسران کرپشن میں اپنے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں لیکن عام غریب دو وقت کی روٹی کھانے سے بھی عاجز ہے۔آئین پاکستان کو پاکستان کا دستور اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین مجریہ 1973ء بھی کہتے ہیں۔مارشل لاء کے اٹھنے کے بعد نئی حکومت کے لئے سب سے زیادہ اہم کاموں میں

سے ایک ایک نئے آئین کا مسودہ تیار کرنا تھا.1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد 1972ء کو 1970ء کے انتخابات کی بنیاد پر اسمبلی بنائی گئی۔ایک کمیٹی مختلف سیاسی جماعتوں کے کراس سیکشن سے قائم کی گئی۔اس کمیٹی کا مقصد ملک میں ایک آئین بنانا تھا جس پر تمام سیاسی پارٹیاں متفق ہوں۔ کمیٹی کے اندر ایک اختلاف یہ تھا کہ آیا کہ ملک میں پارلیمانی اقتدار کا نظام ہونا چاہیے یا صدارتی نظام۔اس کے علاوہ صوبائی خود مختاری کے معاملے پر مختلف خیالات تھے۔آٹھ ماہ آئینی کمیٹی نے اپنی رپورٹ تیار کرنے میں صرف کیے، بالآخر 10 اپریل 1973ء کو اس نے آئین کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کی۔وفاقی اسمبلی میں اکثریت یعنی 135 مثبت ووٹوں کے ساتھ اسے منظور کر لیا گیا اور 14 اگست 1973ء کو یہ آئین پاکستان میں نافذ کر دیا گیا۔اہم خصوصیات میں یہ کہ پاکستان میں پارلیمانی نظام حکومت ہو گا وزیر اعظم حکومت کا سربراہ ہو گا اور اسے اکثریتی جماعت منتخب کرے گی۔اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہے اور صدر اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔آئین میں ترمیم کے لیے ایوان زیریں میں دو تہائی اور ایوان بالا میں بھاری اکثریت ہونا ضروری ہے۔اردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔ عوام کو مواقع دیئے جائیں گے کہ وہ اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق بسر کریں۔ عدلیہ آزاد ہو گی۔ عدلیہ کی آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے۔قرآن مجید کی اغلاط سے پاک طباعت کے لئے خصوصی انتظامات کئے جائیں گے۔ عصمت فروشی، جوا،

سود اور فحش لٹریچر پر پابندی عائد کی جائے گی۔ عربی زبان کو فروغ دیا جائے گا طلباء وطالبات کے آٹھویں جماعت تک عربی کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ آئین کی رو سے مسلمان سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کو ایک مانے، آسمانی کتابوں پر ایمان لائے، فرشتوں، یوم آخرت اور انبیائے کرام پر ایمان رکھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی تسلیم کرے۔ جو شخص ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہوگا وہ دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا جائے گا۔ ہر چند کہ 1956ء کا دستور اور 1973ء کا آئین دونوں ایک اسلامی ریاست کے لئے بنائے گئے ہیں مگر عملاً دونوں میں سے اسلامی روح کو نکال کر باہر پھینک دیا گیا ہے۔ پاکستان ایک ایسی جمہوریت بنے گا جس میں اسلامی اصولوں کی بنیاد پر معاشرتی انصاف ہوگا۔ بات اسلامی نظام کی کرتے ہیں اور نظام پورے کا پورا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی نقل بنا رکھا ہے۔ وفاق میں دو ایوان پارلیمنٹ یعنی سینٹ اور مرکزی اسمبلی اور صدر اور وزیراعظم صوبوں میں اسمبلیاں، وزیراعلیٰ اور گورنر، اس نظام کو اسلام سے کیا نسبت ہے۔ یہ تو رسہ کشی اور نورا کشی کا ایک اکھاڑہ ہے۔ اس پر مزید ستم ظریفی یہ کہ پاکستان میں لوگوں سے ووٹ ڈنڈے کے زور پر لئے جاتے ہیں۔ سرتابی کرنے والوں کو یا تو دلائی کیمپ کی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، یا نوکری سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں، یا شور کوٹ میں تبادلہ ہو جاتا ہے۔ 3

آئین کی دفعہ 2-31 ب کے تحت ''اتحاد کی ترقی اور اسلام کے اخلاقی معیار کی بلندی کے لئے کام کیا جائے گا۔''

پاکستان میں اخلاقی معیار کا یہ عالم ہے کہ ان پڑھ لوگ رشوت دے کر جعلی ڈگریاں بنواتے ہیں۔ الیکشن کمیشن کے سامنے جھوٹے بولتے ہیں۔ جو کہ یوں بھی ان کا اپنا بندہ ہوتا ہے اور پھر ساری قوم کے سامنے جھوٹ بول کر الیکشن میں حصہ لیتے ہیں اور کامیاب ہو کر اسلامی ریاست کے مقدس ایوانوں میں جا بیٹھتے ہیں اور اگر کبھی ان کے جھوٹ کا پول کھل جائے تو ان کی پارٹی انہیں پھر الیکشن میں کھڑا کرکے کامیابی کراتی ہے اور اپنی مقبولیت کا ڈھنڈورا پیٹتی ہے۔ ہمارے سیاستدان اس طرح اسلام کے اخلاقی معیار کو بلند کرتے ہیں۔ پارٹی بازی کی نوسربازی کا یہ تو ایک ادنی سا مظاہرہ ہے۔ آئین کی دفعہ 33 میں لکھا گیا ہے کہ ”ریاست ہر قسم کے لسانی، نسلی، قبائلی، گروہی اور صوبائی تعصبات کو ختم کرنے کے لئے ان کی حوصلہ شکنی کرے گا اور آرٹیکل 251 میں پاکستان کی قومی زبان ”اردو“ قرار دی گئی تھی۔ اسے سرکاری اور دیگر مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے لئے آئین کے نفاذ سے پندرہ سال کے اندر انتظامات کئے جائیں گے۔ پہلی شق کے مطابق اردو کو انگریزی زبان کی جگہ لینے کے لئے انتظام کرتے تک انگریزی کو سرکاری زبان کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ 1973ء کے آئین کی دفعہ 33 میں ریاست میں سے ہر قسم کے لسانی قبائلی، گروہی اور صوبائی تعصّبات کو ختم کرنے کا ہدف رکھا گیا ہے مگر جب اٹھارویں ترمیم منظور ہوئی تھی تو سندھیوں اور پٹھانوں نے مٹھائیاں بانٹی تھیں اور خوشی کا اظہار کیا تھا کہ انہیں اپنی قومی شناخت ملی ہے۔ کیا ان کے لئے اسلامی شناخت کافی نہ تھی؟

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ مذکورہ تعصبات آئین میں تبدیلی کئے بغیر کیسے دور کر سکیں گے۔1973ء کے آئین نے وفاقی اور صوبائی انتظامیہ کا جو ڈھانچہ کھڑا کیا ہے وہ اس قدر مہنگائی ہے کہ اس کا بوجھ پاکستانی عوام کی برداشت سے باہر ہے۔ اس نظام کے تحت ملک میں وفاقی پارلیمنٹ میں سینٹ اور وفاقی پارلیمنٹ اور چار صوبائی اسمبلیوں کا قیام، وفاق اور صوبوں کے درمیان رسہ کشی کا ایک دنگل ہی تو ہے جن کے ممبر زیادہ پی آئی اے کے ملازمین کی طرح گھروں میں بیٹھے ہوئے تنخواہیں لیتے ہیں اور اگر کسی بل پر ووٹنگ کی ضرورت کے تحت اسمبلی میں جاتے بھی ہیں تو محض ڈیسک بجانے اور آوازے کسنے کے لئے اور اس سے زیادہ یہ جاہل اور ان پڑھ لوگ کر ہی کیا سکتے ہیں۔۔ اگر اس ملک میں عدل وانصاف کا نظام قائم ہوتا اور عوام کے ہاتھ مجرموں کے گریبانوں تک پہنچ سکتے تو بہت سے تراتر چکے ہوتے اور ملک کے مقدس ایوانوں میں بیٹھے ہوئے بہت سارے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند ہوتے اور جب تک اس ملک میں ان غداروں کا راج رہے گا یہی کچھ ہوتا رہے گا۔ انہوں نے عدالتوں کو بھی این آر او اور بھٹو ریفرنس جیسے مقدمات میں الجھا کر غیر فعال کر دیا ہے۔ یہ ہیں آئین و قانون کے محافظ جنہوں نے اس اسلامی ریاست اور مادر وطن کے تقدس کی حفاظت کی قسم کھا رکھی ہے۔ ملک کی وفاقی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کا صرف ایک ہی جرم کافی ہے کہ اسے توڑ کر از سر نو ایک اسلامی طرز کی مجلس کا آغاز کیا جائے جس کا آئین میں بار بار وعدہ کیا گیا ہے۔اس ناقص آئین کی وجہ

سے بعض عہدوں پر دو دو اور تین وزیر لگائے جاتے ہیں۔ جس سے مالی ذرائع کے اجاڑ کے علاوہ سسٹم میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً صوبائی حکومت ایک اپنا وزیر قانون مقرر کرتی ہے جبکہ گورنر صاحب بہادر اپنا ایک ایڈووکیٹ جنرل مقرر کرتا ہے اور جب عدالتوں میں ان کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ پیش نہیں ہوتا۔ کبھی چھٹی پر چلا جاتا ہے اور کبھی تبدیلی کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح ملک کا سارا نظام تہہ در تہہ بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ 1973ء کے آئین میں اس طرح کے سینکڑوں نقاص اور تضادات ہیں مگر سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہ برائے نام اسلامی آئین ہے۔ مثلاً عملاً یہ اسلام کے منافی ہے اور اسلامی روح کش ہے۔ اس آئین میں اتحاد پر بڑا زور دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے۔ اتحاد کا مطلب ہے وحدت یا اکائی۔ جب ساری قوم ایک مٹھی میں بند ہو جب سارا ملک ایک یونٹ ہو۔ جب ایک اسمبلی ہو، جب ایک سربراہ ملک ہو جب ایک چیف اگزیکٹو یعنی وزیراعظم ہو۔ کچھ اس طرح کا نظام معمار پاکستان نے بھی قائم کیا تھا۔ قائداعظم نے ملک کے دونوں حصوں یعنی مشرقی اور مغربی پاکستان کو ون یونٹ کا درجہ دیا تھا۔ چاہئے تو یہ کہ پاکستان میں پورے کا پورا اسلامی نظام نافذ کیا جائے کیونکہ یہ ملک مسلمانوں کا ہے اور لاالہ الااللہ کے نعرہ پر حاصل کیا گیا ہے مگر کفار اور مشرکین اس سے الرجک ہیں اور خود ملک کے اندر جو سوشلسٹ، سیکولرسٹ اور روشن خیال ہیں وہ بھی الرجک ہیں لہٰذا سردست قائداعظم والا نظام ہی دوبارہ رائج کر دیا جائے۔ کیا پاکستانی عوام کو ایسی

قیادت میسر نہیں آسکی جو کہ اِس کا قبلہ درست کرکے ہمارے معاشرے میں ریجنل ڈسپیریٹی نے جس طرح قومی یک جہتی کو پارہ پارہ کر رکھا ہے اس بات کا ادراک لیڈر شپ کو بھی ہے عدلیہ اور فوج کے ادارے بھی اِس حقیقت سے آشنائی رکھتے ہیں، اُس کے باوجود کہیں سے بھی خیر کی خبر نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی قومی یک جہتی کے حوالے سے ماضی قریب میں کیا گیا وہ ٹیبل ٹاک اور میڈیا کی حد تک رہا اُس سے آگے اگر بڑھا ہوتا تو بلوچستان آج لہو لہو نہ ہوتا آج کراچی کے در و دیوار معصوم لہو کی تحریروں سے کانپ نہ رہے ہوتے۔ خیبر پختون خواہ صوبہ دہشت گردی کے چنگل سے رہا ہو چکا ہوتا۔ قانون کے طالب علم ہونے کے ناطے راقم کی رائے میں پاکستان کے تمام خطوں کے ساتھ برابری کی بنیادوں پر معاشی سلوک نہ کر کے ایسا بیج بویا گیا ہے کہ اِس کا شاخسانہ ہم ماضی میں سقوطِ ڈھاکہ کی شکل میں دیکھ چکے ہیں۔ انسانی آزادیوں کے حوالے سے ہمارے ملک کا ٹریک ریکارڈ کسی صورت بھی تسلی بخش نہیں ہے حتیٰ کہ پرویز مشرف کے دور میں گمشدہ افراد عدالت عظمیٰ کی سر توڑ کوشش کے باوجود آج تک برآمد نہیں کیے جاسکے۔ پاکسانی ایجنسیوں کا کردار کا ذکر تو بہت ہوتا ہے اور اُن کے خلاف باقاعدہ کئی مرتبہ محاذ بھی کھڑا کیا گیا لیکن ہنوز دلی دور است۔ ہمارے ایک طرف عیار دشمن بھارت جو تقسیم ہند کو پاپ کہتا ہے دوسری طرف امریکی سرکردگی میں پوری دنیا کی افواج افغانستان میں خون کی ہولی کھیلنے کے بعد اب کسی اور شکار کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ کشمیر کا معاملہ ہنوز حل طلب

ہے۔ ان حالت میں تو پاکستانی معاشرے کو اندرونی معاذ پر انتہائی مضبوط ہونا چاہیے۔ لیکن حالات ہیں کہ نا قابلِ بیان ہیں۔ 1) بے روزگاری عروج پر ہے 2 (انرجی کے بحران نے معیشت کا دھڑن تختہ کر دیا ہے (3 عوام گرمی کی چیرہ دستیوں اور حبس کے موسم میں اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے بجلی سے محروم ہیں۔ 4 (تعلیم کا میدان ہو یا صحت عامہ کی سہولتیں ہر طرف ہی لٹیا ڈوبی ہوئی ہے۔ ایسے میں نئی حکومت سے کسی چھو منتر کی توقع رکھنا عبث ہے یقینا یہ بات قابل اطمینان ہے کہ پاک فوج کا مورال بلند ہے اور وہ ہر وقت دفاع وطن کے لیے تیار ہے اور گزشتہ کئی سالوں سے حالتِ جنگ میں ہے۔

اِس کے باوجود کہ حالات کسی جانب بھی تسلی بخش نہیں ہیں لیکن معاشرے کو ہر صورت میانہ روی کی ضرورت ہے۔ حکومت کرنے والوں کی یقینا اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں لیکن پاکستان کے چاروں صوبوں، بشمول گلگت بلتستان و آزاد کشمیر کو ہر حال میں ترقی کے یکساں مواقع ملنے چاہیں۔ اس مقصد کے لیے آئین پاکستان مشعلِ راہ ہے تاکہ کسی ایک بھی فرد کو کسی بھی طرح سے اُس کے حق سے محروم نہ رکھا جائے۔ سکول کالج، ہسپتال، کارخانے، پارک، سڑکیں ڈیم پُل، ذرائع نقل و حمل، روزگار کے مواقع وغیرہ پاکستان کے ہر خطے میں رہنے والے ہر فرد کا حق ہیں۔ بلوچستان کا دور افتادہ گاؤں، سندھ کا گوٹھ، خیبر پختون خواہ کا قبائلی علاقہ، کشمیر دھرتی کے سنگلاخ چٹانوں میں رہنے والوں، گلگت بلتستان کی وادیوں سب کے رہنے والوں کا پاکستان کی ایک ایک انچ پر برابر کا حق ہے پاکستان کے تمام وسائل

سب کے لیے ہیں۔ میڈیا کی آزادی نے کافی حد تک آگاہی دی ہے اور اب کسی بھی علاقے کے افراد کو اُن کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنا مشکل ہے۔ معاشرتی رہن سہن اور رواجات میں معاشی حالات کا بہت گہرا تعلق ہے اور معاشی حالات درست سمت تک اُس وقت تک نہیں کیے جا سکتے جب تک ملکی عوام امن وسکون کی زندگی بسر نہ کر رہے ہوں۔ انسانی بنیادی ضروریات عوام کے مفادات کی ذمہ داری جن محکموں پر قانونی طور پر لاگو ہے اُن کی طرف سے چشم پوشی اور کوتاہی موجودہ دور میں بہت بڑا المیہ ہے۔ جب قانون پر عملدرآمد نہ ہو رہا ہو تو پھر معاشرئے کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے حکمران حاکمیت کے مزے لوٹنے کی بجائے عوامی خدمت کو پیشِ نظر رکھیں کیونکہ اگر اب بھی موجودہ حکمرانوں نے سابقہ حکمرانوں کی طرح عوام کو نوچنا بند نہ کیا تو پھر معاشرتی زوال اُن کا مقدر ہوگا تب اُن کی حکمرانی قائم نہ رہ سکے گی کیونکہ حکمرانی کرنے کے لیے سابقہ حکمرانوں نے پورے ملک کو میں افراتفری کی جو آگ لگا رکھی تھی جس میں اب تو عوام جل رہے ہیں اُس کے بعد اِس آگ میں جلنا اُن سابقہ حکمرانوں کا مقدر ٹھہر گیا ہے۔ کس قدر المیہ ہے کہ جب کوئی بھی شخص آئین کی پاسداری کی بات کرتا ہے تو اُسے سازشی گردانا جاتا ہے۔ قران جیسا کوڈآف لائف رکھنے کے باوجود اور نبی کریم ﷺ کے پیروکار کہلوانے کے باوجود ہمارے معاشرے میں جو درگت عام آدمی کی بنی ہوئی ہے اس سے تو یہ بات قرین قیاس ہے کہ خدانخواستہ یہ انسانی معاشرہ ہی نہیں ہے بلکہ حیوانات کی حیوانیت کی بھی کوئی حد ہوتی

ہے ہمارا معاشرے تو بیچارہ جنگل کے قانون سے بھی محروم ہے یہاں تو انصاف بکتا ہے اور اشرافیہ اِس کی خریدار ہے۔ طاقت کے نشے میں دھت اشرافیہ ملک کے غریب طبقے کو کچلنے پر تُلی ہوئی ہے۔ عام انسان کی نہ تو عزت محفوظ ہے اور نہ زندگی۔ معاشرتی طور پر دیکھا جائے جس طرح کا نظام ہمارے ہاں پنپ چکا ہے ایسے نظام سے یہ توقع لگائے رکھنا کہ یہ نظام عام آدمی کی حالت بدلے گا، دن میں خواب دیکھنے کے مترادف ہے۔ ہمارے معاشرے میں بغاوت سی کی صورت حال پیدا ہوتی جارہی ہے۔ بیروزگاری کا جن کسی طور بھی قابو میں نہیں آرہا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے سیاستدان کسی طور بھی اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں لیڈر ثابت نہیں کرپارہے لیڈر وہ نہیں ہوتا جو کہ صرف اپنے پیٹ پر ہی ہاتھ پھیرے۔ لیڈر عوام کے لیے باپ جیسا ہوتا ہے اور باپ کا کام صرف محبتیں بانٹنا اور احساس کرنا ہوتا ہے۔ ہماری سوسائٹی میں کاش محمد علی جناح کی شخصیت جیسا رہنماء ہمیں کوئی میسر آجائے۔ تو یقیناً پاکستانی عوام ان جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے چُنگل سے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ عوامی شعور تو بیدار ہے لیکن رونا تو اس نظام کا ہے یہ نظام درحقیت مسائل کی جڑ ہے۔ مصطفے کریم ﷺ نے جو نظام وضع فرمایا ہے وہ معاشرے سے بے چینی دور کرنے کا نہ صرف داعی ہے بلکہ معاشرے میں امن وسکون کی ضمانت ہے۔ امریکی پٹھو ہر صورت میں امریکی ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ پاکستان کا انتظامی ڈھانچہ ایسی صورت حال اختیار کرچکا ہے کہ جھوٹ کرپشن کا دور دوراں ہے۔ امن عامہ کی صورتِ

حال کا مخدوش ہونا اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ معیشت کی بربادی کی ذمہ داری امن و عامہ کی گھمبیر صورت حال پر ہے۔ طاقت کا توازن اس سوسائٹی میں ہمیشہ عوام مخالف رہا ہے۔ عوام کی شنوائی کہیں بھی نہیں ہے آئین پاکستان کے آرٹیکل 62 اور 63 کے معیار پر کونسا عوامی نمائندہ پورا اُترتا ہے۔ کونسلر بننے کے لیے تھانے کچہری کی سیاست کرنا پڑتی ہے ایم این اے اور ایم پی اے بننے کے لیے کیا کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا ہے۔ آزادی کے حقیقی ثمرات عوام الناس تک نہ پہنچنے کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی جدائی ہوئی۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا

نبی پاک ﷺ سے عشق نے ممتاز قادری شہیدؒ کو ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید کر دیا ہے۔ عاشقان مصطفیٰ کریم ﷺ کی تحریریں جو ممتاز قادری شہیدؒ کے حوالے سے مختلف اخبارات کی زینت بنیں اور رسالت ماب ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کے حوالے سے دین اسلام پر مبنی کتاب کروں تیرے نام پہ جان فدا۔ جناب محمد کاشف رضا نے ترتیب دی ہے محترم کاشف رضا نے بندہ ناچیز اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کو نہ صرف اِس کتاب کا پیش لفظ تحریر کروانے کی سعادت سے سرفراز فرمایا بلکہ میرا ایک مضمون غازی علم دین شہیدؒ کا ہمسفر غازی ممتاز قادری شہید بھی اِس کتاب میں شامل کیا۔ اللہ پاک محمد کاشف رضا کی اِن کوششوں کو قبول فرمائے۔ بندہ ناچیز اُن کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہے۔ زندگی کا سفر رواں دواں ہے جو ساعتیں اللہ پاک نے سانسوں کو عطا کی ہے اِن سانسوں پر یہ قرض ہے کہ وہ ہر دم اللہ پاک کے محبوب ﷺ کی خدمت اقدس میں درود سلام پیش کریں۔ کیونکہ زندگی عطا کرنے والی ذات پاک اللہ کی ہے۔ اور اللہ پاک کا شکر بجالانے اور اللہ پاک کی خوشنودی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ پاک کے محبوب ﷺ کی خوشنودی حاصل کی جائے۔ دنیا کی بے ثباتیوں نے جس انداز میں محبت بھرے جذبوں کو کچل ڈالا ہے اِن حالات میں روپے پیسے کے دھن چکر سے دور روحانیت کی شمع فروزاں کیے جانے کی عظیم سعی جمیلہ کی سعادت حاصل کرنے

والے احباب عظیم سعادت کے حامل ہیں۔مجھے اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہے۔ لیکن اپنے پیرو مرشد حضرت حکیم میاں محمد عنایت خان قادری نوشاہیؒ کے فیضانِ نظر سے ممتاز قادری شہیدؒ کے حوالے سے لکھی جانے والی عظیم کتاب کروں تیرے نام پہ جاں فدا کے پیش لفظ لکھنے کی سعادت مجھے میسر آئی۔اِس کتاب کے سرورق پہ جناب غازی ممتاز قادری شہیدؒ کے جنازے کی تصویر ہے جو کہ اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ قرار دیا جاسکتا ہے۔آغاز میں قرانی آیت ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خانؒ کی تحریر شامل ہے۔اِسی طرح دارالفکر فاونڈیشن کے چیئرمین جناب ڈاکٹر محمد اشفاق جلالی کی تحریر جذباتِ دل کے نام سے موجود ہے۔پھر بندہ ناچیز محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کا اِس کتاب کے لیے لکھا گیا پیش لفظ جنگل کا قانون کے عنوان سے شامل ہے۔ محمد کاشف رضا نے بھی قلم کی عبادت کے عنوان سے انتہائی محبت افروز ابتدائیہ تحریر فرمایا ہے۔اُس کتاب کے پہلے حصے میں رسالت اور قانون رسالت کے عنوان کے تحت گستاخ رسول ﷺ کی سزا جناب حضرت علامہ احمد سیعد کاظمی شاہ صاحبؒ کی تحریر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کی نفسیاتی تحلیل جناب ڈاکٹر حمید اللہؒ کا مضمون ، عہد صحابہ میں گستاخ رسول کی سزا جناب علامہ سید امتیاز حسین شاہ کاظمی کی تحریر اور رفیق احمد باجوہ کی تحریر کائنات کے گستاخ اِسی طرح محمد تصدیق اور ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں، ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی ،جناب جسٹس میاں محبوب احمد، جناب علامہ خلیل الرحمان قادری اور جناب محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ کے مضامیں

بھی شامل ہیں۔ باب دوم کا عنوان ممتاز قادری شہیدؒ کے حالات زندگی ہے۔ اِس میں ملک دلپزیر اعوان کا مضمون ملک ممتاز قادری شہیدؒ کی خود نوشت اور ممتاز قادریؒ کے خطوط شامل ہیں۔ باب سوم میں اِس اندھے دستور کے عنوان سے کالم شامل ہیں جس میں ایف آئی ، بیان حلفی اور یمن کے سب سے بڑے دارالفتاء کا فتویٰ شامل ہے۔ باب چہارم میں وکلاء غازی ممتاز شہید کے انٹرویوز شامل ہیں۔ باب پنجم میں میڈیا کے کردار کے عنوان سے قومی اخبارات و میگزین میں لکھے گئے شہید ممتاز قادری کے حوالے سے مضامین شامل ہیں۔ جن خوش نصیبوں کے حصے میں بعد از شہادت شہید غازی ممتاز قادریؒ کے حوالے سے لکھنے کی سعادت آئی اُن میں سر فہرست روزنامہ اوصاف کا اداریہ، نوید مسعود ہاشمی، ملک عمران عمر فاروق ، سید مبشر الماس ،طارق اسماعیل ساگر، ڈاکٹر محمد اجمل نیازی، مصدق گھمن ، محمد ریاض اختر، میر افسر مان، محمد ناصر اقبال خان اور بندہ ناچیز میاں محمد اشرف عاصمی کے مضامین شامل ہیں۔ باب ششم میں راجا رشید محمود ، صاحبزادہ محب اللہ نوری، سعید بدر،ادیب ضیاء کوٹی ، نثار علی اُجاگر، الحاج محمد حنیف نازش قادری، سلطان محمود سلطان، خواجہ اللہ رکھا سیاف ، قاری شاہد محمود قادری ، محمد احمد چشتی ، محمد عامر رضا عامر، اور مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کی مناقب شامل ہیں۔ قانون کے ادنٰی سے ادنٰی طالب علم کے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ قانون کی بالادستی کے بغیر سب کچھ فضول ہے۔ تمام مکاتب فکر اِس بات پر متفق ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے گستاخ کی سزا

صرف اُسکا سر تن سے سزا ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ اللہ پاک نے نبی پاک ﷺ کو اُس وقت نبوت پر سرفراز فرمایا تھا جب آدم کی تخلیق ہی نہیں ہوئی تھی اسلامی معاشرئے کے لیے خدا اور اُسکا رسول ﷺ ہی سب کچھ ہیں۔ ممتاز قادریؒ کی شہادت کے حوالے سے غازی علم دین شہیدؒ کے وقت جو جذبہ ایمانی مسلمانوں میں عود آیا تھا وہی سب کچھ اب دیکھنے میں آیا۔ نواز شریف حکومت نے شائد تاریخ کی سب سے بڑی غلطی کی ہے کہ غازی علم دین شہیدؒ کے وقت انگریز سامراج کی حکومت کی یاد دلادی۔ اُس وقت توہینِ رسالت کا قانون نہ تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ لڑا۔ مقدمے میں حضرت اقبالؒ پیش پیش تھے۔ اب ذرا آج کے دور کے حالات ملک پاکستان توہین رسالت کا قانون موجود۔ حکومت مسلمان حکمرانوں کی۔ لیکن پنجاب کے آئینی سربراہ گورنر تاثیر کے الفاظ کیا تھے کہ یہ کالا قانون ہے۔ توہین رسالت کی مرتکب آسیہ کو سیشن جج نے پھانسی کی سزا دی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سب سے بڑئے آئینی صوبے کے آئینی سربراہ گورنر پنجاب نے جیل میں جاکر ملزمہ کو ساتھ بٹھا کر پریس کانفرنس کی کہ وہ صدر زرداری کو کہہ کر اِس کی سزا معاف کروایں گے۔ کئی دن گزر گئے لیکن سلمان تاثیر کی جانب سے کہے گئے کہ الفاظ کے حوالے کوئی حکومتی پیش رفت دیکھنے میں نہ آئی۔ اِس طرح سرعام نبی پاک ﷺ کی حرمت کے قانون کے حوالے سے توہین آمیز الفاظ کہنا اور حکومت وقت کا اپنے رنگ رنگیلے شراب وکباب کے دلدادہ قران کی عظمت رسول ﷺ کی عظمت کے انکاری گورنر پنجاب کی بازپرس نہ

کرنا اور یتیم عدلیہ جو کہ اُس وقت سو موٹو کی ماہر تھی اُس کی جانب سے کوئی ایکشن نہ لینا۔اِس بات کا مظہر ہے کہ نبی پاک ﷺ کی عزت و ناموس کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اُس وقت کی زرداری حکومت کو کوئی پرواہ نہ تھی۔اِن حالات میں پھر کسی فاقہ مست نے تو میدان عمل میں کودنا ہی تھا۔ عشق انسان کو پاگل نہیں ہونے دیتا۔ یوں محبتِ رسول ﷺ کی لگن نے ممتاز قادریؒ کو نبی پاک ﷺ کے دُشمن کو جہنم رسید کرنے پر اُبھارا۔ جوائنٹ انوسٹی گیشن کی رپورٹ بھی یہی ہے کہ محرک صرف یہ ہی تھا کہ تاثیر نے ناموس رسالت ﷺ کے حوالے سے توہین آمیز گفتگو کی تھی۔یہ ہی بات غازی علم دین شہیدؒ کی اپیل کے فیصلے میں لکھی گئی تھی کہ علم دینؒ نے یہ کام اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ نبی پاک ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر کیا ہے۔ اقبالؒ کو نبی پاک ﷺ سے جتنی محبت اور عشق ہےاِس کا اندازہ غازی علم دین شہیدؒ کے مقدمے کی پیروی اور پھر غازی علم دین شہیدؒ کی تدفین کے حوالے سے اُن کی تڑپ، محبت عشق اور احترام پر رشک کیا جاسکتا ہے۔ ممتاز قادری شہیدؒ کی شہادت نے پوری اُمت کو غازی علم دین شہیدؒ کے پیغام کی یاد تازہ کروائی ہے۔ اُن کی شہادت نے نام نہاد مولانا طاہر اشرفی اور نام نہاد مولانا شیرانی کے چہروں کو بے نقاب کیا ہے۔اِس کے ساتھ ساتھ طاہر القادری کا موقف یقینی طور پر اُمتِ مسلمہ کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ جس جس شخص کو حکومت میں آنے کی جلدی ہے جس میں عمران خان بھی شامل ہیں اُس اُس نے قادری کی پھانسی کو درست قرار دیا ہے۔جب

دنیاوی معاملات میں یہ عدالتیں فیصلہ کرتی ہیں جن میں اِن کے لوٹ کھسوٹ کے پروگراموں پر زد پڑے تو پھر یہ عدالتیں غلط اور اگر نبی پاک ﷺ کی حرمت کی بات ہو تو پھر اِن عدالتوں کو درست گردانا جاتا ہے۔جب دھرتی کو ماں کہا جاسکتا ہے۔جب وطن کو ایمان کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔جب مادر وطن یعنی زمین کا ٹکرا حاصل کرنے کے لیے لاکھوں جانوں کا نذرانہ پیش کیا جا سکتا ہے۔حتیٰ کہ انسان اپنی ماں باپ کی توہین برداشت نہیں کرپاتاتو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ 1.6 بلین مسلمانوں کے پیغمبرِ اعظم و آخر جو وجہ تخلیقِ کائینات ہیں اور مسلمانو کی آن سے محبت اپنے مال و جان سے بڑھ کر ہیاُن کی شان میں گستاخی کو برداشت کیا جاسکے۔یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ مسلمانانِ عالم کی انفرادی و اجتماعی عقیدتوں کا مرکزو محور نبی پاک ﷺ کی ذات پاک ہے۔موجودہ حالات میں جبکہ عراق ،افغانستان، کشمیر اور پاکستان میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے۔روس کی شکست و ریخت کے بعد امریکہ علاقے کا تھانیدار بن کر ہر ملک کو تنگ کر رہاہے اور خونِ مسلمان سے اپنی پیاس بجھا رہاہے۔مسلمانوں کی روح اور دلوں کو زخمی کرنے کے لیے ہر دوسرے چوتھے مہینے نبی پاک ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرکے امریکہ اور اُس کے حواری اس امر کو آزادیِ رائے کا نام دیتے ہیں۔کیا یہ حق کسی بھی انسان کو آزادی رائے کے نام پر دیا جاسکتا ہے کہ کسی بھی مذہب کے بانی کے خلاف ہرزہ رسائی کی جاسکے۔نبی پاک ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا ایک ایک پہلو دُنیا بھر کے انسانوں کے

لیے مشعلِ راہ ہے تاریخِ عالم اِس بات کو کبھی جھٹلا سکتی کے کبھی مسلمانوں نے کسی بھی مذہب کے پیغمبر کے خلاف کوئی بھی بات کی ہو۔ کیونکہ تمام انبیاا کرامؑ پر ایمان لانا مسلمانوں کے عقیدے کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے کسی بھی مذہب کے بانی کا تمسخر نہیں اُڑایا جاتا۔ لیکن پھر کیوں یہودی لابی امریکی پادریوں کے ذریعے شانِ رسالت میں کرواتی ہے۔ اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل سے عشق رسول ﷺ نکالا جائے کیونکہ جب عشقِ رسول ﷺ ہی نہ ہوگا تو پھر مسلمانیت کیسے برقرار رہ سکے گی۔ بقول حضرتِ علامہ اقبالؒ ہر مسلمان کے اندر روح محمد ﷺ ہے۔ امریکہ اسرائیل روح محمد ﷺ مسلمانوں کے اندر سے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ علامی امن کے حوالے سے امریکہ اسرائیل ،انڈیا کا کردار انتہائی شرمناک ہے۔ مسلمانوں کو پوری دُنیا میں میڈیا کے زور پر دہشت گرد کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ یہ امریکی و اسرائیلی حربے امریکہ و یورپ میں اشاعتِ اسلام کے خوف سے ہیں۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کی رب پاک نے نبی پاک ﷺ کے ذکر کو بلند فرمادیا ہے۔ یہ ذکر کسی کا پابند نہیں ہے کیونکہ رب پاک خود اور اُسکے مقرب فرشتے نبی پاک ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ کفار عشقِ نبی پاک ﷺ کی لو سے خوفزدہ ہیں اور روح محمد مسلمانوں کے اندر سے نکالنے کے لیے دن رات سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان حالات میں مسلم دنیا کے حکمرانوں کا کردار انتہائی شرمناک ہے۔ مسلمان حکمران اپنی حکمرانیکو بچانے کا سودا کرکے خود کو امریکہ کے پاس گروی رکھ کر چکے ہیں۔ جب مسلم ریاستیں اپنی عوام کو بے یارومددگار

چھوڑ دیں تو پھر ناموس رسالت کی طرف اُٹھنے والی تنقیدی روش کا خاتمہ کیسے ممکن ہے۔ مسلم دُنیا کی بزدلی نے اب یہ دن دکھا دیئے ہیں کہ آئے روز نبی پاک ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی مذموم حرکات ہو رہی ہیں۔اب مسلم قوم کو پھر سے کسی صلاح الدین ایوبیؒ کا انتظار ہے۔اب کسی غازی علم دین شہیدؒ کی آمد کی ضرورت ہے۔ مُسلمان دُنیا کے حکمران 1.6 بلین مسلم قوم کی ترجمانی کی بجائے امریکی وفاداری کو اپنائے ہوئے ہیں۔ان حالت میں ضرورت اس امر کی ہے کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کو عالمی قانون کے ذریعے قابلِ گرفت قرار دیا جائے جو بھی بدبخت ہمارے آقا نبی پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو اُس کی سزا حضرت عمرؓ کی عدالت کے مطابق اُس کا سر تن سے جدا ہو۔ کروں تیرے نام پہ جاں فدا کو ترتیب دے کر جناب محمد کاشف رضا نے ایک عظیم کوکاوش کی ہے۔اللہ پاک محمد کاشف رضا کو نبی پاک ﷺ کے طفیل آسانیاں عطا فرمائے۔

وکلاء میں جسٹس (ر) افتخار چوہدری کی سیاسی پارٹی کی پزیرائی؟

پاکستان کی تاریخ میں ایک ایسی شخصیت بھی ہیں جنھوں نے تاریخ کا دھارا بدل دیا۔آمریت کے دور میں جناب مشرف سے ایسی غلطی سرزد ہوئی کہ وہی اُن کے زوال کا باعث بن گئی۔اللہ پاک نے ہاتھی والوں کو بھی ننھے سے پرندوں کے ہاتھوں .ربدا کروایا تھا۔اِسی طرح افتخار چوہدری کے خلاف جنرل مشرف نے جو راستہ اختیار کیا وہ اُن کو لے ڈوبا۔ افتخار چوہدری کی قوت وکلاء تھے وکلاء انصاف کے اعلیٰ ترین ایون کی بالا دستی کے لیے میدان عمل میں آئے ۔ وکلاء نے جانیں قربان کیں۔ معاشی نقصان اُٹھائے۔ لیکن ڈٹے رہے۔ افتخار چوہدری صاحب بحال ہوئے۔ یہ الگ بات ہے کہ اتنے فعال چیف جسٹس ہونے کے باوجود ماتحت عدلیہ کی حالت کو درست کرنے کے حوالے سے کو راست قدم نہ اُٹھاسکے۔ یہ درست ہے حکومتیں اُن کیساتھ تعاون نہیں کرتی رہیں۔اب جناب افتخار چوہدری نے ایک سیاسی پارٹی بنائی ہے۔پاکستانی سیاست کا جو حال ہے وہ سب کے سامنے ہے۔اِن حالات میں چوہدری صاحب کے لیے دُعا ہے کہ وہ ثابت قدم رہیں۔چوہدری صاحب نے موجود حالات پر جو باتیں کی ہیں وہاں کی زبانی ہی سنتے ہیں۔سابق چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری نے کہا ہے کہ آئندہ کوئی بھی جرنیل ملک میں مارشل لاء لگانے کی جرات نہیں کرسکتا اور نہ ہی اعلی عدلیہ کا کوئی بھی جج پی سی او کے تحت حلف اٹھائے گا۔ پرویز

مشرف کو بیرون ملک باہر بھیجنے کی ذمہ دار عدلیہ نہیں نواز شریف حکومت ہے۔ تین نومبر 2007 کو ملک میں مارشل لاء کے خلاف مزاحمت کی جس کے نتیجے میں ایک جمہوری حکومت نے اپنی مدت پوری کی اور اب دوسری جمہوری حکومت مدت پوری کر رہی ہے، اس اقدام سے ملک میں آئین کا بول بالا اور ایک مائنڈ سیٹ تبدیل ہوتے نظر آ گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کا فیصلہ چار رکنی بنچ نے دیا تھا ان کے ساتھ ہمارا کوئی ذاتی عناد نہیں ہے تاہم ذاتی تعلقات ہیں ایک دوسرے کے خاندان کا احترام کا رشتہ موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ 2013 کے جنرل الیکشن میں نواز شریف کا ساتھ دینے کا تاثر غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ محض مفروضہ ہے، الیکشن میں دھاندلی کے حوالے سے کسی قسم کا ہاتھ نہیں ہو سکتا ہے، ملک میں جمہوریت چاہتے ہیں۔ انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے عدالتی قتل کے حوالے سے کہا کہ یہ مقدمہ فی الحال زیر سماعت ہے، اس پر تبصرہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے سابق صدر پرویز مشرف کو بیرون ملک بھیجنے کی ذمہ دار حکومت کو قرار دیتے ہوئے کہا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے میں ان کو بیرون ملک بھیجنے کے حوالے سے کوئی حکم موجود نہیں۔ نجی ٹی وی سے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے سابق چیف جسٹس افتخار چوہدری کا کہنا تھا کہ ان کا مشرف کے ساتھ کوئی ذاتی جھگڑا نہیں تھا، بلکہ ریاستی قانون کو اس ملک میں چلنا ہے یا پھر شخصی قانون کو ؟اس بات پر اختلاف تھا، میں یہ سمجھتا تھا کہ اس ملک میں وقت آ گیا ہے کہ ریاستی قوانین کا بول بالا ہونا چاہیے اور

شخصی قانون ختم ہونا چاہیے۔انہوں نے کہا کہ سسٹم کی کے سروائیول کیلئے انہوں نے پی سی او کے تحت حلف لیا، کسی جگہ پر آپ کو اس قسم کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے،اسی فیصلے کی وجہ سے اللہ نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو موقع دیا اور ملک میں آئین کی بالادستی کا بول بالا کروایا۔پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا کہ ہم نے مارشل لاء جسے اس وقت ایمرجنسی پلس کہتے تھے،اس کی مخالفت کی اور اس کے بعد جمہوری حکومت قائم ہوئی اور اب دوسری جمہوری حکومت اپنی مدت پوری کر رہی ہے۔انہوں نے کہا کہ تحریک انصاف نے مشرف کیخلاف تحریک میں بھرپور ساتھ دیا،عمران خان کو الیکشن میں ہروانے والی بات صرف ایک مفروضہ ہے چیئرمین پی ٹی آئی اس بات کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکے۔سابق چیف جسٹس افتخار چوہدری کا کہنا تھا کہ وہ نواز شریف کے مشرف کے ساتھ معاہدے کرکے چلے جانے کے سخت خلاف ہیں،جب آپ لیڈر ہیں تو آپ کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ آپ کو کس قسم کے ریاستی جبر کا سامنا ہے۔جب ہم نے مشرف کیخلاف تحریک شروع کی تو اس وقت پرویز مشرف بہت مضبوط تھا ان کے خلاف کوئی کھڑا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا،صرف وکلائ مشرف کے خلاف کھڑے ہوئے اور پھر بعد میں تمام سیاسی جماعتوں نے ہمارا ساتھ دیا۔انہوں نے کہا کہ جب میں اپنی پیشی کیلئے جارہا تھا تو اس وقت مولانا فضل الرحمان آئے انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اپنا تعارف کروایا،جس پر میں نے کہا کہ میں آپ کو جانتا ہوں کیونکہ آپ کی کوئٹہ میں حکومت ہوا کرتی تھی اور میں آپ کے لوگوں کو بھی

جانتا ہوں، اسفندیار ولی کو بھی میں نے کہا کہ میں آپ کو جانتا ہوں کہ آپ کے والد صاحب وکالت کرتے تھے۔افتخار چوہدری کا کہنا تھا کہ عمران خان نے وکلا تحریک میں اس وقت اپنی بھرپور طاقت کے حساب سے میرا ساتھ دیا۔عمران خان کو الیکشن میں ہروانے اور نواز شریف کو جتوانے کی باتیں صرف ایک مفروضہ ہے،آج تک عمران خان اس بات کو ثابت نہیں کر سکیں ہیں، چیف جسٹس اس ملک میں جمہوریت کو مضبوط کرنا چاہتا ہو تو ایسے کسی کام میں اس کا ہاتھ کیسے ہو سکتا ہے۔انہوں نے کہا کہ دھاندلی کی تحقیقات کیلئے جوڈیشل کمیشن بنایا گیا جس میں عمران خان نے دنیا جہان کے ثبوت پیش کیے لیکن وہ میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکے۔افتخار چوہدری کا کہنا تھا کہ ہماری پارٹی عام آدمی کی پارٹی ہے اس لیے ہمیں پیسوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ لوگ خود پیسے دیتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ ان کے کوئی اثاثے نہیں ہیں پینشن آتی ہے اور اچھا گزارہ ہو جاتا ہے،اگر میں نے آف شور کمپنی بنائی ہوتی تو میں کرائے کے گھر میں نہیں رہتا۔میرا ایک گھر لاہور میں زیر تعمیر ہے، میں عاجز سا بندہ ہوں،سب کی عزت کرتا ہوں۔جناب چوہدری صاحب کی موجود گفتگو کے حوالے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ میدان سیاست میں کچھ کر دکھانے کے لیے آئے ہیں اور ہر کسی کا حق ہے۔سیاست میں جو حالات ہین وہ جناب چوہدری صاحب کو بخوبی پتہ ہیں۔ لیکن اُن کی سیاسی جماعت کی وکلا میں پزیرائی کی صورتحال سب کے سامنے ہے۔ وکلاء اِس حوالے سے کوئی خاص پر جوش حالت میں نہیں ہیں۔ چوہدری صاحب

اِس جانب توجہ فرمائیں۔

طلاقوں کی بہتات معاشرے کے اہم یونٹ گھر کی بربادی کا سامان

حلال امور کی ادئیگی میں سے صرف ایک واحد کام جو کہ طلاق ہے کو اللہ پاک نے نا پسند فرمایا ہے۔ معاشرئے کا بنیادی یونٹ گھر ہے۔ جب گھر کو بسانے والے دونوں فریق خاوند اور بیوی کے درمیان سماجی کنٹریکٹ ہی نہ رہے تو پھر گھر کے سکون کی بربادی میں کوئی کسر نہیں رہ جاتی۔ سوشل میڈیا نے جہاں عوام کو بہت سے امور میں آگاہی دی ہے وہاں اِس کے منفی اثرات نے بھی معاشرئے کو اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے۔ انتہائی دکھ کا مقام ہے کہ موبائل فون اور انٹرنیٹ کے استعمال کی بدولت معاشرئے میں شرم وحیا کو آگ لگ گئی ہے۔ گھر سے بھاگ کر شادی کرنے کے رحجان نے معاشرئے کو اِس بُری طرح لپیٹ میں لے لیا ہے ایسا دیکھائی دیتا ہے کہ پاکستانی معاشرہ مذہب کے بغیر ہے اور روحانی اقدار نام کی کوئی شے یہاں نہیں ہے۔ فیس بک کی چیٹینگ سے شادیوں تک پہنچنے والے مراحل کے بعد جب نام نہاد محبت کی فینٹسی کا بخار رفو چکر ہوتا ہے اور زندگی کی حقیقتوں کی آشکاری ہوتی ہے تو پھر آٹے دال کو بھاؤ پتہ چلتا ہے کہ والدین کے گھر شہزادی بن کر رہنے والی نے اپنی مرضی سے گھر سے بھاگ کر جو معاشرئے میں نیک نامی کمائی ہے اُس میں غلطی پر کون ہے۔ یوں پھر خلع کی نوبت آجاتی ہے۔ اگر لاہور میں فیملی عدالتوں میں صرف طلاق والے کیسوں کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ معاشرہ کس جانب جا

چکا ہے۔ اِسی طلاق اور خلع کی وجہ سے پھر نان و نفقہ اور اگر بچے پیدا ہو چکے ہوں تو اُن کی حوالگی کے حوالے کے مسائل سر اُٹھاتے ہیں۔ گھر سے بھاگ کر شادی کرنے والوں کی بڑی تعداد غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہے جو اُنھیں جسم فروشی کے لیے استعمال کرتے ہیں حالیہ مہینوں میں پرنٹ اور الیکٹرنک میں یہ رپورٹ ہوچکا ہے شادی کے جال میں پھنسا کر مشرقِ وسطیٰ میں جسم فروشی کے لیے لڑکیوں کو سمگل کر دیا جاتا ہے۔ حوا کی بیٹی کے ساتھ جو سلوک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہو رہا ہے۔اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے رہنماء ہمارے حکمران فکری طور پر مکمل کھوکھلے ہوچکے ہیں اُن اِس کا بالکل ادراک نہیں کہ پاکستانی معاشری کس طرف پرواز کر چکا ہے۔ بے روزگاری بھی بہت بری وجہ ہے طلاقوں کی شرح میں اضافے۔ موجود مشترکہ خاندانی نظام اور روپے پیسے کی ہوس نے رشتوں کو بھلادیا ہے اور بس اپنی جان کے لیے ہر کوئی فکر میں مصروف ہے۔یوں مشترکہ خاندانی نظام بُری طور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔گارڈین کورٹ کے معاملات کے حوالے سے بہت سے مسائل اتنی پیچیدگیوں کے حامل ہیں کہ بچے بُری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ ماتحت عدلیہ میں میاں بیوی کے درمیان علحیدگی کی وجہ سے بچوں کی حوالگی اور اُن کی اپنے والد یا والدہ سے ملاقات کے حوالے سے احسن طور پر امور انجام نہیں دیئے جارہے ہیں۔ ایک مہینے کے بعد دو گھنٹے کی ملاقات وہ بھی ایک ڈربہ نما کمرے میں جہاں سینکڑوں اور لوگ بھی اپنے بچوں سے ملنے کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اگر خادم اعلیٰ اپنی آنکھوں

سے جا کر ماتحت عدلیہ کے زیر انتظام عدالتوں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کا حشر دیکھ لیں تو اُن کو اندازہ ہو جائے گا کہ اِس طرح تو کبوتر بھی کسی ڈربہ نما کمرے میں نہیں رکھے جاسکتے جس طرح کہ گارڈین کورٹس کی حالت زار ہے کہ بچے اپنے ولادین سے ملاقات کے لیے ذلیل وخوار ہو رہے ہوتے ہیں اور یہی حال اُن کے والدین کا بھی ہوتا ہے۔ والدین کی ناچاقیوں کی سزا معصوم بچوں کو تو بھگتنا پڑتی ہی ہے اِس کے ساتھ ساتھ بچوں کے ماں باپ بھی گارڈین کورٹ کے چکر لگا لگا کر اور بچوں کے لیے نان و نفقہ کے حصول کے لیے جس طرح عدالتوں میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے یقینی طور ماں اور باپ اور اِسی طرح بچوں کے لیے بھی ایک مشکل صورتحال بن جاتی ہے۔

دوسری طرف اگر ان بچوں کی تعلیمی استعداد اور اُن کی ذہنی کیفیات کا اندازہ لگایا جایا تو یہ امر بالکل واضع ہے کہ بچے ذہنی طور پر کافی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بن ماں یا باپ کے بغیر بچے کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے مضر اثرات کا ادراک وہی کر سکتا ہے جو اِس چکی میں پس رہا ہو۔ ماں یا باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں بچوں کو یہ صبر کو آ ہی جاتا ہے کہ اُن کی ماں یا اُن کا باپ اب اِس دُنیا میں نہیں ہے۔ لیکن جب بچے اپنے ہم جماعتوں کو اپنے والدین کے ساتھ دیکھتے ہیں اور والدین کی مشترکہ تربیت اور محبت سے استفادہ ہو رہے ہوتے ہیں تو یہ معاملہ اُن بچوں کے لیے سوہانِ روح بن جاتا ہے۔ماں یا باپ کی علحیدگی کی وجہ سے منتشر خیالات کے حامل بچے معاشرے کے لیے اُس طرح ذہنی

طور پر بہتر شہری ثابت نہیں ہو پاتے جس طرح والدین کی آغوش میں پلنے والے بچوں کی پرورش ہورہی ہوتی ہے۔ حالیہ ایک دہائی سے پاکستانی سوسائٹی کے بودوباش میں عجیب وغریب تبدیلی آئی ہے۔اِس تبدیلی کو اگر تباہی سے تعبیر کیا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ ٹی وی چینلز کی بھرمار، موبائل فون اور انٹرنیٹ کا بے تحاشہ استعمال معاشرے کو ایسے دوراہے پہ لے آیا ہے کہ خاندانی نظام کی دھجیاں بکھرتی جارہی ہیں۔ دادا دادی جو کسی بھی گھر کے لیے نعمت ورحمت تصور ہوتے تھے اور اسلامی ومشرقی معاشروں کی پہچان تھے اُن کے حوالے جو صورتحال بنی ہے وہ یہ کہ اُن کا احترام ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ دوسرا والدین کا احترام والا نظریہ بھی بہت حدتک مفقود ہوتا جارہا ہے۔ تیسرا موبائل کی وجہ سے سارا جہاں ایک بٹن کے دبانے پر آشکار ہونے کے لیے ہر وقت تیار ہوتا ہے اِس لیے زندگی میں ہوس پرستی نے اتنی جگہ بنالی ہے کہ اب خلوص اور وفا صرف شاعری کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ معاشرے میں تعمیر وتربیت کے لیے سب سے اہم خیال کیا جانے والا شخص اُستاد اِس وقت اُس مقام کو کھو چکا ہے جو اِس معلّمی پیشے کا خاصہ تھا۔اب اُستاد بھی پیسہ کمانے والی مشین بن چکا ہے کیونکہ معاشرتی اخلاقی زوال پذیری اِس نہج تک پہنچ چکی ہے کہ اُستاد کا درجہ ایک ملازم کی طرح کا ہو چکا ہے اِس کی وجہ معاشرے میں دولت کی عزت ہے اور یوں پرائیوٹ اداروں میں علم کی روشنی کی بجائے ڈگریوں کی لوٹ سیل لگی ہوئی ہے۔ طلاقیں کیوں اتنی بڑی تعداد میں ہورہی ہیں اور جو بچے ماں یا باپ

کے بغیر پروان چڑھیں گے اُن کے ساتھ کون کون سی محرمی ہے جو جونک کی طرح نہیں لپٹ جائے گی۔

اِس آرٹیکل کے مصنف ماہر قانون ہیں اور قانون کی کتاب قانون کی حاکمیت کے بھی مصنف ہیں۔

پنجاب میں شادی و بیاہ کی تقریبات کا ترمیمی بل

سماجی رسوم رواج کبھی معاشرے کے یے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ہوا کرتے تھے۔ لیکن اِس سادگی اور محبت کے ایام کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی کہ ہر طرح کی تقریبات جو بھی معاشرے میں میل جول کا باعث تھیں اُن میں نمود نمائش اور ہوس لالچ نے گھر کر لیا۔پاکستان جو کہ گزشتہ دو دہائیوں سے دہشت گردی کا شکار ہے۔معاشی ابتری کے شکاراِس ملک کے رہنے والوں کو انٹرنیٹ پر سوشل میڈیا اور موبائل فون نے اِس طرح جکڑا ہے۔کہ قناعت جیسی عظیم روایات کی حامل مسلمان قوم بھی ہوس پرستی کی راہ پر چل نکلی ہے۔پرائیوٹ چینلز کی بہتات نے انسان کو اکنامک اورینٹیڈ پروڈکٹ بنا چھوڑا ہے جس سے انسان کی زندگی سے محبت خلوص وفا کے جذبے ختم ہو گئے ہیں اور بس دولت جھوٹی آن بان میں انسان کو مصروف کر دیا گیا ہے تاکہ وہ معاشی سرگرمیوں کے ایک عامل کے طور پر کولہو کا بیل بنا رہے۔شادی بیاہ کی تقریبات کبھی ہمارے معاشرے میں خوشیاں لاتی تھیں لوگ کئی کئی دن شادی والے گھر میں مہمان بنتے۔آپس میں گپ شپ ہوتی۔ موبائل فون اور انٹرنیٹ کے استعمال نے اپنے ہی گھر میں موجود افراد ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن گئے ہیں۔اِن حالات میں شادیاں صرف نمود نمائش تک محدود رہ گئی ہیں اوراِس کی وجہ سے معاشرے میں محبت اور خلوص وفا کے دائرے جو پھیلتے تھے وہ سمٹ گئے

ہیں۔پنجاب حکومت پولیس اور سرکاری محکمہ جات کو لگام دینے میں ناکام ہوچکی ہے۔ اِس لیے ہر وہ قانون جس میں عوام الناس براہ راست متاثر ہوتے ہین اُس قانون کی وجہ سے پولیس کے لیے کرپشن اور لوٹ مار کا ایک نیا درواز کھل جاتا ہے اور یوں حرام کی کمائی میں اضافے کرکے اپنی قبر کو مزید بھاری کرنے میں یہ اہلکار جت جاتے ہیں۔پنجاب اسمبلی نے شادی بیاہ کی تقریبات کے حوالے سے جو نیا ترمیمی بل پاس کیا ہے۔ یقینی طور بہت ہی اچھا ہے۔اور اگر اِس پر دینات دری سے عمل ہو تو معاشرے کے پسے ہوئے طبقوں کو سکون کا سانس میسر آ سکتا ہے۔پنجاب اسمبلی نے شادی بیاہ کی تقریبات سے متعلق ترمیمی بل منظور کر لیا۔ بل کے مطابق شادی بیاہ پر گھر کے اندر مہمانوں کو ایک سے زائد ڈشیں کھلانے کی اجازت بھی ختم کر دی گئی۔ شادی کے موقع پر جہیز کی نمائش پر پابندی ہو گی۔ گھر کے علاوہ گلی محلے میں چراغاں کرنے پر بھی پابندی ہو گی۔ خلاف ورزی پر ایک ماہ قید کی سزا ہو گی۔ اس کے علاوہ 50 ہزار سے 20 لاکھ روپے تک جرمانہ بھی کیا جاسکے گا۔ شادی بیاہ پر کھانوں اور فضول رسومات میں دولت کی نمائش اور پیسے کے ضیاع کو روکنے کیلئے پیش کئے گئے بل کو کثرت رائے سے منظور کر لیا گیا۔ شادی کی تقریبات میں گلی، سڑک، عوامی مقامات اور کھلی جگہوں پر آرائشی روشنیاں لگانے کی بھی اجازت نہیں ہو گی۔اونچی آواز میں گانے بجانے پر بھی پابندی ہو گی۔ رسم نکاح، مایوں، مہندی، بارات اور ولیمہ پر بھی مہمانوں کی تواضع کیلئے صرف ون ڈش ہی پیش کی جاسکے گی۔ بل

میں واضح طور پر تحریر ہے کہ تقریبات میں ان قواعد و ضوابط پر عمل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ رات دس بجے کے بعد گھروں میں بھی شادی کی تقریبات جاری نہیں رکھی جاسکیں گی۔ کرائے کے فارم ہاوسز میں بھی رات گئے تک شادی کی تقریبات پر پابندی ہو گی۔ علاوہ ازیں پنجاب اسمبلی نے ترمیمی ویجیلینس کمیٹیاں بل 2016 بھی منظور کر لیا۔ جس کے مطابق کمیٹیوں کے کنوینز ڈی سی او ہونگے' کمیٹیوں کا مقصد گلی محلوں میں مشکوک افراد کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے نظام کو یقینی بنانا ہے۔ کمیٹی میں پولیس، سپیشل برانچ، انٹیلی جنس کا نمائندہ، دو ارکان اسمبلی اور دو عام شہری شامل کئے جائیں گے۔ کمیٹی یونین کونسل کی سطح پر مقامی ویجیلینس کمیٹی تشکیل دے گی۔ کمیٹی کا رکن بننے والے فرد کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔ سپیشل برانچ اور سی ٹی ڈی مقامی ویجیلینس کمیٹیوں کے ارکان کو ٹریننگ دے گی۔ کمیٹی یونین کونسل سطح پر اپنے دائرہ اختیار میں مشکوک افراد کی موجودگی فرقہ واریت یا تخریب کاری کو ہوا دینے والے عناصر کے بارے معلومات اکٹھا کرے گی۔ کمیٹی ممنوعہ اور غیر قانونی تنظیموں کے چندہ اکٹھا کرنے، وال چاکنگ آڈیو ویڈیو ممنوعہ مواد تقسیم کرنے کا بھی خیال رکھے گی۔ کمیٹی کے ذمہ رہائش پذیر کرائے داروں کی معلومات اکٹھا کرنے کا کام بھی ہو گا۔ کمیٹی ارکان کو کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ مسودہ قانون شادی بیاہ تقریبات کی منظوری کے بعد آرڈیننس شادی بیاہ تقریبات 2015 ءمنسوخ ہو گیا۔ نئے قانون کے مطابق شادی

بیاہ کی تمام تقریبات 10 بجے رات ختم ہوجایا کریں گی۔ آتشیں اسلحہ سے ہوائی فائرنگ، کریکر، آتشبازی چلانے پر پابندی ہو گی۔ شادی والے گھر کے علاوہ چراغاں نہیں کیا جاسکے گا۔ مہمانوں کو صرف ون ڈش دی جاسکے گی جس میں ایک سالن، چاول کی ڈش، سلاد، گرم اور ٹھنڈے مشروبات، روٹی، نان اور ایک سویٹ ڈش شامل ہے۔ مسائل کے حل کے لیے آئے دن نئے نئے قوانین تو بنالیے جاتے ہین لیکن اِن قوانیں پر عمل درآمد کروانی والی بیوروکریسی سفید ہاتھی کی شکل بن چکی ہے۔ کتابوں میں لکھے قوانین اچھے دیکھائی دیتے ہیں۔ لیکن خادم اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف سے پولیس سُدھر نہیں سکی۔ اِس لیے اِس نئے قانون سے پولیس کو لوٹ مار کرنے کے کافی مواقع میسر آئیں۔ اِس حوالے خادم اعلیٰ کو سوچنا چاہیے کہ قوانین تو بنا جارہے ہیں اِن کو لاگو کروانے کے لیے فرشتے کہاں سے آئیں گے۔

اسلامی تعلیمات کی روح کے منافی خواتین پروٹیکشن بِل میں کچھ شقیں

شق نمبر 7 سب سیکشن ای۔ سنگین تشدد جس سے متاثرہ شخصیت کی زندگی، ناموس یا شہرت کو خطرہ لاحق ہونے کا احتمال ہو تو وہ اپنے گھر سے باہر نکل جائے۔ ہمارے معاشرے میں کیا اِس طرح کی تعلیم دی جا سکتی ہے کہ ہم اپنی بیٹی بہن اور بیوی کو متذکرہ بالا بیان کردہ شق 7 سب شق ای کے مطابق کس طرح کی بات کی تربیت دے رہے ہیں کہ زندگی میں سنگین تشدد ناموس یا شہرت کو خطرہ لاحق ہونے کا احتمال ہو۔ کیا اِس طرح کی گمان کی وجہ سے گھر سے نکلا جا سکتا ہے۔ اور اِس گمان کے تحت کہ کیونکہ عزت ناموس کو خطرہ لاحق ہے گھر ہی چھوڑ دیا جائے۔ اِس شق کے حوالے سے اگر بنظر عمیق جائزہ لیا جائے تو کیا ہم عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور بھاگنے کے نتائج سے آگاہ ہیں۔ کیا اِس طرح ہم گھر کی چار دیواری کے تحفظ پر خود ہی سوال نہیں اُٹھا رہے۔ کیا خواتین سنٹرز والدین یا شوہر اور بچوں کی محبت و نگہبانی کے متبادل ہو سکتے ہیں۔ اِس شق کے مطابق تو عورت خدشہ کی بنیاد پر بیٹی بہن اور بیوی صرف خدشہ کی بنیاد پر گھر چھوڑ کر چلی جائے تو کیا ہماری سوسائٹی میں اُسے قبول کیا جائے گا۔ کیا کوئی خاوند اِس طرح گھر چھوڑ کر جانے والی خاتون کو بطور بیوی دوبارہ اپنے گھر میں آباد کرنے پر راضی ہوگا۔ ہمارے معاشرے میں نیوز چینلز و پرنٹ میڈیا تو اس طرح کی خبروں کی اشاعت

سے اُس خاندان کا حشر نشر کر دیتے ہیں اور سماج میں اُس خاندان کی عزت کا جنازہ نکال چھوڑتے ہیں۔ اِس طرح کی شق کے مسودئے کو پڑھے بغیر اِس میں شامل کر دیا گیا۔ اور اِس شق کے معاشرئے پر مرتب ہونے والے نتائج و عواقب کی کوئی پرواہ نہیں کی گئی ۔اِس شق کے حوالے سے اہل علم و دانش سے نہ ہی رجوع کیا گیا ہے۔ ہمارا دین اسلام تو یہ کہتا ہے کہ اگر خاوند ایک یا دو طلاقیں دئے دیتا ہے۔ تو ایامِ عدت میں بھی عورت اپنے خاوند کا گھر چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ ملاحظہ ہو اللہ پاک کا ارشاد: اے نبی ﷺ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو اُنھیں ان کی عدت کے لیے طلاق دیا کرو اور عدت کو شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمھارا رب ہے نہ تم انہیں اِن کے گھروں سے نکالا و اور نہ خود نکلیں مگر یہ کہ کھلی بے حیائی (عمل میں) لائیں اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو یقیناً اُس نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو نہیں جانتا شائد اللہ اِس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دئے۔

الطلاق) مذکورہ بالا آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم انہیں اِن کے گھروں) سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔اِن کے گھروں سے مراد خاوندوں کے گھر ہیں جن میں عورتیں رہ رہی ہیں ان میں رہنے کی وجہ سے ہی ان کو گھر فرمایا ہے۔ یعنی عورت کے لیے عدت کے ایام گھر میں گزارنا ضروری ہیں اور نہ خاوندوں کو انھیں گھر سے نکالنے کی اجازت ہے اور نہ اِنھیں خود ان گھروں

سے نکلنے کی۔اِسکی حکمت اللہ پاک نے۔ اتنی مدت اِس گھر میں رہنے کی وجہ باہمی صلح اور رجوع کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے اِسی وقت الگ ہوگئے اور عورت کو گھر سے نکال دیا یا وہ خود نکل گئی تو صلح ہونے کے امکانات معدوم ہو جاتے ہیں۔اور پھر اِس آیت میں اِسے حدوس اللہ کہا جارہا ہے۔ عدت میں عورت کو گھر سے نکالنا یا عورت کا خود نکل جانا یا عورت کو اس وقت طلاق دینا جو طلاق دینے کا وقت نہیں ہے۔ یہ معمولی غلطی اور خطا نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کی حدود کو پھلانگنا ہے اور ایسے لوگ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔

پاکستان فلاح پارٹی کا فیصل آباد میں پیام امن کنونشن

پاکستان کی موجود صورتحال سب کے سامنے ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام نے ملک کی غریب عوام کو نچوڑ لیا ہے۔ سابق فوجی جرنیلوں وڈیروں جاگیرداروں کی شکل میں سیاسی روپ دھارئے معاشرئے کا یہ طبقہ آکٹوپس کی طرح وطن کو جکڑئے ہوئے ہے۔انجمن طلبہ ء اسلام اور مصطفائی تحریک کے عظیم تر مشن سے وابستہ افراد کی یہ سیاسی جماعت یقینی طور پر کرپشن کو بنیادوں سے ختم کرنے کے لیے میدان عمل میں اُتری ہے۔ رسول پاک ﷺ کی محبت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانے والی پاکستان فلاح پارٹی کا قیام گو کہ کافی تاخیر سے ہوا ہے۔ انجمن طلبہ ء اسلام سے وابستہ افراد گذشتہ سنتالیس سالوں سے انجمن سے فراغت کے بعد سیاست کے لیے دیگر جماعتوں میں جاتے رہے۔اور معاشرئے میں اہم حثیت کے حامل ہیں۔ لیکن اقتدار کی غلام گردشوں میں نظریاتی لوگ بھی جا کر اطیواللہ واطیوالرسول کے حوالے سے تگ و تاز میں کامیاب نہ ہوئے وجہ اُن کے سیاسی لیدڑ تو نظریہ کی بجائے صرف بادشاہت کے لیے اقتدار میں آتے ہیں۔ یوں نصف صدی کے قریب ہونے کو آیا ہے کہ انجمن طلبہ ء اسلام سے فراعت اختیار کرنے کے بعد نظریاتی افراد کبھی پی ایم ایل ن ، کبھی پی پی پی ، جے یو پی، پی ٹی آئی میں رہے۔ نظام مصطفے پارٹی بھی بنی لیکن فعالیت اختیار نہیں کر سکی۔یوں گھر سے مکتب تک اور مکتب سے معاشرئے تک

کے انجمن طلبہ ، اسلام کے مشن کے لیے جو افرادی قوت تھی اُس کو بہتر سیاسی رہنمائی میسر نہ آسکی اور لوگ بکھرتے رہے۔ حتیٰ کہ مایوسیوں نے گھر کر لیا۔ انجمن طلبہ اسلام سے وابستہ طاہر القادری حاجی حنیف طیب ، صاحبزادہ فضل کریم ، حامد سعید کاظمی و دیگر احباب اپنے طور پر سیاست کرتے رہے لیکن میکرو لیول پر نظریاتی لوگوں کو اُس طرح ایڈجسٹ نہ کر سکے جس طرح کا تقاضا تھا۔ جے یو پی میں دھڑا بندی اور تقسیم در تقسیم کے عمل نے بھی انجمن طلبہ اسلام سے وابستگان افراد کو مایوسیوں میں رکھا۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے کہ جے یو پی کا مرکز اور صوبائی اسمبلیوں میں نام لیوا کوئی نہیں۔ حامد سعید کاظمی صاحب نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا وزیر مذہبی امور رہے اور اُن کو ایسی گرداب میں پھنسا دیا گیا کہ میڈیا نے اُن کا ایسا حشر کیا کہ احمد سعید کاظمیؒ جیسی ہستی کے صاحبزادے کے ساتھ یہ سلوک اور گرفتاری نے انجمن طلبہ اسلام کے افراد کو مزید مایوس میں ڈال دیا۔ پاکستان فلاح پارٹی کے قیام سے انجمن طلبہ اسلام سے وابستہ افراد کو امید کی ایک نئی کرن نظر آئی ہے کہ سیاسی مزاج کے حامل افراد کو ایک بہتر سیاسی پلیٹ فارم میسر آ جائے۔ قاضی عتیق الرحمان امانت علی زیب، بدر ظہور چشتی، سید راشد گردیزی جیسے باکمال اور باہمت افراد اِس سیاسی پلیٹ فارم کے لیے تگ و تاز میں ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ سال میں کچھ عرصہ دورہ جات کا شیڈول بنا کر جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری پاکستان تشریف لے آیا کریں تاکہ احباب کو موبلائز کیا

جاسکے۔ پاکستانی خطے کا مزاج ایسا ہے کہ اِس خطے میں سیاسی پارٹی کے لیے ایک نمایاں شخصیت ہونا ضروری ہے۔ حاجی حنیف طیب ، ڈاکٹر ظفر اقبال نوری یہ ایسی شخصیات ہیں جو احباب کو فعال کر سکتی ہیں۔

ہمارے معاشرے میں روحانی انداز پنپ نہیں سکا۔ فکر آخرت رب کریم کا خوف ، زندگی کو عارضی جاننا ان تصورات کے ہوتے ہوئے تو مسلم سوسائٹی دنیا بھر کے تمام ممالک اور مذاہب کے لوگوں کے لیے نشان راہ ہونی چاہیے تھی لیکن افسوس جن قوموں کو ہم کافر کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کفار نے جنت میں نہیں جانا بلکہ جنت صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔ ان کفار کے ممالک میں انسانی حقوق بھی انسانوں کو حاصل ہیں اور پولیس و دیگر محکمہ جات بھی قانون پر عمل پیرا ہیں۔ رشوت کرپشن جو ہماری پولیس کا قومی نشان بن چکا ہے۔ اس نشان کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اسلام جیسے عظیم مذہب پر اس کی روح کے مطابق عمل کرکے معاشرے کو امن و سکون کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے بلا امتیاز قانون سب کے لیے ایک جیسا ہونا چاہیے۔ با اثر سے با اثر افراد اگر کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں تو پھر یہ حکمرانوں کے اوپر ہے کہ وہ ان لوگوں کی پکڑ کریں اور انصاف سب کو بلاامتیاز مہیا کریں۔ اگر اللہ کی پکڑ سے بچنا ہے تو پھر ان جرائم پیشہ ، رشوت خور پولیس افسران کو پکڑنا ہوگا اور قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا ہوگا۔ حضرت قائدِاعظمؒ اور حضرت علامہ

اقبالؒ کے خوابوں کی تکمیل یہ پاکستان کی صرف روح ہی چھلنی نہیں بلکہ اس پاکستان کے جسم کو کو بھی اس طرح نوچا جارہا ہے جیسے یہ لاوارث ہو۔ 27 رمضان المبارک کی شب وجود میں آنے والی اس سرزمین پاک کو رب تعالیٰ نے قائم رکھنے کے لیے بنایا ہے۔ اس ملک نے ہمیشہ قائم و دائم رہنا ہے۔ اور اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے والوں نے آخر جہنم رسید ہونا ہے۔ اگر قانون شکنوں کو قانون کی پکڑ میں نہ لایا گیا تو پھر اللہ کی پکڑ سے پھر کون بچ سکتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انسانیت کا بول بالا فرما دیا۔ حتیٰ کہ کفار جو آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا۔ ایام جنگ میں خواتین بچوں اور بوڑھوں پر تلوار اٹھانے سے منع فرمایا۔ جانوروں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے رحم دلی فرمائی۔ جب نبی کریم ﷺ نے انسانی وقار اور احترام کا ایک مکمل ضابطہ دیا تو پھر 1400 سال سے زائد عرصہ گزرنے بعد بھی مسلم معاشرہ ابھی تک ارتقاء میں ہے۔ یہ ارتقائی سفر مثبت سمت کی بجائے منفی رجحان کی طرف گامزن ہے۔ عراق، ایران، مصر، عرب ممالک شام، لیبیا، ترکی، پاکستان ان تمام ممالک میں عوام کے ساتھ بے رحمانہ سلوک ہوتا ہے۔ آمریتیں جہاں جہاں اپنے قدم جمائے ہوئی ہیں وہاں وہاں کے حکمران لوگوں کی قسمت کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔

انسانیت کی قدر کی تعلیم دینے والی مسلمان قوم اب عملی شکل میں انسانیت کی قدر دان کیوں نہیں ہے۔ پاکستان فلاح پارٹی جیسی نظریاتی سوچ کی حامل سیاسی جماعت کی معاشرے میں نفوس پذیری ہونی چاہیے۔

چھوٹو گینگ ۔نو گو ایریا اور سوئے ہوئے حکمران

قارئین راجن پور پنجاب کا ایک ضلع ہے۔ رانا ثناء اللہ جو پنجاب میں نو گو ایریا سے ہمیشہ انکاری رہے ہیں۔ ہمیشہ حکمرانوں کو اُن کے مشیران لے ڈوبے ہیں۔ایسا ہی خادم اعلیٰ کے وزیر اُن کے ساتھ کر رہے ہیں۔ایک نجی چینل پر رانا ثناء اللہ صاحب سابق ڈپٹی ایئر مارشل جناب لطیف کے ساتھ اتنی ہتک آمیز گفتگو سنی تو بندہ ناچیز کے دل سے ایک آہ نکلی اور میرا یہ ایمان ہے کہ اللہ پاک ظالم کی رسی بس ایک حد تک دراز کرتا ہے۔راجن پور کے علاقے میں اتنا زیادہ نو گو ایریا کہ پولیس بھیگی بلی بن گئی بلکہ بچارے غیر تربیت یافتہ پولیس اہلکار اِن عاقبت نا اندیش حکمرانوں کی غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ خادم اعلیٰ انتہائی فعال شخصیت ہیں لیکن وہ اپنے مشیران کو شاید سمجھ نہیں پائے کہ اُن کی صلاحتیں کیا ہیں۔ عدلیہ کو چاہیے کہ جناب رانا ثناء اللہ کو طلب فرمائے اور اُن سے پوچھے کہ آپ تو ہمیشہ سے انکاری رہے ہیں کہ پنجاب میں کوئی نو گو ایریا نہیں ہے۔ تو راجن پور کیا ہندستان کے کچے کا علاقہ ہے۔پولیس کو انتہائی نقصان برداشت کرنا پڑا ہے اور فوج کو آخر بلانا حکومت کی مجبوری بن گیا ہے۔راجن پور میں جرائم پیشہ گروہ چھوٹو گینگ کیخلاف جاری فوجی کارروائی میں گن شپ ہیلی کاپٹروں سے گینگ کے ٹھکانوں اور کمین گاہوں پر شیلنگ جاری

ہے۔ علاقے کے لوگوں کو گھروں میں رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جرائم پیشہ گروہ کی جانب سے فوجی ہیلی کاپٹر پر اینٹی ایئر کرافٹ گن سے فائرنگ کے بعد علاقے میں مزید فوجی کمک بھیجی گئی ہے۔ حکومتی ذرائع نے ان خبروں کی تردید کی کہ چھوٹو گینگ کے ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ ادھر کچے کے علاقے میں چھوٹو گینگ کیخلاف جاری آپریشن کے بعد کرفیو میں تین گھنٹے کیلئے نرمی کی گئی تھی جس کے بعد علاقے میں دوبارہ کرفیو نافذ کرکے آپریشن شروع کردیا گیا۔ راجن پور کے علاقے کچا بنگلا اچھا، کچا شاہ والی، کچا سون میانی، مورو اور کچا جمال میں دو گھنٹے کیلئے کرفیو میں نرمی کردی گئی اور تین گھنٹے کی نرمی کے بعد چھوٹو گینگ کیخلاف ایک بار پھر آپریشن ضرب آہن شروع کردیا گیا ہے۔ فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے ڈائریکٹر جنرل لیفٹیننٹ جنرل عاصم باجوہ نے کہا ہے کہ راجن پور کے علاقے کچے میں چھوٹو گینگ کے خلاف آپریشن ''ضرب آہن'' کا چارج پاک فوج نے سنبھال لیا ہے جس کے بعد مجرموں کے گرد گھیرا مزید تنگ کردیا گیا ہے۔ آئی ایس پی آر کے ترجمان لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ نے ایک بیان میں کہا کہ آپریشن کیلئے تمام وسائل بروئے کار لائیں گے اور کامیابی کے حصول کو یقینی بنائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ آپریشن کی باقاعدگی سے معلومات دی جائیں گی اور پیشرفت سے مسلسل آگاہ رکھا جائیگا۔ ذرائع کے مطابق ڈاکوؤں نے فورسز کو دھوکہ دینے کیلئے یرغمالی اہلکاروں کی وردیاں خود پہن لیں اور اپنے کپڑے انہیں پہنا دیئے ہیں۔

یرغمال اہلکاروں کی رہائی

تاحال نہیں ہوسکی۔ آپریشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے تونسہ بیراج کے مقام پر دریائے سندھ میں پانی کے اخراج میں کمی کردی گئی ہے جس کے نتیجے میں آپریشن زدہ علاقہ میں بہنے والے دریا میں پانی کی سطح مسلسل کم ہورہی ہے۔ فورسز کی جانب سے اعلیٰ حکام کو آگاہ کیا گیا تھا کہ کچے کے علاقے میں دریائے سندھ میں پانی کی سطح بلند ہونے کے باعث جاری آپریشن میں مشکلات کا سامنا ہے جس پر اعلیٰ حکام نے تونسہ کے مقام پر پانی کے اخراج میں کمی کی ہدایات جاری کردیں۔۔ سکیورٹی فورسز نے نئی مورچہ بندی کرلی، ڈاکوؤں نے یرغمال بنائے گئے پولیس اہلکاروں کی وردیاں استعمال کرنا شروع کردیں۔ فیصلہ کن کارروائی کیلئے فورسز کے تازہ دم دستوں کے علاوہ پانی میں چلنے والی بکتر بند گاڑیاں بھی کچے کے علاقے میں پہنچ چکی ہیں۔کچے میں جاری آپریشن کی کمانڈ سنبھالتے ہی ڈاکو مغوی پولیس اہلکاروں کی وردیاں خود پہن کر انکو سادہ کپڑے پہنا کر انہیں ڈھال کے طور پر استعمال کررہے ہیں جس کے باعث سکیورٹی فورسز کو ڈاکوؤں پر فائرنگ کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ماہرین کے مطابق سکیورٹی فورسز کو دریا میں پانی کی مقدار بڑھنے سے قبل جاری آپریشن مکمل کرلینا چاہئے کیونکہ دریا میں پانی کی مقدار بڑھنے کے باعث سکیورٹی فورسز کو جاری آپریشن میں مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ آپریشن ضرب آہن میں 2 گن شپ اور 5 ریسکیو ہیلی کاپٹروں کا استعمال کیا جارہا ہے۔ ڈاکوؤں کو فرار سے روکنے کیلئے پولیس اور رینجرز کی 16 چوکیاں

قائم کردی گئی ہیں۔ ٹینک، توپیں اور بکتر بند گاڑیاں بھی علاقے میں پہنچ گئی ہیں۔ چھوٹو گینگ کے پاس 3 ہیوی مشین گنیں 2 سو سے زائد سب مشین گنیں اور کئی ہزار کلو بارود موجود ہے۔

چھوٹو گینگ یرغمال بنائے جانے والے پولیس اہلکاروں کو آپریشن میں شدید کارروائی سے بچنے اور اپنے بنکرز پر بمباری روکنے کیلئے بطور انسانی شیلڈ استعمال کر رہا ہے۔ تاحال گینگ کے خلاف بھرپور کارروائی نہیں کی گئی اور پنجاب حکومت کی پہلی ترجیح یرغمال بنائے جانے والے اہلکاروں کی بحفاظت بازیابی ہے۔ آپریشن میں پاک فوج کے سپیشل کمانڈ سب سے آگے ہیں اور رینجرز اور پولیس ان کی معاونت کر رہی ہے۔ پنجاب کے علاقے میں امن وامان کا یہ عالم دہشت گردی نے حالیہ دنوں میں لاہور کو ہلا کر رکھ دیا، پنجاب میں راہ کے جاسوس کی گرفتاری کا سلسلہ بھی ابھی تک جارہ ہے۔ خادم اعلیٰ پنجاب کو وزارتِ داخلہ پنجاب کو کسی ایماندار اور محنتی وزیر کے حوالے کرنا چاہیے۔ پولیس کی پورے معاشرے کارکردگی زبان زد عام ہے لیکن پنجاب حکومت کے مشیران سب اچھا ہے کہ رپورٹ دے رہے ہیں۔ امید ہے کہ خادم اعلیٰ پولیس کی کارکردگی اور پنجاب میں دہشت گردوں ڈاکوؤں کی لوٹ مار پر نوٹس لیں۔

فکرِ اقبال کے فروغ سے انتہاء پسندی کا خاتمہ

2016ء کا سال بھی گزر ہی جائے گا۔ لیکن ہمارے حکمرانوں نے جو لبرل ہونے کے لیے وطیرہ بنا لیا ہوا ہے اُس کی مثال نہیں ملتی۔ درباری مُلاؤں اور ڈبہ پیروں کے ساتھ اقتدار کے مزے لینے والے جاگیر دار، وڈیرے سرمایہ دار حکمرانوں کا ملک کی نظریاتی اساس کا کوئی پاس نہیں ہے۔یوم اقبالؒ 21 نومبر کو ہونے والی ہالیڈے کو ختم کرکے اقبال کی نظریاتی اساس کو قوم کے اذہان سے ختم کرنے کے سازش کرنے والے حکمران نہ جانے کس طرح کا پاکستان چاہتے ہیں۔ موجودہ دور میں مادیت نے جس طرح اپنے پنجے ہر طرف گاڑ رکھے ہیں اور رشتوں کی محبت جاتی رہی ہے۔ نظریات کی باتیں کتابوں تک محدود ہیں۔ عمل ناپید ہے وعظ کی شعلہ بیانیاں ہر سُو ہیں۔ایسے میں شاعرِ مشرق کے نظریات اور موجودہ پاکستانی عوام کے حالات کو ایک خاص تناظر میں دیکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قوم کو کچھ پتہ ہی نہیں بلکہ صل بات یہ ہے کہ احساس زیاں جاتا رہا ہے قصور میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی والا سانحہ ہمارے سماج کے مُنہ پر زناٹے دار تھپڑ ہے۔یہ المیہ ہے کہ شرافیہ کو ایسا معاشرہ ہی حکومت کرنے کے لیے چاہیے۔ من کی غلاضت کا اظہار اِس بات کا مظہر ہے کہ مملکت پاکستان میں کھیلے جانے والے اِس شیطانی کھیل میں وہاں کے سیاستدان شامل ہیں۔ اور تو اور اُس گاؤں میں

یہ ظلم گزشتہ سات آٹھ سالوں سے ہو رہا تھا اتنے بڑے گاؤں میں کسی کی غیرت نہیں جاگی۔ کاش ہماری حکومت میں کچھ غیرت ہو اور وہ سماج کی اخلاقیات کی ڈوبتی ناؤ کو بچائے۔ کہاں گئے مذہبی ٹھیکیدار، نام نہاد سماجی رہنماء جو ایک چھوٹے سے شہر میں برسوں سے جاری ظلم کا ادراک نہ کر سکے۔ زمانے میں اپنا نام بنانے کے لئے سب سے اہم عامل جو کارفرما ہوتا ہے وہ ہے اپنے اللہ پاک پر مکمل بھروسہ، منزل کے حصول کے لئے سخت محنت، دیانت داری اِسی طرح والدین اور اِساتذہ کا احترام جو شخص بھی اِس کسوٹی پر پورا اُترتا ہے وہ معاشرے میں نام پیدا کرتا ہے اور اُسے عزت واحترام بھی میسر آتا ہے۔ صرف دولت کا حصول کامیابی نہیں۔ اللہ پاک کے بے پاں رحم وکرم کے حصول کیلئے اچھا انسان بنا ضروری ہے ایمانداری، باہمی عزت واحترام، خلوص، وفا، حیاء کسی بھی معاشرے کو ہمہ جت خصوصیات کا حامل بنا دیتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی محبت نے جناب اقبالؒ کو راست بینی عطا فرمادی تھی اور وہ سمجھتے تھے رب پاک کا عطا کردہ قانون تمام دُکھوں کا علاج ہے۔ اِس لیے حضرت اقبالؒ نے مرد مومن کی شان اِس طرح بیان کی ہے کہ مرد مومن کو شاہین قرار دے دیا۔ چونکہ شاہین نہ تو کسی کا کیا ہوا شکار کھاتا ہے اور نہ اپنا گھونسلہ بناتا ہے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں مسلمان عمل کے لحاظ سے شاہین کی مماثلت سے عاری نظر آتے ہیں کیونکہ جب علم و عمل کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو پھر رسوائی مقدر بن جاتی ہے۔ حضرتِ اقبالؒ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں کہ کیا تو لاالہ الااللہ محمد

رسول اللہ کہتا ہے؟ اگر کہتا ہے تو پھر روح میں ڈوب کر کہ تاکہ تیرے جسم سے جان روح) کی خوشبو آئے۔ سورج اور چاند کی گردش لا الا کے سوز سے ہے میں نے یہ سوز) پہاڑ اور تنکے میں ہر چھوٹی بڑی شے میں دیکھا ہے۔ لا الا کے سوز میں جینا قہاری ہے لا الا ایک ضرب ہے اور کاری ضرب ہے۔ جناب اقبالؒ فرماتے ہیں کہ آج کے مسلمان نے دین وملت کو ایک کوڑی کے بدلے بیچ ڈالا ہے اس نے اپنے گھر کا سامان اور اپنا گھر بھی جلادیا ہے۔ کبھی اس کی نماز میں پہلے توحید کا رنگ تھا اب نہیں رہا اس کی نیاز میں کبھی ناز تھا اب نہیں رہا۔ اقبال فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جس کی زندگی کا ساز وسامان خدا پاک تھا اب اس کا فتنہ مال کی محبت اور موت کا خوف ہے۔ اور اس میں ذوق و سرور کی وہ مستی نہیں رہی اس کا دین بس کتاب یعنی قران پاک میں ہے اور خود وہ قبر میں ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ جب نماز اور روزے سے روح جاتی رہی تو فرد بے لگام ہو گیا اور ملت میں کوئی تنظیم نہ رہی۔ آج کے مسلمان کے سینے قران کی حرارت سے خالی ہو گئے ایسے لوگوں سے بہتری یا بھلائی کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ آج کا مسلمان خودی کو بھول گیا ہے۔ اقبال کے خیالات کے تناظر میں اگر ہم موجودہ حالات کو دیکھتے ہیں کہ اگر ہم اپنے تعلیمی اداروں کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سب کچھ اچھا نہیں ہے ڈیوڈ کیمبل کی کتاب بزنس فارنان بزنس سٹوڈنٹس کو ایم بی اے کو پڑھانے کا راقم کو موقع ملا۔ اُس کتاب میں سب سے زیادہ زور کاروباری شخص کی جس خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے

وہ ہے دیانت داری یعنی کاروبار کی وسعت ،کامیابی دیانت داری کی مرہون منت ہے ۔انسانی تمدن میں زمانے کے ساتھ جو بھی تبدیلیاں آئیں اور انسانی معاشرے جس طرح جہالت کے اندھیروں سے کامیابیوں کی طرف گامزن ہوئے ۔ یہ سب کچھ نبی پاک ﷺ نے جو سبق انسانوں کو دیا اُس سے ہی انسان کی سوچ کا ارتقائی عمل مکمل ہوا۔ ارتقائی عمل کے مکمل ہونے کی سب سے .بڑی وجہ یا دلیل آج سے تقریبا سواچودہ سو سال پہلے نبی پاک ﷺ کا دینِ الٰہی کو مکمل فرما دینا اور اپنی سُنت کے ساتھ ضابطہ حیات قرآن مجید فرقانِ مجید کا انسانوں کی راہنمائی کا ذریعہ قرار دینا ایک ایسی روشن دلیل ہے کہ نبی پاک ﷺ نے معاشرے کے تمام پسے ہوئے طبقوں کو عزت سے جینا مرنا سکھایا اور گورے کو کالے اور عربی کو عجمی پر کسی قسم کے تفاخر سے منع فرمایا کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں ۔اِس کے مثال مہاجرین کے ساتھ انصار کا لازوال محبت بھرا سلوک ہے ۔زندگی اچھے انداز میں بسر کرنے کے حوالے سے نبی پاک ﷺ کا اُسوہ حسنہ اور نبی پاک ﷺ پر نازل کردہ قرآنِ پاک انسانیت کے لئے قیامت تک مستقل راہ ہدایت ہے ،خانگی معاملات کاروباری معاملات، سیاسی معاملات ،دینی ،دُنیاوی معاملات، ریاست اور حکومت کے نظم ونسق کے حوالے سے مکمل رہنمائی ۔جنگ اور امن میں مسلمان کا کردار لین دین ، اُٹھنے ، بیٹھنے ، سونے ،جاگنے ،عمرانی ، نفسیاتی حوالوں سے غرض یہ کہ دُنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن پاک نے راہنمائی نہ فرمائی ہو، اگر

معاشرے میں اِس وقت قتل وغارت ، بے ایمانی ، لوٹ مار عروج پر ہے تو اِسکی وجہ اللہ پاک ، نبی پاک ﷺ اور قرآن مجید کے احکامات پر انفرادی اور اجتمائی طور پر عمل نہ کرنا ہے ۔ قانون ، قاعدہ ،انداز ، سلیقہ ، ترتیب سب کچھ فطری تقاضے اگر پورے کر دیئے ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا اور آخرت کے تمام معاملات احسن طریقے سے انجام نہ پا سکیں ۔میڈیا کی تیزی موبائل فون اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال نے معاشرے کی بنیادیں ہلا دیں ہیں ۔ قناعت ، عزت واحترام بھائی چارہ کا جنازہ نکل چکا ہے ۔میڈیا نے عوام الناس کو گورکھ دھندئے میں دیا ہے ۔ اب جب کہ ہر وقت مہنگائی کا رونا بھی رویا جارہا ہے اور بازار میں پہنچنے والی ہر شے کی طلب بھی برقرار ہے اور ہر شے جو مارکیٹ میں آتی ہے وہ سے لاء آف مارکیٹ کے مطابق کہ رسد اپنی طلب خود پیدا کرلیتی ہے کہ مطابق فروخت ہو جاتی ہے سڑکوں پر رش اتنا کہ گاڑیوں کی بھرمار اور موٹر سائیکل سوار تو چیونٹیوں کی مانند ہیں ۔ دولت کی اتنی زیادہ ریل پیل بنکوں کی جانب سے لیز کی سہولت کریڈٹ کارڈ ،پوری قوم کو سُود خود بناڈلا گیا ہے ۔اِس لئے پھر اللہ پاک کا کرم بھی نہیں ہے ۔افراتفری اور نفسانفسی کا عالم ہے امیر ، غریب دونوں طبقات کھاتے پیتے رو رہے ہیں ۔مڈل کلاس طبقہ بہت کم رہ گیا ہے دولت کی منحوس تقسیم نے اپر کلاسا ور لوئر کلاس تقسیم کردی ہے مڈل کلاس سفید پوشی کا بھرم رکھتے رکھتے ذہنی ، نفسیاتی جسمانی بیماریوں کا شکار ہوتی چلی جا

رہی ہے ٹی وی چینلز پر چلنے والے ڈراموں نے سماج کو ایک ایسی راہ پر گامزن کر دیا
کے درمیان چو مکھی لڑائی ہو رہی ہے۔ بردا have اور have not ہے جہاں اب
شت نا پید ہے۔ ازدواجی زندگی تباہ ہو رہی ہے۔ امراء کے ہاں طلاق کی شرح انتہائی
کم ہے۔ جبکہ لوئر کلاس طبقہ اس حوالے سے بہت آگے ہے۔ نہ پوری ہونے والی خو
اہشات کی بدولت خواتین کے ہاں خُلع لینے کی شرح خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے
اس طرح باپ اور ماں کے لالچ اور بے حسی کی سزا اولاد کو بھگتنا پڑ رہی ہے۔ جو معا
شرے خوف خدا اور عشق رسول ﷺ سے عاری ہوں جہاں مادیت اتنی سرایت کر
گئی ہو کہ رشتے داریاں کاغذی پھول بن کر رہ گئی ہوں۔ ایسے معاشروں میں پھر
حسرت، یاسیت، بے سکونی ڈیڑے ڈال دیتی ہے روحانی سکون جو کہ اسلام کا طرہ امتیا
ز ہے جس کی وجہ سے اسلام پھیلا اور اسلام میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ امن وآ
شتی، سکون اور روحانی اقرار تھا۔ جس طرح کا روپ ایک قوم کی حثیت سے پیش کیا جا
رہا ہے یہ کسی طور بھی مصطفائی معاشرہ نہیں ہے۔ دہشت گردی، مساجد، امام با
رگاہوں مزاروں سکولوں میں بم دھماکے کیا اِس واسطے یہ وطن بنا تھا۔ اقبالؒ و قائدؒ کی
روحیں تڑپ رہی ہوں گی۔ اِس میں قصور قائدؒ و اقبالؒ کا نہیں اُن کا ہے جن کے حصے
میں اِس ملک کی حکمرانی آتی رہی اور ملک دن بدن پستی کی جانب گرتا چلا گیا۔ اخلاقی
گراوٹ عدم برداشت، شرم وحیا، ایمانداری سکون نام کی کوئی قدر بھی تو نہیں بچی

ہمارے معاشرے میں، بلوچستان میں قتل عام، خیبر پختوں میں لگی آگ نے ملک کو ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ شراب، جواء عام ہے یہاں کا لبرل فاشٹ طبقہ یہ ہی کچھ چاہتا ہے کہ کوئی روک ٹوک نہ ہو۔اُن کے من کی مرادیں پورے معاشرے کو کھوکھلا اور برباد کر رہی ہیں۔پس جو جو بھی اللہ پاک کے دیے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر معاشرئے کا نظام درہم برہم کر دیتا ہے جس سے اُس کے ساتھ ساتھ دیگر لوگ بھی مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔زندگی کو اِس طرح گزارنا کہ جس طرح شاہین ہوتا ہے حضرت اقبالؒ کا محبوب پرندہ شاہین ہے اِس میں مردِ مومن کی بعض خصوصیات پائی جاتی ہیں۔اپنے ایک خط میں جو اقبالؒ نے پروفیسر ظفر احمد صدیقی کو لکھا تھا اِس میں اس بات کی وضاحت فرمائی تھی کہ شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں ہے اس میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں (1) خود دار اور غیرت مند ہے کہ اور کسی کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا (2) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا (3) بلند پرواز ہے) (4 خلوت پسند ہے اور تیز نگاہ ہے۔کیا ہمارئے معاشرئے میں ان خصوصیات کے حامل لوگ پائے جاتے ہیں۔اتنی محبت خواہشات کے ساتھ کہ بد سے بد تر جانور بھی مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا۔اقبالؒ تو شاہیں کو کہتے ہیں کہ تو ایسا بن کہ اپنا نوالا کسی کے ہاتھ سے نہ لے نیک بن اور اچھوں کی نصعیت سن۔اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اے مسلمان تو نیک اطوار بن اور پختہ تدبر والا بن۔درحقیقت اقبالؒ کا شاہین کا جو تصور ہے وہ اپنا کر مسلمان رب پاک کے

قوانین پر عمل کر سکتا ہے اور فلاح و کامیابی اُسکا مقدر بن سکتی ہے پاکستانی معاشرے میں عام انسانی روایات ناپید ہونے کی وجہ اشرافیہ ہے جو کہ اپنی مرضی سے جو چاہتی ہے وہ کرتی ہے۔۔پاکستانی معاشرے میں غیر ملکی ثقافتی یلغار نے وطن کی اسلامی اساس کا حلیہ بدل کر رکھ دیا ہے۔انٹرنیٹ ، موبائل ٹی وی چینلز نے اخلاقیات کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ مذہب کے ٹھیکیدار ، تعلیمی میدان کے شہسوار کہاں سو رہے ہیں انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے اقبالؒ کی ماڈریت سوچ کو اپنانا ہوگا۔

کرپشن سب سے بڑی دہشت گردی۔ جنرل شریف کی تنبیہ

چیف آرمی سٹاف راحیل شریف نے احتساب کا اعلان کیا ہے۔۔وطن میں بیروزگاری کا یہ عالم کہ ماسٹر ڈگر ہولڈر چپڑاسی کی نوکری حاصل کرنے کے لے ترس رہے ہیں۔ بے روزگاری سے نبٹنے کا آسان حل جو کہ ان پڑھ آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ دہشتگردی کے خاتمے کا حل جو کہ ہر کسی کو پتہ ہے۔ معاشی سرگرمیاں تیز کی جائیں۔ سرمایہ کاری کی جائے۔ لیکن آفرین ہے ہمارے حکمرانوں ، بیوروکریٹس ، سیاستدانوں ، ججوں ، سابق جرنیلوں پر کہ اُنھوں اپنا سرمایہ آف شور کمپنیوں کی شکل میں باہر لگا رکھا ہے۔ کیسے ہوں گے مسائل حل۔ ساٹھ فی صد لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ سرکاری محکمے کرپشن کی نگری بنے ہوئے ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کے کارکنوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔اُن کو بس جیوے جیوے کے نعرے لگانے کے لیے رکھا ہوا ہے۔اس وقت مین سٹریم تمام سیاسی جماعتوں میں شامل لوگوں کے نام پاناما لیکس کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ لیکن اِس طبقے کو پروٹکٹ کرنے کے لیے ماشئیے دستیاب ہیں۔جج اپنے ملازم ۔انصاف گھر کی باندھی۔ عدل کے ایوانوں میں عدل کے سواسب کچھ۔دہشت گردی کی جنگ میں بھی فوج نے ہی پہل قدمی کی اور سیاسی حکومت اِس حوالے سے ناکام ہو گئی۔مذہبی انتہاء پسندی اور معاشی دہشت گردی ختم کیے بغیر ملک میں امن نہیں ہو سکتا ہے۔ کرپشن کی وجہ سے ملک میں

افرا تفری ہے۔ سماجی برابری نہ ہونے کی وجہ بھی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ معاشی دہشت گردی ہے۔ نام نہاد جہادی گروپ، مذہبی انتہاء پسندی، بھارت امریکہ کی دشمنی، سیاستدانوں، وڈیروں، بیوروکریٹوں، ججوں اور سابق جرنیلوں کے گٹھ جوڑ نے معاشرے کو ہلا کر رکھا دیا ہے۔ بہت سے عوامل ہیں جس کی وجہ سے دہشت گردی کا پھیلاؤ ہوا ہے۔ لیکن ہمارے لیڈران کی ہوس اقتدار، ہوسِ زر نے عوام کو مٹی کر دیا ہے۔ ملک کی بیس کروڑ عوام میں سے 60% عوام غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ عوام کی سانسیں چل رہی ہیں۔ لیکن نہ تو صحت کی سہولتیں ہیں۔ سرکاری اداروں میں کرپشن انتہا کی ہے۔ عدلیہ کا نظام انتہائی سست ہے اور ساتھ کرپٹ بھی۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کہا ہے کہ کرپشن کی لعنت کے مکمل خاتمے تک قوم کی حمایت سے لڑی جانے والی انسداد دہشت گردی کی جنگ کے نتیجہ میں پائیدار اور دائمی امن و استحکام قائم نہیں ہو سکتا۔ ملک کی یکجہتی، سالمیت اور خوشحالی کے لیے بلاامتیاز احتساب ضروری ہے۔ انہوں نے پیشکش کی کہ اس ضمن میں کسی بھی بامقصد کوشش کی مسلح افواج بھرپور حمایت کریں گی جس سے ہماری آئندہ نسلوں کے بہتر مستقبل کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ آئی ایس پی آر کے مطابق آرمی چیف نے گزشتہ روز کوہاٹ میں سگنل ریجمنٹل سینٹر کا دورہ کیا۔ افسروں و جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے آرمی چیف نے کہا کہ فوج پوری قوم کی حمایت سے دہشت گردی اور شدت پسندی کے خلاف جاری جنگ لڑ رہی ہے لیکن ملک میں اُس وقت تک پائیدار امن اور استحکام نہیں لایا

جاسکتا جب تک کرپشن کا جڑ سے خاتمہ نہ ہو جائے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ آرمی چیف تواتر سے کرپشن اور دہشت گردی کے درمیان تعلق کی نشاندہی کر رہے ہیں اور بارہا اس عزم کا اظہار کر چکے ہیں کہ اس گٹھ جوڑ کو توڑا جائے گا۔ جنرل راحیل شریف نے کہا ہے کہ کرپشن کی لعنت کے خاتمے تک دہشتگردی اور انتہا پسندی کیخلاف جنگ پائیدار امن اور استحکام نہیں لا سکتی، پاکستان کی یکجہتی سالمیت اور خوشحالی کیلئے سب کا احتساب ضروری ہے۔ افسروں، جوانوں اور شہداء کے خاندانوں سے گفتگو میں انہوں نے کہا کہ آپریشن ضرب عضب میں مواصلاتی مدد کے حوالے سے سگنل کور کا غیر معمولی کردار باعث ستائش ہے۔ انہوں نے دہشتگردوں کو شکست دینے اور انہیں پناہ گاہوں سے نکالنے کیلئے سکیورٹی فورسز کے اہلکاروں اور سویلینز کی طرف سے دی گئی قربانیوں کو سراہا۔ جنرل راحیل نے کہا ہے کہ ملک میں دہشت گردی کے خاتمے کے ساتھ ساتھ بدعنوانی کو ختم کئے بغیر ملک میں امن و استحکام ممکن نہیں ہے، مسلح افواج ہر سطح پر احتساب کو ممکن بنانے کیلئے اقدامات کی حمایت کریگی۔ آرمی چیف کے بیان کو موجودہ تناظر میں اگر دیکھ جائے تو پھر صورتحال واضح ہو جاتی ہے کہ نوز شریف حکومت کی حالت بہت پتلی ہو چکی ہے۔ اشرافیہ نے ہمیشہ پاکستان کے غریبوں کے خون کا سودا کیا ہے۔

فوج کے اعلیٰ ترین افسران کو کرپشن پر سزائیں اور پاناما لیکس کا معاملہ؟

پاکستانی حکومت بند گلی میں پھنسی ہوئی ہے اور حکومت کو کوئی سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ وہ اِس صورتحال کو کیسے سنبھالے۔ حکومت کے اندر خوف کی ایک لہر شدت اختیار کر چکی تھی اور اُس کے اوپر جلتی کا کام اِس خبر نے کیا کہ اعلیٰ ترین فوجی افسران کو کرپشن پر سزائین دی گئیں ہے۔ سیاستدانوں کے لیے مشکل کے دن آ پہنچے۔ پاناما لیکس نے پاکستان میں موجود سیاستدانوں کے اندر اِس وقت بے چینی عروج پر ہے۔ فوج کے اندر احتساب تو بہت پہلے سے ہو رہا ہے۔ لیکن اِس کو پبلک اب کیا گیا ہے۔ یوں پاناما لیکس کی وجہ سے ملک میں اِس وقت زلزلہ جاری ہے۔ جنرل راحیل شریف نے فوجی افسران جو کہ کرپشن میں ملوث تھے اُن کے خلاف تحقیقات کرنے کے بعد اُن سے تمام مراعات واپس لے لیں اور کرپشن سے بنائی گئی دولت بھی واپس لے لی گئی۔ حاضر سروس افسران نوکری سے فارغ کر دیئے گئے۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے اپنے ہی ادارے سے احتساب کا آغاز کر دیا۔ جنرل راحیل شریف نے تاریخ رقم کرتے ہوئے بد عنوانی کے الزامات ثابت ہونے پر ایک لیفٹیننٹ جنرل، ایک میجر جنرل، 5 بریگیڈیئر، ایک کرنل، 3 لیفٹننٹ کرنل اور ایک میجر سمیت 13 افسران اور ایک فوجی جوان کو برطرف کرنے کے احکامات جاری کر دیئے ہیں۔ فارغ کیے جانے والے افسران میں لیفٹیننٹ جنرل عبیداللہ خٹک

میجر جنرل اعجاز شاہد، بریگیڈیئر حیدر، بریگیڈیئر اسد، بریگیڈیئر سیف اللہ، بریگیڈیئر عامر، بریگیڈیئر رشید، کرنل حیدر، میجر نجیب سمیت دیگر افسران شامل ہیں۔ برطرف کیئے جانے والے افسران فرنٹیئر کانسٹیبلری بلوچستان میں تعینات تھے کرپشن میں ملوث افسروں کو کرپشن کی رقم واپس کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جبکہ ان کی تمام مراعات بھی ختم کردی گئی ہیں۔ افسران کی برطرفی کا فیصلہ 7 اپریل کو کور کمانڈرز کانفرنس میں فیصلہ ہوا جبکہ 8اپریل کو انہیں دفتر آنے سے روک دیا گیا تھا۔ برخاست ہونے والوں کو صرف پنشن اور میڈیکل کی سہولت میسر رہے گی دیگر تمام مراعات کا خاتمہ کردیا گیا ہے، مذکورہ افسران کے رینکس اور عہدے واپس لے لیئے ہیں جبکہ فوج کی جانب سے دیئے جانے والے پلاٹ واپس لے لیئے جائیں گے۔ 2 روز قبل ہی آرمی چیف نے کوہاٹ میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کی یکجہتی ، سالمیت اور خوشحالی کے لیے بلا تفریق سب کا احتساب ضروری ہے. جنرل راحیل شریف کا کہنا تھا کہ ملک میں اُس وقت تک پائیدار امن اور استحکام نہیں لایا جاسکتا جب تک کرپشن کا جڑ سے خاتمہ نہ ہوجائے. اس قبل آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے اگست 2015 میں نیشنل لاجسٹک سیل (این ایل سی) میں ہونے والی بدعنوانی کے اسکینڈل میں 2 فوجی افسران لیفٹیننٹ جنرل (ر)افضل مظفر اور میجر جنرل (ر) خالد ظہیر کو برطرف کرنے کی منظوری دی تھی۔ خورد برد ثابت ہونے پر میجر جنرل (ر) خالد ظہیر اختر کو فوجی سروس سے برطرف کیا گیا تھا جبکہ ان سے فوجی منصب، میڈلز اور

ایوارڈ واپس لے کر ان کی پنشن اور میڈیکل سہولیات بھی ختم کر دی گئی تھیں، دوسری جانب لیفٹیننٹ جنرل (ر) افضل مظفر کو ''شدید ناپسندیدگی'' کی سزا دی گئی تھی۔ رپشن کے الزام میں برطرف ہونے والے میجر جنرل اعجاز شاہد کے خلاف تحقیقات کا آغاز ایک ایسی سپورٹس کار سے ہوا جو ان کے بیٹے نے خریدی تھی۔ نجی نیوز چینل کے مطابق میجر جنرل اعجاز شاہد کے بیٹے نے ایک سپورٹس کار خریدی تھی جس کی ٹرائی لینے کے لیے میجر جنرل اعجاز شاہد نے پاک فوج کے دو افسران کو کہا۔ سپورٹس کار کی ٹرائی لیتے ہوئے ایک حادثہ پیش آیا جس میں کرنل شکیل اور میجر یاسر شہید ہو گئے۔ دونوں افسران کی شہادت پر اہل خانہ نے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کو درخواست دی جس میں سوال کیا گیا کہ ایک میجر رینک افسر کے بیٹے کے پاس نئی سپورٹس کار کس طرح اور کہاں سے آ سکتی ہے؟۔ اس درخواست کے بعد فوج نے اندرونی طور پر اس حوالے سے میجر جنرل اعجاز شاہد کے خلاف تحقیقات کا آغاز کیا۔ بعد ازاں تحقیقات کا دائرہ کار وسیع کرتے ہوئے میجر جنرل اعجاز شاہد کے ساتھ ساتھ ایف سے میں تعینات دیگر افسران کے خلاف بھی تحقیقات کی گئیں جن میں لیفٹیننٹ جنرل عبید اللہ بھی شامل تھے۔ تحقیقات کے بعد ان افسران کے خلاف کرپشن کے کیسز سامنے آئے۔ حکومت نے پاناما لیکس کے معاملے پر چیف جسٹس پاکستان انور ظہیر جمالی کو خط لکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پاناما لیکس کے معاملے پر وزیر اعظم کی زیر صدارت اجلاس ہوا جس میں کابینہ کے ارکان اور قانونی ماہرین نے شرکت کی۔ اس موقع پر وزیر اعظم نے

وزیر قانون سے تجاویز مانگیں۔ اس موقع پر فیصلہ کیا گیا کہ پاناما لیکس کے معاملے پر چیف جسٹس کو خط لکھا جائے گا۔ آئندہ دو روز میں چیف جسٹس کے نام خط لکھا جائے گا۔ بتایا جا رہا ہے کہ حکومت نے اپوزیشن کے مطالبے پر چیف جسٹس کو خط لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جنرل راحیل کے حالیہ کرپشن کے خلاف بیان اور پھر ساتھ ہی کرپشن میں ملوث اعلیٰ ترین فوجی افسران کو سزائیں دیئے جانے کی خبر کی اشاعت نے کرپشن کے خلاف اقدامات کیے جانے کو پوری قوم کی آواز بنا دیا ہے۔ اللہ پاکستان پر کرم فرمائے۔

خالق اور بندے کے تعلق کی بنیاد۔ خیر البشر ﷺ

کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جہاں حساب کتاب روا رکھا جانا اُن رشتوں کے تقدس کی پاسداری کے مقام سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ اِن رشتوں میں ایک رشتہ تو ماں کا ہے اور ایک باپ کا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ وارفع تعلق تو جو انسان کا ہے وہ ہے اپنے رب کے ساتھ۔ یعنی خالق اور مخلوق کا رشتہ۔ ماں اور باپ بھی انسان کی تخلیق کے مراحل کا ذریعہ بنے ہوتے ہیں اِس لیے ماں کے اندر رب پاک کی اپنی مخلوق سے محبت کے مقابلے میں ستر حصے سے بھی کم تر درجے کی محبت ہوتی ہے۔ یوں انسان کی زندگی میں جو ایک اہم تعلق بنتا ہے وہ اُس کے رب، اُسکی ماں اور اُسکے باپ کا ہے۔ لیکن ایک تعلق جو اعلیٰ ترین ہے جس تعلق کی بناء پر رب شناسی ہوئی جس ہستی کی وجہ سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اُس ہستی کے بغیر نہ تو ایمان مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی انسان کی تخلیق کے مقاصد پورے ہو پاتے ہیں۔ وہ ہستی جناب نبی پاک ﷺ کی ہے۔ رب پاک اور نبی پاک ﷺ سے تعلق کی آشنائی کی بدولت ہی ماں اور باپ کی عظمت و توقیر تک رسائی ہوتی ہے۔ یوں یہ سلسلہ آگے چلتا ہے تو انسان کی زندگی میں رہبر ہستی اُسکے اُستاد کی ہوتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق انسان کے تین باپ ہیں۔ اُسکا باپ، اُسکا سسر اور اُسکا اُستاد، اور اُستاد کی عظمت سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ اُستاد علم سکھاتا ہے اور علم نور ہے نور سے

انسان کو سرفراز فرماتا ہے کہ اُسے شر اور خیر کے فرق سے آگاہی ہوتی ہے۔اِن رشتوں کے ساتھ ساتھ بہن بھائی، بیٹا بیٹی و دیگر رشتے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔اور ان رشتوں کا اپنا ایک مقام ہے لیکن اِن رشتوں میں محبت کی چاہت بعد ازاں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔لیکن ماں باپ خالق اور نبی پاک ﷺ اور اُستاد یہ وہ رشتے ہیں جن کا انسان سے وابستہ رہنا کسی مادی معاملات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اِن رشتوں کے تقدس و حرمت کا پاس رکھنا مخلوق کے لیے ایمان کی حد تک ضروری ہے۔دُنیا میں اپنی راہ کو درست سمت رکھنے کے لیے ایک رہبر رہنماء کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ جس کو مُرشد کو نام دیا گیا ہے۔ مرُشد انسان کی باطنی کیفیات کو رب کی رضا سے ہم آہنگ کرکے اس طرح کر دیتا ہے جیسے دھوبی کپڑے کو دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ مرشد کا کام من کی صفائی ہوتا ہے۔ انسان جو مختلف مواقعوں پر سیدھی راہ سے ہٹ کر مادیت کی ہوس میں گم ہونے لگتا ہے تو اُس وقت اُس کا مرُشد اُسے عشق حقیقی سے آشنائی کرواتا ہے اور اُس کا اِس دنیا میں آنے کا جو مقصد ہوتا ہے اُس سے اُسے روشناس کرواتا ہے۔ اُس کو انسان اور حیوان میں فرق جو ہوتا ہے اُس فرق سے آگاہی دلواتا ہے۔ دُنیاوی لالچ سے دور مادہ پرستی کی ہوس سے نجات حاصل ہونے کے سبب انسان کو اُس کے اصل مالک اپنے رب کے قرب کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اور پھر بندہ فنا فی الا شیخ، فنا فی الارسول وﷺ کے مدارج طے کرتا ہوا اپنے خالق کو پالیتا ہے۔ یوں ماں باپ اُستاد، مرشد، نبی پاک ﷺ اور

خالق یہ وہ رشتے ہیں جن کے ساتھ انسان کا تعلق لازوال اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔اِن رشتوں کا سبب محبت ہی محبت ہے۔انسانی زندگی میں دوستی کا رشتہ بھی بہت اہم ہوتا ہے اور تاریخ میں دوستی کے سچے رشتے کی لازوال مثالیں موجود ہیں۔اللہ پاک نے تو اپنے بندے کو اپنا نائب بنایا ہے اور اپنے بندے کے ساتھ اُس کی محبت کا یہ عالم کہ ماں کی محبتوں کو ستر گنا سے بھی بڑھا دیا جائے تو رب کی محبت کے سامنے ماں کی محبت ہیچ ہے۔خالق خود لافانی ہے اور اُس سے منسلک تعلق بھی لافانی ہے۔ یقینی طور خالق اور بندے کا تعلق سراپاء محبت ہے۔ بندگی کا حق ادا کرکے بندہ ایسے مدارج طے کر لیتا ہے کہ خالق کے ہاں اُس کی پذیرائی کا عالم کچھ اِس طرح سے ہوجاتا ہے کہ خالق پھر اپنے بندے کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ بندہ دیکھتا ہے خالق اپنے بندے کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔خالق اپنے بندے سے پھر اُس کی رضا پوچھتا ہے۔ تمام تر دُنیاوی و اُخروی رشتوں میں اعلیٰ و ارفع تعلق بندے اور رب کا ہے اور اِس تعلق میں ایک اہم شخصیت بھی ہیں وہ نبی پاک ﷺ کی ہے۔ مومن بھی نبی پاک ﷺ کا محب ہے اور اللہ پاک بھی نبی پاک ﷺ کا محب ہونے کا دعوےٰ دار ہے۔اُس ہستی ﷺ کی بزرگی کا کیا عالم ہوگا کہ رب پاک نے کائنات کے ایک ایک ذرے کو پیدا ہی صرف اِس لیے کیا کہ نبی پاک ﷺ کے ظہور کے طفیل۔ رب پاک تک پہنچے کے لیے کسی راکٹ سائنس کی کوئی ضرورت نہیں۔ رب تو ہر ہر بندے کے دل میں آباد ہے اُس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ بندے کو اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب کرنے کی آشنائی دینا

والا رب اپنی ہر ہر تخلیق کو نبی پاک ﷺ کا وسیلہ گردانتا ہے۔ اللہ پاک کو ماننے والے ہر مذہب کے لوگ اِس دنیا میں موجود ہیں۔ رب کی توحید کا پرچار کرنیوالے تو عیسائی ، یہودی بلکہ ہندو بھی ہیں۔ سکھوں کے ہاں توحید کا جو تصور ہے وہ بھی کمال ہے۔ لیکن اِس کے باوجود اگر اِن مذاہب کے ماننے والوں کو اللہ پاک مومن نہیں مانتا تو کیا کمی ہے کیا وہ توحید پرست نہیں ہیں۔ فرق تو صرف اُس ہستی ﷺ پہ ایمان لانے کا ہے جس کی وجہ سے خالق نے اپنا آپ ظاہر کیا۔ فرق تو صرف اُس عظیم شخصیت نبی ﷺ کا ہے جن کو تخلیق آدم سے بھی پہلے نبوت پہ سرفراز فرمایا۔ فرق تو صرف اُس عظیم رہنماء نبی پاک ﷺ کی وجہ سے ہی ہے کہ جن کو صاحب قران کا افتخار بخشا گیا۔ جس قران کو ہاتھ میں پکڑ رب کی وحدانیت کا اعلان کیا جاتا ہے جس قران کو ضابطہ حیات مانا جاتا ہے اُس کے ایک ایک ہر کی گواہی دینے والی ذات صرف ایک ہے وہ ہے نبی پاک ﷺ کی۔ اللہ پاک نے جو کچھ جبرائیل امینؑ کے ذریئے سے وحی کو بھیجا اور جس کو نبی پاک ﷺ نے فرمادیا کہ میرے صحابہ اکرامؓ یہ جو بات میں کہہ رہا ہوں یہ قران ہے تو اُسے قران قرار دے دیا گیا اور جس بات کو نبی پاک ﷺ نے فرمایا دیا کہ میرے صحابہ یہ بات جو ہے یہ حدیث ہے۔ خالق نے اپنی عطاؤں کی بارش اپنے بندوں پر کرنے کے لیے اپنا ہی محبوب دوست چُنا۔ اپنے ہی محبوب ترین بندے کو ہی تمام جہانوں کے لیے رحمت بنایا۔ اِس لیے نبی پاک ﷺ کی محبت کے بغیر نہ تو ایمان کی سلامتی ہے اور نہ انسان ہونے کا بھرم رکھا جاسکتا ہے۔ خالق کی عطا سے

نبی پاک ﷺ کو سب کچھ ملا اور نبی پاک ﷺ نے اُس عطاء کو اپنی اُمت میں اپنے خالق کے حکم سے تقسیم فرمادیا۔

طالب کے من کی چاہت کی تڑپ

جب حرص و ہوس کی عینک اُتار کر گرد وپیش پہ نظر دوڑائی جاتی ہے تو پھر خالق کی ہر ہر مخلوق کے ساتھ تعلق گہرا محسوس ہوتا ہے۔ انسان چرند پرند جانور سب کے ساتھ رویہ اُس نہج پہ دیکھائی دیتا ہے جس طرح اپنی ذات سے منسلک کسی پیارے کے ساتھ ہو۔ پھر ملازم کے بچے کے لیے بھی اُسی طرح کی دل سے دعا نکلتی ہے جیسی اپنی اولاد کے لیے۔ کسی ذی روح کو تکلیف میں دیکھ کر وہ کیفیت وارد ہو جاتی ہے جیسے اُس کے ساتھ قلبی تعلق ہو۔ ہر ہر ذی روح کی بُود وباش اور اُس کے احترام اور آرام کا ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے جیسا کہ اپنی جان کو امن و سکون دینے کے لیے سعی کی جاتی ہے۔ فرق تو صرف سوچ کا ہے۔ اگر ہمسائے کے بیٹے کے ساتھ بغض روا رکھا جائے تو لازمی بات ہے اپنا بچہ بھی اِس طرح کے رویے کی زد میں آ جائے گا۔ لیکن ہمسائے کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح دل سے جانا جائے۔ بے شک کوئی مادی منفعت نہ بھی پہنچائی جائے لیکن صرف سوچ کے آئینے کو اِس طرح ڈھا دیا جائے کہ کسی کے لیے بُرا نہیں سوچنا۔ محبت ہی محبت احترام ہی احترام۔ بس پھر کیا ہے اپنا من اطمینان کے راستے پر کامزن ہوگا۔ کدورتوں سے پاک دل و جان طمانیت محسوس کرے گی اور اللہ پاک بھی پھر ایسے شفاف آئینے کے حامل دل میں گھر کر جائے گا۔ اِس سارے عمل میں کوئی مادی قربانی بھی نہیں دینا پڑی اور

نہ ہی جسمانی مشقت کا سامنا ہوا۔ فقط سوچ کا دھارا بدلہ اور روح پر، قلب پر ایسی کیفیت پیدا ہو گئی کہ اِس سے اپنے دنیاوی معاملات کے لیے بھی غور و فکر کے لیے پر سکون ذہن کی توجہ میسر آ جائے گی۔ نبی پاک ﷺ نے جو انقلاب بپا کیا وہ روحانی انقلاب تھا۔ اُس کا تعلق روح کے ساتھ تھا۔ یہ ہی طرز عمل نبی پاک ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ اکرامؓ، اولیاء اکرامؒ رہا۔ انقلاب کے لیے کشت وخون نہیں بلکہ روح کی تازگی اور بالیدگی کی ضرورت ہے۔اِک سجدہ جسے تو گراں۔ سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات ۔انسان کی زندگی کے جتنے بھی ادوار ہیں شیر خوارگی، بچپن لڑکپن ،جوانی،بڑھاپا سارے ادوار انسان کی سوچ کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ سوچ کا آئینہ دھندلا ہونے کی وجہ سے چاند چہروں کے خدوخال تک بگڑ جاتے ہیں اور اِس کیفیت میں گزرے ہوئے لمحات تقدیر اور تدبیر کی حقیقت کی ہیت میں ایسا اُتار چڑھا ہوا ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ محبت کے لمس سے محروم ساعتیں بے آب وگیاہ صحرا کی مانند ہو جاتی ہیں۔خالق کی عطا کا مستحق بندہ وہی قرار پاتا ہے جس نے خالق کے بندوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہوتا ہے جس طرح کا سلوک وہ خود دوسروں سے چاہے جانے کی تمنا کرتا ہے۔ پھولوں پہ اٹھکیلیاں بھرتی تتلیاں رنگ بکھیرتی خود کو تقدیر کے نقش پاہ پر بسیرا کیے ہوئے شاداں ہوتی ہیں۔ پھولوں کا رس پی کر شہد جیسا لازوال آب مرورت تخلیق کرنے پر مامور شہد کی مکھی تقدیر کی جانب سے تحفہ ہے۔ بندہ نوازی خالق کی عظیم رحمت کا سرچشمہ ہے۔اپنے جذبات کو

دوسروں پر لاگو کرنے کی چاہت میں حدود قیود کا پاس نہ رکھنا۔انسانی جبلت میں موجود سب کچھ حاصل کرنے کی خواہش اعتدال کی راہ میں رکاوٹ بننے لگ جاتی ہے۔اعتدال کے جذبوں کی تو تشکیک لازم ہونا من کی صفائی کے مرہون منت ہے۔وقت کی رفتار کا احساس صرف اُن کو ہو پاتا ہے جن کی اپنے خالق کے ساتھ لو لگ جاتی ہے۔ جو سیم وزر کے بندے بن جائیں جن کو دنیاوی آسائشیں بھا جائیں اُن سے پھر فطرت روٹھ جاتی ہے۔ دنیاوی مال و حشمت اُن کے پاؤں کی زنجیر جاتی ہے۔اِس زنجیر نے پھر ہر اُس راستے کی طرف جانے سے بندئے کو روکنا ہوتا ہے جس میں خالق کی رضا ہو۔ جس میں مخلوق سے وفا ہو۔انسان کی جبلتی خواہشات کی تکمیل کا تو کوئی اختتام ہی نہیں۔ جو ہے اُس کو زیادہ ہونا چاہیے تھا اور جو نہیں ہے وہ کیوں نہیں ہے۔ بندہ اپنے خالق کی حاکمیت کی بجائے اپنے نفس کی حاکمیت کے زیر سایہ بہتا چلا جاتا ہے۔ من کی دنیا ویران ہو جاتی ہے۔ کھو جانے کا ڈر لُٹ جانے کا ڈر۔ مر جانے کا خوف۔ طرح طرح کے دھڑکے لگے رہتے ہیں وہ زندگی جس کو گزارنے کے لیے اپنے دماغ کو خواشوں کی بھٹی میں جھونک دیا ہوتا ہے۔اُس زندگی میں رہنے کا مزہ ہی چھن جاتا ہے۔ مال دولت کی چاہ نے رب کی چاہ اور رب کی مخلوق کی چاہ ختم کردی ہوتی ہے۔ ہر کسی کو پھر مالی استطاعت کی عینک لگا کر دیکھا جاتا ہے۔خلوص، وفا، محبت اور چاہت جیسے الفاظ ایسے شخص کے لیے معنی کھو دیتے ہیں۔خالق کا کرم اُس پر ہی ہونا ہوتا ہے جو خود کو خالق کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیتا ہے جو عقلی سازشوں

کے ذریعے خود کو ہوشیار بنا کر اور سمجھ کر رب کی خدائی سے مکروفریب کرتا ہے اُس کی اپنی حثیت صفر ہو جاتی ہے۔ اپنی حثیت کو گنوا کر من کی دنیا کو ویران کر کے مال ودولت پا کر فقر کی دولت گنوا کر بندہ کیسے روحانی سکوں پا سکتا ہے۔ خالق تو ہر ساعت اپنے بندے پر کرم نوازی کے لیے تیار ہے۔ کوئی طلب گار تو ہو۔

عطا کرنے والا تو طلب گار کے انتظار میں ہے

ماں کی محبت کاکا مقام کیسے رویوں کا متقاضی ہے

جب خالق نے دھرتی کے نظام کو بنانے سنوارنے کے حوالے سے اور اپنے بندۓ کی نگہداشت، پرورش ،تربیت کی بابت فیصلہ کیا ہوگا تو خالق نے ایک ہستی ماں تخلیق کردی ہو گئی۔ اِس ہستی کے لیے خالق نے ماں کا لفظ پسند فرمایا اور اپنی محبوب ہستی محمد ﷺ کے لیے بھی م سے محمد نام پسند فرمایا۔ گویا حرف م سراپا محبت و وفا اور رحمت کی نشانی ٹھرا۔ محمد ﷺ کے نام مبارک میں تو خالق نے حرف م کو دو مرتبہ لکھ دیا۔یوں نام محمد ﷺ کا فیض کائنات کے خاتمے تک جاری رہے گااور ماں بھی نبی پاک ﷺ کے طفیل اِس قابل قرار پائی گئ کہ فرمادیا گیا کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔اب ہم آتے ہیں اپنے موجودہ سماجی حالات کی طرف۔ماں کی ہستی بلاشبہ عظیم تر ہے۔ماں کی شان بیان کرتے وقت اِس کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ماں کی محبت کا ادراک اگر ہوجائے تو پھر رب اور اُس کے محبوب نبی پاک ﷺ تک بھی رسائی ہوجاتی ہے۔ماں کی عظمتیں بیان کرنا بہت ضروری ہے لیکن ماں سے محبت کا حقیقی اظہار تو وہ عمل ہے جواِس عظیم ہستی کے ساتھ اولاد سلوک کی شکل میں کرتی ہے۔ماں کی قربانیوں کا تذکرہ کرنا سورج کو چراغ دیکھانے کے مترادف ہے۔ماں کی عظمت اور محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اِس ہستی کے معاملات کو آسانی فراہم کی جائے۔ شائد ماں باپ کے اوپر وہ بہت کڑا وقت آجاتا ہے جب

وہ بوڑھے ہوجاتے ہیں اور اُن کی اولاد اپنی اولاد کے معاملات اور اپنے کاروبارِ حیات میں اتنا گم ہوجاتے ہیں کہ ماں باپ اُن کے دیدار تک سے محروم ہو جاتے ہیں۔ماں سے محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اُسکا خیال اُس طرح رکھا جائے جس طرح بڑھاپے میں ایک شخص کو جس طرح کی چاہت کی ضرورت ہوتی ہے۔والدین بڑھاپے میں لاغر ہوجاتے ہیں۔ اُن کو خوراک اور ادویات کے ساتھ ساتھ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اپنی اولاد کے لیے فارن خوراک کے ڈبے خریدئے جاسکتے ہیں اپنی بیوی کے لیے ہر فرمائش پر آمین کہا جاسکتا ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے اولاد کا اور بیوی کا یہ حق ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ ماں باپ کا خیال رکھا جانا بھی از حد ضروری ہے۔۔بڑھاپے میں جس طرح کے اکلاپے کا شکار ماں اور باپ ہوجاتے ہیں اِس اکلاپے کی وجہ سے بہت سی نفسیاتی بیماریاں اُن کو آگھیرتی ہیں۔تو اگر اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ کچھ وقت نکال کر اُن کا حال چال پوچھ لے ۔ اُن سے بات کر لے۔ اُن کی خوراک اور اُن کی ادویات اور اُن کی دیگر ضرورتوں کے متعلق جان لے۔ تو یقینی طور پر ماں باپ کو اطمینان حاصل ہوگا اور اُن کے بڑھاپے کے دنوں میں اُن کے دل پر کچوکے نہیں لگ پائیں گے اور نہ ہی اُن کا یہ پچھتاوا آن گھیرئے گا کہ کاش وہ یہ کر لیتے اور یہ ہوجاتا تو ایسا ہوتا۔اب بڑھاپے میں ماں باپ کو امید کی کرن صرف اُن کی اولاد کی چاہت ہی دلاتی ہے ۔ اُن کے سامنے جینے کی اُمنگ کی صرف ایک ہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد اور اُن کی اولادوں کو ترقی کی منازل طے

کرتے ہوئے دیکھیں اور اُن کو دُعائیں دیں۔ گویا اِس بڑھاپے کی دور میں اللہ پاک انسان کو ماں اور باپ کی شکل میں دو ایسی بزرگ ہستیاں عطا فرما دیتا ہے جو ہر وقت اُس کے لیے خیر کی طالب ہوتی ہیں اور پھر رب اتنی محبت کرنے والی ہستیوں کی دعائیں کیسے رد کر سکتا ہے۔ ماں عورت ہے اب دیکھتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ عورت کا یہ مقام دیے ہوئے ہے۔ اُسی عورت نے ہی تو ماں بننا ہوتا ہے۔ عورت ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے بیوی ہے۔ زمانہ جہالیت میں عورت کو خاندان کے لیے شرمندگی کا باعث تصور کیا جاتا تھا اور عورت کو خاندان کی بدنامی کا عنصر سمجھا جاتا تھا۔ عرب جو کہ زبان پہ بہت قادر تھے اور شاعری اُن کے گھر کی باندھی تھی وہ جس شخص کی کوئی بیٹی ہوتی تو وہ اُس کے ایک ایک اعضا کی نشاندہی کرتے اور لڑکی کا نام لے لے کر شاعری کرتے یوں بیٹیوں کے باپ یہ بے عزتی برداشت نہ کر پاتے وہ بچی کو پیدا ہوتے ہی زندہ در گور کر دیتے۔ رب پاک نے عورت کو ترکہ میں سے حصے دار بنایا اور اللہ پاک نے کھول کھول کر قرآن مجید میں وراثت کی تقسیم کو تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ عورت کو مرد کے لیے باندھی نہیں بلکہ اگر وہ ماں ہے تو اُس کے قدموں تلے جنت کو قرار دیا۔ اگر وہ بیٹی ہے تو اچھی پرورش کرنے پر والدین کو جنت کی بشارت دی اور اگر وہ بہن ہے تو اُسکو عزت واحترام دیا اگر بیوی ہے تو اُس کو ہر قسم کی مالی مشکلات سے آزاد کروا کر مرد کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ گھر کا معاشی نظم ونسق خود چلائے اور عورت گھریلو امور کو انجام دے بچوں کی پرورش کرے اور

معاشرئے کو بہترین نسل تیار کرکے دے۔ اسلام سے پہلے عورت کو انتہائی گھٹیا مخلوق کا درجہ دیا گیا۔ ہندو مذہب میں تو مرد کے مرتے ہی عورت کو بھی اُسکے خاوند کے ساتھ زندہ ہی جلا دیا جاتا جسے ستی کی رسم کہا جاتا ہے۔ عورت کو معاشرئے میں غلام سے بھی بدتر حثیت حاصل تھی۔ گویا کہ عورت ہونا جرم بن جاتا۔ اللہ پاک کے نبی پاک ﷺ نے عورت کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ عورت کی آزادی کے حوالے سے مختلف آراء پائی جاتی ہیں لیکن راقم کے نزدیک صرف ایک بات ہی فی زمانہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ عورت موجودہ حالات میں کمانے کے لیے گھر سے نکلتی ہے تو اُسے کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ حالات اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہیں اسلام نے تو سینکڑوں سال قبل ہی معاشی ذمہ داری مرد پر ڈال دی تاکہ عورت عزت و احترام کے ساتھ گھر کا نظم و نسق سنبھالے اور خوش وخرم پاکیزہ زندگی بسر کرئے اور معاشی پریشانیوں سے آزاد ہوجائے۔ ذرا تصور فرمائیں عورت جب معاشی سرگرمیوں کے لیے ملازمت بھی کرتی ہے پھر اُس کو گھر کے معاملات بھی دیکھنا پڑتے ہیں تو اُس کو دوہری مشقت کرنا پڑتی ہے۔ راقم یہاں عورتوں کی ملازمت کے خلاف بات نہیں کر رہا ۔عورت کو کام ضرور کرنا چاہیے تاکہ معاشرئے کے نظام میں روانی رہے لیکن عورت سے کام اتنا ہی لینا چاہیے جتنا یہ صنف نازک کر سکتی ہے۔ اُسے اذیت سے دوچار نہیں کر دینا چاہیے۔ کہ وہ گھر اور دفتر کے درمیان فٹ بال بن جائے۔ اِس طرح کا توازن رکھ کر اگر عورت کو کوئی ایسا کام کرنے کو مل جاتا ہے تو اسے ضرور کرنا

چاہیے ۔ عورت کو ہراساں کیا جانا معمول بن چکا ہے۔ گو خاتون محتسب کے ادارے کا قیام صوبہ پنجاب کی حد تک عمل میں آچکا ہے لیکن خود ہی غور فرمائیں کتنے فی صد خواتین جا کر اِس محتسب کے دفتر میں یہ درخواست دیتی ہیں کہ مجھے ڈیوٹی کی جگہ فلاں شخص نے ہراساں کیا۔ عورت کی عزت و احترام کے لیے معاشرے میں روحانی انقلاب کی پھر سے ضرورت ہے وہ انقلاب جو نبی پاک ﷺ کا عطا کردہ ہے تاکہ زمانے کی آنکھوں میں حیا ہو۔ قوانین تو بے شمار ہیں اور مروجہ نظام میں قوانین پر عمل درآمد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ خواتین کی آزادی کے حوالے سے دنیا بھر میں بے شمار تحریکیں چل رہی ہیں اور بہت سی تنظیمیں بھی میدان عمل میں ہیں۔ عورت کو مارکیٹنگ کے لیے بطور ماڈل نیم برہنہ پیش کرنا کونسی آزادی ہے اور اِس سے معاشرئے کی کس طرح خدمت بجا لائی جارہی ہے۔ عورت کو باپردہ ہونے کا حکم اُس کے لیے قید نہیں بلکہ اُس کی عزت و ناموس کی حفاظت اور احترام کے لیے بہت بڑی سہولت اور عزت و تکریم کا مقام ہے۔ دنیا کے کسی معاشرے میں فحاشی کے حق میں وکالت نہیں کی جاسکتی، ہر مذہب عورت کی عزت و ناموس کو اعلیٰ و ارفع مقام دیتا ہے ۔اِس لیے جو خواتین خواہ وہ ملازمت پیشہ ہیں یا گھر کے انتظام و انصرام میں مصروف رہتی ہیں پردے میں رہنے سے اُن کے احترام میں بے حد قدر و منزلت پائی جاتی ہے۔ دین نے جو حدود قیود معاشرئے کے ہر فرد کے لیے مقرر کی ہیں اُن کے پیچھے نفسیاتی طور پر جو پہلو کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ کسی طور بھی کوئی بھی فرد فطرتی

روش سے ہٹنے نہ پائے۔اللہ پاک ہر انسان کا خالق و مالک ہے اور اپنے بندے سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اُتنی محبت ستر مائیں مل کر بھی نہیں کر سکتی وہ خدا اپنی مخلوق کی بے عزتی بے حرمتی کیسے برداشت کر سکتا ہے۔اِس لیے فطرتی تقاضے اُسی صورت پورے ہو سکتے ہیں جب معاشرے کا ایک ایک فرد ایک دوسرے کی عزت و ناموس کو مقدم رکھے۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے بندے کے دل کو دُکھانا کعبہ کو ڈھانے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ عورت کی آزادی کی رٹ لگانے والے عورت کو جسم فروشی کی طرف لگاتے اور مالی مفاد حاصل کرتے ہیں کیا یہ آزادی ہے۔ عورت کو اپنے مالی فائدے کے لیے بطور شو پیس، پیش کرنا کیا یہ آزادی ہے۔پاکستانی معاشرے میں خواتین کو بہت زیادہ مسائل کا سامنا ہے پرائمری تعلیم سے لے کر ثانوی و اعلیٰ تعلیم تک کے مواقع بہت کم ہیں۔ ملازمتوں کی کمی ،ٹرانسپورٹ کے مسائل، معاشرتی اونچ نیچ امارت اور غربت کے درمیان خلیج کا حائل ہونا، جہیز کی لعنت وغیرہ۔ عورت کو بطور پروڈکٹ سمجھنے کے عمل کی نفی کرنے کی از حد ضرورت ہے۔جب معاشرے میں ماں کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہے ہم کس مُنہ سے ماں کی عظمت کے گُن گا رہے ہیں۔ ہم اپنی بیٹی بیوی بہن کو جو مقام دے رہے ہیں وہ مقام تو ماں کا بھی بن جانا ہوتا ہے۔اللہ پاک ہمیں با عمل انسان بنائے۔

خطرناک مجرم قرار دیئے جانے کی ضمانت کی بابت سپریم کورٹ آف پاکستان ی تشریحات وتوضیحات

جب بھی ہارڈینڈ یا ڈینجرس کریمنل کے حوالے سے بات کی جاتی ہے تو یہ طے شدہ امر ہے کہ ایسا مجرم جو کہ اتنا خطرناک ہے کہ وہ انسانیت کے لیے شدید خطرہ ہے اور وہ عام انسانوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا ہے۔ ایسے مجرموں کے حوالے سے قانون کو سخت فیصلے کرنا پڑتے ہیں کیونکہ اس طرح کے مجرم معاشرئے کی سماجی، عمرانی، اخلاقی، معاشی اور مذہبی اقدار کے لیے ہر دم شدید خطرئے کا باعث بنے رہتے ہیں۔

A Hardened criminal is someone who is , simply, hard.Like if you ever watch those prison shows on MSNBC and you see those guys covered in tattoos who are confined to their cells 23 hours a day because they are so violent they can't be in population.That is a hardened criminal. However, anyone can change if given the chance, sadly the majority of prisons don't give people chances, but a few do۔ .

ایسا شخص جو کہ ایسے کسی کیس میں ملزم نہ ہو جو کہ ناقابل ضمانت ہو اگر اُس شخص کو بغیر وارنٹ گرفتار کیا گیا ہو یا کسی پولیس آفیسر نے جو کہ تھانہ

کا انچارج ہو، نے گرفتار کیا ہو ایسے شخص کو ضمانت پر رہا کیا جاسکتا ہے۔ ایسا ملزم جس پر قتل کا الزام ہو اور اُس جرم کی سزا موت ہو اور اُس کو گرفتار ہوئے ایک سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہو اور اُسکا ٹرائل ابھی تک مکمل نہ ہوا ہو۔ ایسا شخص جس کو سزائے موت کی سزا ہوئی ہو اور اور وہ ملزم مسلسل دو سال سے زائد عرصہ تک جیل میں ہو اور ابھی تک اُسکے کیس کا ٹرائل مکمل نہ ہوا ہو۔ تو اُس کو بھی ضمانت پر رہا کر دیا جائے گا۔ اگر ملزم کے کیس کی تفتیش کسی بھی سطح پر اور کوئی بھی وجہ نہ ہو کہ یقین کیا نہ کیا جائے سکے کہ ملزم سے ایسا جرم سرزد ہوا ہے جو کہ نا قابل ضمانت ہو یا ابھی تک ٹرائل مکمل نہ ہوا ہو یا کیس کی مزید تفتیش ہونا باقی ہو۔ تو اُس کی ضمانت ہو سکتی ہے۔ اگر کسی وقت بھی کسی ملزم کا ٹرائل نا قابل ضمانت کیس میں ہوا ہو اور ابھی تک فیصلہ نہ آیا ہو اور یہ بات قرین قیاس ہو کہ ملزم قصوروار ثابت نہیں ہو سکے گا تو اُس ملزم کی ضمانت لے لی جائے گی۔ جگت رام بنام ریاست 1997 SCMR 36 کے مطابق آرڈر 4 آف 1979 کے تحت مذکورہ کیس میں ملزم پہلے سے کسی بھی مقدمے میں ملوث نہ ہے اور نہ کسی جرم کی سرگرمی میں پہلے سے ملوث رہا ہے اس لیے یہ خطرناک مجرم کی صف میں نہیں گردانا جاسکتا۔ اس حوالے سے صرف فیکٹ یہ ہے کہ ملزم سے ہیروین برآمد ہوئی ہے جو کہ مبینہ طور پر وہ گدھا گاڑی پر لے جا رہا تھا اس بناء پر ملزم کو سخت گیر یا خطرناک ملزم نہیں گردانا جاسکتا جو مبینہ جرم ہوا ہے اُس کے سزا عمر قید

ہے

ابھی ٹرائل مکمل نہیں ہوا ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں ٹرائل مکمل ہوتا نظر آ رہا ہے
ملزم کو قید میں ایک سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اپیل کی اجازت کی پٹیشن کو
اپیل میں بدل دیا جاتا ہے جس کی اجازت دی جا چکی تھی اور ملزم کی ضمانت بھی لی جاتی
مذکورہ مقدمہ کی سماعت 8 اگست 1995 کو ہوئی جج صاحبان سلیم (B(P.636 ہے
اختر صاحب اور سعید الزمان صدیقی صاحب اس کیس میں تھے۔ سعید الزمان صدیقی
صاحب نے اس کیس کا فیصلہ لکھتے ہوئے کہا کہ پٹیشنر نے سندھ ہائی کورٹ کے 2-05-
کے فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کی اجازت مانگی ہے جس فیصلے میں ملزم کی 1995
کے تحت نہیں دی گئی کہ ملزم pc Cr. (ضمانت 3 پروینزو سیکشن 497 سب سیکشن (1
خطرناک مجرموں کی صف میں شامل ہے۔ ہم نے اس کیس میں ایڈووکیٹ جنرل
سندھ کو 1-8-1995 کو نوٹس جاری کیے اور پٹیشنر اور سرکار کے وکیل صاحبان کا
موقف سننے کے بعد اس پٹیشن کو اپیل میں بدل دیا اور اس کو ڈسپوز آف کر دیا۔
پٹیشنر 9-9-1993 کو حدود آرڈر کے آرٹیکل کے تحت مبینہ طور پر پچیس کلو گرام
ہیروین کو گدھا گاڑی پر لے جانے کے جرم میں گرفتار ہوا۔ پٹیشنر نے ٹرائل کورٹ
میں ضمانت کی درخواست اس بناء پر دائر کی کہ پٹیشنر ایک سال سے زائد عرصہ سے
جیل میں ہے اور ابھی تک کیس کا فیصلہ نہ ہو پایا ہے۔ جو کے

ٹرائل کورٹ نے 22-9-1994 کو مسترد کردی۔ بعدازاں پٹیشنر نے ہائی کورٹ میں رسائی حاصل کی لیکن وہاں بھی اس کی درخواست ضمانت رد کردی گئی۔ ہائی کورٹ کے فاضل جج صاحب نے تھرڈ پروینزو سب سیکشن 1) (آف سیکشن , 497 سی آر پی سی , کے تحت اس بنا پر درخواست ضمانت رد کی کہ ملزم نے دن کے وقت ہیروین کو لے جا کر خود کو خطرناک اور سخت گیر کریمنل ثابت کیا ہے۔ اس لیے اُس کی ضمانت نہیں لی گئی۔ فاضل ہائی کورٹ کے جج صاحب نے اس بات کو بھی فیصلے کے دوران مدِ نظر رکھا کہ ہیروین لے جانے کے جرم کی سزا ملزم کی قید کے دوران بڑھا دی گئی ہے اور اب ایک ترمیم کے تحت جو کہ 7-8-1994 کو ہوئی ہے اُسے اب سزائے موت کردیا گیا ہے۔ درخواست گزار کے فاضل وکیل نے کہا کہ درخواست گزار کبھی بھی کسی مجرمانہ کاروائی میں ملوث نہیں رہا ہے اور ریکارڈ یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ نہ ہی درخواست گزار کے خلاف کوئی بھی کریمنل کیس زیرِ سماعت ہے۔ درخواست گزار کے وکیل نے مزید یہ کہا کہ کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس نے اس انداز میں ایکٹ کیا ہے جس سے وہ ہارڈینڈ کریمنل یا خطرناک کریمنل گردانا جاسکتا ہے۔ آخر میں درخواست گزار کے وکیل نے کہا کہ درخواست گزار 9-9-1993 کو گرفتار ہوا تھا اور چند دنوں کے بعد اُس کو گرفتار کیے جانے کا عرصہ دو سال ہو جائے گا اور گیارہ گواہان میں سے صرف دو گواہان کی گواہی عدالت نے ابھی تک لی ہے۔ ملزم کی طرف سے ضمانت پر رہائی اُسکا اس بناء پر حق ہے کہ کیس کا فیصلہ ہونے میں تاخیر ہے ضمانت پر رہائی کی مخالفت صرف

اِس بناء پر کی جاسکتی ہے کہ کیس کے ٹرائل کے فیصلے میں کسی طرح ملزم یا اُس کی ایماء پر کوئی او شخص حائل ہے۔ اس بناء پر بھی ملزم کی ضمانت پر رہائی نہیں دی جا سکتی بیشک دو سال میں ٹرائل مکمل نہ بھی ہوا ہو اگر ملزم پہلے سے ایسے مقدمے میں سزا یافتہ ہو جس کی سزا عمر قید یا سزائے موت ہو یا عدالت کی رائے میں ملزم کو ہارڈنڈ کریمنل، خطرناک کریمنل یا دہشت گردی میں ملوث پایا گیا ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ 497 (1) سی آر پی سی کے تحت ضمانت اُس وقت منسوخ کی جاسکتی ہے جب مقدمے کا ٹرائل مقررہ دو سال میں مکمل نہ ہو ہو یا پہلے سے عدالت کی طرف سے اُسے ایسے مقدمے میں گناہ گار قرار دیا گیا ہو جس جُرم کی سزا عمر قید یا سزائے موت ہو یا عدالت یہ سمجھتی ہے کہ ملزم ہارڈنڈ کریمنل، خطرناک کریمنل یا دہشت گردی میں ملوث پایا گیا ہو۔ محمد حنیف بنام سرکار پی ایل ڈی1986 کراچی 437 کے مطابق ملزم کو ہارڈنڈ کریمنل، خطرناک کریمنل یا دہشت گردی میں ملوث پایا جانا قرار دیا کی Bail Application عدالت کی طرف سے اِن شواہد کی بناء پر جاتا ہے جو کہ آئی ہیں۔ یا دیگر طریقوں سے عدالت کے Findings صورت میں عدالت کے سامنے مقدمات میں Pending آتی ہیں اِس کیس میں ملزم کو Findings علم میں ایسی ہارڈنڈ کریمنل یا خطرناک کریمنل قرار دیا جارہا ہے اور ساتھ یہ بھی ہے کہ ملزم نے اپنی سگی بہن کی بیٹی کو ریپ کیا ہے اس بناء پر فورتھ پروزو آف سیکشن 97 (1) سی آر کیا ہے۔ جلال declined پی سی کے تحت عدالت نے اس کی ضمانت کو

Leave کے مطابق اِس عدالت نے (SCMR 525 بنام اللہ یار کیس (1993
گرانٹ کردی تھی ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف ایسا کیا تھا اُس کیس میں عدالت نے
ملزم کو ہارڈنڈ اور خطرناک کریمنل قرار دیا تھا۔ حالانکہ ملزم نے دو افراد کو انتہائی
ظالمانہ طریقے سے قتل کیا تھا۔ اِس عدالت نے آخر کار اپیل ڈسمس کردی تھی اور ہائی
کورٹ کے ضمانت لیے جانے کے فیصلے 3 پروزو یکشن (1) 497 سی آر پی سی کو
برقرار رکھا تھا کیونکہ مقدمے کے شواہد یہ ثابت نہیں کرتے تھے کہ ملزم ہارڈنڈ کریمنل
یا خطرناک کریمنل ہے اگرچہ ملزم نے دو افراد کو قتل کیا تھا لیکن ملزم سے ایسا صرف
سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ملزم کریمنل فطرت کا مالک ہے FIR ایک گولی چلنے سے ہوا
اور وہ کسی اور جرم میں بھی پہلے سے شریک ہے۔ اِس وقت جو کیس ہمارے سامنے ہے
اس سے یہ شواہد ملتے ہیں کہ ملزم پہلے سے سزا یافتہ نہ ہے نہ ہی اسکے خلاف کسی کیس
میں کہیں پروسیکیوشن ہوئی۔ صرف یہ کہ ملزم پر یہ الزام ہے کہ ملزم دن کی روشنی
میں گدھا گاڑی پر ہیروین لے جارہا تھا اس سے یہ نہیں قرار دیا جاسکتا کہ ملزم ہارڈینڈ
کریمنل یا خطرناک کریمنل ہے۔ ایسا کوئی مواد بھی عدالت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا
جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ملزم ہارڈینڈ کریمنل یا خطرناک ملزم کی صف میں شامل
ہے۔ جس جرم میں ملزم جیل میں ہے اُس جرم کی زیادہ سے زیادہ سزا عمر قید ہے اور
ملزم ایک سال سے زائد عرصے سے قید میں ہے اور مستقبل قریب میں ٹرائل مکمل
کے مطابق 11 گواہان میں سے صرف FIR ہونے کا امکان بھی نہیں اور

دو کی گواہی عدالت میں ہوئی ہے۔ ہم درخواست منظور کرتے ہوئے درخوست گزار کا
ٹرائل مکمل نہ ہونے کی بناء پر ضمانت منظور کرتے ہیں۔ درخواست ضمانت دو لاکھ کی
شورٹی پر گرانٹ کی جاتی ہے۔ اس مقدمہ میں عدالت عظمٰی نے ملزم کو ضمانت پر رہا
کرنے کا حکم فرما دیا۔ وجہ اس میں یہ بیان کی گئی کہ یہ درست ہے ملزم کو ہارڈ ند کریمل
کہا جارہا ہے لیکن ایسا ثابت نہیں ہو پایا اور مقدمے کا ٹرائل بھی نہیں مکمل ہوا اور
ملزم کو ابھی اس مقدمے میں سزا بھی نہیں ہوئی۔

ڈرون حملہ۔امریکہ جنگل کے قانون کا علمبردار۔چوہدری نثار کا موقف

موجودہ ملکی حالات میں جہاں ایک طرف سیاسی ماحول میں عجیب رنگ نظر آتا ہے وہاں امریکہ بھارت ایران افغانستان کے بڑھتے ہوئے میل جول کے بھی واضع اثرات نظر آ رہے ہیں۔ڈہشت گردی کی جنگ امریکہ بہادر کی جانب سے مسلط کی گئی اور امریکہ پاکستان کو اب سبق سکھانے پر تُلا ہوا ہے۔ایف سولہ طیارے دینے سے انکار، امداد کو شکیل آفریدی کی حوالگی سے مشروط کرنا اور پھر حالیہ ڈرون حملہ جس میں ملا اختر منصور مارے گئے۔اِس پس منظر میں پاکستانی وزیر خارجہ نے روایتی جوشیلی اور بہادرانہ انداز میں موقف پیش کیا ہے۔چودری نثار کا موقف فوج کا موقف ہی سمجھا جانا چاہیے چونکہ اُنھوں نے قوم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ امریکہ تو جنگل کا قانون چاہتا ہے۔وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے کہا ہے ڈرون حملے پاکستان' امریکہ تعلقات پر نہایت سنگین اثرات ڈال سکتے ہیں۔ ڈی این اے ٹیسٹ کے بغیر بلوچستان میں ہونیوالے امریکی ڈرون حملے میں ملا اختر منصور کے مرنے کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ سائنسی اور قانونی شہادتوں تک باضابطہ اعلان نہیں ہو سکتا۔چوہدری نثار علی خان نے بلوچستان میں امریکی ڈرون حملے میں افغان طالبان کے سربراہ ملا منصور کی ہلاکت کی تصدیق سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ سیاسی اور عسکری قیادت اس بات پر متفق ہے کہ پاکستان میں

امریکی ڈرون حملے پاکستان کی خودمختاری اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی، غیر قانونی اور ناقابل قبول ہیں، امریکی صدر کا پاکستان میں دشمن کو ہر جگہ نشانہ بنانے کا بیان بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اور ناقابل قبول ہے، ڈرون حملوں سے پاکستان امریکہ تعلقات پر سنگین اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، امریکہ کے کہنے پر سب چلیں تو پھر دنیا میں جنگل کا قانون بن جائے گا، امریکی منطق کو مان کر کیا ہم افغانستان میں دہشت گردوں پر گولہ باری کر دیں۔ پاکستان میں دھماکے کرنے والے افغانستان میں بیٹھے اور پاکستان کی مخالفت کرنے والے مغرب میں آزاد پھر رہے ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ولی محمد افغانستان میں تھا تو امریکہ کیلئے خطرہ نہیں تھا، پاکستان میں داخل ہوتے ہی وہ کیسے خطرہ بن گیا، گاڑی کو پاکستان میں نشانہ بنانے کی منطق سمجھ میں نہیں آتی، شنید ہے کہ ڈرون طیارے نے پاکستانی سرحد پار نہیں کی بلکہ کسی اور ملک کی سرحد سے پاکستانی سرحد میں موجود گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنایا، مزید تحقیقات کر رہے ہیں، امریکہ یہ بھی فیصلہ کرلے اس خطے میں کونسی پالیسی موثر اور کارگر ہے، افغان حکومت سے مذاکرات میں ملا منصور نے طالبان کی قیادت کی پھر وہ کیسے مذاکرات کیلئے خطرہ تھا، وہ خطرہ ہوتا تو مری مذاکرات کیسے ہوتے، مذاکرات کے پہلے دور سے چند دن قبل ملا عمر کی ہلاکت کی خبر لیک کی گئی، دوسرے مرحلے میں افغانستان میں حملے نہ کرنے کا اعلان ہونا تھا، یہ نہیں ہو سکتا سربراہ کو قتل کرکے طالبان سے کہا جائے

آؤ مذاکرات کریں، گزشتہ دو سال میں 29 ہزار افراد کے پاسپورٹ منسوخ کئے،ڈرون حملے میں ہلاک ڈرائیور کی شناخت ہونے پر نعش ورثاء کے حوالے کر دی۔ انہوں نے کہا وہ تصدیق نہیں کر سکتے کہ جائے حادثہ سے ملنے والا پاسپورٹ اسی شخص کے زیرِ استعمال تھا جو ڈرون حملے میں مارا گیا۔ اس سے قطع نظر کے ڈرون حملے میں مارا جانے والا شخص کون تھا، یہ حملہ پاکستان کی سالمیت کیخلاف ورزی تھا اور حکومت اسکی شدید مذمت کرتی ہے۔ انہوں نے بتایا وزیراعظم نواز شریف کی لندن سے واپسی پر باقاعدہ ردعمل دیا جائیگا اور اس سلسلے میں قومی سلامتی کونسل کا اجلاس بھی بلایا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا ڈرون حملے کے سات گھنٹے بعد امریکہ کی طرف سے پاکستان کو سرکاری طور پر اطلاع دی گئی تھی کہ ملا منصور کو پاکستان کے اندر نشانہ بنایا گیا ہے اور وہ اس دنیا میں نہیں۔ انھوں نے بتایا یہ واقعہ ساڑھے تین بجے کے قریب پیش آیا اور جب ایف سی اور دیگر سکیورٹی اداروں کے اہلکار وہاں پہنچے تو وہاں سوائے دو سوختہ اجسام، گاڑی کے ڈھانچے اور کچھ گز دور ایک پاسپورٹ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ انھوں نے کہا ابتدائی طور پر تفتیشی ادارے اسی تحقیق میں رہے یہ گاڑی کس کی ہے اور یہ افراد کون ہیں اور امریکہ کی جانب سے سرکاری طور پر اطلاع دینے کے بعد تفتیشی اداروں نے تانے بانے ملانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا سوال کیا جا رہا ہے پاکستان ملا منصور کی ہلاکت کی سرکاری طور پر تصدیق کیوں نہیں کر رہا لیکن حکومتِ پاکستان سائنسی اور قانونی تصدیق کے بغیر اس

کا اعلان نہیں کر سکتی۔ انھوں نے کہا ملا منصور پاکستانی نہیں اور کسی ڈین این اے کی غیر موجودگی میں کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ سرکاری طور پر اس کی تصدیق کر سکیں اور تا حال صورتحال یہی ہے۔ جائے وقوعہ سے ملنے والے پاسپورٹ کے بارے میں بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا ملنے والا پاسپورٹ ولی محمد نامی شخص کا ہے جن کا شناختی کارڈ پہلی بار 2001ء میں مینوئل بنا جبکہ 2002ء میں اسے کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ جاری کیا گیا۔ اس شخص نے 2005ء میں پہلی بار پاسپورٹ کے لیے درخواست دی جو انھیں ملا جبکہ 2012ء میں ان کے پاسپورٹ کی تجدید کی گئی۔ انٹیلی جنس کے ذرائع نے بتایا یہ افغان فیملی ہے جس پر گذشتہ برس ان کا شناختی کارڈ منسوخ کر دیا گیا۔ ڈائریکٹریٹ آف پاسپورٹس کو ان کے پاسپورٹس بھی منسوخ کرنے کو کہا گیا تاہم اس شخص کا نام پاسپورٹ کی منسوخی کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا۔ چودھری نثار نے کہا مری میں ہونے والے افغان حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکرات میں دونوں فریق کابل کو جنگ سے پاک علاقہ قرار دینے کو تیار ہو گئے تھے۔ امریکہ کا یہ کہنا امریکہ کے لئے جو خطرہ ہے اسے وہ جہاں چاہے نشانہ بنائیں گے درست نہیں۔ 'ایسا تو جنگل کا قانون ہوتا ہے۔ یہ منطق سمجھ نہیں آتی اس شخص کو پاکستان میں کیوں نشانہ بنایا گیا جبکہ وہ دنیا کے کئی ممالک میں سفر کرتا رہا۔ چودھری نثار نے کہا امریکہ نے کہا تھا ان کا دشمن جہاں بھی ہو گا وہاں حملے کریں گے۔ یہ منطق تسلیم کر لی جائے تو ولی محمد دبئی' ایران بھی گیا تھا وہاں حملے کیوں نہیں

کئے۔ جب یہ لوگ دیگر ممالک میں گھومتے رہے ہیں تو امریکہ کیلئے خطرہ کیوں نہیں تھے۔ ولی محمد پوری دنیا میں گھوما جب پاکستان آیا تو مار دیا گیا۔ انہوں نے امریکی ڈرون حملے کو پاکستان کی خودمختاری کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی۔ انہوں نے کہا امریکی اقدام اقوام متحدہ کے چارٹر اور بین الاقوامی قانون کی مکمل خلاف ورزی کرتا ہے جبکہ امریکہ کا اس حوالے سے پیش کیا گیا جواز غیر قانونی ہے۔ پاکستان کا مؤقف وزیراعظم کی واپسی پر سامنے آئے گا جبکہ مشاورت کے بعد حکومت پاکستان کا نقطہ نظر قوم کے سامنے آئے گا۔ انہوں نے کہا 2005ء میں سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور میں ولی محمد کا پاسپورٹ جاری ہوا تھا۔ وزیر داخلہ نے اعتراف کیا نادرا میں کرپشن ہوتی ہے تاہم معاملات کو درست بنانے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا صرف تقریریں نہیں کیں' بدعنوان عناصر کے خلاف کارروائی بھی کی' نادرا سے 614 ملازمین کر کرپشن پر بطرف کیا گیا ہے۔ چودھری نثار نے کہا امریکہ کی اس منطق جس کے مطابق جہاں امریکی مفادات کو خطرہ ہو گا حملے کئے جائیں گے' سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ اس منطق سے اتفاق کر لیا جائے تو پاکستان کے دشمن بھی دیگر ممالک میں موجود ہیں تاہم ہم دیگر ممالک کی خودمختاری کا احترام کرتے ہیں۔ افغان طالبان کے سربراہ کو پاکستانی انٹیلی جنس اداروں کی۔ چوہدری نثار کے جذبات پوری قوم کے جذبات ہیں۔ قوم اِن کی قدر کرتی ہے۔ حمایت حاصل ہوتی تو کیا وہ ایک گاڑی میں صرف ڈرائیور کے ساتھ

سفر کر رہے ہوتے۔ انہوں نے کہا امریکہ والا قانون ہر ملک اپنا لے تو دنیا میں جنگل کا قانون ہو گا۔ امریکہ کیلئے خطرہ بننے والے لوگ صرف پاکستان میں نشانہ کیوں؟ سرحد پار دہشت گرد بیٹھے ہیں' پاکستان تو گولہ باری نہیں کرتا۔ انہوں نے کہا امریکہ اس خطے میں پالیسیز کا فیصلہ کرلے۔ کہا جا رہا ہے ملا منصور امن مذاکرات میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے لیکن مذاکرات کے حوالے سے ملا منصور کا کردار اہم تھا۔ ملا منصور مذاکرات میں رکاوٹ ہوتا تو مری مذاکرات کیسے ہوتے۔ وہ مذاکرات کا مخالف نہیں تھا۔ چودھری نثار نے کہا ڈیڑھ لاکھ اتحادی فوجی افغان طالبان کو فتح نہیں کر سکے۔ افغان طالبان کو عسکری طاقت سے ختم نہیں کیا جا سکا۔ انہوں نے کہا ملا منصور کو ہلاک کرکے پاکستان کے لئے مشکل پیدا کر دی گئی۔ طالبان کابل کو غیر متنازع علاقہ قرار دینے پر متفق ہو گئے تھے۔ رہنما کو مار کر طالبان کو مذاکرات کے لئے کہنا درست اقدام نہیں۔ طالبان سے امن مذاکرات کے دوسرے مرحلے کو سبوتاژ کیا گیا۔ انہوں نے حملے کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا ڈرون پاکستانی علاقے میں داخل نہیں ہوا' کسی اور ملک میں رہتے ہوئے یہ حملہ کیا گیا۔ چودھری نثار نے کہا ڈرون حملے سے متعلق معلومات حملے سے قبل ہمیں نہیں دی گئیں بلکہ واقعہ کے سات گھنٹے بعد میں آگاہ کیا گیا۔ واقعہ کے دوران پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کو نقصان نہ پہنچنے سے متعلق سوال پر انہوں نے کہا اطلاع ملنے کے بعد ان کا بھی یہی سوال تھا اور اس حوالے سے تحقیقات کی جا رہی ہیں۔ چودھری نثار نے

کہا لیڈر کو مار کر طالبان کو مذاکرات کی میز پر نہیں لایا جا سکتا۔ پاک فوج زندہ آباد
پاکستان پائندہ آباد۔

سابق وفاقی وزیر صاحبزادہ حامد سعید کاظمی کی سزا کے محرکات اور حقائق

پیپلز پارٹی کے زرداری دور حکومت میں نظامِ مصطفےٰ پارٹی کے سربراہ صاحبزادہ حامد سعید کاظمی نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا اور قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور بعد ازاں وفاقی وزیر امور مذہبی و امور حج بنے۔ اِس دوران حج سکینڈل سامنے آیا جس میں کرپشن کی ہوش اُڑا دینے والی داستانیں منظر عام پر آئیں۔ صاحبزادہ حامد سعید کاظمی گرفتار ہوئے بعد ازاں ضمانت پر رہا ہوئے۔ اُن کا ٹرائل سپیشل سنٹرل کورٹ اسلام آباد میں ہوا اور جون کی تین تاریخ 2016 کو اُنھیں بارہ سال قید اور 14 کروڑ اور 85 لاکھ جُرمانے کی سزا سُنائی گئی۔ پاکستان میں عدلیہ کے فیصلوں کو وہ سند حاصل نہیں ہے جس کا تقاضا انصاف کرتا ہے۔ وجہ وہی ہے کہ بڑا آدمی جب جُرم کرتا ہے تو صاف بچ نکلتا ہے اور غریب آدمی کے جُرم پر اُسے ایسی سزا ملتی ہے کہ وہ اور اُس کی آنے والی سات نسلیں بھی یاد رکھتی ہیں۔ دنیا بھر کے معاشروں میں انصاف کی صورتحال تسلی بخش نہیں ہے وجہ صاف ظاہر ہے کہ حکمران اشرافیہ نے اپنی مرضی کے افراد کو کرسی انصاف پر نوکری دے رکھی ہوتی ہے۔ یوں جو کام ملازم کا ہے وہی کام اُس نے سر انجام دینا ہوتا ہے۔ لیکن پاکستان میں شاہ و گدا کا انجام بعض اوقات ایک جیسا بھی ہوا ہے جب شاہ ہی گدا بنا دیا گیا ہو۔ جب بڑی طاقتیں امریکہ وغیرہ کسی کو اپنے

راستے سے ہٹانا چاہتی ہیں تو تب پھر منتخب وزیر اعظم کو پھانسی پہ لٹکا دیا جاتا ہے۔ وزیر اعظم گیلانی کو نااہل قرار دے دیا جاتا ہے۔پاکستان جیسے ملک میں جہاں عدالتیں انصاف کے لیے آنے والوں سے ایسا سلوک کرتی ہیں کہ وہ معاشی طور پر نفسیاتی طور پر دیوالیہ ہوجاتا ہے لیکن اُسے انصاف نہیں ملتا۔ایک کیس میں اگر اُس کے حق میں فیصلہ آتا ہے تو اُس فیصلے کے خلاف اپیل پھر ایک نیا باب کھل جاتا ہے اگر دو تین دہائیاں سخت محنت کے بعد اپیل کا فیصلہ اُس کے حق میں آتا ہے تو پھر ایک اور اپیل۔ یوں ستم کا سلسلہ دراز تر ہوتا چلا جاتا ہے۔پاکستان کے سماجی ڈھانچے میں جاگیر داروں وڈیروں سرمایہ داروں کے علاوہ ایک اور طبقہ بھی اب معاشی اور سماجی طور پر کافی مضبوط ہے اور وہ ہیں۔ گدی نشین، سجادہ نشین اور پیر۔مذہبی جذبات اور روایتی پیر پرستی کی وجہ سے پیروں کی اولادوں نے اپنے حلقہ اثر کے دائرہ کار کو بڑھایا ہے اور خانقاہی نظام کے سرپرستوں کی اولادوں نے ہی اِس نظام کو برباد کر دیا ہے۔سندھ اور پنجاب میں تو بہت بڑے بڑے وڈیرے بھی پیر ہیں اور یوں مذہبی چھاپ کی وجہ سے وٹروں کے ساتھ اُن کے عقیدت مندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔یوں یہ پیر جس پارٹی میں ہوتے ہیں مرید بے چارے اُس پارٹی کا دفاع کرتے ہیں۔ صاحبزادہ حامد سعید کاظمی جو کہ نہ تو کسی جاگیر دار وڈیرے کی اولاد ہیں اُن کے والد محترم تو ایک عظیم علمی وروحانی شخصیت تھے غزالی دوراں کا خطاب کے حامل جناب احمد سعید کاظمی صاحبؒ نے تشنگان علم و روحانیت کو اپنے

فیض سے بہرہ مند فرمایا۔

اسلام آباد کی خصوصی عدالت نے 5 برس بعد حج کرپشن کیس میں سابق وزیر مذہبی امور حامد سعید کاظمی، سابق جوائنٹ سیکرٹری راجہ آفتاب السلام اور سابق ڈائریکٹر جنرل حج راؤ شکیل کو جرم ثابت ہونے پر سزا کا حکم سنا دیا ہے۔ عدالت نے سابق وزیر مذہبی امور اور سابق جوائنٹ سیکرٹری کو 12، 12 سال قید اور پندرہ کروڑ روپے جرمانہ کی سزا سنائی ہے جبکہ مقدمے کے مرکزی ملزم سابق ڈائریکٹر جنرل حج راؤ شکیل کو مجموعی طور پر 40 سال قید اور 15 کروڑ روپے جرمانے کی سزا کا حکم دیا گیا۔ تینوں ملزموں پر سال 2010 کے حج انتظامات کے دوران مالی بے ضابطگی کے الزامات تھے۔ جن کے مطابق انہوں نے جدہ، مکہ اور مدینہ میں پاکستانی عازمین حج کے لئے عمارتیں کرائے پر لینے کے عمل میں بڑے پیمانے پر بے قاعدگی کی اور اس ضمن میں حجاج کرام سے کروڑوں روپے زائد وصول کئے۔ عدالتی فیصلے کے بعد تینوں ملزموں کو کمرہ عدالت سے گرفتار کر لیا گیا اور ہتھکڑیاں لگا کر اڈیالہ جیل منتقل کر دیا گیا۔ حامد سعید کاظمی اور راجہ آفتاب السلام کو جرمانہ ادا کرنے پر بارہ سال قید کی سزا سنائی ہے، عدم ادائیگی پر دونوں کو مزید چار سال قید کاٹنا ہو گی۔ عدالت نے سابق وزیر برائے مذہبی امور حامد سعید کاظمی اور سابق جوائنٹ سیکرٹری مذہبی امور راجہ آفتاب السلام کو سیکشن 34/409 تعزیرات پاکستان کے تحت چھ

سال قید جبکہ دفعہ 420,468,471 تعزیرات پاکستان کے تحت مزید چھ سال کی سزا اور پندرہ کروڑ روپے جرمانہ عائد کیا ہے۔ عدالت نے حج کرپشن کیس کے مرکزی ملزم سابق ڈائریکٹر جنرل حج راؤ شکیل کو 34/409 کے تحت چھ سال قید اور 14 کروڑ لاکھ 97ہزار چھ سو روپے جرمانہ کی سزا عدم ادائیگی پر دو سال مزید قید راو شکیل پر73 دفعہ 420,468 اور471کے تحت بالترتیب چھ چھ سال قید اور دس دس لاکھ روپے بالترتیب جرمانہ عائد کیا گیا ہے۔ عدم ادائیگی پر دو دو سال بالترتیب مزید قید کی بھی سزا سنائی گئی ہے۔ ملزم کو زیر دفعہ 5(2)47 پی سی اے کے تحت 6سال قید اور دس لاکھ روپے جرمانہ عدم ادائیگی کی صورت میں دو سال قید کی سزا سنائی گئی ہے۔ عدالت نے مذکورہ کیس میں اشتہاری قرار دیے جانے والے ملزم احمد فیض کی درخواست ضمانت منسوخ کردی تھی جس پر ملزم کو احاطہ عدالت سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ عدالت نے ملزم احمد فیض کا کیس الگ سے چلانے کا بھی حکم دیا ہے۔ ملزم 30 روز کے اندر فیصلہ کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کر سکتے ہیں۔ سماعت کے بعد میڈیا سے گفتگو میں حامد سعید کاظمی اور راؤ شکیل احمد نے کہا کہ وہ عدالتی فیصلہ سے مطمئن نہیں وہ اس فیصلہ کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں چیلنج کریں گے۔ راؤ شکیل کا کہنا تھا کہ اللہ تعالی کی عدالت موجود ہے اور

امید ہے وہ ہمیں انصاف دے گا۔ حامد سعید کاظمی نے کہا ہے الزامات بے بنیاد ہیں، حج کرپشن میں ان کو پھنسایا گیا اور سیاسی انتقام کانشانہ بنایا گیا۔

تینوں ملزموں پر 2010ء کے حج انتظامات کے دوران مالی بے ضابطگیوں کے الزامات تھے، عازمین حج کیلئے مکہ اور مدینہ میں مارکیٹ ریٹ سے زیادہ کرائے پر عمارتیں لی گئی تھیں، اس وقت ایک سعودی شہزادے نے سپریم کورٹ کو معاملے کا نوٹس لینے کیلئے خط لکھا تو سابق چیف جسٹس افتخار چودھری نے ازخود نوٹس لیتے ہوئے کیس کی تفتیش ایف آئی اے کے سپرد کی، ایف آئی اے نے اس کیس میں سابق وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کی اہلیہ اور بیٹے عبدالقادر گیلانی کو بھی شامل تفتیش کیا۔ ان پر سابق ڈی جی حج راؤ شکیل سے مبینہ طور پر 5 کروڑ روپے کے عوض انہیں ڈی جی حج تعینات کرنے کا الزام تھا تاہم تفتیش کے بعد ان کا نام مقدمے سے خارج کر دیا گیا۔ سابق وفاقی وزیر حامد سعید کاظمی پر مالی بدعنوانی کا کوئی الزام ثابت نہیں ہوا تاہم اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے راؤ شکیل اور فیض احمد نامی شخص کی سعودی عرب میں تعیناتی کے شواہد موجود تھے۔ ملزموں پر الزام تھا کہ انہوں نے مکہ اور مدینہ میں پاکستانی عازمین حج کیلئے عمارتیں کرائے پر لینے کے عمل میں بڑے پیمانے پر بے قاعدگی کی اور اس ضمن میں حجاج کرام سے کروڑوں روپے زائد صول کئے۔ بی بی سی کے مطابق مجرموں کی سزائیں ایک ساتھ شروع ہوں گی اور اس لحاظ سے یہ 6 سال کا عرصہ جیل میں گزاریں گے۔ حامد سعید کاظمی کا مؤقف کیا ہے؟ سابق وفاقی وزیر حامد سعید کاظمی کو 16 برس قید کی سزا ہو گئی، پاکستان میں کرپشن کے اس دلچسپ کیس میں سعودی حکومت بھی فریق ہے۔ سعودی شہزادے بندر بن خالد

بن عبدالعزیزالسعود نے اس وقت کے پاکستان میں چیف جسٹس کو طالبان مخالف علامہ کاظمی کے خلاف خط لکھا اور انہوں نے سوموٹو ایکشن لے لیا۔حامد سعید کاظمی پر الزام ہے کہ انہوں نے 2009 میں دوران حج ناقص 11 عمارتیں ایک کروڑ ریال دے کر کرائے پر لیں اور یہ استعمال نہیں کی گئیں۔حامد سعید کاظمی کے مطابق جبل ہندی کی جن عمارتوں کے حوالے سے ان پر الزام لگایا گیا، وہ ہر سال کرائے پر لی جاتی ہیں مگر استعمال کی نوبت نہیں آتی کیونکہ سعودی حکومت کا قانون ہے کہ حاجیوں کی کل تعداد سے ایک فیصد زیادہ رہائش کا انتظام رکھا جائے۔اس کیس میں ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ سعودی خط میں کہا گیا ہے کہ حاجیوں کو ان عمارتوں میں بھیج کر زیادہ کرایہ وصول کیا گیا جبکہ علامہ کاظمی کے مطابق یہ عمارتیں سرے سے ہی استعمال نہیں ہوئیں۔دلچسپی کی بات یہ ہے یہ عمارتیں جمیعت علمائے اسلام کے رہنما مولانا مکی کی ملکیت ہیں اور وہی ہر سال ان کا کرایہ بطور نذرانہ لیتے ہیں۔جب ان عمارتوں کو کرائے پر لینے کے حوالے سے کرپشن کے الزامات لگے تو حامد سعید کاظمی نے ایک ہائر ریویو کمیٹی خود بنائی تھی اور ایف آئی اے علامہ کاظمی کو تمام الزامات سے بری الذمہ قرار دے چکی تھی۔2009 میں حجاج کو 25ہزار روپے کی رقم کی واپس کی گئی تھی۔حامد سعید کاظمی کو سزا ہو گئی ہے اور اب شاید نظرثانی فیصلے میں یہ سزا کالعدم بھی ہوجائے مگر سوال ضرور اٹھیں گے کہ کرپشن کے خلاف تحقیقات کے نتیجے میں انتہاپسندی کے مخالف ایک ہی طرز فکر کے لوگ چاہے وہ مذہبی ہی

کیوں نہ ہوں۔۔ آخر کیوں سزاوار ٹھہرتے ہیں۔حامد سعید کاظمی کو اِس کیس میں ایک سازش کے تحت پھنسایا گیا اور اُنہیں خبر ہی نہ ہوسکے کہ اُن کے پہلو میں بیٹھے ہوئے لوگ اُن کے دوستوں کے روپ میں دُشمن ہیں۔اپنی درویش طبع عادت کی وجہ سے اور دین کی محبت کے سبب حامد سعید کاظمی کو اُنکے ارگرد جمع ہونے والے فصلی بٹیروں نے اِس طرح اندھیرے میں رکھا کہ خانقاہی نظام کا ایک نیک سپوت ایسے معاملات میں پھنسا دیا گیا کہ جس کا اُنہیں اندازہ نہ تھا۔یوں سیاست میں عام آدمی کے سے انداز میں اُبھرنے والی روحانی خانودائے سے منسلک شخصیت کو بدنما داغ لگا دیا گیا۔ مورخ کا قلم اپنے یا غیر کسی کی تمیز نہیں کرتا تاریخ ثابت کرئے گی کہ کس طرح اپنے لیے سیاسی خطرہ سمجھنے والواں نے کاظمی صاحب کو اِس کیس میں پھنسایا۔ انتہائی محترم ترین مذہبی و روحانی شخصیت جناب احمد سعید کاظمیؒ کی اولاد کو جس طرح کے کٹھن سفر کا سامنا ہے۔ شاید قدرت کو اِن کے صبر کا امتحان مقصود ہے۔اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے اِس نیک بندئے کو کس طرح کی گردش دوراں کی بھٹی میں جھونک دیا گیا۔ عدالت نے اِس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حامد سعید کاظمی پر مالی بدعنوانی ثابت نہیں ہوئی ہے۔اُن پر اختیارات کے غلط استعمال کے الزامات لگے ہیں۔ بادی النظر میں دیکھا جائے تو حامد سعید کاظمی صاحب سے ایسے لوگوں نے مفادات اُٹھانے کی کوشش کی جس کا اندازہ اِن سے نہ ہوسکا۔ پھر پیپلز پارٹی کی حکومت وہ بھی زرداری صاحب کی قیادت میں، اِن حالات میں اعلیٰ افسران کی

تقرریاں تو کہیں اور سے ہوتی رہی ہیں اور ملتان کی سرزمین سے ایک نیک نام روحانی خانوادے کے چشم وچراغ کو سیاسی مداریوں نے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھادیا۔ امید واثق ہے کہ اعلیٰ عدلیہ اِس حوالے سے حامد سعید کاظمی کی اپیل کو پیش نظر رکھے گی۔

لاؤں تجھ سا کہاں سے۔ محمد علی کلےؒ

آج سے چالیس سال قبل انوکی اور محمد علی کا مقابلہ ہوا تھا۔ انوکی اور محمد علی کے درمیان ہونے والے اِس مقابلے کے نقوش میرے دل و دماغ انمٹ ہیں۔ راقم اُس وقت آٹھ سال کا تھا اور ٹی وی پر یہ مقابلہ دیکھا تھا۔اُس وقت سے لاشعور میں محمد علی سے محبت سرایت کر گئی۔ یوں اب تک محمد علی سے محبت عشق کی حد تک ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ محمد علی اُسوقت عالمی اُفق پر چمکا جب ذرائع مواصلات ، ٹی وی چینلز ناپید تھے۔ پاکستان میں صرف چند گھنٹے کی نشریات پی ٹی وی کی تھیں۔ پاکستانی عوام نے محمد علی کو پیار اور محبت دی جو کہ ایک عظیم لیڈر کو دی جاتی ہے۔ یقینی طور پر عالم اسلام کے لیے ایک قابل فخر سرمایہ محمد علی تھے۔ محمد علی چونکہ ایک سپورٹس مین تھے۔ اِس لیے پوری دنیا کے میڈیا کی نظر اُن پر رہتی تھی۔ پھر عین جوانی میں اِس امریکی نیگرو باکسر نے اسلام قبول کرکے پوری دُنیا کو حیران کر دیا۔ عالم اسلام کے لیے قابل فخر سرمایہ محمد علیؒ لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئے۔ باکسر محمد علی کلے 74 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ محمد علی کو سانس کی تکلیف کے باعث اسپتال منتقل کیا گیا تھا۔امریکی میڈیا کے مطابق 74 سالہ محمد علی امریکی شہر فونیکس کے ایک اسپتال میں کئی روز سے زیر علاج تھے، انہیں سانس کی تکلیف لاحق تھی۔ محمد علی کلے امریکی ریاست

کنٹکی کے شہر لوئسویل میں ایک عیسائی گھر میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کیسیئس مارسیلس کلے سینئر کے نام پر کیسیئس مارسیلس کلے جونیئر کہلائے۔ محمد علی کلے کو اس وقت شہرت حاصل ہوئی جب انہوں نے 1960 میں روم میں ہونے والے اولمپک مقابلوں میں سونے کا تمغا جیتا لیکن جب وہ اپنے شہر واپس آئے تو انہیں سیاہ فام ہونے کی وجہ سے نوکری نہیں مل سکی، جس سے دلبرداشتہ ہو کر انہوں نے اپنا تمغہ دریا میں پھینک دیا تھا۔ اپنے ساتھ روا رکھے گئے برتاؤ کے باوجود باکسنگ رنگ میں ان کی کامیابیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ویت نام کی جنگ کے دوران محمد علی نے امریکی فوج میں شامل ہونے کے عہد نامے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں انہیں ان کے اعزاز سے محروم کر دیا گیا اور 5 سال کی سزا سنائی گئی تاہم عوامی احتجاج کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں سزا سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ 1974 میں محمد علی کلے نے جارج فورمین کو شکست دے کر ایک بار پھر اپنا کھویا ہوا وقار اور شہرت حاصل کر لی۔ اس وقت محمد علی کی عمر صرف 32 سال تھی اور وہ اس عالمی چیمپیئن کا اعزاز پھر سے جیتنے والے دوسرے شخص تھے۔ 1975 میں وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور اپنا نام محمد علی کلے رکھا۔ 1978 میں محمد علی کو اس وقت بڑا دھچکہ لگا جب وہ خود سے 12 برس کم عمر لیون اسپنکس سے ہار گئے لیکن 8 ماہ بعد محمد علی نے اسپنکس کو شکست دے کر ایک بار پھر اپنا کھویا ہوا اعزاز دوبارہ حاصل کر لیا تاریخ میں پہلی بار کسی کھلاڑی نے تیسری بار عالمی اعزاز جیتا۔ اس وقت ان

کی عمر 36 سال تھی۔1980 میں ان کی صحت کے بارے میں خدشات نے جنم لینا شروع کردیا اور ڈاکٹروں نے انہیں ''پارکنسنس سنڈروم'' (رعشہ) کا شکار پایا۔

باکسنگ سے کنارہ کشی اختیار کرتے وقت محمد علی کرہ ارض پر سب سے زیادہ شہرت یافتہ شخص تھے۔ دنیا بھر کے مسلمان اور سیاہ فام آج بھی محمد علی کا انتہائی احترام کرتے ہیں۔ محمد علی نے اپنے 20 سالہ کیریئر میں 56 مقابلے جیتے اور 37 ناک آؤٹ اسکور کیا لیکن دنیا ہمیشہ انہیں ایک عظیم شخص کے نام سے جانتی رہے گی۔ محمد علی کے انتقال پر عالمی سیاسی اور کھیلوں سے تعلقات رکھنے والی شخصیات سمیت دیگر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والوں نے بھی گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اپنے خالق کے حضور اب تشریف لے گئے ہیں۔ جن رفعتوں، سعادتوں کو محمد علیؒ نے اپنی ظاہری حیات میں حاصل کیا۔ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ شاید ہی کسی کھلاڑی کے لیے یہ جذبات انسانوں کے ہوں۔انھوں نے سنہ 1960 میں روم اولمپکس میں لائٹ ہیوی ویٹ میں طلائی تمغہ حاصل کرکے شہرت حاصل کی تھی۔ان کے نام کے ساتھ گریٹیسٹ' یعنی عظیم ترین لگایا جاتا ہے۔انھوں نے 1964 میں سونی لسٹن کو شکست' دے کر پہلا عالمی خطاب حاصل کیا تھا اور پھر تین بار یہ خطاب حاصل کرنے والے وہ پہلے باکسر بنے تھے۔انھوں نے 61 مقابلوں میں 56 مقابلے جیت کر بالآخر سنہ 1981 میں ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔انھیں سپورٹس السٹریٹڈ نے 'سپورٹس مین آف دا سنچری' کے خطاب سے نوازا تو بی بی سی نے انھیں 'سپورٹس پرسنالٹی آف دا سنچری' کا خطاب دیا۔

محمد علی مقابلے سے قبل اور اس کے بعد دینے جانے والے بیانات کے وجہ سے معروف تھے۔ وہ رنگ میں جس قدر اپنا ہنر دکھاتے اسی قدر رنگ کے باہر اپنے بیانات سے لوگوں کو محظوظ کرتے۔اس کے علاوہ وہ شہری حقوق کے علمبردار اور شاعر بھی تھے۔ان سے ایک بار پوچھا گیا تھا کہ وہ کس طرح یاد کیا جانا چاہیں گے تو انھوں نے کہا تھا: 'ایک ایسے شخص کے طور پر جس نے کبھی اپنے لوگوں کا سودا نہیں کیا۔ اور اگر یہ زیادہ ہے تو پھر ایک اچھے باکسر کے طور پر۔ مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا اگر آپ میری خوبصورتی کا ذکر نہ کریں۔لیجنڈری محمد علی نے چار شادیاں کیں، دوسری بیوی سے ان کے چاراور تیسری بیوی سے دو بچے ہیں۔ ان کی ایک بیٹی لیلیٰ علی باکسر رہ چکی ہیں۔ان کی پہلی شادی کسی فلم کی کہانی سے کم نہیں۔

جون 1964 کی ایک رات محمد علی سونجی رائے نامی ایک ویٹرلیس سے ملے اور رات ہی شادی کی پیشکش کردی اور ایک ماہ بعد اگست 1964 میں شادی کرلی۔ شادی کے وقت محمد علی کی عمر 22 اور ان کی اہلیہ موجی رائے کی عمر 23 سال تھی۔ محمد علی اپنی اہلیہ کے ساتھ ڈیڑھ سال تک ساتھ رہے اور جنوری 1966 میں علیحدگی اختیار کرلی۔ محمد علی کی پہلی اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں ہے۔پہلی شادی کے ایک سال بعد محمد علی نے اپنے سے 8 سال چھوٹی بلینڈا بوئیڈ نامی خاتون سے شادی کی جو اس وقت صرف 17 سال کی تھی۔ شادی کے بعد ان کی اہلیہ نے اسلام

قبول کیا اور اپنا نام خلیلہ علی رکھا۔ خلیلہ سے ان کے چار بچے ہیں مریم، جمیلہ، رشیدہ اور محمد علی جونیئر۔

1974 میں محمد علی کا ایکٹریس ویرونیکا پروش سے افئیر چلا جب ایکٹریس کی عمر صرف 18 سال تھی۔ خلیلہ سے شادی برقرار اور قانونی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے ایکٹریس ویرونیکا پروش سے 1974 میں ہی خفیہ شادی کی جبکہ 1977 میں انھوں نے باضابطہ شادی کی۔ ویرونیکا پروش سے ان کی دو بیٹیاں ہانا اور لیلیٰ تھیں۔ محمد علی اور ویرونیکا کی شادی 9 سال بعد ختم ہوئی۔ محمد علی نے چوتھی شادی اپنی پرانی دوست یولنڈا ولیمز سے 1986 میں کی اور محمد علی کی موت تک تیس سال ان کے ساتھ رہیں۔ محمد علی اور یولنڈا نے پانچ ماہ کے بچے کو بھی گود لیا جس کا نام اساد امین ہے۔ محمد علی کی بیٹی لیلیٰ علی نے 18 سال کی عمر سے باکسنگ کا آغاز کیا اور اپنی آخری فائٹ 2007 میں کی۔۔ محمد علیؒ جیسے لوگ کبھی نہیں مرتے۔ اِن کی یادوں کے چراغ ہمیشہ کروڑوں دلوں میں محبت کی شمع فراوزاں کیے رکھیں گے۔ اللہ پاک جناب محمد علیؒ کو نبی پاک ﷺ کے طفیل جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ممتاز شاعرہ ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ کے نعتیہ کلام پر ایک نظر

نورِ کل یہ ہے نام محترمہ ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ کے نعتیہ مجموعہ کلام کا۔ راقم کی چند تحریریں محترمہ بہن ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ نے پڑھیں تو راقم کی ہمت بندھائی ۔ راقم خود کو نبی پاک ﷺ کا ایک ادنی ترین غلام گردانتا ہے اور راقم کا تعلق چونکہ عشق رسول ﷺ کی سُرخیل تنظیم انجمن طلبہء اسلام سے رہا ہے اور ساتھ ہی راقم نے اپنی ساری زندگی چھ سال کی عمر سے لے کر ابتلکک قبلہ حضرت حکیم میاں محمد عنایت خان قادری نوشاہیؒ کے در اقدس پر گزاری یوں فطری طور پر مدحتِ رسول ﷺ ایک ایسا ماحول پیدا کرتی ہے کہ خالق کا اپنے بندئے کے ساتھ جو تعلق ہے اُس کی ایک انمٹ تصویر اُبھرتی ہے۔ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ نہ تو روایتی شاعرہ ہیں اور نہ ہی روایت سے جڑی کوئی ادیبہ ہیں۔ اللہ پاک نے ڈاکٹر صاحبہ کو خاص مشن کے لیے چُنا ہے۔ راقم نے جب ڈاکٹر صاحبہ کے کیے ہوئے کام پر نظر دوڑائی تو یقینی بات ہے کہ مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس ہے کہ میں اتنے بڑی شخصیت کے نعتیہ کلام کے حوالے کچھ لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ڈاکٹر صاحبہ کے نعتیہ مجموعہ کلام میں نبی پاک ﷺ کی عظمت وحُرمت کا احساس جا گزین ہے۔آپ لکھتی ہیں کہ نور کے ہالے میں پنہاں آپ ہی کی ذات تھی۔ نور کے پیکر نے مجھ سے بات کی وہ نعت تھی۔ڈاکٹر صاحبہ کا نبی پاک ﷺ سے عشق و محبت لازوال ہے آپ کے حرف حرف

لفظ لفظ جذبہ ایمانی کی گواہی دیتے ہیں۔آپ کا کلام ملاحظہ ہو۔آپ فرماتی ہیں کہ میرے آقاﷺ نے مجھے بخشی تھی خود اپنی ردا۔میرے منہ سے جب سنا صلی علی صلی علی۔ڈاکٹر صاحبہ نے خود کو انتہائی عاجزی کے ساتھ عشق رسول ﷺ کے سفر کا مسافر بنایا ہوا ہے مسافر کیا بنایا تھا۔آقا کریم ﷺ کی رحمتوں نے ڈاکٹر صاحبہ کو یہ جذبہ عطا فرمایا کہ وہ نبی پاکﷺ کی شانِ اقدس میں اپنی عقیدت کا اظہار نعت کی صورت میں کر سکیں۔ڈاکٹر صاحب کا بہت بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قران مجید کا ترجمہ نظم کے انداز میں کیا ہے۔قران مجید کا یہ ترجمہ اِس وقت پرنٹنگ کے مراحل میں ہے۔بلاشبہ اللہ پاک نے نبی پاکﷺ کی رحمت کے صدقے ڈاکٹر صاحبہ کو عظیم کام کے لیے منتخب کیا ہے اور اُنھوں نے قران مجید کا ترجمہ منفرد انداز میں کیا ہے۔ملاحظہ ہو ڈاکٹر صاحبہ کی نعت کا ایک شعر آپ فرماتی ہیں کہ " نام جب بھی لیا محمدﷺ کا۔خود کو ہر جاء پہ سرخرو پایا"۔ڈاکٹر صاحبہ کا عشق رسولﷺ کا جذبہ ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ڈاکٹر صاحبہ نے کمال عشق سے آپ ﷺ کے اُمی ہونے کا ذکر کیا ہے آپ لکھتی ہیں" اُمی نے اس جہاں کو دیا عقل اور شعور۔دانشوروں کے قافلہ سالار آپﷺ ہیں"۔آپ مزید لکھتی ہیں کہ کون مکاں میں صاحب اسرار آپﷺ ہیں۔کیا بات ہے کیا مقام ہے ڈاکٹر صاحبہ کے عشق رسولﷺ کا کہ آپ نے کون مکاں کہ اسرار کو جاننے اور ہر شے کو سمجھنے کے حوالے سے حضورﷺ کی تعریف و توصیف کی ہے۔انداز کلام ملاحظہ ہو ڈاکٹر صاحبہ لکھتی ہیں " کاش ہوتی غلام آقاﷺ کی۔سب غلاموں

میں تاجور ہوتی۔ڈاکٹر صاحبہ کا طرز کلام عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ الفاظ کے چناؤ کا شاہکار ہے آپ لکھتی ہیں کہ " مشکل پھر اُس کے واسطے مشکل نہیں رہی۔ جس نے کبھی بھی نام پکارا حضورﷺ کا "ڈاکٹر صاحبہ کے نعتیہ اشعار میں عقیدت عشق کے وہ انداز ہیں کہ قاری کے دل میں یہ بات نقش ہوجاتی ہے کہ کلام لکھنے والے کی عقیدت کا کیا مقام ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ لکھتی ہیں کہ " ہر لحظہ شکر کرتی تھی طیبہ کی سرزمین۔ غار حرا کو اپنے مکین پر غرور تھا"۔ نبی پاک ﷺ سے عقیدت کا پہلو تو ملاحظہ فرمائیں کہ کہ نبی پاکﷺ جس سرزمین میں قیام پذیر رہے وہ طیبہ کہ سرزمین ہر ساعت ہر لمحہ شکر ادا کرتی کہ آقا کریم ﷺ کا قیام یہاں ہے۔آپ لکھتی ہیں کہ غارِ حرا کو اپنے مکیں پر غرور تھا۔ گویا غارِ حرا کی کیفت کا حال اِس میں بیان کیا گیا ہے کہ غار حرا کو فخر ہو گیا کہ اُس کا مکین کائنات کا سب سے عظیم ترین انسان ہے۔اللہ پاک ڈاکٹر صاحبہ کو عمر خضر عطا فرمائے (آمین)

میجر علی جواد چنگیزی شہیدؒ کا لہو امریکہ اور بھارت کی سازشوں کا شاخسانہ

میجر علی جواد چنگیزی شہید روشن راہوں کا مسافر ہو گئے فرشتوں کے ہمراہ اللہ پاک کی رحمتوں کے سائے میں پہنچ گئے۔ رمضان المبارک میں اُن کی شہادت یقینی طور تمام پاکستانیوں کے لیے انتہائی دل گرفتہ کر دینے والا واقعہ ہے۔ حالیہ امریکہ بھارت افغانستان گٹھ جوڑ کی وجہ سے پاکستانی ریاست کے لیے حملوں میں شدت آگی ہے۔اللہ پاک پاکستان آرمی کو اوراِس کے عظیم سپہ سالار جنرل راحیل شریف کو ہمت عطا فرمائے۔پاکستان اور افغنستان نے طورخم سرحد پر کشیدگی کے بعد فوج کی تعداد میں اضافہ کردیا جبکہ فائرنگ سے مزید 2 اہلکار زخمی ہو گئے۔ افغان سکیورٹی فورسز کی فائرنگ سے زخمی ہونے والے پاک فوج کے میجر علی جواد چنگیزی شہید ہو گئے، سرحدی علاقوں میں گزشتہ روز بھی کشیدگی برقرار رہی، طورخم میں مسلسل دوسرے روز بھی کرفیو نافذ رہا۔ میجر جواد کو طبّی امداد کیلئے پشاور ہسپتال منتقل کیا گیا تھا تاہم وہ جانبر نہ ہوسکے اور منگل کی صبح خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کا تعلق کوئٹہ سے تھا۔ سرحد کی دونوں جانب سکیورٹی فورسز نے اپنی پوزیشنز سنبھال رکھی ہیں۔ بارڈر انتظامیہ کے عہدیداران کے مطابق افغان سکیورٹی فورسز کی جانب سے مارٹر گولے بھی فائر کئے گئے۔ مقامی انتظامیہ نے لنڈی کوتل میں 36 گھنٹوں بعد کرفیو اٹھا لیا جس کے بعد وہاں زندگی معمول پر آ گئی

مگر سرحد سے لوگوں اور گاڑیوں کی آمد و رفت مکمل طور پر بند رہی۔ سرحد بند ہونے کی وجہ سے دونوں جانب ٹرکوں کی لمبی قطاریں لگ گئی ہیں۔ پاکستان سے جانے والے وہ ٹرک واپس پشاور آ گئے ہیں جن پر خوراک لدی ہوئی تھی اس کے علاوہ سرحد عبور کرنے کیلئے آئے افراد کی بڑی تعداد بھی دونوں جانب پھنس کر رہ گئی۔ میجر علی جواد کی نماز جنازہ پشاور گیریژن میں ادا کردی گئی جس میں آرمی چیف جنرل راحیل شریف سمیت اعلیٰ سول و فوجی حکام نے شرکت کی جس کے بعد ان کی میت آبائی
علاقے کوئٹہ بھجوا دی گئی۔ فائرنگ سے زخمی ہونے والے لیفٹیننٹ کرنل عامر بھی تشویشناک حالت میں ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ شہید میجر جواد نے ابتدائی تعلیم کوئٹہ کے سینٹ فرانسس گرائمر سکول سے حاصل کی تھی، بعد میں انہوں نے پاک فوج میں کمشن حاصل کیا۔ میجر جواد چنگیزی کے والد خادم حسین چنگیزی پاک فوج.بریگیڈیئر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے جبکہ ان کے ایک بھائی علی قاسم بھی پاک فوج میں میجر کے عہدے پر فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف نے میجر جواد کی شہادت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا ہے کہ میجر جواد نے مادر وطن کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جان قربان کی۔ وزیراعظم کا کہنا تھا کہ میجر جواد پاکستان کے بہادر بیٹے تھے۔ میجر جواد چنگیزی نے وطن کا دفاع کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کیا۔ کہ افغان فورسز کی فائرنگ سے شہید میجر جواد نے جراء ت اور بہادری کی تاریخ رقم کی، ان جیسے شہید صوبے، ملک

اور قوم کا فخر ہیں۔ طورخم بارڈر پر ہر طرح کی آمدورفت اور تجارت معطل ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ افغانستان متعدد بار پاکستان پر دہشت گردوں کی حمایت کے الزامات لگاتا رہا ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ دہشت گردوں کو سپورٹ کرنے کے الزام کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ دہشت گردوں کا داخلہ روکنے کیلئے سرحد پر اپنے طرف گیٹ لگا رہے ہیں۔ افغان بارڈر پولیس کے کمانڈر نے بھی تصدیق کی ہے کہ پاکستانی فوج کیساتھ جھڑپوں کے بعد افغان بارڈر پولیس کی مزید نفری تعینات کر دی گئی ہے۔ جھڑپ میں ایک افغان فوجی بھی مارا گیا تھا جس کا جنازہ منگل کو جلال آباد میں ہوا۔ اس موقع پر پاکستان کے خلاف نعرے لگائے گئے۔ شہید میجر علی جواد چنگیزی کو فوجی اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا۔ تدفین کوئٹہ کے قبرستان بہشت زینب میں کی گئی۔ سرحد پار سے بلاجواز گولہ باری سے میجر جواد کی شہادت نا قابل برداشت ہے۔ پاکستان بارڈر مینجمنٹ کی مخلصانہ کوششوں کو سرحد پار سے سبوتاژ کیا جا رہا ہے، لگتا ہے ہمسایہ ملک کسی اور کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ افغانستان فیصلہ کرے ہمارے ساتھ رہنا ہے یا کسی اور کے ہاتھوں میں کھیلنا ہے۔ ملا فضل اللہ کو سو فیصد افغان حکومت کی پشت پناہی حاصل ہے، ملا فضل اللہ آج بھی افغانستان میں بیٹھ کر پاکستان کے لوگوں کا قتل عام کرواتا ہے، اگر ہمارا خون بہے گا تو اس کا حساب دینا پڑے گا، روزانہ ہزاروں افراد بغیر ٹکٹ پاکستان آتے ہیں مگر اب ایسا نہیں چلے گا، ہم نے ہمیشہ

افغانستان کا بھلا چاہا ہے، پاکستان میں دہشتگردوں کی پناہ گاہیں ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ ہم نے ہمیشہ افغانستان کا بھلا چاہا ہے مگر ہم پر پاکستان میں دہشتگردوں کی پناہ گاہیں الزام لگایا جاتا ہے۔ افغانستان سے کشیدگی بہت بڑے منصوبے کا حصہ ہے۔ افغانستان کی نام نہاد حکومت کا کابل سے باہر کوئی کنٹرول نہیں۔ وہ اپنی جنگ ہماری سرحدوں میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ ملا منصور کی موت سے ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ اور افغانستان کو امن اور مذاکرات کی کوئی خواہش نہیں۔ میجر علی جواد چنگیزی کی شہادت رائیگاں نہیں جائے گی، میجر جواد کی شہادت کا بدلہ لیا جائیگا۔ پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے کو روکنے کی کوششیں کامیاب نہیں ہوں گی۔ سابق افغان صدر حامد کرزئی نے کہا ہے امریکہ کو افغانستان میں مقامی فورسز کی مدد کرنے کیلئے اپنا فوجی مشن محدود کرنا افغان طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے کیلئے پاکستان پر دباؤ بڑھانا چاہئے۔ حامد کرزئی نے کہا امریکہ کو طالبان کو مذاکرات پر مجبور کرنے کیلئے چین، روس، بھارت اور ایران کے ساتھ پاکستانی حکام پر مسلسل دباؤ بڑھانے کی پالیسی میں تعاون کرنا چاہئے۔ ایک ٹھوس پالیسی اپنائی جائے اور پھر اسے جاری رکھا جائے۔ خواجہ آصف نے کہا کہ ایسا لگ رہا ہے کہ امریکہ اور افغانستان امن کوششوں کو سبوتاژ کر رہے ہیں۔ انہوں نے آپریشن ضرب عضب مکمل ہونے پر پیغام میں کہا ہے کہ افغانستان میں 15 سال سے موجود 16 ممالک تاحال امن قائم نہیں کرسکے، ہماری فوج نے 2 سال کے قلیل عرصے میں

امن بحال کر دیا۔ قارئین امریکہ کھل کر پاکستان کے خلاف صف آراء ہو چکا ہے۔ پاکستانی قوم اور پاکستانی فوج کو کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر دشمن کے مقابلے کے لیے تیاری کر لینی چاہیے۔

ممتاز کالم نگار جناب حافظ شفیق الرحمان کی عنایتوں کا تذکرہ

حافظ شفیق الرحمان صاحب کو گذشتہ دو دہائیوں سے پڑھ رہا ہوں اُن کے لکھے ہوئے کالموں سے رہنمائی لیتا ہوں۔ پاکستان اسلام سے محبت اِن کی تحریروں کا خاصہ ہے۔ مجھ جیسوں کے لیے اِن کے تحریروں میں زندگی ہے۔ حافظ شفیق الرحمان ورلڈ کالمسٹ کلب کے چیئرمین ہیں اور ناصر خان، فاروق چوہان اِن کے دست و بازو ہیں۔ حافظ صاحب نے کاسموپولیٹن کلب میں ایک افطار ڈنر کا اہتمام ورلڈ کالمسٹ کلب کے پلیٹ فارم سے کیا۔ مجھے اُنھوں نے تاکید فرمائی کہ آپ ضرور آئیں۔ میرئے لیے سعادت کی بات تھی کہ محترم حافظ شفیق الرحمان صاحب نے راقم کو دعوت دی ہے۔ یوں میں اپنے بیٹے صاحبزادہ حذیفہ کے ساتھ نماز عصر کے بعد کاسموپولیٹن کلب پہنچ گیا۔ حافظ شفیق الرحمان اور ناصر خان نے پر تپاک استقبال کیا۔ صحافی کالم نگار اِس افطار ڈنر کی رونق تھے۔ اِس افطار ڈنر کا ایک فیضان تو یہ ہوا کہ ڈاکٹر زاہد منیر عامر سے ملاقات تقریباً تیس برس بعد ہوئی۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر پنجاب یونیورسٹی میں اُستاد ہیں۔ اُن کو جامعہ الازہر مصر میں بھی برسوں پڑھانے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر میرئے گورنمنٹ کالج سرگودہا میں کلاس فیلو رہے ہیں۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر سے گفتگو نے ماضی کی یادوں کے دریچے کھول دیئے۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر فرمانے لگے کے وہ پچھلے دنوں

سرگودہا گئے تھے اور وہ گورنمنٹ کالج سرگودہا کے سابق پرنسپل جناب صاحبزادہ عبدالرسول صاحب پر اپنے سٹوڈنٹ کو پی ایچ ڈی کروا رہے ہیں۔ جناب صاحبزادہ عبدالرسول بہت بڑی علمی ہستی ہیں۔ اللہ پاک اُن کو عمر خضر عطا فرمائے۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے میرے بیٹے حذیفہ کو بھی اپنی شفقت سے نوازا۔ ورلڈ کالمسٹ کے چیئرمین جب خطاب کے لیے اُٹھے اور اُنھوں نے راقم کا بھی تعارف اِس طرح کروایا کہ اشرف عاصمی صاحب نے حمزہ عباسی کے خلاف سب سے پہلے آواز اُٹھائی اور رسم شبیری ادا کرنے کی سعی کی ہے۔ لاہور کے اہم ترین کالم نگاروں صحافیوں کے درمیان راقم کا اتنی محبت سے ذکر یقینی طور پر یہ حافظ شفیق الرحمان صاحب کا بڑا پن ہے اور نبی پاک ﷺ کے نعلین مبارک کا صدقہ ہے۔ روزنامہ جنگ کے کالم نگار جناب فاروق چوہان سے بھی نشست رہی اور اُن کے ساتھ ہی جناب سردار مراد علی خان ایڈیٹر روزنامہ بیتاب سے بھی استفادہ کیا۔ جناب قیوم نظامی، انعام اللہ نیازی، ریاض قتیانہ بھی اِس پروگرام میں شریک تھے۔ اُن کی خدمت میں بھی سلام عرض کیا۔ ڈاکٹر غافر شہزاد صاحب جن کی شخصیت کا میں بہت فین ہوں اُن سے بھی ملاقات ہوئی۔ بچوں کے میگزین پھول کے روح رواں جناب شعیب مرزا نے بھی کمال شفقت سے نواز اور میرے بیٹے حذیفہ اشرف کی بھی حوصلہ افزائی۔ ڈاکٹر اجمل نیازی، شعیب بن عزیز، محترم سعید آسی، ارشاد عارف صاحب کو بھی سلام عقیدت پیش کرنے کا موقع ملا۔ کالم نگاروں، صحافیوں کو لاہور میں ایک جگہ غیر رسمی طور پر اکٹھا کرنا یقینی طور پر

جناب ناصر خان اور حافظ شفیق الرحمان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔اور بہت بڑی بڑی علمی ہستیاں بھی اِس پروگرام میں شریک تھیں۔اتنے بڑے لوگوں جن کا کام ہی علم کے موتی بکھیرنا ہے۔اُن کی محفل میں بیٹھنا یقینی طور بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔اللہ پاک ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

پاکستان کی بھارت کیخلاف حیدر آباد دکن فنڈ کے مقدمہ کی جیت

پاکستان نے انگلینڈ کی ہائیکورٹ میں بھارت کیخلاف حیدر آباد دکن فنڈ کے دعویٰ کا مقدمہ جیت لیا ہے۔ انگلش ہائیکورٹ نے بھارت کی طرف سے پاکستان کے حیدر آباد فنڈ دعویٰ کے خلاف کوشش کو مسترد کردیا۔ انگلش ہائی کورٹ کی طرف سے منگل کو سنائے 75 صفحات کے فیصلے میں جج ہینڈرسن نے واضح طور پر پاکستان کے اصولی موقف کی تصدیق کردی۔ بھارت عدالت میں پاکستان کے اس دعویٰ کو غلط قرار دلوانے میں ناکام رہا کہ 20 ستمبر 1948ء سے پاکستان کے ہائی کمشنر کے نام پر بنک میں پڑے ہوئے پینتیس ملین.برطانوی پاونڈپاکستان کی ملکیت ہیں۔ جج نے اس بات کو قبول کیا کہ اس رقم کے پاکستانی دعویٰ کی حمایت میں مضبوط شہادت موجود ہے جن کو ٹرائل کے دوران پوری طرح سے زیر غور لایا جائے گا۔ جج نے یہ بھی تسلیم کیا کہ پاکستان کے موقف کے حق میں مضبوط قانونی دلائل دئے گئے ہیں۔ بھارت کو اسکی درخواستیں مسترد ہونے کے نتیجے میں کافی اخراجات کے دعویٰ کا سامنا کرنا پڑیگا۔ خاور قریشی کی قیادت میں لیگل ٹیم نے مضبوط قانونی دلائل دئے اور جج کے سامنے فکری ثبوت رکھے جو بھارت کی اس دلیل کو شکست دینے میں کامیاب رہے کہ پاکستان کا ان رقوم پر دعویٰ درست نہیں ہے۔ جج نے پاکستان کے مرکزی قونصل کی طرف سے دیئے گئے مندرجہ ذیل دلائل سنے اور شہادتوں کا جائزہ لیا

جن کے مطابق بھارت اور شہزادے یہ ثابت کرنے میں ناکام رہے کہ پاکستان کا ان رقوم کی ملکیت کا دعویٰ بے بنیاد تھا۔ 1947-48 کے واقعات بہت گھمبیر تھے، ریاست حیدرآباد دکن (جسے جج نے اس وقت ایک آزاد ریاست تسلیم کیا) پر بھارتی حملے اور قبضے کا خطرہ تھا، اس نے پاکستان کو مدد کیلئے بلایا۔ برطانوی حکومت کی دستاویزات کے آرکائیو کے مطابق برطانوی حکومتی حکام کو بھارت کے ریاست اور اس کے عوام کے ساتھ سلوک کے بارے میں تشویش تھی جس میں محاصرہ کئے جانے، ریاست حیدرآباد میں خوراک اور ادویات کی سپلائی روکنے کی وجہ سے نظام کو بھارت میں شمولیت پر مجبور ہونا پڑا۔ قائداعظم کی رحلت کے بعد بھارت نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ساتویں نظام پر چڑھائی کرکے محکوم بنالیا۔ تقسیم کے بعد پاکستان کو اس کے حصے کے صرف تین فیصد ہتھیار ملے۔ جج کے سامنے رکھی گئی اعانتی شہادتیں برطانیہ کے سرکاری آرکائیو سے آئی تھیں جو اس وقت کی برطانوی انٹیلی جنس رپورٹس اور برطانوی حکومت کی دستاویزات پر مشتمل تھیں جو برطانوی حکومت کی طرف سے سارے معاملہ کا علم رکھنے سے متعلق تھیں۔ بھارت کی طرف سے اس مواد کو مسترد کیا گیا حالانکہ یہ برطانوی انٹیلی جنس ذرائع سے آیا تھا اور کہا گیا کہ ساتویں نظام نے اسے یہ رقوم پاکستان کو منتقلی کے بعد دنوں کے اندر واپس لانے کے لئے کہا تھا کیونکہ یہ ان کی مرضی سے پاکستان کے حوالے نہیں کی گئی تھی۔ جج نے آبزرویشن دی کہ ان حالات میں جب بھارت نے ملک پر قبضہ کرلیا اور اسے زبردستی اپنے آپ کو حوالے کرنے

اور اختیارات دینے پر مجبور کردیاتوساتویں نظام سے اپنی آزادانہ خواہش کی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ جج نے کہاکہ یہ تصور کرنا بے وقوفی ہوگی کہ انڈین قبضے کے بعد نظام نے یہ مطالبہ اپنی مرضی سے کیا ہوگا۔ اس مقدمے کی اب اس کے حل کئے جانے تک ساعت ہوگی۔ پاکستان نے جولائی دوہزار پندرہ میں ریٹائرڈ لا لارڈز ہوفمین یالارڈ ہوپ کے سامنے ثالثی کی پیشکش کی لیکن بھارت نے یہ کہ کراسے قبول کرنے سے انکار کردیا کہ پاکستان کا دعویٰ درست نہیں ہے۔ عدالت نے 68سال بعد فیصلہ سنایا۔ ستمبر ء میں اس وقت کی حکومت کے وزیر خزانہ نے 1،007.940 پاونڈاور 19489 شیلنگ کی رقم خاموشی کے ساتھ لندن میں اس وقت کے پاکستانی ہائی کمشنر حبیب ابراہیم رحمت اللہ کے نام بنک میں جمع کرادی تھی جواب بڑھ کر 3 کروڑ 50 لاکھ پاونڈ ہوچکی ہے 75 صفحات پر مبنی عدالتی فیصلہ حیدرآباد فنڈ پر پاکستان کے اصولی موقف کی تائید ہے۔

حمزہ علی عباسی کی جانب سے کی نبی پاک ﷺ کی ختم نبوت کے قانون کے خلاف ہرزہ سرائی

حمزہ علی عباسی ٹی وی ایکٹر و ماڈل نے حضور نبی پاک ﷺ کی ختم نبوت کے قوانین کے حوالے سے جو ہرزہ سرائی کی تھی اور جس طرح سے ختم نبوت کے قانون کا مذاق اُڑایا تھا۔ اُسکے خلاف صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے ایک پٹیشن لاہور سیشن کورٹ میں دائر کی۔ پٹیشن کی سماعت ایڈیشنل سیشن جج جناب حامد حسین صاحب نے کی۔ صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے کیس کی سماعت کے دوران اپنے دلائل میں کہا کہ نبی پاک ﷺ کی نبوت کے حوالے سے ابہام پیدا کرنے والے کسی صورت مسلمان نہیں ہیں۔ اور نبی پاک ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے حوالے سے پاکستان میں مروجہ قوانین انتہائی عرق ریزی اور تمام مکاتب فکر کی مشاورت سے بنائے گئے ہیں۔اِس لیے اِن قوانین کا مذاق اُڑانا توہین رسالت کے زمرے میں آتا ہے۔اِس لیے حمزہ علی عباسی تعزیزات پاکستان کی دفعہ 295-C, 296, 297, 298-C,295-A کے قانون کیخلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے۔ عدالت نے آج بروز جمعرات 16 جون 2016 کو فیصلہ کرتے ہوئے ڈی سی او لاہور کو حکم دیا ہے کہ ہے کہ تعزیزات پاکستان کی دفعہ 295-C, 296, 297, 298-C,295-A کے قانون کے تحت کاروائی کی جائے۔ پٹیشن میں پاکستان فلاح پارٹی کے رہنماؤں مرکزی صدر قاضی عتیق الرحمٰن، سنئیر نائب صدر راشد گردیزی، نائب صدر حبیب اللہ صدیقی ، مرکزی سیکرٹری جنرل

امانت زیب ڈپٹی سیکرٹی جنرل، عمران احمد، جوائنٹ سیکرٹری، حافظ کاشف رضا، فنانس سیکرٹی محمد علی شیخ، احمد وقار مدنی، بدر ظہور چشتی، رانا ساجد علی، لیاقت علی سیال، ملک آفتاب اعوان، زبیر بیگ، مقصود گیلانی، حسن علی ٹیپو، فاروق تسنیم افتخار ساغر، حافظ زاہد رازی، ذیشان احمد راجپوت، شہباز مغل، تنویر چوہدری، م حافظ محبوب انجم سیفی، سید راشد گیلانی، عاصم بٹ، شبیر ڈوگر، انوار احمد شاہین، شیخ کلیم طارق، ممتاز سعیدی، احمد رضا نے بھرپور معاونت کی۔ایڈیشنل سیشن جج صاحب کے آرڈر کو ڈی سی او صاحب کے دفتر میں وصول کروادیا گیا ہے۔جب سے وڈیو کلپ دیکھا جس میں ماڈل اداکار حمزہ عباسی نے قانون کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے۔ اُس وقت سے ہی قانونی پہلوؤں کے مطابق کام شروع کرنا شروع کردیا۔اِس سارے معاملے میں سب سے زیادہ معاونت مجھے جناب بدر ظہور شتی پیرزادہ کی رہی۔ تھانہ پرانی انارکلی لاہور کے بعد سیشن کورٹ میں رٹ اور اُس رٹ کے بعد اب ڈی سی او کے دفتر تک کا سفر نبی پاک ﷺ کے عشق میں رواں دواں ہے۔جب بندہ ناچیز نبی پاک ﷺ کی عزت و ناموس کے لیے سیشن کورٹ میں دلائل دے رہا تھا تو مجھے میرے ماموں جان میرے پیر و مرشد حضرت حکیم میاں محمد عنائت خان قادری نوشاہیؒ کی یاد آئی ۔جب مشرف دور میں 295-C کے قانون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی تو راقم نے بطور صدر مصطفائی تحریک لاہور ڈویژن مال روڈ کے ایک ہوٹل میں پریس کانفرنس کی تھی اُس وقت مشرف کی آمریت کا دور تھا۔ پولیس کی بھاری نفری پہنچ گئی تھی تو قبلہ حکیم میاں

محمد عنائت خان قادری نوشاہیؒ سے فون پر بات ہوئی تو محترم ماموں جان کہنے لگے پُتر اگر نبی پاک ﷺ کی ناموس کی خاطر گولی کھانی پڑے تو سینے پہ کھانی ہے پشت پر نہیں۔ اِسی روحانی سرشاری اور عشق رسول ﷺ کی تمازت نے مجھے عجیب کیفیت سے دوچار کر رکھا ہے۔ غازی علم دین شہیدؒ، غازی ممتاز قادری شہیدؒ جیسے عظیم عاشق رسول ﷺ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ جب جب عشق رسول ﷺ کے مشن کے لیے خود کو تگ وتاز میں پایا تو تین ہستیاں میرے ساتھ روحانی طور پر رہی ہیں ایک ماموں جان قبلہ حکیم میاں عنایت قادری نوشاہیؒ صاحب دوسرے اُنکے بیٹے صاحبزادہ حکیم میاں محمد یوسف خان قادری نوشاہی اور تیسری ہستی میرے بچپن کے دوست جناب جاوید مصطفائی آف سرگودہا ہیں۔ ہر ہر تگ وتاز میں اِن کی دُعائیں شامل ہیں۔اِس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کی حالت بہت خراب ہے جس کی وجہ سے نبی پاک ﷺ کی عزت وناموس کے حوالے ہرزہ سرائی کا سلسلہ جاری ہے۔ ایران اور سعودی عرب کے درمیاں اِس وقت سرد جنگ جاری ہے۔ عالم اسلام میں فرقہ واریت کو ہوا دینے کے لیے اِن دونوں ممالک کی فنڈنگ کارفرماہ ہے۔ یمن میں حوثی قبائل اور سعودی افواج کی خونریز لڑائی جاری ہے۔شام میں مسلمان گاجر اور مولیوں کی طرح کاٹا جارہا ہے۔شامی مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ ہوچکا ہے۔ شامی مہاجرین لاکھوں کی تعداد میں پناہ کے لیے دربدر دھکے کھا رہے ہیں۔ عراق، لیبیاء اور لبنان میں بدامنی عروج پر ہے۔ لاکھوں مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔اسرائیل ہنوز فلسطینی مسلمانوں کی جان سے ہولی کھیل رہا

ہے۔افغانستان میں امریکہ بیٹھا ہے اور افغانیوں کی قسمت میں شہادتیں لکھی ہوئی ہیں۔ترکی اور سعودی عرب میں بھی خود کش حملے شروع ہو چکے ہیں۔کشمیر سات دہائیوں سے لہو لہو ہے۔داعش، القاعدہ اور طالبان کا فتنہ امریکہ بھارتی اور اسرائیلی سرپرستی میں اسلام کا نام لے کے کر مسلمانوں کو خون میں نہلا رہا ہے۔مسلمانوں دنیا کی بہادر ترین قوم لیکن مسلم دنیا کہ حکمران اللہ پاک سے توکل کی بجائے امریکہ کو عملی طور پر اپنا خدا بنائے ہوئے ہیں۔ جعلی جہاد امریکہ نے مسلمانوں کو دبانے ختم کرنے کے لیے اپنی سرپرستی میں شروع کر رکھا ہے۔غیرت مند قیادت سے دور مسلم آبادی یتیمی کی زندگی گزار رہی ہے۔درج ذیل میں وہ درخواست ہے جو کہ تھانی پرانی انارکلی لاہور میں حمزہ علی عباس کے حوالے سے دی گئی ۔

بخدمت جناب ایس ایچ او صاحب تھانہ انارکلی لاہور

درخواست.برائے اندراج مقدمہ.برخلاف حمزہ علی عباسی بابت تنقید کیے جانے قانون ختم نبوت نبی پاک ﷺ

:جناب عالی

گزارش ہے کہ بندہ وکالت کے شعبہ سے منسلک ہے اور لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی ہیومن رائٹس کمیٹی کا شریک چیئرمین ہے۔ بندہ نے خود اپنی آنکھوں سے آج ٹی وی چینلز کے ایک پروگرام میں ماڈل اداکار حمزہ علی عباسی کو یہ کہتے ہوئے سنا اور دیکھا ہے کہ پاکستان میں ختم نبوت کا قانون درست

نہ ہے۔ اور ریاست کو نبی پاک ﷺ کی ختم نبوت کے قانون کو بنائے جانے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ حمزہ علی عباسی کے اِن الفاظ سے مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کا گہرا تعلق ہے اور پاکستان میں امتناع ختم نبوت آرڈیننس نافذ ہے۔ حمزہ علی عباس اِس قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ تعزیرات پاکستان کی دفعہ کی خلاف ورزی کے مرتکب 295-A, 295-C, 296 297, 298 298-C ہوئے ہیں۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ ٹیلی وی چینل آج پر حمزہ علی عباسی کی اِس گستاخی کا نوٹس لیا جائے اور حمزہ علی عباسی کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ کی شان اقدس پر مسلمان اپنے جان قربان کرنا فخر سمجھتے ہیں اور اُن کا یہ فرض اولین بھی ہے۔ درخواست گزاران

صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (ا

شریک چیئرمین ہیومن رائٹس کمیٹی لاہور ہائی کورٹ بار

ا۔شاہ چراغ چیمبرز متصل ہائی کورٹ لاہور۔ 03224482940

پیرزادہ بدر ظہور چشتی صدر پاکستان فلاح پارٹی 1 ۔ شاہ چراغ چیمبرز متصل ہائی (2 کورٹ لاہور

محمد اکرم رضوی ناظم انجمن طلبہء اسلام لاہور ڈویژن ایوان خیر داتا گنج بخش (3 روڈلاہور

بتاریخ:2016-6-14

حامد حسین صاحب ایڈویشنل سیشن جج کی عدالت سے ڈی سی او لاہور کو کیے جانے

والے حکم نامے کی کاپی حسب ذیل ہے۔ جس میں تعزیزات پاکستان کی دفعہ C, 295-
کے قانون کے تحت کاروائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ A-295 ,C-298 ,297 ,296

ابھی غازی علم دین شہیدؒ اور غازی ممتاز قادری شہیدؒ کے پیروکار موجود ہیں

سانسیں اور دھڑکنیں جب خالق نے عطاء ہی خیر البشر نبی پاک ﷺ کے صدقے عطا فرمائی ہیں۔ جب کائنات کی ہر ہر شے ہر ہر ذرے پہ رحمتوں کا نزول نبی پاک ﷺ کے طفیل ہے۔ جب آقا کریم ﷺ کو اللہ پاک نے انسان کی تخلیق سے قبل ہی نبوت پر سرفراز فرمادیا۔ جب خالق نے ساری کائنات تخلیق کرنے کی وجہ صرف اور صرف نبی پاک ﷺ کو قرار دے دیا۔ جب خالق نے اپنے وجود کا اظہار کیے جانے کو بھی نبی پاک ﷺ کے وجود کی وجہ قرار دے دیا۔ جب تمام کائنات میں افضل ترین ہستی فرشتوں سے بھی بڑھ کر وجہ تخلیقِ کائنات نبی پاک ﷺ کو قرار دے دیا گیا ہے۔ جب کائنات کی ہر شے نبی پاک ﷺ کے مبارک قدموں تلے آئی اور آپ سدرۃ المنتہا سے آگے تشریف لے گئے۔ جہاں اللہ پاک کا عظم ترین فرشتہ جبریل امینؑ بھی نہ جاسکتا تھا تو پھر اِدھر اُدھر کی تاویلیں دینا اور اِس طرح کی باتیں کرنا کہ نبی پاک ﷺ کا علم اتنا تھا نبی پاک ﷺ کو اِس بات کا پتہ تھا اِس طرح کی باتیں کرنا ایسے ہی جیسے کسی پی ایچ ڈی اردو کے متعلق کہا جائے کہ وہ اردو گرائمر کا اُستاد ہے لیکن شائد اُسے اب پ ت کا علم نہیں ہے۔ اتنی کینہ پروری اتنا تعصب کہ کلمہ پڑھ کر بھی اِس طرح کا زاویہ نگاہ رکھنا کہ نبی پاک ﷺ کا اختیار ہے یا نہیں۔ خود تو پندرہویں صدی کا ایک عام انسان وڈیو کالنگ کے ذریعے دنیا کے ایک کونے میں بیٹھ کر دوسرے

کونے کا براہ راست مشاہدہ کرتا ہے۔ لائیو پروگرام ٹی وہ پر دیکھتا ہے لیکن نبی پاک ﷺ کے حوالے سے یہ کہنا کہ اُن کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔ایسے انسان کو نہیں حق پہنچتا کہ وہ خود کو نبی پاک ﷺ کا اُمتی کہے اور خود کو مسلمان کہلوائے۔ حمزہ علی عباسی ٹی وی ایکٹر و ماڈل نے حضور نبی پاک ﷺ کی ختم نبوت کے قوانین کے حوالے سے جو ہرزہ سرائی کی تھی اور جس طرح سے ختم نبوت کے قانون کا مذاق اُڑایا تھا۔ اُسکے خلاف صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے ایک پٹیشن لاہور سیشن کورٹ میں دائر کی ۔ پٹیشن کی سماعت ایڈیشنل سیشن جج جناب حامد حسین صاحب نے کی۔ صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے کیس کی سماعت کے دوران اپنے دلائل میں کہا کہ نبی پاک ﷺ کی نبوت کے حوالے سے ابہام پیدا کرنے والے کسی صورت مسلمان نہیں ہیں۔ اور نبی پاک ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے حوالے سے پاکستان میں مروجہ قوانین انتہائی عرق ریزی اور تمام مکاتب فکر کی مشاورت سے بنائے گئے ہیں۔اِس لیے اِن قوانین کا مذاق اُڑانا توہین رسالت کے زمرئے میں آتا ہے۔اِس لیے حمزہ علی عباسی کے قانون C, 296, 297, 298-C,295-A-تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 کیخلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے۔ عدالت نے آج بروز جمعرات 16 جون 2016 کو فیصلہ کرتے ہوئے ڈی سی او لاہور کو حکم دیا ہے کہ ہے کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-C, 296, 297, 298-C,295-A کے قانون کے تحت کاروائی کی جائے۔ پٹیشن میں پاکستان فلاح پارٹی کے رہنماؤں مرکزی صدر قاضی عتیق الرحمن، سنیئر ،نائب صدر راشد گردیزی

نائب صدر حبیب اللہ صدیقی ، مرکزی سیکرٹری جنرل امانت زیب ڈپٹی سیکرٹی جنرل، عمران احمد، جوائنٹ سیکرٹری، حافظ کاشف رضا ، فنانس سیکرٹی محمد علی شیخ ،احمد وقار مدنی،بدر ظہور چشتی ،رانا ساجد علی، لیاقت علی سیال ، ملک آفتاب اعوان، زبیر بیگ، مقصود گیلانی، حسن علی ٹیپو ، فاروق تسنیم افتخار ساغر، حافظ زاہد رازی، ذیشان احمد راجپوت، شہباز مغل، تنویر چوہدری، م حافظ محبوب انجم سیفی، سید راشد گیلانی، عاصم بٹ، شبیر ڈوگر،انوار احمد شاہین، شیخ کلیم طارق، ممتاز سعیدی، احمد رضا نے بھرپور معانت کی۔ایڈیشنل سیشن جج صاحب کے آرڈر کو ڈی سی او صاحب کے دفتر میں وصول کروادیاگیا ہے۔جب سے وڈیو کلپ دیکھا جس میں ماڈل ادکار حمزہ عباسی نے قانون کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے ۔ اُس وقت سے ہی قانونی پہلوؤں کے مطابق کام شروع کرنا شروع کردیا۔اِس سارے معاملے میں سب سے زیادہ معاونت مجھے جناب بدر ظہور شتی پیرزادہ کی رہی۔ تھانہ پرانی انار کلی لاہورکے بعد سیشن کورٹ میں رٹ اور اُس رٹ کے بعد اب ڈی سی اوکے دفتر تک کا سفر نبی پاک ﷺ کے عشق میں رواں دواں ہے۔جب بندہ ناچیز نبی پاک ﷺ کی عزت وناموس کے لیے سیشن کورٹ میں دلائل دے رہا تھا تو مجھے میرے ماموں جان میرے پیرومرشد حضرت حکیم میاں محمد عنائت خان قادری نوشاہیؒ کی یاد آئی ۔جب مشرف دور میں 295-C کے قانون کے ساتھ چھیڑچھاڑ کرنے کی کوشش کی توراقم نے بطور صدر مصطفائی تحریک لاہور ڈویژن مال روڈکے ایک ہوٹل میں پریس کانفرنس کی تھی اُس وقت مشرف کی آمریت کا دور تھا۔ پولیس کی

بھاری نفری پہنچ گئی تھی تو قبلہ حکیم میاں محمد عنائت خان قادری نوشاہیؒ سے فون پر بات ہوئی تو محترم ماموں جان کہنے لگے پتر اگر نبی پاکﷺ کی ناموس کی خاطر گولی کھانی پڑے تو سینے پہ کھانی ہے پشت پر نہیں۔اِسی روحانی سرشاری اور عشق رسولﷺ کی تمازت نے مجھے عجیب کیفیت سے دوچار کر رکھا ہے۔ غازی علم دین شہیدؒ، غازی ممتاز قادری شہیدؒ جیسے عظیم عاشق رسولﷺ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔جب جب عشق رسولﷺ کے مشن کے لیے خود کو تگ وتاز میں پایا تو تین ہستیاں میرے ساتھ روحانی طور پر رہی ہیں ایک ماموں جان قبلہ حکیم میاں عنایت قادری نوشاہیؒ صاحب دوسرے اُنکے بیٹے صاحبزادہ حکیم میاں محمد یوسف خان قادری نوشاہی اور تیسری ہستی میرے بچپن کے دوست جناب جاوید مصطفائی آف سرگودہا ہیں۔ہر ہر تگ وتاز میں اِن کی دُعائیں شامل ہیں۔اِس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کی حالت بہت خراب ہے جس کی وجہ سے نبی پاکﷺ کی عزت وناموس کے حوالے ہرزہ سرائی کا سلسلہ جاری ہے۔ ایران اور سعودی عرب کے درمیاں اِس وقت سرد جنگ جاری ہے۔ عالم اسلام میں فرقہ واریت کو ہوا دینے کے لیے اِن دونوں ممالک کی فنڈنگ کار فرماء ہے۔ یمن میں حوثی قبائل اور سعودی افواج کی خونریز لڑائی جاری ہے۔شام میں مسلمان گاجر اور مولیوں کی طرح کاٹا جارہا ہے۔شامی مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ ہوچکا ہے۔ شامی مہاجرین لاکھوں کی تعداد میں پناہ کے لیے دربدر دھکے کھا رہے ہیں۔ عراق، لیبیاء اور لبنان میں بدامنی عروج پر ہے۔ لاکھوں مسلمان شہید ہو

چکے ہیں۔اسرائیل ہنوز فلسطینی مسلمانوں کی جان سے ہولی کھیل رہا ہے۔افغانستان میں امریکہ بیٹھا ہے اور افغانیوں کی قسمت میں شہادتیں لکھی ہوئی ہیں۔ترکی اور سعودی عرب میں بھی خود کش حملے شروع ہو چکے ہیں۔کشمیر سات دہائیوں سے لہو لہو ہے۔داعش، القاعدہ اور طالبان کا فتنہ امریکہ بھارتی اور اسرائیلی سرپرستی میں اسلام کا نام لے کر مسلمانوں کو خون میں نہلا رہا ہے۔مسلمان دنیا کی بہادر ترین قوم لیکن مسلم دنیا کہ حکمران اللہ پاک سے توکل کی بجائے امریکہ کو عملی طور پر اپنا خدا بنائے ہوئے ہیں۔جعلی جہاد امریکہ نے مسلمانوں کو دبانے ختم کرنے کے لیے اپنی سرپرستی میں شروع کر رکھا ہے۔غیرت مند قیادت سے دور مسلم آبادی یتیمی کی زندگی گزار رہی ہے۔

الوداع الوداع ایدھی صاحبؒ تاریکیوں میں روشنی بکھیرنے والی عظیم شخصیت

آخر عبدالستار ایدھی صاحبؒ روشن راہوں کے مسافر ہو گئے۔ اللہ پاک نے صرف ایک ہی عبد الستار ایدھیؒ پاکستان کے لوگوں کو عطا کیا تھا۔ اگر یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا پاکستان میں فلاحی کام کرنے والے جتنے بھی ادارے ہیں سب کے لیے انتہائی مددگار اور جذبوں کو حلاوت بخشنے والی ہستی جناب ایدھی صاحبؒ نے فلاحی کاموں کی بنیاد رکھی۔ بیس سولاکھ کی آبادی والے ملک میں ایک عبدالستار ایدھی نے وہ کچھ کر دیکھایا جو اربوں کھربوں کے مالک بھی نہیں کر سکے۔ حکومتیں تو ایسا کام کر ہی نہیں سکتیں جو ایدھی صاحبؒ نے کیا۔ صرف روپے پیسے سے فلاح کا کام نہیں ہوتا بلکہ اِس کے لیے ایک خاص جذبہ چاہیے ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے جناب ایدھی کو پاکستان کی پہچان بنا دیا اور پوری دنیا کے سامنے خدمت کا نشان بنا دیا۔ پاکستان میں اِس وقت بڑی بڑی فلاحی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ جن میں المصطفیٰ ویلفیر سوسائٹی، سحر فاونڈیشن، مصطفائی فاونڈیشن، مصفائی تحریک، خدمت فاونڈیشن، انصار برنی صاحب، ماہر کاسمیٹک سرجری ڈاکٹر غلام قادر فیاض صاحب یہ سب لوگ اور ادارے بھی فلاحی کاموں کے حوالے سے ایدھی صاحبؒ سے انسپائر ہیں۔ موت کا مزہ تو ہر کسی

کو چکھنا ہے جس طرح زندگی عارضی کیفیت ہے موت بھی ایک عارضی پڑاو ہے۔ موت کے بعد پھر زندگی اور وہ زندگی جو ہمیش رہے گی۔یوں ایدھی صاحبؒ زندگی کے قید خانے سے نجات پاہ گئے لیکن انھوں نے زندگی کے اِس قید خانے کو اپنے ساتھ بسنے والے اپنے ہم وطنوں کے لیے آسانیاں بنانے کے لیے وقف کیے رکھا۔اللہ پاک جناب ایدھی صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔چھ دہائیوں تک دکھی انسانیت کے مسیحا بنے رہنے والے فقیر منش، درویش صفت، انسان دوست عظیم عبدالستار ایدھی انتقال کر گئے۔ انتقال کی خبر سنتے ہی پوری قوم سوگوار ہو گئی اور لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے رہے، ان کے گردے فیل ہو گئے تھے۔انہیں شوگر کا مرض بھی تھا۔ گزشتہ روز صبح ان کا ڈائیلسز کیا جا رہا تھا جس دوران ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ عبدالستار ایدھی کافی عرصہ سے کھانا نہیں کھا رہے تھے۔ عبدالستار ایدھی 10 سال سے ایس آئی یو ٹی سے علاج کرا رہے تھے ڈاکٹرز کے مشورہ پر عبدالستار ایدھی کو وینٹی لیٹر سے ہٹایا گیا۔

عبدالستار ایدھی کو 6 گھنٹے تک وینٹی لیٹر پر رکھا گیا۔ عبدالستار ایدھی 6 دہائیوں سے آخری ایام تک انسانیت کی خدمت میں مصروف رہے۔دکھی انسانیت کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے والے مسیحا عبدالستار ایدھی دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے نہ صرف پورے ملک بلکہ دنیا بھر میں درد دل رکھنے والوں کو سوگوار

کر گئے۔ پورا ملک ان کے غم کے سوگ میں ڈوب گیا۔ دنیا بھر میں اظہار تعزیت کیا گیا۔ انسانیت کے لئے ان کی خدمات سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم پیدا ہوتے ہیں وہ پاکستان کی آن اور شان تھے۔ عبدالستار ایدھی نے بلا رنگ و نسل اور مذہب تمام دکھی انسانیت کی خدمت کو شعار بنایا اسی لئے تمام کمیونٹیز سے تعلق رکھنے والے افراد ان کے انتقال پر سوگوار ہیں۔ ایدھی انسانی خدمت کے مینار سے پھوٹنے والی ایک روشنی کی کرن ہے جو کبھی ماند نہیں ہوسکے گی۔ انسانیت کیلئے ان کا کردار ایک رول ماڈل ہے۔ عبدالستار ایدھی یکم جنوری 1928 کو بھارتی ریاست گجرات کے شہر بانتوا کے ایک میمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سماجی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا تھا، وہ ایدھی فاونڈیشن کے بانی اور سربراہ تھے۔ انہیں شروع سے ہی لوگوں کی مدد کرنے کا شوق تھا۔ انہوں نے 1951 ءمیں ایک ڈاکٹر کی مدد سے چھوٹی سی ڈسپنسری کھولی، آج ایدھی فاونڈیشن کے تحت 600 سے زائد ایدھی ایمبولینسز کام کر رہی ہیں، ایدھی فاونڈیشن نے کلینک، زچگی گھر، پاگل خانے، یتیم خانے، معذوروں کیلئے گھر، بلڈ بنک، لاوارث بچوں کو گود لینے کے مراکز، پناہ گاہیں، سکول قائم کئے۔ اس کے علاوہ غریبوں کو کھانا فراہم کرنے کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا تھا جس کے تحت ایدھی مراکز پر ہزاروں کی

تعداد میں غریبوں اور مزدوروں کو دو وقت کی روٹی دی جاتی تھی۔ عبدالستار ایدھی کے والد کا نام عبدالشکور ایدھی، والدہ کا نام غربی ایدھی تھا۔ انہیں 1988ءمیں لینن پیس پرائز، 1989ءمیں حکومت پاکستان کی طرف سے ان کی خدمات پر نشان امتیاز ایوارڈ سے نوازا گیا۔ 2011ءمیں عبدالستار ایدھی کو احمدیہ مسلم پیس پرائز بھی دیا گیا۔ انہیں وزیراعظم پاکستان کی طرف سے نوبل انعام کیلئے بھی نامزد کیا گیا تھا۔ وہ 6 دہائیوں سے ایدھی فاونڈیشن چلا رہے تھے۔ انہوں نے اس کام کیلئے کبھی فاونڈیشن سے تنخواہ نہیں لی۔ عبدالستار ایدھی کو 2010 میں یونیورسٹی آف بیڈفائرشائر کی طرف سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری بھی دی گئی۔ان کی فاوڈیشن کا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں شامل ہے، 1957 میں کراچی میں جان لیوافلو سے ہزاروں لوگ متاثر ہوئے تو انہوں نے خدمات کادائرہ میٹھادر سے پورے کراچی میں پھیلا دیا اوران کی انتھک محنت دیکھ کرایک کاروباری شخص نے انہیں بیس ہزار روپے عطیہ دیاتو ایدھی نے پرانی گاڑی خرید کرلاوارث لاشوں کاکفن دفن بھی شروع کر دیا۔ ایدھی فانڈیشن کی خدمات کو عالمی سطح پر بھی سراہا جاتا ہے۔ عبدالستار ایدھی نے سیاست میں بھی قسمت آزمائی کی جہاں انہیں کبھی کامیابی ملی تو کبھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایوب دور میں بنیادی جمہوریت کے انتخابات میں بلامقابلہ کامیاب

ہوئے۔1964 میں انہوں نے ایوب خان کے خلاف محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دیا۔
کے انتخابات میں آزادامیدوار کی حیثیت سے قومی اور صوبائی اسمبلی کی دونوں 1970
نشستوں پر ہار گئے۔1982 میں جنرل ضیاالحق نے انہیں مجلس شوری کا ممبر بنایا مگر سادہ
طبیعت کی وجہ سے انہیں یہ سب پسند نہ آیا اور وہ مجلس شوری کے بہت کم اجلاسوں میں
شریک ہوئے اور پھر سیاست کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔ وہ 2013 کسے گردوں کے
عارضے میں مبتلا تھے ۔ان کو انسانی خدمات کے اعتراف میں کئی بڑے اعزازات سے
نوازا گیا۔ عبدالستار گیارہ برس کے تھے تو ان کی والدہ فالج کا شکار ہو گئیں اور اس کے
بعد وہ 9 سال زندہ رہنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملیں، عبدالستار ایدھی نے والدہ
کی بیاری میں ان کی بہترین خدمت کی اور خوب خیال رکھا، والدہ کی بیماری کے دوران
ہی انہوں نے بزرگ افراد کی دیکھ بھال کے لیئے ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا، وہ
اپنے خاندان کے ہمراہ 1947 میں پاکستان کے شہر کراچی منتقل ہوئے جہاں انہوں نے
ایک ہول سیل کی دکان پر کام شروع کیا جبکہ ان کی والدہ خرچ کیلیئے ایک پیسہ دیا کرتی
تھیں، کچھ عرصہ بعد انہوں نے کمیونٹی کی مدد سے ایدھی ٹرسٹ کے نام سے ایک ر
فاہی ادارہ قائم کیا۔انہوں نے 1965 میں محترمہ بلقیس کے ساتھ شادی کی جو کہ
ایدھی ڈپنسری میں ایک نرس کے طور پر

ملازمت کرتی تھیں۔ایدھی ٹرسٹ نے اپنے قیام سے اب تک 20 ہزار نو مولود بچوں کی کفالت کی ذمہ داری لیتے ہوئے 50 ہزار یتیم بچوں کیلئے رہائش کا بندوبست کیا جبکہ 40 ہزار نرسز کو تربیت فراہم کی، ایدھی ٹرسٹ پاکستان کا سب سے بڑا فلاحی ادارہ ہے جس نے مشکل کی ہر گھڑی میں ہم وطنوں کو سہولیات فراہم کیں۔انہیں 1980ءمیں لبنان جاتے ہوئے اسرائیلی افواج نے گرفتار کیا جبکہ 2006 میں بھی وہ 16 گھنٹے کیلئے ٹورنٹو ایئرپورٹ پر زیر حراست رہے۔2008ءمیں امریکی امیگریشن حکام نے جان ایف کینیڈی ایئرپورٹ پر ان کا پاسپورٹ اور دیگر کاغذات پر ضبط کرتے ہوئے متعدد گھنٹوں تک تفتیش کی۔ایدھی ٹرسٹ نے افریقہ، مشرق وسطی، کاکسس، مشرقی یورپ اور امریکہ میں بھی مشکل کی گھڑی میں موجود لوگوں کو خدمات فراہم کیں۔انہیں حکومت پاکستان کی جانب سے انسانیت کی خدمات کے صلے میں نشان امتیاز سمیت متعدد ایوارڈز سے نوازا گیا جبکہ پاک فوج کی جانب سے شیلڈ آف آنر عطاء کی گئی جبکہ عالمی سطح پر بھی لینن پیس پرائز کے علاوہ متعدد نامور ایوارڈز حاصل کئے۔سرمایہ دارنہ نظام میں رہ کر اپنی ہمت کے بل بوتے ہر دکھی انسانیت کی خدمت کا اتنا بڑا نیٹ ورک بنانا عق و شعور دنگ رہ جاتے ہیں۔لیکن اللہ پاک کہ سپاہی جناب ایدھیؒ کو ایک خاص مقام خالق نے عطا کیا تھا کہ وہ

انسنیت کی خدمت کریں اور اُن کے کام کو دیکھتے ہوئے بہت سے لوگوں کو رغبت ملی۔ یوں چراغ سے چراغ جلنے کا عمل جارہ رہا۔ اور ایدھی صاحبؒ کی کاوشوں سے فلاحی کام ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ ہوس زدہ معاشرے میں ہر طبقہ فکر کے لوگ جناب ایدھیؒ کے کام کو سراہتے ہیں ۔ الوداع جناب عبدلاستار ایدھی الوداع

بھارتی عدالت کا شرمناک انصاف۔ خونِ مسلمان کی ارزانی

رمضان المبارک کی اِن ہی عظیم ساعتوں میں مدینہ ثانی ریاست کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ اِس ریاست کو وجود میں لانے کی قیادت ایک ایسی ہستی کو عطا ہوئی جنھیں محمد علی جناحؒ کا نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ محمد علی جناحؒ جب دل برداشتہ ہو کر واپس لندن چلے گئے تھے تو واپسی کے لیے حضرت اقبال ﷺ نے اُن پر کافی زور ڈالا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے مطابق کے جناب محمد علی جناحؒ نے فرمایا تھا کہ وہ نبی پاک ﷺ کے حکم پر واپس ہندوستان آئے۔ محمد علی جناحؒ سو رہے تھے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کو بیدار کیا گیا اور نبی پاک ﷺ اُن کے فلیٹ پر تشریف فرماء ہوئے اور کہا کہ محمد علیؒ اپنا رختِ سفر ہندوستان کے لیے باندھو ہم نے تم سے بہت بڑا کام لینا ہے۔اِس پاک سرزمین کے ساتھ جو سلوک، وڈیروں، جاگیر داروں، سرمایہ داروں نے کیا وہ ایک ایسی کہانی ہے کہ پاکستانی معاشرئے عذاب میں مبتلا ہو چکا ہے۔ ایسی آزادی کس کام کی کہ نہ انصاف نہ تعلیم نہ روزگار۔ چند ہزار اشرافیہ پر مشتمل گروہ نے عوام کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ اگر تو یہ تن کی آزادی تھی تو ہمیں حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن اُس کے باوجود مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں حضرت بلالؓ کے صبر سے فیض لینا ہوگا۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی کا پیروکار بننا ہوگا۔ پاکستان کے مقابلے میں بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ جو

سلوک ہو رہا ہے اُس کی حالت زار اتنی دردناک ہے کہ مسلمانوں کو وہاں تیسرے چوتھے درجے کا شہری بنادیا گیا ہے۔ بھارت میں بھی کرپشن اتنی زیادہ ہے کہ پاکستان سے بھی زیادہ۔ لیکن بھارت میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلے جانے کا عمل بہت افسوسناک ہے۔ بھارتی ریاست گجرات کے دارالحکومت احمد آباد میں قائم خصوصی عدالت نے انصاف کے تمام تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے 2002ء کے بدترین فسادات کے دوران احمد آباد کے پوش ایریا گلبرگ سوسائٹی کمپلیکس میں 69 مسلمانوں کو زندہ جلانے والے 11 انتہا پسند ہندووں کو عمر قید 12 کو محض 7 سال قید بامشقت اور ایک قاتل کو 10 برس قید کی سزا سنائی۔ یہ خصوصی عدالت جو بھارتی سپریم کورٹ کے احکامات پر قائم کی گئی کے جج پی پی ڈیسائی نے مودی سرکار اور انتہا پسندی ہندو تنظیموں کے دباو پر 2 جون کو 36 قاتلوں کو "بے گناہ" قرار دیتے ہوئے رہا کرنے کا حکم دیا جبکہ محض 24 کو مجرم قرار دیا۔ جج پی بی ڈیسائی نے سرکاری وکیل کے مطالبے اور مسلمانوں کو زندہ جلائے جانے کے ثبوت ہونے کے باوجود 24 مجرموں کو قرار واقعی یا سزائے موت دینے سے انکار کر دیا اور اپنے متنازعہ اور نرالے فیصلے میں لکھا ہے کہ اس کیس کے 90 فیصد ملزم ضمانتوں پر رہا ہوئے اور اس طویل عرصے میں انکا کوئی اور مجرمانہ ریکارڈ یا سرگرمی دیکھنے میں نہیں آئی اسلئے انہیں عادی مجرموں کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ عدالت کے فیصلے کے تحت جن مجرموں کو ساری زندگی جیل میں گزارنی پڑے گی ان میں کیلاش دھوبی' یوگیندر شیخاوت' دنیش مشر' دلیپ

پرامار، سندیب پنجابی، وشوا ہندو پرشید کا غنڈہ رہنما اتول وید اور کانگریس کا سابق کونسلر میگھ جی شامل ہے تاہم ان مجرموں کی عمرقید مودی سرکار چاہے تو ختم یا کم کر سکتی ہے۔
واضح رہے گجرات میں 28فروری کو گودھرا میں شرپسندوں کی طرف سے ہندو زائرین کی ٹرین نذر آتش کرنے کا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے پوری ریاست گجرات کو سرکاری سرپرستی میں آگ اور خون سے نہلا دیا گیا اس وقت نریندر مودی وزیر اعلیٰ تھے انکی آشیر باد سے 400 سے زائد ہندو غنڈوں نے احمد آباد کی گلبرگ سوسائٹی پر حملہ کرکے 69 مسلمانوں کو تلواروں سے کاٹنے کے بعد پٹرول چھڑک کر زندہ جلا دیا ان میں زیادہ تر عورتوں اور بچوں کے علاوہ کانگریس کے رکن پارلیمنٹ احسان جعفری بھی شامل تھے جنہوں نے ہندو حملہ آوروں جنہوں نے ان مصیبت زدہ مسلمانوں کو پناہ دینے اور ہندو غنڈوں سے مزاحمت کا ''جرم'' کیا تھا 14 سال سے اپنے شوہر کا مقدمہ لڑنے والی باہمت بزرگ خاتون ذکیہ جعفری نے خصوصی عدالت کے فیصلے پر مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے اسے کمزور فیصلہ قرار دیا اور کہا کہ انہیں اس فیصلے سے بہت مایوسی ہوئی میں مجرموں کو سزا دلانے کے لئے دوبارہ سے اپنی جنگ شروع کرونگی اور گجرات ہائیکورٹ میں اپیل کرونگی۔ انہوں نے کہا عدالت کو تمام 60 مجرموں کو سزا دینی چاہئے تھی۔ دوسری طرف سوشل میڈیا پر لوگ عدالت کے متعصبانہ فیصلے کو گلبرگ ورڈکٹ'' ہیش ٹیگ کے تحت سخت تنقید کا نشانہ بناتے رہے۔ آل انڈیا مجلس'' اتحاد المسلمین کے صدر اسد الدین اویسی نے ٹویٹر پر لکھا: اگر سول

سائٹی کی تاریخ میں گلبرگ قتل عام سب سے سیاہ باب تھا' تو اس میں مجرم کو سزائے موت دی جانی چاہئے' عمر قید یا 10 سال کی سزا کافی نہیں ہے'۔ انہوں نے لکھا: بڑے مجرموں کو چھوڑنا چاہئے۔ اس پر اپیل کی جانی چاہئے اور سازش کے الزامات بھی عائد کئے جانے چاہئیں۔ ایک بھارتی شہری اشیش ترویدی نے طنزیہ طور لکھا ہے: کمال ہے'۔ میں نے ریپ کیا' آگ لگائی' قتل کر سکتا ہوں اور پھر بھی مجھے صرف 7 سال کی سزا ملے گی.... وہ بھی 14 برسوں کے بعد.... گجرات میں ہندو ہوتے ہوئے مجھے فخر محسوس ہو رہا ہے۔ ایک اور بھارتی شہری راکیش ٹھکری نے لکھا: 'کیا اس ملک میں موت کی سزا صرف مسلمانوں کیلئے ہے۔ کرم ویو سنگھ برار نے لکھا ہے: 'کسی کو بھی موت کی سزا نہیں۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے۔ وہ انتہا پسند ہیں اور انہیں ویسی ہی سزا ملنی چاہئے۔ دریں اثنا مودی سرکار نے گجرات فسادات میں ہندو تنظیموں کی بربریت کو متواتر سامنے لانے اور متاثرین کے مقدمات لڑنے والی معروف سماجی کارکن تیستا سیتلواڈ کی مصیبتیں اب اور بڑھ گئی ہیں۔ غیر سرکاری تنظیم 'سبرنگ ٹرسٹ' کا ایف سی آر اے لائسنس منسوخ کر دیا ہے۔ ایف سی آر اے وہ قانون ہے جس کے تحت بھارت میں کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیمیں یا تعلیمی ادارے بیرون ملک سے مالی امداد حاصل کر پاتے ہیں۔ گذشتہ برس اسی قانون کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں وزارت داخلہ نے 'سبرنگ ٹرسٹ' کی رجسٹریشن چھ ماہ کے لیے معطل کر دی تھی۔

حکومت کا الزام ہے کہ تیستا سیتلواڈ اور ان کے شوہر جاوید آنند نے تنظیم کو بیرونی ممالک سے

ملنے والی امداد کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کیا۔ حالانکہ تیستا سیتلواڈ اور ان کے شوہر ان الزامات کو کئی بار غلط قرار دے کر مسترد کر چکے ہیں۔ انہوں کہا کہ بی جے پی کی حکومت انتقامی کارروائی کے تحت ان کے خلاف ایسے اقدامات کر رہی ہے۔ مرکز میں برسراقتدار مودی حکومت نے تیستا کے خلاف مرکزی تفتیشی بیورو سی بی آئی سے تفتیش شروع کروائی تھی۔ اس سلسلے میں ان کے گھر اور دفتر پر کئی بار چھاپہ مارے جا چکے ہیں، ان کے بینک اکاونٹس منجمد کر دیے گئے، سوشل میڈیا پر مسلسل ان پر تنقید کی جاتی رہی ہے اور دھمکیاں بھی دی جاتی رہی ہیں۔ لیکن تفتیش کار ان پر 2003 کسے چلنے والے 7 مقدمات میں سے کسی میں بھی الزام ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ عدالتیں ان کے حق میں نظر آتی ہیں۔ ان کو 5 مرتبہ ضمانت پر رہائی مل چکی ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت ان کو اس وجہ سے جیل بھیجنا چاہتی ہے کیونکہ یہ دلیر خاتون بھارت اور دنیا کو یہ بات بھلانے نہیں دیتی کہ 2002ء میں گجرات میں کیا ہوا تھا۔ بھارتی ریاست گجرات کے 2002 کے فسادات میں 1000 سے زیادہ افراد ہلاک ہو گئے تھے اور ان میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ پاکستان نظریہ پاکستان اور نظریہ اسلام خوب یاد دلادیا ہے مودی سرکار نے ۔اللہ پاک بھارتی مظلوموں پر رحم فرمائے۔

شیر قوم کی بھیڑ قیادت بھیڑ

پاکستانی قوم کے جذبوں کی تمازت پوری دنیا ہر مشکل گھڑی میں دیکھ چکی ہے۔ جنگیں ہوں، سیلاب ہوں زلزلے ہوں ہر مشکل میں پاکستانی قوم سیہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اپنا تن من وار کر تکالیف اور مشکلات کا مقابلہ کرتی ہے۔ایوب خان کی آمریت، قادیانیوں کے خلاف تحریکِ ختم نبوت، بھٹو کا مارشل لاء، افغانستان میں روس کا مقابلہ، مشرف کی آمریت، جنگِ ستمبر1965 ،پاکستانی قوم نے تو کبھی بھی حوصلہ نہیں ہارا۔امریکی دباؤ دہشت گردی کے خلاف جنگ ہو پاکستانی قوم نے ہمیشہ خود کو اگلے محاذوں پر رکھا ہے۔ حالیہ عرصے میں حکومت کے حصے میں ایک بدبختی آئی کہ اُس نے عاشق رسول ﷺ غازی ممتاز قادری شہیدؒ کو پھانسی پر چڑھا دیا اور غازی علم دین شہیدؒ کے راستے کا مسافر بننے والے ممتاز قادریؒ امر ہوگے۔پوری قوم نے ثابت کردیا کہ قوم کو نبی پاک ﷺ کے عاشق سے کتنی محبت ہے۔ امر ہونے کے لیے مرنا پڑتا ہے اور یوں راولپنڈی میں عاشق رسول ﷺ کے جنازے نے بات ثابت کردی جو بات امام احمد بن حنبلؒ کی تھی کہ ہمارے جنازے طے کریں گے کہ حق پر کون ہے۔ حکمرانوں کے ظلم کے باوجود ممتاز قادری شہیدؒ کی پھانسی پر بلا تفریق کسی مسلک کے ہر پاکستانی اشک بار تھا۔ لیکن شیر بن کر پوری قوم نے اِس دکھ کو برداشت کیا۔ حکمران بڑے مزے سے حکومت کر رہے تھے کہ ایک انہونی ہو گئی پاناما لیکس

نے حکمرانوں کی نیندیں حرام کر دیں۔ عشق رسول ﷺ کے مشن سے غداری کرنے والے حکمران در بدر ہو گئے اُن کے حوصلے ٹوٹ گئے اور گیدڑ کی طرح بیرون ملک بھاگتے نظر آئے حتیٰ کہ غازی ممتاز قادری شہیدؒ کے قاتل حکمران اپنا توازن کھو بیٹھے اور اِس وقت ملک میں حکمرانی معلق ہے۔ کوئی سر براہ حکومت نہیں۔ لیکن ظلم زیادتی کرنے والے حکمران، ریمنڈ ڈیوس کو انصاف دینے والی اشرافیہ ملک کو نوچنے والی حکمران اشرافیہ اب اِس خوف میں مبتلا ہو چکی ہے کہ پاکستان کے حقیقی وارث شیر ہیں۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہدا کا لہو حکمرانوں کو کیسے چین لینے دیگا۔ اُن کے روحیں حکمران اشرافیہ کا انجام دیکھنے کے لیے بے چین ہیں۔ اللہ پاک کا شکر ہے اِس ملک میں ایک ادارہ ایسا ہے جو قائم دائم ہے وہ ہے پاک فوج۔ اللہ پاک بھیڑ قیادت سے ملک کو نجات دے۔

یار رسول ﷺ ہاشمی کرم کی ہو نگاہ۔ ملک میں اِس وقت امن و امان کی صورتحال ہے اُس حوالے سے صرف اتنا ہی عرض ہے کہ حکمران اشرافیہ نے جو شکاری کتے پال رکھیں ہیں اُن کے حوالے غریب عوام کو کر رکھا ہے۔ دکھی اور مایوس نگاہیں انصاف کے لیے ترستی ہیں بے روزگاری کا یہ عالم کہ زندگی مشکل تین اور موت آسان ہو چکی ہے۔ افراط زر کی شرح نے عام آدمی سے روٹی چھین لی ہے۔ اسحاق ڈار صاحب نے قوم کی غربت کا خوب علاج فرمایا ہے کہ قوم غربت کو ختم کرنے کے لیے خودکشیاں کر رہی ہے۔ کیا واقعہ وطن عزیز میں قیادت کا فقدان ہے۔ کیا قیادت اُس کو نہیں کہتے جس کے پیروکار اُس کو اپنا لیڈر مانیں۔ جہاں ستر سال سے انجیرڈ الیکشن

ہو رہے ہوں جہاں الیکشن سے پہلے ہی ستر فی صد رزلٹ تیار ہو چکے ہوں یہ میں نہیں کہہ رہا ہمارے موجودہ چیف جسٹس آف پاکستان دہائی دے رہے ہیں۔ہماری قیادت ہماری قیادت نہیں ہے یہ چند فی صد اشرافیہ نے اپنے لیے کھوتے گھوڑے پال رکھے ہیں یہ اندھے حکمران ہیں جو ریوڑیاں اپنے ہی گھر والوں میں بانٹ رہے ہیں۔یقین جانیے پاکستان بنانے کے مقاصد پورے نہ ہونے کی ذمہ دار یہ حکمران اشرافیہ ہے۔ جایئے ڈیفنس، بحریہ ٹاون کی آبادی میں ایسا لگے گا کہ عوام تو شودر ہیں۔ ملک میں زنا شراب جوا عام ہے۔ بے روزگاری کی لعنت نے سٹریٹ کرائمز میں بے تحاشا اضافہ کر دیا ہے۔ہمارے معاشرے میں مذہبی جماعتوں نے بھی وہی کام پکڑ لیا ہے جو حکمران اشرافیہ کر رہی ہے۔ مذہبی پیشواؤں کے بھی حکمرانوں کی طرح محل ہیں ٹھاٹ بھاٹ ہے۔ لمبی لمبی گاڑیاں ہیں۔مذہبی پیشوا بھی حکمرانوں کے لیے کرائے کے بندے بنے ہوئے ہیں جنھوں نے جمہور عوام کو کنٹرول کر رکھا ہے اور اِس قابو کرنے کے لیے نذرانے اُن کو پہنچتے ہیں۔کیا پاکستانی قوم آزاد قوم ہے۔ کیا پاکستان قوم پر مسلط حکمران اُن کے حقوق کے نگہبان ہیں۔کیا عوام کو تعلیم کی سہولت حاصل ہے۔کیا عوام کو بنیادی سہولیات حاصل ہیں کیا پاکستانی قوم کو روزگار حاصل ہے۔کیا انصاف مل رہا ہے۔ کیا موت سستی ہے یا زندگی۔ میرے پاس تو اِس سولات کا جواب نہ میں ہی ہے۔ معاشیات کی ایک ٹرم ہے کہ ایک ملک پر ہے کیونکہ وہ غریب ہے لیکن میرے خیال میں ایک ملک بدحال ہے کیونکہ شیر قوم کی قیادت بھیڑ ہے۔ اللہ پاک

ہمارے حال پر اپنا خاص کرم فرمائے۔ اور حکمران اشرافیہ سے ہمیں نجات ملے۔

امریکہ میں خون کی ہولی کا ذمہ دار امریکہ خود ہے؟ نائٹ کلب میں افسوس ناک واقعہ

روس کے عالمی منظر نامے میں کمزور ہونے کے بعد امریکہ ہے کہ تھمتا ہی نہیں اندھے اور پاگل ہاتھی کی طرح ہر شے کو مسلتا جارہا ہے۔یہودی ریاست اسرائیل اور ہندو ریاست بھارت دونوں امریکہ کی آنکھ کے تارے ہیں۔ مشرق وسطی، عرب ریاستوں میں خونی کھیل کھیلنے کے لیے امریکہ نائن الیون کی طرز کے بہانے راش رہا ہے اور اِسی سلسلے کی یہ کڑی قرار دی جاسکتی ہے۔ایک شخص کا قتل انسانیت کا قتل ہے۔ اور پچاس لوگ جان سے گئے انسان ہونے کے ناطے اِس غم میں پوری دنیا سمیت ہم بھی برابر کے شریک ہیں لیکن امریکی ایجنسی سی آئی اے ایسی خونی کھیل خود پینٹاگان کی مشاورت سے سرانجام دیتی ہے تاکہ جس ٹارگٹ کو ہدف بنانا مقصود ہو اُس کے خالف رائے عامہ ہموار کی جاسکے جیسے سابق امریکی صدر بش کے بقول کہ یہ کروسیڈ وار ہے۔امریکہ سعودی عرب کے ٹکرے کرنے کے درپے ہے موجود آل سعود کو ایک سو برس پر اقتدار میں لانے والے تاج برطانیہ نے خوب مسلمانوں کے لیے فساد کھڑے کیے اب امریکہ سعودی عرب کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے اور وہ مسلمانوں کے مقدس ترین مقامات خانہ کعبہ اور روضہ رسول ﷺ کے رقدس کو خطرے میں ڈال کر مسلمانوں کے اندر تفرقہ بازی کی آگ لگانا چاہتا ہے۔اِسی لیے اِس طرح کے خونی کھیل کھیلے جارہے ہیں۔امریکی ریاست فلوریڈا کے شہر اورلینڈو میں واقع

ہم جنس پرستوں کے لئے مخصوص پلس نائٹ کلب میں مسلح شخص کی اندھا دھند فائرنگ سے 50 افراد ہلاک اور 53 زخمی ہو گئے، فائرنگ سے بھگدڑ مچ گئی۔ داعش نے ذمہ داری قبول کرلی ہے۔ پولیس حکام کے مطابق پلس نائٹ کلب میں مقامی وقت کے مطابق صبح 2 بجے مسلح شخص نے کئی افراد کو یرغمال بنا لیا تھا، صبح 5 بجے یرغمالیوں کو رہا کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ پولیس کی جوابی کارروائی میں مسلح شخص مارا گیا۔ اورلینڈو پولیس کے سربراہ جان مینا نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ مسلح شخص کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق حملہ آور کو ہلاک کرنے کیلئے کنٹرولڈ دھماکہ کیا گیا تاکہ اس کا دھیان دوسری طرف ہو' پھر کارروائی کی گئی۔ ملزم کے خلاف کارروائی کے دوران ایک اہلکار زخمی ہوا تاہم باقی افراد کی جانیں بچا لی گئیں۔ اطلاعات کے مطابق اس وقت نائٹ کلب میں 320 افراد تھے۔ پولیس سربراہ کے مطابق مسلح شخص کے پاس ایک رائفل ایک ہینڈ گن اور ایک نا معلوم ''ڈیوائس'' موجود تھی۔ اورنج کا؟ نٹی کے شیرف نے اسے داخلی دہشت گردی کی کارروائی قرار دیا ہے۔ بعض اطلاعات کے مطابق اس نے بم باندھ رکھا تھا۔ مسلح شخص نے وہاں موجود افراد کو 3 گھنٹے یرغمال بنائے رکھا پولیس نے اسے 3 گھنٹے بعد ہلاک کیا۔ حملہ آور مسلم انتہا پسندی کے رجحانات سے متاثر ہو سکتا ہے۔ تاہم ابھی حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے پولیس اور ایف بی آئی غور کر رہے ہیں۔ ایف بی آئی کے مطابق نائٹ کلب پر حملہ دہشت گردی ہے۔ امریکی صدر اوباما نے وفاقی حکومت کے حکام کو تحقیقات میں مدد

دینے کی ہدایت کی ہے۔ سی بی ایس نیوز نے قانون ساز اداروں کے حوالے سے بتایا ہے کہ حملہ آور فلوریڈا کا عمر ایس متین ہے۔ ہوم لینڈ سکیورٹی کے پیٹر کنگ کے مطابق حملہ آور افغان نوجوان ہے جس نے ہتھیار چلانے کی تربیت لے رکھی ہے۔ اس کے والدین کا تعلق افغانستان سے ہے۔ وہ پورٹ سینٹ لوئس فلوریڈا کا رہنے والا ہے اس کی پہلے کوئی کریمنل ہسٹری نہیں، پولیس تاہم ابھی اس کی شناخت میں مصروف ہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق فائرنگ کا واقعہ نائٹ کلب انتظامیہ کی جانب سے سوشل میڈیا ویب سائٹ فیس بک پر ایک پوسٹ ڈالنے کے بعد پیش آیا جس میں انتظامیہ کی جانب سے کہا گیا تھا سب لوگ کلب سے باہر نکل جائیں اور بھاگنا شروع کر دیں۔ واضح رہے کہ آرلینڈو میں ہی امریکی ٹی وی پروگرام 'دی وائس' میں حصہ لینے والی گلوکارہ کرسٹینا گریمی کو ایک کنسرٹ کے بعد اپنے مداحوں کو آٹوگراف دیتے ہوئے ایک مسلح شخص نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اطلاعات کے مطابق داعش سے تعلق رکھنے والے ٹویٹر اکاونٹ پر عمر متین کی تصویر پوسٹ کی گئی ہے۔ اس کے کیپشن میں لکھا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے نائٹ کلب میں فائرنگ کی۔ ایف بی آئی کا کہنا ہے کہ ابھی تک یہ تعین کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ دہشت گردی کی کارروائی ہے، نفرت پر مبنی جرم یا پرتشدد کارروائی۔ حکام نے کہا ہے کہ مزید کوئی خطرہ درپیش نہیں ہے۔

واقعہ کے بعد اورلینڈو کے میئر نے شہر میں ایمرجنسی نافذ کردی ہے۔ یہ امریکی تاریخ کا بدترین واقعہ ہے جس میں اس قدر لوگ مارے گئے۔ میئر بڈی ڈیئر کے مطابق متاثرہ عمارت کو کلیئر کرالیا گیا ہے۔ کلب میں موجود افراد کے رشتہ دار اپنے پیاروں کی خیریت معلوم کرنے کیلئے مقامی ہسپتالوں کا چکر کاٹتے رہے۔ اطلاعات کے مطابق حملہ اس وقت کیا گیا جب نائٹ کلب میں لوگ شراب پی کر موسیقی کی دھن پر ڈانس میں مصروف تھے۔ حملہ آور کی پہلے سکیورٹی گارڈ سے جھڑپ ہوئی بعد ازاں اس نے اندر جاکر اندھا دھند فائرنگ کردی۔ اس دوران کئی لوگ جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب بھی ہو گئے۔ پلس کلب نے اپنے فیس بک پر یہ پیغام لکھا ہے کہ ہر کوئی پلس سے نکل جائے اور بھاگتا رہے۔ رکارڈو الماڈوور نے پلس کے فیس بک پر لکھا کہ بار اور ڈانس فلور پر موجود لوگ زمین پر لیٹ گئے اور ہم میں سے کچھ جو بار سے دور تھے وہ کسی طرح سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوئے اور بھاگتے رہے۔ غیر ملکی میڈیا کے مطابق واقعہ کے بعد پولیس کی جانب سے مقامی لوگوں کو گھروں میں رہنے جبکہ دیگر افراد کو اس علاقے میں نہ آنے کی ہدایت کی گئی حملہ کے بعد وائٹ ہا?س میں اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا جس مین امریکی صدر بارک اوباما کو فائرنگ کے واقعہ کے حوالے سے .بریفنگ دی گئی اس موقع پر امریکی صدر اوباما نے حملہ کی شدید مذمت کی۔ وائٹ ہاوس کے مطابق نائٹ کلب فائرنگ کے واقعہ پر اوباما کو .بریفنگ دی گئی۔ صدر اوباما نے واقعہ کی تحقیقات سے آگاہ رکھنے کی ہدایات جاری کیں، نائب صدر

جو بائیڈن کو بھی صورتحال پر بریف کیا گیا۔ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ اورلینڈو حملہ اور داعش کے درمیان براہ راست روابط یا غیر ملکی دہشت گرد گروپوں سے روابط کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ دوسری جانب بی بی سی کے مطابق عمر متین کا تعلق داعش سے تھا۔
امریکی میڈیا کے مطابق عمر متین نے فائرنگ سے پہلے 911 پر کال کرکے داعش کے سربراہ سے بیعت کے بارے میں بتایا۔ لاس اینجلس ٹائمز کے مطابق کیلیفورنیا میں ایک مسلح شخص پکڑا گیا وہ لاس اینجلس میں ہم جنس پرستوں کی تقریب کی جانب جارہا تھا۔
فاکس نیوز کے مطابق ایف بی آئی حکام عمر متین کو جانتے ہیں۔ ایف بی آئی سپیشل ایجنٹ رونالڈ ہوپر نے کہا ہے کہ علاقے یا امریکہ کو مزید حملوں کا فوری خدشہ نہیں۔ گورنر فلوریڈا کا کہنا ہے کہ نائٹ کلب میں فائرنگ کا واقعہ واضح دہشتگردی ہے۔ اورلینڈو میئر نے کہا ہے کہ صدر اوباما نے وفاقی حکومت کی جانب سے ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا ہے۔ دریں اثناداعش کی نیوز ایجنسی عمق نے کہا ہے کہ اس کا عسکری گروپ اورلینڈو کے نائٹ کلب میں حملے کا ذمہ دار ہے۔ بیان کے مطابق اس حملے میں 100 سے زائد افراد مارے گئے اور زخمی ہوئے ہیں۔ دریں اثنالاس اینجلس میں ہم جنس پرستوں کی پریڈ پر حملہ کرنے کیلئے جانے والے شخص کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ امریکی اخبار کے مطابق گرفتار شخص سے دھماکہ خیز مواد اور رائفلیں برآمد کی گئیں۔

تفتیش جاری ہے۔ گرفتار شخص اپنی گاڑی میں ہم جنس پرستوں کی پریڈ کی طرف جا رہا تھا۔ مسلمانوں کے لے امریکہ میں عرصہ حیات پھر تنگ کر دیا جائے گا۔ اور بھارتی اور امریکی ایجنسیاں اِس وقت کھیل کھیل رہی ہیں کہ پاکستان کو اور سعودی عرب کو گھیرا جائے۔

شہید پاکستان ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہیدؒ

پاکستان اور پاکستان سے باہر جامعہ نعیمیہ کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید نے اپنی شہادت سے چند روز قبل جامعہ نعیمیہ میں اپنے ایک خطبے میں ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید نے ایک دہشتگرد مسلک کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا تھا۔ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ناظم اعلی جامعہ نعیمیہ و تنظیم المدارس پاکستان نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ آج پاکستان میں چند انتہاء پسند دہشت گرد اپنی شریعت نافذ کر رہے ہیں، اولیا اللہ کے مزاروں، درباروں اور مشائخ کو شہید کرنے کے بعد بے حرمتی کی جا رہی ہے، یہ اہلسنت سواد اعظم کی غلطی ہے کہ سنی کے نام پر دھوکہ دینے والے تکفیری، خارجی گروہ کی روک تھام نہیں کی ہم نے مزارات کو مالی مفادات کا ذریعہ بنا رکھا ہے اگر نظریاتی کام کرتے تو ایسی صورتحال پیش نہ آتی۔ ہر سنی عالم دین کام کرنا شروع کر دے تو ہم پھر اس ملک میں سواد اعظم بن سکتے ہیں۔ سانحہ جامعہ نعیمیہ وطن عزیز میں تکفیری دہشت گردی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جب 12 جون 2009 بروز جمعہ کو نماز جمعہ کے فورا بعد جامعہ نعیمیہ میں ایک انتہا پسند خودکش حملہ آور نے خود کو دھماکے سے اڑا دیا جس کے نتیجے میں جامعہ نعیمیہ کے سربراہ اور ملک عزیز کی معروف مذہبی، دینی اور سیاسی شخصیت ڈاکٹر مفتی سرفراز نعیمی سمیت پانچ قیمتی جانیں ضائع

ہو گئیں۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی صاحب انتہائی صلح جو، معتدل المزاج اور متوازن شخصیت کے مالک تھے، آپ اختلافی مسائل میں شدت پسندی کی بجائے رواداری اور اعتدال پسندی کے قائل وفاعل تھے، انھوں نے مملکت خداداد پاکستان میں جاری طالبان کی دہشت گردی کی مخالفت میں 21 جماعتوں پر مشتمل ایک اتحاد تشکیل دیا تھا. جس پر ان کو قتل کی دھمکیاں بھی مل رہی تھیں۔ عام آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ اگر اہم دینی شخصیت ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کے اہم معاملے پر مٹی ڈال دی گئی ہے تو ہمارے حکومتی ادارے عام لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہونگے۔ مسئلہ صرف ڈاکٹر سرفراز نعیمی کے قاتلوں کو پکڑنے کا نہیں، بلکہ اسلام کے نام پر بدمعاشی کرنے والے اس ٹولے انکے فکری سرپرستوں کو بے نقاب کرنیکا ہے۔ دہشتگردی کے زور پر اسلام کی تعبیر کا حق قبول کر لیا تو پھر اسلام کی شکل کیا بن کر رہ جائے گی۔ بندوق کے زور پر مرضی کا اسلام مسلط کرنے والے یہ گروہ خوارج کا تسلسل ہیں، ان کو پنپنے کا موقعہ دینا اسلام کے خوبصورت چہرے کو مسخ کرنے اور قوم کو تباہی سے دوچار کرنے کے مترادف ہے ۔لوگو! جہاد اور فساد میں فرق ہوتا ہے۔ صحابہ نے جو کیا وہ جہاد تھا۔ اور جو کچھ ایک عرصہ پہلے ہوتا رہا اور جو کچھ لوگ آج صحابہ کے نام پر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ جہاد نہیں فساد ہے۔ڈاکٹر مفتی سرفراز نعیمی، مفتی محمد حسین نعیمی کے بیٹے تھے۔ جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور ان کی زیر نگرانی و سرپرستی میں چلتا رہا۔ جامعہ نعیمیہ مفتی صاحب کے بیٹے علامہ راغب حسین

نعیمی کی سرپرستی میں اپنا علمی مشن جاری رکھے ہوئے ہے۔ آج تک ڈاکٹر مفتی سرفراز نعیمی کے قاتلوں کو کٹھہرے میں نہ لایا جا سکا۔ مفتی محمد حسین نعیمی اور ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید، موجودہ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کے قریبی دوست تھے۔ برطانوی اخبار 'دی ٹائمز' کو انٹرویو میں انہوں نے طالبان کو اسلام کے نام پر ایک دھبہ قرار دیتے ہوئے حکومت کی جانب سے انہیں تباہ کرنے کی ہر کوشش کی حمایت کا اعلان بھی کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ 'پاکستان کو بچائیں گے'۔ مرحوم لال مسجد کے مہتم غازی عبدالرشید کی مخالفت کرنے والے علماء میں بھی شامل رہے اور ساتھ ساتھ وہ امریکی و سعودی پالیسیوں کے بھی ناقد تھے۔ پچپن سالہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی پاکستان میں اہلِ سنت والجماعت کے تقریباً چھ ہزار مدارس کی تنظیم کے گزشتہ دس برس سے ناظم اعلیٰ تھے۔ وہ اپنے والد علامہ مفتی محمد نعیمی کے انتقال کے بعد جامعہ نعیمیہ کے مہتم بن گئے تھے۔ اس مدرسے میں اس وقت چودہ سو کے قریب طلبہ زیر تعلیم ہیں اور اس کی پانچ شاخیں بھی ہیں۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کے رشتے داروں کا کہنا ہے کہ انہیں کی طرف سے کافی عرصے سے دھمکیاں مل رہی تھیں جنہیں جمعہ کو عملی جامہ پہنا دیا گیا۔ مرحوم نے سوگواران میں ایک بیٹا اور پانچ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے ابتدائی تعلیم اسی مدرسے نعیمیہ میں ہی حاصل کی جہاں انہیں دھماکے میں ہلاک کیا گیا۔ بعد ازاں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے معروف اسلامی درس گاہ جامعہ الازہر

مصر سے بھی ایک کورس کر رکھا تھا۔ مفتی پاکستان مفتی منیب الرحمان مرحوم ڈاکٹر سرفراز کے قریبی ساتھی رہے ہیں۔ ان کے مطابق مرحوم کی قائدانہ صلاحیتوں اور ان کی حق گوئی ان کے دشمنوں کو قبول نہیں تھیں لہذا انہیں قتل کیا گیا۔ مفتی منیب کے مطابق 'مرحوم سادہ مزاج، سادہ لباس اور سادہ وضع قطع کے انسان تھے۔ وہ موٹر سائیکل پر بھی گھومتے پھرتے تھے اور پروٹوکول میں یقین نہیں رکھتے تھے'۔ راقم سے اکثر اُن کی ملاقات رہتی ۔ اللہ پاک اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

آمین

بھارت میں دلت برادری کا گاؤ ماتا کو سرعام ذبح کرنا مودی سرکار کے گلے میں پھندا

مودی کی سرکار نے کشمیر میں حالیہ دنوں میں جس طرح برہان وانی کو شہید کیا اور جس طرح لوگوں پر ظلم و ستم کیے اِس سارئے ظلم پر قدرت نے مودی سرکاری کے مُنہ پر طمانچہ رسید کیا ہے کہ دلت جن کو ہندوں معاشرئے انتہائی نیچ جانا جاتا ہے ۔ان سے ہاتھ ملانا تو کُجا ۔جہاں سے دلت گزر جائے ہندووں کے نزدیک وہ جگہ ناپاک ٹھرتی ہے۔ مسلمانوں سے بھی اُن کا سلوک ایسا ہی ہے۔ لیکن یہی دلت برادری تاریخ کے ایک اہم موڑ پر آ کھڑی ہوئی ہے۔ اڑھائی ہزار سالوں سے ظلم و ستم سہنے ولی دلت برادری نے اچانک تاریخ کو بدل دیا ہے اور مودی سرکار کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ سرعام گائے ذبح کرنا شروع کر دیا ۔ابابیل کے ہاتھوں ہاتھیوں کی موت والا منظر دہرا دیا کہ اُنھوں نے برھمنوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔

اڑھائی ہزار سال پرانی تاریخ تبدیل، دلت برادری نے درجنوں گائیوں کو ذبح کردیا۔

گزشتہ روز ہزاروں سال کے بعد بھارتی عوام کی اکثریت نے ایک نئی تاریخ رقم کردی ہے۔ بھارت کے اندر ہزاروں سال بعد اٹھنے والا طوفان ہے کہ اتوار کے بعد بھارت کے عوام کی اکثریت نے مودی حکومت پر عدم اطمینان کا اظہار کردیا ہے اور یہ کہا ہے کہ وہ ناصرف مودی حکومت بلکہ تمام سرمایہ

داروں ان کی سیاسی پارٹیوں اور انسان کو طبقوں میں بانٹنے والے نظام کے خلاف ہیں۔ شرمناک امر یہ ہے کہ مسلسل پندرہ روز سے پورے بھارت میں چلنے والے فسادات اور حکومت مخالف مظاہروں کے بعد ڈھائی ہزار سال سے طبقاتی تقسیم کے تحت سب سے نچلی اور نفرت انگیز برادری مانے جانے والی دلت برادری نے گجرات کے مختلف اضلاع میں گائیوں کو سرعام سرکاری دفاتر کے سامنے درجنوں کے حساب سے جس طرح ذبح کیا ہے اور جس طرح بھارتی میڈیا کے ساتھ ساتھ عالمی میڈیا اتنے بڑے تاریخی واقعہ کی کوریج کو روکا ہے وہ بھی تاریخ ساز ہے مگر یہ عمل اور اس احتجاج کی شدت کی گونج بتا رہی ہے کہ بھارت کے اندر ایک ارب سے زائد انسانوں کو اب کسی آئینی قانون یا روایتی نظام کی زنجیروں میں نہیں جکڑا جا سکتا۔ ڈھائی ہزار سال پہلے جب برصغیر پر حملہ آور ہونے والے آرین یہاں قابض ہوئے تو انہوں نے یہاں کی مقامی آبادی دراوڑ کو چوتھے درجے کا انسان بنا دیا اور خود پہلے براہمن پھر تاجر اور تیسرا مقام فوج کو دیا جس میں چوتھی یعنی دلت برادری کا کام باقی برادریوں کی گندگی صاف کرنا، ان کے دیگر غلیظ کام کرنا، ہمیشہ ان کی خدمت کرنا، ہندو؟ں سے دور رہنا تھا۔ اس کے علاوہ بھی انتہائی نیچ کام اور نیچ قوم ہمیشہ دلت ہی قرار پائی۔ تقسیم کے بعد دلتوں کو برابر انسان کی حیثیت دی گئی مگر پھر قانونی ذریعے اسے محدود کر دیا گیا اور وہ دلت کے دلت ہی رہے۔ اس دوران مودی حکومت جو برہمن حکومت کہلاتی ہے، اقتدار میں آئی تو مسلمانوں کے بعد دلتوں اور دیگر برادریوں پر

بھی ظلم و جبر بڑھ گیا۔ گزشتہ ماہ ہی چار مسلمان لڑکوں کو اس لئے تشدد کیا اور پیشاب پلایا گیا کھوہ گائیوں کو ترک پر لے کر دوسرے شہر چھوڑنے جا رہے تھے۔ اس طرح اب ٹرک ڈرائیوروں کو بھارت میں سمگلر کہا جانے لگا ہے، مسلمانوں کے بعد اچانک اس مہینے کے آغاز میں دلتوں کی اس طرح باری آ گئی کہ چار دلت لڑکے ایک مردہ بھینس کی کھال اتار رہے تھے کہ پکڑے گئے اور انہیں اس قدر تشدد کا نشانہ بنایا گیا کہ ان میں سے دو کی ہلاکت ہو گئی، جس سے یہ تحریک پھوٹی اور یہ تحریک پھر اس قدر آگے بڑھی کہ مودی تخت ڈولنے لگا جس کے بعد کشمیریوں کے ساتھ ساتھ بھارت کے اندر بھی صورتحال میں سنگینی آ گئی اور حکومت نے ہر طرح تشدد سے تحریک کو روکنے کی کوشش کی مگر یہ تحریک وزیراعظم کی ریاست سے نکل کر دوسری ریاستوں میں پھیل گئی اور اب تک درجن سے زائد دلت اس تحریک میں پولیس کے ہاتھوں اپنی جان دے چکے ہیں، ہزاروں زخمی ہیں۔ دلتوں نے ہندوں کے باڑوں سے مقدس گائیوں کو نکالا اور سرکاری دفاتر کے سامنے لے جا کر درجنوں کی تعداد میں ہلاک کرکے ان کے ٹکڑے بڑے افسران اور سیاستدانوں کے گھروں کے دروازوں پر پھینک دیئے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے بھارت میں پھیل گئی مگر انتظامیہ کے سامنے معذرت اختیار کرنے کی بجائے دلت برادری اور زیادہ اعتماد میں آ چکی ہے۔ روس کے آر ٹی چینل جو دنیا کا سب سے بڑا چینل ہے، نے گائیوں کو ذبح کرنے اور اتنی بڑی تحریک کو دیکھتے ہوئے کہا کہ بھارت کے لوگوں نے تاریخ کو نئے سرے سے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اعلیٰ

ذات کے ہندوؤں کی مقدس گائیوں خواہ وہ زندہ ہوں یا مری ہوں انہیں کاٹ کر درجنوں کی تعداد میں پھینکنے کی ہمت کبھی کسی نے نہیں کی تھی، یہ تحریک بظاہر چھوٹی سطح سے اٹھی لیکن دنوں میں اس نے پورے بھارت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

عالمی، سیاسی اور معاشی صورتحال کے ماہر ڈاکٹر لال خاں کا کہنا ہے کہ بھارت میں دلتوں کی آبادی 16 فیصد ہے اور یہی بھارت کے اصل باشندے ہیں۔ بھارتی معاشرئے کے اندر جتنا ظلم وستم ہے اور جس طرح سے انسانوں کی درجہ بندی کی گئی ہے اُس لحاظ سے دیکھا جائے تو بھارت میں چھوت چھات کی وجہ ہی مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا باعث بنی۔ جو لوگ نظریہ اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں وہ دیکھ لیں کہ بھارت میں انسانوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ بھارت کے بہت سے ٹکرئے ہوں گے اور کئی نئے ملک ظہور میں آئیں گے۔

رہے نام اللہ کا۔

مصطفائی تحریک کی سلور جوبلی اور ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کی تگ و تاز

اللہ پاک نے عشق رسول ﷺ کی سرخیل تنظیم انجمن طلبہ ء اسلام کی قیادت ایک ایسے سپوت کو ایک دور میں بخشی کہ جس نے عشق رسول ﷺ کی شمع فروزاں کرنے کے حوالے سے جو تگ و تاز کی اُس پر یقینی طور پر اللہ پاک راضی ہوگا۔ یہ قیادت ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کی تھی کہ جس نے کشمیر پنجاب بلوچستان خیبر پختون خواہ میں عشق رسول ﷺ کے فروغ کے لیے طلبہ ء کی رہنمائی فرمائی۔ پاکستان کی تاریخ میں ایسا باکردار طلب علم رہنماء نہ ہوگا جس طرح کے کردار کی حامل ظفر نوری صاحب کی ہستی ہیں۔ اسی طرح طالب علمی کے زمانے کے بعد فلاح انسانیت کے لیے ڈاکٹر ظفر اقبال نوری نے مصطفائی تحریک کا آ غاز کیا۔ یوں تو پوری دُنیا میں فلاحی سماجی تحریکیں کام کر رہی ہیں ۔ پاکستان میں عشق رسول ﷺ کی سرخیل تنظیم انجمن طلبہ ء اسلام کے ساتھ وابستہ نوجوانوں نے 1991 میں ایک عظیم سماجی فلاحی تنظیم کی بنیاد رکھی جس کا مقصد بلا تخصیص مذہب ذات پات، رنگ نسل صرف اور صرف انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے خدمات سر انجام دینا قرار پایا۔ انجمن طلبہ اسلام کے عظیم مشن سے وابستہ نوجوانوں نے جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کی قیادت میں مصطفائی تحریک کے سفر کا آ غاز کیا۔ محمد ﷺ کی محبت کے رشتے سے منسلک ہونے کی بناء پر انجمن طلبہ ء اسلام کے دوستوں نے مصطفائی تحریک کے کام کا دائرہ پوری پاکستان میں

پھیلا دیا۔ یوں لفظ مصطفائی جسے حضرت اقبالؒ نے ایک صدی قبل اپنے اشعار میں بھی استعمال کیا تھا پاکستانی معاشرے میں زبانِ زد عام ہوگیا۔ مصطفائی ماڈل سکول، المصطفیٰ ویلفیر سوسائٹی، مصطفائی لنگر، مصطفائی میڈ کل مشن۔ وطن عزیز میں پانی کے دور دراز علاقوں میں جہاں پانی نا پید تھا وہاں مصطفائی تحریک نے کنویں کھو
دوائے، پاکستان کے کونے کونے میں ہزاروں مصطفائی ماڈل سکول کا جال بچھا دیا گیا۔ کے کشمیر کے زلزلے میں لنگر کا اہتمام، زلزلہ زدگان کی بحالی، میڈیکل کیمپ 2005 لگائے گئے یوں بہت بڑے انسانی المیے کے لیے مصطفائی تحریک نے بھرپور کام کیا۔ انجمن طلبہء اسلام سے وابستہ افراد جن میں فاروق مصطفائی، حمزہ مصطفائی، عابد قادری، غلام مرتضٰی سعیدی، طاہر انجم، امانت زیب، معین نوری جیسی نابغہ روزگار ہستیوں نے مصطفائی تحریک کے بینر تلے فلاحی کاموں کے حوالے سے اپنی ذات کی بجائے اپنے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے شب و روز کام کیا۔ عشق رسول ﷺ سے سرشار افراد فلاح و بہبود کے کام لیے اپنی توانائیاں صف کر رہے ہیں۔ تنقید کرنا بہت آسان ہے اور اکثر لوگ اپنی ذات کے حصار میں گم رہتے ہیں اور ہر کسی پر تنقید کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ لیکن مصطفائی تحریک نے جس طرح فلاح انسانیت کے لیے پاکستانی قوم کو آگاہی دی ہے اِس کے نظیر ملنا مشکل ہے۔ مصطفائی تحریک کی جانب سے نبی پاک ﷺ کی میلاد منانے کا بہت احسن طریقہ ہے کہ مصطفےٰ ﷺ کا میلاد منانے کے لیے ہسپتالوں میں مریضوں کی عیادت کی جاتی ہے اور اُن کو ضروری اشیاء پر

مشتمل گفٹ پیک پیش کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ دہائیوں سے جاری ہے۔ اور اِس میں وقت گزرنے کا ساتھ تیزی آتی جارہی ہے۔ عظیم صوفی بزرگ حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کے سالانہ عرس کے موقع پر مصطفائی لنگر کا اہتمام ہوتا ہے جہاں پر انتہائی سلیقے کے ساتھ میز کرسیوں پر بٹھا کر زائرین کو لنگر کھلایا جاتا ہے۔ یہ مصطفائی لنگر اِس عرس پاک کی پہچان بن چکا ہے۔ اِسی طرح ملک بھر کے طول عرض میں ہوانے والے عرسوں کے موقع پر میڈیکل کیمپ لگائے جاتے ہیں۔ جہاں ایمبولینس کا انتظام ہوتا ہے اور ایمرجنسی کے لیے ادویات رکھی جاتی ہیں۔ معاشرئے میں فلاح و بہبود کے مشن سے آگاہی کے لیے مصطفائی تحریک کا کردار اتنا جاندار ہے کہ اِس عظیم سماجی تحریک سے وابستہ افراد کی تعداد لاکھوں میں ہے اور اِس کا نیٹ ورک پوری پاکستان، آزاد کشمیر گلگت بلتستان میں قائم ہے۔ کسی بھی تحریک کا محرک کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کی محبت کے طفیل مصطفائی تحریک کی سرپرستی عشق رسول ﷺ کے عظیم سفیر جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کرتے ہیں۔ مصطفائی تحریک کا ایک ادنیٰ کارکن ہونے پر راقم کو فخر ہے۔ ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کی فکر نے نبی پاک ﷺ کے عشق کے طفیل مصطفائی تحریک کے مشن میں تگ و تاز پیدا کی ہے۔ فلاح انسانیت کے حوالے سے گذشتہ 25 سالوں سے دُنیا بھر میں مصروف عمل مصطفائی تحریک کے بانی جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کو مصطفائی تحریک کی سلور جوبلی کے موقع پر انسانی حقوق کی عالمگیر تنظیم ہیومن رائٹس فرنٹ انٹرنیشنل کی جانب سے

گورنمنٹ جامعہ ہائی سکول سرگودھا کے سابق پرنسپل جناب حسین احمد بھٹیؒ کی یاد میں اجراء شدہ حُسین احمد بھٹیؒ ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ ایوارڈ ہر سال دُنیا بھر میں فلاح انسانیت کے حوالے سے کام کرنے والی شخصیات کو دیا جاتا ہے۔ ایوارڈ کمیٹی ہیومن رائٹس فرنٹ انٹرنیشنل کے سربراہ صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ، جسٹس (ر) میاں شاہد، صاحبزادہ پیر حکیم میاں محمد یوسف خان قادری نوشاہی، ممتاز صحافی طارق اسماعیل ساگر، ممتاز شاعرہ ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ پر مشتمل ہے۔ دُنیا بھر کی فلاحی وانسانی حقوق کی تنظیموں نے جناب ڈاکٹر ظفر اقبال نوری کو مصطفائی تحریک کی سلور جوبلی اور حسین احمد بھٹی ایوارڈ ملنے پر مبارکباد کے پیغامات ارسال کیے ہیں۔ مبارکباد کے پیغامات ارسال کرنے والوں میں مصطفائی تحریک کے امیر فاروق مصطفائی، سحر فاونڈیشن کے چیئرمین جناب افتخار غزالی، نامور ادیب معین نوری، انجمن طلبہ ء اسلام کے سابق مرکزی صدور غلام مرتضیٰ سعیدی، حافظ طارق، شمس المصطفےٰ اسدی، نظام مصطفیٰ پارٹی کے سربراہ حاجی حنیف طیب، شعبہ فلاسفی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کے سربراہ طفیل سالک، ورلڈ کالمسٹ کلب کے چیئرمین حافظ شفیق الرحمان، پاکستان فلاح پارٹی کے مرزی رہنماؤں قاضی عتیق، امانت زیب، حبیب صدیقی، راشد گردیزی، ذیشان راجپوت، انجمن طلبہ ء اسلام کے رہنماؤں وقار شاہ، اکرم رضوی، عامر اسماعیل، الزہر گرلز کالج سرگودھا کے ڈائریکٹر جاوید مصطفائی شامل ہیں۔

جائیداد کے حقیقی ویلیو کے تعین کا حکومت اور رئیل اسٹیٹ ایجنٹس اور بلڈرز کے مابین معاہدہ

پاکستان میں زمین کی فروختگی کے کاروبار میں بہت زیادہ سرمایہ کاری ہوتی ہے مشرف حکومت میں زمین کی قیمتوں کے کاروبار میں اضافے کا رجحان ہوا اور یہ رجحان جاری ہے۔زمین کی خرید وفروخت کے کاروبار کے معاشی حقائق کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سورج کی طرح عیاں ہے کہ زمین ایک ایسا عامل پیدائش ہے جس کی رسد معین ہے نئی آبادیوں کو ڈویلپ کیا جاتا ہے اور پھر اُن نئے آبادیوں میں زمین کی قیمت بھی سہولیات کے پیش نظر بڑھتی چلی جاتی ہے۔پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اور انرجی بحران کی وجہ سے دیگر شعبہ جات میں سرمایہ کاری کا عمل مفقود ہے۔اس لیے پلاٹس کی مد میں سرمایہ کاری کو بہترین گردانا جاتا ہے۔ موجودہ حکومت اِس کاروبار کو زیادہ سے زیادہ ٹیکس نیٹ لانے کے لیے مختلف طریقے اپنا رہی ہے۔اس والے سے حکومت، رئیل اسٹیٹ ایجنٹس اور بلڈرز کے درمیان جائیداد کے حقیقی ویلیو کے تعین کے لیے جاری مذاکرات کامیاب ہو گئے ہیں جن کے تحت حکومت ایمنسٹی سکیم' یا کالا دھن سکیم جیسا نام دیئے بغیر ماضی میں جائیداد کی خرید پر انکم ٹیکس آرڈی سے تحفظ دے گی۔پانچ فیصد ٹیکس دے کر اپنی جائیداد کو قانونی 111 نینس کے سیکشن قرار دلایا جاسکے گا اس کی خرید کیلئے سرمایہ کے ذریعے کو دریافت نہیں کیا جائے گا۔ سیکشن 111 اپنی آمدن کو چھپانے کے

متعلق ہے وفاق حکومت اور بلڈرز ایجنٹس کے درمیان ملک کے 18 شہروں جن میں لاہور' کراچی' اسلام آباد' پشاور' کوئٹہ شامل ہیں۔ جائیداد کی حقیقی ویلیو کے تعین کے چارٹ پر اتفاق رائے ہوگیا ہے۔ حکومت نے رئیل اسٹیٹ ایجنٹس اور بلڈرز کی طرف سے تیار کیا جانے والا چارٹ معمولی ردوبدل کے تحت قبول کرلیا۔ اس سے ملک کے مختلف شہروں میں ڈی سی ریٹ میں زیادہ شہروں میں 20 سے 30 فی صد تک اضافہ ہوگا۔ کئی مقامات پر یہ شرح اس سے بھی زائد ہے ایف بی آر مختلف شہروں میں جائیداد کی ویلیوایشن کا چارٹ نوٹیفکیشن کے ذریعے جاری کرے گا۔ پراپرٹی کی قیمتوں کا تعین ایف بی آر جن شہروں میں ابھی ویلیو یشن نہیں ہوئی یہ وہاں نئے نوٹیفکیشن کے اجراء تک ڈی سی ریٹ یکم جولائی 2016ء سے قبل جو پراپرٹیز خریدی تھی اگر ان کی ہولڈنگ کی میعاد تین سال سے کم ہو تو پانچ فیصد کیپٹل گین ٹیکس لگے گا۔ تاہم اگر ہولڈنگ پیریڈ تین سال سے زائد رہا تو کیپٹل گین ٹیکس کا استثنی ہوگا۔ حکومت اور ایجنٹس بلڈرز کے درمیان جو ویلیوشن کا تعین ہوا ہے اس کا استعمال کیپٹل گین ٹیکس کے مقاصد کیلئے ہوگا (یہ وہی III ودھ ہولڈنگ ٹیکس اور انکم ٹیکس آرڈیننس کے سیکشن سیکشن ہے جو آمدن چھپانے کے بارے میں ہے جس کا ذکر خبر کے ابتدائی حصہ میں کیا گیا) ہے۔ 40 لاکھ روپے تک کی جائیداد پر کیپٹل گین ٹیکس نہیں لگے گا۔ اس سے قبل یہ 30 لاکھ روپے تھا وزیر خزانہ نے کہا کہ اس معاہدہ کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ جہاں بھی قانون میں ترمیم کی ضرورت ہو گی جائے گی انہوں نے کہا کہ

آج کا معاہدہ 30 جون 2017ء تک موثر رہے گا جبکہ آئندہ بجٹ سے قبل دوبارہ تمام سٹیک ہولڈرز کو بلا کر بات چیت کی جائے گی اور ایف بی آر از سر نو نیا نوٹیفکیشن جاری کرے گا (یکم جولائی 2017ء سے نافذ ہو گا) ہی موثر ہو گا۔ کیپٹل گین ٹیکس کے مقصد کیلئے جائیداد کو اپنے پاس رکھنے کی میعاد جو بجٹ میں پانچ سال کی گئی تھی اب گھٹا کر 3 سال کر دی گئی ہے۔ سٹیل اسٹیٹ ایجنٹس اس کے معیاد 2 سال کرانا چاہتے تھے۔ اسحاق ڈار' ایف پی سی سی آئی کے صدر عبدالروف عالم' اسٹیٹ ایجنٹس کے نمائندہ چوہدری روف نے مذاکرات کی کامیابی کا اعلان کیا۔ حکومت طے پانے والے مجوزہ معاہدہ کو قانونی تحفظ دے گی اس سلسلے میں آرڈیننس جاری کیا جائے گا۔ وزیر خزانہ نے کہا کہ جنرل سیلز ٹیکس کے مقصد کیلئے 5 سال سے کم کے ہولڈنگ پر 10 فی صد ٹیکس تھا اب اس کے تین سلیب بنا دیئے گئے ہیں۔ جس کے تحت اگر ہولڈنگ کی میعاد ایک سال تک ہو تو 10 فی صد ٹیکس لگے گا۔ اگر ہولڈنگ کی معیاد ایک سے دو سال تک ہو تو 5.7 فی صد کیپٹل گین ٹیکس دینا ہو گا۔ 2 سے تین سال کی ہولڈنگ کے بعد فروخت پر 5 فی صد کیپٹل گین ٹیکس ہو گا۔ تین سال سے زائد میعاد کے بلا فروخت پر کیپٹل گین ٹیکس سے استثنی حاصل ہو گا۔ صوبائی حکومتوں سے رابطہ قائم کے لیے کیا جائے گا وہ بھی اسی چارٹ کو اپنالیں اس سے ان کو ٹیکس کم کرنے کا موقع بھی ملے گا۔ بلڈرز اور ایجنٹس کے نمائندوں کے پروفیشن کا اب حکومت کو کافی ریونیو ملے گا مگر ابھی اس کا تخمینہ نہیں بتایا جاسکتا۔ فنانس بل میں فائلرز اور

نان فائلرز کے لیے جو ریٹ رکھے گئے تھے وہ جاری رہیں گے۔ نان فائلرز پر 4.0 ود ہولڈنگ ٹیکس کی مدت میں 31 اگست تک توسیع دے دی گئی ہے۔ اب قانون واضح ہوگیا ہے تاہم ابھی سارا سفر طے نہیں کیا پراپرٹی کے حوالے سے کسی سے بلیک میل ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایف پی سی سی آئی کے صدر نے کہا ہے کہ حکومت نے ہمارا مطالبہ مان لیا ہے جس پر حکومت کے شکریہ ادا کرتے ہیں ایجنٹس کے نمائندے چوہدری روف نے کہا کہ اب پراپرٹیز کا سیکٹر صنعت میں بدل جائے گا اور اس سے حکومت کو فائدہ ہوگا۔ ہمارا مطالبہ جائز تھا جسے وفاق حکومت نے تسلیم کرلیا۔

عشق رسول ﷺ کے داعی اور اقبالؒ کے مرد مومن حافظ محمد مشتاقؒ

اللہ پاک نے مومن کے لیے اِس دُنیا کو قید خانہ کہا ہے۔ موت کو مومن کے لیے تحفہ قرار دیا ہے۔ عالم فنا سے عالم بقا میں جانے والے اپنے رب کے حضور پیش ہو جاتے ہیں اور یہ ہی انسانی زندگی کی اصل حقیقت ہے۔ زندگی کی ظاہری شام در حقیقت ایک صبح نور کی نوید ہوتی ہے۔ اور ایسی زندگی مرد مومن کو میسر آنے والی ہوتی ہے جو ہمیش ہوتی ہے۔ جس کے بعد کوئی اختتام نہیں۔ ایسی ہی روشن راہوں کے مسافر ہمارے دوست جناب حافظ محمد مشتاق زاہدؒ ہو گئے ہیں۔ چند ماہ پیشتر ہمارے دوست چوہدری مقصود صاحب کے بھائی کی وفات پر تعزیت کے لیے معین الحق علوی جو ہمارے بہت ہی محترم دوست ہیں اور تحریکی ساتھی ہیں۔ تشریف لائے اور حافظ مشتاقؒ کو بھی میرے ہاں بلاوا لیا کہ ہم اکھٹے تعزیت کے لیے مقصود چوہدری صاحب کے ہاں جائیں گے۔ یوں حافظ محمد مشتاقؒ کے ساتھ وہ آخری ملاقات رہی۔ حافظ مشتاق صاحبؒ ایک دلیر شخص کا نام تھا۔ عشق رسول ﷺ کی شمع فروزاں کرنے کے لیے ساری زندگی تگ و تاز میں رہے اور زندگی کا سفر پچاس سالوں میں ہی مکمل کر کے اپنی رب کے حضور پیش ہو گئے۔ حافظ قران ہونے کی وجہ سے اور دینی معاملات کا علم ہونے کی وجہ سے اور اقبالؒ کا عاشق ہونے کی بناء پر انجمن طلبہ ء اسلام، مصطفائی تحریک پاکستان فلاح پارٹی کے پروگراموں میں انتہائی محترم حثیت رکھتے۔

انجمن طلبہ اسلام لاہور کے اُس وقت ناظم رہے جب طلبہ تنظیموں پر پابندی تھی۔ حافظ صاحبؒ نے دنیاوی نمود نمائش کی بجائے اپنی آقا کریم ﷺ کی محبت کے لیے خود کو وقف کیے ہوئے تھا۔ میرا حافظ صاحب سے تعلق بہت پُرانا ہے۔ کوجینٹ کالج شادمان اور کوجینت کالج سمن آباد میرے پاس جناب حکیم غلام مرتضٰی کے ساتھ تشریف لاتے رہے۔ بلکہ جب بھی حکیم غلام مرتضٰی جو ہمارے تنظیمی ساتھی ہیں تشریف لاتے تو حافظ مشتاق صاحب ساتھ ہی ہوتے۔ بلکہ انجمن طلبہ اسلام، مصطفائی تحریک المصطفٰی ویلفیر سوسائٹی کے پروگراموں میں حکیم غلام مرتضی مجاہد اور حافظ محمد مشتاق یک جان دو قالب ہوتے۔ اکھٹے آتے اور اکھٹے ہی جاتے۔ شوگر کے جان لیوا مرض نے اچانک حافظ صاحبؒ کی زندگی میں بسیرا کر لیا اور ہمارے ہنستے مسکراتے حافظ صاحبؒ ہمیں چھوڑ گئے۔ کچھ نجی معاملات کے حوالے سے لاہور ہائی کورٹ میرے چیمبر بھی تشریف لاتے رہے اور میں اُس حوالے سے اُن کا وکیل بھی رہا۔ بہت بہادر، جی دار انسان تھے۔ ہر وقت مسکراہٹ چہرے پہ سجائے ملتے اور جس سے بھی ملاقات ہوتی اُسے عزت دیتے اور بور نہ ہونے دیتے۔ عشق رسول ﷺ کے مشن کے فروغ کے لیے اپنی زندگی کی آخری ساعتوں تک تگ وتاز میں رہے۔ انجمن طلبہ اسلام اور مصطفائی تحریک کی بناء پر حافظ محمد مشتاقؒ کے ساتھ بننے والا تعلق خالصتاً اللہ پاک کی رضا کے لیے تھا۔ حافظ صاحب اقبالؒ کے عاشق تھے۔ جیسا کہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ قلندر میلِ تقریر نہ دارد، جز ایں نکتہ اکسیر نہ دارد، ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیشت، کہ

آب از خون شبیر ندارد (ارمغانِ حجاز) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ قلندر لمبی چوڑی تقریر کی طرف رغبت نہیں رکھتا۔ سوائے اُس نکتے کہ جو میں تمھارے لیے کہنے والا ہوں کہ اِس ویران کھیت سے کوئی پیداوار حاصل نہیں کی جاسکتی کہ جس کی حضرت امام حسینؓ (شبیرؓ) کے خون سے آبیاری نہ کی جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر یا باطل کے مقابلے میں عملاً نکلے بغیر کسی قسم کی عزت اور وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ جہاد کے حق میں اور باطل کے خلاف زبانی کلامی باتیں کرنے سے تمہاری اجڑی ہوئی دنیا آباد نہیں ہو سکتی اس کا ایک ہی طریقہ ہے جو کہتے ہو اِس پر عمل کرو جناب حافظ مشتاق نے بھی اقبال کی اسی فکر کو پنایا کہمگو از مدعائے زندگانی، ترا از شیوہ ہائے اذنگہ نیست، من از ذوق سفر آنگونہ مستم کہ منزل پیش من جز سنگ رہ نیست (پیام مشرق) جناب حافظ مشتاق صاحبؒ اقبالؒ کے اِس فلسفے پر کار بند رہے۔ کہ جیسا کہ حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں۔ زندگی کے مقصد کے بارے زبان مت کھول یعنی بیان کرنے کی کوشش نہ کرِاس کی اداؤں پر تیری نظر نہیں یعنی تو اِس کے انداز کو نہیں سمجھتا۔ میں سفر کی لذت سے اتنا مست ہوں کہ میرے آگے منزل راستے کا پتھر ہے اور کچھ نہیں یعنی میں منزل کو سنگِ راہ سمجھتا ہوں۔ میں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو منزل کو منزل نہیں سمجھتا اور ایک نئی منزل کے لیے رواں دواں ہو جاتا ہوں۔ زندگی سکون وثبات کا نام نہیں حرکت وعمل کا نام ہے۔ فرشتہ گرچہ بروں از طلسم افلاک است نگاہِ او بتماشائے ایں کف خاک است (زبورِ عجم) حضرت

اقبالؒ فرماتے ہیں فرشتہ اگرچہ انسانوں کی طرح آسمان کے جادو یعنی قوانینِ فطرت سے آزاد ہے۔اس کے باوجود اس کی نظر مٹھی بھر خاک کے پتلے (انسان) پر ہے یعنی وہ انسان کی رفعت کی طرف دیکھتا ہے جو اُسے عشق کے سوز و گداز کی بدولت حاصل ہے۔

ہوس ہنوز تماشا گر جہانداری است، و گرچہ فتنہ پس پردہ ہائے زنگاری است (زبور عجم)

جناب حافظ محمد مشتاق ساری زندگی حضرت اقبالؒ کے فلسفے پر کاربند رہے کہ جس میں حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہوس ابھی تک اسی فکر میں ہے کہ کس طرح دنیاوی مال و دولت اکٹھی کی جاسکتی ہے۔ ہرے رنگ کے پردوں (آسمان) کے پیچھے اور کونسا فتنہ پوشیدہ ہے؟ دنیا میں جتنے بھی فتنے فساد پیدا ہوئے اُن کا سبب ہوس ہی ہے۔ زماں

زماں شکند آنچہ می تراشد عقل، بیا کہ عشق مسلمان و عقل زناری است (زبور عجم)

حافظ محمد مشتاقؒ نے یہ بات عملی طور پر ثابت کی کہ حضرتِ اقبال نے جیسے فرمایا تھا کہ عقل جو کچھ تراشتی ہے اُسے لحہ بہ لحہ توڑتی رہتی ہے کیونکہ وہ درست نتیجہ اخذ نہیں کرسکتی۔ اب عقل کی باتیں چھوڑ کر عشق اختیار کرلے کیونکہ عشق مسلمان ہے صحیح راستے پر ہے اور عقل برہمن کا زنار ہے یہ کفر کی راہ چلتی ہے عشق معرفتِ حق کی طرف لے جاتا ہے۔ حافظ مشتاق نے اقبالؒ کا عاشق ہونے کا حق ادا کیا اور اِس سوچ کو پروان چڑھایا کہ مگو از مدعائے زندگانی، ترا بر شیوہ ہائے اذنگہ نیست، من از ذوق سفر آنگونہ مستم، کہ منزل پیش من جز سنگ رہ نیست، (پیام مشرق) جیسا کہ جناب حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں زندگی کے مقصد کے بارے زبان مت کھول یعنی

بیان کرنے کی کوشش نہ کرِ اس کی اداؤں پر تیری نظر نہیں یعنی تو اِس کے انداز کو نہیں سمجھتا۔ میں سفر کی لذت سے اتنا مست ہوں کہ میرے آگے منزل راستے کا پتھر ہے اور کچھ نہیں یعنی میں منزل کو سنگِ راہ سمجھتا ہوں۔ میں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو منزل کو منزل نہیں سمجھتا اور ایک نئی منزل کے لیے رواں دواں ہو جاتا ہوں۔ زندگی سکون وثبات کا نام نہیں حرکت و عمل کا نام ہے۔ جناب اقبالؒ کی سوچ کا و یہ ادراک تھا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کیسے ختم کی جا سکتی ہے۔ اِس مقصد کے لیے انھوں نے مردِ مومن کو یہ سبق دیا ہے کہ جس کو تو منزل سمجھ رہا ہے یہ تو پڑاؤ ہے منزل نہیں ہے یہ حیات سکوت کا نام نہیں، یہ زندگی تو حرکت کا نام ہے اِسی لیے علامہؒ اپنے مقصد سے اتنی لگن رکھتے ہیں کہ وہ ستارون سے آگے جہاں اور بھی ہے کا پیغام دیتے ہیں۔ اقبالؒ کے ہاں مایوسی کا دور دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں اقبال بندۂ مومن کو عقلی تقاضوں سے بہت آگے عشق کے میدان میں لے جاتے ہین وہ کہتے ہیں کہ عشق ہی تمھاری منزل ہے۔ حتیٰ کہ جنابِ اقبالؒ یہاں تک پکار اُٹھے ہیں کہ وہ انسان کو یہ بتلاتے ہیں کہ کیونکہ تیرے اندر عشق کی وجہ سے سوز و گداز ہے اِس لیے فرشتے آسمانوں کے باسی ہونے کے باوجود انسان کی قسمت پر رشک کر رہے ہیں۔ اقبالؒ کے خیالات یہ ہیں کہ وہ عمل پر زور دیتے ہیں وہ گفتار کے غازی کی بجائے کردار کے غازی بننے کی تلقین کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی فرماتے ہین کہ اگر تم نے دُنیا میں عزت واحترام سے رہنا ہے تو پھر جنابِ

حضرت امام حسینؓ کی طرح جہاد کرو اور ہمیشہ سچ کا ساتھ دو۔ قوموں کی زندگی میں لیڈرشپ کا بہت اہم کردار ہوا کرتا ہے۔ جس قوم میں اعلیٰ قومی قیادت موجود ہو اُس قوم کو ہر طرح کے خطرات سے نبرد آزما ہونے کی ہمت مل جاتی ہے۔ گویا قومی سطح پر قیادت ہی پوری قوم کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہوتی ہے ہر کس و ناکس کی رائے کا احترام کرنا بھی درحقیت لیڈرشپ کا کمال ہوتا ہے۔ حافظ محمد مشتاق بطور قائد انجمن طلبہء اسلام بہت ہی فعال رہے اور عشق رسول ﷺ کے مشن کے فروغ کے لیے گلی گلی قریہ قریہ گھومے۔ انتہائی سادہ منش انسان، نہ کوئی لالچ اور نہ کو ظاہری شان و شوکت۔ آج ہمارا دوست حافظ محمد مشتاقؒ ہم نہیں لیکن وہ ہم سے جدا بھی نہیں۔ رہنماء کبھی اپنے ساتھیوں سے جدا نہیں ہوتے۔ اللہ پاک حافظ صاحبؒ کی منزلیں آسان فرمائے اور اُنھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ حافظ محمد مشتاقؒ کی وفات پر حافظ زاہد رازی، حکیم غلام مرتضیٰ مجاہد، معین الحق علوی، تنویر چوہدری، منیر چوہدری، ذیشان راجپوت، امانت زیب، پیرزادہ بدر ظہورر چشتی، عامر اسماعیل مسعود سیالوی، حسن علی ٹیپو، حافظ الیاس، ناصر قادری، سید راشدؒ گیلانی اور دیگر دوست اکھٹے تھے تو حافط صاحبؒ کی زندہ دلی کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اللہ پاک حافظ صاحبؒ کا نیا سفر آسان کرئے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے عظیم نجات دہندہ

حضرت قائدِ اعظمؒ کی ولولہ انگیز قیادت نے وہ عظیم کارنامہ سرانجام دے جو تاریخ کا یک روشن باب ہے۔ جس پاکستان کو اور مسلمانوں کو ہندو آج تک تسلیم نہیں کر سکے اُس پاکستان کا قیام عمل لانے میں عظیم محمد علی جناح کا بھرپور کردار ہے۔ ہندوں کی تنگ نظری اور عیاری اور انگریزوں کی جانب سے ہندووں کی مکمل عیالداری نے برصغیر میں مسلمانوں کے لیے علحیدہ مملکت کے لیے راہ ہموار کی۔ قائدِ اعظمؒ نے اپنی زندگی کو پاکستان کے لیے وقف کیے رکھا۔ قائدِ اعظمؒ نے اپنے ایک ولولہ انگیز خطاب جو کہ اُردو زبان میں تھا اُس میں ارشاد فرمایا کہ مسلمان مصیبت میں گھبرایا نہیں کرتے۔ اُنھوں نے فرمایا تھا کہ پاکستان کو حاصل کرنے کے لیے ہم نے بہت زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ لیکن اِس ملک کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں اور زیادہ قربانیاں دینی ہوں گی۔ اِس تقریر میں قائدِ اعظمؒ نے مسلمانوں کو نئے عزم اور حوصلے کی تاکید کی۔ قائدِ اعظمؒ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے فرمایا اُنھوں نے جو الفاظ کہے وہ آپ کے معالج کی ڈائری میں درج ہیں کہ پاکستان کا قیام نبی پاک ﷺ کی روحانی طاقت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ لفظ پاکستان اور اسلام، الفاظ نظریہ پاکستان اور نظریہ اسلام اس طرح ایک دوسرے کے ہم مترادف ہیں کہ شائد اُردو زبان اُسکی وسعتوں کا احاطہ کرنے میں اتنی ہی آسانی

محسوس کرتی ہے جتنی آسانی سے محبت اور پیار کے الفاظ بولے جانے کے لائق ہوں۔ انسانی جبلت میں پیار اور محبت رچا بسا ہے۔ نام نہاد دانشور اپنے غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر پاکستان کے خلاف زبان درازی کرکے اور پاکستان کی تخلیق کو انگریز کی سازش گردان کر درحقیقت ابلیس کی پیروی کا فریضہ ادا کرنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں۔ حضرتِ قائدِاعظمؒ، حضرتِ علامہ اقبالؒ، مجدد دین وملت حضرتِ مولانا امام احمد رضاء خانؒ، پیر جماعت علیشاہ، حضرت مولانا فضل خیر حق آبادیؒ، مولانا شبیر عثمانیؒ جیسے عاشقانِ توحید و سنت کے عظیم علمبرداروں کی مساعی جمیلہ سے کفرستانِ ہندوستان میں نبی پاک ﷺ کے حکم سے بننے والی یہ پاک سرزمین جو 27 رمضان المبارک کی شب کی پُرنور ساعتوں میں وجود میں آئی ہو اُسکی حفاظت تو رب پاک خود کرتا ہے۔ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان، ایک مخصوص نظرئے کی بنیاد پر معرض وجوڈ میں آیا تھا اور وہ نظر? تھا، نظریہ پاکستان۔۔۔برصغیر میں دو قومی نظرئے کی کوکھ سے اُبھرنے والا نظریہ دراصل اپنے تمام معانی، مصادر منابع کے نقطہ نظر سے نظرسے قرآن اور نظریہ اسلام ہے۔ کیونکہ تحریک پاکستان کے مراحل کے دوران اسلامیان ہند نے جو نظریاتی نعرہ بلند کیا تھا وہ تھا پاکستان کا مطلب کیا لاالہٰ الااللہ۔ پاکستان عالیشان کا وجود باسعود، ایک مرد قلندر، مرد حریت اور مرد ایمان اور مرد امتحان، حضرت قائدِاعظمؒ، کی محنت شاقہ کی بدولت ہوا۔ حضرت علامہ اقبالؒ کی روحانی اور ایمانی الہامی شعری کاوشوں نے اپنا

رنگ دکھایا اور انہوں نے برصغیر کی غلامی میں پھنسی ہوئی مسلمان قوم کو احساس تفاخر و خودی کی بیداری کا پیغام دے کر انہیں آزادی کی اوج ثریا تک پہنچانے کیلئے اپنا خون جگر عطا کیا۔ علم و عقل میں اگر تضاد اور تصادم رہے گا تو ظاہر ہے کہ اس بنی نوع انسان میں انتشار اور تخریب کا باعث بنے گا، اور بالآخر قومی زوال کا پیش خیمہ۔ خدائے بزرگ و برتر نے اُن افراد کو یہ اعزاز عطا فرمادیا۔ جنھیں دائرہ اسلام نے اسلام میں داخل ہونے کا شرف نصیب ہوا، وہ افراد دنیائے انسانیت کے خوش قسمت ترین انسان ہیں جنہیں حضور اکرم ﷺ کے یک امتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دین اسلام نے مسلمانوں کے قلوب و ارواح میں جس فلسفہ توحید کو موجزن اور مرتسم کیا ہے، اُس سے ان میں فکری وحدت، تہذیبی ہم آہنگی، دینی حریت ور نسانی سطح پر احساس تفاخر کی تخلیق ہوئی۔ جب قلوب و اذہان میں تصور توحید جلوہ گر نہ ہو انسان کی شخصیت میں وحدت پیدا نہیں ہو سکتی، ظاہر ہے کہ مسلمان ایک باری تعالیٰ جو وحدہ لاشریک ہے اس پر پختہ ایمان و ایقان رکھے گا، تو جب ہی اپنے ندر بھی وحدت پیدا کرے گا۔ اس تمام فلسفہ حیات کا منبع، ماخذ، روح، اساس، سرچشمہ اور بنیاد قرآن الحکیم ہے۔ اس نظرئے کو قرآن کی تعلیمات اور حکام کے پیش نظر مجدد الف ثانیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ اور دوسرے اولیائے کرام اور مجتہدین قابل صد احترام نے اسی نظرئے کو اپنے خون جگر سے سینچا اور روحانی کمالات سے اس عظیم عمارت کی بنیادوں کو استحکام سے ہمکنار بھی فرمایا۔ انہی بابرکت اور روحانی شخصیات

کی تعلیمات مقدسہ نے حضرت علامہ اقبالؒ اور حضرت قائد اعظمؒ کے افکار ملہ اور قومی نظریات، دینی، اسلامی، قومی امنگوں کا رنگ بھر دیا تھا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اسلامیان ہند کو پیغام خودی دیا۔ انہیں انتشار ونکبت سے جگایا اوایک قوم کی شکل میں متشکل کر دیا۔ حضرت قائد اعظمؒ نے اسلامیان ہند کو اپنی تقاریر، خطابات، اور علمی اور قانونی نظریات وارشادات کی روشنی میں انگریزوں اور ہندوؤں کی استعمار پسندانہ اور تشدد آمیز رویوں سے آگاہ کرتے رہے اور انہیں اپنی اسلامی اقدار و روایات اور تاریخ کی روشنی میں تیار رہنے کی ہدایت کرتے رہے۔ حضرت قائد اعظمؒ نے اسلامیان ہند کے قلوب واذہان میں آزادی کی جو لو لگائی وہ الاؤ بن کر سامنے آئی اور پاکستان دنیائے انسانیت کے نقشے پر بڑی شان وشوکت کے ساتھ ظہور پزیر ہوا۔ قرآن حکیم نے استفسار فرمایا: خدا تعالیٰ نے تم سب کو تخلیق فرمایا' پھر تم میں سے ایک گروہ نے بلند و بالا اور عالمگیر انسانیت سے انکا کردیا' اور دوسرے گروہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ ((64 /2 یہی وہ انسانیت کی تفریق اور امتیاز کا معیار ہے جو قرآن حکیم انسانوں کے لیے پیش کرتا ہے۔ اسی کے مطابق دو اقوام واضح ہوتی ہیں ایک دوسری غیر مسلم۔ ایک مومن اور دوسری کافر یہی وہ فلسفہ فکر نظر تھا کہ حضرت نوحؑ اپنے سے الگ ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے علیحدہ ہو گئے۔ کیونکہ دونوں کی حقیقی کیفیت میں نظریہ حیات مبنی بروحی سے ہم رنگ اور ہم آہنگ نہ تھا قرآن کے حوالے سے حضرت ابراہیمؑ کو کہنا

پڑا۔ (یعنی تم میں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کے لیے کھلی عداوت اور نفرت رہے گی۔)
چنانچہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اسلامی ریاست وحکومت میں شامل نہ گیا۔ حضور پاک ﷺ کی مجلس شوریٰ میں کبھی کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ علیم اجمعین کی مجلس شوریٰ اور پارلیمان میں کوئی غیر مسلم کا داخل نہ تھا۔ بلکہ کافر یا غیر مسلم، ملت اسلامیہ کا فرد ہی نہیں تھا لہٰذا اسلام اور قرآن کے نزول کے ساتھ ہی بنی انسان دو مختلف نظریات اور حتمی طبقات میں تقسیم ہو گئے۔ ایک نظریہ ایمان نہ لانے والوں کا۔ چنانچہ اولاد آدم دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی شرار بولہبی ایک جانب اور چراغ مصطفی ﷺ دوسری جانب، اس نظریے نے خون اور حسب و نسب کی نفی نھی کردی۔ برادری، قبیلے اور ذات پات کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ اس کی بہترین مثال جنگ بدر اور جنگ اُحد ہے جس میں نبی الزماں حضور اکرم ﷺ دوسرے صحابہ کرام کے قریبی رشتہ دار دشمن کے صف میں براجماں تھے، چنانچہ قرآن نے کافروں اور منافقین کے ضمن میں ملت اسلامیہ کو بڑی سختی سے متبنہ کیا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے نظر؟ پاکستان کا آغاز، تشکیل، اور تراویح برصغیر میں اس وقت ہوئی جب مسلمانوں کو انتشار و افتراق اور زوال و انحطاط کا سامنا کرنا پڑا اور ہندوں کی اصل فطرت کے شاہکاروں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مظالم کا گھناونی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بالخصوص 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد کی بڑی دلدوز داستان ہے، جسے غربی اور شرقی مفکرین و مصنفین نے خوب بیان کیا ہے یہ اپنے طور پر ایک طویل

ولیم ہنٹر کی india wins freedom داستان ہے۔ مولانا ابولکلام آزاد کی کتاب عبدالوحید خان کی کتاب تقسیم ''ہند'' اور ان کی indian mussalmans کتاب 5 دوسری کتاب ''مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ'' کالنز اور لاپیئر کی کتاب Dimension of اور پروفیسر منور مرزا کی کتاب 'freedom at midnight\' \ اور دیوار ''برہمن'' کا مطالعہ کرلیں۔ ان شنکروں، دیالوں، بگوپالوں، Movement مہاجروں، ساہنیوں، دھوتی پرشادوں، چٹیا گھنٹانوں، ایڈانیوں، ملکانیوں، مشراوں، بال ٹھاکروں، من موہنوں اور بڑے بڑے مہاپرشوں نے اسلام، پاکستان، نظریہ پاکستان دو قومی نظریہ اور مسلمان دشمنی میں کسر اٹھا رکھی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ ہمارے سابق مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے غدار سیاستدانوں نے ہماری تاریخ اسلام کو مسخ کرکے دیا۔ جو ایمانی اور ایقانی روح سے محروم تھے۔ جو قرآنی جرات واستقامت سے سرمایہ دارانہ تھے۔ ہمارے جسم کا اسیک بازوکٹ گیا چنانچہ اندر گاندھی نے زور خطابت کے نشے میں یہ کہا ''آج ہم نے دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے، ہم نے ایک ہزار سال کا بدلہ لے لیا ہے۔ لیکن ہم نے اندرا گاندھی اور ان کے مخلص چیلوں چانٹوں اور حواریوں اور ان کے حاشیہ برداروں کو اسی وقت باور کرارہے ہیں اور کراتے رہیں گے کہ جب تک ایک مسلمان بچہ بھی برصغیر پاک و ہند میں زندہ ہے اسلام اور کفر کی جنگ جاری رہے گی، اسلام کا جھنڈا موجود رہے گا، اس جذبہ محرکہ کو جس تصور، خیال، اصول، جابطے یا نقطہ نظر نے تخلیق

Iddeology of pakistan کیا اسے نظر؟ پاکستان کا نام دیا گیا۔ جسے انگریزی میں کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت قائد اعظم 1944ء میں مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی۔ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کی وجہ نہ ہندوں کی تنگ نظری ہے۔ نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔ اور یہی دراصل مطالبہ نظریہ پاکستان کی ترجمانی کرتا ہے۔ مسلہ یہ ہے کہ تکلیف صرف اسلام سے ہے کیونکہ کسی غیر مسلم کے اسلام قبول کر لینے کے بعد جس طرح اس کے زمین و آسمان بدل جاتے ہیں وہ عجیب کیفیت ہے، اس کے خیالات و تصورات اس کے جذبات و احساسات اور انسانیت کے جملہ تمام اطوار یکدم وحدہ لاشریک کی ذات اقدس سے جڑ جاتے ہیں اور پھر اس کا رخ ممبء کلکتہ اجودھیا دہلی اور بجنور سے مکہ اور مدینہ کی طرف ہو جاتا ہے اس روحانی اور دینی تبدیلی کی مسٹر گاندھی کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔ ان سے پہلے ہو گزرے مہاپرشوں کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی، ان مہا گرووں کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی، اور نہ ہی آسکتی تھی اور اب یہ کیفیت کا فرما ہے مسٹر گاندھی عجیب مکاریت وفریب کاری کے انداز گفتگو میں کہا کرتے تھے کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ایک سیدھا سادھا سا ہندو جب مسلمان ہو جاتا ہے تو دنگی، فسادی اور لڑاکا ہو جاتا ہے۔ دنگئی تو وہ ہو جائے گا جب اسے اپنے نظریے کی پاسبانی کرنا پڑے گی۔ دنگئی تو وہ ہو جائے

گا، جب ناموس رسالت ﷺ پر خدانخواستہ حرف آئے گا۔ دنگئی تو لازمی ہو گا کہ جب وہ وحدہ لاشریک کی شان میں کوئی غیر قوم کافرد گستاخی کا مرتکب ہوگا۔ قرآن پاک پر رکیک حملوں کا جواب تو پھر وہ پنی جان پر کھیل کر دے گا اور شہادت کے مقام اولی کو مسکراتے ہوئے حاصل کرنا قاپنا دینی اور اسلامی فریضہ سمجھے گا۔ یہی وہ جذبہ اسلام ہے، یہی وہ قرآنی برکت ہے یہی وہ دو قومی نظریے کی بنیاد ہے۔ یہی دو قومی نظریہ اپنی روحانی معنویت اور اسلامی قومی نظریات و تصور کی شکل میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے نظریہ پاکستان کی شکل میں نمودار ہوا۔ پاکستان کی تخلیق میں لاکھوں اسلامیان ہند نے شہادتوں کا خون عطا کیا لاکھوں مسلمان عورتوں اور بچوں نے قربانیاں دیں، پاکستان کو انگریزوں اور ہندوں نے آسانی سے قبول نہیں کیا تھا۔ پاکستان انگریز نے طشتری میں رکھ کر پیش نہیں کیا تھا۔ تقسیم ہند نہ انگریزی بادشاہت کو پسند نہ تھی، نہ برطانوی پارلیمنٹ، نہ برطانوی حکومت ہند، نہ وائسرائے صاحبان، نہ انڈین نیشنل کانگریس، نہ مسٹر گاندھی، نہرو پٹیل اور راجگو پال اچاریہ وغیرہ، لارڈ مونٹ بیٹن جو آخری وائسرائے ہند تھا۔ اسے تقسیم ہند سے ویسے ہی چڑ تھی۔ جمیعت العلمائے ہند کی اکثریت مخالف چند اور اسلام پسند گروہ بھی قائداعظمؒ پر رکیک حملوں سے باز نہ آرہے تھے۔ اکثر مسلمان اکابرین جو کانگریس کے متاثرین میں سے تھے یہ تقسیم پسند نہیں فرما رہے تھے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی خاص طور پر شامل تھے۔ یہ

حضرت قائد اعظمؒ کی سیاسی صداقت اور ولولہ انگیز قیادت اور مومنانہ شان و شوکت کا اعجاز تھا کہ بڑے۔بڑے۔برج گرتے چلے گئے۔بڑے۔بڑے طوفان اپنی اپنی راہ لیتے رہے بڑے۔بڑے پہاڑ چکنا چور ہو جاتے رہے۔ اور وہ سرحدیں قیام پزیر ہوئیں جنھوں نے معرکہ بدر و حنین کی یاد د تازہ کردی۔ یہ سرحدیں کچے دھاگے کی سرحدیں نہیں یہ اینٹوں گارے، سیمنٹ اور ماربل کی بنائی ہوئی دیوار نہیں ''لاالٰہ الااللہ محمد الرسول اللہ'' کے اسلامی اور قرآنی نظریے اور ایمان پر قائم کردہ دیواریں ہیں۔ جو قیامت تک قائم رہیں گی۔ پاکستان اُس وقت تک نامکمل ہے جب تک کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں بن جاتا۔ جغرافیائی ، سماجی، مذہبی عمرانی طور پر پاکستان کا حصہ ہے۔ ہندووں کو بہت تکلیف تھی کہ بھارت ٹکرئے ٹکرئے کیوں ہوا۔اس لیے جناب محمد علی جناح کو ہندووں نے انگریزوں کا یجنٹ کہا آپؒ کی کردار کشی کی لیکن اُن کو منہ کی کھانا پڑی۔ اللہ پاک حضرت قائد اعظمؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ پاکستان زندہ آباد قائد اعظم زندہ آباد

نابغہ روزگار ہستی عظیم عاشق رسول ﷺ حضرت علامہ احمد علی قصوری

نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے وائین ہال میں علامہ احمد علی قصوریؒ کی یاد میں تعزیتی ریفرنس انعقادپذیر تھا۔ نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے چیئرمین سابق صدر مملکت جناب جسٹس (ر) فیق احمد تارڑ کری صدارت پہ تشریف فرماء تھے۔ اُن کے دائیں ہاتھ ممتاز ماہر تعلیم نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے وائس چیئرمین ڈاکٹر پروفیسر رفیق احمد صاحب تشریف رکھتے تھے۔طاہر رضا بخاری ڈائریکٹر جنرل محکمہ اوقاف پنجاب بھی ساتھ والی نشست پر متمکن تھے۔ جناب ضیاء الحق نقشبندی اور جناب علامہ جاوید نوری، علامہ احمد علی قصوری کے بیٹے اسامہ قصوری علامہ صاحبؒ کے تایازاد جناب پروفیسر عرفان، حرمت رسول مومنٹ کے ترجمان علی عمران شاہین اور دیگر مہمان تشریف فرماء تھے۔ جناب شاہد رشید صاحب اِس تعزیتی ریفرنس میں نظامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔مجھ ناچیز کے حصہ میں بھی یہ سعادت آئی کہ مجھے بھی حضرت علامہ احمد علی قصوریؒ کی زندگی کے حوالے سے کچھ کہنے کا موقع ملا۔ محکمہ اوقاف کے ڈائریکٹر جنرل طاہر رضا بخاری نے اپنے خطاب میں علامہ احمد علی قصوریؒ کی حضرت اقبالؒ کے ساتھ محبت اور اقبالؒ شناسی کے حوالے سے تذکرہ کرتے ہوئے اُنھیں شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔طاہر رضا بخاری کا کہنا تھا کہ علامہ صاحبؒ ایک عظیم عاشق رسول ﷺ اور پاکستان سے محبت کرنے

والے تھے۔پروفیسر عرفان نے اپنے خطاب میں کہا کہ علامہ صاحبؒ میرے تایازاد بھائی تھے اور میرے لیے اُن کی شفقت باپ کی طرح تھی۔پروفیسر عرفان نے مزید کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ میں پھر سے یتیم ہوگیا ہوں۔علامہ صاحبؒ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے جناب شاہد رشید نے اُنھیں عظیم بیباک رہنماء قرار دیا۔ شاہد رشید کا کہنا تھا کہ علامہ صاحبؒ جیسی شخصیت وطن عزیز کے لیے عظیم نعمت تھی اور اُنھوں نے ہمیشہ حق و صداقت کے لیے قربانی دی۔ تعزیتی ریفرنس سے خطاب کرتے ہوئے نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے وائس چیئرمین سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی ممتاز ماہر معاشیات ڈاکٹر رفیق احمد نے علامہ احمد علی قصوریؒ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ڈاکٹر رفیق احمد کا کہنا تھا کہ جناب علامہ صاحبؒ نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے پروگراموں میں باقاعدگی سے تشریف لاتے اور جب بھی کسی مجلس میں کسی نکتہ پر اعتراض ہوتا تو بہادری سے اور دلائل سے اپنا موقف بیان کرتے یوں ہمیں بعد میں اندازہ ہوتا کہ علامہ صاحبؒ کا استدلال درست تھا۔ ڈاکٹر رفیق احمد نے مزید کہا کہ احمد علی قصوری صاحبؒ کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ اُنھوں نے رزق حلال کھایا اور اِسی سے اپنی اولاد کی پرورش کی۔وہ مسجد میں امامت بھی فرماتے اور خطابت بھی کرتے تھے لیکن اُنھوں نے اِس کام کو اپنے روزگار کا ذریعہ نہیں بنایا۔ راقم صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے اپنے خطاب میں کہا کہ حضرت علامہ اقبالؒ کے حوالے سے جناب علامہ احمد علی قصوریؒ صاحب کی محبت ہم

جیسوں کے لیے تقویت کا باعث تھی۔ اشرف عاصمی کا کہنا تھا کہ میری علامہ صاحب سے شناسائی کا تعلق اُس وقت سے ہے جب میں انجمن طلبہ ء اسلام کے ساتھ منسلک تھا اور طالب علم تھا یوں روحانی تعلق تین عشروں پہ محیط ہے۔ اشرف عاصمی کا کہنا تھا کہ میری آخری ملاقات جناب علامہ قصوریؒ سے لاہور ہائی کورٹ میں اُس وقت ہوئی جب وہ غازی ممتاز قادری شہیدؒ کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف آئے۔ اُن کے ساتھ جناب جسٹس (ر) خواجہ شریف بھی موجود تھے۔ علی عمران شاہین تحریک حرمت رسولؐ اور تحریک آزادیِ کشمیر کے رہنماء نے کہا کہ علامہ صاحبؒ اتحاد اُمت کے بہت بڑی داعی تھے اور جب بھی اُن سے کسی پروگرام میں آنے استدعا کرتے تو وہ بخوشی تشریف لاتے۔ تعزیتی ریفرنس کے آخر میں نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے چیئرمین سابق صدر مملکت پاکستان جناب رفیق احمد تارڑ نے جناب علامہ قصوریؒ کو عظیم عاشق رسول قرار دیا۔ رفیق تارڑ کا کہنا تھا کہ مرحوم اکثر میرے ہاں تشریف لاتے اور شعر و سخن کی محفلیں بپا ہوتیں۔ رفیق تارڑ نے کہا کہ علامہ صاحب بہادر اور بے باک انسان تھے۔ وہ کسی سے ڈرنے والے نہیں تھے۔ اِس موقع پر حضرت علامہ احمد علی قصوریؒ کی آڈیو تقریر کا اقتباس بھی حاضرین کو سُنایا گیا جس میں علامہ صاحب سات ستمبر کے حوالے سے نوجوانوں سے مخاطب تھے اور 1965 کی جنگ کا احوال بتا رہے تھے۔ ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے ہمارے عظیم رہنماء بزرگ احمد علی قصوریؒ اپنے رب کے حضور پیش ہو گئے ہیں۔ پاکستان اسلام اور نبی پاک ﷺ سے عشق کرنے

والی ہستی ہمارے لیے مینارۂ نور ہیں ۔علامہ احمد علی قصوریؒ نامور عالم دین تھے، وہ نہایت جرات مند، حق گو، نہ بکنے والے نہ جھکنے والے تھے۔ گزشتہ کم و بیش نصف صدی سے لاہور کی دینی اور سیاسی سرگرمیوں میں شریک رہے۔ انھوں نے بھٹو کے ابتدائی دور میں ''بنگلہ دیش نامنظور تحریک'' میں حصہ لیا، بھٹو سرکار کے ڈنڈے بھی کھائے اور جیل بھی کاٹی۔ ان کی دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا آغاز 1962ء سے ہوا جب علامہ قاضی عبدالنبی کوکب کی زیر قیادت .برکت علی اسلامیہ ہال باغ بیرون موچی دروازہ میں پہلے یوم رضا کا جلسہ منعقد ہوا۔ علامہ قاضی عبدالنبی کوکب اور علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی کے ساتھ وہ ضلع لاہور کی جمعیت علماء پاکستان کیلئے کام کرتے رہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں جب خواجہ محمد رفیق شہید ہوئے تو انکے جنازے کے جلوس میں علامہ عبدالستار خان نیازی اور دیگر زعما کے شانہ بشانہ علامہ احمد علی قصوری نے شرکت کی۔ علامہ قصوری نے علامہ شاہ احمد نورانی اور علامہ عبدالستار خان نیازی کی زیر قیادت تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ اور تحریک تحفظ ختم نبوت میں حصہ لیا۔ 1977ء کے جنرل الیکشن میں ہونے والی دھاندلی کے خلاف 9 ستاروں (9 جماعتوں کے اتحاد) کی احتجاجی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 30 مارچ کو لاہور میں لوہاری گیٹ کے باہر مسلم مسجد کے سامنے جمعیت علماء پاکستان کے زیر اہتمام ایک احتجاجی ریلی کا اہتمام کیا گیا اس کی قیادت علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی اور علامہ احمد علی قصوری نے کی۔ شروع میں ہی کچھ لوگوں

کی گرفتاریاں کرکے جلوس کے شرکاء پر تشدد کیا گیا۔ پولیس فورس جوتوں سمیت مسلم مسجد میں داخل ہو گئی۔ مسجد میں وضو کے حوض اور سیڑھیوں میں نوچی گئی داڑھیوں کے بال اور خون کے چھینٹے پھیلے ہوئے تھے۔ اس روز گولی بھی چلی تھی اور خبر یہ تھی کہ کم از کم دس لوگ شہید ہوئے۔ اس سے قبل ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں شاد باغ، وسن پورہ، مصری شاہ، فیض باغ وغیرہ کے قومی حلقہ میں ہونے والے ضمنی الیکشن میں جمعیت علماء پاکستان کی مرکزی قیادت علامہ شاہ احمد نورانی اور علامہ عبدالستار خان نیازی نے علامہ احمد علی قصوری کو جمعیت کی طرف سے امیدوار نامزد کیا اور شاد باغ کی گول گراؤنڈ میں انتخابی جلسہ میں علامہ شاہ احمد نورانی اور علامہ عبدالستار خاں نیازی نے خطاب کیا۔ جب یورپ کے بعض بدبخت اخبار مالکان نے متنازع خاکے شائع کئے تو پاکستان بھر میں اس کے خلاف احتجاجی جلسے اور ریلیاں نکالی گئیں۔ لاہور میں مزار حضرت داتا گنج بخش پر ایک تاریخی احتجاجی ریلی نکالی گئی۔ علامہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی، علامہ احمد علی قصوری، حزب الاحناف سے صاحبزادہ غلام مصطفٰے اور انجینئر سلیم اللہ نے قیادت کی یہ لاہور کی تاریخ میں سب سے بڑی ریلی تھی جو ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے دور حکومت میں نکالی گئی۔ اس ریلی میں سارا لاہور امڈ کر سڑکوں پر آگیا تھا۔ قائدین کا ٹرک ابھی مزار داتا گنج بخش سے گول باغ (ناصر باغ) تک بھی نہیں پہنچ سکا تھا کہ لوگوں کا جم غفیر چوک جی پی او سے چوک اسمبلی ہال تک پہنچ چکا تھا۔ اس دوران روایتی انداز میں ہونے والی

شر پسند عناصر کی کارروائی بھی شروع ہو چکی تھی چوک ریگل کے آس پاس کئی عمارتوں کو آگ لگا دی گئی، لاتعداد موٹر سائیکلیں اور کاریں بھی تباہ ہو گئیں۔ اس ریلی پر اسلام آباد میں بیٹھا ہوا ڈکٹیٹر جنرل پرویز مشرف سخت سیخ پا ہوا۔ وہ یقین ہی نہیں کر رہا تھا کہ اس کے آہنی پنجہ کی حکومت کے ہوتے ہوئے عوام کی اتنی بڑی تعداد سڑکوں پر کیسے نکل آئی۔ اس نے صوبائی حکومت کو سب ذمہ داران کے خلاف سخت ایکشن لینے کا حکم دیا۔ احتمال تھا کہ حکومت قائدین کو غیر قانونی طریقے سے نقصان پہنچانے کی کوشش کریگی اس لئے ریلی کے تمام قائدین کچھ روز کیلئے "روپوش ہو گئے۔ ان میں علامہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی، علامہ احمد علی قصوری، علامہ رضائے مصطفیٰ، صاحبزادہ غلام مصطفیٰ (حزب الاحناف) اور انجینئر سلیم اللہ بھی شامل تھے۔ چند ہفتوں کے بعد تمام قائدین گرفتار کر لئے گئے تاہم علامہ قصوری کو مسجد میں داخل ہو کر گرفتار کرنے کا حوصلہ پولیس نے نہ کیا تاہم علامہ قصوری سمیت سب رہنماؤں پر مختلف تھانوں میں مقدمات درج کرائے گئے جن میں فساد کرنے، املاک کو نقصان پہنچانے اور آگ لگانے کے الزامات لگائے گئے۔ علامہ قصوری صاحب 2015ء تک ان مقدمات میں پیش ہوتے رہے۔ راقم خود پیر طاہر علاء الدینؒ کے صاحبزادگان کے اغوا کے احتجاج پر جو بہت بڑی ریلی 1988 میں نکالی گئی اُس میں شریک تھا۔ مجھے یاد ہے جناب قصوری صاحبؒ نعرہ لگوا رہا تھے وہ کون تھے جن پر ظلم ہوا غوث جلیؒ کے شہزادے۔ علامہ احمد علی قصوریؒ عاشقان رسول ﷺ، اقبالؒ پاکستان اور قائدا

عظمؒ سے محبت کرنے والی ایک عظیم ہستی تھے۔ اللہ پاک اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)

سائبر کرائمز/الیکٹرانک کرائمز ایکٹ 2016 کی حقیقت

سائبر کرائم بل کیا ہے؟انسداد الیکٹرانک کرائم بل میں کمپیوٹر اورانٹرنیٹ کے ذریعے کیے جانے والے جرائم کی روک تھام پر سزاؤں کا تعین کیا گیا، جس کے مطابق پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) اسلامی اقدار، قومی تشخص، ملکی سیکیورٹی اور دفاع کے خلاف مواد بند کرنے کی پابند ہوگی۔سائبر کرائم کی ایک عام تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہر ایسی سرگرمی جس میں کمپیوٹرز یا نیٹ ورکس کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے کسی کو ہدف بنایا جائے یا مجرمانہ سرگرمیاں کی جائیں یا انہیں مخصوص فریقین کی جانب سے خلاف قانون سمجھا جائے۔عام فہم انداز میں بات کی جائے تو مختلف سطحوں پر سائبر کرائمز میں لوگوں کی پرائیویسی کی خلاف ورزی، ہیکنگ، سوشل نیٹ ورکس میں استحصال، معلومات انفراسٹرکچر پر سائبر حملے، سائبر دہشتگردی، مجرمانہ رسائی، فحش پیغامات، ای میلز، دھمکی آمیز پیغامات وای میلز، ڈیٹا تک غیر قانونی رسائی وغیرہ شامل ہیں۔پاکستان میں سائبر کرائمز کی روک تھام کے حوالے سے الیکٹرونک ٹرانزیکشن آرڈیننس 2002 اور پاکستانی ٹیلی کمیونیکشن ری آرگنائزیشن ایکٹ 1996 جیسے قوانین نافذ ہیں، جبکہ 2009 میں پریوینٹیشن آف الیکٹرونک کرائمز آرڈیننس بھی سامنا آیا مگر یہ ابھی تک فعال نہیں ہوسکے ہیں۔ان قوانین کے تحت ہیکنگ، غیر

قانونی رسائی (کسی ای میل اکاونٹ کی ہیکنگ)، مداخلت، پرائیویسی کی خلاف ورزی، الیکٹرونک و ٹیلی کام انفراسٹرکچر کو نقصان پہنچانے اور گرے ٹریفک سمیت دیگر کو اہم جرائم قرار دیا گیا ہے، تاہم ان میں کئی اہم سائبر کرائمز کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ بل کے متن کے مطابق سائبر کرائم کی تحقیقات کے لیے ہائیکورٹ کی مشاورت سے عدالت قائم کی جائے گی۔ عدالت کی اجازت کے بغیر سائبر کرائم کی تحقیقات نہیں ہو سکیں گی۔ سائبر دہشت گردی پر 14 سال قید اور 5 کروڑ روپے جرمانہ ہوگا۔ نفرت انگیز تقریر، فرقہ واریت پھیلانے اور مذہبی منافرت پر 7 سال سزا ہوگی۔ دھوکہ دہی پر 3 سال قید اور 5 لاکھ روپے جرمانہ ہوگا۔ بچوں کی غیر اخلاقی تصاویر شائع کرنے یا اپ لوڈ کرنے پر 7 سال قید اور 5 لاکھ روپے جرمانہ ہوگا۔ انٹرنیٹ کے ذریعے دہشت گردوں کی فنڈنگ کرنے پر 7 سال سزا ہوگی۔ انٹرنیٹ ڈیٹا کے غلط استعمال پر 3 سال قید اور 10 لاکھ روپے جرمانہ ہوگا۔ موبائل فون کی ٹیمپرنگ پر 3 سال قید اور 10 لاکھ روپے جرمانہ ہوگا۔ موبائل فون سموں کی غیر قانونی فروخت پر 5 سال قید اور 5 لاکھ روپے جرمانہ ہوگا۔ انٹرنیٹ مہیا کرنے والوں کا ڈیٹا عدالتی حکم کے بغیر شیئر نہیں کیا جائے گا۔ سائبر کرائم قانون کا اطلاق پاکستان سے باہر کسی بھی دوسرے ملک میں بیٹھ کر خلاف ورزی کے مرتکب افراد پر بھی ہوگا۔ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) کے لائسنس ہولڈر کے خلاف کاروائی پی ٹی اے قانون کے مطابق ہوگی۔ عالمی سطح پر معلومات کے تبادلے کے لیے عدالت سے اجازت لی جائے

گی اور دوسرے ممالک سے تعاون بھی طلب کیا جاسکے گا۔ سائبر کرائم قانون کا اطلاق پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر نہیں ہوگا۔ سینیٹ کمیٹی سے منظور ہونے والے مذکورہ بل کو اب سینیٹ میں پیش کیا جائے گا، جہاں سے منظوری کے بعد یہ باقاعدہ قانون کی شکل میں نافذ العمل ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ رواں برس 14 اپریل کو قومی اسمبلی نے الیکٹرانک کرائمز کی روک تھام کا بل 2015 منظور کیا تھا، تاہم بل کو قانونی شکل دینے کے لیے سینیٹ سے اس کی منظوری ضروری تھی۔ خیال رہے کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی (آئی ٹی) انڈسٹری اور سول سوسائٹی کی مخالفت اور اس پر تحفظات کو دور کیے بغیر بل کی منظوری دی گئی تھی۔ بل کے مخالفین کا کہنا تھا کہ مذکورہ قانون انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بے جا اختیارات دینے کے مترادف ہے۔ مذکورہ بل کا مسودہ آئی ٹی کی وزارت نے جون 2015 میں قومی اسمبلی میں پیش کیا تھا۔ تاہم اپوزیشن اراکین کی مخالفت اور آئی ٹی انڈسٹری کے تحفظات کو دور کرنے کے لیے اسے قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے انفارمیشن ٹیکنالوجی اینڈ ٹیلی کمیونیکیشن کو بھیج دیا گیا تھا۔ آئی ٹی انڈسٹری کے نمائندوں نے زور دیا تھا کہ مذکورہ بل ان کی تجارت کے لیے نقصان کا باعث ہے بل میں کہا گیا ہے سکیورٹی ایجنسیز کی مداخلت کی روک تھام کے حوالے سے بھی اقدامات کیے جائیں گے بل میں 21 جرائم کی وضاحت کی گئی ہے، جن پر پاکستان پینل کوڈ (پی پی سی) کی 30 دفعات لاگو ہو سکیں گی۔ بل کے مطابق متعلقہ حکام اس بل پر

عملدرآمد کے حوالے سے سال میں 2 مرتبہ پارلیمنٹ میں رپورٹ پیش کریں گے۔
اِس بل کے سیکشن تین کے مطابق کوئی بھی شخص اگر بدنیتی کی بناء پر کسی ایس انفارمیشن یا ڈیٹا کو حاصل کرتا ہے جسے حاصل کیے جانے کو اُسے اختیار نہ ہو تو اُسے تین ماہ قید یا پچاس ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ قانون کی طالب علم ہونے کے ناطے یہ بات بہت اچھی ہے کہ کسی کو تنگ کرنے کا سلسلہ تھم سکے گا۔ لیکن بات پھر وہی ہے کہ مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے من اپنا پُرانا پاپی ہے۔برسوں میں نمازی بن نہ سکا۔ مطلب یہ ہے کہ قانون تو پہلے بھی بہت سے ہیں اصل معاملہ تو عمل درآمد کروانے کا ہے۔ تحقیقات کے لیے عدالت کی اجازت کو ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔ عدالتوں کے اندر جو کیسوں کی بھر مار ہے اور جس طرح سے پراسیکیوشن کا عمل انتہائی سست ہے اِس سے کیا وہ مقاصد حاصل ہو سکیں گے جن کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہے۔ پھر تحقیقاتی ایجنسی کی جانب سے جو رکاوٹیں ہیں وہ کون دور کرئے گا۔ رشوت اور سفارش کا کلچر ہمارئے ہاں عام ہے اِن حالات میں کیا مثبت نتائج حاصل ہو سکیں گے۔ یہ بات درست ہے کہ کسی کی پگڑی اچھالنے والی حرکتوں کا تدارک کیا گیا ہے اور اِس کے ساتھ ساتھ مذہبی معاملات میں مداخلت کے حوالے سے بھی یہ بات خوش آئند ہے کہ ملک میں اِس طرح کے معاملات میں دخل اندازی کرنے والوں کو گرفت میں لایا جائے گا۔ ملک دُشمن عناصر اور نبی پاک ﷺ کی توہین اور اسلامی شعائر کا مذاق اُڑانے والے بھی اب بچ نہیں سکیں

گے۔اِس قانون کو کامیاب بنانے کے لیے افسر شاہی کے روایتی ہتھکنڈوں سے بچنا ہو گا اوراِس حوالے سے پہلے سے بدنام اداروں سے اِن جرائم کی تفتیش کروانے کی بجائے کوئی نئی فعال اور تازہ دم اور تربیت یافتہ ایجنسی کا انتظام کرنا ہوگا۔فیس بک ، ٹیوٹر وغیر پر بیٹھ کر جو ایک دوسرے کو گالیاں دینے کا سلسلہ ہے وہ یقینی طور پر رُکے گا۔عدم برداشت کے عمل میں بھی کچھ کمی آئے گی۔

بھارت کی افغانستان کے لیے ایک ارب ڈالر امداد اور بڑھکیں

جب سے سی پیک پاکستان میں جاری ہے اُس وقت سے بھارت امریکہ پاکستان کے خلاف دن رات کیے ہوئے ہیں۔امریکہ کے زیر اثر افغانی حکومت کو بھارت کی جھولی میں ڈال دیا گیا ہے اور جو کچھ اشرف غنی کے دورہ بھارت کے دوران کیا جارہا ہے یقینی طور پاکستانی حکمرانوں کو اِس معاملے کو زیادہ سیریس لینا چاہیے۔بھارت اور افغانستان کے درمیان مطلوب دہشت گردوں کے تبادلے کا معاہدہ طے پا گیا ہے، سول اور کمرشل شعبوں میں تعاون سمیت تین معاہدوں پر بھی دستخط کیے گئے ہیں۔ خطے میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے دہشت گردی کو فروغ دینے پر نریندر مودی اور اشرف غنی نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ نئی دہلی میں بھارتی وزیراعظم نریندر مودی سے افغان صدر اشرف غنی نے ملاقات کے دوران مختلف شعبوں میں تعاون کے فروغ پر بات کی۔ بھارت اور افغانستان کے درمیان سول اور کمرشل شعبوں اور خلائی تحقیق سے متعلق منصوبوں میں تعاون بڑھانے کے معاہدے پر دستخط کیے گئے۔ نریندر مودی اور اشرف غنی نے خطے میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے دہشت گردی کے فروغ پر تشویش کا اظہار کیا۔ دونوں رہنماوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ خطے میں امن، استحکام اور خوش حالی کے لیے سب سے بڑا خطرہ دہشت گردی ہے۔ مودی نے سے ملاقات کے دوران افغانستان کو تعلیم، صحت، زراعت اور دیگر شعبوں کو مضبوط

بنانے کیلئے امداد فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ بعدازاں جاری 12 نکاتی مشترکہ اعلامیے میں بھارت نے افغانستان کے لئے ایک ارب ڈالر کی امداد کا اعلان کیا۔ کسی ملک کی نشاندہی کیے بغیر مودی اور اشرف غنی نے مشترکہ اعلامیے میں دہشت گردوں کی مدد اور ان کی حمایت بند کرنے کا مطالبہ کیا۔ بھارت کے خارجہ سیکرٹری ایس جے شنکر نے کہاکہ دونوں رہنماؤں نے خطے کی صورت حال پر بات چیت کی سیاسی مقاصد کیلئے دہشت گردی یا تشدد کے فروغ پر تحفظات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ دونوں رہنماؤں نے بھارت اور افغانستان کے خلاف دہشت گردوں کی حمایت، مدد اور انہیں محفوظ پناہ گاہیں فراہم کرنے پر تحفظات کا اظہار کیا۔ دونوں رہنماؤں نے کہا کہ خطے میں امن و استحکام کو سب سے بڑا خطرہ ان سے ہے جو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے دہشت گردی کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ دہشت گردوں کے خلاف بلا امتیاز کارروائی کی جانی چاہئے کیونکہ دہشت گردی سے خطے میں امن و استحکام کو خطرہ لاحق ہے۔ بھارت نے افغانستان کو چاہ بہار کی ایرانی بندرگاہ استعمال میں لانے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ دونوں رہنماؤں نے اگلے پانچ برسوں میں باہمی تجارت 10 ارب ڈالر تک لے جانے کا عزم ظاہر کیا۔ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ دونوں رہنماؤں نے علاقے کے حالات پر بات چیت کی اور علاقے میں 'سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے دہشت گردی اور تشدد کے مسلسل استعمال پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔ دونوں رہنماؤں نے اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ 'یہ مسئلہ علاقے میں امن و

استحکام اور ترقی کی راہ میں سب سے بڑا خطرہ ہے۔ انہوں نے بلا تفریق تمام طرح کی دہشت گردی کو جڑ سے ختم کرنے پر زور دیا اور پاکستان کا نام لیے بغیر کہا کہ تمام تشویش رکھنے والے بشمول انڈیا اور افغانستان کو نشانہ بنانے والے دہشت گردی کی سپانسر شپ، تعاون، محفوظ مقامات اور پناہ گاہیں فراہم کرنا بند کریں۔' اس سے قبل افغانستان کے صدر اشرف غنی دو دنوں کے دورے پر دہلی پہنچے جہاں انہوں نے وزیر اعظم نریندر مودی سے ملاقات کی۔ ترجمان وکاس سوروپ نے ٹویٹ کے ذریعے بتایا کہ وزیر اعظم نریندر مودی نے افغان صدر اشرف غنی کا ان کے دوسرے سرکاری دورے پر استقبال کیا۔ وکاس سوروپ نے اس دورے کو 'بھارت اور افغانستان کے درمیان گہری ہوتی ہوئی دوستی' سے تعبیر کیا دونوں کی تصاویر پوسٹ کیں۔ دونوں رہنماؤں نے دونوں ممالک کے درمیان ہر سطح پر مسلسل قریبی صلاح و مشورے پر خوشی کا اظہار کیا جس کے سبب دونوں ممالک کے درمیان سٹریٹیجک شراکت اور مختلف جہتی تعاون کو فروغ ملا ہے۔ مودی نے 'متحد، خود مختار، جمہوری، پرامن، مستحکم اور خوشحال افغانستان' کے لیے تعاون کا اعادہ کیا اور مختلف پروگرامز کے لیے ایک ارب ڈالر مختص کرنے کی بات کہی۔ دونوں رہنماؤں نے دہشت گردی سے لڑنے اور سکیورٹی اور دفاعی تعاون میں اضافے کا اعادہ کیا جیسا کہ ان کے درمیان سٹریٹیجک تعاون کے معاہدے میں طے پایا تھا۔ اعلامیے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بھارتی کی وزیر خارجہ اور افغان کے وزیر خارجہ کی سربراہی میں جلد سٹریٹیجک پارٹنرشپ کونسل

کا اجلاس ہوگا جس میں چار جوائنٹ ورکنگ گروپ کی تجاویز کا جائزہ لیا جائے گا۔ یہ گروپس دونوں ممالک کے درمیان مختلف شعبوں میں تعاون کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ ملاقات کے دوران دونوں ممالک کے درمیان ملزموں کی سپردگی کے معاہدے پر اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ افغان صدر اشرف غنی نئی دہلی پہنچنے پر بھارتی بولی بولنے لگے اور پاکستان کا نام لئے بغیر بڑھکیں لگائیں۔ انہوں نے کہا کہ جو بھارت اور افغانستان کے راستے بلاک کرے گا خود بلاک ہو جائے گا۔ بھارت اور افغانستان کا راستہ روکنے والے ملک کا اپنا راستہ رک جائیگا۔ افغانستان میں قیام امن میں ناکام ہونے والے صدر نے کہا کہ ہمسایہ ممالک کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیئے۔ دوسروں کو نصیحت خود میاں فصیحت کے مصداق پاکستان کو مطلوب دہشت گردوں کو پناہ دینے والے افغان صدر کا یہ بھی کہنا تھا کہ دہشت گردی میں اچھے برے کی تفریق درست نہیں۔ اقتصادی راہداری منصوبے سے پاکستان میں معاشی انقلاب سے نالاں دونوں رہنماؤں نے اگلے پانچ برسوں میں باہمی تجارت دس ارب ڈالر تک لے جانے کے عزم کا اعادہ بھی کیا۔

افغانستان کے غیر مقبول صدر اشرف غنی نے بھارتی تاجروں اور دفاعی ادارے کی تقریب سے بھی خطاب کیا جہاں اشرف غنی کا کہنا تھا کہ چاہ بہار معاہدے سے بھارت پاکستان کو بائی پاس کرتے ہوئے تجارتی اشیاء سمندری اور زمینی راستوں سے افغانستان پہنچاسکے گا۔ اشرف غنی اور مودی نے ملاقات میں دونوں ممالک کے اہم ائیرپورٹس منسلک کیے جانے کی تجویز پر بھی تبادلہ خیال

کیا۔ بیاں کردہ دورے کی کاروائی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کٹھ پتلی صدر اشرف غنی کس طرح بھارت کی زبان بول رہے ہیں۔ پاک فوج کی جانب سے اکنامک کاریڈور کی مکمل حفاظت اور تکمیل کے حوالے سے عزم کی وجہ سے بھارت کی نیند اُڑ چکی ہے۔

بھارت ماتا کو اکھنڈ کرنے کا خواب دیکھنے والے مودی کو شائد یہ خبر نہیں کہ پاک فوج اور پاکستانی عوام اپنی دھرتی حفاظت جانتے ہیں۔ جہاں تک افغانستان کے صدر کے دورہ بھارت کا تعلق ہے۔ یہ بھارت نے اپنی عوام کو طفل تسلیاں دینے کے لیے اشرف غنی کو بھارت بُلا پاکستان کے خلاف زہر اُگلا ہے۔ لیکن عملی طور پر انشاء اللہ بھارت کو مُنہ کی کھانی پڑے گی۔

بھارتی جنگی جنون اور پاک روس فوج مشقیں

تاریخ کا جبر ملاحظہ ہو۔ وہ روس جو بھارت کی مالا جپتے نہیں تھکتا تھا اور پاکستان اور امریکہ نے ملک کر جس رشین فیڈریشن کو تہہ و بالا کیا۔آج اُسی روس کے ساتھ مل کر پاک روس فوج فوجیں مشقیں کر رہی ہیں۔حضرت اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ آغاز نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا۔منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں۔یوں آج جب بھارتی کے سر پر جنگی جنون سوار ہے اور بھارتی شدت پسندوں نے پاکستانی وزیر اعظم کے سر کی قیمت بھی لگا دی ہے اور اِن حالات میں پاک روس فوجی مشقیں یقینی طور پر بھارت کے ساتھ ساتھ امریکی انتظامیہ کے لیے سبق ہیں۔مشرقی پاکستان کے وقت جو حالات پیدا کیے گئے تھے ۔آج کے حالات ایسے نہیں ہیں۔اب اگر پاک بھارت جنگ ہوئی تو بھارت ٹوٹ جائے گا۔

پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے مطابق روسی بری فوج کا ایک دستہ پہلی مرتبہ مشترکہ فوجی مشقوں کے لیے پاکستان پہنچ گیا ہے اور یہ مشقیں دو ہفتے تک جاری رہیں گی۔روس کی سرکاری خبر رساں ایجنسی تاس کے مطابق ’فرینڈشپ 2016‘ نامی فوجی مشقوں کی افتتاحی تقریب 24 ستمبر کو پاکستان آرمی کے گلگت بلتستان میں ہمالیہ کی بلندیوں میں فوجی تربیتی سکول رتو میں ہو گی۔ان

مشقوں کا مقصد دونوں ممالک کے درمیان دفاعی تعاون کو مزید بڑھانا ہے۔ دونوں ممالک کی جانب سے تقریباً دو سو فوجی حصہ لیں گے۔ تاس کے مطابق مشترکہ مشقوں میں حصہ لینے کے لیے کوہ قاف کے پہاڑوں پر تعینات جنوبی کمان کی 'مونٹین موبائل بریگیڈ' اور ہیڈ کوارٹر سٹاف سے تعلق رکھنے والے 70 فوجی پاکستان پہنچے ہیں۔ مشقوں کا مقصد پہاڑی علاقوں میں جنگ کے تجربات کا تبادلہ کرنا ہے۔ فوجی مشقوں میں پہاڑی علاقوں میں مقیم غیر قانونی مسلح گروہوں کو ختم کرنے کی مشقوں پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ گذشتہ دنوں بھارت کے زیر انتظام کشمیر کے اوڑی سیکٹر میں ایک فوجی کیمپ پر شدت پسندوں کے حملے کے بعد بھارتی ذرائع ابلاغ میں یہ خبریں تھیں کہ روس نے پاکستانی فوج کے ساتھ ہونے والی مشقوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ اس سے قبل گذشتہ برس اگست میں پاکستان اور روس کے درمیان ایم آئی 35 ہیلی کاپٹر کی خریداری کا معاہدہ بھی طے پایا تھا۔ معاہدے کے تحت پاکستان روس سے چار ایم آئی 35 ہیلی کاپٹرز خریدے گا۔ جون 2015 میں ہی پاکستان کی بری فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے روس کا دورہ کیا تھا۔ دو سال قبل نومبر میں روسی وزیر دفاع سرگئی شوگو نے پاکستان کا دورہ کیا تھا۔ اس دوران دفاعی شعبے میں تعاون بڑھانے کے معاہدوں پر دستخط کئے گئے تھے۔ مشقیں ایک ایسے وقت میں ہو رہی ہیں جب پاکستان اور بھارت میں تعلقات شدید کشیدہ ہیں، جبکہ روس کو طویل عرصے سے بھارت کے بہت قریب خیال کیا جاتا رہا ہے، لیکن رواں دہائی میں روس

بھارت کے علاوہ پاکستان کے تعلقات میں تغیر آیا ہے، اسلام آباد نے اب ماسکو کے ساتھ تعلقات تیزی سے قریب لانے کے اقدامات کیے ہیں۔ گو کہ یہ مشقیں پہلے سے طے شدہ تھیں لیکن ایک ایسے وقت میں جب بھارت اور پاکستان کے درمیان کشیدگی عروج پر ہے، روس اور پاکستان کی مشترکہ جنگی مشقیں خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ روس کیا جنوبی ایشیا میں بھارت کے بعد کسی نئے اتحادی کی تلاش میں ہے اور پاکستان سے دفاعی تعلقات استوار کرنا کیا نئے تعلقات کی شروعات ہیں۔روس کے ساتھ پاکستان کے تعلقات سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ ماضی میں جو ممالک ایک کیمپ میں تھے وہ جدا ہو گئے ہیں۔پاکستان اور روس کے تعلقات بھارت کا امریکہ کی جانب جھکاو کا رد عمل ہیں کیونکہ اس سے خطے کی بین الاقوامی سیاست تبدیل ہو رہی ہے۔ یاد رہے کہ گزشتہ چند برسوں میں انڈیا اور امریکہ کے مابین اربوں ڈالر کے دفاعی معاہدے ہوئے جس کے بعد چین پاکستان، وسطی ایشیائی ممالک، روس اور ایران کے مابین تعلقات بڑھ رہے ہیں بھارت اور امریکہ کے تعلقات سے خطے میں ایک نئی گریٹ گیم شروع ہو گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ 'بظاہر لگتا ہے کہ انڈیا اور امریکہ ایک نئی سرد جنگ کی کوشش کر رہے ہیں۔ انڈیا کی جنگ چین کے خلاف اور امریکہ کی جنگ یورپ میں روس کے خلاف ہے اور سفارتکاری کے لحاظ سے اس سرد جنگ کا مقابلہ اقتصادی تعلقات اور تعاون بہتر کر کے کیا جا سکتا ہے۔' انڈیا امریکہ کے تعلقات مضبوط ہوئے ہیں لیکن انڈیا کے دفاعی پیداواری نظام کا انحصار روس پر ہے، اس لیے روس کے ساتھ اُن

کا رشتہ کمزور ہو سکتا ہے لیکن ٹوٹ نہیں سکتا۔ پاکستان چاہتا ہے کہ انڈیا اور پاکستان کے درمیان کشیدگی میں روس اگر غیر جانبدار کردار ادا کرے تو پاکستان اسے سفارتی کامیابی قرار دے گا۔ دریں اثنا بھارت کے بڑھتے جنگی جنون کے پیش نظر پاکستان کی مسلح افواج نے بھی بھارت کو بھرپور اور دندان شکن جواب دینے کیلئے حکمت عملی مرتب کرلی۔ مسلح افواج کسی بھی قسم کی بھارتی مہم جوئی کا منہ توڑ جواب دینے کیلئے تیار ہیں، سمندری راستے سے بھارتی ریشہ دوانیوں کو روکنے اور بھرپور جواب دینے کی تیاریاں بھی مکمل ہیں۔ پاکستان رینجرز اور مسلح افواج کے دستے لائن آف کنٹرول کے اطراف کسی بھی قسم کی بھارتی اشتعال انگیزی کو فوری جواب دینے کیلئے تیار ہیں۔ گزشتہ روز بھی ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے بڑے پیمانے پر مشقیں کیں گئیں، جس کے تحت پہلے مرحلے پر پاک فضائیہ کے جنگی طیارے اسلام آباد پشاور موٹروے پر ہنگامی لینڈنگ اور ٹیک آف کی مشقیں کر رہے ہیں، طیاروں نے جمعہ کو اسلام آباد موٹر وے ایم ٹو کے مختلف سیکشنوں پر کامیابی سے لینڈنگ کی۔ اِس لیے اِن حالات میں پاک روس فوج مشقیں پاکستان کی بہت بڑی سفارتی کامیابی ہے۔

سید شاہ تراب الحق قادریؒ۔ایک عہد ساز شخصیت

میں دوپہر کے وقت لاہور ہائی کورٹ میں اپنے چیمبر میں تھا کہ پاکستان فلاح پارٹی لاہور کے صدر جناب ذیشان احمد راجپوت تشریف لائے اور یہ افسوس ناک خبر سُنائی کہ جناب شاہ تراب الحق قادری صاحبؒ کا وصال ہو گیا ہے۔ ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چھکنا ہے۔ عشق رسول ﷺ کی عظیم تحریک انجمن طلبہ ء اسلام کے ساتھ وابستگی کی بدولت ایسی ہستیوں کا بھی ذکر سننے میں ملتا رہا ہے جن کی خدمات نبی پاک ﷺ کی محبت کے فروغ کے لیے بے شمار ہیں۔ کراچی میں کیوں کہ انجمن طلبہ ء اسلام کی بنیا دپڑی اور کراچی میں شاہ احمد نورانی ، حنیف طیب ، افتخار غزالی ، ریاض الدین نوری ، مولانا جمیل نعیمی ، معین نوری ، حفظ تقی ، حبیب صدیقی دیگر بہت سے احباب عشق رسول ﷺ کے مشن سے وابستہ ہونے کی بناء پر دل وجان میں خصوصی احترام رکھتے ہیں۔ یقینی طور پر کراچی نے عشق رسول ﷺ کے فروغ کے لیے ہمیشہ بہت کام کیا ہے۔جب بھی کراچی کے حوالے عشق رسول ﷺ کی تحریک کے حوالے سے کسی بزرگ ہستی کا نام ذہن میں آتا تو وہ جناب سید شاہ تراب الحق قادری صاحبؒ کی ہوتی۔ قبلہ شاہ صاحب نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسول ﷺ کے لیے رکھا۔ تصنیف وتالیف ، خطابت ، دین کی تبلیغ۔ عوام کی فلاح کے لیے سیاست۔زندگی کے سارے شعبہ جات میں جناب شاہ صاحبؒ کا کردار انمٹ ہے۔آپؒ کی بیماری کی

بابت پتہ چلتا رہتا۔ آپ کافی عرصہ سے بیمار تھے۔ ایک دفعہ انجمن طلبہ اسلام کی تاریخ مرتب کرنے والے عظیم عاشق رسول ﷺ سید شاہ تراب الحق قادریؒ وہ شخصیت تھے کہ جن کا نام ذہن میں آتے ہی عشق رسول ﷺ کی روحانی سرشاری محسوس ہوتی ہے۔ آپؒ کی ولادت 27 ماہ رمضان سن 1946ء کو ہوئی۔ آپؒ قیام پاکستان سے ایک سال قبل 1946ء میں ماہ رمضان کی 27 تاریخ کو ہندوستان کی اس وقت کی ایک ریاست حیدرآباد دکن کیایک شہر ناندھیڑ کے مضافات میں موضع کلمبر میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد ماجد کا نام حضرت سید شاہ حسین قادری بن سید شاہ محی الدین قادری بن سید شاہ عبداللہ قادری بن سید شاہ مہراں قادری تھا اور آپؒ کی والدہ ماجدہ کا نام اکبر النساء بیگم تھا اور آپؒ والد ماجد کی طرف سے سید ہیں اور والدہ ماجدہ کی طرف سے فاروقی ہیں یعنی سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اپنے وقت کے جید عالم، مدیر المہام امور مذہبی حیدرآباد دکن حضرت علامہ مولانا انوار اللہ خان صاحب فاروقی علیہ الرحمہ سے آپؒ کا ننھیال ہے۔ حضرت علامہ مولانا انوار اللہ خان صاحب ایک تبحر عالم دین تھے جن کی تبحر علمی کا اندازہ ان کی تصانیف "کتاب العقل" اور "مقاصد الاسلام" کے مطالعے سے لگایا جاسکتا ہے۔ تقسیم ہند، سقوط حیدرآباد دکن کے بعد 1951ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لائے۔ سقوط حیدرآباد دکن میں آپؒ کے تایا محترم سید شاہ امیر اللہ قادری کو شہید کردیا گیا تھا اور پاکستان تشریف لاکر آپؒ نے کراچی میں قیام

فرمایا۔ کچھ عرصہ پی آئی بی کالونی میں، پی آئی بی کے قریب لیاقت بستی نامی آبادی میں رہے۔ اس کے بعد کورنگی منتقل ہوگئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ تحتانیہ دودھ بولی بیرون دروازہ نزد جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں حاصل کی۔ پاکستان آنے کے بعد پی آئی بی کالونی (کراچی) میں قیام کے دوران ''فیض عام ہائی اسکول'' میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے رشتے کے خالو اور سسر پیر طریقت رہبر شریعت ولی اللہ نعمت قاری مصلح الدین صدیقی علیہ الرحمہ سے گھر پر کتابیں پڑھیں، پھر ''دارالعلوم امجدیہ'' میں داخلہ لے لیا جہاں زیادہ تر اسباق قاری صاحب علیہ الرحمہ کے پاس پڑھے اور سند صدر الشریعۃ بدر الطریقہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی (متوفی 1367ھ) علیہ الرحمہ کے صاحبزادے شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ سے حاصل کی جو اس وقت ''دارالعلوم امجدیہ'' کے شیخ الحدیث تھے جبکہ اعزازی سند وقار الملت سرمایہ اہلسنت حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی حنفی علیہ الرحمہ سے حاصل کی جو اس وقت ''دارالعلوم امجدیہ'' کراچی کی مسند افتاء پر فائز تھے۔ آپؒ کا نکاح 1966ء میں پیر طریقت ولی نعمت حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی علیہ الرحمہ کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے تین فرزند سید شاہ سراج الحق، سید شاہ عبدالحق اور سید شاہ فرید الحق اور چھ بیٹیاں عطا ہوئیں جن میں سے ایک کا تین سال کی عمر میں ہی وصال ہوگیا۔ باقی الحمد اللہ بقید حیات ہیں۔ آپؒ کے بڑے صاحبزادے سید شاہ سراج الحق نے درس

نظامی کی اکثر کتب کا سبقاً سبقاً مطالعہ کرنے کے بعد موقوف کردیا جبکہ منجھلے صاحبزادے سید شاہ عبدالحق قادری نے بفضلہٖ تعالیٰ ''دارالعلوم امجدیہ'' سے سند فراغت حاصل کی۔ ان کے بارے میں حضرت سید شاہ تراب الحق قادریؒ فرماتے ہیں ''جب سید عبدالحق کی پیدائش ہوئی تو پیر طریقت حضرت علامہ قاری مصلح الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ان کا نام محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی نسبت سے شاہ عبدالحق رکھو۔ شاید عالم دین بن جائے۔ لہٰذا قاری صاحب علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق شاہ عبدالحق رکھا گیا۔ خدا کا کرنا دیکھئے یہی بیٹا میرا عالم دین بنا۔ الحمداللہ موصوف عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے مقرر بھی ہیں اور اپنے والد بزرگوار کی جگہ اکثر آپ ہی وعظ فرمانے تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت کے قائم کردہ دینی ادارے ''دارالعلوم مصلح الدین'' کا انتظام بھی انہی کے سپرد ہے اور ''آخوند مسجد'' کھارادر میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ چھوٹے صاحبزادے سید شاہ فریدالحق قادری اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ شاہزادیوں میں آپ کی چھوٹی لخت جگر بھی عالمہ ہے۔ 1962ء میں بذریعہ خط اور 1968ء میں بریلی شریف حاضر ہو کر امام اہلسنت امام احمد رضا محدث بریلوی (متوفی 1340ھ) کے چھوٹے فرزند مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اس سفر میں آپ تیرہ روز حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دولت خانے پر قیام پذیر رہے اور آپ سے تعویذات کی تربیت اور اجازت بھی حاصل کی۔ اسی دوران ''مسجد

رضا" میں نمازوں میں امامت فرماتے اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ ان کی اقتداء میں نمازیں ادافرماتے، نیز کئی جلسوں میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی موجودگی میں تقریر فرمائی اور داد تحسین حاصل کی۔ سلسلہ عالیہ قادری، برکاتیہ، اشرفیہ، شاذلیہ، منوریہ، معمریہ اور دیگر تمام سلاسل میں آپؒ کو اپنے پیر حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ، اپنے استاد و سسر پیر طریقت حضرت علامہ قاری مصلح الدین علیہ الرحمہ اور قطب مدینہ شیخ عرب و عجم حضرت علامہ مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے زینت العلماء مولانا فضل الرحمٰن مدنی علیہ الرحمہ سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ "ماہنامہ مصلح الدین" کی اشاعت خاص "مصلح الدین نمبر" (اگست 2002/ جمادی الاخر 1223ھ) کے صفحہ 65 میں ہے کہ قبلہ قاری صاحب علیہ الرحمہ نے مورخہ 27 جمادی الثانی 1402ھ بمطابق 22 اپریل 1982ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء بمقام میمن مسجد مصلح الدین گارڈن بتقریب خرقہ خلافت سند اجازت اور محفل نعت بروانگی عمرہ حاضری دربار مدینہ میں حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادریؒ کو سند خلافت اور اجازت بیعت عطافرمائی۔ اس سے قبل جب آپ 1977ء میں تبلیغی دورے پر نیروبی (کینیا) تشریف لے گئے۔ واپسی پر فریضہ حج ادا فرمایا۔ اسی سفر حرمین شریفین میں ضیاء الملت والدین حضرت علامہ مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ کی صحبت میں کئی روز تک رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ 1965ء تا 1970ء چھ سال "محمدی مسجد" کورنگی کراچی میں اور 1970ء تا 1982ء بارہ سال اخوند"

مسجد" کھارادر کراچی میں امامت وخطابت فرماتے رہے پھر جب 1983ء میں آپ کے استاد وسسر قاری مصلح الدین علیہ الرحمہ (جو کہ اپنی نیابت وخلافت آپ کو پہلے ہی عنایت فرماچکے تھے) نے اپنے وصال سے دو سال قبل "میمن مسجد" مصلح الدین گارڈن سابقہ کھوڑی گارڈن کراچی کی امامت وخطابت آپ کے سپرد فرمائی۔اس وقت سے تا وفات آپؒ قاری صاحب علیہ الرحمہ کی دی ہوئی ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔جس وقت "اخوند مسجد" کھارادر کراچی میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔اس وقت نوجوانوں کی خاصی تعداد آپؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوئی اور کئی تنظیمیں قائم ہوئیں جن میں سنی باب الاشاعت، تحریک عوام اہلسنت، انجمن اشاعت الاسلام، جمعیت اشاعت اہلسنت (1)، حقوق اہلسنت اور دعوت اسلامی (2) وغیرہا معرض وجود میں آئیں۔تقاریر کا سلسلہ آپ نے 1962ء میں شروع کیا جبکہ آپ ابھی طالب علم تھے، فراغت کے بعد مادر علمی "دارالعلوم امجدیہ" کراچی سے مبلغ کے طور پر خدمات انجام دیں، ہر جلسہ میں "دارالعلوم امجدیہ" کی جانب سے خطیب کے طور پر جانے جاتے تھے۔وہ ایسا دور تھا کہ آپ ایک دن میں بارہ بارہ تقاریر بھی کرتے تھے۔وہ دور جب مولوی احتشام الحق تھانوی نے سرکاری ونجی دفاتر میں ہونے والے میلاد شریف کے جلسوں میں اپنا سکہ بٹھا دیا تھا۔اس وقت حضرت نے اپنی مصروفیات کے باوجود سرکاری، نیم سرکاری ونجی اداروں، بینکوں اور دیگر دفاتر میں ہونے والے میلاد شریف کے جلسوں میں جاکر مسلک حق اہلسنت کے فروغ کے لئے تبلیغ

فرمائی اور اس کا سلسلہ اڑتیس سال سے زائد عرصہ تک چلتا رہا پھر آپ نے طبیعت کی ناسازی اور مصروفیت کی زیادتی کی بناء پر تقاریر کا سلسلہ تقریبا موقوف کردیا۔۔دین متین کی تبلیغ واشاعت میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔اپنی تقاریر اور مواعظ حسنہ کے ذریعے کونے کونے میں اسلام کی دعوت کو عام کیا۔یہ سلسلہ 1977ء سے شروع ہوا، جب آپ نے پہلا دورہ نیروبی کینیا کا فرمایا اور لوگوں کی دعوت پر کئی بار عرب امارات، سری لنک، بھارت، بنگلہ دیش،،برطانیہ، ہالینڈ، جرمنی، بیلجیم، امریکہ، ساؤتھ افریقہ، کینیا، تنزانیہ، زمبابوے، عراق، زنزیبار، زمبیا، فرانس، اردن اور مصر تشریف لے گئے اور سرکاری وفد کے رکن کی حیثیت سے آپ نے اس وقت کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو مرحوم کے ہمراہ عوامی جمہوریہ چین کا دورہ کیا اور کنزالایمان'' اور اہلسنت وجماعت کا لٹریچر وہاں کے مسلمانوں تک پہنچایا، نیز سرکاری'' وفد کے رکن کی حیثیت سے اردن اور مصر کا بھی دورہ فرمایا۔جن ممالک میں آپ تشریف لے گئے، قومی اسمبلی کے رکن رہے۔بے شمار کتب لکھیں۔ہزاروں لاکھوں لوگوں کے دلوں میں عشق رسول ﷺ کی تڑپ پیدا کی۔ عظیم المرتبت جناب سید شاہ تراب الحق قادریؒ کا فیضان ہمیشہ جاری واسری رہے گا۔اللہ پاک جناب شاہ صاحب کو (جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔(آمین

سماجی و معاشی گرداب اور جنگ کے سائے

حالیہ دنوں میں پاک بھارت تعلقات میں جو تلخیاں نمودار ہوئی ہیں۔اِن سے یہ بات توثابت ہوتی ہے کہ کشمیر کی آزادی تک نہ تواِس خطے میں امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی اِس خطے کے لوگ سماجی و معاشی طور ہر بہتر زندگی گزارنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔بہت زیادہ تمہید کی ضرورت نہیں۔جب سے مودی سرکار آئی ہے کشمیر کے آزادی کا معاملے پوائنٹ آف نو رٹرن پر پہنچ چکا ہے۔اِس معاملے میں بھارت کو پاکستان کی دُشمنی نہیں بلکہ مودی کی عقل و دانش پر ماتم کرنا چاہیے کہ جو کام پاکستانی حکمرانوں سے نہیں بن پا رہا تھا۔ وہ کام رینڈری مودی کے کوڑھ دماغ نے کر دیا اور کشمیریوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ پر خود چین کی نیند کیسے سوئی جا سکتی ہے۔اِس لیے کشمیر کی وادی میں جو ظلم و ستم بھارتی فوج نے روا رکھا ہے اُس کا حتمی نتیجہ کشمیر کی آزادی پر ہی نکل پائے گا۔ بھارت کی جانب سے پاکستان کے سی پیک منصوبے کی مخالفت اور امریکہ کے ساتھ مل کر اِس منصوبے کو ختم کرنے کی کوششیں دم توڑ چکی ہیں اور پاک چین معاشی روابط ایک نئی جہت میں داخل ہو چُکے ہیں۔اب کشمیر کا پاکستان کے کسی بھی معاملے میں لا تعلق رہنا عبث ہے۔گوادر تک پہنچنے کی امریکی بھارتی خواہش کا گلہ کاٹنے والے پاک فوج کے عظیم جرنیل جناب راحیل شریف نے پاکستانی قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ سی

پیک کے لیے ہر طرح کی دہشت گردی کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ یوں بھارت کی تقسیم کو پاپ سمجھنے والا متعصب ہندو اب اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہے کہ چین پاکستان اور ترکی کی جانب سے امریکہ اور بھارت کو سرد رویوں کا سامنا ہے۔ پاکستان کی سیاسی و فوجی تاریخ نے وہ کارنامے انجام نہیں دیئے جو کہ قابل تحسین ہوں لیکن مشرقی پاکستان کی علحیدگی کے بعد پوری قوم کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ بھارت کی یاری غداری ہے۔ اِس لیے پاکستان کی خارجہ پالیسی کا مرکز و محور پاک بھارت تعلقات پر منحصر ہے۔ اقوام متحدہ کے معیار کے مطابق اگر کوئی ملک مسلسل بیس سال تک فی کس آمدنی کی شرح میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے تو پھر کہا جاسکتا ہے کہ ملک ترقی کر رہا ہے۔ پاکستان میں فی کس آمدنی کے حوالے سے بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ افراط زر کی شرح میں اضافہ اور بچتوں کا نہ ہونا یہ دو ایسے معاشی اشاریئے ہیں کہ اِن کی بدولت پاکستانی معیشت کو زبوں حالی کا سامنا ہے۔ پاکستانی معیشت کا بہت زیادہ نقصان عوام کا رویہ ہے۔ عوام اپنی کمائی کو موبائل فون کی مد میں اُڑا جاتے ہیں۔ اگر پاکستان میں 12 کروڑ سے زائد صارفین موبائل فون کے ہیں تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ملک کی ساٹھ فی صد آبادی کو صاف پانی پینے کے لیے میسر نہیں لیکن موبائل فون وہ استعمال کرتی ہے۔ موبائل فون کمپنیوں کا تعلق بیرون ملک سے ہے یون خالص منافع کی مد میں اربوں ڈالر سالانہ ملک سے باہر جارہے ہیں۔ یوں وہ طبقہ جو کہ دو وقت کی روٹی کو ترستا ہے وہ بھی

موبائل فون کا رسیا بنا ہوا۔ ساؤتھ ایشاء کے ممالک کی ایک رپورٹ کے مطابق روٹی سے عاجز اور جن کے پاؤں میں جوتے بھی نہیں ہیں اُن کی جیب میں موبائل فون ہے۔ ماضی میں انتہائی ایمرجنسی میں استعمال ہونے والا فون اب نوجوانوں کے لیے وبال بنا ہوا ہے۔ نفسیات کے ماہرین کی ایک بین الاقوامی رپورٹ جس کی سٹڈی پاکستان کے حوالے سے ہے کے مطابق پاکستان میں گھر سے بھاگ کر یا پسند کی شادی کے رجحان کے وجہ موبائل فون کا کثرت سے استعمال ہے۔یوں عورت اور مرد کے درمیاں جو ایک حجاب تھا وہ اِس موبائل کے بہت زیادہ استعمال کی وجہ سے مفقود ہو کر رہ گیا ہے۔وہ معاشری اقدار جو کہ اسلامی معاشرئے کا جھومر ہوا کرتی تھیں۔ جن پر اہل مشرق نازاں تھے اُس کا وجود گم ہو گیا ہے۔ والدین دوستوں کے لیے وقت نکالنا تو دور کی بات انسان کے خود کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو گیا ہے۔ سوشل میڈیا، انٹرنیٹ، موبائل، کمپیوٹر جو کہ نہایت ہی اعلیٰ ایجادات ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں وہ مثال صادق آتی ہے کہ بندر کے ہاتھ میں ماچس۔ پاکستانی معیشت کو زہر آلود کرنے والی کرپشن ہر شعبہ ہائے زندگی میں سرایت کر چکی ہے۔اِن تمام باتوں کے باوجود کے پاکستانی معیشت نے نواز حکومت میں نمو اختیار نہیں کی لیکن سی پیک کے منصوبے کی تکمیل کے بعد امید واثق ہے کہ عام آدمی کی معاشی و سماجی زندگی میں بہتری آئے گی۔نوکر شاہی کی وجہ سے نواز حکومت کو کسی بھی شعبے میں نیک نامی نہیں مل سکی۔ شہباز شریف کی محنت پر کوئی سوال نہیں لیکن شہباز شریف

کی گڈ گورننس کی قلعی تو اِس بات سے کھل جاتی ہے کہ شہباز شریف نے کام کرنے کے لیے بہتر ٹیم نہیں بنائی۔ کسی تامل کے بغیر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر شہباز شریف بیوروکریسی کے گھوڑے کو لگام دے لیں تو صوبہ پنجاب میں حالات بہتر صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

حسد کی آفت۔ ناشکری کی انتہا

غصے سے کینہ پیدا ہوتا ہے اور کینے سے حسد اور حسد مہلک ترین زہر ہے انسان کے لیے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ حسد نیکیوں کو اِس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ خالق سراپا عطاء ہے اور خالق نے اپنے بندے کو ہمیشہ نوازنا ہوتا ہے۔ خالق کی عطاء پر صابر و شاکر رہنے والا ہی اللہ پاک کو پسند ہے۔ اگر کسی کو خالق نے زیادہ نواز دیا ہے اور کسی کو کم تو اِس پر حسد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حسد ایک ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان سے اُس کا ایمان چھن جاتا ہے۔ موجودہ حالات میں حسد اور بغض نے انسانیت کو ہلاکت میں ڈال رکھا ہے۔ کسی بھی معاشرے کا اہم عامل فرد ہوتا ہے۔ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم مال و دولت مل پاتی ہے۔ لیکن ایسے میں حسد کا مرتکب ہو کر اپنے ایمان کو غارت کرنا۔ اللہ پاک کو کیسے پسند ہو سکتا ہے۔

مخلوق کا خالق کے دیئے ہوئے پر شاکر ہونا اور کسی سے حسد نہ کرنا وہ عمل ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں بھائی چارہ فروغ پاتا ہے۔ جب دین اسلام نے کہہ دیا کہ تم میں سے ہر کوئی دوسرے کا بھائی ہے۔ جو کچھ اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرو۔ دین اسلام کا یہ اندازِ فکر معاشرے میں رواداری کا ضامن ہے۔ اسی لیے تو کہہ دیا گیا کہ دوسرے مسلمان کا جان ومال تم پر جائز نہ ہے۔ جرائم ہونے کی وجوہات میں بہت بڑی

وجہ یہ ہی عمل ہے کہ حاسد بن کر دوسروں کی خوشیوں پر ڈاکہ مارا جاتا ہے۔ چوری ڈاکے، لڑائی جھگڑے، لوٹ مار کی بنیادی وجہ یہ حسد ہی ہے۔ اِسی حسد کی وجہ سے انسانی جذبے انسانی اقدار سے محروم ہو جاتے ہیں اور جنگلی جانور بن جاتے ہیں۔ جن معاشروں میں معاشی آسودگی کم ہوتی ہے یا روزگار کی کمی ہوتی ہے۔ وہاں کرپشن میں بے بہا اضافہ ہوجاتا ہے اور یہ ہی کرپشن قتل و غارت کا سبب بنتی ہے اور ایسا اس لیے بھی ہے کہ ہیو اینڈ ہیو ناٹ کا معاشی چکر انسان کو سماجی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حالیہ سالوں میں پاکستانی معاشرے میں حسد کی وبا کی بدولت کرپشن اور بے حیائی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ والدین کے رویوں سے اولاد بھی اُن کے نقش قدم پر چلنا شروع ہوجاتی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد مرکوز ہے کہ گمان بد، دوم فال بد، سوم حسد۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھیں اِسکا علاج سکھلاؤں کہ کیا ہے۔ جب کوئی کسی کے بارے میں بدگمانی کرے تو اپنے دل میں اِس کو سچ نہ سمجھے اور اِس پر ثابت و قائم نہ رہے اور جب بد فالی سنے تو اِس پر اعتماد نہ کرے اور جب حسد پیدا ہو تو زبان اور ہاتھ کو اِس پر عمل کرنے سے بچائے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ تمھارے اندر وہ بات پیدا ہونے لگی جس نے اگلی اُمتوں کو ہلاک کرایا تھا۔ اور وہ حسد و عداوت ہے قسم ہے اِس معبود کی جس کے دست قدرت میں مجھ محمد ﷺ کی جان ہے کہ تم بہشت میں نہ جاؤگے جب تک تم صاحب ایمان نہ ہوگے اور صاحب ایمان نہ ہوگے جب تک ایک دوسرے کو دوست نہ رکھوگے۔ میں تمھیں

بتاؤں کہ یہ محبت کس طرح پیدا ہوگی۔ تم ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ حاسد کے حوالے سے اللہ پاک کے پاک نبیؑ حضرت زکریاؑ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ حاسد میری نعمت کا دُشمن ہے وہ میرے حکم پر خفا ہوتا ہے اور بندوں میں میری تقسیم کو پسند نہیں کرتا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ چھ قسم کے لوگ بغیر حساب کتاب کے جہنم میں جائیں گے۔ امیر اپنے ظلم کے باعث، عرب تعصب کی بدولت، مالدار تکبر کے باعث، سوداگر اپنی خیانت کی وجہ سے اور دہقان اپنی جہالت اور نادانی کے سبب سے اور علماء حسد کے باعث۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی پاک ﷺ کے پاس ہم بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اہل بہشت سے یہاں آئے گا۔ تب انصار کی جماعت سے ایک صاحب وہاں تشریف لائے۔ اپنے بائیں ہاتھ میں لوٹا لٹکائے ہوئے تھے اور وضو کا پانی اُن کی داڑھی سے ٹپک رہا تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی نبی پاک ﷺ نے اسی طرح فرمایا اور وہی صاحب تشریف لائے۔ حضرت عبداللہ ابن العاصؓ نے چاہا کہ اِس کا رنگ ڈھنگ معلوم کریں چنانچہ اِن صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ میں اپنے باپ سے لڑا ہوا ہوں چاہتا ہوں کہ تین راتیں آپ کے پاس ٹھہروں۔ اُس شخص نے یہ بات منظور کر لی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ اِن تین راتوں میں اِن کے عمل پر نظر رکھے رہا۔ میں نے دیکھا وہ جب سو کر اُٹھتے تو اللہ پاک کا ذکر کرتے۔ اِس کے بعد میں نے اِن سے کہا کہ میری اپنے باپ سے لڑائی نہیں ہوئی تھی البتہ نبی پاک ﷺ نے تمھارے بارے میں ایسا فرمایا تھا کہ میں نے

چاہا کہ تمھارا عمل معلوم کروں۔ اُنھوں نے کہا کہ میرا عمل یہ ہی جو تم نے دیکھا، جب
میں میں اُن کے گھر سے نکلا تو اُنھوں نے مجھے پکارا اور کہا ایک اور بات ہے اور وہ یہ
کہ میں نے ہرگز کسی کی خوبی پر حسد نہیں کیا۔ میں نے اُن کو جواب دیا آپ کو یہ
درجہ اِسی سبب ملا ہوگا۔

بچوں کا عالمی دن

صبح بچوں کے سکول جانے کا وقت
شادمان، لاہور کا پوش علاقہ
چوک میں پڑے کوڑے دان میں دو بچے
جن کی عمریں پانچ چھ سال ہیں
ڈبل روٹی کے ٹکرے تلاش کر کے
اپنی بھوک مٹا رہے ہیں
ایک بچے کے ہاتھ میں ایک گلا سڑا سیب بھی ہے
وہ اُسے نہایت مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے
دونوں بچے اپنی بھوک مٹا چکے ہیں
تھورا ساہٹ کر بیٹھ گئے ہیں۔اب دونوں مل کر سیب کھا رہے ہیں
قریب ہی اخبار فروخت کرنے والا شور مچا رہا ہے
آج ملک بھر میں بچوں کا عالمی دن منایا جا رہا ہے

بھارتی ڈرون اور بحری آبدوز اور معصوم کشمیریوں کی شہادتیں

مقبوضہ کشمیر میں جاری آزادی کی مقامی تحریک سے توجہ ہٹانے کی خاطر بھارت پاکستان کے خلاف مسلسل اشتعال انگیز کارروائیوں میں مصروف ہے۔ جہاں بھارتی فوج لائن آف کنٹرول پر جنگ بندی کی تشویشناک حد تک لگاتار خلاف ورزیاں کر رہی ہے وہیں بھارتی بحریہ بھی خفیہ مقاصد کے حصول کے لئے اپنی آبدوزیں پاکستان کے خلاف تعینات کر رہی ہے۔ پاک بحریہ نے اعلیٰ پیشہ ورانہ مہارتوں کے ساتھ ہر دم چوکنا رہتے ہوئے کامیابی سے بھارتی آبدوز کا سراغ لگا کر اُسے پاکستانی سمندری علاقے میں داخل ہونے سے روک دیا اور پاکستانی پانیوں سے مار بھگایا۔ پاکستان کے سمندری علاقے کے جنوب میں پاک بحریہ کے فلیٹ یونٹس کی مدد سے بھارتی آبدوز کی موجودگی کا سراغ لگایا گیا اور اس کی نقل و حرکت کو محدود کر دیا گیا۔ بھارتی آبدوز نے اپنی موجودگی کو خفیہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن پاکستان نیوی فلیٹ یونٹس نے آبدوز کا مسلسل تعاقب جاری رکھا اور اُسے پاکستانی پانیوں سے دھکیلتے ہوئے مار بھگایا۔ گہرے سمندر میں بھارتی بحریہ کی آبدوز کا سراغ لگانا اور اس کی مسلسل نگرانی کا یہ اہم کارنامہ نہ صرف پاکستان نیوی کی اینٹی سب میرین وارفیئر کی اعلیٰ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے بلکہ پاکستان کی بحری سرحدوں کے دفاع میں بلند عزم اور مضبوط عہد کا

بھی عکاس ہے۔ پاک بحریہ کے بیان کے مطابق بھارتی آبدوز کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اپنے پانیوں کو کلیئر کرلیا۔ اس آبدوز کا بظاہر نشانہ اقتصادی راہداری اور گوادر پورٹ تک پہنچنا تھا۔ یہ آبدوز پاکستان پانیوں میں گھسنا چاہتی تھی۔ پاک بحریہ کے مطابق اس بھارتی اقدام کا مقصد مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم سے توجہ ہٹانا تھا۔ پاک بحریہ نے پاکستانی سمندری علاقے میں بھارتی آبدوز کی موجودگی کا سراغ لگا کر اسے اپنی سمندری حدود میں داخل ہونے سے روک دیا۔ بھارتی آبدوز کو پیچھے دھکیل دیا اور اپنے پانیوں سے مار بھگایا۔ ترجمان پاک بحریہ کی جانب سے جاری ہونے والے بیان میں کہا گیا ہے کہ 'پاک بحریہ کے فلیٹ یونٹس نے پاکستان کے سمندری علاقے کے جنوب میں بھارتی آبدوز کی موجودگی کا سراغ لگا اور اس کی نقل و حرکت محدود کردی۔ پاک بحریہ نے بھارتی آبدوز کی اپنی موجودگی خفیہ رکھنے کی ہر کوشش کو ناکام بنادیا، نیوی فلیٹ یونٹس نے آبدوز کا مسلسل تعاقب کیے رکھا۔ مذموم عزائم کے حصول کے لئے بھارتی فوج کے ساتھ ساتھ بھارتی بحریہ بھی اپنی آبدوزوں کو پاکستان کے خلاف تعینات کررہی ہے۔ یہ اہم کارنامہ پاکستان نیوی کی اینٹی سب میرین وارفیئر کی اعلیٰ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پاکستان کی بحری سرحدوں کے دفاع کے لئے پاک بحریہ ہر لمحہ مستعد و تیار ہے وہ کسی بھی جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔
بھارتی بحریہ کی جانب سے پاکستانی سمندری حدود کی خلاف ورزی کی کوشش ایسے وقت میں کی گئی ہے جب لائن

آف کنٹرول اور ورکنگ باونڈری پر بھی بھارتی افواج کی جانب سے سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزیاں حالیہ کچھ عرصے سے ایک معمول بن چکی ہیں۔ پاک بحریہ نے بھارتی آبدوز کو 4 روز تک مانیٹر کیا۔ بھارتی آبدوز 4 روز تک سطح سمندر پر نہیں آئی اور پاک بحریہ نے اسے سطح سمندر پر آنے پر مجبور کیا۔ آبدوز جرمن ساختہ 209 تھی۔ بھارتی آبدوز شیشوش مرنے نے پاکستانی پانیوں میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ بھارتی آبدوز جاسوسی اور جنگی مقاصد کیلئے آئی تھی۔ بھارتی آبدوز خطرناک ارادوں سے پاکستانی حدود میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ ' دفاعی تجزیہ کاروں نے بھارتی جارحیت کے حوالے سے کہا ہے کہ یہ کوشش سی پیک کو نقصان پہنچانے کیلئے تھی۔ یہ بھارت کی انتہائی مہلک ترین آبدوز تھی اللہ نے پاکستان کو بڑے خطرے سے بچا لیا ہے۔ بھارتی آبدوز کے پاکستان آنے کے تین سے چار مقاصد ہو سکتے ہیں پاک بحریہ نے مستعدی سے بھارتی آبدوز کا سراغ لگایا۔ تجزیہ کاروں نے کہا کہ بھارت چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) کی وجہ سے بہت پریشان ہے اور اس وجہ سے اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہا ہے، وہ پاکستان کو کمزور کرنے کیلئے کئی طریقے اپنا رہا ہے اور یہ اس کی زندہ مثال ہے، بھارت افغانستان اور پاکستان کے تعلقات میں رخنے ڈال رہا ہے، آبدوز میں بھارتی ایس ایس جی کے لوگ اور دہشگرد تھے، لینڈ کرنے کے بعد بلوچستان میں کارروائی کرنا تھی، کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ بھارتی بحریہ کا سارا ٹارگٹ بلوچستان کا ساحل ہے، ان کا مقصد سی پیک کو نقصان پہنچانا تھا آبدوز

بھیجنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں فورسز کو دباؤ میں رکھنا چاہتا ہے، پاک بحریہ کی چوکسی نے ملک کو بڑے خطرے سے بچالیا، بھارت اور پاکستان کے معاملات سیاسی کی نوعیت کے ہیں، فوجی طریقے سے اور ایسی حرکتوں سے معاملات مزید الجھ جائیں گے۔
پاک بحریہ نے پاکستان کو بڑے خطرے سے بچالیا، یہ بھارت کی انتہائی مہلک آبدوز تھی جو سمندر کی تہہ سے پاکستان کی حدود میں داخل ہونا چاہتی تھی، کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے کہ بھارتی نیوی کا سارا ٹارگٹ بلوچستان کی کوسٹ' گوادر بندرگاہ
ہے۔انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ خاموش بیٹھے ہوں گے،۔ بھارت جو حرکتیں کر رہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں فورسز کو دباؤ میں رکھنا چاہتا ہے، بھارت پاکستان کو کمزور کرنے کیلئے کئی طریقے اپنا رہاہے اور یہ اس کی زندہ مثال ہے، سی پیک کی وجہ سے بھارت بڑا پریشان ہے اور افغانستان اور پاکستان کے تعلقات میں رخنے ڈال رہاہے۔لائن آف کنٹرول پر ان کی جارحانہ کارروائیاں جاری ہیں اسی طرح یہ بھی جارحانہ کارروائی ہی ہے، سمندر میں جارحانہ کارووائی کے کئی مقاصد ہیں وہ جاننا چاہتے ہیں کہ پاکستان کا دفاع کس حدتک محفوظ ہے، بھارت پاکستان کو کمزور کرنے کیلئے کئی طریقے اپنا رہاہے، یہ اس کی زندہ مثال ہے، بھارت اور پاکستان کے معاملات سیاسی کی نوعیت کے ہیں، فوجی طریقے سے اور ایسی حرکتوں سے معاملات مزید الجھ جائیں گے، سی پیک کی وجہ سے بھارت بڑا پریشان ہے اور افغانستان اور پاکستان کے تعلقات میں رخنے ڈال رہاہے اور افغانستان کی

سرزمین استعمال کر رہا ہے۔ بھارت سمجھتا ہے کہ ان چیزوں سے پاکستان پر دباؤ ڈال کر پاکستان کی پالیسیوں میں تبدیلی لائے گا، مگر اس کا الٹا اثر ہو رہا ہے، معاملات کو سیاسی طور پر حل کرنا چاہئے، عسکری قوت دکھا کر معاملات حل نہیں ہوں گے۔ بھارت کو سی پیک کی سب سے زیادہ تکلیف ہے، بھارت اس طرح کے ہتھکنڈے چھوڑ دے، بھارت کو گوادر پورٹ، سی پیک ہضم نہیں ہو رہا، وزارت خارجہ پہلی دفاعی لائن ہوتی ہے۔

-معاملہ سلامتی کونسل اور عالمی سطح پر اٹھایا جائے

دفتر خارجہ نے کہا ہے کہ پاکستان بھارت کے ساتھ کشیدگی نہیں بڑھانا چاہتا مگر ورکنگ باؤنڈری اور لائن آف کنٹرول پر بھارتی جارحیت کا منہ توڑ جواب دے گا، بھارت کے جارحانہ اقدامات دنیا کے امن کیلئے خطرے کا باعث بن رہے ہیں، افغانستان میں داعش کے پھیلاؤ اور طالبان کی سرگرمیوں پر تشویش ہے افغانستان میں قیام امن کیلئے کوششیں جاری رکھیں گے۔ کشمیری عوام عالمی برادری کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بھارتی جارحیت نہ صرف دنیا بلکہ خطے میں قیام امن کیلئے خطرہ ہے بھارتی وزیر دفاع منوہر پاریکر کا ایٹمی ڈاکٹرائن پر بیان دوہرا معیار ہے ورکنگ باؤنڈری پر بھارتی جارحانہ اقدامات بھارتی وزیر کے بیان کی نفی کرتے ہیں دنیا کے کئی ممالک نے ایل او سی اور کنگ باؤنڈری پر تحفظات کا اظہار کیا۔ وزیراعظم نواز شریف نے افغانستان کے چیف ایگزیکٹو

عبداللہ عبداللہ کو دورہ پاکستان کی دعوت دی ہے۔ پاکستان کو دہشتگردی کے چیلنجز کا سامنا ہے۔ دہشتگردی کیخلاف جنگ میں پاک فوج اور عوام نے ستر ہزار سے زائد جانوں کا نذرانہ پیش کیا دہشتگردی کے مکمل خاتمے تک آپریشن ضرب عضب جاری رکھیں گے ضرب عضب نے خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کی ہیں جس کے ثمرات سب کے سامنے ہیں، نیوکلیئر سپلائر گروپ کے گیارہ نومبر کے آسٹریا میں ویانا اجلاس میں بیشتر ممالک کی جانب سے پاکستان کے موقف کی تائید کی گئی گروپ کی رکنیت میرٹ پر ہونی چاہیے۔ ایسے ملک کو رکنیت نہ دی جائے جو ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدے کی خلاف ورزی کرتا رہا ہو۔ امریکہ کے نومنتخب صدر کو وزیراعظم اور صدر ممنون حسین کی جانب سے مبارکباد دی گئی ہے اور پاکستان امریکی نومنتخب حکومت کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار ہے۔ بھارتی وزیر دفاع کا ایٹمی ڈاکٹرائن پر بیان دوہرے معیار کا عکاس ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں، مسلمان ممالک کے مسائل کو مذاکرات‘ افہام و تفہیم سے حل کرنے کے حامی ہیں۔ مسلم امہ کو مسائل بات چیت سے حل کرنے چاہئیں۔ پاک فوج نے لائن آف کنٹرول پر پاکستانی مورچوں کی جاسوسی کیلئے آنے والے بھارتی ڈرون کو مار گرایا جبکہ دوسری طرف بھارت کی بلا اشتعال فائرنگ سے کھوئی رٹہ سیکٹر میں 3 بہن بھائیوں سمیت 4 بچے شہید ہوگئے۔ بھارتی ڈرون رکھ چکری سیکٹر میں پاکستانی حدود میں داخل ہوا جسے آگاہی پوسٹ کے قریب گرایا گیا۔ ڈرون پاکستانی حدود میں 60 میٹر اندر تک گھس آیا تھا، پاک فوج نے ڈرون کا ملبہ قبضہ میں لے

لیا۔ آگاہی پوسٹ کے جوانوں نے بھارتی کواڈ کاپٹر کو فائرنگ کرکے مار گرایا۔ واضح رہے گزشتہ روز بھارتی آبدوز کو بھی پاک بحریہ نے مار بھگایا تھا۔ قبل ازیں آئی ایس پی آر کے مطابق کھوئی رٹہ سیکٹر میں بھارت کی بلااشتعال فائرنگ سے 8 سالہ شازیہ، سالہ شہزاد، 4 سالہ ربیعہ اور 7 سالہ فائزہ شہید ہوگئے۔ پاک افواج نے دشمن کی 16 چوکیوں کو نشانہ بنایا۔ علاوہ ازیں میری ٹائم سکیورٹی ایجنسی نے پاک بحریہ کیساتھ ملکر سمندری نگرانی مزید سخت کردی۔ میری ٹائم سکیورٹی ایجنسی کے مشرقی سمندری سرحد پر کارروائی کرتے ہوئے 45 بھارتی باشندے گرفتار اور متعدد کشتیاں پکڑ لیں، تمام کشتیاں اور گرفتار بھارتی ماہی گیر کراچی منتقل کردیئے گئے جہاں حساس ادارے تفتیش کریں گے۔ بھارتی اشتعال انگیزی سے سرحدی علاقے میں سخت خوف وہراس پھیل گیا ہے۔ بھارتی فوج نے بھمبر سیکٹر پر بلااشتعال فائرنگ کی جس پر پاک فوج مؤثر انداز میں جوابی کارروائی کرتے ہوئے بھارتی چوکیوں کو نشانہ بنایا۔ بھارتی فوج نے بھمبر سیکٹر کے علاقوں ٹانڈر اور بروہ میں بلااشتعال فائرنگ کرتے ہوئے شہری آبادی کو نشانہ بنایا۔ بھارتی فوج نے ایل او سی کے سیکٹر ہٹیاں بالا، چکوٹھی اور وادی کھیلانا پر بھی بلااشتعال فائرنگ کی اور شہری آبادی کو نشانہ بنایا۔ بھارتی فوج کی فائرنگ کے باعث ہٹیاں بالا، چکوٹھی اور وادی کھیلانا کے تعلیمی ادارے بند کردیئے گئے۔ ترجمان دفتر خارجہ نے کہا ہے کہ بھارتی فائرنگ سے بچوں کی شہادت قابل مذمت ہے۔ دفتر خارجہ کے ترجمان نفیس

ذکریا نے کہا ہے کہ بھارت کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر کشیدگی بڑھا کر عالمی برادری کی توجہ مقبوضہ کشمیر میں اپنے مظالم سے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کشمیر کے لوگ اپنے حق خودارادیت کے حصول کیلئے پرامن جدوجہد کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا مقبوضہ کشمیر میں جاری قتل عام اور بھارت کے انسانیت کیخلاف جرائم نے پوری دنیا کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے کہا بھارت نے ہماری سمندری حدود کی خلاف ورزی کی کوشش کی ہے اور پاک بحریہ نے انہیں پسپا کر دیا۔ انہوں نے کہا پاکستان اپنی سمندری حدود کی خلاف ورزی کا معاملہ اقوام متحدہ میں اٹھائے گا۔ ڈرون ہفتہ کی سہ پہر 4-45 پر گرایا گیا۔ دفاعی ماہرین کے مطابق یہ لائن آف کنٹرول پر پاکستان کی فوجی چوکیوں اور فوجی پوزیشن کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وزیراعلی پنجاب محمد شہباز شریف نے لائن آف کنٹرول پر بھارتی فوج کی بلااشتعال فائرنگ کی شدید مذمت کی ہے۔ وزیراعلی نے فائرنگ کے نتیجے میں شہید ہونے والے چار بچوں کے لواحقین سے ہمدردی اور اظہار تعزیت کیا ہے۔ وزیراعلی شہباز شریف نے کہا ہے کہ بھارتی افواج کی جانب سے نہتے شہریوں اور معصوم بچوں کو نشانہ بنانا انتہائی قابل مذمت فعل ہے۔ بی بی سی کے مطابق بھارتی فوج نے ہفتہ کو بعد دوپہر ضلع کوٹلی کے کھوئی رٹہ سیکٹر میں شہری آبادی پر گولہ باری شروع کی، مارٹر اور آرٹلری کا استعمال کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ کچھ مارٹر گولے کھوئی رٹہ کے گاؤں کیری میں تین

مکانوں پر گرے جس کے نتیجے میں ایک بھائی اور دو بہنیں اور ان کی ایک کزن ہلاک ہو
گئیں جبکہ پانچ افراد زخمی ہو گئے۔ ساہنی سیکٹر میں اب تک چار افراد زخمی ہوئے ہیں۔

فیدل کاسترو۔ایک انقلابی لیڈر

کیوبا میں سابق صدر فیدل کاسترو کے انتقال کے بعد نو روزہ سوگ کا آغاز ہو گیا ہے جس کے دوران ان کی باقیات کو ان راستوں پر لے جایا جائے گا جن پر سے گزر کر ان کے ساتھیوں نے بتیستا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔کیوبا کے دارالحکومت ہوانا میں غم کا سماں ہے جبکہ میامی میں وہ کیوبن افراد جو وہاں مقیم ہیں جشن منا رہے ہیں۔ کیوبا کے انقلابی رہنما اور سابق صدر جمعہ کی رات 90 برس کی عمر میں انتقال کر گئے تھے۔عالمی سربراہان اور اہم شخصیات کی جانب سے فیدل کاسترو کے انتقال پر تعزیتی پیغامات کا سلسلہ جاری ہے۔امریکی صدر باراک اوباما کا کہنا ہے کہ وہ کیوبا کے سابق صدر فیدل کاسترو کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے تھے جبکہ چین اور روس کے صدور نے کہا ہے کہ ان کے ممالک نے ایک اچھا دوست کھو دیا ہے۔اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بان کی مون کا کہنا ہے کہ فیدل کاسترو کو کیوبا میں تعلیم، ادب اور صحت جیسے شعبوں میں بہتری لانے کے لیے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ان کے علاوہ پاپ فرانسس جنھوں نے گذشتہ سال فیدل کاسترو سے ملاقات کی تھی نے ان کے بھائی کو بھیجے پیغام میں دکھ کا اظہار کیا ہے۔اس سے قبل امریکہ کے نو منتخب صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا کہنا تھا کہ کیوبا کے انقلابی رہنما فیدل کاسترو ایک 'ظالم آمر' تھے جنھوں نے کئی دہائیوں تک اپنے

ہی لوگوں پر ظلم کیا۔ڈونلڈ ٹرمپ کا کہنا تھا کہ وہ امید کرتے ہیں کہ اب کیوبن عوام مزید آزاد مستقبل کی جانب بڑھیں گے۔فیدل کاسترو کی یک جماعتی حکومت نے کیوبا پر تقریباً نصف صدی تک حکومت کی اور 2008 میں اقتدار اپنے بھائی راؤل کاسترو کو منتقل کر دیا۔ان کے مداحین ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ انھوں نے کیوبا واپس عوام کو سونپ دیا۔ تاہم ان کے مخالفین ان پر حزب اختلاف کو سختی سے کچلنے کا الزام لگاتے ہیں۔ صدر راؤل کاسترو نے

سرکاری ٹیلی وژن پر ایک غیر متوقع خطاب میں بتایا کہ فیدل کاسترو انتقال کر گئے ہیں اور ان کی آخری رسومات سنیچر کو ادا کی جائیں گی۔ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا ہے۔ کہ 'کیوبا ایک مطلق العنان جزیرہ ہے، میں امید کرتا ہوں کہ آج کے دن سے وہ اس خوف سے آگے بڑھیں گے جو انھیں نے طویل عرصے تک جھیلے ہیں، اور بہترین کیوبن عوام بالآخر مستقبل کی جانب بڑھیں گے اور آزادی کے ساتھ رہ سکیں گے جس کے وہ مستحق ہیں۔' خیال رہے کہ صدر اوباما کے دور میں امریکہ اور کیوبا کے درمیان سفارتی تعلقات سنہ 2015 میں کئی دہائیوں کے بعد بحال ہوئے تھے۔ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنی انتخابی مہم میں اس پر تنقید کا اظہار کیا تھا لیکن اپنے حالیہ بیان میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا، ان کا کہنا ہے کہ انتظامیہ جو کچھ کر سکے کرے گی تاکہ کیوبا کے لوگوں کا 'آزادی اور خوشحالی کی جانب سفر کو یقینی بنایا جاسکے۔' دوسری جانب صدر اوباما کا کہنا ہے کہ تاریخ کاسترو کے بے پناہ اثر کو پرکھے گی اور یاد رکھے گی۔' ان کا کہنا تھا کہ امریکہ 'کیوبا'

کے عوام کی جانب دوستی کا ہاتھ ' بڑھا رہا تھا۔ فیدل کاسترو کا شمار بیسویں صدر میں طویل ترین عرصہ تک برسر اقتدار رہنے والے حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے 2006 میں صحت کی خرابی کے باعث عارضی طور پر اپنے بھائی کو اقتدار سونپا تھا۔ تاہم دو سال بعد ان کے بھائی راؤل کاسترو باقاعدہ طور پر کیوبا کے صدر بن گئے تھے۔ ان کی آخری رسومات سنیچر کو ادا کی جائیں گے جبکہ چار دسمبر تک ملک میں سرکاری سطح پر سوگ منایا جائے گا جب ان کی جسد خاکی کو نذر آتش کرنے کے بعد اس کی راکھ کو جنوب مشرقی شہر سان تیاگو میں دفن کیا جائے گا۔ فیدل کاسترو عہد حاضر کے ان عوامی رہنماؤں میں سے تھے جنھوں نے امریکا کی دہلیز پر کیوبا کی ریاست اور حکومت کے قیام سے لے کر اپنی موت تک ایک عظیم مزاحمتی جنگ لڑی۔ ان کی موت کی اطلاع اور تصدیق موجودہ صدر اور اور کاسترو کے چھوٹے بھائی راول کاسٹرو نے کی۔ سرد جنگ کے نقطہ عروج پر کاسٹرو نے تیسری دنیا میں اپنی طلسماتی انقلابی شخصیت کی دھاک بٹھا دی تھی ،

وہ عوام کے محبوب رہنما تھے۔ کاسترو نے 1953 نے مونکاڈا ملٹری بیرکس پر حملے میں ساتھیوں کے ہمراہ حصہ لیا تھا مگر ناکام حملے کے باعث وہ گرفتار ہوئے وہ کیوبا سے باہر چلے گئے اور 6 سال جلاوطن رہ کر واپس کیوبا آئے۔ وہ کیوبن آمر بیتستا کی 80 ہزار فوج کو شکست دے کر کیوبا میں داخل ہوئے تھے۔ 1959 میں وہ کیوبا میں برسر اقتدار آئے، ایک طویل مدت تک کیوبن عوام کی

خدمت کرتے رہے، ان کے انقلابی آدرش کی تقلید کئی عالمی مارکسی انقلابی لیڈروں نے کی، چی گویرا ان میں سے ایک تھے،کاسترو سیکڑوں مرتبہ ناکام قاتلانہ حملوں سے بچتے رہے جب کہ کئی امریکی صدور کو تبدیل ہوتے دیکھتے رہے، انکل سام سے کشمکش اور چپقلش ان کی زندگی اور سیاسی جدوجہد کا ایک ان مٹ تاریخی باب ہے،امریکی خفیہ ایجنسی اور کیوبا کے بعض جلاوطن شہری ان کی زندگی کے درپے رہے مگر ہر بار انہیں ناکامی ہوئی۔ کاسترو نے اپنے ملک میں سماجی و معاشی اصلاحات کا موثر نیٹ ورک قائم کیا جس میں تعلیم اور صحت کو بنیادی ترجیح حاصل تھی۔اگرچہ امریکہ نے کیوبا پر حکمرانی کرنے والے کاسترو سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کی لیکن اس طویل عرصے میں امریکہ میں دس کم از کم صدور تبدیل ہو چکے تھے۔دنیا کے طول و عرض میں کیمونزم کو شکست دینے کے باوجود کاسترو امریکہ کے اپنے ہی دروازے پر ایک چبھتی ہوئی زندہ یاد کی صورت میں موجود رہے۔فیدل الیہاندرو کاسترو تین اگست 1926 میں کیوبا کے ایک امیر خاندان میں پیدا ہوئے جو پیشے کے اعتبار سے جاگیردار تھا لیکن اپنی آرام دہ طرز زندگی لیکن اردگرد پھیلی اذیت ناک مفلسی کی صورت میں سماجی تفریق اور دیگر مصائب ان کے لیے کسی دھچکے سے کم نہیں تھے اور اسی نے انھیں انقلابی بناڈالا۔اس وقت کیوبا پر فلجینسیو بتیستا کی حکومت تھی جن کا اقتدار بدعنوانی، تنزلی اور عدم مساوات کی علامت تھا۔کاسترو اس کے خاتمے کے لیے پرعزم تھے۔اس زمانے کا کیوبا کسی کھلنڈرے شخص کے لیے جنت کی مانند

تھا لیکن در حقیقت وہ منظم مجرموں کی پناہ گاہ کی مانند تھا۔ وہاں جسم فروشی، جوئے بازی اور منشیات کی سمگلنگ عام تھی۔ کاسترو اور اس کے انقلابی گروہ نے موجودہ گوانتاناموبے کے جنوب میں واقع سیرا ماسٹیا نامی پہاڑوں میں موجود اپنے اڈے سے بڑے پیمانے پر گوریلا مہم شروع کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ دو جولائی 1959 کو کیوبا کے صدر مقام ہوانا میں یہی باغی فوج داخل ہو گئی۔ نتیجتاً کاسترو فتحیاب ہوئے، بتیستا کو راہِ فرار اختیار کرنا پڑی اور کیوبا کو نئی حکومت مل گئی۔ یہ کامیابی ارجنٹائن سے تعلق رکھنے والے انقلابی ارنسٹ چی گیوارا کو بھی ملی تھی جنھوں نے کاسترو کی انقلابی تحریک میں حصہ لیا تھا اور بعد میں حکومت کا حصہ بھی بنے۔ کیوبا کے نئے حکمرانوں نے لوگوں کی زمینیں واپس کرنے اور غربا کے حقوق کے تحفظ کا وعدہ کیا۔ لیکن جلد ہی منظر نامہ بدل گیا، حکومت نے ملک میں یک جماعتی نظام مسلط کر دیا جس کی وجہ سے سینکڑوں لوگوں کو جیل کی ہوا کھلائی گئی اور مزدوروں کے کیمپ سیاسی قیدیوں سے بھر گئے۔ صرف یہی نہیں ہزاروں لوگوں کو جلاء وطنی اختیار کرنی پڑی۔ بے آف پگ بغاوت کے دوران فیدل کاسترو ٹینک سے چھلانگ لگاتے ہوئےکاسترو کا دعویٰ تھا کہ ان کے نظریے میں سب سے مقدم حیثیت کیوبا کے عوام کی ہے۔ انھوں نے ایک موقعے پر کہا تھا: اشتراکیت اور مارکسیت سے نہیں، مگر بہتر منصوبہ بندی سے تشکیل دی گئی معیشت میں ' جمہوریت اور سماجی انصاف کی ترجمانی ہوتی ہے۔'

1960 میں فیدل کاسترو نے کیوبا میں موجود ان تمام کاروباروں کو قومی ملکیت میں لے لیا جو دراصل امریکہ کی ملکیت تھے۔ جواباً امریکہ نے کیوبا پر تجارتی پابندیاں عائد کر دیں جو حالیہ برسوں میں صدر
براک اوباما کے دور میں کہیں جا کر اٹھنا شروع ہوئیں۔ کاسترو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انھیں مجبوراً سوویت یونین کے سربراہ نیکیتا کروچو سے رابطے استوار کرنا پڑے، تاہم سے بہت سے تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ کاسترو نے اپنی خوشی اور مرضی سے سوویت یونین کو گلے لگایا تھا۔ اس سے قطع نظر کہ ان کے اس اقدام کے کیا پیچھے کیا محرکات تھے، نتیجتاً کیوبا سرد جنگ کا میدان بن گیا۔ اپریل 1961 میں امریکہ نے کیوبا سے کاسترو کے اقتدار کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے کے لیے اسیری کی زندگی گزارنے والے کیوبا کے باشندوں کو غیر سرکاری فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ کیوبا کے ساحل بے آف پگز میں امریکی معاونت میں تربیت حاصل کرنے والے کیوبن باشندوں نے حملہ کیا لیکن کیوبا کے فوجی دستوں نے اسے ناکام بنا دیا۔ اس لڑائی میں لاتعداد حملہ آور مارے گئے جبکہ ایک ہزار کے قریب گرفتار ہوئے۔ فیدل
کاسترو نے اس حملے کو ناکام بنا کے امریکہ کو ناکوں چنے چبوا دیے، جسے امریکہ ایک عرصے تک نہیں بھلا سکا۔ اگلے برس یعنی 1962 میں امریکہ کے جاسوس طیاروں نے کیوبا کے مختلف مقامات پر سوویت یونین کے میزائلوں کی موجودگی کا پتہ لگایا۔ اس

کے بعد اچانک دنیا بھر پر ایٹمی جنگ کے سیاہ بادل چھا گئے۔ دو عالمی طاقتیں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی ہو گئیں۔ لیکن پلک جھپکنے کی پہل روس کے صدر نیکیتا کروشیف نے کیوبا سے میزائل نکالنے کی صورت میں کی۔ اس کے بدلے میں ترکی سے امریکی ہتھیاروں کو نکالنے کا خفیہ معاہدہ طے ہوا۔ فیدل کاسترو نے دعوی کیا تھا کہ انھیں نکیتا خروشیف کے ساتھ اتحاد میں شمولیت کے لیے مجبور کیا گیا تھا کاسترو امریکہ کے دشمنوں کی فہرست میں اول نمبر پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے انھیں آپریشن مونگوس میں قتل کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ بچ نکلے۔ دوسری جانب سوویت یونین کیوبا میں پیسہ انڈیل رہا تھا۔ اس نے جزیرے کی گنے کی کاشت کا وسیع رقبہ خرید لیا۔ بدلے میں ہوانا کی بندرگاہ پر اس کے ساز و سامان سے لدے جہاز اترتے تھے۔ امریکہ کی جانب سے تجارتی بندشوں کی وجہ سے کیوبا میں ان اشیائے ضرورت کی شدید قلت تھی۔ سویت یونین پر انحصار کے باوجود کاسترو نے کیوبا کو غیر وابستہ تحریک میں شامل کیا جو اس وقت نوزائیدہ تھی۔ لیکن دوسری جانب کاسترو اتحادوں کا حصہ بھی بنے خاص طور پر انھوں نے افریقہ کی معاونت کی۔ انھوں نے اپنے فوجی دستے انگولا اور موزمبیق میں مارکسٹ گوریلوں کی مدد کے لیے بھیجے۔ 80 کی دہائی کے نصف تک عالمی سطح پر جغرافیائی سیاسی منظر نامہ بدل رہا تھا۔ یہ میخیل گورباچوف، گلاس نوسٹ اور پیرسٹرویکا کا زمانہ تھا اور یہی کاسترو کے انقلاب کے لیے تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ادھر روس نے کیوبا کی معاشی مدد سے ہاتھ

کھینچ لیا اور اس سے مزید چینی لینے سے انکار کر دیا۔ امریکی تجارت کی بندش اور سویت یونین کی مدد نہ ملنے کی وجہ سے کیوبا میں بڑے پیمانے پر ضروری اشیا کی قلت پیدا ہو گئی۔ جب خوراک کے حصول کے لیے قطاریں طویل ہونے لگیں تو عوامی ضبط بھی مزید کم ہوتا چلا گیا۔ کاسترو کی فورسز 1959 میں ہوانا میں داخل ہوئیں۔ وہ ملک جس کے لیے کاسترو نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے، درحقیقت واپس ہل جوتنے کے زمانے میں پہنچ چکا تھا۔ 90 کی دہائی کے وسط تک کیوبا کے عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اگر پہلے لوگ سیاسی اور معاشی وجوہات کی وجہ سے اسیری کی زندگی کی جانب مائل ہوئے تھے تو اب ہزاروں ایسے تھے جو ایک اچھی زندگی کا خواب آنکھوں میں سجائے سمندری راستے سے امریکی ریاست فلوریڈا ہجرت کر گئے۔ بہت سے ایسے تھے جو دوران سفر اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے لیکن ایسا کرنا ان کی جانب سے کاسترو کے لیے عدم اعتماد کا ووٹ تھا۔ بکھرنے والے خاندانوں میں سے ایک مثال نوعمر بچے ایلین گونزالز کی ہے جس کی والدہ فلوریڈا کے سفر کے دوران وفات پا گئی تھیں۔ کیوبا اور میامی میں اس کے خاندان کے درمیان طویل تنازعے کے بعد وہ ہوانا واپس آ گیا تھا۔ اس عرصے میں کاسترو کی حکومت نے اندرونی سطح پر چند قابل توجہ اہداف حاصل کیے۔ ان میں تمام عوام کے لیے بہتر طبّی سہولیات کی فراہمی نمایاں تھی، اسی کی بدولت کیوبا میں بچوں کی اموات ترقی پذیر ممالک سے کم ہو گئی۔ اپنے دور حکومت کے آخری عرصے میں کاسترو کافی حد

تک بالغ نظر ہو چکے تھے۔ 1998 میں پوپ جان پال دوم نے کیوبا کا غیر معمولی دورہ کیا جس کے لیے اس سے پانچ سال قبل تک سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس موقعے پر پوپ نے انسانی حقوق کی پامالی کی وجہ سے کیوبا پر کڑی تنقید کی۔ عالمی میڈیا کے سامنے کاسترو کے لیے یہ سب باعث شرمندگی تھا۔ اپنی واضح کوتاہیوں کے دوسری طرف اقتدار کے آخری برسوں میں کاسترو نے کیریبئین کمیونزم کی ایک انوکھی طرز کو متعارف کروایا۔ اپنے انقلاب کو بچانے کے لیے کاسترو سرمایہ کارانہ نظام 'فری مارکیٹ' کی اصلاحات کو اپنانے اور آہستہ آہستہ متعارف کروانے کے لیے مجبور ہو گئے۔ پوپ جان پال دوئم نے اپنے کیوبا کے دورے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر تنقید کے لیے استعمال کیا۔ 2004 میں کاسترو کی گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور بازو بھی متاثر ہوا جس کے بعد سے کاسترو کی صحت کے بارے میں مختلف افواہیں گردش کرنے لگیں۔ یہ بھی کہا جانے لگا کہ ان کا 24 سالہ بھائی راؤل ممکنہ طور پر ان کی جگہ ذمہ داریاں سنبھال لے گا۔ جولائی 2006 میں جب کاسترو کی 80 ویں سالگرہ میں چند ہی روز باقی تھے، کاسترو نے آنتوں کے آپریشن کے بعد اپنے اختیارات عارضی طور پر اپنے بھائی کے حوالے کر دیے۔ اس دوران کیوبا کی حکومت نے مسلسل طور پر اس خبر کی تردید کرتی رہی کہ کاسترو کو لاحق کینسر خطرناک حد کو پہنچ چکا ہے۔ بعد ازاں فروری 2007 میں کاسترو کے بھائی نے اعلان کیا کہ کاسترو کی صحت بہتر ہو رہی ہے۔ ٹھیک ایک سال بعد کاسترو نے اقتدار چھوڑنے کا اعلان کیا اور کہا کہ وہ

قومی اسمبلی کے اگلے اجلاس میں صدر اور کمانڈر انچیف کی حیثیت سے شرکت نہیں کریں گے۔کاسترو نے عوامی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور 'ریفلیکشنز آف کامریڈ' کے عنوان سے ملکی میڈیا کے لیے تحریریں لکھنے لگے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ کیوبا کے بہت سے لوگوں نے کاسترو کو آزمانا چھوڑ دیا تھا لیکن بہت سے ایسے بھی تھے جنھیں ان سے حقیقی پیار تھا۔وہ کاسترو کو ڈیوڈ کی طرح سمجھتے تھے جو امریکہ کے گولائتھ کے سامنے کھڑے ہونیکی ہمت رکھتا تھا اور جس نے کامیابی حاصل کی تھی۔

ان کے لیے کاسترو کیوبا اور کیوبا کاسترو تھا۔کاسترو ایک انقلابی شخصیت کے طور پر ہمیشہ یاد رکھے جائے گے۔